جلد اوّل
قرآن وحدیث کی روشنی میں
احکام ومسائل
سینکڑوں خطوط کے جوابات کا مجموعہ
حافظ عبدالمنان نورپوری حفظہ اللہ
جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ
ALKARIMIA

قرآن وحدیث کی روشنی میں
احکام ومسائل
جلد اوّل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

پوچھ لو اہل علم سے اگر تم نہیں جانتے (القرآن)

فہرست۔۔۔۔احکام ومسائل

موضوعات / صفحہ نمبر

1۔ کتاب العقائد.....عقائد کا بیان

2۔ کتاب الطھارۃ..... طہارت کے مسائل

وضوء کا بیان

3۔ کتاب الصلوۃ.....نماز کے مسائل

تشہد کا بیان

سجدہ سہو

نماز کا اختتام

نماز کے بعد

نماز کی سنتوں کا بیان

4۔ کتاب الجنائز ...... جنازے کے مسائل

5۔ کتاب الزکوۃ.....زکوۃ کے مسائل

6۔ کتاب الصوم......روزوں کے مسائل

7۔ کتاب الحج والعمرۃ......حج وعمرہ کے مسائل

8۔ کتاب النکاح ..... نکاح کے مسائل

9۔ کتاب الطلاق......طلاق کے مسائل

10۔ کتاب البیوع.....خرید وفروخت کے مسائل

11۔ کتاب المیراث ..... وراثت کے مسائل

12۔ كتاب الاضحية والعقيقة..... قربانی اور عقیقہ کا بیان

13۔ کتاب الأطعمة والأشربة.....کھانے پینے کے احکام

14۔ کتاب الجهاد و الإمارة..... جہاد اور امارت کے مسائل

15۔ کتاب الطب والرُّقی......علاج اور دم کا بیان

16۔ کتاب المناقب والفضائل......خصائل وفضائل کا بیان

17۔ کتاب التفسیر..... تفسیری مباحث

18۔ کتاب الذکر و الدعاء..... ذکر اور دعا کے مسائل

19۔ کتاب اللباس.....لباس کے مسائل

بالوں کو کاٹنے اور رنگنے کا بیان

پردے کا بیان

20۔ کتاب الآداب ...... آداب کا بیان

21۔ کتاب العلم ..... علم کا بیان

22۔ کتاب تعبیر الرؤیا..... خوابوں کی تعبیر

23۔ کتاب الإعتصام ..... کتاب وسنت کی پیروی کا بیان

24۔ کتاب جماعت المسلمین ..... جماعت المسلمین (رجسٹرڈ)

مُقَدِّمَۃ

لوگ وقتاً فوقتاً اس فقیر الی اللہ الغنی کی طرف مکتوب ارسال کرتے رہتے ہیں جن میں وہ متعدد قسم کے مسائل دریافت کرتے ہیں۔ اپنی کم مائیگی کے باوصف حسب استطاعت انہیں جواب دے دیا جاتا ہے بتوفیق اللہ سبحانہ وتعالیٰ وعونہ۔ جن کا علم نہ ہو صاف اور واشگاف الفاظ میں لکھ دیا جاتا ہے "مجھے اس کا علم نہیں۔" سالہا سال سے یہ سلسلہ چلتا آ رہا ہے اور یوں کافی مواد جمع ہو گیا ہے۔ بعض احباب نے پرزور مطالبہ کیا کہ افادۂ خواص وعوام کے لئے اس مواد کو شائع کرنا چاہیے۔ بے بضاعتی اس کام میں آڑے آتی رہی کچھ دوستوں نے اس کام کو کرنے کا ارادہ کیا مگر بوجوہ وہ یہ کام نہ کر سکے آخر میں المکتبة الکریمیہ نے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور ان خطوط کو ترتیب دینے کے لئے انہوں نے جامعہ محمدیہ جی۔ ٹی روڈ کے استاذ اور جامع مسجد آمنہ سپر ایشیا کے خطیب مولانا محمد مالک صاحب بھنڈر کو متعین فرمایا چنانچہ انہوں نے بڑی تندہی جانفشانی سے دن رات محنت کر کے ان بکھرے ہوئے مکتوبات کو مرتب فرمایا اور المکتبہ الکریمیہ نے اس مرتب مجموعہ کو کمپیوٹر پر لکھوایا اور خوبصورت انداز میں طبع کروایا۔ اللہ تعالیٰ انہیں، مولانا محمد مالک صاحب بھنڈر اور دیگر معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ہم سب کو سعادت دارین سے نوازے' آمین یارب العالمین۔

اہل علم سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ انہیں اس مجموعہ میں کوئی لفظی یا غیر لفظی خطا نظر آئے تو مطلع فرمائیں آئندہ اشاعت میں اصلاح کر لی جائے گی ان شاء اللہ تبارك وتعالى ، ولهم عنّا الشكرُ الجميلُ ، وعن الله الأجرُ الجزيلُ، وحسبنا الله ونعم الوكيل.

حافظ عبدالمنان نورپوری

ابن عبدالحق بقلمہ

سرفراز کالونی۔ جی۔ ٹی روڈ۔ گوجرانوالہ ١٤٢٢/٤/١٩ھ

عرضِ مرتب

کتاب 'احکام ومسائل' مجموعہ ہے ان سوالات کے جوابات کا جو حافظ عبد المنان صاحب نور پوری حفظہ اللہ سے کئے گئے، کافی سالوں سے یہ سلسلہ جاری تھا کہ ملک اور بیرون ملک سے لوگ خطوط لکھتے مسائل پوچھتے اور استاد محترم قرآن وسنت کی روشنی میں لوگوں کے مسائل کے جواب لکھتے اور واپسی خط بھیج دیتے اور جواب کی ایک کاپی اپنے پاس محفوظ فرمالیتے اب جبکہ کافی خطوط جمع ہو چکے تو اس علمی ذخیرہ کو عوام الناس تک پہنچانے کی ذمہ داری المکتبة الکریمیه نے اٹھائی اور ادارے کے ذمہ داران نے اس کام کو خوب محنت اور دل جمعی سے کیا اللہ تعالیٰ اس کاوش کو فلاح دارین کا سبب بنائے۔ جمع وترتیب کی خدمت میرے حصہ میں آئی یہ کام میرے لئے انتہائی مشکل تھا کیونکہ مجھے اپنی کمزوریوں کا خوب احساس ہے تاہم میں نے اس خدمت کو قبول کیا اور قدم قدم پر استاد صاحب سے رہنمائی لیتا رہا قرآنی آیات احادیث مبارکہ اور دوسری عربی عبارات پر اعراب لگایا اور بریکٹ [۔۔۔] کے اندر اردو ترجمہ کیا اور قارئین کی سہولت کے لئے حوالہ جات بھی بریکٹ [۔۔۔] کے اندر درج کئے اور جو حوالہ بریکٹ کے بغیر ہو گا وہ استاد محترم کا تحریر کردہ ہے بعض مقامات پر ترجمہ کی بجائے خلاصہ لکھ دیا ہے اور بعض خطوط کسی وجہ سے بغیر اعراب وترجمہ کے ہیں جب کوئی سائل بار بار سوال کرتا تو حافظ صاحب ترتیب وار جواب دیتے یہاں تک کہ سائل خود ہی خط لکھنا چھوڑ دیتا اس طرح آخری تحریر استاد محترم کی ہوتی اور یہ دلیل ہے کہ سائل سے بات بن نہ سکی۔

اس کتاب میں اگر کوئی خوبی ہے تو یہ اللہ کا فضل ہے اور اگر ترجمہ اعراب یا حوالہ میں کوئی کمزوری رہ گئی ہے تو اس کی نسبت میری طرف کرنا۔ نہ کہ استاد محترم کی طرف۔

کتاب ''احکام ومسائل'' کے ایڈیشن ھذا میں فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ اور فضیلۃ الشیخ مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ نے کافی راہنمائی فرمائی اور کئی مقامات پر اصلاح فرمائی۔ اللہ تعالیٰ اُن کو بہتر جزائے خیر دے۔ آمین

والسلام

محمد مالک بھنڈر

۱۱ شعبان ۱۴۲۲ھ

عرض ناشر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَهٗ وَعَلٰی آلِهٖ وَصَحْبِهٖ ، أَمَّا بَعْدُ

ملک کے طول وعرض اور غیر ممالک سے سینکڑوں احباب دینی سوالات پر مشتمل خطوط محترم حافظ عبدالمنان نور پوری حفظہ اللہ تعالیٰ کو لکھتے اور آپ ان کے جوابات قرآن وسنت کی روشنی میں لکھ کر احباب کو بھیج دیتے۔ محترم حافظ صاحب سائل کو بھیجے گئے جواب کی ایک کاپی اپنے پاس رکھ لیتے یہ سلسلہ تا ہنوز جاری وساری ہے۔ اللہ تعالیٰ محترم حافظ صاحب کی زندگی اور صحت میں برکت عطا فرمائے۔ (آمین)

فی الحال جلد اوّل میں تقریباً 1985ء تا 2000 تک کے خطوط کے جوابات شائع کیے جا رہے ہیں۔ ان کی جمع وترتیب کا کام محترم محمد مالک بھنڈر حفظہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو قبولیت سے نوازیں۔ (آمین)

اس کتاب ''احکام ومسائل'' میں قارئین کی آسانی کے لیے اور احباب کی سہولت کے لیے ہر موضوع سے متعلق سوالات کے جوابات الگ الگ باب کے تحت لائے گئے ہیں مثلاً نماز سے متعلق سوالات ''کتاب الصلوٰۃ'' کے باب میں اور اسی طرح کاروبار، تجارت سے متعلق سوالات کے جوابات ''کتاب البیوع'' میں لائے گئے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

کتاب کی اہمیت کے پیش نظر ''المکتبة الکریمیة'' نے طباعتی معیار پر بھرپور توجہ دی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کو جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے اس کو شائع کرنے میں تعاون فرمایا۔ مزید برآں محترم میاں محمد عارف ناظم جامعہ دارالارقم وچیئرمین الارقم ٹرسٹ (میاں عارف ٹاؤن) کا تہہ دل سے شاکر ہوں کہ انہوں نے اس کام میں دلچسپی لی۔

یہ ایڈیشن جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، یہ تیسرا ایڈیشن ہے اس کو دوبارہ سے بہتر انداز میں طبع کیا گیا ہے،

خصوصاً اس سلسلہ میں فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ اور فضیلۃ الشیخ مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ نے کئی ایک مقامات پر اصلاح فرمائی۔ اللہ کریم ان کو جزائے خیر دے۔ آمین

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مسلمانوں کے لیے فائدہ مند بنائے اور ہماری اس کاوش کو قبول و منظور فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

دعاؤں کا طالب

محمد مسعود لون (ایڈووکیٹ)

مدیر مکتبۃ الکریمیۃ

كتاب العقائد ...... عقائد کا بیان

س: اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھتا ہے کون سی چیز ایسی ہے جس کو وہ نہیں دیکھ سکتا؟ فضیلت صدیق

ج: قرآن مجید میں ہے: ﴿إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ﴾ [1] یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب دیکھنے والا ہے اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھتا ہے کوئی ایک چیز بھی ایسی نہیں جس کو اللہ تعالیٰ نہ دیکھتا ہو۔ ١٤١٠/١٢/٢٤ھ

س: اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اے موسیٰ! تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ اللہ کو معلوم تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں کیا ہے پھر اس انداز سے سوال کیوں کیا۔ کیا حکمت تھی۔ نیز یہ بھی بتائیں کہ اگر کوئی کہے کہ نبی ﷺ بھی غیب جانتے تھے جس طرح اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا حالانکہ اللہ جانتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں کیا ہے اسی طرح نبی ﷺ بھی صحابہ سے اور جبرائیل علیہ السلام سے سوال کیا کرتے تھے اللہ کی طرح نبی ﷺ بھی غیب جانتے تھے۔ اس کا کیا جواب ہوگا؟ انسپکٹر عبدالغفور شاہدرہ لاہور 9/1/99

ج: جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور جبریل علیہ السلام سے سوال کرنے سے آپ ﷺ کے غیب نہ جاننے پر استدلال کرتے ہیں ان کے جواب میں آپ کی تحریر کردہ باتیں پیش کی جا سکتی ہیں مگر جو لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ کے علاوہ کسی کے بھی غیب نہ جاننے پر قرآن مجید کی آیت کریمہ ﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ وَمَا يَشْعُرُوْنَ أَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ﴾ [2] [آپ فرما دیں نہیں کوئی جانتا جو کوئی ہے آسمان اور زمین میں غیب کو مگر اللہ اور ان کو خبر نہیں کب اٹھائے جائیں گے] پیش کرتے ہیں ان کے جواب میں آپ والی باتیں پیش نہیں ہو سکتیں۔

پھر اللہ تعالیٰ کے غیب کو جاننے کے دلائل کتاب وسنت میں موجود ہیں جن کی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو موسیٰ علیہ السلام کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے سوال کرنے سے پہلے بھی معلوم تھا جبکہ نبی کریم ﷺ کے غیب کو جاننے کی کوئی دلیل نہیں بلکہ غیب نہ جاننے کے دلائل ہیں لہٰذا "اسی طرح نبی ﷺ بھی صحابہ اور جبریل سے سوال" الخ والی آپ کی بات بنتی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے موسیٰ علیہ السلام سے سوال ﴿وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ﴾ [3] کی حکمت پر اس کے بعد ازاں سانپ بنا دیئے جانے سے کچھ نہ کچھ روشنی پڑتی ہے باقی اصل حکمت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ﴿وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ﴾

١٤١٩/١٠/١٥ھ

---

[1] الملك / ٢٩/١٩ [2] [النمل ٦٥ پ ٢٠] [3] طه ١٨

س: تقدیر لکھی گئی ہے اب آدمی کو کیا ضرورت ہے کہ وہ نیک کام کرے؟ مختار احمد فاروقی ضلع ایبٹ آباد

ج: اس قسم کا سوال کرنے والوں سے کہیں تقدیر تو لکھی گئی ہے اب آدمی کو کیا ضرورت ہے کہ وہ بدکام کرے نیز رزق کے متعلق بھی تو تقدیر لکھی گئی ہے اب آدمی کو کیا ضرورت ہے کہ وہ کارخانہ بنائے، دکان چلائے، کاشتکاری یا کوئی اور محنت مزدوری کرے اور ملازمت و نوکری کرتا پھرے؟ یہ سب کاروبار ٹھپ کر گھر میں بیٹھ جائے کیونکہ تقدیر تو لکھی گئی ہے اب الخ ۱۴۱۵/۲/۱۴ھ

س: قرآن میں اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ "جسے میں چاہوں ہدایت دوں اور جسے چاہوں گمراہ کروں" اب سوال یہ ہے کہ اگر اللہ خود ہی گمراہ کرتا ہے تو پھر اس میں انسان کا کیا قصور ہے؟ حافظ صاحب یہ وہ سوال ہے کہ میں جب بھی کسی سے بات کرتا ہوں تو کبھی نہ کبھی یہ سوال کیا جاتا ہے اس لیے اس کا ایسا مفصل جواب تحریر کریں تاکہ میری سمجھ میں ایسا آئے کہ میں دوسروں کو بھی سمجھا سکوں۔ ایم اے طاہر آزاد کشمیر 16 نومبر 1997

ج: مشیت، ارادہ اور چاہنا اور چیز ہے اور راضی ہونا (پسند کرنا) اور چیز ہے عام طور پر دونوں کو ایک ہی سمجھ لیا جاتا ہے حالانکہ یہ دونوں ایک نہیں مثلاً ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایمان میں اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور اس کی رضا دونوں جمع ہیں اور ابوجہل بن ہشام کے ایمان میں اللہ تعالیٰ کا ارادہ نہیں ہے اور رضا ہے اور ابوجہل بن ہشام کے کفر میں اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے رضا نہیں ہے۔ ﴿وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ﴾ [1] [اور پسند نہیں کرتا اپنے بندوں کا منکر ہونا]

جو انسان ہدایت یافتہ بننے کا ارادہ کرے پھر ہدایت کے لیے کوشش کرے اللہ تعالیٰ کی طرف انابت اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت دے دیتا ہے قرآن مجید میں ہے: ﴿اَللّٰهُ يَجْتَبِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ﴾ [2] [اللہ چن لیتا ہے اپنی طرف جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع کرے] قرآن مجید ہی میں ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ [3] [اور جنہوں نے محنت کی ہمارے واسطے ہم سمجھا دیں گے ان کو اپنی راہیں] يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ کا یہ مطلب ہے یہ مطلب نہیں کہ جس کو چاہتا ہے بجبر و اکراہ ہدایت دے دیتا ہے جیسا کہ بعض نے سمجھنا شروع کر رکھا ہے۔

اور جو انسان گمراہ بننا چاہے گمراہ بننے کی خاطر سعی اور کوشش شروع کر دے ظلم اور فسق کا ارتکاب کرنے لگے تو ایسے انسان کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا قرآن مجید میں ہے: ﴿وَمَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفَاسِقِيْنَ﴾ [4] [اور گمراہ نہیں کرتا اس مثال سے مگر بدکاروں ہی کو] قرآن مجید ہی میں ہے: ﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ﴾ اور ایک اور مقام

---

[1] [الزمر ۷ پ ۲۳] [2] [الشورٰی ۱۳ پ ۲۵] [3] [العنکبوت ۶۹ پ ۲۱] [4] [البقرۃ ۲۶ پ ۱]

پر ہے: ﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ [1] [اور اللہ سیدھی راہ نہیں دکھاتا بے انصافوں کو] يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ کا یہ مطلب ہے یہ مطلب نہیں کہ جس کو چاہتا ہے بجبر واکراہ گمراہ بنا دیتا ہے جیسا کہ بعض نے سمجھ رکھا ہے ان دونوں باتوں کی دلیل قرآن مجید کی آیت ﴿لَآ إِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾ الآية [2] [زبردستی نہیں دین کے معاملہ میں بے شک جدا ہو چکی ہے ہدایت گمراہی سے] بھی ہے۔

اس کی مثال فراخی رزق اور تنگی رزق کا مسئلہ ہے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ﴾ [3] اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے اب کوئی اس کا یہ مطلب سمجھتا ہے کہ ایک انسان ناکارہ ہے کوئی کام کاج نہیں کرتا اور کام کاج کرنے کی صلاحیت واستعداد رکھنے کے باوجود کچھ نہیں کرتا نہ ملازمت نہ تجارت نہ صناعت اور نہ ہی کوئی اور پیشہ تو اللہ تعالیٰ بزور اس کا رزق فراخ کر دیتا ہے؟ اور ایک انسان ملازمت یا تجارت یا صناعت یا کسی اور کام کاج میں دن رات خون پسینہ ایک کیے ہوئے ہے تو اللہ تعالیٰ بزور اس کا رزق تنگ کر دیتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ ورنہ تمام لوگ کام کاج چھوڑ کر ہاتھوں پر ہاتھ رکھے بیٹھ جائیں اور اسباب کا تعطل اور ان کی تعطیل لازم آئے ہاں یہ بات درست ہے بسا اوقات اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کے اظہار کی خاطر اسباب سے بے نیازی بھی دکھا دیتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت جس طرح مسببات پر محیط ہے بالکل اسی طرح اسباب پر بھی محیط ہے مگر ہدایت وضلالت یا کسی اور امر میں اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا۔ ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ [4] امید ہے آپ اتنی تفصیل سے مسئلہ سمجھ جائیں گے ان شاء اللہ سبحانہ وتعالیٰ ۔ ۱۴۱۸/۷/۲۲ھ

س : قرآن پاک میں ارشاد اللہ عزوجل ہے۔ اور اگر جب اپنی جانوں پر ظلم کریں تو تیرے حضور حاضر ہوں پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش چاہیں اور معافی مانگے ان کے لیے رسول اللہ ﷺ تو بے شک اللہ عزوجل تو توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ عزوجل قادر تھا گناہ بخش دے مگر ارشاد ہوتا ہے کہ توبہ قبول ہونا چاہو تو میرے پیارے کی سرکار میں حاضر ہو۔

(ا) کیا یہ حکم اللہ عزوجل خاص دور نبوی ﷺ تک محدود تھا یا قیامت تک کے مسلمانوں کو عام ہے؟ اگر عام ہے تو پھر جو قبر انور پر حاضر ہو کر آپ ﷺ کو مخاطب کر کے اپنے گناہوں کی معافی چاہے یہ جانتے ہوئے کہ میرے آقا میرے لیے اللہ عزوجل سے میرے گناہوں کی دعا کر رہے ہیں۔

ایسا عقیدہ رکھنا شرک ہے یا قرآن پر عمل کر رہا ہے جو مجبوراً دور دراز ہونے کی وجہ سے حاضر نہیں ہو سکتا وہ کیسے

---

[1] [بقرة ۲۵۸ پ۳] [2] [بقرة ۲۵۶ پ۳] [3] [الرعد ۲۶ پ ۱۳] [4] [یونس ٤٤ پ۱۱]

اپنے گناہوں کی تلافی کرے۔

(۲) کیا رسول اللہ ﷺ اپنی قبر میں دنیاوی زندگی کی طرح زندہ ہیں نماز پڑھتے اور رزق کھاتے ہیں؟

(۳) کیا رسول اللہ ﷺ کی قبر انور کی زیارت محض قبر انور کی زیارت کے لیے کسی اور مقصد کے لیے نہیں شرک ہے یا باعث برکت قبر انور کی زیارت کرنے والے کو کیا شرف حاصل ہوتا ہے؟ محمد سلیم انارکلی سمن آباد گوجرانوالہ 7/12/94

ج: (۱) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ سے وقتاً فوقتاً اپنے لیے اور دوسروں کے لیے دعا کرواتے رہے مگر میرے علم میں نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے کسی ایک بھی صحابی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ سے اپنے لیے یا کسی دوسرے کے لیے کوئی دعا کروائی ہو۔ اس آیت کی تفصیلی تفسیر کی خاطر مولانا محمد بشیر صاحب سہوانی کی کتاب ''صيانة الإنسان'' کا مطالعہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا: ﴿إِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا﴾ نیز فرمایا ﴿وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا اللّٰهُ﴾ مزید فرمایا ﴿وَهُوَ الَّذِىْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ﴾ [1] [اور وہی ہے جو قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں کی اور معاف کرتا ہے برائیاں اور جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو] لہٰذا انسان اپنے گناہوں کی معافی اللہ تعالیٰ سے مانگے اور اسی کی بارگاہ میں توبہ کرے ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّاباً﴾ [2] [تو پاکی بول اپنے رب کی خوبیاں اور گناہ بخشوا اس سے بے شک وہ معاف کرنے والا ہے]

(۲) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا: ﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَّإِنَّهُمْ مَيِّتُوْنَ﴾ [3] [بے شک تجھے (اے نبی ﷺ) بھی مرنا ہے اور وہ بھی مر جائیں گے] اس لیے رسول اللہ ﷺ اور دیگراں کی قبروں میں زندگی دنیاوی نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے قبر میں نماز پڑھنے اور ﴿بَلْ أَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ﴾ سے قبر کی زندگی کے دنیاوی ہونے پر استدلال درست نہیں۔

(۳) مدینہ منورہ میں رہنے والے رسول اللہ ﷺ کی قبر اور مقبرۃ البقیع کی زیارت کر سکتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قبروں کی زیارت آخرت یاد دلاتی ہے البتہ تین مساجد کے علاوہ کسی اور جگہ رخت سفر باندھ کر جانے سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے وہ تین مسجدیں یہ ہیں۔ مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ شَرَّفَهَا اللّٰهُ تبارك وتعالىٰ

۱۲/۷/۱۴۱۵ھ

س: کیا انبیاء علیہم السلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اولیاء عظام رحمہم اللہ کے عمل صالحہ اور ان کی حرمت کا وسیلہ دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ قرآن وسنت اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کی روشنی میں جواب دیں؟ سیف اللہ خالد ضلع اوکاڑہ

---

[1] [الشورىٰ ۲۵ پ ۲۵] [2] [النصر ۳ پ ۳۰] [3] [الزمر ۳۰ پ ۲۳]

ج: دعا کرنے والا رب تعالیٰ کے سامنے اپنے لوجہ اللہ کئے ہوئے اعمال صالحہ ذکر کر سکتا ہے جیسا کہ بارش سے بچنے کے لیے غار میں داخل ہونے والے تین آدمیوں کی دعا والی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ [1] البتہ کسی اللہ کے بندے کی ذات یا بات یا صالحات یا حرمات کا اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے وقت وسیلہ کتاب وسنت سے ثابت نہیں۔ ۱۴۱۸/۴/۲۷ھ

س: ایک اسٹکر لاہور سے چھپا ہے جس میں پکارو یا محمد ﷺ یا رسول ﷺ اس کی وضاحت فرمائیں اور دلائل تحریر کریں؟

پکارو یا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم یا رسول اللہ

یا محمد، یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم کہنے والا خوش نصیب ہے۔ اور شرک و بدعت کہنے والا منکر قرآن وحدیث ہے۔ امام بخاری اور دیگر محدثین لکھتے ہیں جب تکلیف اور پریشانی ہو تو پکارو! یا محمد، یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم [2]

فرقہ پرست اہل حدیث نے حدیث سے لفظ ''یا'' کاٹ دیا اور حدیث دشمنی کا ثبوت دیا [3]

حوالہ غلط ثابت کرنے والے کو منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔ بزم خیر اندیش ۴۹ عمر دین روڈ وسن پورہ لاہور ۳۹

شیخ محمد الیاس گوجرانوالہ

ج: جناب کا مکتوب موصول ہوا گزارش ہے آپ اس سلسلہ میں جماعت کے موقر جریدہ ہفت روزہ الاعتصام لاہور جلد نمبر ۴۳ شمارہ نمبر ۲۷ ص ۱۰ تا ۲۰ میں حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ تعالیٰ کا مضمون ''ندا لغیر اللہ شرک و بدعت ہے یا نہیں؟'' ضرور پڑھیں اس سے آپ کو کافی معلومات مہیا ہوں گی۔ ان شاء اللہ المنان ۱۴۱۲/۳/۱۴ھ

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ کا مضمون درج ذیل ہے۔

ندا لغیر اللہ شرک و بدعت ہے یا نہیں؟

ایک بریلوی مضمون نگار کے ''دلائل'' کا تجزیہ

اہلحدیث یوتھ فورس لاہور نے ایک سٹیکر چھاپا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ صرف ''یا اللہ مدد'' کہا جائے۔ مطلب ومقصد یہ تھا کہ بہت سی بسوں اور ویگنوں پر جو ''یا علی مدد'' لکھا ہوتا ہے بلکہ اب ''یا رسول اللہ مدد'' بھی لکھا جانے لگا ہے۔ لوگ ان سے بچیں، کیونکہ ان میں غیر اللہ کو مدد کے لیے پکارا جاتا ہے جو شرک ہے اور اس لحاظ سے ''یا علی مدد'' اور ''یا رسول

[1] یہ حدیث: بخاری كتاب الادب باب إِجَابَة دُعَاء مَنْ بَرَّ وَالِدَيْه میں ہے۔

[2] الادب المفرد ص۱۴۲ (چھاپه بیروت ومصر، تحفة الذاكرين للشوكانی ص۲۳۹، كتاب الاذكار للنووی ص۱۴۲، كتاب عمل اليوم والليلة لابن سنی ص۴۷-۴۸ (۳سندين) فتح الباری جلد۳ ص۱۴۸ مصر، فتح الباری بيروت جلد۲ ص۶۳۰، مصنف ابن ابی شيبه جلد۱۲ ص۳۲

[3] الادب المفرد چھاپه المكتبه الاثريه (سانگله هل) ص۲۵۰ وچھاپه حيدر اباد جلد۲ ص۴۴۰-۴۴۱

اللہ مدد" شرکیہ نعرے ہیں جو کسی بھی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے۔اپنے پیغام اور دعوت توحید کو مدلل کرنے کے لیے اسٹکر میں "یا اللہ مدد" کے اوپر قرآن مجید کی آیت ﴿لاَ تَدْعُ مَعَ اللهِ اِلٰهًا آخَرَ﴾ [1] کا ترجمہ بایں الفاظ درج کیا ہے۔"اور نہ پکارو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو" اس کا زیادہ صحیح ترجمہ تو ہے۔"اور نہ پکارو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو"۔

اول الذکر ترجمہ میں الٰہ (معبود) کا ترجمہ رہ گیا ہے۔لیکن ایسا کرنے میں کوئی علمی خیانت یا بدنیتی شامل نہیں ہے کیونکہ اہلحدیث کا مسلک بالکل واضح ، بے غبار اور قرآن وحدیث کی صریح تعلیمات پر مبنی ہے، اس لیے اسے آیات قرآنیہ میں معنوی تحریف کرنے یا ان کا مفہوم بدلنے یا سادہ لوح عوام کو مغالطہ دینے کی ضرورت ہی نہیں ہے، جس طرح کہ یہ ضرورت اہلحدیث کے علاوہ دیگر سب فرقوں کو ہے اور وہ حسب ضرورت یہ سب کچھ کرتے کہتے رہتے ہیں (جس کی واضح مثالیں بوقت ضرورت پیش کی جاسکتی ہیں) اس لیے آیت مذکورہ کے ترجمہ میں الٰہ (معبود) کا جو ترجمہ رہ گیا ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ درج کردہ ترجمہ کا مفہوم بھی وہی ہے جو معبود کے اضافے کے ساتھ بنتا ہے اس لیے ترجمہ کرنے والوں کا ذہن اس طرف منتقل ہی نہیں ہوسکا کہ ایک لفظ کا ترجمہ رہ گیا ہے کیونکہ دونوں صورتوں میں مفہوم ایک ہی رہتا ہے۔مفہوم و معنی میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ جس کسی کو بھی مافوق الاسباب طریقے سے مدد کے لیے پکارا جائے تو اسے خدائی صفات کا حامل سمجھ کر ہی پکارا جاتا ہے جو درحقیقت اسے معبود ہی سمجھنا ہے۔تو جب ہم یہ کہیں گے کہ "اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو یا کسی کو مت پکارو" تو اسکا مطلب یہی ہوگا کہ "اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو مت پکارو" جیسا کہ قرآن مجید کی دوسری آیت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔سورہ جن ۱۸ میں ہے: ﴿وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلاَ تَدْعُوْا مَعَ اللهِ اَحَدًا﴾ "مسجدیں اللہ کے لیے ہیں، پس تم اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو"۔"کسی کو یا دوسرے کو" مت پکارو کا مطلب یہی ہے کہ دوسرے معبود کو مت پکارو۔اس لحاظ سے ﴿لاَ تَدْعُ مَعَ اللهِ اِلٰهًا آخَرَ﴾ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو مت پکارو اور ﴿فَلاَ تَدْعُوْا مَعَ اللهِ اَحَدًا﴾ (اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو) دونوں آیتوں کا مفہوم و مطلب ایک ہی ہے بالکل اسی طرح زیر بحث ترجمہ میں "معبود" کے بغیر اور لفظ "معبود" کے ساتھ مفہوم ایک ہی رہتا ہے۔معنی و مفہوم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔بنابریں اہلحدیث یوتھ فورس کے شائع کردہ سٹکر میں قرآن کریم کی کسی آیت میں معنوی تحریف کا ارتکاب نہیں کیا گیا ہے نہ انہیں اس کی ضرورت ہی ہے۔

لیکن بریلوی فرقے کے ایک ترجمان "ماہنامہ" "سیدھا راستہ، بابت جون ۱۹۹۱ میں شائع شدہ ایک مضمون میں

---

[1] القصص۔۸۸

مذکورہ اسٹکر پر اعتراض کیا گیا ہے کہ اس میں قرآن مجید کے ترجمہ میں تحریف کر کے فرقہ پرستی کا مظاہرہ کیا گیا ہے حالانکہ سٹکر میں درج شدہ ترجمہ سے نہ قرآن کریم کے ترجمہ میں تحریف ہوئی ہے نہ کسی فرقہ پرستی کا مظاہرہ کیا گیا ہے بلکہ قرآن کریم کی پیش کردہ دعوت توحید تمام اہل اسلام کو پہنچانے کی سعی کی گئی ہے۔ اس کے برعکس مضمون نگار نے فرقہ پرستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے قرآن کریم کی دعوت توحید کو مسخ کرنے کی مذموم سعی کی ہے اور یہ باور کرانا چاہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو پکارنا جائز ہے۔ یہ شرک نہیں ہے اپنے اس مشرکانہ عقیدے کے اثبات کے لیے مضمون نگار نے جو مغالطے دیئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) پہلا مغالطہ مضمون نگار نے یہ دیا ہے کہ محض کسی کو پکارنا شرک نہیں ہے۔ صرف وہ پکارنا شرک ہے جو کسی کو معبود سمجھ کر پکارا جائے۔ یہ بات اس حد تک تو یقیناً صحیح ہے کہ جب ہم آپس میں ظاہری اسباب کے مطابق ایک دوسرے کو پکارتے یا بلاتے یا مدد طلب کرتے ہیں تو ہم ایک دوسرے کو معبود یا حاجت روا اور مشکل کشا نہیں سمجھتے۔ اس لیے یہ یقیناً شرک نہیں ہے نہ اسے آج تک کسی نے شرک سے تعبیر ہی کیا ہے اصل مابہ النزاع پکارنا جو ہے، وہ اور ہے اور وہ ہے کسی کو مافوق الاسباب طریقے سے مدد کے لیے پکارنا، اسے حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر پکارنا، دور اور نزدیک سے یہ سمجھ کر پکارنا کہ وہ میری فریاد سننے پر اور اس کے مطابق فریاد رسی پر قادر ہے دراں حالیکہ وہ فوت شدہ ہے یہ پکارنا شرک ہے جس طرح لوگ ''یا علی مدد'' کہہ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو، بعض لوگ ''یا رسول اللہ مدد'' کہہ کر رسول اللہ ﷺ کو اور بعض لوگ ''یا شیخ عبدالقادر شیئا للہ'' یا ''المدد یا غوث اعظم'' کہہ کر پیر جیلانی کو مدد کے لیے پکارتے ہیں یہ پکارنا ظاہر بات ہے مافوق الاسباب طریقے سے ہے، کیونکہ ان میں سے کوئی بھی پکارنے والے کے سامنے زندہ موجود نہیں ہے۔ گویا پکارنے والا یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اگرچہ ان کو فوت ہوئے صدیاں گزر گئی ہیں۔ ان کی قبریں بھی ہزاروں میل کے فاصلے پر ہیں لیکن ان سب کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کی طرح میری فریاد سن سکتے ہیں اور میری حاجت روائی کر سکتے ہیں۔ تب ہی تو وہ ہزاروں میل کے فاصلے سے ان کو مدد کے لیے پکارتا ہے۔ حاجت براری کے لیے ان سے دعائیں کرتا ہے اور ان کی خوشنودی کے لیے ان کے نام کی نذر نیازیں دیتا ہے۔ یہ بھی اگر شرک نہیں ہے تو پھر کہنا چاہیے کہ دنیا میں شرک کا وجود ہی کبھی نہیں رہا ہے اور نہ اب ہے۔

(۲) مضمون نگار لکھتا ہے کہ یہ کہنا ''حاضر غائب کو اور زندہ فوت شدہ کو نہیں پکار سکتا'' اگر پکارے گا تو شرک و بدعت ہو گا۔ یہ فتویٰ قرآن پاک اور حدیث پاک پر نظر کی کمی سے پیدا ہوا ہے۔ غائب کو پکارنا اگر شرک و بدعت ہوتا تو حضرت

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حضرت ساریہ کو نہ پکارتے جو ایران میں نہاوند کے علاقے میں مصروف جہاد تھے"۔ [1]

لیکن ہم عرض کریں گے کہ فوت شدہ کو پکارنے کو شرک سے تعبیر کرنا، قرآن پاک اور احادیث صحیحہ کے عین مطابق ہے۔ یہ فتویٰ قرآن پاک اور حدیث پاک پر نظر کی کمی کا نہیں بلکہ قرآن مجید کے صحیح فہم اور احادیث صحیحہ کے گہرے مطالعے کا نتیجہ ہے جس پر بیسیوں آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ پیش کی جاسکتی ہیں۔ جہاں تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ يَا سَارِيَةُ الْجَبَلَ [2] کا تعلق ہے، یہ واقعہ سنداً بلاشبہ قابل قبول ہے لیکن یہ بطور کرامت ہے جس سے کسی مسئلے کے اثبات کے لیے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ معجزہ اور کرامت یہ انسان کے اختیاری فعل نہیں۔ یہ اللہ کی مشیت کے تحت صادر ہوتے ہیں، اسی لیے کوئی نبی محض اپنے اختیار سے اللہ کی مشیت کے بغیر معجزہ صادر کر کے نہیں دکھا سکتا اور کوئی ولی کسی کرامت کا اظہار نہیں کرسکتا اور یہی وجہ ہے کہ اہل سنت کے ہاں یہ اصول مسلمہ ہے کہ معجزہ اور کرامت سے استدلال جائز نہیں۔ اس لیے مضمون نگار کا یاسارية الجبل کے واقعے سے استدلال بڑا عجیب اور اہل سنت کے مسلمہ اصول کے خلاف ہے۔ البتہ حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کے واقعے میں اگر مزید غور کیا جائے تو اس سے یہ پہلو مزید واضح ہوجاتا ہے کہ دور خیر القرون میں مصیبت کے وقت فوت شدہ یا نظروں سے غائب بزرگوں کو مدد کے لیے پکارنے کا کوئی تصور نہیں تھا۔ ورنہ حضرت ساریہ، جو دشمن کے نرغے میں گھر گئے تھے، رسول اللہ ﷺ کو یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مدد کے لیے ضرور پکارتے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا کیوں کہ اس دور میں اس شرک کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا، وہ تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اس لشکر کی مدد فرمائی تھی جو نہاوند میں حضرت ساریہ کی سرکردگی و قیادت میں کافروں کے خلاف صف آراء تھا۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے يَا سَارِيَةُ الْجَبَلَ (اے ساریہ پہاڑ کے دامن میں پناہ لو) کے الفاظ نہ صرف کہلوائے بلکہ معجزانہ طور پر یہ الفاظ سینکڑوں میل کے فاصلے کے باوجود حضرت ساریہ کے کانوں تک بھی پہنچا دیئے۔

ایک مجہول الحال آدمی کے خواب سے استدلال: اس کے بعد مضمون نگار نے "وصال شدہ کو پکارنا قرآن وحدیث سے ثابت ہے" کا عنوان دے کر بعض عجیب وغریب دلائل اور بعض غیر ثابت شدہ روایات پیش فرمائی ہیں۔ ہم ذیل میں ان کی حقیقت بھی واضح کرتے ہیں۔

(ا) ایک دلیل یہ دی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں قحط واقع ہوگیا۔ ایک صاحب حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ صحابی، حضور نبی اکرم ﷺ کے مزار پُر انوار پر حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے لیے پانی مانگیے۔ کیونکہ وہ ہلاک ہوتی جارہی ہے تو ایک مردان (حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ) کے خواب میں آئے

[1] ماہنامہ "سیدھا راستہ" ص ٢٤ [2] مشکوٰۃ باب الکرامات

(اور الاستیعاب کے الفاظ یہ ہیں کہ) خواب میں نبی کریم ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور انہیں کہو کہ لوگوں کے لیے بارش کی دعاء کریں انہیں بارش دی جائے گی اور انہیں کہو کہ احتیاط کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہو۔ وہ صاحب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ماجرا بیان کیا۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رو دیئے۔ کہا یا اللہ (جل جلالک) میں اپنی بساط بھر کوتاہی نہیں کرتا"۔ [1]

یہ واقعہ بلاشبہ حدیث کی ایک کتاب "مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۳۲" اور فتح الباری ج ۲ ص ۴۹۵ کتاب الاستسقاء باب سوم میں درج ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی بابت کہا ہے۔ **وروی عن ابن ابی شیبہ باسناد صحیح من روایة ابی صالح السمان عن مالك الدار** الخ اس روایت کو ابن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ ابو صالح السمان عن مالک الدار کے حوالے سے بیان کیا ہے لیکن تین وجوہ سے یہ واقعہ نا قابل استدلال ہے۔

(۱) یہ قصہ صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ واقعے کا اصل راوی مالک الدار ہے جو مجہول ہے جب تک اس کی عدالت اور ضبط کا علم نہیں ہوگا یہ واقعہ ساقط الاعتبار ہوگا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے جو یہ کہا ہے **باسناد صحیح من روایة ابی صالح السمان** تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سنداً ابو صالح السمان تک یہ روایت صحیح ہے۔ مالک الدار کے حالات کا چونکہ حافظ ابن حجر کو علم نہیں ہو سکا تھا اس لیے انہوں نے اس کی بابت خاموشی اختیار کر کے ابو صالح تک سلسلہ سند کو صحیح قرار دے دیا، مقصد یہ تھا کہ مالک الدار کی عدالت وضبط کی بھی اگر توثیق ہو جائے تو یہ روایت بالکل صحیح ہے بصورت دیگر غیر صحیح۔ ان کی تصحیح کا مطلب پوری سند کی تصحیح نہیں ہے اگر پوری سند ان کے نزدیک صحیح ہوتی تو وہ اس طرح کہتے "**عن مالك الدار واسناده صحیح**"، لیکن حافظ صاحب نے اس طرح نہیں کہا۔ اس لیے جب تک واقعہ کا اصل راوی - مالک الدار - کی توثیق نہیں ثابت ہوگی، یہ واقعہ نا قابل حجت ہوگا۔

(۲) یہ قصہ سنداً صحیح ہو تب بھی حجت نہیں، اس لیے کہ مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت کا ایک آدمی پر مدار ہے جو نا معلوم اور مجہول ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے سیف بن عمر کے حوالے سے اس نا معلوم آدمی کا نام بلال بن الحارث (صحابی) بتلایا ہے۔ حالانکہ سیف بن عمر خود محدثین کے نزدیک بالاتفاق ضعیف ہے۔ بلکہ اس کی بابت یہاں تک کہا گیا ہے کہ وہ ثقہ راویوں کے نام سے من گھڑت حدیثیں بیان کرتا تھا۔

ایسے کذاب ووضاع راوی کے بیان پر یہ کس طرح باور کیا جا سکتا ہے کہ نبی ﷺ کی قبر پر جا کر عرض گزار ہونے والے ایک صحابی حضرت بلال بن الحارث المزنی تھے؟

---

[1] ماہنامہ "سیدھا راستہ" ص ۲۵ جون ۱۹۹۱

(۳) بالخصوص جب کہ مستند اور صحیح روایت سے اکابر صحابہ ؓ کا یہ طرز عمل ثابت ہے کہ انہوں نے قحط سالی کے موقع پر نبی ﷺ کی قبر مبارکہ پر جا کر استغاثہ نہیں کیا بلکہ کھلے میدان میں نماز استسقاء کا اہتمام کیا جو ایک مسنون عمل ہے اور اس میں زندہ بزرگ عم رسول ﷺ حضرت عباس ؓ سے دعاء کروائی ❶ یہ واقعہ حضرت عمر ؓ کے زمانے کا ہے اسی طرح حضرت معاویہ ؓ کے زمانے میں قحط پڑا تو انہوں نے بھی ایک اور صحابی رسول ﷺ سے دعا کروائی۔

ان مستند واقعات اور اکابر صحابہ ؓ کے طرز عمل کے مقابلے میں ایک غیر مستند روایت اور وہ بھی خواب پر مبنی، نیز مجہول شخص کے بیان کو کس طرح تسلیم کیا جا سکتا ہے؟

مذکورہ وجوہ سہ گانہ کی وجہ سے مصنف ابن ابی شیبہ کی یہ روایت کسی طرح بھی قابل استدلال نہیں رہتی تاہم اگر اسے کسی درجہ میں قابل حجت تسلیم کر لیا جائے تب بھی اس روایت سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے اس آدمی کو ہی ہدایت کی کہ حضرت عمر ؓ کے پاس جا کر کہو کہ وہ لوگوں کو ساتھ لے کر دعاء کریں یعنی نماز استسقاء کا اہتمام کریں۔ چنانچہ حضرت عمر ؓ نے ایسا ہی کیا۔ نبی ﷺ نے قبر پر آنے والے شخص کو یہ نہیں کہا کہ اچھا میں تمہارے لیے دعاء کرتا ہوں یا کروں گا یا تم لوگ میری قبر پر جمع ہو کر آؤ بلکہ آپ ﷺ نے دعا کا مسنون طریقہ اختیار کرنے کی تلقین کی۔

"الادب المفرد" کی ایک روایت سے استدلال اور اس کی حقیقت: ایک اور دلیل مضمون نگار نے یہ پیش کی ہے۔

"اسی طرح مصیبت اور تکلیف کے وقت پکارنے کے بارے میں "الادب المفرد" ص۱۴۲ از زیر عنوان "باب ما یقول الرجل اذا خدرت رجله" لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا پاؤں سن ہو گیا تو ایک آدمی نے انہیں کہا کسی ایسے انسان کو یاد کیجئے جس کے ساتھ آپ کو سب سے (زیادہ) محبت ہے تو انہوں نے پکارا "یا محمد" ﷺ (اور ان کی تکلیف دور ہو گئی) لیکن کتنا عجیب و غریب وہ کلمہ گو شخص ہے جس کو یا محمد صلی اللہ علیک وسلم کہنے میں تکلیف ہوتی ہے۔" ❷

سند کی بحث سے قطع نظر، مسئلہ زیر بحث سے اس واقعے کا کوئی تعلق نہیں کیوں کہ بحث تو ہے فوت شدگان کو مدد کے لیے پکارنا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ مذکورہ واقعے میں جسمانی تکلیف کا ایک نفسیاتی علاج بتایا گیا ہے جسے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اختیار فرما لیا۔ انہوں نے "محمد" یا "یا محمد" (بہ اختلاف روایات) اس عقیدے کے تحت نہیں پکارا کہ آپ ﷺ ان کی فریاد سن لیں گے اور پھر مدد فرما دیں گے۔ بلکہ کسی نے پیروں کے سن ہو جانے کا یہ علاج بتلایا کہ اپنے سب سے زیادہ محبوب شخصیت کا نام لو، تو یہ تکلیف دور ہو جائے گی۔

---

❶ بخاری کتاب الاستسقاء باب سؤال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا۔ ❷ سیدھا راستہ ص۲۵۔۲۶

اس کی وجہ یہ بتلائی گئی ہے کہ محبوب کے ذکر سے انسان کے دل میں حرارت اور نشاط کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، جس سے منجمد خون رواں ہو کر رگوں میں دوڑنا شروع کر دیتا ہے اور یوں سن والی کیفیت ختم ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اور واقعات بھی ایسے ملتے ہیں جن میں لوگوں نے اپنے کسی محبوب یا محبوبہ کا نام لیا تو ان کے پیروں کا سن پنا ختم ہو گیا[1] اس کا مطلب یہ ہوا کہ پیر سن ہونے کی صورت میں اپنے کسی محبوب کا نام لینا اور اسے محبت سے یاد کرنا، یہ اس مرض کا نفسیاتی علاج ہے، اس کا کوئی تعلق فوت شدگان سے استغاثہ واستمداد سے نہیں ہے جیسا کہ مضمون نگار نے سمجھا اور باور کرایا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ نداء کے لیے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ''منادیٰ'' ضرور سامنے ہو یا وہ نداء کو سنے بلکہ بعض دفعہ اپنے جذبات کے اظہار اور دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے بھی ''منادیٰ'' کو اپنے ذہن میں مستحضر کر کے خطاب کر لیا جاتا ہے یہاں بھی یہی صورت ہے۔

مضمون نگار کی دو اور ''دلیلیں'' ملاحظہ فرمائیں جن سے اس نے مردوں سے مدد مانگنے کے جواز پر استدلال کیا ہے لکھتا ہے: ''حضرت عزرائیل علیہ السلام مردوں کو پکاریں گے، حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے مردہ پرندوں کو پکارا''۔[2]

غور فرمایئے! یہ کیا ''دلیلیں'' ہیں؟ ان کو ''دلیل'' کہا جا سکتا ہے؟ بھلا ان سے کوئی پوچھے، حضرت عزرائیل علیہ السلام مردوں کو پکاریں گے تو کیا ان سے مدد طلب کرنے کے لیے پکاریں گے یا اللہ کے حکم کے مطابق قیامت برپا کرنے کے لیے صور پھونکیں گے؟ قیامت کے صور پھونکنے کو یہ باور کرانا کہ حضرت عزرائیل بھی مردوں کو پکاریں گے لہٰذا تم بھی مردوں کو مدد کے لیے پکار سکتے ہو۔ بڑا ہی عجیب استدلال ہے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پرندوں کو پکارنا، کیا ان سے مدد طلب کرنے کے لیے تھا؟ یا اپنے اطمینان قلب کے لیے مردوں کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھنے کے لیے تھا؟ اس سے یہ استدلال کرنا کہ مردوں کو پکارنا جائز ہو گیا، لہٰذا مسلمانو! تم بھی مدد کے لیے مردوں کو پکارو! قرآن فہمی کا عجیب وغریب شاہکار ہے۔

پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی
جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

---

[1] ملاحظه هو الفتوحات الربانيه على الاذكار النواويه ج٤ ص ٢٠٠ محمد بن علان الصديقي ـ فضل الله الصمد في توضيح الادب المفرد ، فضل الله الجيلاني ج٢ ص ٤٤١ المكتبة الاسلاميه ، حمص [2] ماهنامه "سيدها راسته" ص ٢٥

اسی طرح مضمون نگار نے قرآن کریم کی متعدد آیات جمع کر دی ہیں جن میں کسی نہ کسی طرح ''پکار'' کا مضمون ہے مثلاً نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو پکارا ﴿رَبِّ اِنِّی دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلاً وَّنَهَارًا﴾ [1] دیگر انبیاء علیہم السلام کا اپنی قوموں کو پکارنا۔ اللہ کا پکارنا۔ ﴿وَاللّٰهُ یَدْعُوْا اِلٰی دَارِ السَّلَامِ﴾ [2] (اللہ تعالیٰ دار السلام کی طرف پکارتا ہے)

وغیرھم من الآیات۔

بتلایئے! ان آیات کا کوئی تعلق اس ''پکار'' سے ہے جو مابہ النزاع ہے؟ پھر ان آیات کے جمع کرنے کا کیا فائدہ؟ اصل اختلاف تو اس ''پکار'' میں ہے جو مافوق الاسباب طریقے سے کسی مردہ کو مشکل کشائی اور مدد حاصل کرنے کے لیے پکارا جاتا ہے۔ یہ شرک ہے کیوں کہ اس طریقے سے کسی مردہ کو پکارنا، یہ اس کی عبادت ہے اور عبادت اللہ کے سوا کسی کی جائز نہیں۔

خود مضمون نگار مضمون کے آخر میں لکھتا ہے: ''اللہ تبارک وتعالیٰ جس بات کی ممانعت فرماتا ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جل شانہٗ کے ساتھ کسی کو ''الٰہ'' ''معبود'' ''عبادت کے لائق'' سمجھ کر نہ پکارا جائے۔ [3]

بالکل یہی بات اہل حدیث کہتے ہیں، پھر اختلاف کیوں؟ اختلاف یہ ہے کہ بریلوی حضرات یہ تو تسلیم کرتے ہیں (جیسا کہ مضمون نگار نے بھی کہا ہے) کہ کسی کو معبود سمجھ کر نہ پکارا جائے لیکن یہ تسلیم نہیں کرتے کہ کسی فوت شدہ بزرگ کو مافوق الاسباب طریقے سے مدد کے لیے پکارنا، اس سے دعائیں کرنا، اس کے نام کی نذر ونیاز دینا، اس سے نفع وضرر کی امید رکھنا یہ اس کو ''الٰہ'' اور ''معبود'' بنانا ہی ہے۔ اور یوں وہ اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ کیوں کہ دعا بھی عبادت ہے نذر ونیاز بھی عبادت ہے جو وہ اللہ کے ساتھ دوسروں کے لیے بھی کرتے ہیں۔ بریلوی اللہ سے بھی دعائیں کرتے ہیں مردہ بزرگوں سے بھی دعائیں کرتے ہیں اللہ کے نام کی نذر ونیاز بھی دیتے ہیں اور بزرگوں کے ناموں کی بھی نذر ونیاز دیتے ہیں اللہ سے بھی نفع وضرر کی امید رکھتے ہیں اور فوت شدہ بزرگوں سے بھی مافوق الاسباب طریقے سے نفع وضرر کی امید رکھتے ہیں۔ اللہ کو بھی عالم الغیب مانتے ہیں اور اللہ کے نبیوں اور ولیوں کو بھی عالم الغیب مانتے ہیں اللہ کو بھی دور اور نزدیک سے فریادیں سننے والا تسلیم کرتے ہیں اور بزرگوں کے اندر بھی یہ قوت یا صفت تسلیم کرتے ہیں۔ اہلحدیث کہتے ہیں کہ شرک اسی چیز کا نام ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی عبادت میں شریک کر لیا جائے، یا اللہ کی صفات میں سے کوئی صفت کسی اور میں تسلیم کر لی جائے اور مذکورہ افعال سارے ایسے ہیں کہ ان میں یا تو اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت ہوتی ہے یا اللہ کی صفت میں مردہ بزرگوں کو شریک سمجھا جاتا ہے بریلوی

---

[1] نوح ۵ [2] یونس ۲۵ [3] سیدھا راستہ، ص ۳۰

حضرات اس شرک صریح کا ارتکاب کرتے ہیں یعنی اللہ کے ساتھ دوسروں کی عبادت بھی کرتے ہیں یا اللہ کی صفات بزرگوں میں بھی مانتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ نہیں ہم تو شرک نہیں کرتے، کیونکہ شرک تو اس وقت ہوتا جب ہم انہیں معبود سمجھ کر پکارتے، حالانکہ جب ان کے اندر خدائی صفات تسلیم کر لی گئیں یا خدا کی طرح ان کو حق عبادت میں شریک کر لیا گیا تو وہ ''معبود'' تو بن گئے۔ آپ انہیں معبود کہیں یا نہ کہیں جب معبود والی چیزیں ان کے لیے مان لی گئیں تو وہ ''معبود'' از خود بن گئے جس طرح پتھر کی مورتی کی پوجا کرنے والا ہے وہ بھی اسے خدا یا معبود نہیں سمجھتا بلکہ اسے خدا کا مظہر یا اوتار سمجھ کر اس سے دعائیں کرتا ہے۔ اس کے نام پر چڑھاوے چڑھاتا ہے یعنی نذر دیتا ہے۔ اس سے نفع وضرر کی امیدیں رکھتا ہے اور اسے فریاد رس اور حاجت روا سمجھتا ہے مسلمان اس کے بارے میں عقیدہ رکھتا ہے کہ یہ مشرک ہے کیوں کہ پتھر کی مورتی کی پوجا کرتا ہے حالانکہ اسے وہ معبود نہیں سمجھتا ہے نہ معبود سمجھ کر اسے پکارتا ہی ہے اس کے باوجود وہ مشرک ہے کیوں؟ اس لیے کہ وہ مورتی کو معبود سمجھتا ہے یا نہیں سمجھتا، لیکن اس کے ساتھ اس پجاری کا معاملہ وہی ہے جو ایک عابد اور معبود کے درمیان ہوتا ہے اس لیے وہ یقیناً مشرک ہے۔

لیکن یہی مسلمان قبروں کے ساتھ یا مردہ بزرگوں کے ساتھ یہی کچھ کرتا ہے تو کہتا ہے یہ شرک نہیں، کیونکہ میں اسے معبود سمجھ کر نہیں پکارتا اگر یہ دلیل صحیح ہے اور اس طرح شرک، شرک نہیں رہتا تو پھر ہندو بھی مشرک نہیں ہے کیونکہ وہ بھی مورتی کو معبود نہیں سمجھتا مشرکین مکہ بھی مشرک نہیں کیوں کہ وہ بھی لات وعزیٰ اور منات وہبل کو معبود نہیں سمجھتے تھے وہ بھی ان کو خدا کا وسیلہ اور ذریعہ تقرب سمجھتے تھے جیسا کہ خود قرآن مجید نے اس کی وضاحت کی ہے کہ قوم نوح جن (۵) پانچ بتوں کو پوجتی تھی وہ بھی معبود نہیں تھے اللہ کے نیک بندے ہی تھے۔ (جیسا کہ صحیح بخاری میں صراحت موجود ہے)[1] اس لحاظ سے تو قوم نوح علیہ السلام نے بھی شرک کا ارتکاب نہیں کیا اور قرآن دیگر مشرکوں کے بارے میں بھی کہتا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ﴾ [2]۔ ''جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تم جیسے ہی بندے ہیں''۔

گویا کسی دور میں بھی ایسے شرک کا وجود نہیں رہا کہ جس میں غیر اللہ کو معبود سمجھ کر پکارا گیا ہو بلکہ ہر دور میں شرک کی نوعیت یہی رہی ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کی ہی تصویریں، مورتیں، یا قبریں یہ سمجھ کر پوجی جاتی رہی ہیں کہ یہ اللہ کے نیک بندے تھے، وفات کے بعد اللہ سے ان کا ''وصال'' ہو گیا ہے اور یہ اب اللہ کے مظہر یا اوتار ہو گئے ہیں، ان کے ذریعے سے ہی ہم اللہ کا قرب حاصل کر سکتے ہیں، ان کے وسیلے سے ہی ہماری دعائیں اور التجائیں سنی جا سکتی ہیں اور ان کے نام کی نذر نیازیں دے کر ہی ہم اللہ کو راضی کر سکتے ہیں۔ قرآن نے اسی عقیدہ وعمل کو شرک کہا ہے۔ اور اس کے مرتکبین کو مشرک، اگر قرآن کریم کی صراحت صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے تو پھر بریلوی اور شیعوں کا عقیدہ وعمل بھی وہی

---

[1] بخاری کتاب التفسیر سورۃ نوح [2] الاعراف۔ ۱۹٤

ہے جو گزشتہ مشرک قوموں کا عقیدہ رہا ہے تو ان کا شرک، شرک کیوں نہیں؟ محض عنوان بدل دینے سے تو شرک کی ماہیت وحقیقت تبدیل نہیں ہو جائے گی جب ان دونوں گروہوں (بریلوی اور شیعوں) کا عقیدہ وعمل بھی فوت شدگان کے ساتھ وہی ہے جو مشرک قوموں کا اپنے بتوں کے ساتھ رہا ہے تو پھر دونوں کے درمیان فرق وامتیاز کس طرح کیا جا سکتا ہے؟ اور یہ کیوں کر قرین عدل ہو سکتا ہے کہ ایک کو تو مشرک قرار دیا جائے، جب کہ دوسرا شخص بھی وہی کچھ کرے تو اسے مشرک تسلیم کرنے سے گریز کیا جائے۔ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى

"عبادت" کسے کہتے ہیں اور "معبود" کون ہوتا ہے؟ مضمون نگار لکھتا ہے: "مسجدوں میں یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم کہنے سے روکنے والے حضرات سورۂ جن کی آیت نمبر ۱۸ بھی پیش کرتے ہیں ﴿وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا﴾ اور یہ کہ مسجدیں اللہ (تبارک وتعالیٰ) کے لیے ہیں لہٰذا ان میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔

تفہیم القرآن میں مودودی صاحب نے اس آیت کی تشریح میں لکھا ہے کہ "مفسرین نے بالعموم "مساجد" کو عبادت گاہوں کے معنی میں لیا ہے اور اس معنی کے لحاظ سے آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ عبادت گاہوں میں اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کی جائے"۔

آیت قرآنی کا مقصد ومدعا بھی حقیقتاً یہی ہے۔ مودودی صاحب کے پیروکاروں کو اور دیگر دیوبندی اور اہلحدیث حضرات کو فہم وفراست سے کام لینا چاہیے اور ارشاد خداوندی کو سمجھنا چاہیے خواہ مخواہ کفر وشرک وبدعت کے فتویٰ لگا کر اپنی عاقبت کو خراب نہیں کرنا چاہیے.......... تدعوا کا معنی تعبدوا یعنی بندگی یا عبادت آتا ہے...... اللہ (تبارک وتعالیٰ) کے ساتھ کسی کو نہ پکارو "یعنی کسی دوسرے معبود کو نہ پکارو"۔ [1]

اس اقتباس میں "سیدھا راستہ" کے مضمون نگار منیر احمد یوسفی صاحب نے ایک تو یہ مخلصانہ مشورہ دیا ہے کہ خواہ مخواہ شرک وبدعت کے فتوے لگا کر اپنی عاقبت خراب نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ حدیث کے مطابق بلاوجہ کسی مسلمان کو کافر کہنے والا خود کافر قرار پاتا ہے۔ یہ مخلصانہ مشورہ بالکل بجا ہے۔ الحمد للہ۔ ہم اس پر پہلے ہی عمل پیرا ہیں۔ ہم خواہ مخواہ شرک وبدعت کے فتوے لگا کر اپنی عاقبت خراب کرنا نہیں چاہتے۔ لیکن جہاں فی الواقع شرک ہو رہا ہو، اس کی نشاندہی کرنا اور مسلمانوں کو اس سے آگاہ کرنا تو وہ ضروری فریضہ ہے کہ اس میں مداہنت کا مظاہرہ کرنے والا گونگا شیطان قرار پاتا ہے۔ "الساکت عن الحق شیطان اخرس" ہماری خواہش اور کوشش ہے کہ مسلمان مشرکانہ عقائد واعمال سے تائب ہو جائیں جن میں وہ بدقسمتی سے مبتلا ہیں کیونکہ شرک ایسا ظلم عظیم ہے جو ناقابل معافی ہے اِلَّا

[1] ص ۳۰ اور ۴۳

یہ کہ آدمی دنیا میں ہی اس سے سچی توبہ کر لے۔ مسلمان عوام کے شرک پرستی کے مظاہر ہی ہمیں بے چین اور مضطرب رکھتے ہیں اوران کی خیر خواہی کا ہی جذبہ ہے جو ہمیں حق گوئی کا فریضہ ادا کرنے پر مجبور کر رہا ہے جراح یا سرجن کے اپریشن سے مریض کو تکلیف ضرور ہوتی ہے لیکن مریض کی خیر خواہی کا تقاضا ہوتا ہے کہ وہ اپریشن کے ذریعے سے گندا مواد یا فاضل مواد باہر نکال پھینکے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کے بغیر مریض کی صحت یابی ممکن نہیں۔ علمائے اہل حدیث شرک و بدعت کے خلاف یہی عمل جراحی کرتے ہیں جس سے مریض کراہتا اور چیختا ہے تاہم علمائے اہلحدیث مسلمان عوام کے سچے خیر خواہ ہیں اور وہ اپنا کام جاری رکھے ہوئے ہیں اور عوام کی ناراضی کے باوجود انہیں شرک و بدعت جیسے خطرناک امراض سے بچانے میں کوشاں ہیں۔ جزاھم اللہ و کثر اللہ فینا امثالھم۔

دوسری بات موصوف نے یہ فرمائی ہے کہ ''اللہ کے سوا کسی کو مت پکارو'' کا مطلب ہے ''اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو''۔ یہ بات بھی بالکل صحیح اور بجا ہے اور آیت میں پکار کا فی الواقع یہی مطلب ہے کیونکہ مطلق پکار عبادت نہیں ہے بلکہ وہ پکار عبادت ہے جو کسی کو مافوق الاسباب طریقے سے مدد کے لیے ہو اگر اللہ کو پکارا جائے گا یعنی اس سے مدد کی درخواست کی جائے گی تو یہ اللہ کی عبادت ہوگی، کسی پتھر کی مورتی کو پکارا جائے گا یعنی اس سے مدد طلب کی جائے گی تو اس مورتی کی پوجا (عبادت) ہوگی، قبر میں مدفون کسی شخص کو پکارا جائے گا یعنی اس سے استغاثہ واستعانت کی جائے گی تو یہ اس بزرگ کی عبادت ہوگی۔

اس لیے مسئلہ صرف یہ نہیں ہے کہ ''یا رسول اللہ ﷺ'' کہنا جائز ہے یا نہیں۔ کیوں کہ اگر عقیدہ یہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ عالم الغیب، حاضر و ناظر اور سمیع و بصیر نہیں ہیں تو وہ ''یا رسول اللہ ﷺ'' کہہ لے گا تو اس میں کوئی حرج نہیں، جس طرح ''التحیات'' میں السلام علیک ایہا النبی کہا ہی جاتا ہے۔ اگر بریلوی حضرات بھی یہ تسلیم کرلیں کہ ہمارا عقیدہ بھی یہی ہے کہ عالم الغیب، حاضر و ناظر، سمیع و بصیر اور دور و نزدیک سے فریادیں سننے والا صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہی ہے۔ ہم کسی نبی، ولی اور بزرگ کے اندر یہ صفات الٰہی تسلیم نہیں کرتے تو یقیناً ان کا ''یا رسول اللہ ﷺ'' کہنا شرک نہیں ہوگا۔ اسے بے تکی ترکیب ضرور کہا جائے گا لیکن اسے شرک سے تعبیر نہیں کیا جائے گا۔

لیکن اصل بات یہی ہے کہ بریلوی حضرات کا عقیدہ ہی صحیح نہیں ہے اس لیے ان کا ''یا رسول اللہ'' کہنا محض ''السلام علیک ایہا النبی'' کے قبیل سے نہیں ہے کہ جسے جائز تسلیم کرلیا جائے بلکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ عالم الغیب، حاضر و ناظر اور سمیع و بصیر ہیں، اس لیے جب ہم ''یا اللہ'' کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہماری اس ندا کو سنتا ہے اسی طرح

جب ہم ''یارسول اللہ'' کہتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ بھی ہماری اس ندا کو سنتے اور جانتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسئلہ اب صرف ''یارسول اللہ'' کہنے یا نہ کہنے کا نہیں رہا ہے بلکہ اب یہ اپنے منطقی نتیجے تک پہنچ گیا ہے۔ اور ''یارسول اللہ مدد'' اور ''المدد یارسول اللہ'' کے اسٹکر ز بھی عام ہو گئے ہیں۔ پہلے صرف ''یا علی مدد'' کا نعرہ عام تھا۔ اہل توحید نے اس کے مقابلے میں کوشش کی کہ مسلمانوں میں اس مشرکانہ نعرہ کی بجائے ''یا اللہ مدد'' کا نعرہ عام ہو۔ چنانچہ انہوں نے ''یا اللہ مدد'' کے اسٹکر ز عام کیے۔ مقصد اس کا یہ تھا کہ شیعوں کے ایجاد کردہ مشرکانہ نعرے سے اہل سنت کے سادہ لوح عوام کو بچایا جائے مگر بریلوی حضرات نے ''یا اللہ مدد'' کے مقابلے میں ''یارسول اللہ مدد'' کے اسٹکر ز چھپوا لیے اور یوں مزید ایک ایسا نعرہ ایجاد کر لیا جس میں اللہ کی بجائے اللہ کی ایک برگزیدہ مخلوق۔ پیغمبر ﷺ۔ سے مافوق الاسباب طریقے سے مدد طلب کی جا رہی ہے۔

ہم مضمون نگار سے پوچھتے ہیں کہ ''یا علی مدد'' یا ''یارسول اللہ مدد'' کے نعروں کا کیا جواز ہے؟ کیا یہ نعرے لگانے والوں کا عقیدہ یہ نہیں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ ﷺ مافوق الاسباب طریقے سے، اور دور اور نزدیک سے ہماری فریادیں سن سکتے ہیں، ہماری مدد کر سکتے ہیں اور ہمیں نفع ونقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اور کیا اس عقیدے کے ساتھ کسی کو پکارنا یہی اس کی عبادت نہیں ہے؟ کیا یہ ''عبادت'' مسجدوں میں نہیں ہو رہی ہے؟ اور کیا یہ ﴿اَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلاَ تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَداً﴾ کے صریحاً خلاف نہیں ہے؟

ایک اسٹکر کا تجزیہ: بزم خیر اندیش، وسن پورہ لاہور کی طرف سے ایک اسٹکر چھپا ہے، جس میں لکھا گیا ہے۔

''پکارو یا محمد (صلی اللہ علیک وسلم) یارسول اللہ یا محمد یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم کہنے والا خوش نصیب ہے اور شرک وبدعت کہنے والا منکر قرآن وحدیث ہے۔ امام بخاری اور دیگر محدثین لکھتے ہیں جب تکلیف اور پریشانی ہو تو پکارو۔ یا محمد، یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم۔ فرقہ پرست اہلحدیث نے لفظ ''یا'' کاٹ دیا اور حدیث دشمنی کا ثبوت دیا۔ حوالہ غلط ثابت کرنے والے کو منہ مانگا انعام دیا جائے گا''۔

ہم نے پورے اسٹکر کی عبارت (سوائے حوالوں کے) نقل کر دی ہے۔ ہم ترتیب وار اس کا جواب اہل انصاف اور اہل دانش کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

(۱) یا محمد، یارسول اللہ۔ اس کا اردو ترجمہ ہے، اے محمد اے رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم۔ گویا اس میں رسول اللہ ﷺ سے خطاب کیا گیا ہے۔ اگر یہ خطاب صرف بطور محبت کے ہے جس طرح بعض دفعہ ایک محبّ اپنے محبوب کو اپنے ذہن

میں مستحضر کر کے اور اس سے خطاب کر کے عالم شوق اور وارفتگی میں باتیں کرتا ہے، خطاب کرنے والے کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ حضور عالم الغیب ہیں یا حاضر و ناظر ہیں اور دور و نزدیک سے باتیں سننے پر قادر ہیں تو اس نعرے کو عشق و محبت کا ایک مظہر سمجھا جا سکتا ہے اور اس بناء پر اسے جائز تسلیم کیا جا سکتا ہے لیکن اگر کہنے والے کا عقیدہ ہی یہ ہے کہ آپ عالم الغیب، حاضر و ناظر اور ہماری فریادیں سننے پر قادر ہیں تو یہ کہنا خوش نصیبی نہیں انتہائی بد نصیبی ہے۔ اسی طرح یقیناً وہ شرک و بدعت کا ارتکاب کرتا ہے، جسے خوش نصیبی وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو توحید و سنت سے نا آشنائے محض ہو۔

(۲) اسے اہلحدیث اسی بناء پر شرک و بدعت سے تعبیر کرتے ہیں کہ اس میں عقیدے کی وہی خرابی پائی جاتی ہے، جو انسان کو شرک تک لے جاتی ہے جس طرح کہ فی الواقع اب اس کا ظہور شروع ہو گیا ہے اور اب ''یا رسول اللہ'' سے معاملہ بڑھ کر ''یا رسول اللہ مدد'' تک پہنچ گیا ہے۔ اس لیے اہلحدیث شرک پر مبنی خود ساختہ نعروں کا انکار کر کے ''قرآن و حدیث کے منکر'' نہیں بنتے، بلکہ قرآن و حدیث کے محافظ ہیں۔ **فللّٰہ الحمد علی ذالك**

(۳) اسٹکر چھاپنے والوں نے دعویٰ تو یہ کر دیا ہے کہ حوالہ غلط ثابت کرنے والے کو منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔ لیکن ہم پورے یقین سے کہتے ہیں کہ انہوں نے ''الادب المفرد''، ''تحفۃ الذاکرین'' شوکانی - کتاب الاذکار ''نووی - عمل الیوم واللیلۃ'' ابن السنی - ''فتح الباری'' اور مصنف ابن ابی شیبہ، ان چھ کتابوں کا حوالہ دیا ہے لیکن کسی بھی کتاب میں کسی بھی محدث کے یہ الفاظ نہیں دکھائے جا سکتے کہ ''جب تکلیف اور پریشانی ہو تو پکارو یا محمد، یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم''، پہلی چار کتابوں میں صرف وہ واقعہ بیان ہوا ہے جو پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پیر سن ہو گئے تو کسی نے کہا کہ آپ ایسے شخص کو یاد کریں جس سے آپ کو سب سے زیادہ محبت ہو تو انہوں نے کہا ''محمد'' یا ''یا محمد''۔

اس کے تحت انہوں نے باب بھی جو باندھا ہے وہ بھی یہ ہے کہ ''جب کسی کے پیر سن ہو جائیں تو وہ کیا کہے؟'' کسی کتاب میں یہ الفاظ نہیں ہیں کہ جب تکلیف اور پریشانی ہو تو پکارو یا محمد۔ یا رسول اللہ۔ اسی طرح آخری دو کتابوں میں صرف وہ واقعہ بیان ہوا ہے جس میں مالک الدار کے حوالے سے خواب میں ایک شخص کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جانے کے لیے کہا گیا ہے اور جس کی بابت ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ سنداً یہ واقعہ ہی صحیح نہیں ہے علاوہ ازیں یہ صحیح احادیث میں بیان کردہ طریقے کے بھی خلاف ہے۔ گویا ان دو کتابوں میں بھی یہ الفاظ نہیں ہیں کہ ''جب تکلیف اور پریشانی ہو تو پکارو یا محمد، یا رسول اللہ''

یعنی چھ کتابوں کے حوالے دیئے گئے ہیں اور کسی ایک کتاب میں بھی مذکورہ الفاظ نہیں ہیں۔ اس لیے ہم اسٹکر

کے مرتب یا اس کے ناشر سے عرض کریں گے کہ وہ ''محدثین'' کی طرف منسوب مذکورہ الفاظ نکال کر دکھائیں یا پھر ہمیں منہ مانگا انعام دیں۔ ہمارا منہ مانگا انعام زیادہ نہیں ہے۔ صرف ایک ہی بات ہے کہ مسلمان عوام کو صرف خدائے واحد کا پرستار رہنے دیں، انہیں غیر اللہ کا پرستار بنا کر ان کی عاقبت خراب نہ کریں۔ اور صرف ''یا اللہ مدد'' کے اسٹکر ز چھپوا کر تقسیم کریں تاکہ لوگ ''یا علی مدد'' یا ''یا رسول اللہ مدد'' جیسے مشرکانہ نعروں سے بچ جائیں۔

(۴) یہ دعویٰ یا الزام بھی درست نہیں کہ ''فرقہ پرست اہلحدیث نے لفظ ''یا'' کاٹ دیا اور حدیث دشمنی کا ثبوت دیا'' ہماری لائبریری میں ''الادب المفرد'' کا مصری نسخہ موجود ہے اور اس میں اسی طرح ''یا'' کے بغیر ہے جس طرح سانگلہ ہل کے اہلحدیث ناشر نے کتاب چھاپی ہے۔ الحمد للہ کتاب میں قطعاً کسی قسم کا تصرف نہیں کیا گیا ہے۔ جسے شبہ ہو وہ آ کر دونوں نسخے ہماری لائبریری میں ملاحظہ کر سکتا ہے۔

اہلحدیث کو ''فرقہ پرست'' کہنا بنیادی طور پر غلط ہے۔ کیوں کہ اہلحدیث کی دعوت شخصی یا حربی نہیں ہے۔ وہ کسی امام، یا کسی مخصوص فقہ کی طرف دعوت نہیں دیتے، جس سے فرقہ معرض وجود میں آتا ہے۔ ان کا مرکز عقیدت اور محور اطاعت صرف اور صرف حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے اور اسی کی طرف وہ لوگوں کو بلاتے ہیں۔ حنفی ایک فرقہ ہے جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کی طرف منسوب فقہ کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے۔ شافعی ایک فرقہ ہے جو امام شافعی رحمہ اللہ اور فقہ شافعی کی طرف بلاتا ہے۔ حنبلی ایک فرقہ ہے جو امام احمد بن حنبل اور فقہ حنبلی کی طرف بلاتا ہے۔ مالکی ایک فرقہ ہے جو امام مالک رحمہ اللہ اور فقہ مالکی کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے وعلیٰ ہذا القیاس، دوسرے فرقے جو مخصوص افراد اور مخصوص فقہوں کی طرف بلاتے ہیں، لیکن اہلحدیث کا ایک ہی امام ہے اور وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، صرف انہی کے فرمان کو وہ واجب الاطاعت مانتے ہیں۔ ان کی کوئی مخصوص کتاب نہیں جس کی طرف وہ لوگوں کو بلاتے ہوں بلکہ ان کی کتاب یا فقہ، جس کو ماننے کی وہ دعوت دیتے ہیں، صرف قرآن کریم اور احادیث صحیحہ ہیں۔ اس لیے وہ فرقہ نہیں۔ فرقوں کو ختم کرنے والے اور اصل اسلام کے داعی ہیں جو صرف دامن رسالت سے وابستہ ہونے میں نجات کو منحصر مانتے ہیں۔

س : اگر کوئی آدمی یہ کہے کہ اللہ اپنی صفت کسی کو دے دے تو یہ شرک نہ ہوگا کیونکہ وہ دی ہوئی صفت عطائی صفت ہوگی جبکہ اللہ ذاتی صفات کا مالک ہے مثلاً اللہ ذاتی لحاظ سے غیب جانتا ہے نبی ﷺ عطائی طور پر غیب جانتے ہیں قرآن وحدیث سے یہ ثابت کریں کہ کیا عطائی صفت بھی شرک ہے کہ نہیں؟ عبدالغفور شاہدرہ

ج: کسی آدمی کے قول ''اللہ اپنی صفت کسی کو دے دے تو شرک نہ ہوگا'' کی بنیاد ''اللہ تبارک وتعالیٰ کے اپنی صفت کسی کو دے دینے'' پر ہے تو آپ ان بزرگوں سے دریافت فرمائیں آیا واقعی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کوئی صفت مثلاً غیب دانی کسی کو دی بھی ہے؟ قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث سے دلیل پیش فرمائیں اس کا شرک ہونا یا نہ ہونا بعد کا مسئلہ ہے۔ ۱۴۱۷/۱۲/۲۹ھ

س: کیا نبی اکرم ﷺ قبر میں زندہ ہیں؟ فضائل اعمال میں ایک حدیث میں لکھا ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ قبر میں زندہ ہیں اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح قبر میں نماز پڑھتے ہیں۔ کیا کوئی ایسی حدیث آتی ہے؟ (فضائل اعمال میں حدیث کا حوالہ نہیں ہے) کیا نبی کریم ﷺ کے قبر میں درود سننے کی حدیث ہے؟ عثمان غنی گورنمنٹ کالج لاہور

ج: (۱) نبی کریم ﷺ کی قبر میں زندگی برزخی ہے دنیاوی نہیں۔ صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ نے لیلہ إسراء موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا [1]۔ رہی روایت ''اَلْاَنْبِیَآءُ أَحْیَاءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ'' [انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں] تو وہ صحیح نہیں کمزور ہے اس سے استدلال نہیں کر سکتے بالخصوص وہ لوگ جو عقائد میں صحیح خبر واحد کو بھی حجت نہیں سمجھتے ہاں اتنی بات درست ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبروں میں برزخی زندگی گزار رہے ہیں اور ایسے ہی تمام اہل ایمان بلکہ تمام اہل کفر بھی کیونکہ قبر کا ثواب اور عذاب حق ہے البتہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بدنوں کو مٹی نہیں کھاتی اور برزخ میں ان کی زندگی تمام اہل ایمان کی برزخی زندگی سے اعلیٰ ترین ہے۔ اس موضوع پر ہمارے شیخ واستاذ مولانا محمد اسماعیل صاحب سلفی - رحمہ اللہ تعالیٰ - نے ایک بہترین رسالہ لکھا ہے کہیں سے مل جائے تو اس کا مطالعہ فرما لینا اس سلسلہ میں تمام اشکال دور وکافور ہو جائیں گے ان شاء اللہ تبارک وتعالیٰ۔ قبر میں درود سننے والی روایت بھی کمزور ہے۔ ۱۴۱۷/۸/۱ھ

س: (۱) ایک حدیث میں آتا ہے کہ قبر میں دو فرشتے اس آدمی کے پاس آتے ہیں اس کو بٹھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس شخص (ہذا الرجل) محمد کے متعلق تو کیا کہتا تھا؟ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ نبی ﷺ ہر آدمی کی قبر میں آتے ہیں کیا یہ بات ٹھیک ہے اگر نہیں تو پھر اس حدیث کا مطلب کیا ہوگا؟

(۲) کیا نبی ﷺ کو یا محمد کہہ کر پکارا جا سکتا ہے کہ نہیں؟ اگر نہیں پکارا جا سکتا تو پھر اس حدیث کا مفہوم بیان کریں؟ حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو مرد اور عورتیں گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور بچے اور خادم گلیوں میں متفرق ہو گئے اور سب کے سب ندا کرتے یعنی نعرہ لگاتے تھے یا محمد یا رسول اللہ۔

[1] [مسلم ۔ کتاب الایمان ۔ باب الاسرآء برسول اللہ ﷺ]

یا محمد۔ یارسول اللہ۔ [1] عبدالغفور شاہدرہ اسٹیشن 18/8/97

ج : (۱) صحیح بخاری ص ۴ ج ا میں ہے: ﴿إِنِّیْ سَائِلٌ هٰذَا عَنْ هٰذَا الرَّجُلِ﴾ ہرقل شام میں ابوسفیان سے نبی کریم ﷺ کے متعلق سوالات کررہا ہے اور لفظ بولتا ہے ''هٰذَا الرَّجُلِ'' اور معلوم ہے کہ نبی کریم ﷺ اس وقت مدینہ منورہ میں تھے ملک شام میں نہیں گئے تھے اور نہ ہی ہرقل ان کو اپنے پاس موجود سمجھتا تھا ورنہ ابوسفیان سے سوالات کرنے کی ضرورت نہ تھی اور نہ ہی ابوسفیان آپ کو وہاں موجود سمجھتا تھا ورنہ کہہ دیتا مجھ سے سوال کرنے کی ضرورت نہیں یہ نبی کریم ﷺ بذات خود ادھر موجود ہیں ان سے پوچھ لیجئے تو پتہ چلا لفظ ''هٰذَا الرَّجُلِ'' سے موجود ہونے یا آنے پر استدلال درست نہیں۔

پھر ایک ہی وقت میں دنیا کے اندر کئی آدمی دفن ہوتے ہیں تو ایک وقت میں رسول اللہ ﷺ بذاتہ المبارکہ کیسے ان تمام میں آتے ہیں؟ (۲) صحیح بخاری کے باب ہجرۃ النبی ﷺ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یا کے بعد منادی اور فعل مقدر ہیں تو مطلب یہ ہے اے لوگو یا اے قوم یا اے عرب یا اے مسلمانو! رسول اللہ ﷺ آ گئے رسول اللہ ﷺ آ گئے۔

واللہ اعلم ۲۸/۴/۱۴۱۸ھ

س :سَلَامٌ عِنْدَ قَبْرِ النَّبِیِّ ﷺ کا طریقہ کیا ہے اور کیا کوئی نص ہے بعض لوگ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول پیش کرتے ہیں: اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَدَّیْتَ الْأَمَانَةَ وَنَصَحْتَ الْأُمَّةَ وَبَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ فَجَزَاكَ اللّٰهُ اَفْضَلَ مَا جَزَا بِهٖ عَنْ اُمَّتِهٖ یا اس کے قریب معنی میں دوسرے لفظ۔ اس کے متعلق وضاحت فرمائیں؟

اقبال صدیق مدینہ منورہ

ج : نبی کریم ﷺ کی قبر کے پاس سلام کا طریقہ وہی ہے جو آپ ﷺ نے دوسری قبروں کے پاس سلام کہنے کا طریقہ تعلیم فرمایا ہے۔ ۱۵/۸/۱۴۱۲ھ

س : بمطابق قرآن ہر نیک یا بد کی روح واپس نہیں لوٹائی جاتی تو ہم لوگ کیوں قبر میں اعادہ روح کے قائل ہیں؟

رانا رؤف ارشاد ایڈووکیٹ

ج :(۱) آپ نے لکھا ہے ''بمطابق قرآن ہر نیک یا بد کی روح واپس نہیں لوٹائی جاتی'' تو محترم گزارش ہے مجھے تو قرآن مجید کی کوئی ایسی آیت معلوم نہیں جس میں ''ہر نیک یا بد کی روح واپس نہیں لوٹائی جاتی'' والی بات ہو برائے مہربانی قرآن مجید کی وہ آیت لکھ بھیجیں جس میں ''ہر نیک یا بد کی روح واپس نہیں لوٹائی جاتی'' والی بات ہو آپ کا شکر

[1] مسلم شریف صفحہ ۴۱۹ ج ۲ آخری حدیث کتاب الزہد

گزار رہوں گا ان شاء اللہ سبحانہ وتعالیٰ ۱۸/۵/۱۴۱۹ھ

س: جب آدمی فوت ہو جاتا ہے تو اس کی روح آسمان پر چلی جاتی ہے اور جب اس کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو آیا اس کی روح واپس آجاتی ہے اور پھر اس سے منکر نکیر حساب لیتے ہیں اور جب وہ حساب لے لیتے ہیں تو اسکی روح واپس آسمان پر چلی جاتی ہے یا نہیں؟ اگر چلی جاتی ہے تو قبر کا عذاب صرف جسم کو ہوتا ہے اگر روح واپس نہیں جاتی بلکہ اس میں رہتی ہے تو پھر جنتی آدمی کے متعلق جو یہ فرمایا ہے کہ اس کی روح سبز پرندوں میں داخل کر دی جاتی ہے وہ جنت میں اڑتے پھرتے ہیں وضاحت فرماتے ہوئے اس بات کی بھی وضاحت فرمائیں کہ قبر میں آدمی روح مع الجسد ہوتا ہے یا نہیں؟ محمد یعقوب طاہر گوجرانوالہ 1/3/94

ج: قبر یا برزخ میں ثواب یا عذاب روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔ ۱۹/۹/۱۴۱۴ھ

س: بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ عذاب قبر کی کوئی حیثیت نہیں۔ اگر ان سے بحث کے درمیان حدیث کا حوالہ دیں تو وہ کہتے ہیں اس حدیث سے نعوذ باللہ قرآن پاک پر افتراء آتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر عذاب قبر کی اگر کوئی حقیقت ہے تو یہ سورۃ یٰسین کی آیت مبارکہ کا کیا مطلب ہے ﴿قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا الخ﴾ مرقد تو اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں آرام کیا جا رہا ہو بھلا عذاب والی جگہ مرقد کیسے بن سکتی ہے حالانکہ ان کے اس جواب میں ان کو یہ بات کہی گئی ہے حشر کے میدان کے سامنے قبر کی حیثیت مرقد جیسی ہے۔ وہ یہ بات بھی کہتے ہیں کہ روح صرف اور صرف خدا کا امر ہے اس کی کوئی شکل کوئی ہیئت کوئی وجود نہیں حالانکہ چودھویں اور تیسویں پارہ میں اللہ تعالیٰ نے روح کے نکلنے کا منظر پیش کیا ہے۔

کیا یہ بخاری شریف میں کوئی حدیث ہے کہ نعوذ باللہ تعالیٰ صحابہ کرام ؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تھے۔ اس بات کے بیان کرنے والوں کا کہنا ہے ان اصحاب سے مراد کبار صحابہ مراد ہیں۔ یہی مراد امام بخاری رحمہ اللہ لیتے ہیں۔ لہٰذا وہ اس حدیث کا انکار کرتے ہیں اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ جو حدیث قرآن سے ٹکرائے وہ غلط ہے اسی وجہ سے وہ عذاب قبر کے انکاری ہیں۔ حافظ محمد فاروق تبسم

ج: آیت: ﴿مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا﴾ نیز قرآن مجید کی کسی اور آیت سے ثواب قبر یا عذاب قبر کی نفی نہیں ہوتی نہ ہی نفی نکلتی ہے بعض کی بات ''مرقد تو اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں آرام کیا جا رہا ہو'' بے بنیاد اور غلط ہے مرقد کی یہ تشریح نہ قرآن مجید میں ہے، نہ نبی کریم ﷺ کی سنت وحدیث میں ہے اور نہ ہی لغت عرب میں ہے لہٰذا صحیح بخاری صحیح مسلم اور دیگر کتب سنت وحدیث میں ثواب وعذاب قبر کی احادیث نہ قرآن مجید کے مخالف ہیں، نہ ہی قرآن مجید پر افتراء ہیں اور نہ ہی ان سے قرآن مجید پر افتراء لازم آتا ہے پھر بعض کی یہ بات ''روح صرف اور صرف خدا کا امر ہے'' الخ بھی بالکل ہی بے بنیاد ہے قرآن مجید میں آیا ہے ﴿قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ﴾ قرآن مجید میں یہ کہیں نہیں آیا ﴿قُلْ

﴿إِنَّمَا الرُّوْحُ أَمْرُ رَبِّيْ﴾ اور ''مِنْ اَمْرِ رَبِّی'' اور ''أَمْرُ رَبِّيْ'' دونوں میں فرق ہے۔ پھر ''إِنَّمَا'' صرف اور صرف بھی آیت میں نہیں۔

آپ نے لکھا ہے ''بخاری شریف میں کوئی حدیث ہے کہ نعوذ باللہ تعالیٰ صحابہ ﷺ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد'' الخ ایسی حدیث میرے علم میں نہیں رہ گئی یہ بات ''جو حدیث قرآن سے ٹکرائے وہ غلط ہے'' قرآن مجید کی کونسی آیت میں آئی ہے؟ پھر آپ نے دیکھ لیا کہ ثواب وعذاب قبر کی احادیث قرآن مجید سے نہیں ٹکراتیں کیونکہ قرآن مجید میں ثواب وعذاب وقبر کی کہیں نفی نہیں آئی۔ ۱۴۱۹/۱۲/۳ھ

س: (۱) کیا بخاری شریف کی حدیث (مردہ جوتوں کی آواز سنتا ہے) خبر واحد ہے۔ اور کیا خبر واحد عقائد میں حجت نہیں ہے؟

(۲) کیا یہ حدیث (خفق النعال) قرآن کی ان آیات کے خلاف ہے۔ i۔ ﴿لاَ يَسْمَعُوْا دُعَآءَ كُمْ﴾ ii۔ ﴿إِنَّكَ لاَ تُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾ iii۔ ﴿وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ﴾ اور کیا یہ آیات اس حدیث کی ناسخ ہیں اور حدیث ان آیات کی وجہ سے منسوخ ہے؟

(۳) حدیث خَفْقَ النِّعَالِ میں ایک راوی عبدالاعلیٰ ہے جس سے ابن ماجہ میں ایک روایت ہے کہ آیت رجم اور آیت رضاع کبیر بکری کھا گئی ہے۔ اس راوی اور ابن ماجہ والی روایت کی تحقیق فرما دیں؟ ابو محمد حفیظ الرحمٰن میانوالی

ج: (۱) خبر واحد ہے اور خبر واحد عقائد میں بھی حجت ہوتی ہے بشرطیکہ پایہ ثبوت تک پہنچ جائے۔ آپ کی ذکر کردہ حدیث صحیح ہے اور صحیح بخاری میں موجود ہے۔

(۲) حدیث خَفْقَ النِّعَالِ قرآن مجید کی کسی ایک آیت کے بھی خلاف نہیں ﴿لاَ يَسْمَعُوْا دُعَآءَ كُمْ﴾ [1] نہیں سنیں گے تمہاری پکار ، ﴿إِنَّكَ لاَ تُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾ [2] سو تو نہیں سنا سکتا مردوں کو اور ﴿وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ﴾ [3] اور تو نہیں سنانے والا قبر میں پڑے ہوؤں کو، کے بھی خلاف نہیں کیونکہ قرآن مجید میں میت کے خَفْقَ النِّعَالِ کو سننے کی نفی کہیں نہیں آئی اور معلوم ہے کہ نسخ خلاف وتعارض کی فرع ہے تو جب آیت وحدیث میں خلاف وتعارض ہی نہیں تو نسخ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۳) صحیح بخاری کِتَابُ اَلْجَنَائِزِ بَابُ الْمَيِّتِ يَسْمَعُ خَفْقَ النِّعَالِ میں عبدالاعلیٰ والی سند کے علاوہ ایک اور سند بھی ہے جس میں عبدالاعلیٰ نہیں ہے۔ ۱۴۱۹/۵/۱ھ

[1] [فاطر ۱۴ پ۲۲] [2] [الروم ۵۲ پ۲۱] [3] [فاطر ۲۲ پ۲۲]

س: ہمارے پاس ایک بزرگ ہیں ان سے پوچھا گیا کہ اس دور میں اللہ چاہے تو ایک آدمی اللہ کے حکم سے مردے کو زندہ کرسکتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں یہ ممکن ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتے تھے نزدیک قیامت ایک کافر بے ایمان مردے کو زندہ کرے گا تو کیا اللہ کے حکم سے ایک اللہ کا بندہ مردے کو کیوں نہیں زندہ کرسکتا۔ آپ ہی بتائیں ہم ان بزرگوں کو کیا دلیل اور جواب دیں۔ کیا ایسا ممکن ہے؟

ریاست علی باجوہ قلعہ دیدار سنگھ 6/8/86

ج: ان بزرگوں سے دریافت فرمائیں ان کو مسیح علیہ السلام والی دلیل پر اگر کوئی صاحب کہیں تو پھر ایسا شخص پیغمبر ٹھہرا ؟ اور مسیح دجال والی دلیل پر اگر کوئی صاحب اعتراض کریں تو پھر وہ شخص دجال ہوا؟ تو وہ بزرگ کیا جواب دیں گے؟ امکان پر بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں آپ ان سے وقوع پر بات کریں۔ ١٤٠٦/١٢/٦ھ

س: سجدہ تعظیمی کس کو کہتے ہیں کیا وہ عام سجدہ جیسا ہوتا ہے اور قرآن کی اصطلاح میں مشرک کس کو کہتے ہیں؟

حافظ عبدالقدوس مسجد مکی کھیالی بائی پاس

ج: (۱) سجدہ تعظیمی سجدہ ہی ہوتا ہے صرف اس میں سجدہ کرنے والا مسجود کی تعظیم وتکریم کو مقصود ومعمول بناتا ہے ہماری شریعت میں غیر اللہ کے لیے سجدہ تعظیمی بھی حرام ناجائز اور گناہ ہے۔

(۲) سورہ حجر کے اواخر میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ☆ إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِءِ يْنَ ☆ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللهِ إِلٰهًا اٰخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ﴾ [1] [سو سنا دے کھول کر جو تجھ کو حکم ہوا اور پرواہ نہ کر مشرکوں کی ہم کافی ہیں تیری طرف سے مذاق کرنے والوں کو جو کہ ٹھہراتے ہیں اللہ کے ساتھ دوسرے کی بندگی سو عنقریب معلوم کرلیں گے] ان آیات کریمہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ قرآن مجید کی اصطلاح میں مشرک وہ لوگ ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ کوئی اور الٰہ ومعبود بناتے ہیں ﴿الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللهِ إِلٰهًا اٰخَرَ﴾ پر خوب غور فرمائیں مشرک کی حقیقت سمجھ جائیں گے إن شاء الله الحنان ١٤٢٠/٤/١٢ھ

س: قبروں پر سجدہ تعظیمی یا دوسرا کوئی اور کیا یہ دونوں جائز ہیں یا نہیں اس کی کیا حقیقت ہے تفصیل کے ساتھ واضح کریں؟ حافظ عبدالقدوس ٹاور روڈ کھیالی

ج: سجدہ تعظیمی ہو خواہ غیر تعظیمی ہماری شریعت میں غیر اللہ کے لیے جائز نہیں حرام ہے گناہ ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

[1] [الحجر ٩٤۔٩٥۔٩٦۔پ١٤]

﴿لاَ تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلاَ لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴾ [1] [سجدہ نہ کرو سورج کو اور نہ چاند کو اور سجدہ کرو اللہ کو جس نے ان کو بنایا اگر تم اس کو پوجتے ہو] نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ﴿لَوْ كُنْتُ اٰمُرُ أَحَدًا أَنْ يَّسْجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا﴾ [اگر میں کسی کو سجدہ کرنا روا رکھتا تو میں عورت کو حکم کرتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے] یہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جسے امام ترمذی نے اپنی جامع میں وارد فرمایا ہے [2] اور ابوداود کی قیس بن سعد رضی اللہ عنہ والی حیرہ کے مرزبان والی حدیث میں بھی آپ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿فَقَالَ لِیْ : أَرَأَيْتَ لَوْ مَرَرْتَ بِقَبْرِیْ أَكُنْتَ تَسْجُدُ لَهُ ؟ فَقُلْتُ : لاَ . فَقَالَ : لاَ تَفْعَلُوْا لَوْ كُنْتُ اٰمُرُ أَحَدًا أَنْ يَّسْجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ النِّسَاءَ أَنْ يَّسْجُدْنَ لِأَزْوَاجِهِنَّ﴾ [3] الحدیث [آپ ﷺ نے فرمایا مجھ کو اس بات کی خبر دے اگر تو میری قبر سے گزرے تو اس کو سجدہ کرے گا میں نے کہا نہیں فرمایا اگر میں سجدہ کرنے کا حکم کرتا تو سب سے پہلے عورتوں کو حکم کرتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کریں] یہ حدیث حسن لغیرہ ہے بعض اہل علم نے اسے صحیح لغیرہ بھی قرار دیا ہے۔ ۱۴۲۰/۴/۱۲ھ

س : تصوف کا لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کریں اس کی ابتداء کب ہوئی اس کا بانی کون ہے اور کیا صوفی کہلانا جائز ہے؟

عبدالحنان ایم اے بی ایڈ خانیوال

ج : اس کے لیے علامہ احسان الٰہی ظہیر صاحب شہید کی کتاب "التصوف" اور عبدالرحمٰن عبدالخالق کی کتاب "الفکر الصوفی" نیز مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیلانی کی تصوف کے موضوع پر کتاب پڑھیں۔ ۱۴۲۰/۷/۷ھ

س : ایک حدیث کی تحقیق بتا دیں اور حوالہ کے ساتھ وضاحت فرمائیں میری امت میں تیس ابدال ہوں گے انہی کی وجہ سے زمین قائم رہے گی انہی کی وجہ سے تم پر بارش برسے گی؟

محمد شہباز حمید لاہور

ج : سلسلة الاحاديث الضعيفة جلد نمبر ۲ حدیث نمبر ۹۳۶ صفحہ ۳۳۹ تا ۳۴۱ دیکھ لیں۔ ۱۴۱۶/۹/۱۳ھ

س : شیعہ کو کافر کہنا کیسا ہے؟ یا کسی اور کلمہ گو کو کافر کہا جا سکتا ہے؟

ج : کوئی بھی ہو قرآن مجید کی کسی آیت، نبی کریم ﷺ سے ثابت شدہ کسی حدیث وسنت کا انکار یا ارکان اسلام سے کسی رکن کو ترک کرنے والا کافر ہوتا ہے اس میں شیعہ کی کوئی تخصیص نہیں اہل حدیث یا اہل سنت کہلوانے والا ہی

---

[1] [حم السجدة ۳۷ پ ۲۴]

[2] [الترمذی ـ الجلد الاول ـ ابواب الرضاع ـ باب فی حق الزوج علی المرأة]

[3] [کتاب النکاح باب فی حق الزوج علی المراة]

کیوں نہ ہو۔ ۱۴۱۷/۸/۱ھ

س: بخاری میں ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو بتوں پر نازل ہونے والی آیات مسلمان لوگوں پر چسپاں کریں گے اور اکثر بریلوی دوست اہلحدیثوں پر سوال اٹھاتے ہیں کہ یہ لوگ من دون اللہ والی آیات مسلمان ولیوں اور نیک لوگوں پر لگاتے ہیں کیا یہ بات صحیح ہے؟ محمد سلیم بٹ

ج: بخاری میں یہ چیز مجھے نہیں ملی اس لیے صحیح بخاری کی کتاب اور باب کا حوالہ درج فرمائیں قابل غور بات ہے کہ مکے والوں نے جو بت بنائے ہوئے تھے وہ کن کے تھے نبیوں اور ولیوں کے ہی تو تھے۔ ۱۴۱۶/۱۱/۲۲ھ

س: بریلوی اگر مشرک ہیں تو مکہ ومدینہ میں ان کا داخلہ کیوں ممنوع نہیں؟ اور اہلحدیث ان کے ساتھ مشرکین جیسا سلوک کرنے کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے؟ محمد ادریس فاروقی سوہدرہ گوجرانوالہ

ج: اس لیے کہ وہ کلمہ شہادت پر ایمان رکھتے اور ارکان اسلام کی حتی الوسع پابندی کرتے ہیں۔ ۱۴۱۸/۱۱/۲۳ھ

س: جو انسان اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہو اس سے سلام لینی چاہیے یا نہیں اور اسے کھانے پینے کے تعلقات اور دنیا کے تعلقات رکھنے چاہئیں یا نہیں اس مسئلے کی وضاحت فرمائیں؟ محمد یٰسین

ج: اگر وہ اسلام کے ارکان مثلاً کلمہ، نماز، زکاۃ، روزہ اور حج کا پابند ہے تو اس سے مسلموں والا برتاؤ کرو دنیاوی تعلقات ایسے رکھو کہ وہ شرک چھوڑ دے۔ ۱۴۱۹/۵/۱ھ

س: اگر مسلمان سے کوئی آدمی مرزائی ہو جائے تو ہمارے علماء اہلحدیث کے نزدیک اسلامی قانون ہو تو واجب القتل ہے اگر اہلحدیث سے منکر حدیث ہو جائے تو اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟ محمد عباس

شرا

ج: آپ نے لکھا ہے ''اگر مسلمان سے کوئی آدمی مرزائی ہو جائے تو ہمارے علماء اہلحدیث کے نزدیک اسلامی قانون ہو تو واجب القتل ہے اگر اہلحدیث سے منکر حدیث ہو جائے تو اس کے بارے میں کیا خیال ہے''؟

تو محترم اسلام میں اہلحدیث یا کسی دیگر مسلمان کے منکر حدیث وسنت بن جانے کی وہی سزا ہے جو آپ نے کسی اہلحدیث یا دیگر مسلمان کے مرزائی بن جانے کی ذکر فرمائی ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو سعادت دارین سے ہمکنار فرمائے آمین یارب العالمین ۱۴۱۹/۷/۲۲ھ

س: یہ جو ختم شریف ہے یہ تو اللہ کے نام پر ہی دیتے ہیں تو اس کو نبی ﷺ نے منع بھی کہاں قرار دیا ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ حافظ عبدالقدوس ٹاور روڈ کھیالی

ج: جانور ذبح کرتے وقت کوئی قل ھو اللہ احد پڑھ لے تو یہ بھی اللہ ہی کا نام ہے آیا اس طرح درست ہوگا؟ نبی کریم ﷺ نے کہیں اس سے منع فرمایا؟ اسی طرح وضوء کرتے وقت قل ھو اللہ احد پڑھ لینا تو یہ دونوں چیزیں درست نہیں بے شک نام اللہ کا ہی ہے مگر رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں جو چیز رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہ ہو وہ رد ہوتی ہے نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ﴿مَنْ أَحْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ﴾ [1] اور ایک روایت کے الفاظ ہیں ﴿مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ﴾ ظاہر بات جس چیز کو رسول اللہ ﷺ رد قرار دے دیں وہ منع ہی میں شامل ہوگی تو ختم بھی رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔ ١٤٢٠/٤/١٢ھ

س: (١) ہمارے گھر والے بریلوی حنفی ہیں وہ اگر دیگ یا پتیلے میں چاول پکاتے ہیں پھر وہ اس میں سے کچھ پلیٹ میں چاول نکال کر مولوی صاحب سے ختم پڑھواتے ہیں۔ اگر ہم اس چیز سے منع کریں تو کہتے ہیں کہ ختم تو پلیٹ والے چاولوں پر پڑھا گیا ہے دیگ والے چاول کھالو۔ وہ کہتے ہیں اس میں کیا ختم داخل ہوگیا ہے کہ تم کھاتے نہیں ہم ختم وغیرہ کے چاول روٹی یا اور مٹھائی وغیرہ کیوں نہیں کھا سکتے۔

(٢) ایک چیز اللہ کی راہ میں دی جائے کیا وہ گھر والے بھی کھا سکتے ہیں کیونکہ عالم کہتے ہیں کہ جو چیز اللہ کے راستے میں دی جائے اس پر غریبوں یتیموں اور مسکینوں کا حق ہے اور ختم اللہ کے لیے دیں تو وہ خود کھا لیتے ہیں۔ اور رشتہ داروں کو بلا کر ان کو کھلاتے ہیں اس سارے سوال کا کیا حل ہے؟ محمد سلیم بٹ

ج: (١) اس لیے نہیں کھا سکتے کہ دین میں ایجاد کردہ کام سے تعاون ہوتا ہے پھر اگر آپ کھالیں تو ان کو منع کیسے کریں گے؟

(٢) اگر صدقہ ہے تو صدقہ کرنے والے نہیں کھا سکتے مستحقین صدقہ ہی کو کھلایا جائے۔ ختم والی چیز خواہ اللہ کے لیے ہی مشہور کی جائے نہ کھائی جائے وجہ نمبر ا میں گزر چکی ہے۔ ١٤١٦/٢/١٥ھ

س: (١) ہماری مسجد قبا اہلحدیث میں رمضان کے مہینہ میں چاول وغیرہ آتے ہیں۔ اور شک یہ ہوتا ہے کہ ان چاول پر ختم نہ دیا گیا ہو چاول ہمیں کھانے چاہئیں کہ نہیں؟ (٢) ہمارے ایک دوست اہلحدیث کا یہ تاثر ہے کہ ختم والی چیز کھالی جائے تو کوئی حرج نہیں دعوت سمجھ کر یا ویسے لیکن ہم آج تک اس کو بدعت سمجھ کر نہیں کھا رہے آپ بتائیں ہم کو کیا کرنا چاہیے اور کھانا کیسا ہے؟ (٣) گیارہویں کے متعلق بیان کرنا کہ یہ دینا اور کھانا کیسا ہے قرآن اور سنت نبوی کے مطابق تا کہ ہمارے اشکال دور ہوسکیں اور ہم سنت کے مطابق رہ سکیں۔ محمد یوسف سمن آباد نزد محلہ پنڈی بائی پاس گوجرانوالہ

[1] [مشکوۃ ۔ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ۔ الفصل الاول]

ج: (۱،۲) ختم والی چیز سے پرہیز ضروری ہے البتہ خواہ مخواہ شبہ ختم کا کوئی اعتبار نہیں۔ (۳) یہ چیزیں قرآن وسنت سے ثابت نہیں۔ ۱۸/۱۰/۱۴۱۵ھ

س: جب ہم کبھی کسی جلسے میں ہوتے ہیں یا مسجد میں خطبہ جمعہ سنتے ہیں یا کسی دینی محفل میں ہوتے تو بڑے ولولے اور جذبے سے ہوتے ہیں اور جب نکلتے ہیں تو وہ جذبات کم ہو جاتے ہیں اس کا کیا علاج ہے؟

محمد امجد طاہر آزاد کشمیر 30 دسمبر 1998

ج: صحابہ کرام ﷺ پر بھی بسا اوقات یہ کیفیت طاری ہو جایا کرتی تھی اس سلسلہ میں مشکوٰۃ کتاب الدعوات باب ذکر اللہ عزوجل والتقرب إلیہ کی فصل اول کی آخری حدیث پڑھ لیں إن شاء اللہ العزیز تسلی ہو جائے گی۔

۳/۱۰/۱۴۱۹ھ

[حنظلہ ﷺ بن ربیع اسیدی سے روایت ہے کہا حضرت ابوبکر ﷺ نے مجھ سے ملاقات کی کہا اے حنظلہ ﷺ تیرا کیا حال ہے میں نے کہا حنظلہ منافق ہو گیا ہے حضرت ابوبکر ﷺ نے کہا سبحان اللہ تو کیا کہتا ہے میں نے کہا جب ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس ہوتے ہیں آپ ﷺ ہمیں جنت ودوزخ کے ساتھ نصیحت کرتے ہیں گویا کہ ہم جنت ودوزخ کو آنکھوں سے دیکھتے ہیں جب ہم آپ ﷺ کی صحبت سے نکل کر گھروں میں آتے ہیں تو اپنی بیبیوں اور اولاد میں مشغول ہوتے ہیں زمینوں اور باغوں میں ہم سب نصائح کو بھول جاتے ہیں ابوبکر نے کہا اللہ کی قسم ہماری حالت بھی ایسے ہو جاتی ہے میں اور ابوبکر چلے ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے میں نے کہا حنظلہ منافق ہو گیا اے اللہ کے رسول ﷺ! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کو کیا ہے میں نے کہا اے اللہ کے رسول جب ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں آپ ہمیں نصیحت کرتے ہیں جنت دوزخ کی گویا کہ ہم اپنی آنکھوں سے ان کا حال دیکھتے ہیں جب آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں ہم اپنی بیبیوں اور اولاد اور زمینوں اور باغوں میں مشغول ہوتے ہیں تو ہم بہت سی نصیحت کی باتیں بھول جاتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم ایسی حالت پر رہو تو تم سے فرشتے مصافحہ کریں تمہارے بستروں پر اور راستوں میں فرمایا اے حنظلہ ایک ساعت اور ایک ساعت تین بار فرمایا]

س: (۱) جادو میں نفع ونقصان کا اثر ماننا شرک ہے کیونکہ قرآن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نفع ونقصان کا مالک نہیں۔ مافوق الاسباب کی بحث کرتے ہیں پتھر۔ تلوار۔ گولی کو ماتحت الاسباب کے تحت لیتے ہیں۔ (۲) نظر بد کوئی چیز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بھی جادو کی طرح مافوق الاسباب والی بات ہے اور نظر بد کے علاج کی حدیث کا تو کھلم کھلا

مذاق اڑاتے ہیں۔

محترم! یہ لوگ حدیث کو بالکل رد نہیں کرتے بلکہ جو حدیث ان کے عقیدہ کے خلاف ہوتی ہے اس کو قرآن کے خلاف باور کراتے ہیں اور Reject کر دیتے ہیں خواہ بخاری۔ مسلم میں ہی کیوں نہ ہو۔

رانا رؤف ارشاد ایڈووکیٹ نیو ملتان 25/7/98

ج: (۱) جادو میں نفع ونقصان کا اثر ماننا شرک ہے۔ جناب نے دعویٰ کیا ہے اس کی دلیل تحریر فرمائیں آپ کی بات ''اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نفع ونقصان کا مالک نہیں'' جادو میں نفع ونقصان کا اثر ماننے کے شرک ہونے کی دلیل نہیں بنتی دیکھئے مسیح علیہ السلام کا اکمہ اور ابرص کو تندرست بنانا نیز مردوں کو زندہ کرنا مان لینا بھلا شرک ہے؟ جبکہ یہ چیزیں بھی مافوق الاسباب ہیں۔

(۲) ''نظر بد کوئی چیز نہیں'' بھی جناب کا دعویٰ جس کی آپ نے کوئی دلیل پیش نہیں فرمائی باقی رہا آپ کا قول ''یہ بھی جادو کی طرح مافوق الاسباب والی بات ہے'' تو اس کا حل نمبر ا میں بیان ہو چکا ہے پھر جناب کے دعویٰ ''نظر بد کوئی چیز نہیں'' کا مفہوم ہے کہ ''نظر نیک کوئی چیز ہے'' جسے آپ بھی تسلیم کرتے ہیں تو غور فرمائیں کہیں ''نظر نیک کوئی چیز ہے'' بھی جادو کی طرح مافوق الاسباب والی بات نہ ہو؟

آپ نے لکھا ہے ''یہ لوگ حدیث کو بالکل ردّ نہیں کرتے بلکہ جو حدیث ان کے عقیدے کے خلاف ہوتی ہے اس کو قرآن کے خلاف باور کراتے ہیں'' تو محترم حدیث کے کسی کے عقیدے کے خلاف ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حدیث قرآن کے بھی خلاف ہو تاوقتیکہ وہ آیت نہ پیش کی جائے جس آیت کے حدیث کو خلاف کہا جارہا ہے مثلاً رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے ''اَلْعَيْنُ حَقٌّ'' [1] اب اس کو قرآن مجید کے خلاف کہا جارہا ہے تو صرف اتنی بات کہہ دینے سے تو یہ حدیث یا کوئی دوسری حدیث قرآن مجید کے خلاف تو نہیں بن جائے گی ہاں انصاف کا تقاضا ہے کہ وہ آیت پیش کی جائے جس میں آیا ہو ''اَلْعَيْنُ لَيْسَتْ بِحَقٍّ'' یا ''اَلْعَيْنُ بَاطِلٌ'' یا ''اَلْعَيْنُ لَيْسَتْ بِشَيْءٍ'' تو جب قرآن مجید میں ''نظر کوئی چیز نہیں'' پر دلالت کرنے والی کوئی آیت ہے ہی نہیں تو آپ خود غور فرمالیں حدیث ''اَلْعَيْنُ حَقٌّ'' کو قرآن مجید کے خلاف کہنا کہاں تک درست ہے؟ ۱۴۱۹/۵/۱۸ھ

س: جادو کیا ہے کیا نبی کریم ﷺ پر جادو ہوا تھا اس بارے میں جو حدیث مبارک مشہور ہے سند کے اعتبار سے اس کی کیا حیثیت ہے؟

---

[1] [بخاری۔ کتاب الطب ۔ باب العين حَقٌّ]

ہمارے گھر میں کچھ ہمارے رشتے داروں نے جادو وغیرہ کیا ہے اس کے آثار میں والدہ محترمہ کے ہاتھ بھیج رہا ہوں برائے مہربانی اس بارے میں قرآن وحدیث کی روشنی میں ہماری رہنمائی فرمائیں؟ اللہ آپ کا حامی وناصر ہو۔

محمد یحییٰ مجاہد مرکز الدعوۃ والارشاد لاہور

ج: صحیح بخاری کی حدیث سے ثابت ہے کہ لبید بن اعصم یہودی نے رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا [1] اور اس کا کچھ اثر بھی آپ پر ہو گیا آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو شفاء عطا فرما دی قرآن مجید میں ﴿فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعٰى ☆ فَأَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى﴾ [2] [پھر تب ہی ان کی رسیاں اور لاٹھیاں اس کے خیال میں آئیں ان کے جادو سے کہ دوڑ رہی ہیں پھر پانے لگا اپنے جی میں ڈر موسیٰ] آپ بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کریں معوذتین پڑھیں سورہ بقرہ آیت الکرسی پڑھیں ان شاء اللہ تعالیٰ شفایاب ہوں گے۔

س: (۱) جادو ایک حقیقت ہے ہو سکتا ہے اور لوگ کرتے ہیں اور اگر کسی پر یہ وار چل جائے اور انتہائی سخت ہو کرنے والا تو پھر موحد آدمی کو کیا کرنا چاہیے کہ اس سے بچ سکے اور وہ جڑ سے اکھڑ جائے اللہ اس کا اثر ہمیشہ کے لیے زائل کر دیں اور آئندہ بھی آدمی محفوظ رہ سکے۔

(۲) جو لوگ ایسا کرتے ہیں یعنی تعویذ وغیرہ کروانا یا کسی پتلے وغیرہ پر کرنا۔ ان کا مقصد دوسروں کو اذیت دینا ہوتا ہے ان کے بارے میں کیا حکم ہے۔ دونوں کے بارے میں یعنی کرنے والے اور کروانے والے کے بارے میں؟

ج: (۱) اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کرے صبح ''لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَحْدَهٗ لاَ شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ'' کم از کم سو مرتبہ پڑھے ہر نماز کے بعد آخری تین قل پڑھے رات کو سوتے وقت تین تین دفعہ آخری تین قل پڑھ کر دونوں ہاتھوں میں پھونک لگائے پھر دونوں ہاتھ اپنے پورے بدن پر پھیر لے اس طرح تین بار یہ عمل کرے اور وقتاً فوقتاً پڑھتا رہے ﴿وَلاَ يُفْلِحُ السَّاحِرُوْنَ﴾ [3] [اور نجات نہیں پاتے جادو کرنے والے] ﴿وَلاَ يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتٰى﴾ [4] [اور بھلا نہیں ہوتا جادوگر کا جہاں آوے] ان شاء اللہ سبحانہ وتعالیٰ جادو کا اثر جانا شروع ہو جائے گا۔ (۲) جادو کرنا یا کروانا گناہ ہے اور کبیرہ گناہوں میں شامل ہے۔

۱۴۱۸/۱۱/۲۵ھ

س: میں قرآن وحدیث کی روشنی میں کچھ جنات کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں کیا یہ بطور مؤکل جس طرح کہا

---

[1] [صحیح بخاری۔ کتاب الطب۔ باب السحر]
[2] [طہ ٦٦، ٦٧ پ ١٦]
[3] [یونس ٧٧ پ ١١]
[4] [طہ ٦٩ پ ١٦]

سنا جاتا ہے استعمال ہوتے ہیں کیا انسانی علماء کرام سے اب بھی علم حاصل کرتے ہیں؟ محمد یحیٰ مجاہد لاہور

ج: (ا) قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ جن اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں انسانوں کو بسا اوقات ماتحت الاسباب نفع ونقصان بھی پہنچا لیتے ہیں بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہو ﴿وَمَا تَشَآءُ وْنَ إِلَّآ أَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ﴾ [1] [اور نہیں تم چاہتے مگر یہ کہ چاہے اللہ جو سارے جہان کا مالک ہے] بعض لوگوں کا دعویٰ کہ ہم نے جن قابو کیے ہوئے ہیں یا کیلیے ہوئے ہیں جیسے ہم چاہیں ان کو استعمال کر لیتے ہیں اس کا مجھے علم نہیں کسی جنوں کے ساتھ واقفیت رکھنے والے سے پوچھ لیں۔ پھر آپ جانتے ہیں کہ جن ہمیں نظر تو آتے نہیں اور اگر خفیہ طریق سے کسی عالم دین سے وہ دینی تعلیم حاصل کرتے ہوں تو ایسا ہو سکتا ہے۔

س: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترمی ،مکرمی جناب مولانا صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایک کتاب زیر ترتیب ہے لیکن ایک مسئلہ ذرا الجھ سا گیا ہے لیکن ہے بھی نہایت اہمیت کا حامل ''اسلام اور زمین کی ذاتی حق ملکیت'' قرآن عظیم کی رو سے ''زمین خدا کی ہے، میرا ذاتی نقطہ نظر ...... '' زمین خدا کی ہے اور وہ کسی فرد واحد کی ذاتی ملک نہیں ۔ کیونکہ کوئی بھی شخص ...... زمین کا ایک انچ ٹکڑا بھی نہیں Manufecture کر سکتا ۔ میرے نزدیک ...... زمین کے سلسلہ میں نیابت کا حق ''حکومت'' کا ہے خواہ کسی پارٹی یا None Party حکومت ہو۔'' ہر حکومت کا فرض ہے کہ وہ کسی بھی فرد کو۔ اس کی رہائش ضرورت کے لیے۔ زمین فراہم کرے۔ اور زراعت یا کاشتکاری کے لیے ایک مخصوص حد تک۔ فی خاندان۔ زمین فراہم کرے۔ یہ زمین۔ فرد یا افراد کاشت کریں۔ اس سے خود بھی فائدہ اٹھائیں۔ اور حکومت کو بھی فائدہ دیں۔ لیکن یہ زمین۔ نہ بیچی جاسکے نہ خریدی اور نہ ہی۔ وراثت کے قوانین کے تحت ...... اس کی تقسیم ہو سکے۔ کیونکہ نسل در نسل زمین کی تقسیم سے قتل وغارت اور فساد سر اٹھاتے ہیں۔ اور ایسا مسئلہ جس کا منطقی نتیجہ قتل یا فساد ہو ...... خدا اور قوانین اسلام کے تحت سخت ناپسندیدہ ہے۔ اور عالی جاہ! آپ دیکھ رہے ہیں۔ کہ ہم لوگ مسلمان بھی کہلاتے ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ قتل وغارت ''اس زمین جو فرد نے بنائی بھی نہیں'' کی وجہ سے ہو رہے ہیں۔

عالی جاہ! امید ہے آپ کی نظر میں مسئلہ پوری طرح واضح ہو چکا ہوگا۔ آپ دیکھ رہے ہیں غلط بخشی کی وجہ سے ان بڑے بڑے جاگیرداروں کی لاکھوں ایکڑ اراضی ہے۔ اور وہ اس زمین کا زیادہ تر حصہ کاشت بھی نہیں کر سکتے براہ کرم۔

[1] [التکویر ۲۹ پ ۳۰]

ناچیز کو۔امید ہے آپ شرعی نقطہ نظر سے اس بنیادی مسئلہ پر روشنی ڈال کر۔سمجھائیں گے میں معذرت خواہ ہوں کہ آپ کے قیمتی وقت کو اس طرف استعمال کروں۔ مجھے چونکہ آپ کے علمی ذخیرہ کی طرف قاری محمد اسلم صاحب آف نوشہرہ روڈ نے متوجہ کیا تھا۔اس لیے آپ کو تکلیف دے رہا ہوں۔ والسلام: تنویر احمد 27/7/86

ج: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب بھٹی صاحب! وعلیکم السلام

امابعد آپ کا مکتوب موصول ہوا اسے بار بار پڑھا آخر اس کا جواب لکھنا تھا مگر اسی نتیجہ پر پہنچا کہ جب تک آپ دو باتیں دوٹوک الفاظ میں واضح نہ فرمادیں تب تک میرا جواب کوئی وزن نہیں رکھتا اس لیے آپ سے گزارش ہے کہ ان دو باتوں کی غیر مبہم الفاظ میں خبر دے دیں۔

(۱) آپ کے ہاں اسلام سے کیا مراد ہے؟ (۲) قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث اور سنت کو آپ دلیل شرعی تسلیم کرتے ہیں؟

آپ کی طرف سے ان دو باتوں کا جواب موصول ہونے کے بعد جناب کا مطلوبہ مقالہ لکھنا شروع کروں گا۔ان شاء اللہ تعالیٰ ۱۴۰۶/۱۱/۲۹ھ

س: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب مولانا صاحب! سلام مسنون

عالیہ! نوازش نامہ موصول ہوا۔آپ نے جن دو باتوں کی ناچیز سے وضاحت طلب فرمائی ہے۔ان کا جواب تو تقریباً ایک ہی ہے۔

''اسلام سے میری مراد وہ ''اسلام'' ہے جو محمد ﷺ پر مکمل ہوا۔جس کی تبلیغ ،تشریح اور تفصیل خود حضور ﷺ نے کی۔اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عمل کیا۔دیگر دلیل شرعیہ تو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ ہی ہے۔مفروضوں پر مبنی داستان گوئی یا شعر گوئی پر مبنی دین تو ہو نہیں سکتا''۔

امید ہے عالی جاہ بخوبی جان گئے ہوں گے۔علاوہ ازیں۔میں نے سنا ہے کہ آپ بھی ایک کتاب لکھ رہے ہیں۔خدا آپ کو کامیاب و کامران فرمائے۔تاکہ ہم جیسے کم علم بھی آپ سے مستفید ہوسکیں۔ نذیر احمد بھٹی 10/8/86

ج: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب بھٹی صاحب! وعلیکم السلام

اما بعد آپ کا دعویٰ ہے ''زمین کسی فرد واحد کی ذاتی ملک نہیں'' زمین کے سلسلہ میں نیابت کا حق حکومت کا ہے اور زمین نہ بیچی جاسکتی ہے نہ خریدی اور نہ ہی قوانین وراثت کے تحت تقسیم ہوسکتی ہے'' یہ ہے جناب کا عقیدہ اور دعویٰ جس کو آپ اسلام سمجھتے ہیں اور مندرجہ ذیل تین دلائل پیش کرتے ہیں۔

(۱) زمین خدا کی ہے۔(۲) زمین فرد نے بنائی بھی نہیں۔(۳) نسل درنسل زمین کی تقسیم سے قتل وغارت اور فساد سر اٹھاتے ہیں الخ۔

پہلی دلیل کا جائزہ: اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ زمین واقعی اللہ تعالیٰ کی ہے لیکن یہ دلیل پوری نہیں دلیل کا صرف ایک حصہ ہے دوسرا حصہ وہ ہے جو آپ کے ذہن میں تو ہے مگر آپ نے اسے بیان نہیں کیا چنانچہ وہ حصہ یہ ہے ''جو چیز اللہ کی ہو وہ کسی فرد واحد کی ذاتی ملک نہیں ہوتی، اس میں نیابت کا حق حکومت کا ہوتا ہے اسے نہ بیچا جاسکتا ہے نہ خریدا اور نہ ہی وہ قوانین وراثت کے تحت تقسیم ہوسکتی ہے'' تو جناب سے گزارش ہے کہ دلیل کے اس دوسرے حصے کے اثبات کی خاطر قرآن مجید کی کوئی آیت یا رسول اللہ ﷺ کی کوئی سنت وحدیث پیش فرمائیں کیونکہ آپ نے خود ہی اپنی دوسری تحریر میں فرمایا ہے ''دلیل شرعیہ تو کتاب اللہ اور سنت رسول ہی ہے'' اگر آپ اپنی اس دلیل کے اس دوسرے حصہ کو قرآن مجید یا رسول اللہ ﷺ کی سنت سے ثابت نہ فرمائیں تو پھر انصاف کا تقاضا ہے کہ آپ اپنی اس دلیل سے رجوع فرمالیں۔

دیکھئے قرآن مجید میں ہے: ﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ [1] اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اس آیت مبارکہ کی رو سے سونا، چاندی، اناج، اونٹ گائے بیل اور بھیڑ بکریاں بھی اللہ تعالیٰ کی ہیں جیسے زمین اللہ تعالیٰ کی ہے تو آپ کی اس دلیل کا تقاضا ہے کہ آپ ان چیزوں سے بھی فرد کی ذاتی ملک کی نفی فرمائیں، ان کی خرید وفروخت اور قوانین وراثت کے تحت تقسیم کی بھی نفی کریں اور ان چیزوں میں بھی حکومت کا حق نیابت مانیں کیونکہ آپ کی دلیل ''زمین خدا کی ہے'' ان چیزوں پر بھی چسپاں ہو رہی ہے اس لیے کہ یہ چیزیں بھی تو آخر اللہ تعالیٰ کی ہیں آپ ان چیزوں میں فرد کی ذاتی ملک کے قائل ہیں یا نہیں؟ وضاحت فرمائیں؟

زمین اللہ کی ہونے کی بنا پر آپ نے فرد کے حق نیابت کی نفی فرمادی آیا اس سے حکومت کے حق نیابت کی نفی نہیں ہوتی؟ آخر ''زمین اللہ کی ہے'' کا یہ معنی کہاں ہے کہ زمین حکومت کی ہے فرد کی نہیں؟ جس طرح آپ زمین اللہ کی

[1] [البقرہ ۲۸۴]

ہونے سے فرد کی نہ ہونا نکالتے ہیں بالکل اسی طرح اس سے حکومت کی نہ ہونا بھی نکلتا ہے آپ نے جو فرد اور حکومت کے درمیان تفریق فرمائی ہے اس کی کوئی دلیل قرآن مجید یا رسول اللہ ﷺ کی سنت سے پیش فرمائیں۔

دوسری دلیل کا جائزہ: یہ بات بھی قطعی اور یقینی ہے کہ زمین اللہ ہی نے بنائی ہے نہ فرد نے مینوفیکچر کی نہ حکومت نے۔ لیکن یہ بھی دلیل کا ایک حصہ ہی ہے دوسرا حصہ آپ کے ذہن میں ہے جس کو آپ نے ذکر نہیں فرمایا اور وہ یہ ہے "جو چیز اللہ نے بنائی اور پیدا کی ہو وہ کسی فرد واحد کی ذاتی ملک نہیں ہوتی، اس میں نیابت کا حق حکومت کا ہوتا ہے، اسے نہ بیچا جا سکتا ہے نہ خریدا اور نہ ہی وہ قوانین وراثت کے تحت تقسیم ہو سکتی ہے" مگر آپ پر لازم ہے کہ اپنی اس دلیل کے اس دوسرے حصہ کو قرآن مجید کی کسی آیت یا رسول اللہ ﷺ کی کسی سنت وحدیث سے ثابت فرمائیں ورنہ اس دلیل کو بھی واپس لیں۔

معلوم ہے کہ سونا، چاندی، اناج، اونٹ، گائے بیل اور بھیڑ بکریاں بھی اللہ تعالیٰ کی بنائی اور پیدا کی ہوئی چیزیں ہیں ﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ تو آپ کی اس دلیل کی رو سے یہ چیزیں بھی کسی فرد واحد کی ذاتی ملک نہیں، ان میں بھی نیابت کا حق حکومت کا ہے، ان کو بھی نہ بیچا جا سکتا ہے نہ خریدا اور نہ ہی یہ چیزیں زمین کی طرح قوانین وراثت کے تحت تقسیم ہو سکتی ہیں۔ آیا آپ اس کے قائل ہیں؟ اگر آپ قائل نہیں تو پھر یہ دلیل آپ کے ہاں بھی کوئی وزن نہیں رکھتی اس کو زمین پر چسپاں کرنا بھی چھوڑ دیں۔

اگر زمین کے اللہ تعالیٰ کی مینوفیکچر کی ہوئی ہونے سے فرد کے حق نیابت کی نفی ہوتی ہے تو لامحالہ اس سے حکومت کے حق نیابت کی بھی نفی ہوتی ہے کیونکہ حکومت نے بھی فرد کی طرح زمین کو مینوفیکچر نہیں کیا آپ نے جو تفریق پیش کی ہے اسے کتاب وسنت سے ثابت فرمائیں؟

تیسری دلیل کا جائزہ: یہ بھی پوری دلیل نہیں دلیل کا ایک جزء ہے دوسرا اجزء یہ ہے "جس چیز کی نسل درنسل تقسیم سے قتل وغارت اور فساد سر اٹھاتے ہوں وہ چیز کسی فرد واحد کی ذاتی ملک نہیں ہوتی، اس میں نیابت کا حق حکومت کا ہوتا ہے، اس چیز کو نہ بیچا جا سکتا ہے نہ خریدا اور نہ ہی وہ چیز قوانین وراثت کے تحت تقسیم ہو سکتی ہے" آپ کا فرض ہے کہ اپنی اس دلیل کے اس دوسرے جزء کو کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ ﷺ سے ثابت فرمائیں ورنہ اس دلیل سے بھی رجوع فرمالیں۔

آپ جانتے ہیں کہ سونا چاندی وغیرہ کی نسل درنسل تقسیم سے بھی قتل وغارت اور فساد سر اٹھاتے ہیں لہٰذا یہ چیزیں بھی آپ کے نزدیک زمین کی طرح کسی فرد واحد کی ذاتی ملک نہیں، ان میں بھی حق نیابت حکومت کا ہی ہے، ان کو بھی

نہ بیچا جا سکتا ہے نہ خریدا اور نہ ہی یہ قوانین وراثت کے تحت تقسیم ہو سکتی ہیں؟ کیا آپ یہ تسلیم کرتے ہیں؟ آپ کی دلیل تو ان پر بھی چسپاں ہو رہی ہے۔

پھر حکومت کا حق نیابت تسلیم کرنے کی صورت میں ہر پارٹی سر توڑ کوشش کرے گی کہ حکومت اس کی بنے اس طرح قتل وغارت اور فساد میں اور اضافہ ہوگا افراد کی جگہ حکومتیں لے لیں گی اور آپ جیسے دانشور بخوبی جانتے ہیں کہ حکومتوں کے ٹکراؤ سے جنم لینے والا قتل وفساد افراد کے ٹکراؤ سے جنم لینے والے قتل وفساد سے بے حد زیادہ ہوتا ہے تو آپ کی اس دلیل کا تقاضا ہے کہ حکومتوں کا حق نیابت بھی ختم کر دیا جائے۔

نیز آپ کی اس دلیل کے پہلے جزء میں فرد کی ذاتی ملکیت اور نسل در نسل تقسیم کو قتل وغارت اور فساد کا سبب قرار دیا گیا ہے جو واقع کے خلاف ہے کیونکہ نفس الامر میں ایسے افراد رہے اور ہیں جن میں زمین پر ذاتی ملک اور اس کے ان کے درمیان نسل در نسل تقسیم ہونے کے باوجود کبھی کوئی فساد نہیں ہوا نہ کبھی قتل وغارت تک نوبت پہنچی جو اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ قتل وغارت اور فساد کا سبب ذاتی ملک اور نسل در نسل تقسیم ہونا نہیں تو آپ کے ذمہ ہے کہ ''قتل وغارت اور فساد کا سبب ذاتی ملک اور نسل در نسل تقسیم ہونا ہے'' کو قرآن مجید کی کسی آیت یا رسول اللہ ﷺ کی کسی سنت سے ثابت فرمائیں؟

یاد رہے نیابت کا لفظ آپ نے بولا تو آپ کو سمجھانے کی خاطر چند مقالات پر اس فقیر الی اللہ نے بھی لکھ دیا ورنہ کسی فرد یا حکومت کا اللہ تعالیٰ کا نائب ہونا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔ ۱۴۰۷/۱/۱ھ

س :ایک آدمی کسی کام کے سلسلے میں کہیں جاتا ہے تو کہتا ہے کہ جو اللہ کو منظور ہوگا کیا ایسا کہنا درست ہے؟ محمد امجد

ج :ہاں درست ہے۔ ۱۴۲۰/۱/۱۵ھ

کتاب الطهارة ...... طہارت کے مسائل

س: وضوء کے فرائض کی وضاحت کریں کیا "بسم الله" پڑھنا فرائض میں ہے اور سنا ہے کہ "بسم الله" والی حدیث ضعیف ہے۔اس بارے آپ کا کیا خیال ہے۔اور "بسم الله" کے بعد ہتھیلیوں کا دھونا بھی فرائض میں شامل ہے؟ نیت اور تواتر بھی فرائض میں شامل ہے؟ بہر حال آپ فرائض وضوء مکمل طور پر تحریر فرمائیں؟ محمد حسن عسکری کراچی ۱۰-26/12/85

ج: وضوء کے فرائض مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) **نیت و اخلاص**: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ﴾ اعمال صرف نیتوں کے ساتھ ہیں [1] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ﴾ دین واطاعت کو اللہ کے لئے خالص کرتے ہوئے اللہ کی عبادت کر نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اَلاَ لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ﴾ دین خالص اللہ کے لئے ہے [2]

(۲) **اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرنا**: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿ لاَ وُضُوْءَ لِمَنْ لَّمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ جو کوئی وضوء پر اللہ کا نام ذکر نہ کرے اس کا کوئی وضوء نہیں۔ [3]

(۳) **کلی کرنا**: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿اِذَا تَوَضَّاْتَ فَمَضْمِضْ﴾ جب تو وضوء کرے تو کلی کر [4]

(۴) **ناک میں پانی چڑھانا**: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿اِذَا تَوَضَّاَ اَحَدُكُمْ فَلْيَجْعَلْ فِيْ اَنْفِهٖ مَاءً﴾ جب تم سے کوئی وضوء کرے تو وہ اپنی ناک میں پانی ڈالے۔ [5]

(۵) **ناک جھاڑنا**: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿ثُمَّ لِيَنْثُرْ﴾ پھر اپنی ناک کو جھاڑے۔ [6]

(۶) **ناک میں پانی چڑھانے میں مبالغہ**: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿وَبَالِغْ فِي الْاِسْتِنْشَاقِ اِلاَّ اَنْ تَكُوْنَ صَائِمًا﴾ اور ناک کے اندر پانی چڑھانے میں مبالغہ کر مگر کہ تو روزہ دار ہو۔ [7]

(۷) **چہرہ دھونا**: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ﴾ اے ایمان والو جب تم نماز کی طرف کھڑے ہو تو اپنے چہروں کو دھولو۔ [8]

---

[1] بخاری ومسلم [2] سورة زمر پ۲۳ [3] ابوداؤد [كتاب الطهارة ـ باب التسمية على الوضوء] ، ترمذی ، ابن ماجه ، بیهقی ، دار قطنی اور مستدرك حاكم [4] ابوداؤد [5] بخاری ، ابوداؤد [6] بخاری ، ابوداؤد [7] ابوداؤد ، ترمذی [8] سورة المائدة [٦ پ٦]

(۸) داڑھی کا خلال کرنا: رسول اللہ ﷺ نے اپنی داڑھی مبارک کا خلال کیا اور فرمایا ﴿هٰكَذَا اَمَرَنِيْ رَبِّيْ﴾ میرے رب نے مجھے ایسے ہی حکم دیا ہے۔ ❶

(۹) کہنیوں تک دونوں ہاتھ دھونا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ﴾ اور کہنیوں تک اپنے ہاتھوں کو دھولو۔ ❷

(۱۰) ہاتھوں کی انگلیوں کا خلال کرنا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿وَخَلِّلْ بَيْنَ الْاَصَابِعِ﴾ اور انگلیوں کے درمیان خلال کر۔ ❸

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿خَلِّلْ بَيْنَ اَصَابِعِ يَدَيْكَ وَرِجْلَيْكَ﴾ اپنے دونوں ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کر۔ ❹

(۱۱) سر کا مسح کرنا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَامْسَحُوْا بِرُءُ وْسِكُمْ﴾ اور اپنے سروں کا مسح کرو ❺

(۱۲) کانوں کا مسح کرنا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿اَلْاُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ﴾ دونوں کان سر سے ہیں۔ ❻

(۱۳) ٹخنوں تک دونوں پاؤں کا دھونا: رسول اللہ ﷺ نے پاؤں دھوتے وقت ایڑیاں تر نہ کرنے والوں کو ڈانٹ پلاتے ہوئے فرمایا: ﴿وَيْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ﴾ ان ایڑیوں کے لئے آگ کی ویل ہے۔ ❼

(۱۴) پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا: اس فرض کے دلائل ہاتھوں کی انگلیوں کے خلال کے فرض ہونے کے دلائل میں بیان ہو چکے ہیں۔ وہیں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۵) دائیں جانب سے ابتداء کرنا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿اِذَا لَبِسْتُمْ وَاِذَا تَوَضَّاْتُمْ فَابْدَءُ وْا بِمَيَامِنِكُمْ﴾ "اَوْ كَمَا قَالَ ﷺ" جب تم لباس پہنو اور جب تم وضوء کرو تو اپنی دائیں جانبوں سے شروع کرو۔ ❽

نوٹ: بندہ نے جس قدر احادیث مبارکہ بیان کی ہیں ان میں کوئی بھی حدیث حسن لغیرہ سے کم درجہ کی نہیں۔

۱۴۰۶/۵/۲۸ھ

س: وضوء میں تین دفعہ اعضاء کے دھونے کا بھی ذکر آتا ہے منہ کو تین دفعہ دھویا جاتا ہے لیکن داڑھی کے خلال کے لئے اس تر ہاتھ کا استعمال ہی کیا جائے گا یا کہ انسان چوتھی دفعہ ہاتھ تر کر کے داڑھی کا خلال کرے برائے مہربانی دلیل کے ساتھ وضاحت فرمائیں؟ اعجاز احمد 16/7/93

---

❶ ابوداؤد ، مستدرک ❷ سورۃ المائدۃ ❸ ابوداؤد ، ❹ ترمذی، الطهارة۔ باب فی تخلیل الاصابع۔ ابن ماجه، الطهارة۔ باب تخلیل الاصابع ❺ سورۃ المائدۃ ❻ ابوداؤد ، ترمذی ❼ بخاری ، مسلم اور دیگر کتب حدیث ❽ ابوداؤد

ج: دونوں صورتیں درست ہیں۔ ۱۴۱۴/۲/۱۳ھ

[﴿ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ كَانَ إِذَا تَوَضَّأَ أَخَذَ كَفًّا مِنْ مَّاءٍ فَأَدْخَلَ تَحْتَ حَنَكِهِ فَخَلَّلَ بِهِ لِحْيَتَهُ وَقَالَ هٰكَذَا أَمَرَنِىْ رَبِّىْ عَزَّوَجَلَّ ﴾ [1]

بے شک رسول اللہ ﷺ جب وضوء کرتے تو ایک چلو پانی لے کر اس کو اپنی ٹھوڑی کے نیچے داخل کرتے اور اس کے ساتھ اپنی داڑھی کا خلال کرتے۔ اور فرمایا میرے رب نے مجھے اسی طرح حکم دیا ہے]

س: وضوء میں جس وقت داڑھی کو دھونا ہے اس وقت داڑھی کے نیچے چمڑے کو پانی سے تر کرنا چاہیے یا نہیں داڑھی کے بال کہیں گیلے خشک رہ جائیں تو کیا وضوء مکمل ہو گیا با حوالہ لکھیں؟ محمد امین گرجاکھ گوجرانوالہ 26/7/93

ج: وضوء میں داڑھی کا خلال ہے وضوء میں داڑھی کو دھونا اور داڑھی کے نیچے والے چمڑے کو تر کرنا میرے علم میں رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔ داڑھی کا خلال ہو جائے تو اس اعتبار سے وضوء میں کوئی خلل نہیں اور خلال میں لامحالہ داڑھی کے کچھ بال تر ہوں گے اور کچھ خشک رہیں گے آخر یہ داڑھی کا خلال ہے۔ انگلیوں کا خلال تو نہیں جس میں چمڑے کو تر کرنا ضروری ہو۔

س: گذشتہ دنوں شیعہ حضرات کی طرف سے وضوء میں پاؤں پر مسح کرنے کے متعلق تحریر ملی کہ پاؤں دھونے کی بجائے مسح کرنا ضروری ہے۔ جس کے متعلق مختلف کتب سے دلائل دیئے گئے ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ کتاب وسنت کی روشنی میں اس کا حل ارسال فرمائیں گے۔ باقی تحریر آپ خود پڑھ لیں۔ اور اس کا جواب جلد از جلد ارسال فرما دیں۔ محمد طاہر عاصم کنجاہ ضلع گجرات 24/1/97

شیعہ حضرات کی تحریر

السلام علیکم کے بعد عرض ہے کہ فیاض کے بچے کی فوتیدگی پر جو محفل ہوئی تھی اس سلسلے میں جواب حاضر ہے۔ آپ نے وضوء کے بارے میں سوال کیا تھا۔ آپ لوگ وضوء میں دونوں پاؤں کے مسح کے خلاف اور پاؤں دھونے کے قائل ہیں۔ قرآن کریم کی سورۃ المائدۃ کی آیت وضوء پر گرامر کی بحث کرتے ہوئے یہ عذر کرتے ہیں کہ آیت وضوء میں بِرُؤُسِكُمْ میں سین کے نیچے زیر جوار کی ہے لیکن فخر الدین رازی نے اس عذر کو باطل قرار دیا ہے۔ جیسا کہ تفسیر کبیر مطبوعہ مصر جلد۳ص ۳۶۸ میں امام رازی لکھتے ہیں ہم کہتے ہیں یہ کئی وجوہ سے باطل ہے۔ ایک وجہ یہ تحریر فرمائی ہے کہ بِرُؤُسِكُمْ کی کسر باء کی وجہ سے ہے۔ جوار کی جر بلاشبہ، حرف عطف چھوڑ کر ہوتی ہے اور حرف عطف کے ساتھ قوم

---

[1] [ابو داود کتاب الطھارۃ باب تخلیل اللحیۃ ترمذی الطھارۃ باب ما جاء فی تخلیل اللحیۃ]

عرب کے کلام میں ہرگز نہیں آتی اور رہی قرأت بالنصب یہ بھی مسح ہی واجب کرتی ہے۔ مزید اطمینان کے لیے تفسیر خازن (لباب التاویل) مطبوعہ مطبعۃ المکتبۃ التجارتیہ الکبریٰ مصر الجزء الثانی ص ۱۶ پر دیکھیں۔ فتوحات مکیہ مطبوعہ مصر جلد اول ص ۴۴۸ شیخ محی الدین ابن عربی لکھتے ہیں کہ اَرْجُلَکُمْ کے لام پر زبر اس کو حکم مسح سے خارج نہیں کرتی۔ پس تحقیق یہ واؤ معیت کا قرار پائے گا اور معیت کا واؤ نصب دیتا ہے جیسا کہ بولتے ہیں ''قَامَ زَیْدٌ وَعَمْرًا'' یعنی کھڑا ہوا زید ساتھ عمر کے اسی طرح اَرْجُلِکُمْ بِرُؤُسِکُمْ کے ساتھ حکم مسح میں آیا ہے۔ محمد ﷺ کے محبوب نواسے جنہوں نے اپنے نانا رسول ﷺ سے قرآن سنا اور پڑھا رسول ﷺ ہی سے وضوء سیکھا وہ قرآن کی آیت وضوء میں ''اَرْجُلِکُمْ'' پڑھتے تھے یعنی حسنین علیہما السلام کی قرأت میں لام پر زبر نہیں بلکہ زیر ہے۔ دیکھئے تفسیر ''جامع البیان'' علامہ ابن جریر مطبوعہ دار المعارف الجزء العاشر (صحابہ ؓ بھی حسنین علیہما السلام کی طرح مندرجہ بالا کے مطابق تھے)۔ تفسیر ''فتح البیان'' علامہ اہل حدیث نواب صدیق حسن بھوپالی قنوجی مطبوعہ صدیقی بھوپال الجزء الاوّل تفسیر سورۃ المائدہ ص ۲۹۳--- علاوہ اسی سلسلہ میں اردو تفسیر ترجمان القرآن مطبوعہ صدیقی لاہور جلد ۳ ص ۸۴۲ ---اور تفسیر کبیر فخر الدین رازی مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۳۶۸ میں صحابہ ؓ اور امام باقر علیہ السلام کے نزدیک پاؤں کا مسح ہی واجب ہے۔ حضرت رسول خدا ﷺ نے پاؤں کے مسح کا حکم دیا (نمبر ۱) اصابہ۔ فی تمییز الصحابہ حافظ ابن حجر عسقلانی مطبوعہ مصر جلد اوّل ص ۱۹۲ ترجمہ تمیم بن زید (نمبر ۲) تفسیر ابن جریر طبری مطبوعہ دار المعارف مصر جلد نمبر ۱۰ ص ۷۵ (نمبر ۳) شرح معانی الآثار طحاوی مطبع الاسلامیہ لاہور۔ جلد اول ص ۲۱ (نمبر ۴) نیل الاوطار شوکانی جلد اول ص ۲۱۴ (نمبر ۵) کنز العمال علامہ علی متقی بن حسام الدین مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن مسند تمیم بن زید حدیث نمبر ۲۱۹۳ ص ۱۰۲۔ (نمبر ۶) کنز العمال مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن جلد ۵، مسند علی علیہ السلام ص ۱۴۷ حدیث نمبر ۲۴۵۳ اور مسند امام احمد بن حنبل مطبوعہ مصر جلد اول ص ۱۱۶۔ مسح کا مزید ثبوت عمدۃ التفسیر حافظ ابن کثیر مطبوعہ دار المعارف مصر جلد ۴ ص ۷۹ اور تفسیر معالم التنزیل برحاشیہ تفسیر خازن مطبعۃ المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ مصر الجزء الثانی ص ۱۶ میں دیکھئے۔

ضروری گزارش: رفیع الدین محدث دہلوی نے اپنے ترجمہ قرآن میں ''دھوؤ'' یا دھولو کا لفظ ہرگز نہیں لکھا لیکن اس امر کو ملحوظ رکھا جائے کہ ۱۹۶۷ء سے کم از کم چالیس برس پہلے کا چھپا ہوا ترجمہ رفیع الدین محدث دیکھا جائے۔ خیال رہے اگر وضوء صحیح نہ کیا جائے نماز نہ ہوگی۔ ایک بات یاد رہے کہ ہم پاؤں پہلے اس وقت دھوتے ہیں جب ہمیں شک ہو کہ ناپاک ہیں پھر خشک کر کے مسح کرتے ہیں۔ یہ تو تھیں آپ لوگوں کی کتابیں اگر بھائی صاحب تسلی نہ ہو تو جواب ضرور دیں۔ اور مجھے قوی امید ہے کہ اس تحقیق کے بعد آپ مذہب حقہ امامیہ قبول فرمائیں گے۔ اور اپنی آخرت سنواریں گے۔ بھائی صاحب اگر آپ حق تلاش کر لیں تو میرے حق میں ضرور دعا کریں۔

علی عباس۔ جی ٹی روڈ گوجر خان 24/4/97

ج: آپ نے جو تحریر ارسال فرمائی اس کا جواب مندرجہ ذیل ہے بتوفیق اللہ سبحانہ وتعالیٰ وعونہ۔

(۱) صاحب تحریر لکھتے ہیں ''آپ لوگ وضوء میں دونوں پاؤں کے مسح کے خلاف اور پاؤں دھونے کے قائل ہیں۔ قرآن کریم کی سورۃ المائدہ کی آیت وضوء پر گرامر کی بحث کرتے ہوئے یہ عذر کرتے ہیں کہ آیت وضوء میں ''بِرؤُسِکُمْ'' [1] میں سین کے نیچے زیر جوار کی ہے لیکن فخر الدین رازی نے اس عذر کو باطل قرار دیا ہے'' الخ۔

تو محترم آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم ''بِرؤُسکم میں سین کے نیچے زیر جوار کی ہے'' والا عذر بالکل پیش نہیں کرتے اور نہ ہی فخر الدین رازی نے اس سین کے نیچے والی زیر کو جوار کی زیر سمجھا نہ کسی سے اس کو نقل کیا اور نہ ہی اس سین کے نیچے والی زیر کو باطل قرار دیا نہ ایک وجہ سے اور نہ ہی کئی وجوہ سے صاحب تحریر پر لازم ہے کہ فخر الدین رازی کی وہ عبارت پیش فرمائیں جس میں انہوں نے ''بِرُءُ وْسِکُمْ میں سین کے نیچے زیر جوار کی ہے'' والے عذر کو کئی وجوہ سے باطل قرار دیا ہے پھر تاکید ہے کہ فخر الدین رازی کی ایسی عبارت ضرور نقل کریں۔

(۲) صاحب تحریر لکھتے ہیں ''محمد ﷺ کے محبوب نواسے جنہوں نے اپنے نانا رسول ﷺ سے قرآن سنا اور پڑھا رسول ﷺ ہی سے وضوء سیکھا وہ قرآن کی آیت وضوء میں ''اَرْجُلِکُمْ'' پڑھتے تھے یعنی حسنین علیہما السلام کی قرأت میں لام پر زبر نہیں بلکہ زیر ہے دیکھئے تفسیر ''جامع البیان'' علامہ ابن جریر'' الخ۔

تفسیر جامع البیان لابن جریر الطبری کو دیکھا تو اس میں لکھا ہے ''حدثنی الحسین بن علی الصدائی ، قال : ثنا أبی ، عن حفص الغاضری ، عن عامر بن کلیب ، عَنْ أَبِی عَبْدِ الرَّحمٰنِ ، قَالَ : قَرَأَ عَلَیَّ الْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ رِضْوَانُ اللهِ عَلَیْهِمَا ، فَقَرَءَا (وَأَرْجُلِکُمْ إِلَی الْکَعْبَیْنِ) فَسَمِعَ عَلِیٌّ ؓ ذٰلِكَ ، وَکَانَ یَقْضِیْ بَیْنَ النَّاسِ ، فَقَالَ : وَأَرْجُلَکُمْ، هٰذَا مِنَ الْمُقَدَّمِ وَالْمُؤَخَّرِ مِنَ الْکَلَامِ . اهـ''.

صاحب تحریر نے ''فَسَمِعَ عَلِیٌّ ؓ ذٰلِكَ'' الخ والے نہ تو لفظ ہی نقل کئے ہیں اور نہ ہی ان الفاظ کا ترجمہ ذکر کیا ہے ان الفاظ کا مطلب ہے کہ علی ؓ نے اس کو (حسنین رضی اللہ عنہما کے أَرْجُلِکُمْ کو لام کی زیر کے ساتھ پڑھنے کو) سن لیا حالانکہ وہ لوگوں کے درمیان فیصلہ فرما رہے تھے تو انہوں نے فرمایا: ''وَأَرْجُلَکُمْ'' (لام کی زبر کے ساتھ) یہ مقدم اور مؤخر کلام سے ہے (''وَأَرْجُلَکُمْ إِلَی الْکَعْبَیْنِ'' ''وَامْسَحُوْا بِرُؤُسِکُمْ'' پر مقدم ہے مؤخر ذکر ہوا ہے اور ''وَامْسَحُوْا بِرُؤُسِکُمْ'' ''وَأَرْجُلَکُمْ إِلَی الْکَعْبَیْنِ'' سے مؤخر ہے مقدم ذکر ہوا ہے)

تو علی ؓ نے حسنین رضی اللہ عنہما کے زیر پڑھنے پر وَأَرْجُلَکُمْ زبر کے ساتھ پڑھ کر لقمہ دیتے ہوئے ان کی

[1] یہ لفظ صاحب تحریر نے اسی طرح لکھا ہے۔

اصلاح فرما دی اور مقدم مؤخر والی بات فرما کر واضح فرما دیا کہ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ سے مراد پاؤں کو دھونے کا حکم ہی ہے یاد رہے اس میں ابن عربی صوفی کی واو معیت والی بات کا بھی رد ہو گیا ہے کیونکہ واو معیت کی صورت میں مقدم مؤخر والی بات نہیں بن سکتی۔

اب صاحب تحریر ہی بتا سکتے ہیں کہ انہوں نے اپنی تحریر میں ''فَسَمِعَ عَلِيٌّ ﷺ'' الخ کے الفاظ اور ان کے ترجمہ کو کیوں ذکر نہ فرمایا؟

(۳) صاحب تحریر لکھتے ہیں ''(صحابہ ﷺ بھی حسنین علیہما السلام کی طرح مندرجہ بالا کے مطابق تھے)''

اس عبارت سے پہلے صاحب تحریر نے تفسیر جامع البیان علامہ ابن جریر اور اس عبارت کے بعد تفسیر فتح البیان علامہ اہل حدیث نواب صدیق حسن کا حوالہ دیا ہے لہٰذا صاحب تحریر سے مؤدبانہ اپیل ہے کہ وہ مندرجہ بالا دونوں تفسیروں یا ان دونوں میں سے صرف کسی ایک ہی تفسیر سے وہ عبارت پیش فرما دیں جس میں ان کے دعویٰ ''صحابہ ﷺ بھی حسنین علیہما السلام کی طرح مندرجہ بالا کے مطابق تھے'' کا ذکر ہو۔

(۴) صاحب تحریر لکھتے ہیں ''علاوہ اسی سلسلہ میں اردو تفسیر ترجمان القرآن مطبوعہ صدیقی لاہور جلد ۳ ص ۸۴۲ اور تفسیر کبیر فخر الدین رازی مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۳۶۸ میں صحابہ ﷺ اور امام باقر علیہ السلام کے نزدیک پاؤں کا مسح ہی واجب ہے''۔

ان دونوں تفسیروں یا ان دونوں میں سے کسی ایک ہی تفسیر سے وہ عبارت پیش کی جائے جس میں یہ ہو کہ صحابہ ﷺ اور امام باقر علیہ السلام کے نزدیک پاؤں کا مسح ہی واجب ہے۔

(۵) صاحب تحریر لکھتے ہیں ''حضرت رسول خدا ﷺ نے پاؤں کے مسح کا حکم دیا'' یہ دعویٰ درج کرنے کے بعد صاحب تحریر نے چھ نمبروں میں کتابوں کے حوالے لکھے ہیں ان سے درخواست ہے کہ ان چھ نمبروں میں درج شدہ تمام کتابوں سے یا ان میں سے کسی ایک ہی کتاب سے اپنے مندرجہ بالا دعویٰ ''حضرت رسول خدا ﷺ نے پاؤں کے مسح کا حکم دیا'' کا ثبوت پیش فرمائیں وہ عبارت باللفظ نقل فرمائیں جس میں ہو کہ ''رسول اللہ ﷺ نے پاؤں کے مسح کا حکم دیا'' بڑی مہربانی ہو گی۔

(۶) صاحب تحریر لکھتے ہیں ''رفیع الدین محدث دہلوی نے اپنے ترجمہ قرآن میں ''دھوؤ'' یا ''دھولو'' کا لفظ ہرگز نہیں لکھا'' الخ

تو گذارش ہے کہ شاہ رفیع الدین محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اپنے ترجمہ قرآن میں جو لفظ لکھے ہیں وہ آپ ہی

نقل فرمادیں جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ ١٤١٨/٣/١٦ھ

س: پاؤں کی انگلیوں کا خلال چھنگلی سے کرنے والی حدیث صحیح ہے یا ضعیف ہے؟ صلاح الدین غوری

ج: [مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا کہ آپ اپنے پاؤں کی اُنگلیوں کا خلال ہاتھ کی چھنگلی (چھوٹی اُنگلی) سے کر رہے تھے۔][1]

س: مشکوٰۃ شریف اور ترمذی شریف میں جرابیں (یعنی جرابوں کے مسح والی روایتیں ہیں) ان روایتوں کی اسناد کیسی ہیں کیا ہم جرابوں پر مسح کر سکتے ہیں؟ ایم رحمت علی رسول نگر یکم فروری 1993

ج: مسح علی الجوربین والی حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب جامع وسنن میں باسند روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ''[2] محدث دوراں شیخ البانی حفظہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو صحیح کہا ہے[3] جمال الدین قاسمی اور احمد شاکر۔ رحمہما اللہ تعالیٰ۔ نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ (المسح علی الجوربین) ١٤١٣/٨/١١ھ

س: ایک آدمی نے وضوء کے بعد عام عادت کے مطابق جرابیں پہن لیں آئندہ نماز کے وقت اس نے ان پر مسح کر لیا اور نماز پڑھی حالانکہ اس کی نیت مسح کرنے کی نہ تھی وہ صرف یہ کہتا ہے کہ میں نے جرابیں وضوء کی حالت میں پہنی ہیں کیا یہ مسح ٹھیک ہے؟ اعجاز احمد نارووال ٥ شعبان المعظم ١٤١٨ھ

ج: یہ مسح بلا نیت ہے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ﴾ لہٰذا یہ مسح نہیں ہوا اگر جرابیں پہنتے وقت مسح کی نیت نہیں تھی اور مسح کرتے وقت نیت تھی تو یہ مسح درست ہے۔ ١٤١٨/٨/٢١ھ

جرابوں پر مسح اور احناف کا موقف

''قَالَ صَاحِبُ الْھِدَایَةِ : وَلاَ یَجُوْزُ الْمَسْحُ عَلَی الْجَوْرَبَیْنِ عِنْدَ أَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ إِلَّا أَنْ یَّکُوْنَ مُجَلَّدَیْنِ أَوْ مُنَعَّلَیْنِ . وَقَالاَ : یَجُوْزُ إِذَا کَانَا ثَخِیْنَیْنِ لاَ یَشِفَّانِ . اھ[4] وَقَالَ : وَعَنْهُ أَنَّهُ رَجَعَ إِلٰی قَوْلِهِمَا وَعَلَیْهِ الْفَتْوٰی''.

صاحب ہدایہ نے کہا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جرابوں پر مسح جائز نہیں ہاں جرابوں کے مجلد یا منعل ہونے کی صورت میں جائز ہے اور صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ) نے فرمایا جرابوں پر مسح جائز ہے جبکہ وہ

---

[1] ابوداؤد۔الطھارۃ۔باب غسل الرجلین ۔ ترمذی۔الطھارۃ۔باب فی تخلیل الاصابع۔ اسے امام مالک نے حسن کہا ہے۔

[2] مع التحفۃ ١/١٠٠ [3] صحیح ترمذی ١/٣١/٨٦۔٩٩ [4] مع فتح القدیر ١/١٣٨ ۔ ١٣٩

موٹی ہوں پتلی باریک نہ ہوں۔

نیز صاحب ہدایہ نے فرمایا اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ہے کہ انہوں نے صاحبین امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول کی طرف رجوع کرلیا اور اسی پر فتویٰ ہے۔ ۱۴۱۲/۶/۲۰ھ

س: مسواک کرنے سے ۷۰ نمازوں کا ثواب ملتا ہے یہ حدیث کیسی ہے قابل عمل ہے؟ صلاح الدین غوری

ج: [صحیح حدیث ہے۔ القول المقبول فی شرح و تعلیق صلوٰۃ الرسول از عبدالرؤف بن عبدالحنان]

س: کیا طواف کے لیے وضوء شرط ہے؟ نذیر حماد مکہ مکرمہ

ج: طواف کے لیے وضوء ضروری ہے کیونکہ طواف کو حدیث میں نماز سے تعبیر کیا گیا ہے [اَلطَّوَافُ بِالْبَيْتِ صَلٰوةٌ][1] اور نماز کے لیے وضوء ضروری ہے جنازہ میں وضوء ضروری ہونے کی یہی دلیل پیش کی جاتی ہے کہ جنازہ کو نماز قرار دیا گیا ہے۔ اور نماز کے لیے الخ

س: آپ ﷺ نے حدیث میں فرمایا ہے کہ جس نے وضوء میں کمی یا زیادتی کی اس نے ظلم کیا اور دوسری روایت میں ہے کہ برا کیا کمی یا زیادتی سے کیا مراد ہے؟ وضاحت فرمائیں۔ محمد سلیم بٹ

ج: تین دفعہ سے زیادہ دفعہ اعضاء وضوء کو دھونا گناہ ہے یہ تو صحیح ہے البتہ تین دفعہ سے کم دھونے کا گناہ ہونے والے لفظ حدیث میں محفوظ نہیں۔ ۱۴۱۵/۱۰/۱۸ھ

س: بدایۃ المجتہد کی یہ عبارت حل طلب ہے اس کا سادہ ترجمہ، اعراب اور سیاق وسباق کے اعتبار سے اس کا مفہوم کیا ہے؟ صفحہ نمبر ۲۱۴ ''اَلرُّكْنُ الثَّالِثُ وَهُوَ النِّيَّةُ'' سطر نمبر ۹۔

''ليس يختص عبادة عبادة بوضوء وضوء .'' محمد شیخ مظفر آباد

ج: آپ کی درج کردہ عبارت کا حل مندرجہ ذیل ہے بتوفیق اللہ تبارک وتعالیٰ وعونہ

اعراب: ''لَيْسَ يُخْتَصُّ عِبَادَةٌ عِبَادَةٌ بِوُضُوْءٍ وُضُوْءٍ .'' ترجمہ: ایک ایک عبادت ایک ایک وضوء کے ساتھ مخصوص نہیں۔

مفہوم: ایک عبادت کی نیت سے کیا ہوا وضوء کئی عبادتوں کے لیے کافی ہے مثلاً ظہر کی نماز کے لیے وضوء کے ساتھ نماز

---

[1] [ارواء الغلیل ص ۱۵۴ ج ۱]

جنازہ، بیت اللہ کا طواف اور عصر کی نماز ادا کر سکتے ہیں ہر عبادت کے لیے علیحدہ علیحدہ نیت کے ساتھ الگ الگ وضوء کوئی ضروری نہیں۔ ۱٤۱٦/٤/۲۹ھ

وضوء توڑنے والی چیزیں

س: اگر آدمی کے کپڑوں پر خون لگ جائے یا جسم کے کسی حصہ سے بہہ پڑے کیا اس کا وضوء سلامت ہے وہ نماز پڑھ سکتا ہے؟ محمد یوسف ولد عبداللہ کمبوہ شیخوپورہ 6/7/89

ج: سبیلین کے علاوہ بدن کے کسی بھی حصہ سے نکلے یا بہے ہوئے خون کے نجس اور پلید ہونے کی کتاب وسنت میں کوئی دلیل نہیں البتہ اس کے حرام ہونے کے دلائل ہیں مگر کسی چیز کی حرمت سے اس کی نجاست پر استدلال درست نہیں۔

پھر خروج نجاست کو وضوء ٹوٹنے کا مناط ومدار بنانا از روئے کتاب وسنت ثابت نہیں دیکھئے ہوا خارج ہونے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔ مگر جس جگہ سے ہوا خارج ہوئی اور جس کپڑے کو وہ ہوا لگی اس جگہ اور کپڑے کو دھویا نہیں جاتا تو وضوء ہر اس نجس یا طاہر چیز سے ٹوٹ جاتا ہے جس سے ٹوٹنے کی دلیل کتاب وسنت میں ہو تو سبیلین کے علاوہ بدن کے کسی بھی حصہ سے خون نکلے یا بہے تو اس سے وضوء ٹوٹنے یا اس کے بدن یا کپڑے یا جگہ کو لگ جانے سے نماز ٹوٹنے کی کتاب وسنت میں کوئی دلیل نہیں۔ ۱٤۰۹/۱۲/۲۳ھ

س: حدیث ہے کہ ﴿مَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا فَلْيَغْتَسِلْ وَمَنْ حَمَلَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ﴾ ہمارے پاس صرف عون المعبود اور التلخیص الحبیر کی کتابیں ہیں التلخیص ج اوّل ص ۱۳٦ میں ہے ''وَقَالَ الْبَيْهَقِيْ وَالصَّحِيْحُ اَنَّهُ مَوْقُوْفٌ وَقَالَ الْبُخَارِيُّ الاَشْبَهُ مَوْقُوْفٌ وَقَالَ عَلِيٌّ وَاَحْمَدُ لاَ يَصِحُّ فِي الْبَابِ شَيْءٌ وَقَالَ الذُّهَلِيُّ لاَ اَعْلَمُ فِيْهِ حَدِيْثًا وَلَوْ ثَبَتَ لَلَزِمَنَا اِسْتِعْمَالُهُ وَقَالَ ابْنُ الْمُنْذِرِ لَيْسَ فِي الْبَابِ حَدِيْثٌ يَثْبُتُ''

آپ سے میں ''مَنْ حَمَلَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ'' کے سلسلے میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ جو لوگ جنازہ کو اپنے کاندھوں پر اٹھا چکے ہیں اور تقریباً سب اٹھاتے ہیں کیا وہ دوبارہ وضوء کریں۔ کیا جنازہ کا اٹھانا نواقض الوضوء میں ہے۔

حافظ محمد ضلع تھر پار کر سندھ

ج: آپ نے اپنے مکتوب میں حدیث ﴿مَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا فَلْيَغْتَسِلْ وَمَنْ حَمَلَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ﴾ ترجمہ [جو میت کو غسل دے وہ خود غسل کرے اور جو اس کو اٹھائے وہ وضوء کرے] کے متعلق التلخیص الحبیر سے چند ایک محدثین کے اقوال نقل کیے ہیں جن اقوال میں اس حدیث کے مرفوع ہونے کو غیر ثابت بتایا گیا لیکن آپ نے اپنے

مکتوب میں اس حدیث کومرفوعاً ثابت قرار دینے والے محدثین کے اقوال کویکسر نظر انداز کر دیا حالانکہ وہ اقوال بھی اسی تلخیص میں موجود ومذکورہ ہیں ۔ نیز خود مؤلف تلخیص حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کا رجحان ومیلان اس حدیث کے صحیح ہونے کی طرف ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ''فَيَنْبَغِي اَنْ يُّصَحَّحَ الْحَدِيْثُ'' اوراس حدیث کے حسن ہونے کی توانہوں نے تصریح ہی فرمادی چنانچہ ان کا بیان ہے ''وَفِي الْجُمْلَةِ هُوَ بِكَثْرَةِ طُرُقِهِ اَسْوَأُ اَحْوَالِهِ اَنْ يَكُوْنَ حَسَنًا''.

جناب نے تلخیص کے صفحہ ۱۳٦ کا حوالہ دیا ہے اگر آپ صفحہ ۱۳۷ اور ۱۳۸ کا بھی ذرا گہری نگاہ سے مطالعہ فرما لیں تو اس سلسلہ میں آپ کی الجھن یقیناً دور ہو جائے گی امید کی جاتی ہے آپ تلخیص کے ان دونوں صفحوں کو ضرور پڑھیں گے ۔ شیخ البانی حفظہ اللہ نے بھی ارواء الغلیل الجزء الاوّل رقم الحدیث ۱٤٤ صفحہ ۱۷۳ میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے ۔ تو مذکور بالا حدیث حسن سے کم درجہ کی نہیں ہاں اس میں غسل کا امر ندب اور استحباب پر محمول ہے اس کی دلیل حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ فِيْ غُسْلِ مَيِّتِكُمْ غُسْلٌ﴾ الحدیث [1] [تم پر میت کوغسل دینے سے کوئی غسل واجب نہیں] حافظ ابن حجر اس حدیث پر بیہقی کی جرح کا جواب دینے کے بعد لکھتے ہیں: ''فَالْاِسْنَادُ حَسَنٌ فَيُجْمَعُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْاَمْرِ فِيْ حَدِيْثِ اَبِيْ هُرَيْرَةَ بِاَنَّ الْاَمْرَ عَلَى النَّدْبِ اَوْ الْمُرَادَ بِالْغُسْلِ غَسْلُ الْاَيْدِيْ كَمَا صُرِّحَ بِهِ فِيْ هٰذَا قُلْتُ وَيُؤَيِّدُ اَنَّ الْاَمْرَ فِيْهِ لِلنَّدْبِ مَا رَوَى الْخَطِيْبُ الخ'' [2] ''اَقُوْلُ : اِنَّ حَمْلَ قَوْلِهِ ﷺ فِيْ حَدِيْثِ اَبِيْ هُرَيْرَةَ فَلْيَغْتَسِلْ عَلٰى غَسْلِ الْاَيْدِيْ لَيْسَ بِصَوَابٍ كَمَا لاَ يَخْفٰى عَلٰى اُوْلِى الْاَلْبَابِ''.

وَمَنْ حَمَلَهُ الخ کے اہل علم نے متعدد معانی ذکر کیے ہیں ان سے میرے نزدیک صحیح معنی یہ ہے ''جو میت کو اٹھائے وہ وضوء کرے'' یہ مطلب نہیں جو میت والی چارپائی اٹھائے وضوء کرے باقی رہا میت کو اٹھانے کا ناقض وضوء ہونا نہ ہونا تو اس کا مجھے علم نہیں اتنی بات واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو میت اٹھائے وضوء کرے'' تو ہمیں اس حدیث کے ثابت ہو جانے کے بعد بلا چوں وچرا اس امر نبوی ﷺ کی تعمیل کرنی چاہیے ۔ شیخ البانی اور دیگر کئی اہل علم اس امر وضوء کو بھی ندب واستحباب پر محمول کرتے ہیں مگر مجھے ابھی تک اس کی کوئی دلیل نہیں ملی ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا کے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین یارب العالمین ۱٤۰٦/۱/۱ ھ

(س) :شلوار ٹخنوں سے نیچے ہو تو وضوء ٹوٹ جاتا ہے حدیث سے وضاحت فرمائیں؟ ملک محمد یعقوب ہری پور 15/3/90

---

[1] التلخیص بحوالہ بیہقی [2] تلخیص ص ۱۳۸ ج ۱

ج: مرعاۃ المفاتیح میں حدیث ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کپڑا لٹکا (ٹخنوں سے نیچے رکھ) کر نماز پڑھنے والا وضوء اور نماز دونوں دہرائے۔ [مرعاة المفاتيح ص ٤٧٧ ج٢ میں حدیث ہے ''عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ بَعْضِ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ بينما رَجُلٌ يُصَلِّي وَهُوَ مُسْبِلٌ إِزَارَهُ قَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذْهَبْ فَتَوَضَّأْ قَالَ فَذَهَبَ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ جَآءَ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذْهَبْ فَتَوَضَّأْ ثُمَّ جَآءَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللهِ مَالَكَ اَمَرْتَهُ اَنْ يَتَوَضَّأَ ثُمَّ سَكَتَّ عَنْهُ ؟ فَقَالَ اِنَّهُ كَانَ يُصَلِّي وَهُوَ مُسْبِلٌ إِزَارَهُ وَإِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى لاَ يَقْبَلُ صَلٰوةَ عَبْدٍ مُسْبِلٍ إِزَارَهُ'' ذَكَرَهُ الْهَيْثَمِيْ فِيْ مَجْمَعِ الزَّوَائِدِ (ج٥ ص ١٤٥) وَقَالَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَرِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيْحِ وَقَالَ النووى فِيْ رِيَاضِ الصَّالِحِيْنَ رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤد بِاسْنَاد صَحِيْحٍ عَلٰى شَرْطِ مُسْلِم حافظ زبیر علی زئی صاحب نے اسے حسن کہا ہے۔]

[حضرت عطاء بن یسار رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کا ایک صحابی بیان کرتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک آدمی نماز پڑھ رہا تھا اور اس کا تہہ بند ٹخنوں سے نیچے تھا آپ ﷺ نے اس کو کہا جا وضوء کر پس وہ گیا وضوء کیا پھر آیا آپ ﷺ نے اس کو پھر کہا جا وضوء کر (گیا وضوء کیا) پھر آیا پس ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول کیا ہے آپ کے لیے آپ ﷺ نے اس کو حکم دیا ہے وضوء کرنے کا پھر آپ ﷺ خاموش ہو گئے؟ پس آپ ﷺ نے فرمایا: وہ اپنا تہہ بند ٹخنوں سے نیچے لٹکا کر نماز پڑھ رہا تھا اللہ تبارک وتعالیٰ ٹخنوں سے نیچے تہہ بند رکھنے والے کی نماز کو قبول نہیں کرتا]

س: مَسُّ الذَّكَرِ يُبْطِلُ الْوُضُوْءَ مُطْلَقًا اَمْ لاَ ؟ [کیا ذکر کو چھونا وضوء کو باطل کرتا ہے مطلق طور پر یا نہیں]

صلاح بن عایض الشلاحی کویت ٢٦ ربیع الاول ١٤١٦ھ

ج: يُبْطِلُ إِذَا كَانَ مِنْ غَيْرِ حَائِلٍ [(ذکر کو چھونا) وضوء کو باطل کر دیتا ہے جب بغیر کسی رکاوٹ کے چھوا جائے]

١١/٥/١٤١٦ھ

س: حضرت حافظ محمد اسحاق صاحب نے کہا کہ ذکر یعنی شرم گاہ کو بغیر کپڑا کے ہاتھ لگنے سے وضوء نہیں ٹوٹتا کیونکہ انہوں نے اس حدیث کا حوالہ دیا جس میں اس کو جسم کا ٹکڑا کہا گیا ہے: لیکن اکثر علماء تو ٹوٹنے کا فتویٰ دیتے ہیں: اور دوسری حدیث جو نواقض وضوء والی ہے اس پر عمل کرتے ہیں؟

محمد بشیر طیب کویت

ج: بسرہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا کی حدیث دلیل ہے کہ مس ذکر سے وضوء ضروری ہے۔ [1] رہی طلق بن علی رضی اللہ عنہ

[1] [ابو داؤد۔الطہارۃ۔باب الوضوء من مس الذکر۔ ترمذی۔الطہارۃ۔باب الوضوء من مس الذکر]

والی حدیث تو وہ مس ذکر بحائل پر محمول ہے بعض اہل علم نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ بسرہ بنت صفوان۔ رضی اللہ عنہا۔ کی حدیث سے پہلے کی ہے تفصیل کے لیے تحفة الأحوذی نیل الأوطار اور مرعاة المفاتیح کا مطالعہ فرما لیں۔ ان شاء اللہ المنان اطمینان قلب حاصل ہو جائے گا۔ ۱۴۲۰/۷/۱ھ

س: ایک آدمی پہلے تو صحیح تھا مگر اب کچھ دنوں سے بار بار پیشاب آتا ہے بڑی تسلی سے وضوء کیا جاتا ہے لیکن سجدے کی حالت میں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے چند قطرے پیشاب کے نکل گئے ہیں بڑی کوشش کے ساتھ صفائی کر کے وضوء کیا جاتا ہے مگر جب نماز میں ہوتا ہے تو اسے اس قسم کی پریشانی لاحق ہو جاتی ہے برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا مفصل حل پیش فرمائیں کیا ایسی صورت میں نماز ہو جائے گی اور کیا ایسا شخص اگر امام ہو تو نماز پڑھا سکتا ہے کہ نہیں؟ اعجاز احمد نارووال 26/3/93

ج: جس شخص کے متعلق آپ نے سوال کیا ہے اگر یہ حالت اس پر کبھی کبھار طاری ہوتی ہے تو پھر قطرہ نکلنے سے اس کا وضوء ٹوٹ جائے گا لہٰذا وہ دوبارہ وضوء کرے اور نماز پڑھے اور اگر یہ حالت اس پر مسلسل طاری رہتی ہے تو پھر وہ ہر نماز کے لیے وضوء کر کے نماز پڑھ لیا کرے جیسا کہ آپ نے استحاضہ والی عورت کے متعلق احادیث میں پڑھا ہے کہ وہ ہر نماز کے لیے وضوء کرے ایسا آدمی امامت بھی کرا سکتا ہے کیونکہ ہر نماز کے لیے وضوء اس کی طہارت ہے۔ واللہ اعلم ۱۴۱۴/۱/۸ھ

س: کسی آدمی کو پیشاب کی بیماری ہے چلتے ہوئے یا پیشاب کرنے کے بعد پیشاب کے قطرے نکل جاتے ہیں کیا وہ ان کپڑوں میں نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں اگر پڑھ سکتا ہے تو حدیث کے حوالہ میں وضاحت فرمائیں؟ محمد یعقوب 12/1/94

ج: اگر قطرہ پیشاب کبھی کبھار آتا ہے تو بدن یا کپڑے کی جس جگہ پر قطرہ لگا اس کو دھوئے وضوء کرے اور نماز پڑھے۔ اور اگر قطرہ ہمیشہ آتا ہے کہ اس کے لیے ایک نماز باطہارت پڑھنا متعذر ہے تو وہ ہر نماز کے لیے وضوء کرے اور نماز پڑھے دلیل حدیث استحاضہ۔ ۱۴۱۴/۸/۴ھ

[استحاضہ وہ خون ہوتا ہے جو ایام حیض کے بعد خاکی یا زرد رنگ کا جاری ہوتا ہے یہ ایک مرض ہے جب عورت اپنے حیض کی عادت کے دن پورے کر کے پھر اسے غسل کر کے نماز شروع کر دینی چاہیے کیونکہ خون استحاضہ کا حکم خون حیض کے حکم سے مختلف ہے۔

ہاں یہ بہت ضروری ہے کہ ہر نماز کے لیے نیا وضوء کرتی رہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش

رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔ ہر نماز کے لیے وضوء کرلیا کرو][1]

س: صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ہوا خارج ہونے پر وضوء فرض ہے استنجاء نہیں۔ لیکن عقل نہیں مانتی کہ جہاں سے ہوا خارج ہوا سے تو صاف نہ کیا جائے جب کہ جو صاف ہیں انہیں دھویا جائے پوچھنا یہ ہے کہ اس میں کیا حکمت ہے؟

محمد امجد آزاد کشمیر

ج: آپ نے ہوا خارج ہونے کی صورت میں حکمت کا سوال فرمایا جس کا مفہوم کہ بول وبراز خارج ہونے کی صورت میں دوسرے اعضاء دھونے کی حکمت آپ کو معلوم ہے دوسرے اعضاء کو دھونے میں ہوا خارج ہونے کی صورت میں حکمت وہی ہے۔ رہا ہوا خارج ہونے کی صورت خارج ہونے کی جگہ کو نہ دھونا تو وہ اس لیے کہ کوئی نجس وپلید چیز تو خارج نہیں ہوئی باقی خارج از سبیلین نجس نہ ہو تو وضوء نہیں۔ بات غلط ہے۔ ۱۴۲۰/۱/۱۵

س: آگ پر پکی ہوئی چیز (بلواسطہ یا بلاواسطہ) کے استعمال کے بعد وضوء کرنا ہوگا یا نہیں۔ نبی اکرم ﷺ کا آخری فرمان یا عمل کیا ہے؟

محمد محسن عابد

ج: تَوَضَّؤُوْا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ میں امر ندب پر محمول ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بسا اوقات مَا مَسَّتِ النَّارُ کھانے پینے سے وضوء نہیں کیا جیسا کہ بخاری ومسلم کی احادیث میں مذکور ہے لہٰذا مَا مَسَّتِ النَّارُ کھانے پینے کی وجہ سے وضوء کرلینا افضل ہے۔ ﴿تَوَضَّؤُوْا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ﴾[2] [آگ سے پکی ہوئی چیزوں سے وضوء کرو] کے منسوخ ہونے والی بات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ ۱۴۱۵/۱۰/۲۱ھ

س: اونٹ کے گوشت سے آیا وضوء ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں یا پھر صرف مضمضہ ہی کرنا ضروری ہے کیونکہ الشیخ ابن باز رحمۃ اللہ کا فتویٰ تو یہ ہے کہ وضوء ٹوٹ جاتا ہے اور تقریباً علماء حجاز کا یہ ہی فتویٰ ہے مجھے یاد پڑتا ہے کہ دوران تعلیم بندہ نے آپ سے اس مسئلہ کے بارے میں سنا تھا کہ وضوء نہیں ٹوٹتا بس مضمضہ کرنا ضروری ہے اگر مجھے غلطی نہیں لگتی آخر انسان ہوں ہوسکتا ہے کہ میری بات یہ غلط ہو آپ کا خیال اور فتویٰ اور ہو؟

محمد بشیر طیب کویت

ج: اونٹ کا گوشت کچا ہو خواہ پکا ہو کھانے سے وضوء کرنا ضروری ہے صحیح مسلم اور ابوداود وغیرہما کتب حدیث میں احادیث موجود ہیں آپ ﷺ نے اونٹ کے گوشت سے وضوء کرنے کا حکم دیا ہے کئی لوگ اسی کو استحباب پر محمول کرتے ہیں مگر ان کا استحباب پر محمول کرنا درست نہیں کیونکہ سائل نے آپ ﷺ سے پوچھا: ''بکریوں کے گوشت سے وضوء کروں؟'' تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تو چاہے'' لیکن جب اس نے پوچھا ''اونٹوں کے گوشت سے وضوء کروں؟'' تو

---

[1] [بخاری الوضوء ۔ باب غسل الدم حدیث ۲۲۸] [2] [ابو داود ۔ کتاب الطهارة باب التشديد في ذالك]

آپ ﷺ نے فرمایا ''ہاں وضوء کر'' ❶ تو نبی کریم ﷺ کا بکریوں کے گوشت سے وضوء میں فرمانا ''اگر تو چاہے'' اور اونٹوں کے گوشت سے وضوء میں فرمانا ''ہاں وضوء کر'' اس بات کی دلیل ہے کہ اونٹوں کے گوشت سے وضوء والا حکم وجوب پر محمول ہے ندب واستحباب پر محمول نہیں کیونکہ استحباب تو بکریوں کے گوشت سے وضوء میں بھی موجود ہے پھر دونوں گوشتوں میں فرق کیا ہوا؟ جب کہ رسول اللہ ﷺ فرق فرمارہے ہیں۔

باقی دوران تدریس بسا اوقات یہ بندہ فقیر الی اللہ الغنی یہ کہہ دیتا ہے اگر کوئی صاحب فرمائیں کہ ''اونٹوں کے گوشت سے وضوء ٹوٹنے کا لفظ کہیں نہیں آیا صرف اتنا آیا ہے کہ اونٹوں کے گوشت سے وضوء کر'' تو جواب میں کہا جائے گا آپ کے خیال کے مطابق وضوء نہیں ٹوٹتا مگر وضوء کرنا ہے فرض وضروری کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے تو اونٹوں کے گوشت سے وضوء ٹوٹے خواہ نہ ٹوٹے کرنا ضرور پڑے گا۔ واللہ اعلم ١٤٢٠/٧/١ھ

س: زَيْدٌ اَحْدَثَ فِي الصَّلاَةِ فَاسْتَحْيٰ مِنَ النَّاسِ وَاَتَمَّ الصَّلٰوةَ ثُمَّ اَعَادَ الصَّلٰوةَ خُفْيَةً وَصَارَ الْحَيَاءُ مَانِعًا مِنْ قَطْعِ الصَّلٰوةِ وَالْحَالُ اَنَّ نِيَّتَهُ لَيْسَتْ تَوْهِيْنَ الصَّلاَةِ وَتَحْقِيرَهَا اَيَصِيْرُ زَيْدٌ كَافِرًا وَمُرْتَدًّا بِهٰذَا الْفِعْلِ اَمْ هُوَ آثِمٌ فَقَطْ.

[زید نماز میں بے وضوء ہوگیا اور اس نے لوگوں سے حیا کی اور نماز مکمل کی پھر اس نے پوشیدہ نماز لوٹائی اور نماز توڑنے سے حیا رکاوٹ بنا حالانکہ وہ نماز کی توہین یا تحقیر کی نیت نہیں رکھتا کیا زید اس فعل سے کافر و مرتد ہوگا یا صرف گناہ گار ہو گا] عبدالظاہر النورستانی

ج: ''بِئْسَ مَا صَنَعَ لٰكِنْ لاَ يَصِيْرُ بِهِ مُرْتَدًّا كَافِرًا'' [اس نے برا کام کیا ہے لیکن وہ اس سے کافر مرتد نہیں ہوگا] ١٤١٥/١/١٤ھ

غسل کا بیان

س: غسل کے کتنے فرائض ہیں اور کون کون سے ہیں؟ محمد عثمان غنی گورنمنٹ کالج لاہور

ج: وضوء واستنجاء، سر پر تین اوک ڈال کر بالوں کی جڑوں کو تر کرنا، سارے بدن کو دھونا۔ ١٤١٨/٨/١ھ

[غسل جنابت کا طریقہ :

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غسل کا ارادہ فرمایا تو سب سے پہلے دونوں ہاتھ دھوئے پھر شرمگاہ کو دھویا۔ پھر بایاں ہاتھ جس سے شرمگاہ کو دھویا تھا زمین پر رگڑا پھر اس کو دھویا پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا

---

❶ [صحیح مسلم۔ کتاب الحیض۔ باب الوضوء من لحوم الابل]

پھر چہرہ دھویا پھر کہنیوں تک ہاتھ دھوئے۔ پھر سر پر پانی ڈالا اور بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچایا تین بار سر پر پانی ڈالا۔ پھر تمام بدن پر پانی ڈالا پھر جہاں آپ نے غسل کیا تھا اس جگہ سے ہٹ کر پاؤں دھوئے۔ [1]]

س: غسل جنابت کے وضوء میں ترک مسح کے لیے ایک حدیث نسائی میں آتی ہے کیا وہ صحیح ہے یا نہیں کیونکہ دوسری روایتوں میں يَتَوَضَّأُ مِثْلَ وُضُوْءِ هِ لِلصَّلٰوةِ [آپ ﷺ نماز کے وضوء کی طرح وضوء کرتے] ایک مسلم کی روایت میں غسل رجلین [پاؤں دھونے] کی نفی آئی ہے۔ شفیق الرحمٰن فرخ مدرس جامعہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ لاہور

ج: ایک روایت ''يَتَوَضَّأُ مِثْلَ وُضُوْءِ هِ لِلصَّلٰوةِ'' [آپ وضوء کرتے نماز کے وضوء کی طرح] کے لفظ آئے ہیں جس کا تقاضا ہے کہ غسل رجلین اور مسح راس دونوں غسل جنابت سے قبل وضوء میں کیے جائیں رہا صحیح مسلم میں غسل رجلین کی نفی تو وہ غسل جنابت سے پہلے ہے اور غسل جنابت کے بعد اسی روایت میں غسل رجلین کا اثبات ہے دونوں طرح درست ہے ''يتوضأ مثل وضوء ہ للصلاۃ'' اور غسل کے بعد غسل رجلین۔ باقی نسائی والی روایت کی سند صحیح ہے اس کے لفظ ہیں ''حتی إِذَا بَلَغَ رَأْسَهُ لَمْ يَمْسَح وَأَفْرَغَ عَلَيْهِ الْمَاءَ'' [یہاں تک کہ جب سر کو پہنچے تو مسح نہ کیا اور اس پر پانی ڈالا] اس میں معہود مسح کی نفی ہے بدلیل '' وَأَفْرَغَ عَلَيْهِ الْمَاءَ'' واللہ اعلم ۱۴۲۰/۶/۱۷ھ

س: مستحاضہ تلبیہ پڑھے یا کہ نہیں اور طواف قدوم نہیں کر سکی اور عرفات سے واپسی پر طواف افاضہ ہی کافی ہے یا کہ طواف قدوم بھی لوٹا دے؟ قاری فاروق

ج: حائضہ تلبیہ پڑھے طواف کے علاوہ سب مناسک ادا کرے۔ طواف بعد میں کرے بوجہ حیض طواف قدوم رہ گیا ہے تو کوئی بات نہیں طواف افاضہ ہی کافی ہے مستحاضہ کا حکم طاہرہ والا ہے۔ واللہ اعلم ۱۴۱۶/۱۱/۲۱ھ

[عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ نکلے ہمارا مقصود حج تھا تو مقام سرف پر میں حائضہ ہوگئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿ فَافْعَلِي مَا يَفْعَلُ الْحَاجُّ غَيْرَ أَنْ لَّا تَطُوْفِي بِالْبَيْتِ حَتّٰى تَطْهُرِيْ ﴾ [2] جو کچھ حاجی کرتے ہیں تو بھی کرتی جا سوائے اس کے کہ پاک ہونے تک بیت اللہ کا طواف نہ کرنا]

س: کیا ہندو پاک کے اہل حدیث علماء غُسْلُ يَوْمِ الجمعة کو فرض نہیں سمجھتے؟

محمد یونس قصور ۳ جمادی الاولی ۱۴۱۸ھ

ج: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ﴾ [3] [ترجمہ: جمعہ کے

---

[1] [بخاری ۔ الغسل ۔ باب الوضوء قبل الغسل] [2] [متفق علیه ۔ مشکوة ۲/۵۸۱] [3] [بخاری الجمعة باب فضل الغسل یوم الجمعة ومسلم الجمعة : باب وجوب غسل الجمعة علی کل بالغ من الرجال]

دن کا غسل ہر بالغ پر واجب ہے] اگر کوئی بزرگ اس غسل کو واجب نہیں سمجھتے تو ان کی تحقیق ان کے ساتھ۔ واللہ اعلم

١٢ / ٥ / ١٤١٨ھ

س: کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ جنبی کو وضوء میسر ہے لیکن غسل میسر نہیں کیا وہ وضوء کرے یا کہ تیمّم کرے؟

شبیر احمد ساجد

ج: تیمّم اور وضوء دونوں کرے ﴿لاَ یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلاَّ وُسْعَھَا﴾ [نہیں تکلیف دیتا اللہ تعالیٰ کسی جان کو مگر اس کی طاقت کے مطابق [1]] ھذا ما عندی و اللہ أعلم ٩/٦/١٤١٤ھ

س: کیا التقاء الختان بالختان سے غسل واجب ہو جاتا ہے یا دخول شرط ہے کیونکہ ابن عبدالبر نے الاستذکار میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو تجاوز جیسے الفاظ سے بھی ذکر کیا ہے اور امام نووی نے مسلم کی شرح میں بھی ایسی ہی بات کہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے دخول سے غسل واجب ہے التقاء سے نہیں آپ وضاحت فرما دیں۔ عبدالرحمن ضیاء

ج: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ الاکبر۔ التقاء ختانین اور مس ختانین والی روایات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں ''وَالْمُرَادُ بِالْمَسِّ وَالْاِلْتِقَاءِ الْمُحَاذَاۃُ ، وَیَدُلُّ عَلَیْہِ رِوَایَۃُ التِرْمِذِي بِلَفْظ : إِذَا جَاوَزَ . وَلَیْسَ الْمُرَادُ بِالْمَسِّ حَقِیْقَتَہُ لِأَنَّہ لاَ یُتَصَوَّرُ عِنْدَ غَیْبَۃِ الْحَشْفَۃِ ، وَلَوْ حَصَلَ الْمَسُّ قَبْلَ الْإِیْلاَجِ لَمْ یَجِبِ الْغُسلُ بِالْإِجْمَاعِ [2] [چھونے اور ملنے سے مراد جماع ہے اور اس پر ترمذی کی روایت دلالت کرتی ہے جب آگے بڑھ جائے کے لفظ سے اور چھونے سے مراد اس کی حقیقت نہیں ہے کیونکہ حشفہ کے غیب ہونے پر اس کا تصور نہیں ہوسکتا اور اگر دخول سے پہلے چھونا حاصل ہو جائے تو بالاجماع غسل واجب نہیں ہے] ١/٤/١٤١٥ھ

س: عورت اور مرد کا بغیر دخول کے شرمگاہیں مل جائیں تو غسل ہے یا صرف وضوء؟ میاں محمد افضل لاہور 24/2/93

ج: اگر منی خارج ہو جائے تو غسل واجب ہے ورنہ وضوء، اور دخول ومجاوزت کی صورت میں غسل واجب ہے انزال ہو خواہ نہ ہو۔ واللہ اعلم ٦/٩/١٤١٣ھ

س: کیا اسلام لانے سے جو غسل ہوتا ہے وہ فرض ہے۔ میرے علم کے مطابق تو فرض ہے؟ جاوید

ج: درست اسلام لاتے وقت غسل فرض ہے۔ ٢٥/١١/١٤١٤ھ

[عَنْ قَیْسِ بْنِ عَاصِمٍ قَالَ أَتَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ أُرِیْدُ الْإِسْلاَمَ فَأَمَرَنِي أَنْ أَغْتَسِلَ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ [3] قیس بن

[1] [البقرۃ ٢٨٦ پ٣] [2] فتح الباری ١/٣٩٥-٣٩٦ [3] [ابو داود الطھارۃ باب فی الرجل یسلم فیومر بالغسل]

عاصم سے روایت ہے کہ جب وہ مسلمان ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ غسل کریں]

س: کیا جنبی مرد یا حائضہ عورت قرآن کو پکڑ سکتی ہے اور پڑھ سکتی ہے؟ عبدالغفور ولد عبدالحق شاہدرہ اسٹیشن لاہور

ج: زبانی پڑھ سکتے ہیں ہاتھ نہیں لگا سکتے نہ ہی چھو سکتے ہیں۔

سنن دارمی (۲/۸۴) ''بَابُ لاَ طَلاَقَ قَبْلَ نِکَاحٍ'' میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ﴿لاَ یَمَسُّ الْقُرْآنَ إِلاَّ طَاھِرٌ﴾ ترجمہ: [نہ چھووے قرآن کو مگر پاک] قرآن مجید کی آیت ﴿وَإِنْ کُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّھَّرُوْا﴾ ترجمہ: [اور اگر تم ناپاک ہو تو پاکی حاصل کرو] سے ثابت ہوتا ہے جنبی طاہر نہیں ورنہ اسے ''فَاطَّھَّرُوْا'' کا حکم نہ ہوتا اور جو طاہر نہیں وہ رسول اللہ ﷺ کے مندرجہ بالا فرمان کی رو سے قرآن مجید کو چھو نہیں سکتا تو پکڑ بھی نہیں سکتا اور معلوم ہے کہ حائضہ بھی طاہر نہیں کیونکہ اطہار وتطہر کا جنبی کی طرح اس کو بھی حکم ہے۔

س: میں نے آپ سے ایک مسئلہ پوچھا تھا کہ کیا حائضہ عورت اور جنبی قرآن کو پکڑ سکتے ہیں کہ نہیں آپ نے کہا تھا کہ نہیں پکڑ سکتے کیونکہ وہ ناپاک ہیں دلیل کے طور پر آپ نے ایک قرآن کی آیت لکھی تھی (اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو غسل کر لو) اگر حائضہ عورت اور جنبی ناپاک ہیں اور وہ قرآن کو نہیں پکڑ سکتے تو پھر ان احادیث کا مطلب کیا ہوگا؟

(۱) نبی ﷺ نے فرمایا کہ اے عائشہ رضی اللہ عنہا مجھے مسجد سے بوریا پکڑا عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اے اللہ کے رسول میں حائضہ ہوں آپ نے فرمایا حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ [1]

(۲) مسلم شریف میں ایک حدیث ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جنبی تھا نبی ﷺ آئے میں نے سلام کیا آپ نے مجھ سے ہاتھ ملایا میں کھسک گیا اور غسل کر کے آیا آپ ﷺ نے کہا کہ اے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تم کہاں گئے تھے میں نے کہا کہ میں غسل کرنے گیا تھا (کیونکہ میں جنبی تھا / ناپاک تھا) آپ ﷺ نے کہا مومن ناپاک نہیں۔ [2]

عبدالغفور ولد عبدالحق شاہدرہ اسٹیشن لاہور 9/10/97

ج: اس بندہ فقیر إلی اللہ الغنی نے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ﴿لاَ یَمَسُّ الْقُرْآنَ إِلاَّ طَاھِرٌ﴾ لکھا اور آیت ﴿وَإِنْ کُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّھَّرُوْا﴾ اور آیت ﴿حَتّٰی یَطْھُرْنَ فَإِذَا تَطَھَّرْنَ﴾ سے استدلال کیا کہ جنبی اور حائضہ طاہر نہیں نتیجہ ظاہر ہے کہ دونوں قرآن مجید کو چھو نہیں سکتے جب چھو نہیں سکتے تو پکڑ بھی نہیں سکتے۔

---

[1] [مسلم ـ الحیض ـ باب جواز غسل الحائض رأس زوجها] [2] [مسلم ـ الحیض باب الدلیل علی ان المسلم لا ینجس بخاری ـ باب عرق الجنب وأن المسلم لا ینجس]

آپ نے اس پر لکھا: ''اگر حائضہ عورت اور جنبی ناپاک ہیں اور وہ قرآن کو نہیں پکڑ سکتے تو پھر ان احادیث کا مطلب کیا ہوگا'' پھر آپ نے عائشہ صدیقہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی دو حدیثیں لکھی ہیں۔

تو اوّلاً گذارش ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں یہ نہیں آیا کہ حائضہ اور جنبی طاہر ہیں لہٰذا یہ دونوں حدیثیں قرآن مجید سے ثابت شدہ بات ''جنبی اور حائضہ طاہر نہیں'' کے منافی اور مخالف نہیں۔ رہا آپ ﷺ کا فرمان ''حیض تیرے ہاتھ میں نہیں'' تو اس سے حائضہ کا طاہر ہونا لازم نہیں آتا اور اسی طرح آپ ﷺ کے فرمان ''مؤمن نجس نہیں ہوتا'' سے جنبی کا طاہر ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ جنبی سے نجاست کی نفی اور حائضہ کے ہاتھ میں حیض ہونے کی نفی سے جنبی اور حائضہ کا طاہر ہونا لازم نہیں آتا ورنہ اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں اطہار وتطہر کا حکم نہ دیتے۔

اور ثانیاً گذارش ہے کہ اس بندہ فقیر الی اللہ الغنی نے لکھا تھا ''جنبی اور حائضہ قرآن مجید کو چھو نہیں سکتے تو پکڑ بھی نہیں سکتے'' یہ نہیں لکھا تھا ''کسی چیز کو بھی نہیں چھو سکتے نہ ہی پکڑ سکتے'' تو آپ کی تحریر کردہ دونوں حدیثوں میں قرآن مجید کو چھونے اور پکڑنے کی بات نہیں ہے۔ حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں تو حائضہ کے چٹائی پکڑنے اور حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ میں جنبی کے کسی انسان کو ہاتھ یا بدن لگانے کی بات ہے اور ان دونوں چیزوں میں کوئی نزاع نہیں۔

اور ثالثاً گذارش ہے اگر کوئی صاحب بضد ہوں کہ ان حدیثوں سے جنبی اور حائضہ کا طاہر ہونا ثابت ہوتا ہے تو ان سے پوچھیں پھر وہ غسل کیے بغیر نماز کیوں نہیں پڑھ سکتے؟ واللہ اعلم ۱۱/۶/۱۴۱۸ھ

س: حائضہ کے لیے قرآن مجید پڑھنا ناجائز ہے۔ بنات مدارس میں معلمات اور متعلّمات کے لیے ان کا تدریس پروگرام جاری وساری رکھنا ضروری ہے۔ کیا وہ سماعت کرسکتی ہیں۔ یا قرآن وحدیث کی کتب کو ہاتھ نہ لگائیں دور بیٹھ کر عبارت وغیرہ پڑھ سکتی ہیں؟ حافظ محمد صدیق لاہور

ج: حائضہ قرآن مجید کو ہاتھ نہیں لگا سکتی اور نہ ہی اس کو چھو سکتی ہے کیونکہ حدیث میں ہے: '' أَنْ لَّا يَمَسَّ الْقُرْآنَ إِلَّا طَاهِرٌ '' [نہ چھوئے قرآن کو مگر پاک] زبانی پڑھ سکتی ہے کوئی پڑھ رہا ہو تو سن بھی سکتی ہے حائضہ کے قرآن مجید کو پڑھنے کی ممانعت میں جو روایات پیش کی جاتی ہیں وہ پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتیں۔ واللہ اعلم ۱۰/۲/۱۴۱۵ھ

س: ایک عورت کی شادی ہوئی کچھ عرصے کے بعد اس کے ہاں ولادت ہوئی بچے کی پیدائش کے بعد چند دن اس کو نفاس کا خون آیا ہے کچھ دن بعد بند ہوگیا۔ ایسی عورت کی نماز کا کیا حال کیا جائے گا کیا یہ عورت چالیس دن تک انتظار

کرے یا خون بند ہونے کے بعد نماز پڑھنا شروع کردے اگر شروع کردے تو چند دن بعد یعنی چالیس دن سے قبل ہی اسے دوبارہ خون آجائے تو پھر کیا کرے۔ یہ صرف اس لیے ہے کہ اس عورت کا یہ پہلا بچہ ہے اور اسے اپنے نفاس کا اندازہ نہیں کیا ایسی عورت کے لیے چالیس دن انتظار ضروری ہے؟ حافظ اعجاز احمد نارووال

ج: جب خون بند ہوگیا غسل کر کے نماز شروع کردے چند دن بعد چالیس روز سے قبل اگر خون آنا شروع ہوگیا تو نماز نہ پڑھے پھر جونہی خون بند ہو غسل کر کے نماز شروع کردے۔ ۱۴۱۵/۴/۸ھ

رفع حاجت کے آداب

س: کھڑا ہوکر پیشاب کرنے والے کو گناہ گار کہہ سکتے ہیں؟ محمد یوسف ولد عبداللہ کمبوہ شیخوپورہ 6/7/89

ج: ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ''مَنْ حَدَّثَكُمْ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ كَانَ يَبُوْلُ قَائِمًا فَلاَ تُصَدِّقُوْهُ مَا كَانَ يَبُوْلُ إِلاَّ قَاعِدًا'' [1]۔ [ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ''کہ جو تمہیں بیان کرے کہ نبی ﷺ کھڑے ہوکر پیشاب کرتے تھے تو تم اس کی تصدیق نہ کرو نہیں وہ پیشاب کرتے تھے مگر بیٹھ کر''] صحیح بخاری ۱/ ۳۵ میں ہے حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ﴿أَتَى النَّبِیُّ ﷺ سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ قَائِمًا﴾ (الحدیث) [ترجمہ: نبی ﷺ لوگوں کی کوڑا کرکٹ کی جگہ پر آئے اور آپ نے کھڑے ہوکر پیشاب کیا]

تو ثابت ہوا کہ ثواب بیٹھ کر بول کرنے میں ہے اور کھڑے ہوکر بول کرنے میں گناہ نہیں البتہ بول سے پرہیز نہ کرنے میں گناہ ہے۔ خواہ بول بیٹھ کر کرے یا کھڑا ہوکر کرے جیسا کہ کئی ایک صحیح احادیث سے واضح ہے مثلاً: دو قبروں کے پاس سے گزرنے والی حدیث [حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دو قبروں کے پاس سے گذرے تو فرمایا۔ ان دونوں قبروالوں کو عذاب ہورہا ہے اور باعث عذاب کوئی بڑی چیز نہیں۔ ان دونوں میں سے ایک پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغل خور تھا] [2] اور ''اِسْتَنْزِهُوْا مِنَ الْبَوْلِ'' والی حدیث۔ واللہ اعلم ۱۴۰۹/۱۲/۲۳ھ

س: پیشاب کرتے وقت اگر جیب میں قرآنی آیات یا احادیث ہوں تو کیا آدمی پیشاب کرسکتا ہے یا ایسے کاغذات جیب سے نکال لینے چاہئیں؟ تنویر ہاشمی

ج: ایسے کاغذات نکال لینے چاہئیں۔ ۱۴۱۶/۴/۲۰ھ

---

[1] صحیح ابی عوانہ (۱/۱۹۸) والمستدرك للحاكم (۱/۱۸۱) والسنن الكبرى للبيهقى (۱/۱۰۱) والمسند للامام أحمد (۱/۱۳٦۔۱۹۲۔۲۱۳) [2] بخاری ۔ الوضوء ۔ باب ما جاء فی غسل البول

کتاب الصلوٰۃ ...... نماز کے مسائل

نمازی کا لباس

س: ننگے سر نماز پڑھنے کے متعلق بتائیں کہ سنت کے مطابق صحیح ہے کیا آپ ﷺ نے ننگے سر نماز پڑھی ہے؟ محمد سلیم بٹ

ج: ابو داود میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿لاَ یَقْبَلُ اللّٰہُ صَلٰوۃَ حَائِضٍ اِلَّا بِخِمَارٍ﴾ بالغ عورت کی ننگے سر نماز نہیں اس حدیث کا مفہوم ہے کہ مرد اور نابالغ عورت کی نماز ننگے سر ہو جاتی ہے۔ [1] ۱۴۱۶/۱۱/۲۲ھ

س: کیا امام ننگے سر امامت کرواسکتا ہے؟ محمد بشیر ڈار جا کے چٹھہ گوجرانوالہ 2/2/91

ج: ابو داود، ترمذی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿لاَ یَقْبَلُ اللّٰہُ صَلاَۃَ حَائِضٍ اِلَّا بِخِمَارٍ﴾ [اللہ تعالیٰ بالغ عورت کی ننگے سر نماز کو قبول نہیں کرتا] یہ حدیث صحیح ہے شیخ البانی حفظہ اللہ نے اس کو صحیح ابن ماجہ اور صحیح ابو داود میں درج فرمایا ہے اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے بالغ عورت کی نماز ننگے سر نہیں ہوتی جس کا مفہوم یہ ہے مرد اور نابالغ عورت کی نماز ننگے سر ہو جاتی ہے لہٰذا اگر کوئی مرد ننگے سر نماز پڑھتا ہے تو اس سے الجھنا نہیں چاہیے ننگے سر نماز پڑھنے والے کو بھی غور کرنا چاہیے کہ ننگے سر نماز پڑھنے میں سر ڈھک کر نماز پڑھنے سے کوئی زیادہ ثواب نہیں ملتا کہ وہ اس عمل پر اصرار کرے الغرض سر ڈھک کر نماز پڑھنے کی پابندی بالغ عورت کے لیے ہے مرد کے لیے سر ڈھک کر نماز پڑھنے کی فرضیت کتاب وسنت میں کہیں وارد نہیں ہوئی ﴿خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ﴾ [2] سے مرد کے لیے سر ڈھک کر نماز پڑھنے کی فرضیت پر استدلال درست نہیں۔ ھذا ما عندی۔ واللہ اعلم ۱۴۱۱/۷/۲۳ھ

س: نبی ﷺ کی سنت کیا ہے سر پر رومال یا ٹوپی رکھنے کے متعلق اور ننگے سر مسجد میں جانا اور نماز پڑھنا کہاں تک مسنون ہے؟ محمد عادل لاہور 12/4/94

ج: چند مقامات پر رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک پر پگڑی کا ذکر آیا ہے مثلاً آپ ﷺ مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو

---

[1] [مزید تحقیق ارواء الغلیل ج ۱ حدیث ۱۹۶ پر دیکھیں] [2] [تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو] [اعراف ۳۱ پ ۸]

آپ کے سر پر سیاہ پگڑی تھی۔ ❶ پھر ایک حدیث میں ذکر ہے آپ ﷺ نے وضوء کیا تو پگڑی پر مسح کیا ❷ اسی طرح کچھ دوسرے مواقع میں خمار اور عصابہ کا ذکر بھی ملتا ہے۔ رہا مسجد میں ننگے سر جانا یا ننگے سر نماز پڑھنا تو یہ بھی رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے بالخصوص حج اور عمرہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ ننگے سر ہی مسجد حرام میں گئے اور ننگے سر ہی نماز پڑھتے رہے ہاں بالغ عورت کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ﴿لاَ یَقْبَلُ اللّٰہُ صَلاَۃَ حَائِضٍ اِلاَّ بِخِمَارٍ﴾ [نہیں ہے نماز بالغ عورت کی مگر دوپٹہ کے ساتھ] ❸ ١٤١٤/١١/٧ھ

س: جو لوگ نماز میں شلوار یا تہہ بند ٹخنے سے نیچے کرتے ہیں بلند آواز میں آمین نہیں کہتے آخری رکعت میں تورک نہیں بیٹھتے نماز کے بعد بلند آواز میں اللہ اکبر، استغفر اللہ کا ذکر نہیں کرتے ان کے بارے میں وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں فرمائیں؟ محمد سلیم

ج: ایسا کرنے والے رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی مخالفت کرنے والے ہیں۔ ١٤١٤/١١/٢٤ھ

س: تمباکو نوشی یا شلوار ٹخنوں سے نیچے ہونے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ ابوسعد منصور ضلع ایبٹ آباد صوبہ سرحد

ج: اس کا مجھے علم نہیں البتہ ایک روایت میں ہے رسول اللہ ﷺ نے حالت نماز میں اسبال (ٹخنوں سے نیچے کپڑے) والے شخص کو نماز و وضوء لوٹانے کا حکم دیا تھا یہ روایت مسند احمد میں موجود ہے مشکوٰۃ شریف میں بھی ہے۔

١٤١٩/١١/٢٧ھ

مساجد کا بیان

س: نقش ونگار والے مصلّٰی اور صف پر نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟ عبدالعزیز اعوان نگری بالہ

ج: ہوسکتی ہے مگر بہتر ہے کہ نہ پڑھے کیونکہ نقش ونگار توجہ اِلی اللہ میں مخل ہے۔ ١٤١٦/٤/١٩ھ

س: کیا چپس والے فرش پر نماز پڑھنا جائز ہے؟ عبدالعزیز اعوان نگری بالہ

ج: جائز ہے۔ ١٤١٦/٤/١٩ھ

س: درج ذیل سوال کا جواب قرآن مجید کی آیات مبارکہ ﴿اِنَّهٗ لاَ یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ❹ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْآ اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ﴾ ❺ اور احادیث مبارکہ جو کہ مساجد کو مزین کرنے کی کراہت کے بارے میں ہیں کو پیش نظر

❶ مسلم۔ الحج۔ باب جواز دخول مكة بغير احرام۔ ابوداؤد۔ اللباس۔ باب فی العمائم۔ ترمذی۔ اللباس۔ ❷ بخاری۔ الوضوء۔ باب المسح علی الخفين۔ ❸ ابوداؤد۔ الصلاة۔ باب المرأة تصلی بغير خمار۔ ❹ [بے شک اللہ تعالیٰ فضول خرچ کرنے والوں سے پیار نہیں کرتا] [الانعام ١٤١ پ٨] ❺ [بے جا خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں] [الاسراء ٢٧ پ١٥]

رکھتے ہوئے فرمائیے کہ

(۱) مساجد میں چپس کا فرش جس میں انواع واقسام کے پتھر بھی لگے ہوئے ہیں جائز ہے یا نہیں؟

(۲) نیز کئی دوست کہتے ہیں کہ چپس کے فرش میں کراہت ہے مگر مضبوطی کی وجہ سے اس کا جواز ہے۔

کچھ دوست کہتے ہیں کہ چپس کے علاوہ بھی گزارہ ہوسکتا ہے سادہ زمین ہی رہے تو کافی ہے یا پھر فرشی اینٹ کا فرش بلکہ سیمنٹ بجری کا فرش بھی بہت مضبوط ہوتا ہے۔ چپس کا خرچہ بچایا جاسکتا ہے۔ محترم فرمائیے کس فریق کی دلیل قوی ہے؟ محمد حسین چیچہ وطنی 20/12/95

ج: چپس کے فرش اور سیمنٹ بجری کے فرش میں کوئی فرق نہیں کیونکہ چپس کا فرش بھی سیمنٹ بجری کا فرش ہی ہے رنگدار اور منقش ہونا چپس کے لیے کوئی ضروری نہیں البتہ یہ خیال رکھنا چاہیے کہ فرش چپس کا ہو یا سیمنٹ بجری کا ایسا بنایا جائے جو نمازیوں کی توجہ کو منتشر وغافل نہ کرے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے نقش ونگار اور نشانات وتصاویر والی چادر کو ہٹا دیا تھا اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ اس نے مجھے غافل کر دیا۔ واللہ اعلم ۱۴۱۶/۸/۵ھ

س: کیا اس دیوار کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے جس دیوار کے آگے قبرستان ہو؟ عبدالعزیز اعوان نگری بالہ 10/1/1996

ج: درست نہیں۔ ۱۴۱۶/۱/۳ھ

س: وہ مائی جو مسجد نبوی ﷺ کی صفائی کرتی تھی وہ فوت ہوگئی تو صحابہ نے رات ورات جنازہ پڑھا کر دفن کر دیا تو پھر نبی کریم ﷺ نے پوچھا تو آپ ﷺ نے کہا کہ مجھے اس کی قبر دکھاؤ تو نبی کریم ﷺ نے قبر پر نماز پڑھی کیا قبر پر نماز پڑھی جاسکتی ہے؟ محمد اشرف بھٹی ۱۴۰۸/۳/۱۸ھ

ج: مسجد کی صفائی کرنے والی مائی رضی اللہ عنہا کی قبر پر نبی کریم ﷺ نے جو نماز پڑھی تھی وہ اس مائی کی نماز جنازہ تھی [1] اور نماز جنازہ قبر پر پڑھی جاسکتی ہے البتہ نماز جنازہ کے علاوہ دوسری نماز قبر پر پڑھنا منع ہے۔ **هذا ما عندی والله اعلم** ۱۴۰۸/۳/۲۴ھ

س: اکثر علماء کا کہنا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دمشق کی ایک مسجد کے مینار پر اتریں گے اور لوگوں کو کہیں گے سیڑھی لاؤ پھر سیڑھی کے ذریعہ سے نیچے اتریں گے اور نماز پڑھائیں گے پھر اس سے مسئلہ اخذ کرتے ہیں کہ مسجدوں کے بڑے بڑے مینار بنانے جائز ہیں لیکن میں نے مسلم شریف میں ایک حدیث پڑھی ہے جس میں ہے کہ ﴿**إِذْ بَعَثَ اللّٰهُ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ** علیہ السلام **فَيَنْزِلُ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَآءِ شَرْقِيِّ دِمَشْقَ بَيْنَ مَهْرُوْذَتَيْنِ وَاضِعًا كَفَّيْهِ عَلٰى**

[1] [بخاری۔ الجنائز۔ باب الصلاة علی القبر بعد ما یدفن۔ مسلم۔ الجنائز۔ باب الصلاة علی القبر]

اَجْنِحَةِ مَلَكَيْنِ﴾ [1]

اس وقت اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیجے گا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سفید مینار کے پاس اتریں گے دمشق کے شہر میں مشرق کی طرف زرد رنگ کا جوڑا پہنے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ دو فرشتوں کے بازوؤں پر رکھے ہوئے۔ اس حدیث کے حوالہ سے اصل مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے منارہ بیضاء کی وضاحت فرمائیں؟

محمد یعقوب طاہر مرالی والہ 1/3/94

ج: یہ رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی ہے اس سے مسجد کے میناروں کے استحباب پر استدلال یا جواز تقریری پر استشہاد درست نہیں۔ ١٤١٤/٩/١٩ھ

س: کیا مسجد کے مینار بنانا نبی ﷺ کی قولی یا فعلی یا تقریری حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

محمد افضل شاہد شیخوپورہ ٢١ شوال ١٤١٢ھ

ج: مسجد کے مینار بنانے سے تعلق رکھنے والی قولی یا فعلی یا تقریری مرفوع حدیث میرے علم میں نہیں البتہ نزول مسیح علیہ السلام والی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے مسیح علیہ السلام سے منارہ پر سے نزول کا ذکر فرمایا ہے۔ ٢٧ شوال ١٤١٢ھ

س: مسجد کے لیے خریدی گئی جگہ بیچ کر کوئی اور جگہ خریدی جا سکتی ہے؟ عبداللطیف تبسم اوکاڑہ

ج: درست ہے بشرطیکہ مسجد کی آبادی مقصود ہو۔ ﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ﴾ [2] [اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کی آبادی انہی لوگوں سے ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے] ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا﴾ [3] [اور کون ہے بہت ظالم اس شخص سے کہ منع کرتا ہے مسجدوں اللہ تعالیٰ کی کو یہ کہ ذکر کیا جائے بیچ ان کے نام اس کا اور کوشش کرتا ہے بیچ ویران کرنے ان کے کے] ١٤١٨/١٠/٢٨ھ

س: مسجد کو ایک جگہ سے دوسری جگہ تبدیل کرنا یا مسجد کے سامان کو قیمتاً خریدنا کیسا ہے؟ مختار احمد فاروقی ایبٹ آباد

ج: درست ہے بشرطیکہ مسجد کی آبادی مقصود ہو۔ بربادی مقصود نہ ہو۔ ١٤١٥/٢/١٤ھ

س: کیا نفلی نماز گھر میں پڑھنا افضل ہے یا نہیں اگر افضل ہے تو کیا مسجد نبوی اور بیت اللہ جس میں ایک ہزار اور لاکھ نماز پڑھنے کا ثواب ملتا ہے اس سے بھی افضل ہے وضاحت فرمائیں؟ محمد یعقوب طاہر مرالی والہ گوجرانوالہ 1/3/1994

ج: ﴿فَإِنَّ أَفْضَلَ صَلاَةِ الْمَرْءِ فِيْ بَيْتِهٖ إِلاَّ الْمَكْتُوْبَةَ﴾ [4] فرضی نماز کے سوا تمہارا گھر میں نماز پڑھنا

---

[1] [صحیح مسلم ۔ کتاب الفتن و اشراط الساعۃ / باب ذکر الدجال] [2] [التوبۃ ۔ ١٨] [3] [البقرۃ ۔ ١١٤]

[4] [صحیح بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ باب ما یکرہ من کثرۃ السؤال]

افضل ہے رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں مسجد نبوی ﷺ سمیت تمام مساجد کے متعلق فرمایا تھا حدیث میں بظاہر ہر علاقہ کے بیت کی نفل نماز کو اسی علاقہ کی مسجد کی نماز نفل پر فضیلت دی گئی ہے۔ ۱۴۱۴/۹/۱۹ھ

س: حرم (بیت اللہ) یا حرم (مسجد نبوی ﷺ) میں نوافل ادا کرنے کا بھی ثواب بالترتیب لاکھ اور ہزار نفل ادا کرنے کا ثواب ملتا ہے کیا صلوٰۃ الوتر اول اللیل مسجد نبوی ﷺ میں ادا کرنا افضل ہے یا پچھلی رات اٹھ کر؟ اقبال صدیق مدینہ منورہ

ج: مسجد حرام اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی فضیلت فرض نماز کے ساتھ مخصوص نہیں فرض اور نفل دونوں کو شامل ہے صلوٰۃ وتر آخر اللیل صلوٰۃ وتر اول اللیل سے افضل ہے اس کا تعلق زمان سے ہے۔ صلوٰۃ وتر مکہ اور مدینہ میں اپنی رہائش گاہ میں مسجد نبوی اور مسجد حرام میں صلاۃ وتر سے افضل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان: ﴿فَإِنَّ أَفْضَلَ الصَّلاَةِ صَلاَةُ الْمَرْءِ فِيْ بَيْتِهِ إِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ﴾ [1] [آدمی کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے مگر فرض نماز] او کما قال رسول اللہ ﷺ اس کا تعلق مکان سے ہے پھر باجماعت صلاۃ وتر اکیلے صلاۃ وتر سے افضل ہے رمضان المبارک میں تو یہ کل آٹھ صورتیں ہیں رمضان المبارک میں صلاۃ وتر اپنی رہائش گاہ میں آخر اللیل باجماعت پڑھنا باقی ساتوں صورتوں سے افضل ہے۔ هذا ما عندی و الله اعلم ۱۴۱۲/۸/۱۵ھ

س: کیا قریب کی مسجد چھوڑ کر دوسری مسجد میں نماز پڑھی جا سکتی ہے؟ محمد امجد میر پور آزاد کشمیر

ج: ہاں پڑھی جا سکتی ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بسا اوقات قریب والی مسجد چھوڑ کر مسجد نبوی میں نماز ادا کر لیا کرتے تھے۔

۱۴۲۰/۶/۱۹ھ

س: کیا دوکان میں نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس کے ڈبوں پر کپڑا ڈال کر نماز پڑھی جا سکتی ہے؟

توحیدی دار المطالعہ ۸۶/۳/۱۱

ج: صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ بَابٌ إِنْ صَلّٰى فِي ثَوْبٍ مُصَلَّبٍ اَوْ تَصَاوِيْرَ هَلْ تَفْسُدُ صَلٰوتُهٗ وَمَا يُنْهٰى عَنْ ذٰلِكَ جلد اوّل ص ۵۴ پر ملاحظہ فرمائیں۔ [﴿عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ قِرَامٌ لِعَائِشَةَ سَتَرَتْ بِهٖ جَانِبَ بَيْتِهَا فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ اَمِيْطِيْ عَنَّا قِرَامَكِ هٰذَا فَاِنَّهٗ لاَ تَزَالُ تَصَاوِيْرُهٗ تَعْرِضُ فِيْ صَلاَتِيْ﴾ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لیے ایک تصاویر والا پردہ تھا اس کے ساتھ وہ اپنے گھر کی ایک جانب کو ڈھانپتی تھی پس نبی کریم ﷺ نے فرمایا اپنے اس پردے کو مجھ سے ہٹا لے پس

[1] [صحیح بخاری ـ كتاب الأذان باب صلاة الليل]

بے شک اس کی تصاویر ہمیشہ مجھے نماز میں پیش ہوتی رہی ہیں] ۱٤۰۷ھ

س: کیا لکڑی کی جائے نماز جو ایک فٹ اونچی ہوتی ہے پر نماز پڑھنا درست ہے؟ محمد امجد آزاد کشمیر

ج: ہاں درست ہے۔ ۱٤۲۰/۱/۱۵ھ

س: میری والدہ درد کی وجہ سے کھڑی ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتیں کیا وہ کرسی پر بیٹھ کر میز پر سجدہ دے سکتی ہیں؟

محمد امجد ولد محمد حنیف میر پور آزاد کشمیر

ج: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ بلوغ المرام میں لکھتے ہیں'' وَعَنْ جَابِرٍ ﷺ قَالَ: عَادَ النَّبِيُّ ﷺ مَرِيْضًا فَرَآهُ يُصَلِّيْ عَلٰى وِسَادَةٍ فَرَمٰى بِهَا وَقَالَ: صَلِّ عَلَى الْأَرْضِ إِنِ اسْتَطَعْتَ ، وَإِلَّا فَأَوْمِ إِيْمَاءً وَّاجْعَلْ سُجُوْدَكَ أَخْفَضَ مِنْ رُكُوْعِكَ'' [نبی ﷺ نے ایک مریض کی عیادت کی تو آپ ﷺ نے دیکھا وہ تکیہ پر نماز پڑھ رہا ہے آپ ﷺ نے تکیہ کو پھینک دیا اور فرمایا زمین پر نماز پڑھ اگر تجھے طاقت ہے اگر نہیں تو اشارہ کر اور سجدہ میں رکوع سے زیادہ جھکاؤ پیدا کر] رواه البيهقي وصحح أبو حاتم وقفه''[1] حافظ صاحب ہی باب صفة الصلاة کے آخر میں اسی حدیث کو درج فرمانے کے بعد لکھتے ہیں'' رواه البيهقي بسند قوي، ولكن صحح أبو حاتم وقفه'' صاحب سبل السلام اس حدیث کی شرح ص ۳۰۷ ج ۱ میں لکھتے ہیں'' وَالْحَدِيْثُ دَلِيْلٌ عَلٰى أَنَّهُ لَا يَتَّخِذِ الْمَرِيْضُ مَا يَسْجُدُ عَلَيْهِ حَيْثُ تَعَذَّرَ سُجُوْدُهُ عَلَى الْأَرْضِ ، وَقَدْ أَرْشَدَهُ إِلٰى أَنَّهُ يَفْصِلُ بَيْنَ رُكُوْعِهِ وَسُجُوْدِهِ ، وَيَجْعَلُ سُجُوْدَهُ أَخْفَضَ مِنْ رُكُوْعِهِ'' الخ [اور یہ حدیث دلیل ہے کہ جب مریض کو زمین پر سجدہ کرنا مشکل ہو تو وہ سجدہ کے لیے کوئی چیز نہ رکھے اور نبی ﷺ نے رہنمائی فرمائی ہے کہ مریض رکوع اور سجدہ میں فرق کرے۔ اور سجدہ میں رکوع سے زیادہ جھکے] ۱٤۱۹/۷/۱۸ھ

س: حدیث: ﴿إِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ﴾

حدیث: ﴿لَا صَلٰوةَ بَعْدَ الْفَجْرِ إِلَّا سَجْدَتَيْنِ﴾

حدیث: ﴿لَا صَلٰوةَ بَعْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ إِلَّا رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ﴾ (وغیرہ)

کیا فرماتے ہیں علماء شرع متین کہ تحیۃ المسجد بعد از طلوع فجر یعنی صبح صادق ہونے کے بعد پڑھ سکتے ہیں یا کہ نہیں؟ کیونکہ یہاں علماء کرام فرماتے ہیں کہ تحیۃ المسجد ہر وقت اور جس وقت مسجد میں آئیں پڑھنی ہیں اور صبح طلوع صادق کے بعد بھی، خواہ آذان سے پہلے یا بعد۔

[1] باب صلاة المسافر والمريض

اگر صبح کی سنتیں کوئی گھر میں پڑھ کر آئے تو کیا تحیۃ المسجد پڑھے یا نہ پڑھے؟ یا سنتیں گھر سے نہ پڑھ کر آئے تو اس صورت میں سنتیں و تحیۃ المسجد مسجد میں پڑھے گا؟ مسلم یوتھ فورس انگلینڈ

ج: آپ لکھتے ہیں ''یہاں علماء کرام فرماتے ہیں کہ تحیۃ المسجد ہر وقت اور جس وقت مسجد میں آئیں پڑھنی ہیں اور صبح طلوع صادق [یہ لفظ وصول شدہ مکتوب میں ایسے ہی لکھا ہے] کے بعد بھی خواہ آذان سے پہلے یا بعد۔

علماء کرام کے اس فرمان کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿إِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ يَجْلِسَ﴾ [1] [جب تمہارا ایک مسجد میں داخل ہو پس وہ دو رکعات پڑھے پہلے اس کے کہ وہ بیٹھے] کیونکہ ﴿إِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمُ﴾ الخ لفظ عام ہیں دخول مسجد کے تمام اوقات کو متناول وشامل ہیں اس لیے علماء کرام کا مندرجہ بالا بیان و فرمان صحیح، صواب اور درست ہے۔

رہا یہ اشکال کہ دوسری حدیث میں وارد ہوا ہے۔ ﴿لاَ صَلٰوةَ بَعْدَ الْفَجْرِ إِلاَّ رَكْعَتِي الْفَجْرِ﴾ [نہیں کوئی نماز فجر کے بعد مگر فجر کی دو رکعات] تو حقیقت میں یہ کوئی اشکال نہیں کیونکہ اس میں بلا وجہ وسبب نفلی نماز کی نفی کی گئی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ طلوع فجر کے بعد فجر کے فرض پڑھنے ضروری ہیں نیز فوت شدہ نماز اس وقت ادا کی جا سکتی ہے دیکھئے اس حدیث شریف میں ﴿رَكْعَتِي الْفَجْرِ﴾ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے جو بلا وجہ وسبب اس وقت کی نفلی نماز ہے جس سے واضح ہے کہ فرض نماز اور باوجہ وسبب نفلی نماز کی مستثنیٰ منہ میں نفی مقصود نہیں اس مسئلہ کی تفصیل مطولات میں دیکھ لیں۔ جیسے حدیث ﴿لاَ صَلٰوةَ بَعْدَ الْفَجْرِ إِلاَّ رَكْعَتِي الْفَجْرِ﴾ [ترجمہ: نہیں کوئی نماز فجر کے بعد مگر فجر کی دو رکعات] میں بلا وجہ وسبب نفلی نماز کی نفی ہے ویسے ہی حدیث ﴿لاَ صَلٰوةَ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَلاَ صَلٰوةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ﴾ [2] [فجر کے بعد طلوع شمس تک کوئی نماز نہیں اور نہ ہی عصر کے بعد غروب شمس تک کوئی نماز ہے] میں بھی بلا وجہ وسبب نفلی نماز کی نفی مقصود مراد ہے والتفصیل فی موضعه واللہ اعلم

۱۴۰۹/۱۰/۲۶ھ

س: ''اَتَجُوْزُ الصَّلٰوةُ النَّافِلَةُ بَعْدَ اَذَانِ الْفَجْرِ قَبْلَ سُنَّةِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ'' [کیا فجر کی اذان کے بعد اور فجر کی نماز کی سنتوں سے پہلے نفلی نماز جائز ہے؟]

''وَكَيْفَ يَكُوْنُ التَّطْبِيْقُ بَيْنَ حَدِيْثِ الرَّسُوْلِ ﷺ إِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلاَ يَجْلِسْ حَتّٰى

---

[1] بخاری۔ابواب المساجد۔باب اذا دخل المسجد فلیرکع رکعتین۔مسلم۔صلوٰۃ المسافرین۔باب استحباب تحیۃ المسجد برکعتین۔ [2] بخاری۔مواقیت الصلوٰۃ۔ باب الصلاۃ بعد الفجر حتی ترتفع الشمس۔مسلم۔صلاۃ المسافرین۔باب الاوقات التی نہی من الصلاۃ فیہا۔

يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ اَوْ كَمَا قَالَ ﷺ مَعَ كَوْنِهِ صَلَّى سُنَّةَ الْفَجْرِ فِيْ بَيْتِهِ وَلَمَّا دَخَلَ الْمَسْجِدَ مَا أُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ بَعْدُ'' [اور حدیث رسول ﷺ میں کیسے تطبیق ہوگی کہ آدمی جب مسجد میں داخل ہو تو نہ بیٹھے یہاں تک کہ دو رکعتیں پڑھے اور ایک آدمی گھر میں فجر کی سنتیں پڑھ کر مسجد میں گیا تو ابھی جماعت نہیں کھڑی]

عبدالحمید بن رحمت اللہ بھکر ۲۳/۴/۱۴۰۸ھ

ج: (۱) ''إِنَّ الصَّلاَةَ بَعْدَ الْفَجْرِ لاَ تَجُوْزُ سَوَاءٌ كَانَتْ بَعْدَ سُنَّةِ الْفَجْرِ أَوْ قَبْلَهَا حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ لِأَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ : لاَ صَلاَةَ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ . نَعَمْ قَدِ اسْتُثْنِيَ مِنْ هٰذَا النَّفْيِ صَلاَةُ الْفَجْرِ فَرْضُهَا وَسُنَّتُهَا ، وَقَضَاءُ الصَّلَوَاتِ الْفَائِتَةِ فَرَآئِضَ كَانَتْ أَوْ نَوَافِلَ ، وَرَكْعَتَا الْمَسْجِدِ ، وَرَكْعَتَا الطَّوَافِ ، وَالصَّلاَةُ مَعَ الْإِمَامِ بَعْدَ أَنْ صَلاَّهَا وَحْدَهُ ، وَذٰلِكَ الْإِسْتِثْنَاءُ لِوُرُوْدِ الْأَحَادِيْثِ الْخَاصَّةِ بِتِلْكَ الصَّلَوَاتِ الْمُسْتَثْنَاةِ مِنْ ذٰلِكَ النَّفْيِ هٰذَا . فِي الْمَسْأَلَةِ لِأَهْلِ الْعِلْمِ أَقْوَالٌ أُخَرُ ، وَالَّذِيْ حَرَّرْتُهُ بِالْاَعْلٰى هُوَ مُقْتَضَى الْأَدِلَّةِ فِيْمَا أَعْلَمُ ، وَاللهُ أَعْلَمُ وَعِلْمُهُ أَتَمُّ وَأَحْكَمُ''

(۲) ''وَأَمَّا التَّطْبِيْقُ بَيْنَ حَدِيْثِ : إِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ الخ وَبَيْنَ حَدِيْثِ : لاَ صَلاَةَ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ . فَقَدْ تَقَدَّمَ فِيْمَا أَجَبْنَا بِهِ عَنْ سُؤَالِكَ الْاَوَّلِ ، وَهُوَ أَنَّ رَكْعَتَا الْمَسْجِدِ قَدِ اسْتُثْنِيَتَا مِنْ حَدِيْثِ النَّفْيِ . وَالَّذِيْ دَخَلَ الْمَسْجِدَ بَعْدَ أَنْ صَلَّى سُنَّةَ الْفَجْرِ خَارِجَ الْمَسْجِدِ فَعَلَيْهِ أَنْ يَّدْخُلَ فِي الصَّلاَةِ مَعَ الْإِمَامِ إِنْ كَانَتِ الصَّلاَةُ قَدْ أُقِيْمَتْ وَإِلَّا فَعَلَيْهِ أَنْ لاَ يَزَالَ قَائِمًا حَتّٰى تُقَامَ الصَّلاَةُ أَوْ أَنْ يُّصَلِّيَ رَكْعَتِيِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَجْلِس إِنْ أَدَّاهُمَا قَبْلَ إِقَامَةِ الصَّلاَةِ وَإِنْ صَلّٰى رَكْعَةً فَأُقِيْمَتِ الصَّلاَةُ فَلْيُسَلِّمْ وَلْيَدْخُلْ فِي الصَّلاَةِ مَعَ الْإِمَامِ. هذا ما عندى والله اعلم'' ۵/۵/۱۴۰۸ھ

[صبح صادق کے بعد کوئی بھی نفلی نماز جائز نہیں نہ فجر کی سنتوں سے پہلے اور نہ ہی ان کے بعد یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں کوئی نماز فجر کے بعد یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے لیکن اس نفی سے درج ذیل نمازوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے فجر کی فرض نماز اور سنتیں اور فوت شدہ نمازوں کی قضاء فرض ہوں یا نفل اور مسجد کی دو رکعتیں اور طواف کی دو رکعتیں اور امام کے ساتھ اس آدمی کی نماز جو پہلے اکیلا پڑھ چکا ہے۔ ان نمازوں کو اس نفی سے اس لیے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ کیونکہ ان کے متعلق خاص احادیث وارد ہیں۔

اس مسئلہ میں اہل علم کے دوسرے اقوال بھی ہیں اور جو میں نے اوپر لکھا ہے۔ دلائل کا تقاضا وہی ہے۔

حدیث ﴿إِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ الخ اور لاَ صَلاَةَ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ﴾ تو اس

کا جواب پہلے سوال میں گزر چکا ہے۔ اور تطبیق یہ ہے کہ مسجد کی دو رکعتیں اس نفی سے مستثنیٰ کی گئی ہیں اور جو آدمی مسجد کے باہر فجر کی سنتیں پڑھتا ہے اور پھر مسجد میں اس حال میں داخل ہوتا ہے کہ جماعت کھڑی ہے تو وہ امام کے ساتھ نماز میں داخل ہو جائے اور اگر جماعت نہیں کھڑی تو اس پر لازم ہے کہ جماعت کے کھڑا ہونے تک وہ کھڑا رہے یا وہ مسجد کی دو رکعتیں پڑھ کر بیٹھے۔ مسجد کی دو رکعتوں میں سے اگر اس نے ایک ہی پڑھی اور ادھر جماعت کھڑی ہو گئی تو وہ سلام پھیر دے اور امام کے ساتھ نماز میں داخل ہو جائے]

س: ممنوع اوقات الصلوٰۃ میں اگر کوئی آدمی مسجد میں آتا ہے تو کیا وہ مسجد میں بیٹھنے سے پہلے دو نفل پڑھے گا یا نہیں؟

محمد صدیق ملتان روڈ لاہور 27/4/98

ج: ممنوع اوقات میں ممنوع نفل نماز ہے پھر نفل نماز بھی وہ جو بغیر کسی سبب اور وجہ کے پڑھی جائے اور تحیۃ المسجد کی دو رکعت نماز بعض اہل علم کے ہاں تو واجب ہے نفل نہیں اور بعض اہل علم کے نزدیک نفل ہے واجب نہیں مگر واضح ہے کہ یہ بغیر کسی سبب اور وجہ نہیں بلکہ دخول مسجد والے سبب سے رسول اللہ ﷺ نے اس کے پڑھنے کا حکم دیا پھر بھی اگر کوئی نہیں پڑھنا چاہتا تو کھڑا رہے مسجد میں نہ بیٹھے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل ہو جائے گی کیونکہ آپ کا فرمان ہے: ﴿إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ﴾ [1] [جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھے] بعض روایات میں یہ لفظ آئے ہیں: ﴿إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلَا يَجْلِسْ حَتَّى يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ﴾ [2] [جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو نہ بیٹھے یہاں تک کہ وہ دو رکعت پڑھے] پھر معلوم ہونا چاہیے کہ مسجد کی دو رکعت نماز مستقل نماز نہیں مسجد میں داخل ہونے کے بعد دو یا دو سے زیادہ رکعات والی جو بھی نماز پڑھی جائے گی مسجد کی دو رکعت نماز بھی اس کے ضمن میں ادا ہو جائے گی مسجد کی دو رکعت نماز الگ اس وقت پڑھی جائے گی جس وقت آدمی نے مسجد میں داخل ہونے کے بعد اور کوئی نماز نہ پڑھنی ہو۔ واللہ اعلم

۱۴۱۹/۱۲/۶ھ

س: ایک مسجد چند لوگوں نے مل کر بنائی انہوں نے مشترکہ ایک امام مسجد رکھ لیا وہ امام مسجد چند آدمیوں کا رشتہ دار بھی تھا چند آدمیوں نے امام کے کردار پر اعتراض کیا جو لوگ طاقتور تھے انہوں نے حکماً ان ۱۶ آدمیوں کو مسجد میں نماز پڑھنے سے روک دیا جن لوگوں نے امام پر اعتراض کیا تھا کیا ایسی مسجد میں نماز ہو جاتی ہے؟ پھر جن لوگوں کو مسجد سے

---

[1] [صحیح البخاری کتاب الصلوۃ باب إذا دخل المسجد فلیرکع رکعتین] [2] [صحیح البخاری کتاب التھجد باب ما جاء فی التطوع مثنی مثنی]

حکماً نکالا گیا انہوں نے رمضان المبارک سے پہلے جبکہ ان لوگوں نے مولوی کو بعد میں امامت سے ہٹا دیا بلکہ گاؤں سے نکال بھی دیا۔اس کے بعد پہلے ۱۶ آدمیوں نے رمضان المبارک سے پہلے صلح کی کوشش کی، کہ ہمیں مسجد میں نماز پڑھنے دو اب تو امام کو آپ نے نکال دیا ہے۔لیکن ان طاقتور لوگوں نے کہا ہم تمہیں اس مسجد میں نماز نہیں پڑھنے دیں گے اس کے بعد مجبور ہو کر ان ۱۶ آدمیوں نے مل کر نئی مسجد بنالی ہے اس مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے؟ کیا یہ مسجد ٹھیک ہے؟

ڈاکٹر حفیظ اللہ دسارے والا اوکاڑہ 10/2/94

ج: پہلی مسجد میں نماز درست ہے اور نئی مسجد میں بھی نماز درست ہے دونوں کی تعمیر وترقی میں حصہ لینا باعث اجر وثواب ہے البتہ ان ۱۶ آدمیوں کی پہلی مسجد والوں کے ساتھ صلح کروادیں دونوں فریق دونوں مسجدوں میں نمازیں ادا کریں کوئی کسی کو مسجد میں نماز پڑھنے سے نہ روکے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿وَإِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَأَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا﴾ [1] [اور اگر دو فریق مسلمانوں کے آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو] ۱۱/۱۰/۱۴۱۴ھ

س: اعلانات کے بارے میں کیا حکم ہے مثلاً رفاہ عامہ کے ہوں یا ضرورت زندگی کے؟ محمد سلیم

ج: گم شدہ چیز کا مسجد میں اعلان کرنا منع ہے۔صحیح مسلم اور سنن میں حدیث موجود ہے۔

[﴿عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ سَمِعَ رَجُلاً يَّنْشُدُ ضَآلَّةً فِي الْمَسْجِدِ فَلْيَقُلْ لاَ رَدَّهَا اللهُ عَلَيْكَ فَإِنَّ الْمَسَاجِدَ لَمْ تُبْنَ لِهٰذَا﴾ [2] ''حضرت ابو ہریرہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو انسان کسی کو مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرتے ہوئے سنے وہ کہے اللہ اس کو تجھ پر نہ لوٹائے۔کیونکہ مسجدیں اس لیے نہیں بنائی گئیں]

۲۴/۱۱/۱۴۱۴ھ

س: مسجد کی تعمیر پر یا مسجد کی جگہ خریدنے پر زکوٰۃ کی رقم خرچ ہو سکتی ہے؟ محمد یعقوب ہری پور 5/4/93

ج: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صدقات اور زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان فرمائے ہیں [3] ان میں مسجد کا نام نہیں آیا بعض نے وفی سبیل اللہ سے مسجد پر زکوٰۃ صدقہ صرف کرنے پر استدلال کیا ہے مگر یہ استدلال درست نہیں۔

۲۱/۱/۱۴۱۳ھ

س: ہمارے گاؤں کی جامع مسجد نئے سرے سے تعمیر کی گئی اور اس مسجد کے غسل خانے جو بنائے گئے ہیں ان کا رخ کعبہ کی طرف ہے ان غسل خانوں میں جب کوئی استنجاء کرتا ہے تو اس شخص کا منہ یا پیٹھ کا رخ کعبہ کی طرف ہوتا ہے کیا

---

[1] [الحجرات ۹پ۲٦] [2] [صحیح مسلم ـ کتاب المساجد ـ باب النهی عن نشد الضآلة فی المسجد وما یقوله من سمع الناشد] [3] [التوبہ ـ ٦٠]

اس طرح استنجاء کرنا جائز ہے؟ عبدالعزیز اعوان نگری بالہ 20/2/96

ج: غسل خانہ میں بول کرنا منع ہے۔ بول و براز کے وقت خانہ کعبہ کی طرف منہ یا پشت کرنے سے احادیث مرفوعہ میں نہی وارد ہوئی ہے۔ [1] ۱۴۱۶/۱/۳ھ

س: کیا مسجد میں جمعہ کے دن اگربتی لگانا جائز ہے اور بعض حضرات اس خوشبو یا دھوئیں سے تنگ بھی ہوتے ہیں؟

عبدالعزیز اعوان نگری بالا 20/1/96

ج: خوشبو سے تنگ تو کوئی بھی نہیں ہوتا بشرطیکہ سلیم الفطرۃ ہو بہتر ہے کوئی اور خوشبو استعمال کر لی جائے۔ ۱۴۱۶/۱/۳ھ

س: ہماری مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے نئی پھولدار اور خوبصورت چٹائیاں جو پلاسٹک کی ہیں بچھائی گئی ہیں جن سے مجھے نفرت ہے تو اس صورت میں کیا میں گھر میں نماز پڑھ سکتا ہوں؟ 3/1/96

ج: نماز مسجد میں ہی پڑھیں۔ ۱۴۱۶/۱/۳ھ

س: میں اپنے مرحوم بیٹے کے ایصال ثواب کے لیے مسجد و مدرسہ بنا رہا ہوں میرے بیٹے کا نام سجاد تھا کیا میں مسجد کا نام جامعہ مسجد سجاد اہل حدیث رکھ سکتا ہوں۔ محمد حسین چیمہ لیدر فیلڈ سیالکوٹ

ج: آپ اپنے مدرسہ کا نام ''جامعہ سجاد لأہل الحدیث'' اور اپنی مسجد کا نام ''جامع سجاد لأہل الحدیث'' رکھ سکتے ہیں شرعاً ان میں کوئی مضائقہ نہیں اللہ تعالیٰ آپ کی یہ حسنات قبول و منظور فرمائے اور مزید حسنات خالصہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین ۱۴۲۰/۲/۱۱ھ

اوقات نماز

س: ایک شخص کی ۴ یا ۵ نمازیں قضاء ہو گئیں یا ایک ظہر کی قضاء ہو گئی ہے، قضاء نمازوں کی سنتیں بھی پڑھنی چاہیں یا صرف فرض۔ اگر سنتیں پڑھنی ضروری نہیں تو کس دلیل سے۔ نیز ایک شخص نے ظہر نہیں پڑھی۔ عصر کے وقت آتا ہے اور جماعت عصر کی ہو رہی ہو تو جماعت کے ساتھ ظہر کی پڑھے اور بعد میں عصر کی پڑھے یا عصر پہلے پڑھے جماعت کے ساتھ اور بعد میں ظہر قضاء کرے۔ کون سا طریقہ ٹھیک ہے؟ ملک محمد یعقوب ہری پور 18/2/90

ج: فوت شدہ نمازوں کی قضاء میں ترتیب کو ملحوظ رکھا جائے گا۔ غزوہ خندق کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ کی نمازیں رہ گئی تھیں تو آپ نے انہیں ترتیب وار پڑھا تھا [حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم (غزوۂ خندق میں)

[1] ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم پاخانہ میں جاؤ تو قبلہ کی طرف نہ تو منہ کرو اور نہ پیٹھ۔ بخاری۔ کتاب الوضوء۔ باب لا تستقبل القبلة ببول ولا غائط الا عند البناء جدار او نحوه۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے ہمیں کافروں نے ظہر عصر مغرب اور عشاء نمازیں پڑھنے کی مہلت نہ دی (اور ان نمازوں کا وقت گزر گیا) جب فرصت ملی تو رسول اللہ ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا انہوں نے اقامت کہی تو آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی پھر انہوں نے اقامت کہی تو آپ نے عصر کی نماز پڑھائی پھر انہوں نے اقامت کہی تو نبی ﷺ نے مغرب کی نماز پڑھائی انہوں نے پھر اقامت کہی آپ نے عشاء کی نماز پڑھائی۔ [1]] فوت شدہ نمازوں کی قضاء کے وقت ان کی سنتوں کی بھی قضاء دینی چاہیے مشہور واقعہ جس میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھی سفر میں فجر کی نماز سے سو گئے تھے اس میں رسول اللہ ﷺ کا فجر کی سنتوں کو پڑھنا بھی ثابت ہے۔ [2] فرض بروقت پڑھ لیے گئے ہوں تو صرف سنتیں رہ گئی ہوں تو ان کو قضاء پڑھنا بھی رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے ظہر کے بعد والی دو رکعتیں ایک دفعہ آپ ﷺ سے رہ گئی تھیں تو آپ ﷺ نے انہیں عصر کے بعد پڑھ لیا تھا۔ [3] ١٤١٠/٦/١ھ

س: نماز ظہر نہیں پڑھی عصر کا وقت فرض نماز کا ہو گیا اس بارے میں کیا حکم ہے پہلے ظہر قضاء پڑھے یا عصر ادا کرے یعنی فرض عصر نماز میں ظہر قضاء پڑھ سکتا ہے یا عصر پڑھ کر ظہر قضاء پڑھے؟ محمد سلیم بٹ

ج: پہلے ظہر پڑھے پھر عصر کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی ایک مرتبہ عصر اور مغرب دو نمازیں رہ گئی تھیں تو آپ نے عشاء کے وقت میں پہلے عصر پڑھی پھر مغرب اور پھر عشاء۔ ١٤١٦/٢/١٥ھ

س: نمازوں کی ترتیب ضروری ہے یا نہیں اگر ضروری ہے تو پھر اگر مغرب کی نماز رہ گئی ہے اور جب مسجد میں آیا تو اس وقت عشاء کی جماعت کھڑی ہو گئی ہو تو پھر کس طرح کرے اور اگر ترتیب ضروری ہے تو پھر دلائل سے واضح فرمائیں؟ محمد یعقوب طاہر

ج: روزانہ آپ پانچ نمازیں پڑھتے ہیں خود ہی غور فرمالیں انہیں باترتیب پڑھتے ہیں یا بے ترتیب مشہور ہے قضاء ادا کی مثل ہوتی ہے إلّا بثبت غزوہ خندق کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی چند نمازیں رہ گئی تھیں تو آپ نے انہیں ترتیب وار ہی ادا فرمایا تھا۔ کسی کی مغرب کی نماز رہ گئی ہے مسجد میں آیا تو عشاء کی جماعت ہو رہی ہے تو وہ جماعت کے ساتھ شامل ہو جائے تین رکعات تو فرض ہیں چوتھی رکعت نفل ہو جائے گی اگر کوئی اس صورت پر مطمئن نہیں تو سلام کے بعد ایک رکعت اٹھ کر پڑھ لے تین فرض اور دو نفل ہو جائیں گے۔ واللہ اعلم ١٤١٤/٥/٢١ھ

---

[1] [مسند احمد ۔ نسائی۔ ترمذی۔ابواب الصلاۃ۔باب ما جاء فی الرجل تفوتہ الصلوات بأیتھن یبدأ] [2] [بخاری ۔ مواقیت الصلوۃ باب الاذان بعد ذھاب الوقت مسلم المساجد ۔ باب قضاء الصلوۃ الفائتۃ] [3] [صحیح بخاری ۔ کتاب المواقیت الصلاۃ باب ما یصلی بعد العصر من الفوائت ونحوھا]

س: اگر کوئی شخص جان بوجھ کر عصر کی نماز چھوڑ دیتا ہے اور وہ مغرب کے ساتھ پڑھنا چاہتا ہے تو کیا قضاء دے سکتا ہے؟ اور کیا بے ترتیب یا ترتیب سے ادا کرے؟ نیز اگر جماعت ہو رہی ہو تو مغرب کی نماز عشاء کی جماعت سے کیسے ادا کرے؟ عبداللطیف تبسّم اوکاڑہ

ج: جان بوجھ کر نماز چھوڑنا تو جرم ہے البتہ بھول کر یا بوجہ نیند عصر کی نماز نہیں پڑھ سکا مسجد میں پہنچا تو مغرب کی جماعت ہو رہی ہے تو وہ عصر مغرب کے ساتھ باجماعت ادا کرے اس صورت میں امام بھی مفترض ہے اور مقتدی بھی مفترض صرف عصر و مغرب کا فرق ہے اور یہ فرق مفترض اور متنفّل کے فرق سے کم درجہ کا ہے تو جب مفترض کی متنفل کی اقتداء میں اور متنفّل کی مفترض کی اقتداء میں نماز درست ہے تو اس مذکورہ بالا صورت میں بطریق اولی درست ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی عصر اور مغرب دونوں نمازیں رہ گئی تھیں عشاء کا وقت داخل ہو چکا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے پہلے عصر پڑھی پھر مغرب پھر عشاء اسی لیے رہ گئی نمازیں باترتیب پڑھنی چاہیں۔

رہا مغرب کو بوقت ضرورت عشاء کے ساتھ ادا کرنے والا معاملہ تو وہ درست ہے اس کی دو صورتیں ہیں پہلی صورت امام کے ساتھ سلام پھیرے ایک رکعت بوجہ اقتداء زائد ہو جائے گی جیسے مسافر مقیم کی اقتداء میں نماز پڑھے تو بوجہ اقتداء اس کی دو رکعتیں زائد ہو جاتی ہیں دوسری صورت امام کے ساتھ سلام نہ پھیرے اٹھ کر ایک رکعت اور پڑھ لے تین فرض اور دو نفل ہو جائیں گے ایک تیسری صورت بھی ہے اگر وقت ہو تو یہ خود امام بن جائے مغرب کے تین فرض پڑھ کر سلام پھیر دے مقتدی چونکہ عشاء پڑھ رہے ہیں وہ اس کے ساتھ سلام نہ پھیریں اٹھ کر ایک رکعت پڑھ لیں ایک چوتھی صورت بھی ہے ان کے ساتھ عشاء کی نماز ہی پڑھ لے اور مغرب کی نماز بعد میں پڑھ لے اس طرح ترتیب قائم نہیں رہے گی۔ واللہ اعلم ۱۴۱۸/۱۰/۲۸ھ

س: ایک شخص کی ظہر رہتی تھی امام عصر پڑھا رہا تھا تو اس نے بھی عصر امام کے ساتھ پڑھی اور عصر کے بعد ظہر پڑھی کیا یہ درست ہے؟ محمد اعجاز نارووال

ج: ٹھیک تو ہے مگر بہتر ہے کہ پہلے ظہر پڑھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فوت شدہ نمازیں ترتیب وار پڑھی تھیں۔ واللہ اعلم ۱۴۱۵/۴/۸ھ

س: طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کیوقت نماز پڑھنا اس آدمی کی جو نیند سے بیدار ہو طلوع آفتاب کیوقت اور غروب آفتاب کے وقت کیسا ہے؟ محمود الرحمٰن محمد امین السعودیۃ العربیۃ

ج: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ﴿عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ : سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنِ الرَّجُلِ يَغْفِلُ عَنِ الصَّلٰوةِ اَوْ يَرْقُدُ عَنْهَا قَالَ : يُصَلِّيْهَا إِذَا ذَكَرَهَا﴾ [1] اور صحیح بخاری میں ہے: ﴿عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا اَدْرَكَ اَحَدُكُمْ سَجْدَةً مِنْ صَلاَةِ الْعَصْرِ قَبْلَ اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلاَتَهُ ، وَإِذَا اَدْرَكَ سَجْدَةً مِنْ صَلاَةِ الصُّبْحِ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلاَتَهُ﴾ [2]

[حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اس آدمی کے بارہ میں سوال کیے گیے جو نماز سے غافل ہو جائے یا اس سے سو جائے آپ ﷺ نے فرمایا وہ اس وقت نماز پڑھے جس وقت اس کو یاد آئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اس نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تمہارا ایک غروب آفتاب (کے آغاز) سے پہلے نماز عصر کی ایک رکعت پڑھ لے وہ اپنی نماز پوری کرے۔ اور جس نے طلوع آفتاب (کے آغاز) سے پہلے نماز فجر کی ایک رکعت پڑھ لی وہ اپنی نماز پوری کرے]

۱۴۱۸/۷/۹ھ

س: جو شخص مسجد میں طلوع آفتاب کے وقت یا غروب آفتاب کے وقت آئے کیا اس وقت نماز ادا کرے یا انتظار کرے کہ سورج نکل آئے یا ڈوب جائے اگر نماز ادا کرے گا سورج نکلنے کے وقت یا غروب کے وقت تو نہی کن کے لیے ہے "فَأَمْسِكْ عَنِ الصَّلٰوةِ" محمود الرحمن محمد امین السعودیۃ العربیۃ

ج: رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے جب مسجد میں داخل ہو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھے ایک روایت میں ہے نہ بیٹھے حتی کہ دو رکعت نماز پڑھ لے تو ان اوقات میں داخل ہونے والا کھڑا رہے حتی کہ سورج غروب یا طلوع ہو جائے یا زائل ہو جائے پھر دو رکعت نماز پڑھ کر بیٹھے اور ان اوقات میں داخل ہوتے ہی دو رکعت نماز پڑھ لے پھر بیٹھ جائے تو بھی درست ہے بہر حال مسجد کی دو رکعت نماز فرض ہے۔ "فَأَمْسِكْ عَنِ الصَّلاَةِ" نفل نماز کے متعلق ہے پہلے جواب میں درج شدہ احادیث بھی دلالت کر رہی ہیں کہ نہی والی حدیث میں تخصیص ہو چکی ہے نیز اسباب والی نفل نمازیں نہی سے مستثنیٰ ہیں۔

۱۴۱۸/۷/۹ھ

س: کیا قضاء نماز فرض ممنوع اوقات میں پڑھی جا سکتی ہے مثلاً عشاء کی نماز رہ گئی ہے فجر کی نماز ادا کرنے کے متصل بعد یعنی سورج طلوع ہونے سے پہلے عشاء کی قضائی پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ محمد صدیق ملتان روڈ لاہور 27/4/98

ج: عشاء کی نماز رہ گئی ہے فجر کا وقت شروع ہو چکا ہے پہلے عشاء کی نماز ادا کر لے پھر فجر کی نماز پڑھے صحیح

---

[1] رواه ابن ماجه والنسائی [2] [بخاری ـ مواقیت الصلوة باب من ادرك من الفجر ركعة ـ مسلم ـ المساجد باب من ادرك ركعة من الصلوة فقد ادرك تلك الصلوة]

مسلم میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿لَيْسَ فِي النَّوْمِ تَفْرِيْطٌ إِنَّمَا التَّفْرِيْطُ فِي الْيَقَظَةِ، فَإِذَا نَسِيَ أَحَدُكُمْ صَلَاةً أَوْ نَامَ عَنْهَا فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا فَإِنَّ اللهَ تَعَالٰى قَالَ : وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِيْ﴾[1] [نیند میں کوتاہی نہیں کوتاہی صرف بیداری میں ہے پس جب تم میں سے ایک نماز بھول جائے یا نماز سے سو جائے پس نماز پڑھے جب اس کو یاد آئے بے شک اللہ نے فرمایا ہے کہ میری یاد کے لیے نماز پڑھو] غزوۂ احزاب کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی عصر اور مغرب دو نمازیں رہ گئی تھیں عشاء کا وقت ہو چکا تھا تو آپ ﷺ نے پہلے عصر پڑھی پھر مغرب پھر عشاء۔ فجر کے بعد طلوع آفتاب تک کوئی نماز نہیں پڑھنی چاہیے اسی طرح عصر کے بعد غروب آفتاب تک کوئی نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔ یہ نفل نماز کے متعلق ہے نفل نماز بھی وہ جو بلا کسی وجہ وسبب پڑھی جائے وہ ان اوقات میں ممنوع ہے لہٰذا دونوں حدیثوں میں کوئی منافات وتعارض نہیں ہے۔ ۱۴۱۹/۱۲/۶ھ

س: سخت بارش اور طوفانی موسم میں اگر مغرب اور عشاء کی دونوں نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا مقصود ہو تو کیا طریقہ ہے دونوں نمازوں کی سنتوں کی ادائیگی ضروری ہے یا نہیں؟ اگر موسم کی شدت کئی دنوں پر حاوی ہو جائے تو نمازوں کا جمع کرنا کہاں تک ہے؟ محمد صدیق مان لالہ موسیٰ 11 فروری 1992

ج: بوجہ بارش اگر کوئی نمازیں جمع کرنا چاہتا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ مغرب آخر وقت میں اور عشاء اول وقت پڑھے اسی طرح ظہر آخر وقت اور عصر اول وقت میں ادا کرے رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں جو نمازیں جمع کر کے پڑھی تھیں ان کی صورت یہی تھی جیسا کہ سنن نسائی باب الْوَقْتِ الَّذِي يَجْمَعُ فِيْهِ الْمُقِيْمُ میں وضاحت موجود ہے باقی اس رعایت ورخصت کی حد میرے علم میں نہیں رہا سنن رواتب کا معاملہ جمع کی صورت میں تو ان کی حیثیت وہی ہے جو عدم جمع کی صورت میں ہے۔ هذا ما عندی و الله اعلم ۱۴۱۲/۸/۱۱ھ

س: ﴿عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضی الله عنهما قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَلظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيْعًا بِالْمَدِيْنَةِ فِيْ غَيْرِ خَوْفٍ وَلاَ سَفَرٍ قَالَ اَبُو الزُّبَيْرِ فَسَأَلْتُ سَعِيْدًا لِمَ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضی الله عنهما كَمَا سَأَلْتَنِيْ فَقَالَ اَرَادَ اَنْ لَّا يُحْرِجَ اَحَدًا مِنْ اُمَّتِهٖ﴾[2]

[عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر اور عصر کی نماز مدینہ میں بغیر خوف اور سفر کے ملا کر پڑھی۔ ابوالزبیر نے کہا کہ میں نے سعید سے پوچھا کہ آپ نے کیوں ایسا کیا؟ انہوں نے کہا میں نے عبداللہ بن عباس

[1] [صحیح مسلم ۔ کتاب المساجد باب قضاء الصلوۃ الفائتۃ] [2] صحیح مسلم [کتاب صلوۃ المسافرین ۔ باب جواز الجمع بین الصلوتین فی الحضر]

رضی اللہ عنہما سے یہی پوچھا تھا جیسا تم نے مجھ سے پوچھا انہوں نے کہا کہ حضرت ﷺ نے چاہا کہ آپ کی امت میں سے کسی کو تکلیف نہ ہو]

﴿فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَتُعَلِّمُنِیْ بِالسُّنَّةِ لَا اُمَّ لَكَ ثُمَّ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ جَمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ﴾ [1] [عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا تو مجھے سنت سکھاتا ہے تیری ماں مرے۔ پھر کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے جمع کیا ظہر اور عصر کو اور مغرب اور عشاء کو]

اچھا ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بغیر خوف سفر اور بارش کے نمازیں جمع کیں رسول اللہ ﷺ نے تو کیا ان احادیث سے استدلال کر کے نماز مغرب اور عشاء جمع کی جا سکتی ہے کیونکہ امت کی آسانی کے لیے ہے۔

دراصل ہم سارا دن کام کرتے ہیں فرنیچر کا اور رات کو اوور ٹائم کام کرنا ہوتا ہے۔ اور ٹائم رات ٦ ½ سے شروع ہوتا ہے اور رات کو ١٠ ½ بجے تقریباً ختم ہوتا ہے۔ اگر ١٠ ½ بجے نماز عشاء کی پڑھیں تو نیند کا غلبہ ہوتا ہے جب سوتے ہیں تو صبح ٥ بجے جاگتے ہیں اس لیے مذکورہ بالا احادیث سے استدلال کر کے کیا ہم رات ٦ بجے مغرب اور عشاء مسلسل تقریباً ٢ ½ ماہ تک جمع کر سکتے ہیں؟ محمد افضل قلعہ دیدار سنگھ

ج: آپ نے صحیح مسلم سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث نقل فرمائی ہے جس میں حضر وامن کے اندر نماز جمع کرنے کا بیان ہے رسول اللہ ﷺ نے اپنی پوری حیات طیبہ میں صرف ایک ہی دفعہ ایسا کیا اور آپ کا عام معمول وہی تھا جو صحیح بخاری صحیح مسلم سنن اربعہ اور دیگر کتب حدیث میں بیان ہوا پھر رسول کریم ﷺ کا اس ایک واقعہ میں نمازوں کو جمع فرمانا صرف صورۃً ہی تھا حقیقتاً نہ تھا چنانچہ اسی حدیث کے الفاظ نسائی شریف کی ایک روایت میں اس طرح ہیں ﴿عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ بِالْمَدِيْنَةِ ثَمَانِيًا جَمِيْعًا وَسَبْعًا جَمِيْعًا اَخَّرَ الظُّهْرَ وَعَجَّلَ الْعَصْرَ وَاَخَّرَ الْمَغْرِبَ وَعَجَّلَ الْعِشَاءَ﴾ [2] [حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کے ساتھ مدینہ میں آٹھ رکعات اکٹھی اور سات رکعات اکٹھی پڑھی اور ظہر کو مؤخر کیا اور عصر کو جلدی کیا اور مغرب کو مؤخر کیا اور عشاء کو جلدی کیا] لہٰذا کوئی صاحب کبھی کبھار حضر وامن میں ظہر وعصر یا مغرب وعشاء میں سے پہلی کو آخر اور دوسری کو اول وقت پر

[1] صحیح مسلم صلاۃ المسافرین ـ باب الجمع بین الصلاتین فی الحضر [2] باب الوقت الذی یجمع فیه المقیم ـ المجلد الاول ص ٦٩

پڑھ کر دونوں کو صورۃً جمع فرمالیں تو ان کا یہ عمل شرعاً درست ہوگا البتہ عام معمول وہی رہے جو رسول اللہ ﷺ کا عام معمول رہا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اپنی طرف سے نبی کریم ﷺ کے مذکورہ بالا ایک مرتبہ دو نمازوں کو جمع کرنے کی غرض وغایت بیان کرتے ہوئے صرف حرج ہی کی نفی فرمائی ہے اس کو فرض یا افضل قرار نہیں دیا۔ ۸صفر ۱۴۰۶ھ

س: (۱) زوال کا وقت معلوم کرنے کا طریقہ (۲) مثل اول معلوم کرنے کا طریقہ (۳) صلوٰۃ العصر کا وقت مثل اول ختم ہونے پر شروع ہوتا ہے یا دو مثل ہونے پر حدیث کا حوالہ ضرور درج کریں؟ محمد حسین عابد

ج: (۱،۲) زوال کا وقت معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کسی روز سورج طلوع ہونے سے تھوڑی دیر بعد تقریباً ایک فٹ زمین یا مکان کی چھت کی سطح لیبل کے ساتھ ہموار کرلیں پھر تین چار انچ پر کار کھول کر اس سطح پر ایک دائرہ بنالیں اس کے بعد دائرہ کے قطب (مرکزی نقطہ) پر دو تین انچ لمبا ایک دو سوتر موٹا سریا یا اس کے مساوی لکڑی گاڑ دیں بایں طور کہ وہ شاکول (ساہل) کے ساتھ سیدھے ہوں شروع شروع میں اس سریے یا لکڑی کا سایہ بطرف مغرب دائرہ سے باہر ہوگا جب وہ سایہ سمٹتے سمٹتے دائرہ کی لکیر پر ٹھیک برابر ہو جائے تو وہاں (مدخل ظل در دائرہ) پر نشان لگالیں پھر سایہ کی دائرہ سے بجانب مشرق نکلنے کا انتظار کریں جب سایہ بڑھتے بڑھتے دائرہ کی لکیر پر پہنچے تو وہاں بھی (مخرج ظل از دائرہ) پر نشان لگادیں پھر مدخل ظل اور مخرج ظل والے دونوں نشانوں کے درمیان والے فاصلہ کی تنصیف کرکے عین وسط میں ایک نقطہ لگادیں اس کے بعد جنوباً و شمالاً ایک خط کھینچیں بایں طور کہ وہ شمالی محیط دائرہ سے شروع ہوکر مدخل اور مخرج کے عین وسط والے نقطہ سے گذرتا ہوا مرکز دائرہ کے نقطہ پر ہوتا ہوا دوسری جانب والے محیط جنوبی پر ختم ہو اور دائرہ کی تنصیف کردے یہ خط خط نصف النہار کہلاتا ہے یہ عمل ایک دن میں ہوگا اب دوسرے دن ساڑھے گیارہ بجے کے قریب اس دائرہ کے پاس بیٹھ جائیں جب دائرہ کے مرکز میں نصب شدہ سریے یا لکڑی کا سایہ خط نصف النہار پر پہنچ جائے تو سایہ کے آخری سرے پر خط نصف النہار میں نشان لگادیں یہ وقت وقت زوال ہے اور خط نصف النہار میں نشان سے لے کر سریے یا لکڑی کی جڑ تک یا مرکز دائرہ تک سایہ فیئ زوال ہے اس فیئ زوال کی پیائش کرلیں اب سایہ جونہی خط نصف النہار سے بجانب مشرق بڑھنا شروع ہوگا ظہر کا وقت شروع ہو جائے گا اور بڑھتے بڑھتے جب سایہ سریے یا لکڑی کی پیائش جمع فیئ زوال کی پیائش کے برابر ہو جائے گا تو ظہر کا وقت ختم اور عصر کا وقت شروع ہو جائے گا اور اس وقت سایہ ایک مثل ہوگا کیونکہ ایک مثل فیئ زوال کو نکال کر ہے۔

(۳) صلاۃ العصر کا وقت مثل اول پر شروع ہوتا ہے مشکوۃ کتاب الصلوۃ باب المواقیت الفصل الثانی کی پہلی حدیث ملاحظہ فرمالیں اس میں یہ لفظ ہیں ﴿وَصَلّٰی بِیَ الْعَصْرَ حِیْنَ صَارَ ظِلُّ کُلِّ شَیْءٍ مِثْلَهُ﴾ [آپ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو گیا] ۲۱/۱۰/۱٤۱۵ھ

اذان واقامت

س: ہماری جماعت کے لوگ بعض جگہ سحری کی اذان کہتے ہیں کئی لوگ اس اذان کو تہجد کی اذان کہتے ہیں کیا یہ اذان تہجد کے لیے دی جاتی ہے یا لوگوں کو خبردار کرنے کے لیے کہی جاتی تھی کہ ابھی سحری کا وقت ختم ہونے والا ہے کیونکہ حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایک اذان ختم ہوئی تو جلد ہی دوسری اذان ہوتی تھی ہمارے ہاں تو گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ سحری کی اذان پہلے کہی جاتی ہے اور پھر صبح کی اذان ہوتی ہے۔ وضاحت فرمائیں؟

ملک محمد یعقوب ہری پوری 18/2/90

ج: فجر سے پہلے جو اذان کہی جاتی ہے اس کا نام کوئی تو سحری کی اذان رکھ لیتا ہے اور کوئی تہجد کی اذان جہاں تک مجھے معلوم ہے حدیث شریف میں اس کا کوئی خاص نام وارد نہیں ہوا البتہ صحیحین اور دیگر کتب حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بلال۔ رضی اللہ عنہ۔ رات کو اذان کہتا ہے الخ پھر اس اذان کی غرض بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تاکہ وہ تمہارے سونے والے کو جگائے اور تمہارے قیام کرنے والے کو لوٹائے ...... [1] الخ۔

صحیحین اور دیگر کتب حدیث میں موجود عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک مؤذن کے اترنے اور دوسرے کے چڑھنے والی بات کا وہ مقصود نہیں جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس میں آپ ﷺ کا بیان ہے بلال رات کو اذان کہتا ہے پس تم کھاؤ اور پیو حتی کہ ابن ام مکتوم اذان کہے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ابن ام مکتوم نابینے تھے اذان نہ کہتے جہاں تک کہ ان سے کہا جاتا آپ نے صبح کر دی آپ نے صبح کر دی۔

تو رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں اذانوں کے درمیان اترنے چڑھنے کے وقت سے زیادہ وقفہ ہوتا تھا باقی اس وقفے کی تحدید منٹوں میں کہیں نہیں آئی۔ واللہ اعلم ۱/۸/۱٤۱۰ھ

س: آیا حضور ﷺ سے تہجد کی اذان ثابت ہے اگر ثابت ہے تو اس کی دلیل دیں جو آپ ﷺ کے وقت میں ایک حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور دوسری حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی اذانوں کا ذکر ملتا ہے ان میں جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی

[1] [صحیح بخاری۔ الاذان۔ باب الأذان قبل الفجر۔]

ہے آیا وہ تہجد کی اذان ہے یا سحری کھانے کی ہے اگر وہ تہجد کی اذان نہیں تو جو اذان میں حی علی الصلوۃ کے لفظ ہیں ان کا کیا مطلب ہے اگر اس کی تفسیر فَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا سے کریں وہ رمضان المبارک کے لیے خاص ہے یا رمضان کے علاوہ بھی دے سکتا ہے۔

اگر پہلی اذان کو تہجد کی اذان تسلیم کرلیں پھر وہ بدعت ہوگی یا عین شریعت کے مطابق صحیح اور درست ہوگی۔ لہٰذا وضاحت فرمائیں؟ سلیم الرحمٰن فیصل آباد

ج : آپ اپنے مکتوب گرامی میں سوال کرتے ہوئے لکھتے ہیں آیا حضور ﷺ سے تہجد کی اذان ثابت ہے؟ اگر ثابت ہے تو اس کی دلیل الخ

صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن مسعود اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ نیز صحیح مسلم میں حضرت سمرہ بن جندب چار صحابہ ؓ کی احادیث مرفوعہ صحیحہ کے ساتھ صبح صادق فجر سے پہلے اذان رسول اللہ ﷺ کے قول اور آپ کی تقریر سے ثابت ہے۔ [1] ان احادیث سے صرف ایک نیچے درج کی جا رہی ہے باقی آپ خود اصل کتابوں سے ملاحظہ فرمالیں اس مضمون کی احادیث سنن نسائی ، سنن ابی داود ، سنن ترمذی، سنن ابن ماجه اور دیگر کتب حدیث میں بھی موجود ہیں۔

﴿قَالَ الْبُخَارِيُّ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ : اِنَّ بِلالاً يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ فَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يُنَادِىَ ابْنُ اُمِّ مَكْتُوْمٍ . قَالَ : وَكَانَ رَجُلاً اَعْمٰى لاَ يُنَادِىْ حَتّٰى يُقَالَ لَهُ : اَصْبَحْتَ اَصْبَحْتَ﴾ [2]

[حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ بے شک رات کو بلال اذان دیتے ہیں کہ پس تم کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ عبداللہ بن ام مکتوم ؓ اذان دیں وہ فرماتے ہیں کہ وہ اتنی دیر تک اذان نہ کہتے تھے جب تک کہ یہ نہیں کہا جاتا تھا کہ تو نے صبح کی ہے تو نے صبح کی ہے]

نبی کریم ﷺ کا یہ قول مبارک اس بات میں نص صریح ہے کہ حضرت بلال ؓ صبح صادق سے قبل رات کو اذان کہا کرتے تھے اس اذان بلال کے بعد ابن ام مکتوم ؓ کی اذان تک کھانا پینا درست۔ پھر اس حدیث مبارک سے ان دونوں اذانوں کے درمیان وقفہ کا بھی ثبوت ملا جو ایک کے اترنے اور دوسرے کے چڑھنے میں ہی محدود نہیں تھا ورنہ

[1] صحیح بخاری جلد اول ۔ باب الاذان قبل الفجر ص ۸۷ صحیح مسلم جلد اول ص ۳۵۰ [2] صحیح البخاری ۔ المجلد الاول ۔ باب اذان الاعمی اذا کان له من یخبره ۔ ص ۸٦

لوگوں کے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو "اَصْبَحْتَ اَصْبَحْتَ" کہنے کا کوئی معنی نہیں بنتا کیونکہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نابینے تھے بہرے تو نہیں تھے انہی روایات میں چڑھنے اترنے کا تذکرہ ہے ان میں وقفہ کی قلت کو بیان کرنا مقصود ہے تحدید و تعیین مراد نہیں ورنہ اذانوں کا تعدد بے فائدہ ہو کر رہ جاتا ہے تاہم جو اہل علم از روئے تحقیق و تدقیق دیانۃً یہی سمجھتے ہوں کہ واقعی اترنے چڑھنے سے زیادہ وقفہ نہیں تھا وہ اسی پر عمل کر لیں اس سے کوئی پہلی اذان کی نفی تو نہیں ہوتی بلکہ اس سے تو اس کے ثبوت کی تصدیق و تائید ہی ہوتی ہے البتہ ایسے لوگوں کو یہ بات ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے کہ یہ لوگ اذان فجر اور جماعت فجر کا درمیانی وقفہ اتنا ہی رکھتے ہیں جتنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تھا؟ اگر یہ وقفہ زیادہ کر لیا گیا ہے تو پھر اذان فجر اور اذان قبل از فجر کے درمیانی وقفہ میں چند منٹ کے اضافہ پر اعتراض کیوں؟ مقصد یہ نہیں کہ اذان فجر اور جماعت فجر میں وقفہ زیادہ رکھنا کوئی سنت ہے غرض صرف یہ ہے ایسے وقفوں میں چند منٹوں کی کمی بیشی میں کوئی مضائقہ نہیں۔

رہا پہلی اذان کا نام "اذانِ تہجد" تو وہ کسی حدیث میں وارد نہیں ہوا یہ نام لوگوں نے از خود تجویز کر لیا ہے جیسا کہ لفظ "صلاۃ تراویح" از خود بنا لیا گیا ہے کتاب و سنت سے یہ نام ثابت نہیں البتہ یہ کام (قیام رمضان، صلاۃ رمضان، قیام اللیل، صلاۃ اللیل اور صلاۃ الوتر) فجر سے پہلے والی اذان کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث کثیرہ کے ساتھ ثابت ہے باقی اس اذان کے ایک جملہ "حی علی الصلاۃ" میں لفظ صلاۃ سے اس کے اذان تہجد ہونے پر استدلال درست نہیں کیونکہ یہ لفظ صلاۃ کوئی نماز تہجد ہی کے ساتھ مخصوص نہیں اس میں تو نماز فجر بھی شامل ہے یا صرف نمازِ فجر ہی مراد ہے یا تمام نمازیں مراد ہیں۔

بعض اہل علم کہتے ہیں کہ یہ اذان صرف رمضان کے ساتھ خاص ہے مگر ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں "فَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا" اور "لَا يَمْنَعَنَّ اَحَدَكُمْ اَذَانُ بِلَالٍ مِنْ سُحُوْرِهٖ" کو اس کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا کیونکہ سحری اور اکل و شرب رمضان کے علاوہ دوسرے مہینوں میں بھی ہوتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم غیر رمضان میں بھی روزے کثرت سے رکھا کرتے تھے پھر تعجب ہے کہ اس نظریہ کے حامل بعض حضرات رمضان میں بھی اس اذان سے کتراتے ہیں۔

س: سنن ابو داود میں بَابُ الْأَذَانِ فَوْقَ الْمَنَارَةِ کے تحت بنی نجار کی ایک عورت سے جو حدیث مروی ہے جس میں اذان سے قبل سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مندرجہ ذیل الفاظ یا دعا پڑھنا ثابت ہے۔ ﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَحْمَدُكَ

وَاسْتَعِیْنُكَ عَلٰی قُرَیْشٍ اَنْ یُقِیْمُوْا دِیْنَكَ ثُمَّ یُؤَذِّنُ﴾ [اے اللہ میں تیری تعریف کرتا ہوں اور قریش پر تجھ سے مدد مانگتا ہوں تاکہ وہ تیرے دین کو قائم کریں پھر وہ اذان دیتا]

اور پھر راویۃ حدیث قسم کھا کر بیان کرتی ہے بلا ناغہ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ یہ الفاظ کہا کرتے تھے۔

آپ سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ راقم ناچیز کو تحقیق کی ضرورت ہے اس لیے بغور نظر توجہ فرما کر تحقیقی جواب سے نوازیں کیونکہ بریلوی بدعتی اس روایت سے اذان سے قبل الصلاۃ والسلام کہنا ثابت کرتے ہیں۔ [1]

ابوحمزہ یاسر 17/11/89

ج: سنن ابی داود کے باب الاذان فوق المنارۃ سے آپ نے ایک روایت نقل فرما کر اس کے متعلق پوچھا ہے تو اس سلسلہ میں گذارش ہے کہ بریلوی لوگوں کا اس روایت سے اذان سے قبل اپنے مخصوص درود ''الصلاۃ والسلام علیك یا رسول اللہ'' الخ پر استدلال درست نہیں۔

اولاً تو اس لیے کہ اس روایت کی سند کمزور ہے اور اس کمزوری کی دو وجہیں ہیں۔

پہلی وجہ: اس کی سند میں احمد بن محمد بن ایوب نامی ایک راوی ہیں جن کے متعلق یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں ''لَیْسَ مِنْ أَصْحَابِ الْحَدِیْثِ وَاِنَّمَا کَانَ وَرَّاقًا'' [2] اور ابو احمد حاکم فرماتے ہیں ''لَیْسَ بِالْقَوِی عِنْدَهُمْ'' [3] نیز یحییٰ بن معین کہتے ہیں ''هُوَ کَذَّابٌ'' [4]

دوسری وجہ: اس کی سند میں محمد بن اسحاق ہیں جن کے متعلق حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔ ''إِمَامُ الْمَغَازِیْ صَدُوْقٌ یُدَلِّسُ وَرُمِیَ بِالتَّشَیُّعِ وَالْقَدْرِ'' [5] اصول حدیث کی کتابوں میں لکھا ہے مدلس راوی جب تک اپنے شیخ سے سماع کی تصریح نہ کرے تب تک اس کی روایت قابل قبول نہیں اور مندرجہ بالا روایت محمد بن اسحاق نے بصیغہ ''عن'' بیان کی ہے اپنے سماع کی تصریح نہیں فرمائی۔ یہ تو محمد بن اسحاق کے متعلق صحیح موقف ہے باقی حنفی لوگ محمد بن اسحاق کے بارے میں کیا کچھ کہتے ہیں اس سلسلہ میں احسن الکلام کا متعلقہ مقام دیکھیں احسن الکلام کا حوالہ اس لیے دیا ہے کہ فاتحہ خلف الامام کے موضوع پر بریلوی لوگ بھی عموماً اسی کتاب پر اعتماد کرتے ہیں۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ: احمد بن محمد بن ایوب کو بعض محدثین نے ثقہ بھی کہا ہے مگر اس پر جرح کرنے والوں کی جرح مقدم ہے ایک تو اس لیے کہ اس میں ایک زائد چیز کی نشاندہی کی گئی ہے دوم اس لیے کہ جرح اس مقام پر مفسر مبین

---

[1] ملاحظہ ہو: دلائل البرکات ص ٤٠ مصنف قاری محمد نواز صدیقی بریلوی چکوال [2] تہذیب التہذیب ١/٧١
[3] تہذیب التہذیب ١/٧١ [4] میزان الاعتدال ١/١٣٣ ـ تہذیب التہذیب ١/٧١ [5] تقریب التہذیب ٢٩٠

السبب ہے لہٰذا اس مقام پر جرح کو ترجیح حاصل ہے تو ان دو وجوہ کے باعث یہ روایت قابل قبول نہیں اور ابو داود ، منذری وغیرہ کے سکوت کو اس روایت کی صحت کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔

ثانیاً : اس لیے کہ اس روایت کا مرفوع ہونا معلوم نہیں کیونکہ بنونجار کی اس عورت کے صحابیہ ہونے سے لازم نہیں آتا، کہ وہ صرف رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک کی چیز ہی بیان کریں کیونکہ صحابہ بہت دفعہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کی چیزیں بھی بیان کر دیتے ہیں بالکل اسی طرح بلال رضی اللہ عنہ کے موذن وصحابی رسول ﷺ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے تمام کام رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک کے ہوں۔

ثالثاً : اس لیے کہ اس میں اذان سے قبل تعوذ و درود کا تو سرے سے نام ونشان ہی نہیں نہ ہی درود ابراہیمی کا اور نہ ہی درود بریلوی کا لہٰذا اس روایت سے بریلویوں کا استدلال نادرست ہے۔

س : اس گاؤں میں ایک ایسا کتا ہے۔ جو ہماری مسجد کی اذان کے وقت ایک خاص قسم کی آواز نکالتا ہے۔ کو کو لمبی آواز میں ہوتی ہے۔ مغرب عشاء اور فجر کی اذانیں جب ہوتی ہیں تو ایسا کرتا ہے۔ ہمارے قریب دو مساجد ہیں ان کی اذان کے وقت وہ کتا ایسا نہیں کرتا ہے۔ وہ مساجد بریلویوں کی ہیں۔ (۱) یہ کتا ایسے کیوں کرتا ہے؟ (۲) اس کے ساتھ کیا کرنا چاہیے؟ قاری محمد تحصیل چونیاں ضلع قصور 13 مارچ 1996

ج : (۱) اپنی طبیعت شیطانیہ کی وجہ سے ایسا کرتا ہے کیونکہ حدیث میں آتا ہے شیطان جب اذان ہوتی ہے تو گوز مارتا ہوا بھاگتا ہے اتنی دور جا کر دم لیتا ہے جہاں اس کو اذان کی آواز سنائی نہ دے [1] یہ چونکہ کتا ہے بھاگتا نہیں صوت اذان کے بوجھ کی وجہ سے بھونکتا ہے علاج یہ ہے تعوذ پڑھا جائے اور اس کتے کو بوقت اذان کچھ دن باقاعدگی کے ساتھ بھگایا جائے۔ باقی بعض اذانیں سن کر اس کا نہ بھونکنا تو اس کی وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے کہ ؎

رہ گئی رسم اذاں روح بلالی نہ رہی

(۲) اس کا جواب نمبر ۱ میں بیان ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم ۱۴۱۷/۱۱/۲۱ھ

س : کیا اکیلے نماز پڑھنے کے لیے اقامت کہنی چاہیے کہ نہیں؟ محمد امجد آزاد کشمیر 18 مارچ 1999

ج : اکیلے نماز پڑھنے کے لیے اذان واقامت درست ہے دیکھیں نسائی شریف جلد اول کتاب الاذان باب الاذان لمن یصلی وحدہ وباب الاقامۃ لمن یصلی وحدہ [حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارا پروردگار بکریاں چرانے والے سے تعجب کرتا ہے جو پہاڑ کی چوٹی پر رہ کر اذان دیتا

[1] [بخاری۔ الاذان۔ باب فضل الاذان۔ مسلم۔ الصلاۃ۔ باب فضل الاذان وھرب الشیطان عند سماعہ]

اور نماز پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے کو دیکھو جو نماز کے لیے اذان دیتا اور اقامت کہتا ہے اور مجھ سے ڈرتا ہے میں نے بخش دیا اور جنت میں داخل کیا] ۱۴۲۰/۱/۱۵ھ

س: جفت اذان اور طاق اقامت یا جفت اذان اور جفت اقامت کہنی چاہیے؟ محمد سلیم بٹ

ج: بہتر صورت یہ ہے کہ اگر ابومحذورہ والی اذان کہے تو اقامت بھی وہی کہے جو ابومحذورہ ﷛ عام طور پر کہا کرتے تھے اور اگر اذان بلال والی کہے تو اقامت بھی وہی کہے جو بلال ﷛ عام طور پر کہا کرتے تھے ویسے دوسری دونوں صورتیں بھی جائز ہیں۔ ۱۴۱۶/۲/۱۵ھ

س: الصلوة خير من النوم اس کا اصل محل کیا ہے؟ محمد شعیب ضلع وہاڑی

ج: الصلوة خير من النوم کا محل فجر کی اذان میں دوسرے حی علی الفلاح کے بعد اور اللہ اکبر سے پہلے دونوں کے درمیان ہے۔ ❶ ۱۴۱۵/۷/۱۰ھ

س: مؤذن اذان کہتا ہے تو اس کی اجازت کے بغیر کوئی آدمی تکبیر کہہ دیتا ہے تو اس کے بارہ میں بھی وضاحت کریں کہ تکبیر مؤذن سے اجازت لے کر کہنی چاہیے یا بغیر اجازت کے بھی کہہ سکتا ہے؟ محمد رفیق، محمد اشرف بہاولنگری

ج: مؤذن کی اجازت سے اقامت کہنا بہتر ہے۔ ۱۴۱۲/۴/۱۲ھ

س: جب اذان کے کلمات دوہرے کہے جاتے ہیں تو اس وقت تکبیر دوہری کہنی چاہیے؟ محمد رفیق، محمد اشرف بہاولنگری

ج: دوہری اذان کی صورت میں اقامت دوہری بہتر ہے۔ ۱۴۱۲/۴/۱۲ھ

س: زیادہ صبح کی اذان دوہری کہی جاتی ہے صرف صبح کی اذان ہی دوہری کہنی چاہیے یا دوسری اذانیں بھی دوہری کہی جاسکتی ہیں؟ محمد رفیق محمد اشرف بہاولنگری

ج: پانچوں اذانیں بھی دوہری کہنا درست ہے۔ ۱۴۱۲/۴/۱۲ھ

س: ہر اذان کے بعد وسیلہ کی دعا مانگنے کا حکم ہے کیا دعا ہاتھ اٹھا کر مانگی جاسکتی ہے یا زبانی بغیر ہاتھ اٹھائے؟ عربی خطبہ سے قبل اذان جو بریلوی حضرات کے نزدیک ہے کیا اس کی دعا ہاتھ اٹھا کر مانگ سکتے ہیں؟ محمد جمیل اعوان احمد نگری 1/3/96

ج: حدیث شریف میں اذان کے بعد درود اور دعائے وسیلہ پڑھنے کا حکم وذکر ہے ❷ اس دعا میں ہاتھ اٹھانے کا ذکر

---

❶ [ابوداؤد۔الصلاة۔باب كيف الاذان۔ ابن خزيمه۔] نوٹ [الصلاة خيرٌ مِّنَ النوم] کا محل فجر کی پہلی اذان ہے جسے عرف عام میں تہجد یا سحری کی اذان کہا جاتا ہے۔ دلیل کے لیے: القول المقبول فی شرح و تعليق صلوٰة الرسول، ص: ۲۸۶۔۷۔ دیکھیں۔] ❷ [بخاری۔الاذان۔باب الدعاء عند النداء]

کتاب وسنت میں سے مجھے معلوم نہیں۔ ۱۹/۱۱/۱۴۱۶ھ

س: مسجد میں جماعت ہو چکی ہو تو دوسری جماعت اگر کوئی کرے تو اس کے لیے اقامت ضروری ہے؟ محمد یعقوب ہری پور

ج: اذان اور اقامت دونوں ہی کہنی چاہیں۔ ۱۹/۸/۱۴۱۰ھ

س: مؤذن اذان کے بعد مسجد سے باہر جا سکتا ہے؟ محمد سلیم بٹ

ج: مؤذن اذان کہنے کے بعد مسجد سے باہر نہیں نکل سکتا [1] ہاں بول و براز کی حاجت کی خاطر جا سکتا ہے مؤذن کے علاوہ دوسروں کا بھی یہی حکم ہے۔ ۱۲/۷/۱۴۱۵ھ

س: صبح کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کے جواب میں کیا کہا جائے؟ طلبہ دار العلوم محمدیہ شیخوپورہ

ج: ''اَلصَّلاَۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ'' کے جواب میں ''اَلصَّلاَۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ'' ہی کہا جائے گا جیسے ''اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کے جواب میں ''اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' ہی کہا جاتا ہے دلیل ہے رسول اللہ ﷺ کا فرمان: ﴿إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا یَقُوْلُ﴾ الحدیث ''حَیَّعَلَتَیْنِ'' کا جواب ''لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ'' خاص دلیل کی بنیاد پر ہے۔ ''اَلصَّلاَۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ'' کے جواب میں ''صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ وَبِالْحَقِّ نَطَقْتَ'' کہنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں نہ ہی قولاً، نہ ہی عملاً اور نہ ہی تقریراً۔ ۸/۸/۱۴۲۰ھ

س: کیا تکبیر میں ''قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ'' کے جواب میں ''اَقَامَھَا اللّٰہُ وَاَدَامَھَا'' کہنا درست ہے اس کے متعلق جو احادیث پیش کرتے ہیں وہ صحیح ہیں صحیح حدیث کے حوالہ سے تحریر فرمائیں؟ محمد حسن عسکری کراچی نمبر ۶ 28/7/87

ج: ''قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ'' کے جواب میں ''اَقَامَھَا اللّٰہُ وَاَدَامَھَا'' کہنے والی روایت صحیح نہیں ضعیف ہے تحفۃ الاحوذی دیکھ لیں البتہ جواب والی عمومی احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ ''قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ'' کے جواب میں بھی ''قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ'' ہی کہنا چاہیے کہ ''مِثْلُ مَا یَقُوْلُ'' کا تقاضا یہی ہے اور حیعلتین کے جواب میں لا حول الخ کہنے کی استثنائی صورت کی طرح اس مقام پر کوئی استثنائی صورت والی روایت ثابت نہیں۔ ۶/۱۱/۱۴۰۷ھ

س: بچے کے کان میں اذان اور دوسرے کان میں اقامت اس کے بالوں کے برابر چاندی کا صدقہ کرنا اس کے بارے میں صحیح احادیث لکھ کر بھیج دیں؟ محمد قاسم بن سرور

ج: بچے کے کان میں اذان ثابت ہے قاسم جوان، اقامت بچے کے کان میں نہیں ثابت مت ہو پریشان اور قائم ہو چکی ہے دلیل و برہان کہ صدقہ سیم یا زر کریں اہل ایمان جو ہو مساوی با شعار اطفال وصبیان پڑھو رسالہ ثلاث شعائر

---

[1] [مسلم۔ المساجد۔ باب النہی عن الخروج من المسجد اذا اذن المؤذن۔]

از ڈاکٹر عمر سلیمان۔ یہ نصیحت کرتا ہے آپ کو ابوعبدالرحمان دعا بتاتا ہے وہ آپ کو استغفار از رب منان وحنان فقط والسلام علی کافۃ الإخوان وقاطبۃ الخلان [بچہ کے بالوں کے برابر چاندی کا صدقہ کرنے والی حدیث تنقیح الرواۃ شرح مشکوۃ ج ۳ ص ۲۰۳ اور تحفۃ الاحوذی . ابواب الاضاحی ج۵ ص ۹۳ پر ہے۔ ابورافع سے مروی ہے انھوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو جنم دیا تو اس کے کان میں نماز جیسی اذان کہی۔ [1]] ۱۴۲۰/۷/۲۸ھ

سترہ کا بیان

س: جماعت کھڑی ہے اور امام کے آگے سترہ قائم ہے کیا باہر سے آنے والا امام کے پیچھے سے اور مقتدیوں کے آگے سے پوری صف سے گزر سکتا ہے۔ اس مسئلے کا جواب حدیث کی روشنی میں واضح کریں؟ طلبہ مدرسہ دار العلوم محمدیہ شیخوپورہ شہر

ج: جماعت کھڑی ہے امام کے آگے سترہ قائم ہے تو سترہ کے آگے سے قبلہ والی جانب سے گذرا جا سکتا ہے نیز تمام صفوں کے پیچھے سے گذرا جا سکتا ہے مگر سترہ اور امام کے درمیان نیز امام کے پیچھے اور صف کے آگے سے نہیں گذرا جا سکتا البتہ دائیں یا بائیں جانب سے صف کے آگے امام صاحب تک امام کو عبور کیے بغیر آ جا سکتے ہیں دلائل تمام وہ احادیث ہیں جن میں نمازی اور سترہ کے درمیان گذرنے کو گناہ قرار دیا گیا ہے اور اوپر جن صورتوں میں جواز ہے ان میں نمازی اور سترہ کے درمیان گذرنا موجود نہیں اور جن صورتوں میں عدم جواز ہے ان میں نمازی اور سترہ کے درمیان گذرنا موجود ہے۔ واللہ اعلم ۱۴۲۰/۷/۱۷ھ

س: (۱) کیا امام اور مقتدیوں کے درمیان سے انسان گزر سکتا ہے (جائز ہے یا ناجائز) دلیل سے وضاحت کریں؟ (۲) یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف

ابو داود شریف میں موجود ہے کہ نبی کریم ﷺ نماز پڑھا رہے تھے تو ایک بکری کا بچہ آپ کے آگے سے گزرنے لگا تو آپ نے اپنا پیٹ دیوار کے ساتھ ملا لیا اور وہ آپ کے پیچھے سے گزر گیا۔ [2] صلاح الدین غوری میرپور خاص سندھ

ج: (۱) نہیں گذر سکتا ہے کیونکہ مقتدیوں کا سترہ امام ہے یا امام کا سترہ دو قول ہیں دونوں کے مطابق امام اور مقتدی کے درمیان سے گذرنے والا مقتدی اور اس کے سترہ کے درمیان سے گذرا ہے۔

---

[1] جامع ترمذی۔ ابواب الأضاحی۔ باب الاذان فی اذن المولود۔ الجلد الاوّل۔ ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

[2] [باب سترۃ الامام سترۃ من خلفہ کتاب الصلاۃ]

(۲) حسن درجہ کی ہے اگر وہ بھیمۃ (بکری کا بچہ) رسول اللہ ﷺ کے آگے سے گذرتا تو امام اور مقتدی دونوں کے آگے سے گذرتا اب وہ صرف مقتدیوں کے آگے سے گذرنے والا بنا کچھ مضرت کم ہوگئی ویسے بعض اہل علم اس سے استدلال فرماتے ہیں کہ امام اور مقتدی کے درمیان سے گذرنا درست ہے بہر حال مجھے یہ استدلال صحیح نہیں لگتا۔

۱۴۲۰/۶/۵ھ

س: صورت حال یہ ہے کہ دیر سے آنے والے مقتدی اپنی باقی رکعتیں پوری کر رہے ہیں اور جنہوں نے پوری نماز جماعت کے ساتھ پڑھی ہے وہ ان کے آگے بیٹھے ہوئے ہیں کہ پیچھے والے نماز ختم کریں تو ہم گزر سکیں لیکن امام صاحب آگے بیٹھے ہوئے نمازیوں کے آگے سے گزر جاتے ہیں کیا اس طرح گزرنا گناہ نہیں ہے کیونکہ ساری جماعت کا سترہ امام ہے کیا آگے والے نمازی پیچھے والوں کا سترہ ہیں۔ اور یہ کہ آدمی نمازی کے آگے سے کتنی جگہ چھوڑ کر گزر سکتا ہے؟ محمد امجد ولد محمد حنیف میر پور آزاد کشمیر

ج: صورت مسئولہ میں امام دائیں یا بائیں بیٹھے آدمیوں کے آگے سے گذر سکتا ہے مسبوق نمازیوں کے آگے سے گزرنے کی وجہ سے گناہ گار نہیں ہوگا کیونکہ پہلی صف میں سلام پھیر کر بیٹھے ہوئے آدمی مسبوقین کا سترہ بن جائیں گے رہا امام کا ساری جماعت مقتدین کا سترہ ہونا تو وہ صرف سلام پھیرنے تک ہے سلام پھیرنے پہ اقتداء ختم ہے اور امام ہونا بھی ختم ہے باقی امام اور مقتدی کو آگے پیچھے امام اور مقتدی کہنا تو وہ اور معنوں میں ہے۔

رہا آپ کا سوال ''آدمی نمازی کے آگے سے کتنی جگہ چھوڑ کر گذر سکتا ہے'' تو اس کا جواب یہ ہے کہ کتنی بھی جگہ چھوڑ کر نہیں گذر سکتا سترے والی تمام احادیث اس بات کی دلیل ہیں اگر کوئی حد متعین ہوتی تو سترہ رکھنے رکھوانے کی کیا ضرورت ہے؟ پتھر پھینکنے جتنی حد والی روایت کمزور ہے رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔ واللہ اعلم

۱۴۱۹/۷/۱۸ھ

س: فَإِنِّیْ قَدْ سَئَلْتُكَ حِيْنَمَا زُرْتُكَ قَبْلَ شَهْرٍ عَنْ حُكْمِ سُتْرَةِ الْمُصَلِّیْ هَلْ هِیَ وَاجِبَةٌ اَمْ مُسْتَحَبَّةٌ وَعَنْ حُكْمِ نَصْبِهَا فِیْ دَاخِلِ الْمَسْجِدِ اَمَامَ الْمُصَلِّيْنَ فَقَدْ اَرْشَدْتَنِیْ اِلٰی رِوَايَةِ مُسْنَدِ الْبَزَّارِ الَّتِیْ ذَكَرَهَا الْحَافِظُ فِی الْفَتْحِ مُشِيْرًا اِلٰی اَنَّهَا لَمْ تَكُنْ اَمَامَ النَّبِیِّ ﷺ كَمَا قَالَ الشَّافِعِیُّ وَالْبَيْهَقِیُّ فِیْ حَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ فَعُلِمَ اَنَّهَا مُسْتَحَبَّةٌ وَلٰكِنَّ صَاحِبَ الْمِرْعَاةِ اَجَابَ عَنْ حَدِيْثِ الْبَزَّارِ بِقَوْلِهٖ :''لَيْسَ الْمُرَادُ فِيْهَا نَفْیَ السُّتْرَةِ مُطْلَقًا بَلْ اَرَادَ نَفْیَ السُّتْرَةِ الَّتِیْ تَحُوْلُ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَهٗ

كَالْجِدَارِ الْمُرْتَفِعِ الَّذِىْ يَمْنَعُ الرُّؤْيَةَ . وَقَدْ صَرَّحَ بِمِثْلِ هٰذَا الْعِرَاقِى" اِنْتَهٰى . فَهَلْ قَوْلُ صَاحِبِ الْمِرْعَاةِ وَالْعِرَاقِى صَحِيْحٌ جَدِيْرٌ بِالْقَبُوْلِ اَمْ لاَ ؟ وَقَدْ مَالَ الْكِرْمَانِىُّ وَالْعَيْنِىْ اِلٰى اَنَّ غَيْرَ . صِفَةٌ لِمَوْصُوْفٍ مَحْذُوْفٍ لِيُطَابِقَ الْحَدِيْثُ تَبْوِيْبَ الْبُخَارِىْ فَهَلْ قَوْلُهُمَا صَحِيْحٌ ؟

وَاَيْضًا هَلْ ثَبَتَ فِى الْحَدِيْثِ اَنَّ الصَّحَابَةَ كَانُوْا يَرْكُزُوْنَ اَمَامَهُمُ السُّتَرَ فِى دَاخِلِ الْمَسَاجِدِ مُهْتَمِّيْنَ بِهٖ بَيِّنُوْا تُوْجَرُوْا عِنْدَاللهِ. عبدالرحمٰن ضیاء مدرس جامعہ شیخ الاسلام

[میں نے ایک ماہ قبل جب آپ سے ملاقات کی تھی تو آپ سے نمازی کے سترہ کے حکم کے متعلق سوال کیا تھا کہ کیا وہ واجب ہے یا مستحب ہے۔ اور نمازیوں کے آگے مسجد کے اندر اس کو نصب کرنے کا حکم پوچھا تھا تو آپ نے مسند بزار کی روایت کی طرف میری راہنمائی فرمائی تھی وہ روایت جس کو حافظ نے فتح میں ذکر کیا ہے اشارہ کرتے ہوئے کہ وہ نبی ﷺ کے سامنے نہیں تھا جس طرح شافعی اور بیہقی نے کہا ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں پس معلوم ہوا کہ سترہ مستحب ہے لیکن صاحب مرعاۃ نے اپنے اس قول کے ساتھ بزار کی حدیث کا جواب دیا ہے اس میں مطلقاً سترہ کی نفی مراد نہیں ہے بلکہ اس نے اس سترہ کی نفی مراد لی ہے جو ان کے درمیان اور آپ ﷺ کے درمیان ہو اور وہ بلند دیوار کی طرح ہو جو کہ دیکھنے کو مانع ہو اور اسی کی مثل عراقی نے صراحت کی ہے تو کیا صاحب مرعاۃ اور عراقی کا قول صحیح ہے قابل قبول ہے یا نہیں اور کرمانی اور عینی اس طرف مائل ہوئے ہیں کہ لفظ غیر موصوف محذوف کی صفت ہے تا کہ حدیث تبویب بخاری کے مطابق ہو جائے تو کیا ان دونوں کا قول صحیح ہے اور اسی طرح کیا حدیث سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام ﷺ مساجد کے اندر اپنے سامنے اہتمام سے سترہ لگایا کرتے تھے؟]

ج :أَمَّا بَعْدُ فَأَنَا بِخَيْرٍ وَعَافِيَةٍ . قَدْ سَأَلْتَنِىْ عَنْ شَيْئَيْنِ :

اَلْأَوَّلُ : عَنْ قَوْلِ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ : لَيْسَ الْمُرَادُ فِيْهَا نَفْىَ السُّتْرَةِ مُطْلَقًا ، بَلْ أَرَادَ نَفْىَ السُّتْرَةِ الخ هَلْ هُوَ صَحِيْحٌ جَدِيْرٌ بِالْقَبُوْلِ ؟ الخ

اَلثَّانِىْ : عَنِ الصَّحَابَةِ هَلْ كَانُوْا يَرْكُزُوْنَ أَمَامَهُمُ السُّتَرَ فِىْ دَاخِلِ الْمَسَاجِدِ ؟

وَالْجَوَابُ كَمَا يَأْتِىْ بَعْدُ بِتَوْفِيْقِ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى وَعَوْنِهٖ .

(١)لَيْسَ بِصَحِيْحٍ ، وَلاَ جَدِيْرٍ بِالْقُبُوْلِ إِذْ لاَ دَلِيْلَ عَلَيْهِ ، وَتَبْوِيْبُ الْبُخَارِىِّ ، وَمِيْلاَنُ الْكِرْمَانِىْ وَالْعَيْنِىْ إِلٰى مَا مَا لاَ إِلَيْهِ لَيْسَا مِنَ الْأَدِلَّةِ فِىْ شَىْءٍ ، وَقَوْلُ بَعْضِهِمْ : فَإِنَّ التَّعَرُّضَ لِنَفْىِ الْجِدَارِ

خَاصَّةً يَدُلُّ عَلٰى أَنَّهُ كَانَ هُنَاكَ شَيْءٌ مُغَايِرٌ لِلْجِدَارِ الخ مِنْ بَابِ الْإِسْتِدْلَالِ بِمَفْهُوْمِ اللَّقَبِ ، وَلَيْسَ بِحُجَّةٍ بِالْإِتِّفَاقِ ، وَانْظُرْ لِذٰلِكَ إِرْشَادَ الْفُحُوْلِ .

هٰذَا وَقَالَ ابْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ فِيْ مُصَنَّفِهِ : حَدَّثَنَآ أَبُوْ مُعَاوِيَةَ عَنْ حَجَّاجٍ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ يَحْيٰى بْنِ الْجَزَارِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ : صَلّٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فِيْ فَضَاءٍ لَيْسَ بَيْنَ يَدَيْهِ شَيْءٌ. (۲۷۸/۱) وَهُوَ أَيْضًا دَلِيْلُ عَدْمِ وُجُوْبِ السُّتْرَةِ .

(۲) كَانَ كِبَارُ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ يَبْتَدِرُوْنَ السَّوَارِيَ ، وَفِي النُّسْخَةِ الْمَطْبُوْعَةِ لِلْمُصَنَّفِ لِابْنِ أَبِيْ شَيْبَةَ : حَدَّثَنَا عِيْسٰى بنُ يُوْنُسَ عَنِ الْأَوْزَاعِيْ عَنْ يَحْيٰى بْنِ أَبِيْ كَثِيْرٍ قَالَ : رَأَيْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ قَدْ نَصَبَ عَصًا يُصَلِّيْ إِلَيْهَا . (۲۷۷/۱) وَ حَدَّثَنَا أَبُوْبَكْرٍ قَالَ : نَاوَكِيْعٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ الْغَازِ عَنْ نَافِعٍ قَالَ : كَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا لَمْ يَجِدْ سَبِيْلاً إِلٰى سَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ قَالَ لِيْ : وَلِّنِيْ ظَهْرَكَ . (۲۷۹/۱)

وَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيْ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُقْعِدُ رَجُلاً ، فَيُصَلِّيْ خَلْفَهُ وَالنَّاسُ يَمُرُّوْنَ بَيْنَ يَدَيْ ذٰلِكَ الرَّجُلِ . (۲۸۰/۱)

هٰذَا وَأَحَادِيْثُ السُّتْرَةِ الْمَرْفُوْعَةُ ، وَالنَّاهِيَةُ عَنِ الْمُرُوْرِ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّيْ لَمْ تُفَرِّقْ بَيْنَ الْمَسْجِدِ وَغَيْرِهِ ، وَاللهُ أَعْلَمُ ١٠/٥/١٤١٦هـ

ترجمہ: [آپ نے مجھ سے دو چیزوں کا سوال کیا ہے۔ اولاً : بعض اہل علم کے قول کے متعلق کہ اس میں مطلق سترہ کی نفی مراد نہیں ہے بلکہ اس نے اس سترہ کی نفی مراد لی ہے الخ کیا وہ صحیح ہے قابل قبول ہے؟

الثانی : آپ نے صحابہ کے متعلق پوچھا ہے کہ وہ مساجد کے اندر اپنے سامنے سترہ لگاتے تھے؟ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی توفیق اور مدد سے جواب آ رہا ہے۔

(۱) صحیح نہیں ہے اور نہ ہی قابل قبول ہے اس لیے کہ اسکی دلیل نہیں ہے اور بخاری کا باب قائم کرنا اور کرمانی اور عینی کا میلان جس طرف وہ دونوں مائل ہوئے ہیں دلیل نہیں بنتے اور ان کے بعض کا کہنا کہ خاص طور پر دیوار کی نفی کرنا اس چیز کی دلیل ہے کہ وہاں دیوار کے علاوہ کوئی چیز تھی۔ تو اس دلیل کا تعلق مفہوم لقب سے ہے اور یہ بالاتفاق حجت نہیں ہے اس کے لیے ارشاد الفحول دیکھو۔

اورابن ابی شیبہ [illegible] "مصنف" (۲۷۸/۱) میں [illegible] بیان کرتے ہیں

وہ حکم سے وہ یحییٰ بن جزار سے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں اس نے کہا نبی ﷺ نے کھلی جگہ میں نماز پڑھی آپ کے سامنے کچھ بھی نہیں تھا۔ اور یہ بھی سترہ کے واجب نہ ہونے کی دلیل ہے۔

(۲) نبی ﷺ کے بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ستونوں کے لیے جلدی کرتے مصنف ابن ابی شیبہ (۱/ ۲۷۷) کے ایک مطبوعہ نسخہ میں ہے ''ہم کو عیسیٰ بن یونس نے بیان کیا وہ اوزاعی سے وہ یحییٰ بن ابی کثیر سے بیان کرتے ہیں اس نے کہا میں نے انس بن مالک کو مسجد حرام میں دیکھا اس نے ایک لاٹھی کو گاڑھا ہوا تھا اس کی طرف نماز پڑھ رہا تھا''۔

اور (امام ابن ابی شیبہ) فرماتے ہیں کہ ہم کو ابوبکر نے بیان کیا اس نے کہا ہم کو وکیع نے حدیث سنائی وہ ہشام بن غاز سے وہ نافع سے بیان کرتے ہیں اس نے کہا ابن عمر رضی اللہ عنہما تھے جب مسجد کے کسی ستون کو نہ پاتے تو مجھے فرماتے میری طرف اپنی پیٹھ کر لے۔

اور (امام ابن ابی شیبہ فرماتے ہیں) ہم کو عبدالوہاب الثقفی نے بیان کیا وہ عبیداللہ سے وہ نافع سے بیان کرتے ہیں بے شک عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک آدمی کو بٹھاتے پس اس کے پیچھے نماز پڑھتے اور لوگ اس آدمی کے آگے سے گزرتے۔

یہ احادیث اور تمام سترہ کی مرفوع احادیث نمازی کے آگے سے گزرنے کی ممانعت میں مسجد اور مسجد کے باہر کوئی فرق نہیں کرتیں۔ واللہ اعلم] ۱۰/۵/۱۳۱٦ھ

نماز سے متعلقہ دیگر احکام

س: قیام، رکوع، سجدہ اور تشہد میں نمازی کو نگاہ کہاں رکھنی چاہیے؟ محمد سلیم بٹ

ج: بہتر ہے نمازی کی نگاہ سجدہ والی جگہ سے تجاوز نہ کرے اگر کسی وجہ سے متجاوز ہو جائے تو نماز ہو جائے گی البتہ نماز میں التفات منع ہے۔ [''عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : يَا اَنَسُ اِجْعَلْ بَصَرَكَ حَيْثُ تَسْجُدُ''[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے انس! اپنی نگاہ سجدے کی جگہ پر رکھو]

۲۲/۱۱/۱٤۱٦ھ

س: کیا کوئی شخص کسی کی نمازیں ادا کر سکتا ہے جب کہ وہ شخص فوت ہو گیا ہو؟ سید راشد علی سکھر

ج: میت کی طرف سے اس کی زندگی کی نہ پڑھی ہوئی نماز کو میت کے وارثوں کا پڑھنا کتاب وسنت میں کہیں نہیں

---

[1] [رواه البيهقي حواله مشكوٰة۔ كتاب الصلاة۔ باب ما لا يجوز من العمل في الصلاة وما يباح منه الفصل الثاني] [قال الالباني لكن في الباب احاديث اخرى تؤيد مشروعية النظر الى موضوع السجود فانظر ص: ٤٣۔٤٤ من صفة صلاة النبي صلى الله عليه وسلم]

آیا۔ البتہ میت کے ذمہ صیام اور حج ہو تو اس کے قریبی رشتہ دار اس کی طرف سے ادا کر دیں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ﴾ ❶ [جو کوئی فوت ہو جائے اور اس پر روزے ہوں تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزے رکھے] ❷ صحیح مسلم میں میت کی طرف سے حج ادا کرنا بھی مذکور ہے نیز میت کی طرف سے قرض وزکاۃ ادا کرنا بھی ثابت ہے جو حج، قرض اور زکاۃ میت پر فرض تھے مگر زندگی میں ادا نہ ہو سکے۔

٦/١٠/١٤١٨ھ

س: عورت کی نماز اور مرد کی نماز میں فرق کیوں ہے؟

حوالہ نمبرا: آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اے ابن حجر جب تم نماز پڑھو تو کانوں کے برابر ہاتھ اٹھاؤ اور عورت اپنے ہاتھوں کو چھاتی کے برابر اٹھائے۔ ❸

حوالہ نمبر۲: آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ عورت جب نماز میں بیٹھے تو دایاں ران بائیں ران پر رکھے اور جب سجدہ کرے تو اپنا پیٹ اپنی رانوں کے ساتھ ملا لے جو زیادہ ستر کی حالت ہے اللہ تعالیٰ اسے دیکھ کر فرماتے ہیں اے فرشتو! گواہ ہو جاؤ میں نے اس عورت کو بخش دیا ہے۔ ❹

حوالہ نمبر۳: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ مردوں کو حکم دیا کرتے تھے خوب کھل کر سجدہ کریں اور عورتوں کو حکم دیا کرتے تھے کہ خوب سمٹ کر سجدہ کریں۔ ❺

حوالہ نمبر۴: امام داود مراسیل میں روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ دو عورتوں کے پاس سے گذرے جو نماز پڑھ رہیں تھیں تو فرمایا جب تم دونوں سجدہ کرو تو اپنے جسم کو زمین کے ساتھ ملا دو بے شک عورت اس بارہ میں مرد کی طرح نہیں ہے۔ ❻

حوالہ نمبر۵: آخری خلیفہ راشد حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے کہ جب عورت سجدہ کرے تو خوب سمٹ کر سجدہ کرے اور اپنی رانوں کو ملا لے۔ ❼

حوالہ نمبر٦: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے عورت کے بارے میں سوال ہوا تو فرمایا یعنی خوب اکٹھی ہو کر اور سمٹ کر نماز پڑھیں۔ ❽ کوفہ میں امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ یہی فتویٰ دیتے تھے۔ مدینہ منورہ میں حضرت مجاہد اور بصریٰ میں امام حسن بصری رحمہ اللہ یہی فتویٰ دیتے تھے۔ ❾

---

❶ متفق علیه ❷ [صحیح بخاری ۔ کتاب الصوم باب من مات وعلیه صوم] ❸ کنز العمال ص ٣٠٧ ج٧ ❹ بیهقی ص ٢٢٣ ج٢ ❺ بیهقی ص ٢٢٣ ج٢ ❻ مراسیل ص ٥ ❼ ابن ابی شیبه ص ٢٧٠ ج١ ❽ ابن ابی شیبه ص ٧٠ ج١ ❾ ابن ابی شیبه ص ٢٧٠ ج١

حوالہ نمبر ۷: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ عورتیں آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں کس طرح نماز پڑھتی تھیں فرمایا کہ پہلے چوکڑی بیٹھتی تھیں پھر ان کو حکم دیا گیا خوب سمٹ کر بیٹھا کریں۔ ❶

حوالہ نمبر ۸: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ مردوں کو حکم دیا کرتے تھے کہ تشہد میں دایاں پاؤں کھڑا رکھیں اور بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھا کریں اور عورتوں کو حکم دیا کرتے کہ سمٹ کر بیٹھیں۔ ❷

جامعہ دار الاسلام توحیدیہ چربٹ سائل عبدالرحمٰن ایبٹ آباد

ج: آپ نے مرد و عورت کے نماز میں رفع الیدین جلوس اور سجود میں فرق کے سلسلہ میں کچھ حوالہ جات ارسال فرمائے ہیں ترتیب وار ان پر کلام مندرجہ ذیل ہے بتوفیق اللہ تبارک وتعالیٰ وعونہ۔

(۱) اس روایت کے متعلق مجمع الزوائد ص ۱۰۳ ج ۲ پر لکھا ہے ''قُلْتُ : لَهُ فِي الصَّحِيْحِ وَغَيْرِهٖ فِيْ رَفْعِ الْيَدَيْنِ غَيْرَ هٰذَا الْحَدِيْثِ رَوَاهُ الطَّبْرَانِيْ فِيْ حَدِيْثٍ طَوِيْلٍ فِيْ مَنَاقِبِ وَائِلٍ مِنْ طَرِيْقِ مَيْمُوْنَةَ بِنْتِ حُجْرٍ عَنْ عَمَّتِهَا أُمِّ يَحْيٰى بِنْتِ عَبْدِ الْجَبَّارِ وَلَمْ أَعْرِفْهَا وَبَقِيَّةُ رِجَالِهٖ ثِقَاتٌ'' . تو یہ روایت بوجہ مجہولیت راویہ کمزور ہے قابل احتجاج نہیں۔

(۲) اس روایت کو بیھقی ص ۲۲۳ ج نمبر ۲ کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے اور بیہقی کے اسی صفحہ ۲۲۳ پر اس روایت کو ضعیف قرار دیا گیا ہے چنانچہ امام بیہقی لکھتے ہیں ''قَالَ أَبُوْ أَحْمَدَ : أَبُوْ مُطِيْعٍ بَيِّنُ الضُّعْفِ فِيْ أَحَادِيْثِهٖ ، وَعَامَّةُ مَا يَرْوِيْهِ لاَ يُتَابَعُ عَلَيْهِ . قَالَ الشَّيْخُ رَحِمَهُ اللّٰهُ : وَقَدْ ضَعَّفَهُ يَحْيٰى بْنُ مَعِيْنٍ وَغَيْرُهُ'' . نیز امام بیہقی اس سے پچھلے ص ۲۲۲ پر لکھتے ہیں ''وَقَدْ رُوِيَ فِيْهِ حَدِيْثَانِ ضَعِيْفَانِ لاَ يُحْتَجُّ بِأَمْثَالِهِمَا'' پھر دوسرے نمبر پر اس روایت کو بیان کرتے ہیں جو حوالہ نمبر ۲ میں نقل کی گئی ہے اب نامعلوم صاحب حوالہ جات نے حوالہ نمبر ۲ میں امام بیہقی کے فیصلہ کو کیوں نظر انداز فرما دیا۔

پھر اس روایت میں ہے ''عورت جب نماز میں بیٹھے تو دایاں ران بائیں ران پر رکھے'' جبکہ اس روایت کو بطور دلیل پیش کرنے والوں کی عورتیں بھی جب نماز میں بیٹھتی ہیں تو دائیں ران کو بائیں ران پر نہیں رکھتیں۔ ﴿أَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ﴾ یاد رہے ترجمہ ''دایاں ران بائیں ران پر رکھے'' حوالہ جات پیش کرنے والوں نے کیا ہے یہ راقم تو محض ناقل ہے۔

---

❶ جامع المسانيد امام اعظم ص ٤٠٦ ج ١ ❷ بيهقی ص ٢٣٢ ج ٢

(۸،۳) ان دونوں حوالوں میں مذکور روایت ایک ہی ہے جس کے کچھ حصہ کو نمبر ۳ میں نقل کر کے ص ۲۲۳ کا حوالہ دیا گیا ہے جبکہ یہ حصہ ص ۲۲۲ پر ہے اور کچھ حصہ کو نمبر ۸ میں نقل کر کے حوالہ ص ۲۲۲ کا دیا گیا ہے جبکہ یہ حصہ ص ۲۲۳ پر ہے ایک روایت کے دو حصوں کو دو نمبروں میں ذکر کرنا تو سمجھ میں آتا ہے البتہ دونوں حصوں کے صفحات کی تبدیلی کم از کم میرے لیے تو ناقابل فہم ہے کہ اس سے تبدیلی کرنے والوں کا کیا مقصد ہے یا ویسے ہی ان سے بھول ہوگئی ہے۔

پھر اس روایت کو بھی خود امام بیہقی نے ہی ضعیف قرار دیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ''وَقَدْ رُوِیَ فِیْهِ حَدِیْثَانِ ضَعِیْفَانِ لاَ یُحْتَجُّ بِأَمْثَالِهِمَا'' ان دو میں پہلی یہی حوالہ نمبر ۳ اور حوالہ نمبر ۸ میں ذکر کردہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ والی روایت ہے نیز لکھتے ہیں: ''وَاللَّفْظُ الْأَوَّلُ ، وَاللَّفْظُ الْآخِرُ مِنْ هٰذَا الْحَدِیْثِ مَشْهُوْرَانِ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ ، وَمَا بَیْنَهُمَا مُنْكَرٌ وَاللّٰه اعلم''۔ ''مَا بَیْنَهُمَا'' سے اس روایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے وہی دو حصے مراد ہیں جو حوالہ نمبر ۳ اور حوالہ نمبر ۸ میں بیان ہوئے۔

اس روایت کی سند میں عطاء بن عجلان نامی ایک راوی ہے جس کے متعلق خود امام بیہقی ہی لکھتے ہیں ''وَكَذٰلِكَ عَطَاءُ بْنُ عَجْلاَنَ ضَعِیْفٌ'' ص ۲۲۳ ج۲ اور تقریب التهذیب ص ۲۳۹ میں ہے ''عَطَاءُ بْنُ الْعَجْلاَنِ الْحَنَفِیُّ أَبُوْ مُحَمَّدٍ الْبَصْرِی الْعَطَّارُ مَتْرُوْكٌ ، بَلْ أَطْلَقَ عَلَیْهِ ابْنُ مَعِیْنٍ وَالْفَلاَّسُ ، وَغَیْرُهُمَا الْكَذِبَ مِنَ الْخَامِسَةِ''۔

نیز صاحب حوالہ جات نمبر ۸ میں ''وَیَأْمُرُ النِّسَاءَ أَنْ یَتَرَبَّعْنَ'' کا ترجمہ یا مطلب بیان کرتے ہیں ''اور عورتوں کو حکم دیا کرتے کہ سمٹ کر بیٹھیں'' معلوم نہیں اس مقام پر انہوں نے ایسا کیوں کیا جبکہ خود انہوں نے اسی لفظ ''یَتَرَبَّعْنَ'' کا ترجمہ و مطلب حوالہ نمبر ے میں ''چوکڑی بیٹھتی تھی'' کیا ہے۔

پھر اس روایت کے مطابق عورتوں کو تشہد میں چوکڑی بیٹھنے کا حکم ہے جبکہ معلوم ہے کہ حنفیوں کی عورتیں بھی تشہد میں چوکڑی نہیں بیٹھتیں۔ ﴿لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لاَ تَفْعَلُوْنَ﴾ چوکڑی بیٹھنے کو منسوخ قرار دینے والی روایت نہ صحیح اور نہ ہی حسن جیسا کہ تفصیل آرہی ہے ان شاء اللہ۔

(۴) یہ روایت مرسل ہے یزید بن ابی حبیب اس کو رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں جبکہ یزید بن ابی حبیب کی رسول اللہ ﷺ سے ملاقات نہیں اور نہ ہی انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پایا ہے اس لیے یہ روایت قابل احتجاج واستدلال نہیں اور اس کا مرسل و منقطع ہونا امام ابوداود کے اس کو مراسیل میں بیان کرنے سے ہی واضح ہے۔

پھر امام بیہقی نے سنن کبریٰ ص ۲۲۳ ج۲ میں اسی مرسل روایت کے بارہ میں لکھا ہے ''وَرُوِیَ فِیْهِ

حَدِیْثٌ مُنْقَطِعٌ ، وَهُوَ أَحْسَنُ مِنَ الْمَوْصُوْلِیْنَ قَبْلَهُ'' پھر ابوداود والی سند کے ساتھ اس مرسل روایت کو بیان کیا۔ علامہ علاؤالدین ماردینی حنفی حاشیہ بیہقی میں لکھتے ہیں ''ظَاهِرُ کَلَامِهِ أَنَّهُ لَیْسَ فِیْ هٰذَا الْحَدِیْثِ إِلَّا الْاِنْقِطَاع، وَسَالِمٌ مَتْرُوْكٌ حَکَاهُ صَاحِبُ الْمِیْزَانِ عَنِ الدَّارقُطْنِی''۔

توعلامہ ماردینی حنفی کے بیان کے مطابق اس روایت میں انقطاع والے نقص کے ساتھ ساتھ اس کی سند میں سالم بن غیلان کے متروک ہونے والا نقص بھی موجود ہے لہٰذا اس مقام پر ''ہمارے نزدیک مرسل حجت ہے'' والا اصول بھی نہیں چل سکتا کیونکہ حنفیوں کا یہ اصول اس مرسل کے متعلق ہے جس مرسل کی سند صحیح یا حسن ہو اور اس مرسل کی سند نہ صحیح ہے اور نہ حسن کیونکہ اس کی سند میں سالم بن غیلان متروک راوی موجود ہے۔

چند منٹ کے لیے ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ یہ مرسل روایت اسنادی اعتبار سے حنفیوں کے نزدیک حسن کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے پھر بھی ان کے نزدیک قابل احتجاج واستدلال نہیں کیونکہ ان کے نزدیک مرسل روایت اس وقت حجت ہوتی ہے جب ارسال کرنے والے تابعی کی عادت معلوم ہو کہ وہ صرف ثقات ہی کو حذف کرتا ہے دیکھئے شرح نخبہ اور یہ چیز یزید بن ابی حبیب میں معلوم نہیں ہو سکی ورنہ ان کی اس عادت کو دلائل سے ثابت کیا جائے پھر ان کی مرسل روایت کو حجت بنایا جائے۔

حوالہ نمبر ۴ میں لکھا گیا ہے ''امام داود مراسیل میں روایت'' الخ یہ امام داود نہیں امام ابوداود ہیں۔

(۵) اس روایت کی سند میں ''الحارث'' نامی راوی ہے جس کے متعلق میزان الاعتدال میں لکھا ہے ''وَقَالَ مُفَضَّلُ بْنُ مُهَلْهَلٍ عَنْ مُغِیْرَةَ سَمِعَ الشَّعْبِیَّ یَقُوْلُ : حَدَّثَنِیْ الْحَارِثُ وَأَشْهَدُ أَنَّهُ أَحَدُ الْکَذَّابِیْنَ . وَرَوٰی مُحَمَّدُ بْنُ شَیْبَةَ الضَّبِیُّ عَنْ أَبِیْ إِسْحَاقَ قَالَ : زَعَمَ الْحَارِثُ الْأَعْوَرُ وَکَانَ کَذَّابًا'' ص ۴۳۶ ج ۱ میزان الاعتدال میں اسی مقام پر ہے ''جَرِیْرٌ عَنْ حَمْزَةَ الزَّیَّاتِ قَالَ : سَمِعَ مُرَّةُ الْهَمْدَانِیْ مِنَ الْحَارِثِ أَمْرًا فَأَنْکَرَهُ فَقَالَ لَهُ : أُقْعُدْ حَتّٰی أَخْرُجَ إِلَیْكَ . فَدَخَلَ مُرَّةُ فَاشْتَمَلَ عَلٰی سَیْفِهِ ، فَأَحَسَّ الْحَارِثُ بِالشَّرِّ فَذَهَبَ . وَقَالَ ابْنُ حِبَّانَ: کَانَ الْحَارِثُ غَالِیًا فِی التَّشَیُّعِ وَاهِیًا فِی الْحَدِیْثِ''۔

(۶) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما والی موقوف روایت کی سند میں سعید بن ایوب اور یزید بن حبیب دو راوی ہیں جن کے حالات مجھے ابھی تک نہیں ملے اس لیے حوالہ دینے والوں کی ذمہ داری ہے کہ ان دونوں کا ثقہ ہونا ثابت کریں۔ پھر صحابہ والی مقطوع روایت کی سند میں لیث بن ابی سلیم ہے جس کے متعلق تقریب التہذیب میں لکھا ہے ''صُدُوْقٌ

اِخْتَلَطَ أَخِيْرًا وَلَمْ يُتَمَيَّزْ حَدِيْثُهُ فَتُرِكَ'' نیز مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۷۰ ج ا میں امام ابراہیم کے ساتھ ان کے کوفہ میں فتویٰ۔ امام مجاہد کے ساتھ ان کے ''مدینہ منورہ میں فتویٰ'' اور امام حسن کے ساتھ ان کے ''بصرہ میں فتویٰ'' دینے کا کوئی ذکر نہیں۔

اصول شاشی، نور الانوار، حسامی، مسلم الثبوت، تلویح توضیح اور دیگر اصول فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے ''شرع کے اصول ودلائل چار ہیں۔(۱) کتاب اللہ تبارک وتعالیٰ۔(۲) رسول اللہ ﷺ کی سنت ثابتہ۔ (۳) اجماع امت۔ (۴) قیاس صحیح'' اور معلوم ہے کہ مذکور بالا تین تابعین کے مذکور بالا آثار کتاب اللہ ہیں، نہ ہی سنت رسول اللہ ﷺ نہ ہی اجماع اور نہ ہی قیاس صحیح۔

پھر اس قسم کے آثار دوسری طرف بھی موجود ہیں مثلاً مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۷۰ ج ا میں ہے: ''أَنَّ أُمَّ الدَّرْدَاءِ كَانَتْ تَجْلِسُ فِي الصَّلاَةِ كَجِلْسَةِ الرَّجُلِ'' اور محولہ بالا اسی مقام پر ہے ''عَنْ إِبْرَاهِيْمَ قَالَ تَقْعُدُ الْمَرْأَةُ فِي الصَّلاَةِ كَمَا يَقْعُدُ الرَّجُلُ'' سجود کے سلسلہ میں ابراہیم نخعی کے قول کو لے لینا اور جلوس وقعود کے سلسلہ میں ان کے قول کو نہ لینا سراسر ناانصافی ہے نیز اسی محولہ بالا مقام پر ہے ''أَنَّ صَفِيَّةَ كَانَتْ تُصَلِّيْ وَهِيَ مُتَرَبِّعَةٌ'' پھر اسی مقام پر ہے ''عَنْ نَافِعٍ قَالَ : تَرَبَّعَ'' اور ص ۲۷۱ ج ا پر ہے ''عَنْ شُعْبَةَ قَالَ : سَأَلْتُ حَمَّادًا عَنْ قُعُوْدِ الْمَرْأَةِ فِي الصَّلاَةِ قَالَ : تَقْعُدُ كَيْفَ شَاءَ تْ''۔

(۷) یہ روایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے شاگرد نافع کے شاگرد کی وجہ سے ضعیف ہے آپ ان کے حالات تفصیلاً دیکھنا چاہتے ہیں تو ''سلسلة الأحاديث الضعيفة'' جلد اول حدیث ۴۵۸ از ص ۴۶۳ تا ص ۴۶۹ پڑھ لیں۔

پھر اگر اسی قسم کی روایات پر اعتماد کرنا ہے تو مصنف ابن ابی شیبہ جلد اول ص ۲۷۰ پر ہے ''عَنْ نَافِعٍ قَالَ كُنَّ نِسَاءُ ابْنِ عُمَرَ يَتَرَبَّعْنَ فِي الصَّلاَةِ'' پھر نافع ہی فرماتے ہیں ''عورت چوکڑی بیٹھتی ہے'' اور کئی حنفی لکھتے ہیں ''راوی کا عمل یا قول اس کی روایت کے خلاف ہو تو عمل راوی کے قول یا عمل پر ہوگا نہ کہ اس کی روایت پر''۔

س : حافظ صاحب میں گناہ گار آپ کی ایک مناظرانہ خط وکتابت پڑھ رہا تھا جو کہ آپ کے اور جناب محمد صالح صاحب کے درمیان ہوئی تھی جو کہ ایک کتاب کی شکل میں حضرت مولانا محمد خالد گھرجاکھی صاحب نے چھپوا کر عوام کے سامنے پیش کر دی ہے۔ جو ۱۹۸۴ کا واقعہ ہے۔ محمد صالح صاحب کے مکتوب نمبر۳۔ ۲۸ فروری میں سوال نمبر ا میں اس نے پوچھا ہے کہ نماز میں سینے پر یا زیر ناف ہاتھ باندھنا فرض ہیں یا واجب یا سنت مؤکدہ۔ اسی طرح آمین

کہنا؟

تو آپ نے جواب دیا تھا نماز میں سینے پر یا زیر ناف ہاتھ باندھنا قرآن وحدیث کی روشنی میں نہ فرض ہیں نہ واجب اور نہ ہی سنت مؤکدہ۔ ہاں آمین کہنا نبی کریم ﷺ سے قولاً اور فعلاً ثابت ہے۔

حافظ صاحب اگر ہاتھ باندھنا سینے پر یا زیر ناف سنت بھی نہیں تو ہم اور آپ کس کی سنت پر عمل کر رہے ہیں؟

شوکت علی ربانی جامعہ رحمانیہ اہل حدیث گوجرانوالہ

ج: جس بات کی آپ وضاحت طلب فرما رہے ہیں اس سلسلہ میں گذارش ہے کہ آپ میرے الفاظ ''سینے پر یا زیر ناف ہاتھ باندھنا'' الخ پر ذرا توجہ فرمائیں نیز لفظ ''یا'' اور لفظ ''اور'' دونوں کے فرق کو ملحوظ رکھیں تو آپ بات سمجھ جائیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اس عبارت میں مطلق ہاتھ باندھنے کے فرض، واجب اور سنت مؤکدہ ہونے کی نفی نہیں اس عبارت میں سینے پر اور زیر ناف ہاتھ باندھنے دونوں صورتوں کے فرض واجب اور سنت مؤکدہ ہونے کی بھی نفی نہیں اس عبارت میں تو سینے پر اور زیر ناف ہاتھ باندھنے دونوں صورتوں میں سے صرف اور صرف ایک صورت کے فرض واجب اور سنت مؤکدہ ہونے کی نفی ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل کے لیے میرا اس موضوع پر رسالہ اردو بازار سے لے کر مطالعہ فرمالیں اللہ تعالیٰ ہر ایک کو نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔ ۲۹/۶/۱۴۱۰ھ

س: أَيْنَ يَضَعُ الْمُصَلِّيْ يَدَيْهِ فِي الصَّلٰوةِ عَلٰى صَدْرِهٖ اَمْ تَحْتَ الصَّدْرِ اَمْ تَحْتَ السُّرَّةِ؟ وَأَيْنَ يَضَعُ يَدَيْهِ بَعْدَ الْقِيَامِ مِنَ الرُّكُوْعِ [نمازی اپنے ہاتھوں کو نماز میں کہاں رکھے سینے پر یا سینے کے نیچے یا ناف کے نیچے اور کہاں رکھے اپنے ہاتھوں کو رکوع سے کھڑا ہونے کے بعد؟]

صلاح الدین عایض الشلاحی الکویت ۲۶ ربیع الاول ص ۱۴۱۶ھ

ج: عَلَى الصَّدْرِ ، وَيُرْسِلُ بَعْدَ الرُّكُوْعِ [سینے کے اوپر رکھے، رکوع کے بعد اپنے ہاتھوں کو چھوڑ دے]

عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ ؓ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى عَلٰى صَدْرِهٖ [حضرت وائل بن حجر ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی پس آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں پر رکھا اوپر اپنے سینے کے] [1]

---

[1] [صحیح ابن خزیمہ ص ۲۴۳ ج۱ ، مسند احمد ص ۲۸۷ ج۵]

س: (۱) عَنْ عَلِيٍّ ﷺ قَالَ مِنْ سُنَّةِ الصَّلٰوةِ وَضْعُ الْاَيْدِيْ عَلَى الْاَيْدِيْ تَحْتَ السُّرَرِ [1]

حضرت علی ﷺ نے فرمایا: کہ نماز کی سنت میں سے ہے ہاتھوں کو ہاتھوں پر رکھنا ناف کے نیچے۔

(۲) قَالَ ابْنُ حَزْمٍ رُوِيْنَا عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ وَضْعُ الْكَفِّ عَلَى الْكَفِّ فِي الصَّلٰوةِ تَحْتَ السُّرَّةِ [2] ابن حزم فرماتے ہیں کہ ہم حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت کیے گئے کہ ہاتھ کو ہاتھ پر نماز میں رکھنا ناف کے نیچے ہوگا۔

(۳) عَنْ اَنَسٍ قَالَ ثَلَاثٌ مِنْ اَخْلَاقِ النُّبُوَّةِ تَعْجِيْلُ الْاِفْطَارِ وَتَاخِيْرُ السُّحُوْرِ وَوَضْعُ الْيَدِ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى فِي الصَّلٰوةِ تَحْتَ السُّرَّةِ [3] حضرت انس ﷺ سے روایت ہے فرمایا تین چیزیں نبوت کے کاموں میں سے ہیں جلد افطار کرنا دیر سے سحری کھانا اور نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا۔

(۴) ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے ہے فرمایا: يَضَعُ يَمِيْنَهُ عَلٰى شِمَالِهِ فِي الصَّلٰوةِ تَحْتَ السُّرَّةِ [4] نمازی اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر نماز میں ناف کے نیچے رکھے۔

(۵) ابومجلز فرماتے ہیں: يَضَعُ بَاطِنَ كَفِّ يَمِيْنِهِ عَلٰى ظَاهِرِ كَفِّ شِمَالِهِ وَيَجْعَلُهُمَا اَسْفَلَ مِنَ السُّرَّةِ [5] دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے اوپر والے حصے پر رکھے اور ان کو ناف سے نیچے رکھے۔

ج: از عبدالمنان نور پوری بطرف بھائی مکرم بابر صاحب امیر اہل حدیث سنھیرہ گورایہ حفظہما اللہ تبارک وتعالیٰ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امابعد! خیریت موجود خیریت مطلوب آپ نے ہمارے مدرسہ جامعہ محمدیہ کے ایک منتہی طالب علم نصیر احمد کے ہاتھ ایک تحریر مجھے بھیجی جس کے آغاز میں بسم اللہ نہیں لکھی گئی اور نہ ہی لکھنے والے بزرگوں نے اس میں اپنا اسم گرامی اور پتہ تحریر فرمایا اس میں کیا حکمت ہے؟ وہ بزرگ ہی جانتے ہیں یا پھر اللہ تبارک وتعالیٰ۔ بہرکیف اس تحریر میں مذکور باتوں کا جواب ترتیب وار مندرجہ ذیل ہے بتوفیق اللہ تبارک وتعالیٰ وعونہ۔

(۱) اس روایت کی سند میں عبدالرحمن بن اسحاق ہیں جن کے متعلق سنن کبری للبیہقی میں لکھا ہے: ''عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ إِسْحَاقَ هٰذَا هُوَ الْوَاسِطِيُّ الْقُرَشِيُّ جَرَحَهُ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ ، وَيَحْيَى بْنُ مَعِيْنٍ ، وَالْبُخَارِيُّ ، وَغَيْرُهُمْ . وَرَوَاهُ أَيْضًا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ عَنْ يَسَارٍ عَنْ أَبِيْ وَائِلٍ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ كَذٰلِكَ ، وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ إِسْحَاقَ مَتْرُوْكٌ''. اھ (۲/ ۳۱-۳۲)

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۹۱ [2] الجوہر النقی ج ۲ ص ۳۱ [3] الجوہر النقی ص ۳۲ ج ۲ [4] ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۹۰ [5] ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۹۱

پھر اس کی سند میں زیاد بن زید کوفی ہیں جن کے متعلق تقریب میں لکھا ہے ''زِيَادُ ابْنُ زَيْدٍ السُّوَائِيُّ الْأَعْصَمُ بِمُهْمَلَتَيْنِ الْكُوْفِيُّ مَجْهُوْلٌ مِنَ الْخَامِسَةِ . اهـ (١١٠)''

علامہ زیلعی حنفی نصب الرایہ میں لکھتے ہیں ''وَلَمْ أَرَ مَنْ عَزَاهُ لِأَبِيْ دَاوُدَ إِلَّا عَبْدُ الْحَقِ فِي أَحْكَامِهِ ، وَلَمْ يَتَعَقَّبْهُ ابْنُ الْقَطَّانِ فِي كِتَابِهِ مِنْ جِهَةِ الْعَزْوِ عَلَى عَادَتِهِ فِي ذٰلِكَ ، وَإِنَّمَآ تَعَقَّبَهُ مِنْ جِهَةِ التَّضْعِيْفِ ، فَقَالَ : عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ إِسْحَاقَ هُوَ ابْنُ الْحَارِثِ أَبُوْ شَيْبَةَ الْوَاسِطِيُّ قَالَ فِيْهِ ابْنُ حَنْبَلٍ، وَأَبُوْ حَاتِمٍ: مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ . وَقَالَ ابْنُ مَعِيْنٍ : لَيْسَ بِشَيْءٍ. وَقَالَ الْبُخَارِيُّ : فِيْهِ نَظَرٌ : زِيَادُ بْنُ زَيْدٍ هٰذَا لاَ يُعْرَفُ ، وَلَيْسَ بِالْأَعْسَمِ[1] . انتهى وَرَوَاهُ أَحْمَدُ فِي مُسْنَدِهِ ، وَالدَّارَ قُطْنِيُّ ، ثُمَّ الْبَيْهَقِيُّ مِنْ جِهَتِهِ فِي سُنَنِهِمَا قَالَ الْبَيْهَقِيُّ فِي الْمَعْرِفَةِ : لاَ يَثْبُتُ إِسْنَادُهُ تَفَرَّدَ بِهِ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ إِسْحَاقَ الْوَاسِطِيُّ ، وَهُوَ مَتْرُوْكٌ . انتهى ، وَقَالَ النَّوَوِيُّ فِي الْخُلاَصَةِ ، وَفِي شَرْحِ مُسْلِمٍ : هُوَ حَدِيْثٌ مُتَّفَقٌ عَلَى تَضْعِيْفِهِ ، فَإِنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ إِسْحَاقَ ضَعِيْفٌ بِالْإِتِّفَاقِ . انتهى'' (٣١٤/١)

تو یہ روایت اس قابل نہیں کہ اس سے استدلال کیا جائے کیونکہ وہ ثابت ہی نہیں۔

(۲) بیہقی کے کلام میں گذرا کہ اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن اسحاق واسطی ہے جو متروک ہے لہٰذا اس سے استدلال کرنا بھی درست نہیں اس کے علاوہ اس روایت کی کوئی سند صاحب تحریر کو معلوم ہو تو وہ لکھیں اور اس چیز کو ملحوظ رکھیں کہ وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہو اور تَحْتَ السُّرَّة کے لفظاً یا معنیً پر مشتمل ہو کیونکہ انہوں نے اس نمبر میں یہی کچھ لکھا ہے۔

(۳) اس کی سند نہ تو ابن حزم نے ذکر کی اور نہ ہی جواہر النقی والے نے اور مجھے بھی ابھی تک کہیں نہیں ملی لہٰذا صاحب تحریر کے ذمہ ہے کہ وہ اس کی سند بیان فرمائیں۔

(۴،۵) یہ دونوں روایتیں مقطوع ہیں اور مقطوع روایت حجت نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم ١٤١٧/١١/١٠ھ

س: ایک آدمی فجر کی نماز شروع کرتا ہے۔ تو ثناء سبحانك اللهم یا کوئی دوسری مسنون دعا صرف سنتیں شروع کرتے وقت پڑھے گا یا کہ فرضوں کے ساتھ دوبارہ پڑھنا ہو گی؟ نیز ایک آدمی جماعت کے ساتھ دوسری یا تیسری رکعت میں ملتا ہے تو اسے بھی یہ دعا پڑھنا ہو گی؟ محمد صفدر تحصیل کاموکی ضلع گوجرانوالہ 2/3/98

ج: ہر نمازی نے تکبیر تحریمہ کے بعد متصل شروع ہونے والی رکعت میں قراءت سے پہلے سبحانك اللهم یا

[1] یہ لفظ محولہ بالا کتاب میں اسی طرح لکھا ہے۔ عفنہ

کوئی دعائے استفتاح پڑھنی ہے نماز فرض ہو خواہ غیر فرض نمازی اکیلا ہو خواہ امام خواہ مقتدی ابتداء سے امام کے ساتھ ملا ہو یا درمیان میں۔ ۱۴۱۸/۱۱/۲۵ھ

س: ہر رکعت میں ثنا شروع میں پڑھنی چاہیے یا نہیں؟ شفیق الرحمٰن لاہور

ج: صرف پہلی رکعت کے آغاز میں۔ ۱۴۲۰/۶/۱۷ھ

س: قضاء نماز میں فرضوں میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورۃ ملانی چاہیے یا کہ نہیں؟ محمد عثمان غنی لاہور

ج: ملانی چاہیے۔ ۱۴۱۷/۸/۱ھ

س: ایک آدمی دو یا تین رکعت والی نماز پڑھتا ہے ایک رکعت میں وہ سورۃ نصر پڑھتا ہے اور دوسری رکعت میں وہ آخری تین صورتیں پڑھتا ہے کیا یہ نماز خلاف سنت ہے؟ عبدالمجید درزی سرگودھا 12/4/97

ج: درست ہے مستدرک حاکم ۱/۳۰۵ میں ہے رسول اللہ ﷺ نے وتروں کی دوسری رکعت میں "قُلْ یأیها الکفرون" پڑھی اور تیسری رکعت میں "قل هو الله أحد" اور معوذتین تینوں سورتیں پڑھیں۔ ہاں رسول اللہ ﷺ کا عام اور اکثر معمول آخری رکعت کو پہلی رکعات کی بنسبت چھوٹی کرنے کا ہے۔ ۱۴۱۷/۱۲/۲۳ھ

س: کیا نماز کی ہر رکعت شروع کرنے سے پہلے (مراد سورۃ فاتحہ شروع کرنے سے پہلے) تعوذ ضروری ہے علامہ ناصر الدین البانی کا کہنا ہے ہر رکعت شروع کرنے سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنی چاہیے؟ حافظ محمد فاروق تبسم

ج: آیت کریمہ ﴿فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ﴾ [1] [پس جب تو قرآن پڑھے تو پناہ مانگ ساتھ اللہ کے شیطان مردود سے] کے عموم سے شیخ البانی حفظہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی تائید ہوتی ہے۔

۱۴۱۹/۲۱/۳ھ

غیر نمازی کا لقمہ قبول کرنا

عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ : كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلّٰى نَحْوَ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ سِتَّةَ عَشَرَ اَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ . الْحديث وفيه : فَصَلّٰى مَعَ النَّبِيِّ ﷺ رَجُلٌ ثُمَّ خَرَجَ بَعْدَ مَا صَلّٰى فَمَرَّ عَلٰى قَوْمٍ مِنَ الْاَنْصَارِ فِي صَلَاةِ الْعَصْرِ يُصَلُّوْنَ نَحْوَ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ فَقَالَ : هُوَ يَشْهَدُ اَنَّهُ صَلّٰى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَاَنَّهُ تَوَجَّهَ نَحْوَ الْكَعْبَةِ فَتَحَرَّفَ الْقَوْمُ حَتّٰى تَوَجَّهُوْا نَحْوَ الْكَعْبَةِ . اهـ رَوَاهُ الْبُخَارِي فِي بَابِ التَّوَجُّهِ نَحْوَ الْقِبْلَةِ حَيْثُ كَانَ الخ مِنْ كِتَابِ الصَّلَاةِ.

---

[1] [النحل ۹۸ پ ۱۴]

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیت المقدس کی طرف سولہ یا سترہ ماہ نماز پڑھی۔ پوری حدیث کتاب سے پڑھ لیں اور اس حدیث میں ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی پھر وہ نماز پڑھ لینے کے بعد نکلا تو نماز عصر کے وقت میں انصار کی ایک قوم پر اس کا گذر ہوا وہ بیت المقدس کی طرف منہ کیے نماز پڑھ رہے تھے تو اس آدمی نے کہا کہ وہ خود گواہی دیتا ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اور آپ ﷺ کعبہ کی طرف متوجہ ہو چکے ہیں تو انصار کی اس قوم نے اپنے منہ پھیر لیے حتی کہ کعبہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ [1]

اس حدیث سے پتہ چلا کہ نمازی امام یا مقتدی غیر نمازی کی نماز سے متعلق کوئی بات سن کر اس پر اسی نماز میں عمل پیرا ہو جائے تو شرعاً درست ہے لہٰذا امام قراءت میں بھول جائے تو غیر نمازی اسے لقمہ دے اور وہ قبول کر لے تو یہ بھی درست ہوا۔ **ھذا ما عندی و اللہ اعلم** ۱۱ شوال ۱۴۰۵ھ

نماز باجماعت

س: نماز باجماعت کب فرض ہوئی۔ کیا مکہ میں نماز جماعت کے ساتھ ثابت ہے یا نہیں؟

عبدالغفور ولد عبدالحق لاہور 15/4/97

ج: مکہ مکرمہ میں بھی رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ باجماعت نماز پڑھتے تھے امامت جبریل علیہ السلام والا واقعہ اور آیت ﴿وَلاَ تَجْهَرْ بِصَلاَتِكَ وَلاَ تُخَافِتْ بِهَا﴾ [2] کا شان نزول پھر ﴿وَاِذْ صَرَفْنَا اِلَيْكَ نَفَرًا مِنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْآنَ﴾ [3] [اور جس وقت پھیر لائے ہم طرف تیری جماعت جنوں میں سے سنتے تھے قرآن] کا سبب نزول اس چیز کے دلائل ہیں۔ باقی نماز میں جماعت فرض ہونے کی تاریخ اس وقت مجھے یاد نہیں۔

۱۴۱۷/۱۲/۲۹ھ

س: پہلی صف مکمل ہو جانے کے بعد آنے والے نمازی کے لیے کیا حکم ہے؟ کیا وہ پیچھے اکیلا ہی کھڑا ہو جائے یا کسی نمازی کو کھینچ لے۔ اَقْرَبُ اِلَی الصَّوَابِ کون سا موقف ہے۔ وضاحت فرمائیں؟

بلال احمد قریشی شرقپور کلاں شیخوپورہ

ج: اکیلا ہی کھڑا ہو جائے اگر کوئی آدمی بعد میں ساتھ مل گیا تو فبہا ورنہ جتنی رکعات اس نے اکیلے پڑھی ہوں اتنی رکعات اٹھ کر دوبارہ پڑھ لے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔ ﴿مَنْ صَلّٰی خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهُ فَلْيُعِدْ

---

[1] بخاری شریف ـ کتاب الصلوۃ ـ باب التوجہ نحو القبلۃ [2] بنی اسرائیل ۱۱۰ پ ۱۵ [3] [احقاف ۲۹ پ ۲۶]

صَلاتَہٗ﴾ [1] اگلی صف سے آدمی کھینچنے والی روایت کمزور ہے نیز ''پہلی صفوں کو پورا کرو جو نقص ہو وہ آخری صف میں ہو'' والی روایت کے خلاف ہے۔ واللہ اعلم ١٦/٩/١٤١٧ھ

س: اگر نماز با جماعت ہو رہی ہو صف مکمل ہونے کی صورت میں کس طرح صف میں شامل ہوا جائے گا؟

عباس الٰہی ظہیر سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

ج: اس صورت میں اکیلا صف کے پیچھے کھڑا ہو جائے اور اگر کوئی آدمی ساتھ مل جائے تو فبہا ورنہ جتنی رکعات اکیلا پڑھے اتنی امام کے سلام کے بعد اٹھ کر پڑھ لے صف سے آدمی کھینچنے والی روایت کی سند کمزور ہے اور ﴿مَنْ صَلّٰی خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَہٗ فَلْیُعِدْ صَلاتَہٗ﴾ [2] [جو صف کے پیچھے اکیلا نماز پڑھے تو وہ دوبارہ نماز لوٹائے] صحیح حدیث ہے۔ ٢٣/٧/١٤١٤ھ

[بعض علماء کا خیال ہے ''اگر صف میں جگہ ہے تو پیچھے اکیلے آدمی کی نماز نہیں ہوتی اور اگر صف میں جگہ نہیں ہے تو یہ اضطراری کیفیت ہوگی ایسی صورت میں اکیلے ہی کھڑے ہو جانا چاہیے نماز ہو جائے گی کیونکہ اگلی صف میں کسی مقتدی کو پیچھے کھینچنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں [3]]

س: بعض اوقات مسجد میں نماز پڑھنے جاتے ہیں تو صفیں مکمل ہو چکی ہوتی ہیں اگلی صف میں جگہ نہیں ملتی کیا وہ آدمی اکیلا صف میں کھڑا ہو جائے تو اس کی نماز ہو جائے گی؟ محمد قاسم بن محمد سرور

ج: ابو داود، ترمذی وغیرہ میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿مَنْ صَلّٰی خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَہٗ فَلْیُعِدْ صَلاتَہٗ﴾ [جو صف کے پیچھے اکیلا نماز پڑھے وہ اپنی نماز لوٹائے] اور بعض روایات میں ہے ﴿فَلاَ صَلاۃَ لَہٗ﴾ کے لفظ بھی وارد ہوئے ہیں لہٰذا آپ کی مسئولہ صورت میں آدمی اکیلا ہی صف میں کھڑا ہو جائے بعد میں کوئی اور آدمی آ کر ساتھ مل گیا تو فبہا ورنہ جتنی رکعات اس نے اکیلے پڑھی ہیں اتنی دوبارہ پڑھ لے امام کے ساتھ سلام نہ پھیر لے اگلی صف سے آدمی کھینچنے والی روایت کمزور ہے پھر وہ ﴿أَلاَ تَصُفُّوْنَ کَمَا تَصُفُّ الْمَلاَئِکَۃُ﴾ الخ [کیا تم فرشتوں کی طرح صفیں نہیں بناتے [4]] کے منافی بھی ہے اس صورت میں دو آدمیوں کے جماعت کے وقت مقتدی کے امام کے ساتھ کھڑے ہونے یا عورت کے اکیلے ہی صف کے پیچھے کھڑے ہونے پر قیاس کرنا مع الفارق ہے پھر یہ قیاس مذکور

---

[1] ترمذی، ابوداود [ابواب الصفوف باب الرجل یصلی وحدہ خلف الصف] [2] ابوداود - ابواب الصفوف - باب الرجل یصلی خلف الصف وحدہ] [3] [ارواء الغلیل ص ٣٢٩ ج٢] [4] [صحیح مسلم - کتاب الصلوۃ باب الامر بالسکون فی الصلوۃ سنن نسائی - کتاب الامامۃ - باب حث الامام علی رص الصفوف ج١ ص٩٣]

بالانص کے مقابلہ میں ہے "وَالْقِيَاسُ فِي مُقَابَلَةِ النَّصِّ لاَ يَصِحُّ" [اورنص کے مقابلہ میں قیاس درست نہیں]

واللہ اعلم ٢٤/١/١٤٢٠هـ

س: ایک شخص مسجد میں نماز کے لیے آتا ہے پہلی صف مکمل ہو چکی ہو۔ وہ تنہا نماز پڑھتا ہے تو رسول اللہ ﷺ کا فرمان نظر آتا ہے کہ کوئی شخص تنہا صف کے پیچھے نماز نہ پڑھے [1] اور اگر کوئی تنہا نماز نہ پڑھے تو جماعت جارہی ہے کیا وہ صف اول سے آدمی کھینچ سکتا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو وہ تنہا نماز پڑھے یا نہ پڑھے؟

ابوعبدالقدوس کوٹ میاں محمد اکرم شاہ بلاول

ج: ابو داود کی حدیث ﴿قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَتِمُّوْا الصَّفَّ الْمُقَدَّمَ ، ثُمَّ الَّذِیْ يَلِيْهِ ، فَمَا كَانَ مِنْ نَقْصٍ فَلْيَكُنْ فِي الصَّفِّ الْمُؤَخَّرِ﴾ [پہلی صف کو مکمل کرو پھر جو اس کے ساتھ ملتی ہے اور جو کوئی نقص ہو پس وہ آخری صف میں ہو] [2] پر عمل کرتے ہوئے وہ اکیلا ہی صف کے پیچھے کھڑا ہو جائے اگر کوئی اور آدمی اس کے ساتھ آ کر مل جائے تو فبہا ورنہ جتنی رکعتیں اس نے اکیلے پڑھیں امام کے سلام پھیرنے کے بعد ان کا اعادہ کرے کیونکہ ابوداود، ترمذی اور مسند احمد میں حدیث ہے: ﴿رَأَى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ رَجُلاً يُصَلِّیْ خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهٗ فَاَمَرَهٗ اَنْ يُعِيْدَ الصَّلٰوةَ﴾ [3] [رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا وہ صف کے پیچھے اکیلا ہی نماز پڑھ رہا تھا پس آپ ﷺ نے اس کو نماز لوٹانے کا حکم دیا] رہی اگلی صف سے آدمی کھینچنے والی روایت تو وہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں اور امام کی دائیں جانب کھڑے ایک مقتدی کو ایک اور مقتدی آ جانے پر پیچھے کرنے سے اگلی صف سے آدمی کھینچنے پر استدلال درست نہیں ۔ كما لا يخفى . ١٨/١٠/١٤١٧هـ

س: الف نمازی آدمی ہے۔ مگر بعض اماموں کی اقتداء میں نماز صرف اس لیے ادا نہیں کرتا کہ ان کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے اس کا دل مسلسل دکھتا رہتا ہے۔ دوران نماز اس کی بے چینی اپنی انتہاء کو چھو رہی ہوتی ہے۔ امام ایک موحد مسلمان ہے جبکہ اس مصلّی پر کوئی اور امام نماز پڑھائے تو الف نماز میں لذت وراحت محسوس کرتا ہے۔ کیا مذکورہ صورت حال کے باوصف الف اس موحد امام کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کا شرعاً پابند ہے؟ جواب اگر اثبات میں ہو تو ایسی نماز درجہ قبولیت کو پہنچ سکتی ہے جس کے دوران میں نمازی، امام کے پیچھے سے بھاگ جانے پر تلا ہوا امام کے ساتھ کسی قسم کا کوئی اختلاف اور عناد بھی بالکل نہیں ہے۔ محمد صدیق لالہ موسیٰ 17 اکتوبر 1990

---

[1] مفهوماً ابن ماجه وغيره [2] [سنن ابی داود كتاب الصلوة باب تسوية الصفوف] [3] [ابوداؤد۔ابواب الصفوف۔ باب الرجل يصلی وحده خلف الصف.]

ج: مذکورہ صورت حال کے باوصف الف اس موحد امام کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کا شرعاً پابند ہے اور یہ نماز درجہ قبولیت کو بھی پہنچ سکتی ہے ہاں اگر امام کفر یا شرک کا مرتکب ہو تو اس کی اقتداء میں نماز ادا نہ کی جائے۔

۱۴۱۱/۴/۷ھ

س: هَلْ يَؤُمُّ الرَّجُلُ الْمَعْذُوْرُ الَّذِيْ يَقْطُرُ مِنْهُ الْبَوْلُ وَالْحَالُ اَنَّهُ لَيْسَ فِيْ قَوْمِهِ رَجُلٌ اَكْثَرَ حِفْظًا لِلْقُرْآنِ وَلاَ اَعْلَمَ بِالسُّنَّةِ مِنْهُ.

[کیا معذور آدمی امامت کروا سکتا ہے جس کے پیشاب کے قطرے گرتے ہوں اور حالت یہ ہو کہ قوم میں اس سے زیادہ نہ کسی کو قرآن یاد ہے اور نہ ہی کوئی سنت کا عالم ہے] عبدالظاہر نورستانی

ج: يَجُوْزُ لٰكِنَّ الْاَوْلٰى وَالْاَفْضَلَ اَنْ يَؤُمَّ غَيْرُهُ [جائز ہے لیکن بہتر اور افضل یہ ہے کہ کوئی اور جماعت کروائے]

۱۴۱۵/۱/۱۴ھ

س: میں نے جمعہ اول شوال کو صبح کی نماز جامعہ اشرفیہ میں پڑھی اور بعد میں جناب مولانا عبدالرحمٰن صاحب سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا آپ کا رقعہ میں ساتھ ہی لایا ہوا تھا میں نے آپ کا جواب ان کو پڑھ کر سنایا۔ انہوں نے سن کر مجھ سے کہا کہ قرآن میں آیت ہے ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝﴾ [الاعراف:۲۰۴] انہوں نے مجھ سے کہا کہ انہیں لکھو کہ وہ مولانا سرفراز کی کتاب احسن الکلام جو کہ دو جلدوں میں ہے اسکا مطالعہ کریں آیت کی وضاحت جو مولانا سرفراز صاحب نے کی ہے اس کی روشنی میں آپ مندرجہ بالا آیت کو پڑھ لیں ایسا جواب دیں جس کا جواب انہوں نے اپنی کتاب میں نہ دیا ہو۔ مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے مجھ سے کہا کہ انہیں لکھیں کہ آپ کا جواب سن کر دل خوش ہوا۔ آپ کے اخلاص کا پتہ لگا جس سے دل خوش ہوا لیکن اتنی بات رہی کہ جو بات میں نے ان کو کہی تھی وہ نہیں پہنچائی جس کے بارے میں جناب کو یہ لکھنا پڑا نیز مولانا صاحب نے فرمایا کہ قرآن کی مندرجہ بالا آیت کا جو عام معنی ہے اس کے خلاف کرنے کے لیے اگر کوئی حدیث لائیں تو صحیح بھی ہو اور صریح بھی مقتدی کے بارے میں اور یہ بھی فرمایا کہ سورت فاتحہ خلف الامام رفع الیدین سے اہم مسئلہ ہے اور نازک مسئلہ ہے اس لیے بحث جو ہو گی سورت فاتحہ خلف الامام پر ہو گی۔ کاشانہ اسحاق A۔۶۵ فیروز پور روڈ لاہور شوال ۱۴۰۲ھ

ج: آپ نے لکھا ''اور (مولانا عبدالرحمٰن صاحب جامعہ اشرفیہ والوں نے) یہ بھی فرمایا کہ سورۃ فاتحہ خلف الامام رفع الیدین سے اہم مسئلہ ہے اور نازک مسئلہ ہے اس لیے بحث جو ہو گی سورۃ فاتحہ خلف الامام پر ہو گی''۔

اس سے پتہ چلا کہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب جامعہ اشرفیہ والے بات چیت کرنا چاہتے ہیں اس لیے برائے مہربانی آپ جواب ان کے اپنے دست مبارک سے لکھوا کر بھیجا کریں ورنہ وہ پہلے کی طرح پھر بھی کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے میری بات ان تک نہیں پہنچائی لہٰذا آئندہ آپ جواب ان کے اپنے ہاتھ سے لکھوا کر بھیجیں۔

رہا مسئلہ کی اہمیت ونزاکت والا معاملہ تو حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کا مسئلہ تو فاتحہ خلف الامام سے بھی کہیں بڑھ کر اہم اور نازک ہے اس لیے بات چیت ہو تو حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کے موضوع پر ہوتا کہ فاتحہ خلف الامام سمیت تمام اختلافی مسائل حل ہو جائیں فاتحہ خلف الامام پر بات چیت کی صورت میں تو صرف یہی ایک مسئلہ حل ہوگا نیز تقلید کا وجوب ثابت ہونے کی صورت میں بندہ نے مقلد بھی ہو جانا ہے جس کا مولانا موصوف کو دنیا و آخرت میں بہت ہی زیادہ فائدہ پہنچے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

تو خیر کوئی بات نہیں اگر وہ فاتحہ خلف الامام کے موضوع پر ہی بات چیت کرنا چاہتے ہیں اور تھوڑے فائدے کو ہی زیادہ فائدے پر ترجیح دیتے ہیں تو بندہ اسی موضوع پر بات چیت کر لیتا ہے تو آپ نے لکھا ''میں نے آپ کا جواب ان کو پڑھ کر سنایا انہوں نے سن کر مجھ سے کہا کہ قرآن میں آیت ہے ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ انہوں نے مجھ سے کہا کہ انہیں لکھو کہ وہ مولانا سرفراز صاحب کی کتاب احسن الکلام جو کہ دو جلدوں میں ہے اس کا مطالعہ کریں'' الخ۔

تو محترم کتاب احسن الکلام کا بندہ نے پہلے بھی کئی دفعہ مطالعہ کیا ہوا ہے اور آپ کا یہ خط پہنچنے پر میں نے اس کتاب کے مذکورہ بالا آیت مبارکہ سے متعلق باب کو ایک دفعہ پھر بڑی توجہ سے پڑھا تو اس سارے باب میں جو کچھ بیان کیا گیا اس کا حاصل کل تین چیزیں ہیں ۔ (۱) مذکورہ بالا آیت مبارکہ نماز کے بارہ میں نازل ہوئی ہے ۔ (۲) الاستماع کا معنی ہے **الاصغاء** اور **الانصات** کا معنی ہے **السکوت مع الاستماع**۔ (۳) اس سے سراً اور جہراً دونوں طرح قرءات (پڑھنے) کی ممانعت نکلتی ہے۔ میں نے صاحب احسن الکلام کی طرف سے اس آخری اور تیسری چیز پر پیش کردہ مواد پر کافی غور وفکر کیا مگر مجھے اس مواد میں کوئی ایک جملہ بھی ایسا نہیں ملا جو آیت کے سراً قرأت (پڑھنے) کی ممانعت پر دال ہونے کی فی الواقع دلیل بن سکے اس لیے آپ مولانا موصوف سے مؤدبانہ عرض کریں کہ وہ کوئی ایسی دلیل پیش فرمائیں جس سے مذکورہ آیت مبارکہ کا سراً قراءات (پڑھنے) کی ممانعت پر دلالت کرنا فی الواقع ثابت ہو بھی جائے تاکہ بات آگے چل سکے۔ ۱۸ شوال ۱۴۰۲ھ

س: ہمارے گھر کے قریب حنفی دیوبندیوں کی مسجد ہے میں اس مسجد میں نماز پڑھتا ہوں۔ ۲۰ مارچ بروز بدھ عصر کی نماز کے بعد مولوی صاحب نے بیان فرمایا کہ جو شخص سورۃ فاتحہ امام کے پیچھے پڑھتا ہے قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کے انگارے دیئے جائیں گے۔ جس میں مجھے بہت پریشانی ہوئی۔ اس مسئلہ کی قرآن وحدیث سے وضاحت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ رانا محمد رشید مین بازار کلاسوالہ تحصیل پسرور 21/3/96

ج: آپ نے سوال میں لکھا ہے ''مولوی صاحب نے بیان فرمایا کہ جو شخص سورۃ فاتحہ امام کے پیچھے پڑھتا ہے قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کے انگارے دیئے جائیں گے'' ۔مولوی صاحب مذکور کی یہ بات نہ تو قرآن مجید میں ہے اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ کی کسی صحیح یا حسن حدیث میں ہے، البتہ مؤطا امام محمد رحمہ اللہ میں لکھا ہے ''قَالَ مُحَمَّد أَخْبَرَنَا دَاوٗد بْنُ قَيْسٍ الْفَرَاءُ الْمَدَنِي أَخْبَرَنِیْ بَعْضُ وُلْدِ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَاصٍ أَنَّهٗ ذُكِرَ لَهٗ أَنَّ سَعدًا قَالَ وَدِدْتُ اَنَّ الَّذِیْ يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ فِیْ فِيْهِ جَمْرَةٌ'' مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی مؤطا مذکور کے حاشیہ پر لکھتے ہیں: ''قَوْلُهٗ بَعْضُ وُلْدِ بِضَمِّ الْوَاوِ وَسُكُوْنِ اللَّامِ اَیْ اَوْلَادُهٗ وَلَمْ أَعْرِفْ اِسْمَهٗ قَالَ ابْنُ عَبْدِالبَرِّ فِی الاِسْتِذْكَارِ هٰذَا حَدِيْثٌ مُنْقَطِعٌ لاَ يَصِّحُ انتهی'' (۹۸-۹۹) نیز مؤطا امام محمد رحمہ اللہ میں ہے ''قَالَ مُحَمَّد أَخْبَرَنَا دَاوٗدُ بْنُ قَيْسٍ الْفَرَاءُ أَخْبَرَنَا مُحَمَّد بنُ عَجْلاَنَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ لَيْتَ فِیْ فَمِ الَّذِیْ يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ حَجَراً'' (۹۸) تہذیب التہذیب میں لکھا ہے ''محمد بن عجلان ۱۴۸ ہجری میں فوت ہوئے'' (ج۹ص۳۴۲) تو یہ روایت بھی بوجہ محمد بن عجلان کے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہ پانے کے صحیح نہیں اور نہ ہی حسن ہے۔

تو سعد بن ابی وقاص اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما والی یہ دونوں روایتیں کمزور ہیں پھر مولوی صاحب والی بات ''جو شخص سورۃ فاتحہ امام کے پیچھے پڑھتا ہے قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کے انگارے دیئے جائیں گے'' ان دونوں روایتوں میں بھی نہیں ہیں جیسا کہ ان کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے۔ واللہ اعلم ۱۴۱۶/۱۱/۱۰ھ

س: مَا حُكْمُ قِرَاءَةِ الْمَامُوْمِ لِلْفَاتِحَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ ؟ هَلْ هِیَ وَاجِبَةٌ عَلَيْهِ اَمْ اَنَّهَا سُنَّةٌ ؟

[امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کی قراءۃ مقتدی کے لیے کیا حکم رکھتی ہے کیا وہ اس پر واجب ہے یا سنت؟]

صلاح بن عایض الشلاحی الکویت ۲۶ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ

ج: وَاجِبَةٌ [واجب ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ﴿لاَ صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ﴾ [1] جس نے سورہ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں صحیح ابن خزیمہ میں رسول اللہ ﷺ کا صاف فرمان مقتدی کے لیے، ﴿عن

[1] صحیح بخاری ج۱ ص۱۰٤

ابی ھریرہ ﷛ قال قال رسول اللہ ﷺ لَا تُجْزِئُ صَلٰوةٌ لَا يُقْرَأُ فِيْهَا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ قُلْتُ فَإِنْ كُنْتُ خَلْفَ الْإِمَامِ فَأَخَذَ بِيَدِيْ وَقَالَ إِقْرَأْ بِهَا فِيْ نَفْسِكَ يَا فَارِسِيْ﴾ [1] رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نماز میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی گئی وہ کفایت نہیں کرے گی ابو ہریرہ ﷛ کہتے ہیں میں نے کہا اگر میں امام کے پیچھے ہوں؟ آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا اے فارسی اپنے نفس میں پڑھا کر۔ تو ان احادیث سے پتہ چلا امام ہو مقتدی ہو منفرد ہو سب پر سورۃ فاتحہ پڑھنا لازم ہے] ١٤١٦/٥/١١ھ

س: سورۃ فاتحہ امام کے پیچھے پڑھنے کے متعلق۔ کیا یہ سورۃ فاتحہ فرض ہے؟ اگر مقتدی یا امام نہ پڑھے تو اس کی نماز ہو جاتی ہے؟ عبدالواحد گوجرانوالہ 29/1/87

ج: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''نہیں کوئی نماز اس کی جس نے نہ پڑھی فاتحۃ الکتاب'' [2] ١٤٠٧/٦/١ھ

س: سورۃ فاتحہ امام سے پہلے یا امام کے ساتھ یا بعد میں ان تینوں صورتوں میں کون سی صورت افضل ہے؟

اقبال صدیق مدینہ منورہ

ج: سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے امام سے پہلے، امام کے ساتھ اور امام کے بعد تینوں صورتوں میں سے افضل صورت کے متعلق کوئی نص میرے علم میں نہیں۔ ١٤١٢/٨/١٥ھ

س: بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز میں سکتے تین ہیں اور جو درمیانہ سکتہ ہے یعنی سورۃ فاتحہ کے بعد والا جو لوگ نماز کے درمیان میں آتے ہیں یعنی جب امام قرات کرتا ہے وہ آ کر امام کی قرات کو سنے کیونکہ قرآن حکیم میں آیا ہے جب قرآن پڑھا جائے اس وقت سکوت اختیار کیا جائے اور پھر جب امام اپنی قرات مکمل کرے یعنی سورۃ فاتحہ پڑھ لے اس کے بعد آنے والا شخص سورۃ فاتحہ پڑھے اور سکتہ بھی اتنا لمبا ہونا چاہیے کہ وہ شخص سورۃ فاتحہ آسانی سے پڑھ لے اگر ایسا ہی ہے جو میں نے تحریر کیا ہے تو وضاحت کریں؟ سلیم الرحمان فیصل آباد

ج: بلاشبہ نماز کے قیام میں دو یا تین سکتات ثابت ہیں تکبیر تحریمہ اور قرات فاتحہ کے درمیانی سکتہ کا برائے دعائے استفتاح اور بقدر دعائے استفتاح اللھم باعد بيني الخ ہونا تو ثابت ہے البتہ اس کے بعد والے سکتہ کا لمبا ہونا پھر اس کا مقتدیوں کے سورۃ فاتحہ پڑھنے کی خاطر ہونا دونوں چیزیں کسی مرفوع حدیث سے ثابت نہیں ہاں مقتدی کے لیے بھی سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض وضروری ہے خواہ وہ امام کے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے ساتھ ساتھ پڑھ لے یا پہلے یا بعد۔

---

[1] [صحیح ابن خزیمہ ج١ ص٢٤٨] [2] صحیح البخاری [الاذان ۔ باب وجوب القراءۃ للامام والماموم فی الصلوات کلھا ۔ مسلم ۔ الصلاۃ ۔ باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ]

آیت مبارکہ ﴿وَاِذَا قُرِیَٔ الْقُرْاٰنُ الخ﴾ میں صرف انصات واستماع کا حکم ہے اس میں قرات قرآن کے وقت سامع کے سراً قرآن پڑھنے کی نہ نہی ہے نہ نفی نہ مطابقة نه تضمنا نه التزاماً۔ ١٧صفر١٤٠٦ھ

س: حدیث میں ہے آپ ﷺ دو سکتے کیا کرتے تھے ایک تکبیر تحریمہ کے بعد اور دوسرا قرات کے بعد آج کل علماء اس پر عمل نہیں کرتے، حالانکہ اسکا فائدہ یہ ہے کہ پیچھے سے آنے والا اس سکتہ میں سورۃ فاتحہ پڑھ سکتا ہے؟ محمد سلیم بٹ

ج: حدیث پر عمل کرنا چاہیے مگر جو فائدہ آپ نے ذکر کیا وہ کسی حدیث میں نہیں آیا۔ واللہ اعلم ٢٢/١١/١٤١٦ھ

س: جب امام نماز پڑھا رہا ہو تو مقتدیوں کے لیے کیا حکم ہے کہ سورۃ فاتحہ کس وقت پڑھیں؟

ابوسعد منصور ضلع ایبٹ آباد صوبہ سرحد

ج: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿لاَ صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرأ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ﴾ [1] جس نے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اس کی کوئی نماز نہیں تو مقتدی کے لیے بھی نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے خواہ وہ امام کے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے ساتھ پڑھے خواہ پہلے خواہ بعد شریعت نے مقتدی کو ان تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت کا پابند نہیں بنایا۔

٢٧/١١/١٤١٩ھ

س: امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا کون سا طریقہ ٹھیک ہے ذیل میں چند احادیث پیش کرتا ہوں۔ وضاحت فرمائیں کیا یہ ٹھیک ہیں؟ ٹھیک ہیں تو ان کے مطابق فاتحہ پڑھنی چاہیے؟

(۱) سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ دو سکتے کرتے تھے ایک اس وقت جب صلاۃ شروع کرتے اور ایک اس وقت جب آپ ﷺ قرات سے فارغ ہوتے۔

(۲) عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے پیچھے اس وقت پڑھتے جب آپ ﷺ خاموش رہتے پھر آپ ﷺ پڑھتے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کچھ نہیں پڑھتے تھے جب آپ ﷺ خاموش ہو جاتے تو پھر پڑھتے تھے۔

(۳) آپ ﷺ نے خطبہ میں فرمایا: جو شخص امام کے ساتھ صلاۃ پڑھ رہا ہو اسے چاہیے کہ جب امام سکتہ کرے تو امام سے پہلے ہی سورۃ فاتحہ پڑھ لے۔

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: امام کے دو سکتے ہوتے ہیں ان دونوں میں سورۃ فاتحہ کی قرات کو لوٹ لو۔

(۵) جب امام سورۃ فاتحہ پڑھے تو تم بھی سورۃ فاتحہ پڑھو اور اس سے پہلے پڑھو۔ برائے مہربانی مندرجہ بالا روایات کی وضاحت فرمائیں۔ اکثر علماء کرام دو سکتہ نہیں کرتے کیا دوسرا سکتہ کرنا چاہیے یا نہیں؟ ملک محمد یعقوب ہری پور 18/2/90

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب وجوب القراءۃ للامام والماموم فی الصلوٰت کلها فی الحضر والسفر و ما یجهر فیها وما یخافت

ج :اس سوال میں مندرج روایات سے متعلقہ جوابات ترتیب وار نیچے لکھے جاتے ہیں بفضل اللہ تعالیٰ وتوفیقہ۔

(۱) دوسکتوں سے متعلق سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ والی روایت ضعیف ومعلول ہے کیونکہ اس کی سند میں حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں ان کے متعلق تقریب میں لکھا ہے ''وكان يرسل كثيرا ويدلس'' (۶۹) یہ کثرت سے ارسال اور تدلس کیا کرتے تھے اور اس مقام پر انہوں نے سماع کی تصریح نہیں فرمائی اس اجمال کی تفصیل معلوم کرنا چاہتے ہوں تو ارواء الغلیل (۲/۲۸۴-۲۲۸/۵۰۵) اور سلسلہ ضعیفہ (۲/۲۵-۲۶/۵۴۷) دیکھ لیں۔

(۲) عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی یہ روایت قرات کے دوران وقفات وسکتات سے متعلق ہے جیسا کہ اس کے الفاظ سے ظاہر ہے اور آیات کے درمیان وقفات رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں تو عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے دوسکتوں پر استدلال درست نہیں یاد رہے تحریمہ کے بعد اور قرات سے پہلے والا سکتہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔

(۳) اس کی ایک سند میں ابن لہیعہ اور دوسری سند میں مثنی بن صباح ہیں یہ دونوں ضعیف ہیں بر سبیل تنزل اگر تسلیم کرلیا جائے کہ یہ روایت حسن لغیرہ ہے جیسا کہ صلاۃ المسلمین والے کی عبارت سے واضح ہے تو بھی اس سے دوسکتے ثابت نہیں ہوتے اس سے تو صرف ایک ہی سکتہ ثابت ہوتا ہے جو قرات سے پہلے ہوتا ہے اور اس سکتے پر تمام امام عمل کرتے ہیں۔

(۴) یہ روایت موقوف ہے اور موقوف حجت نہیں کیونکہ حجت اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت ثابتہ ہے پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ایک قول تو یہ ہے اور دوسرا قول وہ ہے جس کو آپ نے نمبر پانچ میں ذکر کیا ہے اور اس میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حکم دے رہے ہیں ''وَاسبِقْهُ'' اور اس سے (امام سے) پہلے پڑھ لو'' اگر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دوسرے سکتے میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کے قائل ہوتے تو مقتدی کو امام سے پہلے سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم نہ دیتے تو اس روایت سے پتہ چلا کہ نمبر چار والی روایت کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرنا بعض راویوں کا وہم ہے وہ تو ابوسلمہ۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ کا قول ہے جسے غلطی سے کسی راوی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول بنا دیا ہے۔ واللہ اعلم ۱/۸/۱٤۱۰ھ

س :(۱) ماذا موقف الشيخ الالباني حفظه الله حول القراءة خلف الامام وما كتبه في هذا الموضوع في رسالته النافعة الشهيرة صفة صلاة النبي ﷺ من صفحة ۷۹ الى صفحة ۸۲؟

(۲) جهر المؤتمين بقولهم سبحان ربى الاعلى فيما يقرأ الامام سبح اسم ربك الاعلى هل

يجوز ؟

ج: بسم الله الرحمن الرحيم

من عبدالمنان النور فورى إلى أخيه الشاهد الخانفورى حفظهما الله تعالى

وعليكم السلام ورحمة الله وبركاته

أما بعد ! فقد وصلنى منك مكتوب سألتنى فيه عن شيئين :

الاول : موقف الشيخ الالبانى حفظه الله تعالى حول القراء ة خلف الامام وما كتبه فى هذا الموضوع فى رسالته النافعة الشهيرة صفة صلاة النبى ﷺ من صفة ۷۹ الى صفحة ۸۲ .

الثانى : جهر المؤتمين بقولهم : سبحان ربى الاعلى . حينما يقرأ الإمام سبح اسم ربك الاعلى، وكذا جهرهم بأجوبة بعض الآيات التى سئل فيها عن شىء .

الجواب عن السؤال الأول

(۱) إن الشيخ حفظه الله تعالى ادعى أن القراء ة وراء الإمام فى الجهرية ولو كانت قرائة الفاتحة منسوخة ، وذالك انه ذكر عنواناً بقوله : نسخ القراء ة وراء الإمام فى الجهرية . لكنه لم يأت بما يثبت دعواه هذه كما سترى إن شاء الله تعالى .

(۲) ان فى قوله : وكان قد أجاز للمؤتمين ان يقرؤوا بها اى بالفاتحة وراء الامام فى الصلاة الجهرية حيث كان فى صلاة الفجر الخ (۷۹) تقصيرا واضحا لان هذا الحديث نص صريح فى ان النبى ﷺ قد اوجب قراء ة الفاتحة وراء الامام فى الجهرية ايضا ، فان النبى ﷺ قد علل قوله فى هذا الحديث : لا تفعلوا الا (ان يقرأ أحدكم) بفاتحة الكتاب . بقوله فيه : فانه لا صلاة لمن لم يقرأ بها .

وهذا التعليل الجليل من النبى الخليل – عليه صلوات الله الوكيل – يفيد الوجوب لا الجواز ايها الاخ النبيل اسعدنا الله سبحانه وتعالى بالاجر الجزيل.

والشيخ حفظه الله تعالى قد رجع عن هذا التقصير ، وقال بوجوب قراء ة الفاتحة على المقتدى وراء الامام فى الجهرية ايضاً حيث كتب فى تلخيص صفة الصلاة : ويجب على

المقتدى ان يقرأها وراء الامام فى السرية ، وفى الجهرية ايضاً ان لم يسمع قراء ة الامام ،او سكت هذا بعد فراغه منها سكته .الى آخر ما ذكرت فى المكتوب .

فقد اصاب حفظه الله تعالى فى رجوعه عن القول بالجواز الى القول بالوجوب وعن القول بالنسخ فى الجهرية الى القول بالاحكام وعدم النسخ فيها ايضا ، وقد اصاب ايضا فى قوله : وان كنا نرى ان هذا السكوت لم يثبت فى السنة .

لكنه اخطأ اجره الله تعالى فى قوله : ان لم يسمع قراء ة الامام : فان الحديث الذى اشرنا اليه من قبل ، وكتبه الشيخ حفظه الله تعالى اول ما كتب تحت عنوان نسخ القراء ة الخ فى صفة الصلاة يوجب قراء تها على المقتدى وان كان يسمع قراء ة الامام، وكذالك غيره من الاحاديث ، وهذا لا يخفى .

(٣) وما كنا نحتاج بعد هذا الى ان نتكلم على ما كتب الشيخ حفظه الله تعالى بعد بقوله : ثم نهاهم عن القراء ة كلها فى الجهرية ، وذالك حينما انصرف من صلاة جهر فيها بالقراء ة الخ (٨٠) لكن نريد ان تستفيد ، فنقول : ان فى الاستدلال بهذه الاحاديث على مطلوبه المذكور نظراً من وجوه .

الاول ان لفظ : فانتهى الناس عن القراء ة الخ من كلام الزهرى رحمه الله تعالى وليس من كلام ابى هريرة ﷺ قال المحدث المباركفورى فى شرح الترمذى رحمهما الله تعالى : قال الحافظ فى التلخيص الحبير : وقوله : فانتهى الناس . الى آخره مدرج فى الخبر من كلام الزهرى بينه الخطيب ، واتفق عليه البخارى فى التاريخ ، وابوداود ، ويعقوب بن سفيان ، والذهلى ، والخطابى ، وغيرهم . انتهى .[1]

الثانى انا سلمنا انه من قول ابى هريره ﷺ كما هو تحقيق الشيخ حفظه الله تعالى لكن ليس فيه : فانتهى الناس عن القراء ة كلها مع الخ ، وانما فيه فانتهى الناس عن القراء ة مع الخ ، وبين اللفظين فرق واضح .

وانما اريد به فانتهى الناس عن قراء ة ما بعد الفاتحة مع الخ والدليل على هذا نهيهﷺ

[1] التحفة /١/ ٢٥٥

للمؤتمين عن قراء ة ما بعد الفاتحة في الجهرية ، وامره لهم بقراء ة الفاتحة في الجهرية ايضا ، فالناس انما انتهوا عما نهوا عنه — وهو القراء ة بعد الفاتحة لا عما امروا به وهو قراء ة الفاتحة—

والعام يكون مبنيًّا على الخاص الا ترى ان النبى ﷺ نهى عن الصلاة حين تطلع الشمس ، وحين تغرب ، ومع ذالك قال ﷺ : من ادرك ركعة من الصبح قبل ان تطلع الشمس . الحديث ، فالنهى عام ، وحديث : من ادرك الخ خاص فبنى العام على الخاص ، وقد عمل الشيخ حفظه الله تعالى على هذه القاعدة فى مواضع كثيرة كما تشهد به كتبه الكثيرة النافعة فكذالك هنا يبنى الحديث العام الذى فيه فانتهى الناس عن القراء ة الخ على الحديث الخاص الذى فيه لا تفعلوا الا الخ .

الثالث ان كلّ واحد من ائتمام المقتدى ، واستماعه ، وانصاته لا ينفى ولا ينافى ان يقرأ فاتحة الكتاب وغيرها وراء الامام فى نفسه سرًّا . نعم هذه الثلاثة تنفى او تنافى جهره بها وراء الامام ، فجهر المؤتم بها منهى عنه لاجل الائتمام ، والاستماع ، والانصات ، ولاجل المنازعة والمخالجة ، وهما انما تتأتيان بجهر المقتدى.

واما قراء ة ما عدا الفاتحة وراء الامام فى الجهرية فمنهى عنها لقوله ﷺ : لا تفعلوا الا الخ.

فالذى تقضى به الادلة هو وجوب قراء ة الفاتحة سرًّا على المقتدى سواء اقرأها قبل قرأة الامام بها ، ام معها ، ام بعدها ، ام اثناء وقفاته بين آيها لان النبى ﷺ قال للمؤتمين : لا تفعلوا الاّ (ان يقرأ أحدكم) بفاتحة الكتاب فانه لا صلاة لمن لم يقرأ بها .

ومما يدل على ان الانصات والاستماع لا ينافيان القرأة سراً ، ولا ينفيانها ان النبى ﷺ كان يقرأ القرآن فى خطبة الجمعة : كما فى صحيح مسلم وغيره ، وقد امر النبى ﷺ سليكاً رضی اللہ عنہ ان يركع ركعتين اثناء خطبته ، ثم قال : اذا جاء احدكم والامام يخطب فليركع ركعتين وليتجوّز فيهما . اخرجه مسلم .

فهذا الذى يركع ركعتين يقرأ فيهما سرا ، ويستمع للامام وينصت لقراء ته فى الخطبة

فلا منافاة بين القرأة السرية ، وبين الانصات ، والاستماع ، وانما المنافاة بين الجهر بالقرأة وغيرها، وبين الانصات والاستماع ، ونحن لا نجيز الجهر وراء الامام ، فقد عملنا بما يوجب قرأة الفاتحة وراء الامام ، وبما يوجب الائتمام ، والاستماع ، والانصات ، وبما ينهى عن المنازعة والمخالجة مع الامام .

فان قيل : ان هاتين الركعتين مستثنيتان من عموم حكم الاستماع والانصات لاجل قول رسول الله ﷺ : اذا جاء احدكم والامام يخطب فليركع ركعتين . الحديث

قلنا : ان قراء ة المقتدى للفاتحة وراء الامام سرا في الجهرية ايضا مستثناة من عموم حكم الاستماع والانصات لاجل قول رسول الله ﷺ : لا تفعلوا الا (ان يقرأ أحدكم) بفاتحة الكتاب فانه لا صلاة لمن لم يقرأ بها.

وانما قلنا هذا مشياً على طريق الشيخ حفظه الله تعالى ومن وافقه من اهل العلم ، والا فلا استثناء في مسالة الركعتين اثناء الخطبة ، ولا في مسالة قراء ة المقتدى للفاتحة وراء الامام لان الاستثناء يترتب على المنافاة ، وقد عرفت ان لا منافاة بين الاسرار بالقراء ة وغيرها وبين الاستماع والانصات .

الرابع ان اكثر اهل العلم بالحديث قد ذهبوا الى ان حديث : من كان له امام فقرأة الامام له قرأة. ليس بصحيح ، ولا حسن – انظر التفصيل في موضعه – فلا تقوم به الحجة .

سلمنا على سبيل التنزل ان الحديث حسن كما ذهب اليه الشيخ حفظه الله تعالى ومن وافقه لكن نقول : ان العام يبنى على الخاص ، فيكون المقصود بالقراء ة في الحديث قرأة ما بعد الفاتحة بدليل قوله ﷺ : لا تفعلوا الا (ان يقرأ أحدكم) بفاتحة الكتاب الخ ، وقوله : لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب . وغير ذالك من الاحاديث التي توجب قرأة الفاتحة ، فتكون قرأة الفاتحة واجبة على المقتدى في الجهرية ايضا ، وتكون قرأة ما بعد الفاتحة منهيا عنها في الجهرية فقط .

وهذا الفرق بين قرأة الفاتحة ، وبين قرأة ما بعدها لاجل ان قرأتها ركن من اركان الصلاة ،

وانه لا صلاة لمن لم يقرأ بها .

الخامس ان الشيخ حفظه الله تعالى ومن وافقه لم يأتوا بما يثبت ان احاديث : فانتهى الناس عن القرأة الخ ، و : واذ قرأ فأنصتوا . و : من كان له امام الخ كلها او بعضها متاخّرة عن الاحاديث التي توجب قرأة الفاتحة على المقتدى فلا يسع لهم ادعاء النسخ .

فالحاصل ان النبي ﷺ انما انكر التشويش على الامام ، والمنازعة والمخالجة معه، وهذه انما تتصوّر بان يجهر المقتدى وراء الامام ، ولم ينكر ﷺ قرأة المقتدى وراء الامام بالفاتحة سرًّا ، بل قد أوجبها عليه وراء الامام ايضا بقوله : لا تفعلوا الا (ان يقرأ أحدكم) بفاتحة الكتاب الخ ، وبقوله : لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب . وغير ذالك من احاديث الباب ، ولم ينسخها ﷺ قط ، والله اعلم

الجواب عن السؤال الثاني

انك قد علمت ان المؤتم مأمور بالاستماع والانصات حينما يقرأ الامام ومنهى عن التشويش على الامام ، والمنازعة والمخالجة معه ، فلا يجوز له الجهر باجوبة الآيات ايضا وراء الامام ، والله اعلم   ابن عبدالحق بقلمه سرفراز كالونى .

كوجرانواله . باكستان ٢٩/٧/١٠ ١٤هـ

[بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ازعبدالمنان نورپوری بطرف برادر محترم شاہد خانپوری (حفظہما اللہ تعالیٰ)

آپ کا خط موصول ہو چکا ہے، اس میں آپ نے دو چیزیں پوچھی ہیں:

(۱) ''قراءۃ خلف الامام'' کے بارے میں شیخ البانی حفظہ اللہ کا موقف اور اس موضوع پر ان کی مشہور کتاب صفۃ صلاۃ النبی ﷺ ص ۷۹۔۸۲ میں لکھی ہوئی ان کی تحریر۔

(۲) امام جب ''سبح اسم ربك الاعلى '' کہتا ہے تو مقتدیوں کا بلند آواز سے ''سبحان ربی الاعلی '' کہنا، اسی طرح بعض دوسری آیات جن میں کسی چیز کا سوال ہے، مقتدیوں کا ان آیات کا بلند آواز سے جواب دینا۔

پہلے سوال کا جواب:

(۱) شیخ البانی حفظہ اللہ تعالیٰ نے دعویٰ کیا ہے کہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت ۔خواہ فاتحہ کی قرات ہو۔ منسوخ ہو چکی ہے، ان کا یہ دعویٰ ان کے ذکر کردہ اس عنوان ''**نسخ القراء ة وراء الامام في الجهرية**'' سے ظاہر ہے۔لیکن جس طرح آپ ان شاء اللہ تعالیٰ دیکھیں گے کہ انہوں نے کوئی ایسی دلیل پیش نہیں کی جو ان کے دعویٰ کو ثابت کر سکے۔

(۲) ص ۷۹ پر البانی صاحب لکھتے ہیں کہ: ''نبی ﷺ جب فجر کی نماز میں تھے تو آپ نے مقتدیوں کو جہری نماز میں فاتحہ پڑھنے کی اجازت دے دی تھی''۔

شیخ البانی کا یہ قول واضح طور پر ان کے موقف کو کمزور کرتا ہے، کیونکہ یہ حدیث ﴿**لا تفعلوا الا (ان يقرأ احدكم) بفاتحة الكتاب**﴾ نص صریح ہے کہ نبی ﷺ نے امام کے پیچھے جہری نماز میں فاتحہ پڑھنے کو واجب اور فرض ٹھہرایا ہے۔اور وجوب کی علت یہ بیان فرمائی کہ ﴿**فانه لا صلوة لمن لم يقرأ بها**﴾ جو اسے نہیں پڑھے گا اس کی کسی قسم کی نماز نہیں ہوگی۔ [1]

تو برادرم! نبی ﷺ نے فاتحہ پڑھنے کی جو علت بیان فرمادی ہے (کہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی) فاتحہ کے جواز کا نہیں بلکہ وجوب کا فائدہ دیتی ہے۔

شیخ حفظہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس کوتاہی سے رجوع بھی فرمالیا ہے اور جہری نماز میں مقتدی پر امام کے پیچھے قراۃ الفاتحہ کے وجوب کے قائل ہو گئے ہیں چنانچہ اسی کتاب ''صفۃ صلاۃ النبی ﷺ'' کی جب انہوں نے تلخیص کی تو اس میں لکھا: ''سری نمازوں میں امام کے پیچھے مقتدی پر فاتحہ پڑھنا واجب ہے، جہری نمازوں میں بھی اگر امام کی قرات سنائی نہ دے، یا فاتحہ پڑھ کر امام کچھ دیر کے لیے سکتہ کرے تو مقتدی پر فاتحہ پڑھنا واجب ہے''۔

شیخ حفظہ اللہ تعالیٰ نے فاتحہ کے ''جواز'' سے ''وجوب'' کی طرف اور جہری میں ''منسوخ'' سے ''محکم'' ''عدم نسخ'' کی طرف جو رجوع کرلیا ہے یہی درست ہے، ان کی یہ بات بھی درست ہے۔

''اگرچہ ہمارے خیال میں امام کا یہ سکتہ کرنا (فاتحہ پڑھ کر مقتدیوں کو فاتحہ پڑھنے کے لیے وقت دینا سنت سے ثابت نہیں) لیکن شیخ (اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے) کی یہ بات درست نہیں کہ: ''اگر امام کی قرات نہ سنے تو پھر مقتدی فاتحہ پڑھ سکتا ہے''۔

---

[1] [ابو داود ۔ الصلاۃ ۔ باب من ترك القراءة في صلاته۔ ترمذی ۔ الصلاۃ ۔ باب في القراءة خلف الامام]

کیونکہ جس حدیث کی طرف ہم پہلے اشارہ کر آئے ہیں اور شیخ حفظہ اللہ تعالیٰ بھی شروع میں ''نسخ القراۃ'' کے عنوان کے تحت درج کر چکے ہیں، یہ حدیث مقتدی پر فاتحہ کی قرات کو واجب کرتی ہے خواہ وہ امام کی قرات سن رہا ہو، اسی طرح دوسری احادیث سے بھی یہ چیز ثابت ہوتی ہے۔اور یہ مخفی نہیں بلکہ واضح ہے۔

(۳) اس کے بعد ہم مزید ضرورت تو نہیں سمجھتے کہ شیخ حفظہ اللہ تعالیٰ کی بات ''پھر ایک جہری نماز سے نبی ﷺ فارغ ہوئے تو صحابہ کو جہری نماز میں ہر قسم کی قرات سے منع کر دیا''۔ پر کلام کریں لیکن آپ کے استفادہ کے لیے کہتے ہیں کہ: شیخ حفظہ اللہ تعالیٰ نے ان احادیث سے جو مطلب لیا ہے وہ کئی اعتبار سے قابل نظر ہے:

(۱) روایت کے الفاظ ''فانتهى الناس عن القراة الخ'' زہری رحمہ اللہ کی کلام ہے نہ کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی۔

محدث مبارکپوری ترمذی (رحمہما اللہ تعالیٰ) کی شرح میں فرماتے ہیں:

''حافظ ابن حجر نے التلخيص الحبير میں کہا ہے کہ یہ الفاظ: فانتهى الناس الخ روایت میں زہری کی کلام سے درج ہیں اور یہ بات خطیب نے بیان کی ہے، تاریخ میں بخاری نے بھی اس پر اتفاق کیا ہے اور ابوداود، یعقوب بن سفیان، ذہلی اور خطابی وغیرہ بھی اسی بات پر متفق ہیں۔انتہی [1]

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ ہم شیخ حفظہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق کے مطابق مان لیتے ہیں کہ یہ ابو ہریرہ کا ہی قول ہے۔لیکن اس میں یہ نہیں ہے کہ ''لوگ ہر قسم کی قرات سے رک گئے'' بلکہ الفاظ یہ ہیں کہ ''لوگ قرات سے رک گئے'' اور دونوں لفظوں میں واضح فرق ہے۔

مطلب یہ ہوگا کہ لوگ مابعد الفاتحہ کی قرات سے رک گئے، دلیل اس کی یہ ہے کہ نبی ﷺ نے مقتدیوں کو جہری نمازوں میں مابعد الفاتحہ کی قرات سے منع کیا ہے اور فاتحہ کی قرات کا جہری نمازوں میں بھی حکم دیا ہے۔تو لوگ اس سے رکے جس سے انہیں روکا گیا تھا۔اور وہ تھا فاتحہ کے بعد قرات کرنا، نہ کہ فاتحہ پڑھنے سے باز آ گئے تھے جس کے پڑھنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا! اور عام کی بنا خاص پر ہوتی ہے، کیا آپ دیکھتے نہیں کہ نبی ﷺ نے سورج کے طلوع وغروب کے وقت نماز سے منع فرمایا لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے سورج طلوع ہونے سے پہلے ایک رکعت پا لی۔(الحدیث)

تو نہی عام ہے اور حدیث ''من ادرك ركعة'' الخ خاص ہے، لہٰذا عام کی بنیاد خاص پر رکھی گئی۔

شیخ حفظہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس قاعدہ کو بہت ساری جگہوں میں اختیار کیا ہے جیسا کہ ان کی کئی قیمتی اور مفید کتب

---

[1] التحفة /۱/ ۲۵۵

اس پر شاہد ہیں۔ لہٰذا یہاں بھی عام حدیث ''فانتھی الناس عن القراۃ'' الخ کی بنیاد خاص حدیث ''**لا تفعلوا الا**'' الخ پر ہوگی۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ مقتدی کی اقتداء (پیروی)، استماع (غور سے سننا) اور انصات (خاموش رہنا) ان میں سے کوئی چیز بھی امام کے پیچھے دل میں سری طور پر فاتحہ وغیرہ کے مانع اور مخالف نہیں، ہاں! یہ تینوں چیزیں (اقتداء، استماع، انصات) امام کے پیچھے فاتحہ وغیرہ کو جہراً پڑھنے کی مانع اور مخالف ہیں۔ تو مقتدی کا فاتحہ وغیرہ کو جہراً پڑھنا اقتداء، استماع، اور انصات کی وجہ سے منع ہے اور اس لیے بھی کہ جہراً پڑھنے سے امام کے ساتھ منازعہ (چھینا جھپٹی) والی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

رہا جہری نمازوں میں فاتحہ کے علاوہ امام کے پیچھے کچھ پڑھنا، تو یہ نبی ﷺ کی اس حدیث سے منع ہے۔ ﴿**لا تفعلوا الا**﴾ الخ کہ فاتحہ کے علاوہ کچھ نہ پڑھو۔

تو دلائل کا تقاضا یہی ہے کہ مقتدی پر فاتحہ سری طور پڑھنا واجب ہے خواہ وہ اسے امام سے پہلے پڑھ لے، اس کے ساتھ پڑھ لے، بعد میں پڑھ لے یا امام جب اس کی آیات کے درمیان وقفہ کرتا ہے اس وقت پڑھ لے۔ کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا: نہ پڑھو الاّ (یہ کہ تم میں سے کوئی پڑھے) فاتحہ الکتاب، کیونکہ جو اس کو نہیں پڑھتا اس کی کوئی نماز نہیں۔

اس بات کی دلیل کہ انصات اور استماع سری قرات کے منافی اور مانع نہیں یہ ہے کہ نبی ﷺ جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ خطبہ جمعہ میں قرآن مجید کی قرات کرتے تھے، اور آپ ﷺ نے سلیک غطفانی رضی اللہ عنہ کو اپنے خطبے کے دوران دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا، پھر عام حکم بھی ارشاد فرمایا کہ: ''جب تم میں سے کوئی آدمی آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو ہلکی دو رکعتیں پڑھے''۔

تو یہ جو دو رکعتیں پڑھے گا ان میں سری طور پر قرات بھی کرے گا، خطبہ بھی سنے گا اور خطبہ میں جو آیات پڑھی جا رہی ہیں ان کے لیے خاموشی بھی اختیار کرے گا۔

معلوم ہوا کہ سری قرات کرنا انصات واستماع کے منافی نہیں منافات قرات وغیرہ کو جہراً کرنے اور انصات واستماع کے درمیان ہے۔ جبکہ ہم امام کے پیچھے جہر کو جائز نہیں سمجھتے۔

ہمیں دلیل سے معلوم ہو چکا ہے کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا واجب ہے، مقتدی کے لیے استماع اور انصات

لازم ہے اور امام کے ساتھ منازعہ (بلند آواز سے پڑھ کر امام کی قرات میں خلل پیدا کرنا) منع ہے۔
اگر کہا جائے کہ دوران خطبہ کی یہ دو رکعتیں استماع وانصات کے عمومی حکم سے رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث سے مستثنیٰ ہیں کہ ﴿اذا جاء احدکم والامام یخطب فلیرکع رکعتین﴾ [1] (الحدیث) (جب تم میں سے کوئی امام کے خطبہ کے دوران آئے تو دو رکعت پڑھے)

ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ استماع وانصات کے عمومی حکم سے امام کے پیچھے جہری نمازوں میں سری قرات کرنا رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث سے مستثنیٰ ہے کہ ﴿لا تفعلوا الا (ان یقرأ احدکم) بفاتحة الکتاب فانه لا صلوة لمن لم یقرأ بها﴾ (نہ پڑھو مگر یہ کہ تم میں سے کوئی فاتحہ الکتاب پڑھے، بلاشبہ اس آدمی کی کوئی نماز نہیں جو اسے نہ پڑھے)

یہ بات ہم نے شیخ حفظہ اللہ تعالیٰ اور ان کے موافق علماء کے طریقے پر چلتے ہوئے کی ہے، ورنہ دوران خطبہ دو رکعتوں کے مسئلہ میں کوئی استثناء نہیں، نہ ہی امام کے پیچھے مقتدی کے فاتحہ پڑھنے میں استثناء ہے کیونکہ استثناء تو وہی ہوتی ہے جہاں دو چیزیں آپس میں مخالف آ رہی ہوں، اور یہ تو آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ سری قرات وغیرہ استماع وانصات کے منافی نہیں۔

(۴) چوتھی بات یہ ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک روایت ''من کان له امام فقراءة الامام له قراءة'' (جس کا کوئی امام ہو تو امام کی قراءت اس (مقتدی) کی قراءت ہے) صحیح چھوڑ کر حسن درجے کی بھی نہیں (تفصیل اس کے مقام پر دیکھئے) لہٰذا یہ دلیل نہیں بن سکتی۔

تھوڑی دیر کے لیے ہم شیخ حفظہ اللہ تعالیٰ اور ان کے موافق علماء کے مطابق مان لیتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے لیکن ہم کہتے ہیں کہ عام کی بنیاد خاص پر ہوتی ہے، لہٰذا حدیث میں قراءت سے مراد ''فاتحہ سے بعد کی قراءت'' ہوگی اس کی دلیل نبی ﷺ کی حدیث ﴿لا تفعلوا الا (ان یقرا احدکم) بفاتحة الکتاب الخ﴾ اور ﴿لا صلوة لمن لم یقرء بفاتحة الکتاب﴾

اور اس کے علاوہ وہ احادیث ہیں جو فاتحہ کی قراءت کو واجب ٹھہراتی ہیں، تو مقتدی پر جہری نمازوں میں بھی فاتحہ پڑھنا واجب ہوگا اور فاتحہ کے بعد والی قراءت صرف جہری نمازوں میں منع ہوگی۔

(۵) پانچویں بات یہ ہے کہ شیخ حفظہ اللہ تعالیٰ اور ان کے موافق علماء کوئی ایسی دلیل پیش نہیں کر سکے جس سے ثابت ہو

---

[1] [مسلم۔الجمعة۔باب التحیة والامام یخطب]

کہ (i) ''فانتھی الناس عن القراۃ الخ'' (ii) ''واذا قراء فانصتوا'' (iii) ''من کان له امام فقراء ۃ الخ''

یہ ساری یا ان میں سے بعض احادیث ان احادیث سے متاخر ہیں جو فاتحہ کی قرات کو مقتدی پر واجب کرتی ہیں۔ تو جب ایسا ثابت نہیں کر سکے تو نسخ کا دعویٰ کرنا انہیں جائز نہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نبی ﷺ نے جو امام پر تشویش اور منازعہ کا انکار کیا کہ (ما لی انازع القرآن) تو امام کو تشویش اس وقت ہوتی ہے جب مقتدی امام کے پیچھے جہراً قراءت کرے اور مقتدی کا امام کے پیچھے سری فاتحہ پڑھنے سے آپ ﷺ نے انکار نہیں کیا بلکہ اسے امام کے پیچھے پڑھنا بھی حدیث ﴿لا تفعلوا الا (ان یقرأ أحدکم) بفاتحة الکتاب الخ﴾ وغیرہ سے واجب ٹھہرایا، اور آپ ﷺ نے کبھی بھی اُسے منسوخ نہیں کیا۔ واللہ اعلم

دوسرے سوال کا جواب:

یہ تو آپ معلوم کر چکے ہیں کہ مقتدی پر امام کی قراءت کے دوران استماع و انصات لازم ہے اور امام پر تشویش، ونزاع ڈالنا منع ہے، لہٰذا مقتدی کے لیے امام کے پیچھے آیات کا بلند آواز سے جواب دینا بھی جائز نہیں۔ واللہ اعلم]

س : کوئی مسافر شخص مقامی امام کے ساتھ آخری دو رکعات میں شریک ہوا۔ اب مسافر صرف اپنی دو رکعت ہی ادا کرے گا یا وہ چار رکعت والی نماز کی پہلے دو رکعتوں کی ادائیگی بھی بعد میں کرے گا اگر وہ صرف دو رکعت ہی پڑھے گا تو کیا مسافر شخص مقامی امام کے ساتھ پہلی والی دو رکعتوں کے ساتھ اپنی قصر نماز ادا کر سکتا ہے بایں صورت کہ امام اپنی چار رکعات والی نماز پوری ادا کرے گا اور مسافر پہلی دو رکعتوں کے بعد سلام پھیر دے گا؟ عبدالقیوم انصاری لاہور

ج : امام شوکانی رحمہ اللہ نیل الاوطار میں بحوالہ مسند امام احمد رحمہ اللہ ج ۳ ص ۲۰۵ باب اقتداء المقیم بالمسافر لکھتے ہیں ''عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ سُئِلَ مَا بَالُ الْمُسَافِرِ یُصَلِّیْ رَکْعَتَیْنِ اِذَا انْفَرَدَ وَاَرْبَعًا اِذَا ائْتَمَّ بِمُقِیْمٍ فَقَالَ تِلْکَ السُّنَّةُ وَفِیْ لَفْظٍ اَنَّهٗ قَالَ لَهٗ مُوْسٰی بْنُ سَلَمَةَ اِنَّا اِذَا کُنَّا مَعَکُمْ صَلَّیْنَا اَرْبَعًا وَاِذَا رَجَعْنَا صَلَّیْنَا رَکْعَتَیْنِ ؟ فَقَالَ تِلْکَ سُنَّةُ اَبِی الْقَاسِمِ ﷺ وَقَدْ اَوْرَدَ الْحَافِظُ هٰذَا الْحَدِیْثَ فِی التَّلْخِیْصِ وَلَمْ یَتَکَلَّمْ عَلَیْهِ وَقَالَ اِنَّ اَصْلَهٗ فِیْ مُسْلِمٍ وَالنَّسَائِیْ بِلَفْظٍ قُلْتُ لِاِبْنِ عَبَّاسٍ کَیْفَ اُصَلِّیْ اِذَا کُنْتُ بِمَکَّةَ اِذَا لَمْ اُصَلِّ مَعَ الْاِمَامِ ؟ قَالَ رَکْعَتَیْنِ سُنَّةُ اَبِی الْقَاسِمِ'' ۹/۱۰/۱۴۰۷ھ

[حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان ہے کہ وہ سوال کیے گیے مسافر کے متعلق کہ جب وہ اکیلا نماز پڑھے

تو دو رکعتیں اور جب کسی مقامی امام کی اقتداء کرے تو وہ چار رکعتیں پڑھے تو آپ نے فرمایا یہ سنت ہے الخ]

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مقتدی امام کے پیچھے امام سے کم رکعات نہیں پڑھ سکتا کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کے خلاف ہے۔

س: امام اگر قراءت لمبی کر دے اور مقتدی اکیلا نماز پڑھ کر چل دے تو کیسا ہے؟ کیا اس وقت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ والی حدیث پر عمل کر سکتے ہیں؟ ❶ محمد سلیم بٹ

ج: نمازوں میں رسول اللہ ﷺ سے منقول قراءت سے لمبی قراءت میں یہ غور ہو سکتا ہے مگر میرے علم میں آج کل کوئی امام بھی رسول اللہ ﷺ کی نمازوں میں قراءت سے لمبی قراءت نہیں کرتا۔ ١٤١٦/١١/٢٣ھ

س: کم از کم کتنی عمر کا بچہ جماعت کروا سکتا ہے؟ ابوعبدالقدوس کوٹ میاں محمد اکرم شاہ بلاول

ج: عمر کی تحدید کتاب و سنت میں کہیں وارد نہیں ہوئی امام اَقْرَأُ والی حدیث کے معیار پر پورا اترتا ہو تو جماعت کروا سکتا ہے عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں چھ سات سال کی عمر میں جماعت کروائی تھی۔

١٤١٧/١٠/١٨ھ

س: ایک آدمی جب مسجد میں آتا ہے تو نماز کا سلام پھیر دیا جاتا ہے اور پھر کچھ ساتھی اور آ جاتے ہیں تو کیا وہ دوبارہ جماعت کروا سکتے ہیں یا نہیں اگر کروا سکتے ہیں تو حدیث کا حوالہ دیں؟ محمد یعقوب طاہر مرالی والہ گوجرانوالہ 1/3/94

ج: ہاں کروا سکتا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿وَارْكَعُوْا مَعَ الرَّاكِعِيْنَ﴾ [اور تم رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو] نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿صَلاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلاةَ الْفَذِّ﴾ ❷ الحدیث [جماعت کے ساتھ نماز فضیلت والی ہے اکیلے نماز پڑھنے سے] اس آیت اور حدیث میں پہلی جماعت کی کوئی تخصیص نہیں۔ ❸

س: گھر میں جماعت کرانے والا تکبیر خود کہے یا بیوی جب کہ اور مرد نہ ہو؟ محمد صفدر عثمانی گوجرانوالہ

ج: عورت کے اذان یا اقامت کہنے کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث مجھے معلوم نہیں۔

١٤١٦/١١/٢١ھ

س: پانچ وقت نماز باجماعت مسجد میں جا کر عورت پر بھی فرض ہے؟ محمد صفدر عثمانی گوجرانوالہ

---

❶ بخاری [الاذان ـ باب اذا طول الامام وكان للرجل حاجة فخرج وصلى] ❷ [بخاری باب فضل صلاة الجماعة كتاب الاذان] ❸ [مزید تفصیل جامع ترمذی ـ ابواب الصلوة ج١ ص ٥٣ باب ما جاء في الجماعة في مسجد قد صلى فيه مرة ـ میں دیکھ لیں]

ج: فرض نہیں اجازت ہے ﴿لاَ تَمْنَعُوْا اِمَاءَ اللهِ مَسَاجِدَ اللهِ﴾ [1] [اللہ کے گھروں سے اللہ کی بندیوں کو نہ روکو]

س: کیا عورت عورتوں کی امامت کرواسکتی ہے؟ محمد امجد آزاد کشمیر

ج: امامت عورت کے لیے ایک حدیث پیش کی جاتی ہے ﴿عَنْ أُمِّ وَرَقَةَ بِنْتِ عَبْدِ اللهِ ابْنِ الْحَارِثِ الْاَنْصَارِی ، وَكَانَتْ قَدْ جَمَعَتِ الْقُرْآنَ ، وَكَانَ النَّبِیُّ ﷺ قَدْ أَمَرَهَا أَنْ تَؤُمَّ أَهْلَ دَارِهَا ، وَكَانَ لَهَا مُؤَذِّنٌ ، وَكَانَتْ تَؤُمُّ أَهْلَ دَارِهَا﴾ [حضرت ام ورقہ رضی اللہ عنہا بنت عبداللہ بن حارث انصاری سے روایت ہے اوراس نے قرآن جمع کیا ہوا تھا اور نبی ﷺ نے ان کو حکم دیا تھا کہ وہ گھر والوں کی امامت کرائے اوران کا مؤذن تھا اوروہ اپنے گھر والوں کی امامت کرواتی تھی] واللفظ لأحمد [2] اس کو بعض اہل علم نے صحیح اور بعض نے حسن قرار دیا ہے مشہور محدث محبّ اللہ شاہ صاحب راشدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے الاعتصام میں شائع شدہ اپنے ایک مضمون میں اس کو ضعیف قرار دیا تھا شاہ صاحب کی بات درست ہے کیونکہ اس کی سند میں لیلیٰ اور عبدالرحمٰن بن خلاد دونوں مجہول ہیں ایک مجہول کی دوسرا مجہول متابعت کرے تو دونوں میں سے کسی کا عادل وثقہ ہونا تو ثابت نہیں ہوتا لہٰذا عورت کی امامت کتاب وسنت سے ثابت نہیں ۔ واللہ اعلم ١٤٢٠/١/١٥ھ

س: داڑھی یا سر کے بالوں کو سیاہ خضاب لگانا بڑا گناہ ہے اور ایسے امام جو داڑھی کو سیاہ خضاب لگاتے ہیں ان کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں اور ایسے خطیب کے پیچھے جمعہ پڑھنا صحیح ہے یا نہیں اور جس خطیب نے بیٹھ کر خطبہ دینا معمول بنالیا ہو اس کے پیچھے جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ محمد یعقوب طاہر 12/1/94

ج: داڑھی یا سر کے بالوں کو سیاہ خضاب لگانے سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا سیاہ خضاب لگانے والے کے پیچھے کبھی کبھار نماز تو درست ہے البتہ اس کو مستقل امام بنانا درست نہیں دلیل ابوداود کی حدیث میں ہے آپ ﷺ نے اپنے ایک مسئلہ میں نافرمانی کرنے والے کو امامت سے معزول فرمایا تھا [یہ مسئلہ باب فی کراھیة البزاق فی المسجد میں ہے]

س: کیا بدعتی اور مشرک شخص کے پیچھے نماز ہوجائے گی؟ سیف اللہ خالد اوکاڑہ 24/10/97

ج: کافر یا مشرک کی اقتداء میں نماز درست نہیں خواہ وہ اپنے آپ کو اہل حدیث ہی کیوں نہ کہلاتا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ

---

[1] [صحیح بخاری کتاب الجمعة] [2] إرواء الغليل حسن٢/٢٥٥-٢٥٦ ح٤٩٣ [ابوداؤد- الصلاة- باب امامة النساء اسے ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔ام سلمہ رضی اللہ عنہا عورتوں کی امامت کراتی اور صف کے درمیان کھڑی ہوتی تھیں۔ابن ابی شیبہ ابن حزم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

کا فرمان ہے ﴿وَبَاطِلٌ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ [جو وہ عمل کرتے ہیں وہ باطل ہیں] بدعت اگر کفر وشرک کے درجہ پر پہنچ جائے تو پھر وہ کفر وشرک والا حکم ہی رکھتی ہے۔ ۱۴۱۸/۷/۵ھ

س: بدعت گمراہی ہے جس سے باز رہنا چاہیے جو لوگ ایسی بدعتوں میں مبتلا ہوں ان کی صحبت سے دور رہنا چاہیے جب تک کہ وہ ان بدعات سے باز نہ آ جائیں۔ ترمذی نے مجاہد سے روایت کیا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک مسجد میں آئے جہاں اذان ہو چکی تھی مؤذن نے تثویب کہی (تثویب کا یہاں یہ مطلب ہے کہ جو اس زمانہ میں اہل بدعت نے نکالا ہے کہ جب لوگ اذان کے بعد آنے میں دیر کرتے ہیں تو دوبارہ پکارتے ہیں الصلوۃ الصلوۃ یا اقامت کے وقت پکارتے ہیں) یہ نیا طریقہ رائج کر لیا گیا ہے۔ بعض جگہوں اور مسجدوں میں دیکھا گیا ہے کہ اذان کے بعد مؤذن پھر پکارتا ہے اے اللہ کے بندو مسجد میں آؤ آ کر نماز پڑھو، وقت کم ہے، بھلائی کے راستہ کی طرف آؤ حالانکہ اذان کے لفظ یہی ہیں یا اذان سے پہلے درود شریف پڑھتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

تو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس بدعتی کے پاس سے ہم کو نکال لے چل اور وہاں آپ نے نماز نہ پڑھی۔[1] اس حدیث سے یہ مطلب نکلا کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور کسی بدعت میں نور نہیں۔ یعنی وہ مؤذن بدعتی تھا اور نماز نہ پڑھی۔ یہ تو مؤذن کی بات ہے اگر امام بدعتی ہو تو خود ہی اندازہ لگائیں۔ تثویب کا حکم صرف نماز فجر کی اذان میں ہے یعنی ''اَلصَّلاَةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ''۔

اب سوال یہ ہے کہ (۱) کیا بدعتی امام کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا اجتناب کرنا بہتر ہے؟ (۲) مندرجہ بالا حدیث کی تفصیل درکار ہے کہ مؤذن نے کس نماز میں کون سی بدعت کی تھی جس کا یہ حوالہ ہے؟ (۳) ذیل کی حدیث میں فسق وفجور کی کیا تفصیل ہے؟

ایک حدیث میں ہے کہ ہر مسلمان کے پیچھے نماز واجب ہے وہ فاسق ہو یا فاجر اور ہر امیر کی اطاعت واجب ہے وہ فاسق ہو یا فاجر۔ یعنی فسق وفجور والے کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے تو بغیر داڑھی والے کے پیچھے بھی ہو جاتی ہے؟ قاضی جمیل احمد از لاہور

ج: امابعد! آپ کا مکتوب موصول ہوا۔ جس کے آغاز میں نہ تو بسم اللہ لکھی گئی اور نہ ہی مکتوب الیہ کو سلام لکھا گیا جناب نے تین سوال کیے جن کے جواب بتوفیق اللہ تبارک وتعالیٰ وعونہ ترتیب وار مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) بدعتی کی بدعت اگر کفر یا شرک کے زمرہ میں آتی ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے اجتناب ضروری ہے اور اگر

[1] جامع ترمذی ابواب الصلوۃ باب ما جاء فی التثویب فی الفجر ج۱ ص۴۹-۵۰]

شرک یا کفر کے زمرہ میں نہیں آتی تو ایسے آدمی کو مستقل امام نہیں بنایا جاسکتا اتفاقاً کبھی اس کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے۔

(۲) نماز کون سی تھی اس کا مجھے علم نہیں باقی بدعت کون سی تھی اس کا ذکر آپ کی نقل کردہ عبارت میں موجود ہے۔

(۳) صَلُّوْا خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ والی روایت صحیح نہیں داڑھی مونڈھے کو مستقل امام نہیں بنا سکتے کبھی کبھار عارضی طور پر اس کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ داڑھی رکھنا بڑھانا فرض ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا امر و حکم ہے اور اس امر و حکم کو اس کی حقیقت (فرض و وجوب) سے پھیرنے والا کوئی قرینہ موجود نہیں۔ واللہ اعلم ١٤١٦/٩/١٣ھ

س: جس محلّہ میں، میں رہائش پذیر ہوں وہاں کوئی اہل حدیث مسجد نہیں ہے لیکن ہمارے قریب ایک دیوبندیوں کی مسجد ہے لیکن وہ نماز کو بہت دیر سے ادا کرتے ہیں مجھے باجماعت نماز ادا کرنے کی بہت تکلیف ہے کیا میں اگر ان کی اقتداء میں نماز پڑھوں تو ہو جائے گی؟ حافظ عبدالرشید سیالکوٹ 11/1/87

ج: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے بعد کچھ امراء ہوں گے جو نماز کو تاخیر سے پڑھیں گے صحابی ؓ نے پوچھا ہم ایسے حالات میں کیا کریں تو آپ ﷺ نے فرمایا: نماز بروقت پڑھ لیا کریں اگر ان کی جماعت ملے تو اس میں بھی شامل ہو جائیں یہ تمہارے نفل ہو جائیں گے۔ [1]

شرک کرنے والے کے پیچھے نماز نہیں ہوتی خواہ شرک کرنے والا اہل حدیث ہی کیوں نہ بنتا ہو یاد رہے کتاب وسنت کے منافی قول کو ماننا تقلید ہے جو شرک ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ [2] الآیۃ [انہوں نے اپنے احبار اور درویشوں کو اللہ کے علاوہ رب بنالیا] ١٤٠٧/٥/١٧ھ

س: کیا غیر مقلد کی نماز اس امام کے پیچھے ہوسکتی ہے جو ائمہ اربعہ میں سے کسی امام کی تقلید کو واجب قرار دیتا ہے؟

حافظ غلام رسول بھکر

ج: میرے نزدیک کسی کے کتاب وسنت کے منافی قول وخیال کے ماننے کا نام تقلید ہے اس کو واجب قرار دینے والے کی اپنی کوئی نماز نہیں ہوتی کیونکہ ایسا آدمی کتاب وسنت کا منکر ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا تو بعد کا مسئلہ ہے۔

٢٣ رمضان المبارك ١٤٠٨ھ

س: جو امام جماعت سے سستی کرے اور اگر اسے کہا جائے کہ وہ نماز کی پابندی کرے تو وہ جواب دے کہ میں مسیتڑ مسجدی نہیں ہوں ایسا شخص امامت کا اہل ہے یا نہیں؟ ابو عبدالقدوس ضلع شیخوپورہ

[1] [مسلم۔المساجد۔باب كراهية تاخير الصلوٰة عن وقتها المختار۔ ابو داؤد۔الصلاة۔باب اذا اخر الامام الصلوٰة عن الوقت [2] [التوبة ٣١ پ ١٠]

ج: اگر اس نے یہ بات جماعت کی اہمیت سے انکار یا جماعت کے ساتھ استخفاف اور استہزاء کی بنیاد پر کہی ہے تو وہ امامت کا اہل نہیں۔
١٤١٧/٧/٩ھ

س: ایک شخص کی داڑھی پوری ہے مگر عام نمازوں میں سستی کرتا ہے اور مسجد کی انتظامیہ میں اہم عہدہ کا خواہش مند ہے اور جماعت میں دیر سے ملتا ہے ایک دو تین رکعت بعد میں ادا کرتا ہے خطبہ جمعہ میں بھی دیر سے آتا ہے مسجد میں جو امام خطیب آئے اسے پریشان کرتا ہے البتہ مہمان نواز اور امانت دار ہے کیا ایسا شخص اہل حدیث کہلا سکتا ہے اور مسجد اہل حدیث کے اہم عہدہ پر رہ سکتا ہے کیا یہ جماعت کروا سکتا ہے؟ محمد ادریس فاروقی سوہدرہ گوجرانوالہ

ج: ہاں کہلا سکتا ہے وقتاً فوقتاً جماعت بھی کروا سکتا ہے مسجد کے اہم عہدہ پر برقرار رہنے کے متعلق اہل مسجد باہمی صلاح مشورہ کریں۔
١٤١٨/١١/٢٣ھ

س: کسی ایسے امام کے پیچھے جو جھوٹ بولتا ہو، غیبت کرتا ہو، چغل خوری کرتا ہو، وعدہ خلافی کرتا ہو، بھائیوں کے درمیان ناچاقی کراتا ہو، اپنی جماعت سے دوسری جماعتوں کو ترجیح دیتا ہو، سگریٹ نوشی کرتا ہو، نماز ہو جاتی ہے؟

سید عبدالرحمٰن شاہ ضلع راجن پور

ج: ایسے امام کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے۔ البتہ بجذبہ خیر خواہی اسے ان حرکات سے باز رہنے کی نیک نیتی کے ساتھ تلقین کرتے رہنا چاہیے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ﴿اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَةُ﴾ [1] [دین خلوص اور خیر خواہی کا نام ہے] الحدیث۔ واللہ اعلم
١٤١٧/٣/٨ھ

س: کیا تعویذ کرنے والا آدمی، یا جھوٹ بولنے والا آدمی، یا جادو وغیرہ کرنے والا آدمی ان میں سے کوئی بھی امامت کروا سکتا ہے یا نہیں؟ قرآن اور حدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں؟

ابو سعد محمد یوسف احرار ضلع ایبٹ آباد ہزارہ

ج: تعویذ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں خواہ تعویذ قرآنی وحدیثی ہو یا غیر قرآنی وحدیثی۔ کفریہ یا شرکیہ تعویذات کرنے والا امامت نہیں کروا سکتا جیسا کہ جادو کرنے والا امامت نہیں کروا سکتا کیونکہ کفر وشرک تو کفر وشرک ہے اور جادو کو بھی آیت ﴿وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّیَاطِیْنُ﴾ الخ [2] [اور انہوں نے پیروی کی جو پڑھا شیطانوں نے] میں کفر ہی قرار دیا گیا ہے البتہ کبھی کبھار جھوٹ بولنے والا کبھی کبھار جماعت کروا سکتا ہے اسے مستقل امام نہیں بنایا جا

---

[1] [مسلم کتاب الایمان باب بیان انّ الدین النصیحة] [2] البقرة پ ١ آیت ١٠٢

سکتا۔ واللہ اعلم ١٤١٩/٨/٢١ھ

س: ہمارے ہاں جامع مسجد میں جو امام صاحب ہیں وہ قرآن کریم غلط پڑھتے ہیں مثلاً زبر کو کھڑا زبر پڑھتے ہیں اور کھڑا زبر کو زبر پڑھتے ہیں میں نے امام صاحب کو کئی دفعہ کہا ہے کہ اپنا پڑھنا ٹھیک کرو لیکن وہ غور ہی نہیں کرتا اور جماعت والوں کو بھی کئی دفعہ کہا ہے وہ کہتے ہیں بس جی کام چل رہا ہے اب مجبوراً ہم نماز پڑھتے ہیں اگر نہ پڑھیں تو جماعت کا ثواب جاتا ہے نماز تو پڑھتے ہیں دل میں خدشہ رہتا ہے شاید ہوئی یا نہیں؟ آپ برائے مہربانی اس کا حل جلدی ارسال کریں۔

شفیق احمد فاروقی کاموں کے گوجرانوالہ 13/3/96

ج: اس قسم کے امام کی اقتداء میں نماز درست ہے کیونکہ کوئی بھی مسلمان جان بوجھ کر زبر کو کھڑا زبر اور کھڑے زبر کو زبر نہیں پڑھتا حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ ، وَالَّذِيْ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيْهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهُ أَجْرَانِ﴾ [1] متفق علیہ واللہ اعلم

[جو قرآن کا ماہر ہے وہ نیک عزت والے کاتبوں کے ساتھ ہوگا اور جو قرآن کو پڑھتا ہے اور اس میں رک رک کر پڑھتا ہے اس پر مشقت ہوتی ہے اس کے لیے دو اجر ہیں] ١٤١٦/١١/٣٠ھ

س: جو شخص رمضان شریف میں فرض بغیر جماعت کے پڑھ لے وتر کی جماعت میں شامل ہو سکتا ہے یا نہیں؟

حافظ غلام رسول فیضی بھکر

ج: ہو سکتا ہے البتہ فرض نماز کو باجماعت پڑھنا فرض ہے اس کا بھی خیال ہونا چاہیے ﴿وَارْكَعُوْا مَعَ الرَّاكِعِيْنَ﴾ [رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو] ٢٣ رمضان المبارك ١٤٠٨ھ

س: اگر جماعت ہو رہی ہو تو پیچھے سے کوئی آدمی آتا ہے تو کیا وہ "السلام علیکم" کہے یا چپ کر کے نماز میں شامل ہو جائے؟ اگر پیچھے سے آنے والا اسلام کہتا ہے نماز پڑھنے والوں کو کس طرح سلام کا جواب دینا چاہیے؟

صابر علی شاکر شیخوپورہ 8 مئی 1997

ج: انسان نماز پڑھ رہے ہوں اکیلے یا باجماعت تو بعد میں آنے والا بلند آواز سے السلام علیکم کہے رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے بعد میں آنے والے صحابی ؓ آپ کو السلام علیکم کہتے تھے البتہ اتنی بلند آواز سے سلام کہنا جس میں ایڑی چوٹی کا زور ہو تو وہ ویسے بھی درست نہیں ﴿إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ﴾ [2] [سب سے بری

[1] مشکوۃ ١/ ٦٥٢ [2] لقمان ١٩

آواز گدھے کی آواز ہے] رہا ایسی صورت میں نماز پڑھنے والے کے جواب دینے کا معاملہ تو وہ بول کر زبان کے ساتھ وعلیکم السلام نہیں کہہ سکتا ہاں ہاتھ وغیرہ کے اشارے کے ساتھ جواب دے سکتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ [1] ١٤١٨/٣/١١ھ

س: فجر کی نماز جماعت کے ساتھ نہیں پڑھتا سستی ہو جاتی ہے کوئی وظیفہ بتائیں کہ میں فجر کی نماز باجماعت ادا کر سکوں؟ محمد عثمان غنی لاہور

ج: اَللّٰھُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰی طَاعَتِكَ [2] ١٤١٧/٨/١ھ

س: عام طور پر مشہور ہے کہ جس جگہ یا مصلّٰی پر ایک دفعہ نماز ہو جائے وہاں دوبارہ جماعت نہیں ہو سکتی اس جگہ سے آگے پیچھے ہٹ کر نماز ادا کرنی چاہیے؟ کیا یہ بات درست ہے؟ انجینئر محمد نعیم ضلع خوشاب جوہر آباد 11/4/94

ج: اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ﴿وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ﴾ باجماعت نماز پڑھو اس آیت کریمہ کے پہلی جماعت کے ساتھ خاص ہونے کی کوئی دلیل نہیں اسی طرح باجماعت نماز ادا کرنے کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی حدیث ﴿صَلٰوةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلٰوةَ الْفَذِّ﴾ [3] الخ [جماعت کے ساتھ نماز فضیلت رکھتی ہے اکیلے نماز پڑھنے پر] کے بعد پہلی جماعت کے ساتھ خاص ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ رہا مسئلہ جس جگہ مسجد کے اندر امام راتب جماعت کے دوران کھڑا ہوتا ہے اس جگہ پر بعد میں جماعت کرانے والا امام غیر راتب کھڑا ہو سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کے فرمان ﴿وَلَا يُجْلَسُ عَلٰی تَكْرِمَتِهِ اِلَّا بِاِذْنِهِ﴾ [4] [کسی کی اجازت کے بغیر اس کی عزت والی جگہ پر نہ بیٹھے] کو ملحوظ رکھا جائے گا۔ ١٤١٤/١١/٩ھ

س: سورتوں کے بعد جو جواب دیا جاتا ہے یہ صحیح ہے؟ شفیق الرحمٰن لاہور

ج: مقتدی بآواز بلند یا آواز جواب نہیں دے سکتے۔ ١٤٢٠/٦/١٧ھ

س: رکوع کی رکعت کے بارے میں حدیث پیش کرتے ہیں حضرت ابوبکرہ والی اور آخر میں یہ لفظ ''لَا تُعِدْ'' اس سے استدلال کرتے ہیں کہ اپنی نماز کو نہ لوٹا۔ میں اس بارے میں پریشان ہوں کہ ایک حدیث میں ہے وہ نماز نہیں

---

[1] [ابوداود الصلوة باب رد السلام فی الصلوة ، ترمذی الصلوة ـ باب ما جاء فی الإشارة فی الصلوة] [2] [اے اللہ دلوں کو پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی بندگی پر پھیر دے] [مشکوة ـ کتاب الایمان ـ باب الایمان بالقدر الفصل الاول] [3] بخاری۔الجماعة والامامة۔مسلم۔المساجد۔باب فضل صلاة الجماعة. [4] [ترمذی جلد اول ـ ابواب الصلوة باب من احق بالامامة ص ٥٥]

جس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے اس کی وضاحت فرمائیں؟ محمد یعقوب طاہر

ج: ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی ''لاَ تَعُدْ'' والی حدیث سے مدرک رکوع کی رکعت کا ہونا اور نہ ہونا دونوں ہی ثابت نہیں ہوتے روایۃً اس حدیث میں جو لفظ ثابت ہیں وہ ''لاَ تَعُدْ'' ہی ہیں جن کا معنی ہے ''نہ لوٹ دوبارہ ایسا نہ کرنا'' اور لفظ ''لاَ تُعِدْ'' اعادہ نہ کر نماز نہ لوٹا اس حدیث میں روایۃً ثابت ہی نہیں لہٰذا حدیث ﴿لاَ صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ﴾ [1] نہیں کوئی نماز اس کی جس نے نہ پڑھی سورۃ فاتحہ محکم ہے ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے متعارض نہیں تو رکوع میں شامل ہونے والے کی رکعت نہیں ہوتی وہ رکعت اٹھ کر پڑھے۔ ۲۱/۵/۱٤١٤ھ

س: جو آدمی رکوع پالے اس کی نماز ہو جائے گی جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ جس نے رکوع پا لیا اس نے نماز پالی اس حدیث کی تفصیل سے وضاحت فرمائیں کہ یہ صحیح ہے؟ محمد یعقوب ہری پور 5/4/93

ج: جس نے رکوع پا لیا اس نے نماز پا لی عبارت والی جتنی مرفوع روایات ہیں وہ کمزور ہیں۔

۲۱/۱۰/۱٤۱۳ھ

س: (۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا جِئْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ وَنَحْنُ سُجُوْدٌ فَاسْجُدُوْا وَلاَ تَعُدُّوْهَا شَیْئًا وَمَنْ اَدْرَكَ الرَّكْعَةَ فَقَدْ اَدْرَكَ الصَّلٰوةَ [2]

(۲) عَنْ عَبْدِ الْعَزِیْزِ بْنِ رُفَیْعٍ عَنْ رَجُلٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اِذَا جِئْتُمْ وَالْاِمَامُ رَاكِعٌ فَأَرْكَعُوْا وَاِنْ كَانَ سَاجِدًا فَاسْجُدُوْا وَلاَ تَعْتَدُّوْهَا بِالسُّجُوْدِ اِذَا لَمْ یَكُنْ مَعَهُ الرُّكُوْعُ [3] صَحَّحَ الْاَلْبَانِیْ حَدِیْثَ اَبِیْ هُرَیْرَةَ بِتَقْوِیَةِ حَدِیْثِ الرَّجُلِ [وَبَلَغْنَا اَنَّهُ وَقَفَ عَلٰی مَخْطُوْطٍ فِیْهِ اَنَّ هٰذَا الرَّجُلَ صَحَابِیٌّ اَنْصَارِیٌّ]

(۳) عَمَلُ الصَّحَابَةِ (۱) ابوبکر (۲) زید بن ثابت (۳) ابن مسعود (۴) ابن عمر (۵) ابن الزبیر (٦) ابوعبیدہ [4]

ارواء الغلیل ۲/۲٦۱ یَقْتَضِیْ اِدْرَاكَ الرَّكْعَةِ بِاِدْرَاكِ الرُّكُوْعِ مَعَ الْاِمَامِ فَیَسْقُطُ عَنْهُ فَرْضِیَّةُ قِرَأَةِ الْفَاتِحَةِ وَیَكُوْنُ مَخْصُوْصًا مِنْ حَدِیْثِ: مَا اَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَاَتِمُّوْا؟

[(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم نماز کی طرف آؤ اور ہم

---

[1] بخاری۔الاذان۔باب وجوب القراءۃ للامام والماموم فی الصلوٰت کلها۔مسلم۔ الصلوٰۃ باب وجوب قراءۃ الفاتحة فی کل رکعة [2] ابوداود ، ابن خزیمه ، والدار قطنی والحاکم [3] البیهقی [4] بیهقی ۲/ ۹۰ ، المدونه ۱/ ۷۰ ، شرح معانی الآثار ۱/ ۲۹۸ ، مصنف ابن ابی شیبه ۱/ ۲٤۲

حالت سجدہ میں ہوں پس تم بھی سجدہ کرو اور اس کو کچھ بھی شمار نہ کرو جس نے رکعت کو پالیا پس تحقیق اس نے نماز کو پالیا۔

(۲) حضرت عبدالعزیز بن رفیع سے وہ ایک آدمی سے وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں جب تم نماز کو آؤ اور امام رکوع کررہا ہو تم بھی رکوع کرو اور اگر سجدہ کی حالت میں ہو تم بھی سجدہ کرو اور تم سجدہ کو شمار نہ کرو جب اس کے ساتھ رکوع نہ ہو۔ البانی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو رجل کی حدیث کی تقویت کی وجہ سے صحیح کہا ہے (اور ہم کو یہ بات پہنچی ہے کہ وہ ایک ایسے مخطوطہ پر واقف ہوئے ہیں کہ جس میں یہ ہے کہ وہ رجل صحابی انصاری ہے)

(۳) عمل صحابہ اس چیز کا تقاضا کرتا ہے کہ امام کے ساتھ رکوع کو پالینا رکعت کو پالینا ہے پس اس آدمی سے قراءۃ فاتحہ کی فرضیت ساقط ہوجائے گی اور وہ حدیث ﴿مَا اَدْرَکْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَکُمْ فَاَتِمُّوْا﴾ سے مخصوص ہوگا]

غلام رسول ربانی

س :أَمَّا بَعْدُ فَقَدْ انتهٰی إِلَیَّ مَکْتُوْبٌ مِنْكَ قَدْ وَجَّهْتَ فِیْهِ إِلَیَّ ثَلاَثَ مَسَائِلَ لِبَعْضِ أَصْحَابِكَ حفظه الله تعالی ، وبارك في علمه ، وعمله –

اَلْمَسْأَلَةُ الْأُوْلٰی أَنَّ مَنْ أَدْرَكَ الرُّکُوْعَ مَعَ الْإِمَامِ فَقَدْ أَدْرَكَ الرَّکْعَةَ فَتَسْقُطُ عَنْهُ فَرْضِیَّةُ قِرَائَةِ الْفَاتِحَةِ ، وَیَکُوْنُ مَخْصُوصاً مِنْ حَدِیْثِ : مَا أَدْرَکْتُمْ فَصَلُّوْا ، وَمَا فَاتَکُمْ فَأَتِمُّوْا .

وَاسْتَدَلَّ صَاحِبُكَ هٰذَا عَلٰی دَعْوَاهُ هٰذِهِ بِثَلاَثَةِ أُمُوْرٍ :

اَلْأَوَّلُ حَدِیْثُ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ : إِذَا جِئْتُمْ إِلَی الصَّلٰوة وَنَحْنُ سُجُوْدُ فَاسْجُدُوْا ، وَلاَ تَعُدُّوْهَا شَیْئًا وَمَنْ أَدْرَكَ الرَّکْعَةَ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلاَةَ . رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ ، وَابْنُ خُزَیْمَةَ ، وَالدَّارَ قُطْنِیُّ وَالْحَاکِمُ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی

اَلثَّانِیْ حَدِیْثُ عَبْدِ الْعَزِیْزِ بْنِ رُفَیْعٍ عَنْ رَجُلٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ إِذَا جِئْتُمْ وَالْإِمَامُ رَاکِعٌ فَارْکَعُوْا، وَإِنْ کَانَ سَاجِدًا فَاسْجُدُوْا ، وَلاَ تَعْتَدُّوْا بِالسُّجُوْدِ إِذَا لَمْ یَکُنْ مَعَهُ الرُّکُوْعُ . رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰی

اَلثَّالِثُ عَمَلُ بَعْضِ الصَّحَابَةِ رضی اللہ عنہم

لٰکِنَّ هٰذِهِ الْأُمُوْرَ الثَلاَثَةَ لاَ تُثْبِتُ دَعْوَاهُ الْمَذْکُوْرَةَ قَبْلُ

أَمَّا حَدِیْثُ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ فَلِأَنَّ فِیْ إِسْنَادِهِ یَحْیٰی بْنَ أَبِیْ سُلَیْمَانَ الْمَدِیْنِیَّ ، وَهُوَ ضَعِیْفٌ لاَ یُحْتَجُّ بِهِ . قَالَ الشَّیْخُ الْأَلْبَانِیْ حَفِظَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی ، وَبَارَكَ فِیْهِ – بَلْ قَالَ الْبُخَارِیُّ : مُنْکَرُ الْحَدِیْثِ.

وَقَالَ أَبُوْ حَاتِمٍ : مُضْطَرَبُ الْحَدِيْثِ ، لَيْسَ بِقَوِيٍّ يُكْتَبُ حَدِيْثُهُ . ١هـ ❶

وَأَمَّا حَدِيْثُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ رُفَيْعٍ عَنْ رَجُلٍ الخ فَلِجَهَالَةِ الرَّجُلِ ، وَلَمْ يَثْبُتْ بَعْدُ كَوْنُهُ صَحَابِيًا ، وَأَمَّا الشَّيْخُ الْأَلْبَانِيْ حَفِظَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى ، وَبَارَكَ فِيْهِ لِلْمُسْلِمِيْنَ – فَقَدْ تَرَدَّدَ فِيْ صَحَابِيَّةِ الرَّجُلِ فِي ص ٢٦١ مِنَ الْجُزْءِ الْأَوَّلِ لِإِرْوَائِهِ ، وَجَزَمَ بَعْدَ صَفْحَتَيْنِ بِأَنَّ الْحَدِيْثَ مُرْسَلٌ حَيْثُ قَالَ : وَالْخُلاصَةُ أَنَّ الْحَدِيْثَ بِشَاهِدِهِ الْمُرْسَلِ ، وَبِهٰذِهِ الْآثَارِ حَسَنٌ يَصْلُحُ لِلْاِحْتِجَاجِ بِهِ . ١هـ ، وَإِنَّمَا يُؤْخَذُ بِالْآخِرِ ، فَالْآخِرِ .

فَالْحَدِيْثُ عِنْدَ الشَّيْخِ الْأَلْبَانِي حَفِظَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى أَيْضًا مُرْسَلٌ ، وَالْمُرْسَلُ لاَ يَكُوْنُ حُجَّةً كَمَا هُوَ مُقَرَّرٌ فِي مَحَلِّهِ ، وَلاَ يُقَوِّيْ هٰذَا الْمُرْسَلُ حَدِيْثَ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ السَّابِقُ ذِكْرُهُ لِأَنَّ الْمَجْهُوْلَ لاَ يُقَوِّيْ الضَّعِيْفَ .

هٰذَا وَفِي كَلاَمِ الشَّيْخِ الْأَلْبَانِيْ حَفِظَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى هٰهُنَا أَنْظَارٌ أُخَرُ لِذِكْرِهَا مَوْضِعٌ آخَرُ لِأَنَّ هٰذَا الْمَكْتُوْبَ يَضِيْقُ نِطَاقُهُ ، وَلاَ يَسَعُ بَيَانَهَا .

وَأَمَّا قَوْلُ صَاحِبِكَ حَفِظَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَبَلَغَنَا أَنَّهُ وَقَفَ عَلٰى مَخْطُوْطٍ فِيْهِ أَنَّ هٰذَا الرَّجُلَ صَحَابِيٌّ أَنْصَارِيٌّ . فَبَلاَغٌ ، وَحُكْمُ الْبَلاَغِ مَعْلُوْمٌ . عَلٰى أَنَّهُ لاَ يُدْرٰى كَيْفَ حَالُ ذٰلِكَ الْمَخْطُوْطِ ، وَكَيْفَ بَالُ الْإِسْنَادِ الَّذِيْ وَرَدَ بِهِ أَنَّ ذٰلِكَ الرَّجُلَ صَحَابِيٌّ ؟؟

فَالْحَاصِلُ أَنَّ هٰذَيْنِ الْحَدِيْثَيْنِ لِأَجْلِ ضُعْفِهِمَا لاَ يُثْبِتَانِ دَعْوٰى صَاحِبِكَ الْمَذْكُوْرَةَ سَابِقًا .

وَأَمَّا عَمَلُ الصَّحَابَةِ رضی اللہ عنہم فَهُوَ مِنْ حَيْثُ هُوَ عَمَلُهُمْ لاَ يُثْبِتُ الشَّرْعَ وَلاَ سِيَّمَا إِذَا عَارَضَ سُنَّةَ النَّبِيِّ ﷺ ، وَحَدِيْثَهُ ، وَهٰهُنَا قَدْ عَارَضَ ، وَإِلاَّ لَمْ يَحْتَجْ صَاحِبُكَ أَنْ يَقُوْلَ: وَيَكُوْنُ مَخْصُوْصًا مِنْ حَدِيْثِ : مَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا ، وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوْا .

فَقَدْ تَبَيَّنَ أَنَّ مَنْ أَدْرَكَ الرُّكُوْعَ مَعَ الْإِمَامِ فَإِنَّهُ لَمْ يُدْرِكِ الرَّكْعَةَ ، وَلَمْ تَسْقُطْ عَنْهُ فَرْضِيَّةُ قِرَآءَةِ الْفَاتِحَةِ ، وَلَيْسَ هُوَ مَخْصُوْصًا مِنْ حَدِيْثِ : مَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا ، وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوْا . وَلاَ مِنْ حَدِيْثِ : لاَ صَلاَةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ . ٢٩/٦/١٤١٢هـ

(س) : [آپ کا خط پہنچا آپ نے اپنے کسی ساتھی کی طرف سے تین سوال کیے ہیں اللہ اس کی حفاظت کرے اور

❶ الارواء ج١ ص٢٦١ ح٤٩٦

اس کے علم وعمل میں برکت فرمائے۔

مسئلہ: جو آدمی امام کے ساتھ رکوع کو پالے تو اس نے رکعت کو پالیا اور اس سے فاتحہ پڑھنے کی فرضیت ساقط ہو جائے گی اور وہ آدمی حدیث ﴿مَا اَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَاَتِمُّوْا﴾ سے مخصوص ہوگا۔ اور آپ کے ساتھی نے اپنے اس دعویٰ پر تین چیزوں سے دلیل لی ہے۔

الاول : حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم نماز کی طرف آؤ اور ہم سجدہ میں ہوں تو تم سجدہ کرو اور اسے کوئی شے شمار نہ کرو اور جس نے رکعت کو پالیا تو تحقیق اس نے نماز کو پالیا (روایت کیا اس کو ابوداود، ابن خزیمہ، دارقطنی اور حاکم نے اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے)

الثانی : عبدالعزیز بن رفیع ایک آدمی سے وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں جب تم آؤ اور امام رکوع کر رہا ہو تو تم رکوع کرو اور اگر سجدہ کر رہا ہو تو سجدہ کرو اور سجدہ کو شمار نہ کرو جب اس کے ساتھ رکوع نہ ہو۔[1]

الثالث : بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل۔ لیکن یہ تینوں چیزیں مذکورہ دعویٰ کو ثابت نہیں کرتیں "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یحییٰ بن ابی سلیمان مدینی ضعیف راوی ہیں اس کے ساتھ دلیل نہیں لی جاتی فرمایا شیخ البانی حفظہ اللہ تعالیٰ نے۔ بلکہ بخاری نے فرمایا وہ منکر الحدیث ہے اور ابو حاتم نے فرمایا مضطرب الحدیث ہے، قوی نہیں ہے۔ اس کی حدیث کو لکھا جائے گا۔[2]

اور جو عبدالعزیز بن رفیع عن رجل کی حدیث ہے اس میں رجل مجہول ہے اور ابھی تک اس کا صحابی ہونا ثابت نہیں ہوا اور شیخ البانی حفظہ اللہ وبارك فیه للمسلمین نے[3] اس رجل کے صحابی ہونے میں تردد کیا ہے اور دو صفحوں کے بعد یقین سے فرمایا کہ حدیث مرسل ہے اور فرماتے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ حدیث اپنے مرسل شاہد اور ان آثار کے ساتھ حسن بن جاتی ہے حجت کے قابل ہے اور آخری بات کو لیا جاتا ہے۔ پس یہی آخری ہے۔

پس یہ حدیث شیخ البانی حفظہ اللہ کے ہاں بھی مرسل ہے اور مرسل حجت نہیں جس طرح کہ ثابت ہے اپنے مقام میں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی گذشتہ حدیث کو یہ مرسل تقویت نہیں دیتی کیونکہ مجہول نہیں تقویت دیتا ضعیف کو۔

اسے یاد رکھو اور شیخ البانی حفظہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں اس قسم کی کئی مثالیں ہیں ان کے ذکر کا یہ مقام نہیں کیونکہ اس خط میں اتنی وسعت وگنجائش نہیں ہے۔

---

[1] روایت کیا اس کو بیہقی نے [2] الارواء ج ۱ ص ۲۶۱ ح ۴۹۶ [3] ارواء جزء اول ص ۲۶۱

آپ کے ساتھی حفظہ اللہ کا یہ کہنا کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ انہوں نے ایسے مخطوطہ پر واقفیت حاصل کی ہے جس میں یہ بیان ہے کہ وہ رجل صحابی انصاری ہے تو یہ بلاغ ہے اور بلاغ کا حکم معلوم ہے اور اس کے ساتھ وہ یہ بھی نہیں جانتا کہ اس مخطوطہ کا حال کیا ہے اور اس سند کی حالت کیسی ہے جس کے ساتھ یہ وارد ہوا ہے کہ وہ رجل صحابی ہے۔

پس نتیجہ یہ نکلا کہ یہ دونوں حدیثیں ضعیف ہونے کی وجہ سے آپ کے ساتھی کے مذکورہ دعویٰ کو ثابت نہیں کرتیں۔

اور جو عمل صحابہ ہے تو وہ ان کا عمل ہونے کی حیثیت سے شرع کو ثابت نہیں کرتا اور خاص طور پر جب وہ نبی ﷺ کی سنت اور آپ کی حدیث کے خلاف ہو اور اس مقام پر مخالفت موجود ہے ورنہ آپ کے ساتھی کو یہ کہنے کی ضرورت نہ پڑتی کہ یہ ﴿مَا اَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَاتِمُّوْا﴾ [1] سے مخصوص ہے۔

پس ظاہر ہو گیا کہ بے شک جس نے امام کے ساتھ رکوع کو پا لیا اس نے رکعت کو نہیں پایا اور نہ ہی اس سے قرأت فاتحہ کی فرضیت ساقط ہوئی اور نہ ہی یہ ﴿مَا اَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَاتِمُّوْا﴾ اور ﴿لاَ صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَءْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ﴾ کی حدیثوں سے مخصوص ہے]

س : اب تک ہمارا نظریہ یہ قائم ہوا تھا کہ مدرک الرکوع مدرک الرکعۃ نہیں ہے لیکن اب ارواء الغلیل فی تخریج احادیث منار السبیل میں ایک حدیث نظر میں آئی اس کی وجہ سے پھر میرے ذہن میں شک پیدا ہوا ہے وہ حدیث یہ آئی ہے ﴿عَنْ عَبْدِ الْعزيز بن رُفَيْعٍ عَنْ رَجُلٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اِذَا جِئْتُمْ وَالاِمَامُ رَاكِعٌ فَارْكَعُوْا ، وَاِنْ كَانَ سَاجِدًا فَاسْجُدُوْا ، وَلاَ تَعْتَدُّوْا بِالسُّجُوْدِ اِذَا لَمْ يَكُنْ مَعَهُ الرُّكُوْع﴾ اس حدیث کے بارے میں البانی نے کہا ہے رجالہ کلہم ثقات اور پھر ابن مسعود، عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت، عبداللہ بن الزبیر، ابوبکر الصدیق، ﷺ کے آثار بھی پیش کیے ہیں یعنی اس حدیث کے لیے یہ تمام آثار قوی ہیں۔ آخر میں البانی کہتا ہے کہ دَلَّتْ هٰذِهِ الاٰثَارُ الصَّحِيْحَةُ عَلٰى اَمْرَيْنِ اَلاَوَّلُ اَنَّ الرَّكْعَةَ تُدْرَكُ بِاِدْرَاكِ الرَّكُوْع . خلیل الرحمٰن نورستانی

ج : شیخ البانی حفظہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے إرواء الغلیل ج ۲ ص ۲۶۰ پر رقم ۴۹۶ میں منار السبیل کے صفحہ ۱۱۹ سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع حدیث دو لفظوں کے ساتھ نقل فرمائی ہے۔

(۱) ومن أدرك ركعة فقد أدرك الصلاة ۔ (۲) من أدرك الركوع فقد أدرك الركعة۔ اب ظاہر بات ہے کہ دوسرے لفظ مطلوب "مدرک رکوع مدرک رکعت ہے" پر دلالت تو کرتے ہیں مگر یہ لفظ بے اصل ہیں

---

[1] بخاری۔ حدیث ٦٣٦ ۔ مسلم۔ المساجد۔باب استحباب اتیان الصلاۃ بوقار وسکینۃ.

چنانچہ شیخ البانی حفظہ اللہ تعالیٰ ہی لکھتے ہیں ''وأما اللفظ الآخر الذی ذکره المؤلف وعزاه لأبی داود فلا أعلم له أصلا ، لا عند أبی داود ولا عند غیره'' ❶ رہے پہلے لفظ تو

اولاً : تو وہ اس سیاق میں ثابت ہی نہیں کیونکہ اس کی سند میں یحییٰ بن ابی سلیمان المدینی ہیں جس کی وجہ سے حدیث ضعیف ہے چنانچہ شیخ البانی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ امام حاکم کا فیصلہ ''صحیح الاسناد یحییٰ بن ابی سلیمان من ثقات المصریین'' نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں ''قلت : ووافقه الذهبی والصواب ما أشار إلیه البیهقی أنه ضعیف لأن یحیی هذا لم یوثقه غیر ابن حبان والحاکم ، بل قال البخاری : منکر الحدیث . وقال أبو حاتم : مضطرب الحدیث ، لیس بالقوی ، یکتب حدیثه'' ❷ تو شیخ صاحب نے اعتراف فرمایا ہے کہ یہ حدیث اس سیاق کے ساتھ ضعیف ہے مگر وہ اس سے قبل اس کو صحیح قرار دے چکے ہیں بدلیل تعدد طرق حالانکہ تعدد طرق سے حدیث کا صحیح یا حسن بن جانا کوئی قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ بسا اوقات تعدد طرق سے حدیث کے ضعف میں اضافہ ہو جاتا ہے جیسا کہ اہل علم پر مخفی نہیں تو اس مقام پر تعدد طرق اس حدیث کو حسن بھی نہیں بناتا چہ جائیکہ اس کو صحیح بنائے کیونکہ جو طرق شیخ صاحب نے اس مقام پر ذکر فرمائے ہیں ان میں سے کچھ تو موقوف ہیں اور کچھ مرفوع۔ جو موقوف ہیں وہ تو مقوی مرفوع نہیں کیونکہ اصول حدیث میں وضاحت سے لکھا گیا ہے کہ کسی عالم کا قول یا عمل حدیث کے موافق آ جائے تو وہ حدیث کے ثابت ہونے کی دلیل نہیں اسی طرح کسی عالم کا قول یا عمل حدیث کے خلاف آ جائے تو وہ حدیث کے ضعیف ہونے کی دلیل نہیں لہٰذا آثار موقوفہ سے حدیث کو تقویت پہنچانے والی بات تو کافور ہو گئی۔ رہے مرفوع طرق تو ان میں سے ایک کے متعلق تو خود شیخ صاحب نے صراحت فرما دی ہے کہ وہ شاہد بننے کے قابل نہیں۔ باقی صرف دو مرفوع طریق رہ جاتے ہیں جن سے تقویت کی امید وابستہ کی جا سکتی ہے ان دو میں سے بھی ایک کے متعلق خود شیخ صاحب لکھتے ہیں ''ولم یذکر أحد منهم هذه اللفظة "قبل أن یقیم الإمام صلبه" ولعل هذا من کلام الزهری فأدخله یحیی بن حمید فی الحدیث ولم یبینه'' پھر اس یحییٰ کو دارقطنی نے ضعیف بھی کہا ہے تو اس سے بھی تقویت حاصل نہ ہو سکی باقی صرف ایک مرفوع طریق رہ گیا عبدالعزیز بن رفیع والا جس کے متعلق شیخ صاحب فرماتے ہیں ''وهو شاهد قوی فإن رجاله کلهم ثقات'' مگر یہ واقع میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکور حدیث کا شاہد ہے ہی نہیں کیونکہ شاہد اور مالہ شاہد کا ایک چیز پر دلالت کرنا ضروری ہے جب کہ اس مقام پر صورت حال اس طرح نہیں کیونکہ شاہد بزعمہ کے لفظ میں ''إِذَا جئتم والإمام راکع فارکعوا وإن کان ساجدا فاسجدوا ولا تعتدُّوا بالسجود إذا لم یکن معه الرکوع'' اس سے صرف اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ سجدہ

---

❶ ارواء الغلیل ص ٢٦٦ ج ٢ ❷ إرواء الغلیل ص ٢٦١ ج ٢

کے ساتھ جب رکوع نہ ہو تو سجدہ ناقابل اعتداد ہے اس شاہد بزعمہ میں یہ بالکل نہیں ہے کہ مدرک رکوع مدرک رکعت ہے نہ منطوقاً اور نہ ہی مفہوماً۔ تو شیخ صاحب کا عبدالعزیز بن رفیع والے اس طریق کو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث کا شاہد بنانا درست نہیں۔ چند منٹ کے لیے ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ یہ شاہد ہے مگر شیخ صاحب کا اس کو قوی قرار دینا صحیح نہیں کیونکہ قوی ہونے کی انہوں نے جو دلیل پیش فرمائی ہے وہ یہ ہے ''فإن رجاله كلهم ثقات'' حالانکہ اس کے تمام رجال ثقات نہیں کیونکہ عبدالعزیز بن رفیع اور نبی کریم ﷺ کے درمیان ''رجل'' کا واسطہ ہے جس کا صحابی ہونا ثابت نہیں تو لا محالہ وہ تابعی ہے یا تبع تابعی کیونکہ تابعی بسا اوقات تبع تابعی سے بھی روایت کر لیتا ہے جیسے صحابی بسا اوقات تابعی سے روایت کر لیتا ہے تو بہر حال یہ ''رجل'' تابعی ہو خواہ تبع تابعی مجہول ہے تو شیخ صاحب کا ''رجاله كلهم ثقات'' کہنا ان کی محض خوش فہمی ہے۔ چند منٹ کے لیے ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ ''رجل'' تابعی ہو خواہ تبع تابعی ہے ثقہ تو یہ روایت ''رجل'' کے تابعی ہونے کی صورت میں اعم اغلب کے تحت مرسل اور تبع تابعی ہونے کی صورت میں اعم اغلب کے تحت معضل ٹھہری اور مرسل و معضل دونوں ضعیف ہیں لہٰذا شیخ صاحب کا اس کو قوی کہنا درست نہیں۔ اگر یہ کہا جائے اعم اغلب کے تحت عبدالعزیز بن رفیع والی مرسل اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی موصول ضعیف دونوں مل کر حسن لغیرہ کے درجہ کو پہنچ جاتی ہیں تو جواب میں ہم عرض کریں گے بر سبیل تنزل اگر ہم اس بات کو تسلیم کر لیں تو بھی یہ حسن لغیرہ بنے گی نہ کہ حسن لذاتہ، نہ صحیح لغیرہ اور نہ ہی صحیح لذاتہ جب کہ شیخ صاحب اس کو صحیح لکھ رہے ہیں تو بہر حال شیخ صاحب کا یہ فیصلہ افراط سے خالی نہیں۔ اگر کہا جائے کہ حسن لغیرہ تو آپ بھی تسلیم کر گئے ہیں گو بر سبیل تنزل ہی سہی اور حسن لغیرہ سے بھی تو احکام ثابت ہو جاتے ہیں تو شیخ صاحب کا بیان کردہ مسئلہ تو درست ٹھہرا تو ہم جواباً عرض کریں گے نہیں ہرگز نہیں تفصیل ثانیا کے بعد دیکھیں۔

ثانیا آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ عبدالعزیز بن رفیع والی روایت مدرک رکوع کے مدرک رکعت ہونے پر دلالت نہیں کرتی اس سے تو صرف اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ سجدہ و سجود کے قابل اعتداد ہونے کے لیے رکوع ضروری ہے رکوع کے بغیر سجود کا کوئی اعتداد و شمار نہیں اب یہ بھی یاد رکھیں کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث ''فاسجدوا ولا تعدوها شيئا، ومن أدرك ركعة فقد أدرك الصلاة'' کی بھی مدرک رکوع کے مدرک رکعت ہونے پر دلالت نہیں نہ منطوقاً اور نہ مفہوماً اس کا مدلول تو صرف اور صرف یہ ہے جس نے رکعت پالی اس نے نماز پالی جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس نے رکعت سے کم کو پایا اس نے نماز کو نہیں پایا اور مدرک رکوع رکعت سے کم کو پانے والا ہے جیسے سجدے کو پانے والا لہٰذا اس کو نماز پانے والا قرار نہیں دیا جا سکتا دیکھئے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کے راوی ہیں اور ان کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ مدرک رکوع مدرک رکعت نہیں چنانچہ ان کے لفظ ہیں ''لا يجزئك إلا أن تدرك الإمام قائما'' ان لفظوں کے متعلق

شیخ صاحب خود لکھتے ہیں ''فقد ثبت هذا عن أبي هريرة لتصريح ابن إسحاق بالتحديث فزالت شبهة تدليسه'' [1] اگر کوئی صاحب فرمائیں کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی اس مرفوع حدیث میں لفظ ''ركعة'' سے مراد رکوع ہے تو ہم جواباً گزارش کریں گے رکعت بمعنی رکوع مجاز ہے حقیقت نہیں وَالْأَصْلُ أَنْ يُحْمَلَ اللَّفْظُ عَلَى الْحَقِيْقَةِ ، وَلاَ قَرِيْنَةَ هٰهُنَا تَمْنَعُ أَنْ يُحْمَلَ اللَّفْظُ عَلٰى حَقِيْقَتِهٖ وَكَوْنُ لَفْظِ ''رَكْعَة'' هٰهُنَا بَعْدَ قَوْلِهٖ ﷺ ''فَاسْجُدُوْا'' لَيْسَ مِنَ الْقَرِيْنَةِ فِيْ شَيْءٍ لِضُعْفِ دَلاَلَةِ الْإِقْتِرَانِ فَهٰذَا الْحَدِيْثُ يَدُلُّ بِالْمَنْطُوْقِ عَلٰى أَنَّ مُدْرِكَ السَّجْدَةِ لَيْسَ بِمُدْرِكٍ لِلرَّكْعَةِ وَأَنَّ مُدْرِكَ الرَّكْعَةِ مُدْرِكٌ لِلصَّلاَةِ ، وَيَدُلُّ بِالْمَفْهُوْمِ أَنَّ مُدْرِكَ مَا دُوْنَ الرَّكْعَةِ كَمُدْرِكِ الرُّكُوْعِ مَثَلاً لَيْسَ بِمُدْرِكٍ لِلصَّلاَةِ .

باقی رہی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی حدیث ''إن ذلك من السنة'' تو وہ صف کے پیچھے دور رکوع کر کے صف میں شامل ہونے کے متعلق ہے مدرک رکوع کے مدرک رکعت ہونے کے متعلق نہیں جیسا کہ شیخ صاحب کی إرواء الغلیل میں تقریر سے واضح ہے لہٰذا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کو مدرک رکوع کے مدرک رکعت ہونے کی دلیل بنانا درست نہیں۔ ١٤١٤/١١/٢٤ھ

س: دو آدمی جماعت کروا رہے ہوں تو تیسرا آدمی جماعت میں کیسے شامل ہوگا کس طرف کھڑا ہوگا؟ سید عبدالغفور

ج: دو آدمی جماعت کروا رہے ہوں تیسرا آدمی آ گیا امام صاحب مقتدی کو پیچھے کر دیں صحیح مسلم جلد دوم ص ۴۱۷ میں ہے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے پھر جبار بن صخر رضی اللہ عنہ آ کر رسول اللہ ﷺ کی بائیں جانب کھڑے ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے دونوں کو اپنے پیچھے کر دیا۔ ١٤١٩/٨/١٨ھ

س: جماعت میں امام کے عین پیچھے کھڑا ہونے کے لیے کسی اہلیت کی ضرورت ہے یا ہر جاہل داڑھی منڈھا اور جواریا کھڑا ہو سکتا ہے؟ محمد ادریس فاروقی سوہدرہ گوجرانوالہ

ج: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿لِيَلِيَنِّيْ مِنْكُمْ أُوْلُوْا الْأَحْلاَمِ وَالنُّهٰى﴾ [2] [تم میں سے عقلمند اور سمجھ والے لوگ میرے قریب رہیں] ١٤١٨/١١/٢٣ھ

س: چار پانچ سالہ بچہ باپ کے ساتھ نماز کے لیے کھڑا جماعت کے ساتھ اب بچہ ادھر ادھر دیکھتا ہے اور صف برقرار نہیں رہتی اب کیا حکم ہے؟ حافظ محمد فاروق

---

[1] إرواء الغلیل ص ٢٦٥ ج٢ [2] [سنن ابی داود جلد اول ـ باب من يستحب ان يلی الامام ـ رواه مسلم مشكوة باب تسوية الصف]

ج: باپ کو چاہیے کہ بچے کو پہلے تربیت دے کہ صف اور نماز میں کھڑے ہو کر ادھر ادھر نہیں دیکھنا اگر اس کے بعد بھی بچہ ادھر ادھر دیکھ لے تو محض اس کے ادھر ادھر دیکھنے سے صف میں کوئی فرق نہیں پڑتا ہاں اگر وہ بچہ صف سے نکل باہر ہو تو دوسرے نمازی صف ملا لیں جس طرح وضوء ٹوٹنے سے کوئی آدمی صف سے نکل جائے تو دوسرے نمازی صف ملا لیتے ہیں۔ ١٤٢٠/٧/١٦ھ

س: کوئی انسان نماز پڑھ رہا ہو دوسرا آدمی ساتھ کھڑا ہو جائے تو جو کھڑا ہوا ہے تو اس کے اندر سے بدبو آ رہی ہے جسے دوسرا آدمی ناپسند کرے کیا وہ نماز توڑ کر دوسری صف میں کھڑا ہو سکتا ہے؟ محمد یلیین

ج: نہیں نماز سے فارغ ہو کر اس کو احسن طریقہ سے پیار محبت کے ساتھ سمجھا دیں۔ ١٤١٩/٥/١ھ

س: اگر امام آخری تشہد میں ہو تو مسبوق جماعت میں شامل ہو یا وہ انتظار کرے کہ امام سلام پھیر دے اور وہ مسبوق اپنی نماز پڑھے؟ محمد بشیر طیب کویت

ج: صحیح بخاری حدیث ٦٣٦ میں ہے: ﴿فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا ، وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوْا﴾ [جو تم پا لو اس کو پڑھو اور جو رہ جائے اس کو مکمل کرو] ابوداود میں ہے ﴿كَانَ الرَّجُلُ إِذَا جَاءَ يَسْأَلُ : فَيُخْبَرُ بِمَا سُبِقَ مِنْ صَلاَتِهِ ، وَأَنَّهُمْ قَامُوْا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ مِنْ بَيْنِ قَائِمٍ وَّرَاكِعٍ وَّقَاعِدٍ وَّمُصَلٍّ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ . قَالَ: فَجَاءَ مُعَاذٌ ، فَأَشَارُوْا إِلَيْهِ ، فَقَالَ مُعَاذٌ : لاَ أَرَاهُ عَلٰى حَالٍ إِلاَّ كُنْتُ عَلَيْهَا . قَالَ: فَقَالَ : إِنَّ مُعَاذًا قَدْ سَنَّ لَكُمْ سُنَّةً كَذٰلِكَ فَافْعَلُوْا﴾[1] [آدمی جب آتا تھا سوال کرتا پس اسے بتا دیا جاتا کہ اتنی نماز گذر چکی ہے اور بے شک وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھڑے ہوتے کوئی قیام کرنے والا کوئی رکوع کرنے والا کوئی بیٹھنے والا اور کوئی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے والا۔ اس نے کہا پس آئے معاذ رضی اللہ عنہ پس لوگوں نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ پس معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں جس حالت میں نبی ﷺ کو دیکھوں گا اسی طرح کروں گا۔ اس نے کہا پس فرمایا رسول اللہ ﷺ نے بے شک معاذ رضی اللہ عنہ نے تمہارے لیے ایک اچھا طریقہ بنایا ہے اسی طرح کیا کرو] اور اس مضمون کی دیگر احادیث کا تقاضا ہے مسبوق کو آخری تشہد میں بھی شامل ہونے کا حکم ہے۔ ١٤٢٠/٨/١٣ھ

آمین بالجہر

س: اگر کوئی شخص یہ ثابت کر دے کہ صحاح ستہ میں یہ حدیث موجود ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہو کہ اے لوگو نماز میں آمین بلند آواز سے کہا کرو تو ثبوت لانے والے کو مبلغ پانچ صد روپے انعام دیا جائے گا۔

سید دلدار شاہ جامعہ دار الاسلام توحیدیہ چربٹ سائل عبدالرحمٰن ایبٹ آباد 15/8/95

[1] [صحیح ابی داود /٥٢٣ [باب کیف الاذان ـ کتاب الصلوۃ]

ج: مبلغ پانچ صد والے انعامی چیلنج کی بنیاد مندرجہ ذیل امور پر ہے۔

(۱) ثبوت میں پیش کی جانے والی حدیث صحاح ستہ میں ہو صحاح ستہ کے علاوہ کسی اور کتاب کی نہ ہو۔

(۲) حدیث رسول اللہ ﷺ کا قول وفرمان ہو آپ ﷺ کا عمل نہ ہو اور نہ ہی آپ ﷺ کی تقریر ہو۔

(۳) رسول اللہ ﷺ کا قول وفرمان بھی بصورت امر ''کیا کرو'' ہو نہ کہ بصورت خبر یا امر کے علاوہ بصورت دیگر۔

آیا کوئی حنفی نقل یا عقل سے ثابت کر سکتا ہے کہ کسی مسئلہ کے اثبات کے لیے ان تین امور کا ہونا ضروری ہے ان میں سے کوئی ایک بھی اگر نہ ہو تو مسئلہ ثابت نہیں ہوگا؟ نہیں ہرگز نہیں تو پھر آخر یہ شرائط کیوں؟ پھر دیکھئے یہ شرائط عائد کرنے والے خود حوالہ دیتے ہیں ''مصنف ابن ابی شیبہ بیہقی اور جامع المسانید للامام الاعظم کا'' ان منصف مزاجوں سے پوچھئے آیا ان تین کتابوں میں سے کوئی بھی صحاح ستہ میں شامل ہے؟ پھر کیا ''کنز العمال اور مراسیل ابی داود'' میں سے کوئی صحاح ستہ میں شامل ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔

پھر اس چیلنج کی عبارت کا صاف صاف مفہوم ہے کہ ان مذکور بالا تین شرائط کے بغیر بلند آواز سے آمین کہنے کا ثبوت چیلنج دینے والوں کو بھی تسلیم ہے اور عمل کے لیے اسی قدر ثبوت کافی ہے کیونکہ کسی چیز پر عمل کے لیے اس کا صحاح ستہ میں ہونا کوئی ضروری نہیں اور نہ ہی اس کے متعلق آپ ﷺ کا قول بصورت امر ہونا ضروری ہے بلکہ کسی مسئلہ پر اعتقاد یا عمل یا اس کے مطابق قول کے لیے اس کے ثبوت کا قرآن مجید میں ہونا یا رسول اللہ ﷺ کی کسی ایک قولی یا فعلی یا تقریری حدیث میں ہونا کافی ہے خواہ وہ حدیث صحاح ستہ میں ہو یا صحاح ستہ کے علاوہ کسی اور کتاب میں ہو بشرطیکہ وہ صحیح یا حسن ہو۔

اگر اس قسم کے انعامی اعلانوں سے آپ کے نزدیک کوئی مسئلہ ثابت ہوتا ہے تو سنیں ''اگر کوئی شخص یہ ثابت کر دے کہ صحاح ستہ میں یہ حدیث صحیح یا حسن موجود ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہو کہ اے لوگو! نماز میں آمین بلا آواز کہا کرو تو ثبوت لانے والے کو مبلغ ایک ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا''

پھر اس اعلان کو مذکور بالا مسئلہ ''عورت اور مرد کی نماز میں رفع الیدین جلوس اور سجود میں فرق'' کے بارے میں بھی بنالیں۔ ۱۴۱۶/۴/۲۴ھ

س: هَلْ ثَبَتَ حَدِيْثٌ فِي الْجَهْرِ بِآمِيْنِ ؟ اَمْ لَمْ يَثْبُتْ شَيْءٌ؟ [کیا آمین کو جہر کہنے کی کوئی حدیث ہے یا نہیں؟]

صلاح بن عایض الشلاحی الکویت ۲۶ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ

ج : نَعَمْ ثَبَتَ [جی ہاں : ثابت ہے] عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ ؓ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا قَرَأَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلاَ الضَّآلِّيْنَ قَالَ آمِيْن وَرَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ وَفِي رِوَايَةِ التِّرْمِذِيْ مَدَّ بِهَا صَوْتَهُ [1] [حضرت وائل بن حجر ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلاَ الضَّآلِّيْنَ تلاوت کرتے تو بلند آواز سے آمین کہتے اور ترمذی کی ایک روایت میں ہے اپنی آواز کو لمبا آمین کے ساتھ کرتے]

١٤١٦/٥/١١ھ

رفع الیدین

س : مسلم شریف میں ایک حدیث آتی ہے کہ صحابہ کرام ؓ نماز میں رفع الیدین کررہے تھے تو نبی ﷺ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ تم ہاتھوں کو اس طرح ہلا رہے ہو گویا کہ وہ شریر گھوڑوں کی دمیں ہیں۔ اس حدیث کے نیچے مترجم مسلم شریف کے حاشیہ میں علامہ وحید الزمان نے امام نووی رحمہ اللہ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ اس حدیث سے رفع الیدین کی ممانعت ثابت کرنے والے بے علم اور احادیث نبویہ سے ناواقف ہیں۔ علامہ صاحب نے امام نووی کا یہ قول کس کتاب سے نقل کیا ہے کتاب کا نام وغیرہ بتادیں؟ عبدالغفور ولد عبدالحق لاہور

ج : امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا رسالہ ''جزء رفع الیدین'' مطالعہ فرمائیں۔ واللہ اعلم ١٤١٧/٥/٢٢ھ

س : مولانا ذرولی خاں صاحب آف کراچی نے فرمایا ہے کہ رفع الیدین کی سب حدیثیں ضعیف ہیں کیا انہوں نے سچ فرمایا ہے؟ امجد علی

ج : آپ نے بعض الناس کا قول ''رفع الیدین کی سب حدیثیں ضعیف ہیں'' نقل فرما کر پوچھا ہے کہ ''کیا انہوں نے سچ فرمایا ہے؟'' تو جواباً گذارش نہیں ہرگز نہیں کیونکہ مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ نے معارف السنن میں رفع الیدین کی احادیث کی تعداد پر بحث کے دوران اپنے شیخ واستاذ مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ کی دو کتابوں ''نیل الفرقدین'' اور ''کشف الستر'' سے ان کے بیان کا خلاصہ نقل فرمایا ہے چنانچہ وہ اس کا نتیجہ ان الفاظ میں ذکر فرماتے ہیں'' فبقي نحو اثنى عشر لا أزيد'' جس کا مطلب یہ ہے کہ رفع الیدین کے بارہ میں صحیح سندوں کے ساتھ تقریباً بارہ حدیثیں ہیں نہ کہ ان سے زیادہ۔ [2]

---

[1] [سنن ابی داود ص ١٧٦ ج١ للشیخ الالبانی سنن ترمذی ص ٧٩ ج١ شیخ الالبانی] [2] معارف السنن ٤٦٣/٢

نیز علامہ بنوری رحمہ اللہ ہی لکھتے ہیں ''وقال فی نیل الفرقدین (ص ۲۲) إِنَّ الرَّفْعَ مُتَوَاتِرٌ إِسْنَادًا وَعَمَلاً ، وَلاَ يُشَكُّ فِيْهِ ، وَلَمْ يُنْسَخْ وَلاَ حَرْفٌ مِنْهُ'' الخ [1] علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیری نے نیل الفرقدین صفحہ ۲۲ پر فرمایا ''یقیناً رفع الیدین سند اور عمل کے لحاظ سے متواتر ہے اور اس میں شک نہیں کیا جاتا اور نہ وہ منسوخ ہے اور نہ ہی اس کا کوئی حرف''۔

مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری اور مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمہما اللہ تبارک وتعالیٰ کے مندرجہ ذیل بیانوں سے واضح ہے کہ بعض الناس کا قول ''رفع الیدین کی سب حدیثیں ضعیف ہیں'' سچ نہیں ہے ورنہ شاہ صاحب کشمیری اور علامہ صاحب بنوری کے مندرجہ بالا بیان صحیح اور درست نہیں قرار پاتے۔ واللہ اعلم ۱۴۱۶/۹/۱۰ھ

س: آپ کی خدمت اقدس میں ۱۰ سوال روانہ کردیئے ہیں آپ برائے مہربانی صحیح احادیث سے حل فرما کر میرے ایڈریس پر روانہ کردیں۔ یہ سوال بریلوی حضرات کی طرف سے عدم رفع الیدین کے متعلق ہیں۔

خواجہ خلیل الرحمان اہل حدیث جلال پور پیروالا

(۱) کیا رسول اللہ ﷺ کا آخری عمر شریف تک رفع الیدین کرنا ثابت ہے۔

(۲) خلفاء راشدین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے علیحدہ علیحدہ ان کے اپنے اپنے دور میں رفع الیدین کرنا ثابت ہے؟

(۳) امام طحاوی رحمہ اللہ، علامہ عینی رحمہ اللہ اور امام ابن ہمام رحمہ اللہ نے جو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالہ سے رفع الیدین کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کیا ہے کیا یہ صحیح نہیں ہے؟

(۴) علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ نے جو عمدۃ القاری شرح بخاری میں لکھا ہے۔ اِنَّه ابْتِدَاءُ الْإِسْلاَمِ ثُمَّ نُسِخَ کہ رفع الیدین ابتداء اسلام میں تھا پھر منسوخ کردیا گیا؟

(۵) اسلام کے ابتدائی زمانہ میں جب لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور ان میں سے بعض لوگ نماز پڑھتے وقت اپنی بغلوں میں بت دبائے رکھتے تھے تب ہی تو رسول اللہ ﷺ نے رفع الیدین کا حکم دیا تھا اور بعد میں رفع الیدین منسوخ کردیا تھا جیسا کہ علامہ عینی رحمہ اللہ نے شرح بخاری میں اس کا منسوخ ہونا لکھا ہے۔

(۶) بخاری شریف جلد اول ص ۷۴ میں ہے۔ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّيْ وَهُوَ حَامِلٌ اُمَامَةَ: کہ حضور علیہ السلام امامہ رضی اللہ عنہا کو (جو کہ آپ ﷺ کی نواسی تھی) اٹھا کر نماز پڑھتے تھے یہاں بھی کَانَ يُصَلِّيْ ہے اور رفع

[1] معارف السنن ۴۵۹/۲

الیدین کی حدیث میں بھی کَانَ یُصَلِّی ہے۔اگر رفع الیدین ہر نماز میں سنت ہے۔تو نواسی کو اٹھانا بھی ہر نماز میں سنت ہونا چاہیے؟

(۷) حضرت علقمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں۔پھر نماز پڑھی اور ایک بار کے سوا ہاتھ نہ اٹھائے [1]۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے اور فرمایا کہ اس حدیث پر بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کا عمل ہے۔سفیان ثوری رحمہ اللہ اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے۔

(۸) حضرت علقمہ رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام کے ساتھ نماز پڑھی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی۔نہ تو حضور علیہ السلام نے نہ صدیق رضی اللہ عنہ نے نہ فاروق رضی اللہ عنہ نے رفع الیدین کیا سوا تکبیر تحریمہ کے؟[2]

(۹) مولانا صفدر سرفراز گکھڑوی کے شاگرد رشید مناظر اسلام مولانا امین اوکاڑوی اپنی کتاب (مسئلہ رفع الیدین) میں عدم رفع الیدین پر قرآن مجید سے دلیل پیش کرتے ہیں ﴿اَلَّذِیْنَ قِیْلَ لَهُمْ كُفُّوْآ اَیْدِیَكُمْ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ ترجمہ مولانا امین صاحب اے ایمان والو! اپنے ہاتھوں کو روک کر رکھو جب تم نماز پڑھو۔[3]

(۱۰) مسلم شریف میں ہے۔حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم پر رسول اللہ ﷺ نکلے اور فرمایا کیا ہے مجھے کہ میں تجھے رفع الیدین کرتا ہوا دیکھتا ہوں۔گویا کہ سرکش گھوڑوں کے دم ہیں۔نماز میں آرام کیا کرو۔اگر رفع الیدین قبل رکوع۔بعد از رکوع پہلے کرتے بھی تھے تو مسلم شریف کی اس حدیث سے ممانعت ہوگئی۔بعض حضرات جو یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں بوقت سلام اشارہ کر کے رفع الیدین کرنے کی ممانعت ہے ان کا خیال غلط ہے۔اس لیے کہ وہ حدیث جس میں بوقت سلام اشارہ کرنے کی ممانعت ہے۔وہ دوسری ہے اس حدیث میں تو رفع الیدین کا ذکر ہے اور دوسری حدیث میں رفع الیدین کا ذکر نہیں بلکہ ایماءً بالیدین کا ذکر ہے کسی روایت میں تو ''تُوْمُوْنَ'' ہے۔

کسی میں تُشِیْرُوْنَ اور اس حدیث میں اُسْكُنُوْا فِی الصَّلٰوةِ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رفع الیدین نماز میں تھا جس کی ممانعت ہوئی اور سکون کا حکم فرمایا علامہ کاسانی حنفی۔بدائع الصنائع جلد اول ص ۲۰۷ میں لکھتے ہیں۔

رُوِیَ اَنَّهٗ ﷺ رَاٰی بَعْضَ اَصْحَابِهٖ یَرْفَعُوْنَ اَیْدِیَهُمْ عِنْدَ الرُّكُوْعِ وَعِنْدَ رَفْعِ الرَّاْسِ اُسْكُنُوْا فِی

---

[1] ترمذی شریف جلد اول ص ۳۵ ابوداود جلد اول ص ۱۰۹ اور نسائی شریف ص ۱۱۷ [2] دار قطنی جلد اول ص ۱۱۱ [3] النساء ۷۷ پ ۵

الصَّلاَةِ وَفی رِوَایَةٍ قَارُوْا فِی الصَّلٰوۃ.

مہربانی فرما کر ترتیب کے ساتھ ان سوالوں کا جواب حدیث کے مطابق دیا جائے (طالب جواب)

اختر حسین ولد حکیم مشتاق احمد جلال پور پیروالہ ضلع ملتان 28/7/95

ج: دس سوالوں کے جواب ترتیب وار مندرجہ ذیل ہیں بتوفیق اللہ تبارک وتعالیٰ وعونہ۔

(۱) حنفی لوگ وتروں کی تیسری رکعت میں رفع الیدین کرتے ہیں سوال ہے کیا رسول اللہ ﷺ کا وتروں کی تیسری رکعت میں آخری عمر شریف تک رفع الیدین کرنا ثابت ہے؟ اگر ہے تو دلیل پیش کریں اگر نہیں تو پھر رکوع والے رفع الیدین کے متعلق یہ آخری عمر شریف والا سوال کیوں؟ تو انصاف کا تقاضا ہے کہ وتروں کی تیسری رکعت والے رفع الیدین کا رسول اللہ ﷺ کی آخری عمر شریف تک ہونا ثابت کریں یا پھر رکوع والا رفع الیدین بھی شروع کر دیں کیونکہ اس کو آپ رسول اللہ ﷺ سے ثابت تو تسلیم فرما رہے ہیں صرف اس کے آخری عمر شریف تک ہونے کے ثبوت کو محل نظر قرار دے رہے ہیں اور آخری عمر شریف تک بلکہ پوری عمر شریف میں صرف ایک دفعہ وتروں کی تیسری رکعت والے رفع الیدین کو بھی ابھی تک آپ ثابت نہیں کر پائے اس کے باوجود آپ وہ کر رہے ہیں رہا رکوع والے رفع الیدین کے منسوخ ہونے کا دعویٰ تو وہ درست نہیں۔

صحیح بخاری اور **صحیح مسلم** میں ہے "جب آپ ﷺ رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع الیدین کرتے" اور **صحیح بخاری** اور **صحیح مسلم** میں ہی ہے "جب آپ ﷺ دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے تو رفع الیدین کرتے" [1] اور معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا آخری عمر شریف تک رکوع کرنا، رکوع سے سر اٹھانا اور دو رکعتوں سے اٹھنا ثابت ہے لہٰذا رسول اللہ ﷺ کا آخری عمر شریف تک ان تینوں مقاموں میں رفع الیدین کرنا بھی ثابت ہوا۔

پھر افتتاح نماز والا رفع الیدین حنفی لوگ بھی کرتے ہیں آیا ان کے نزدیک اس رفع الیدین کو رسول اللہ ﷺ کا آخری عمر شریف تک کرنا ثابت ہو چکا ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو دلیل پیش فرمائیں ورنہ رکوع والے رفع الیدین کی طرح اس کو بھی چھوڑ دیں اگر آپ فرمائیں کہ رکوع والا رفع الیدین منسوخ ہو چکا ہے تو یہ محض آپ کا اور آپ کے ہمنواؤں کا دعویٰ ہی ہے دلیل اس کی کوئی نہیں۔

بعض حنفی تکبیرات عیدین میں بھی رفع الیدین کرتے ہیں ان سے پوچھنا چاہیے کیا تکبیرات عیدین میں رسول

---

[1] [بخاری۔الاذان۔باب رفع الیدین فی التکبیرۃ الاولی مع الافتتاح سواءً۔ مسلم۔الصلاۃ۔باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین]

اللہ ﷺ کا آخری عمر شریف تک رفع الیدین کرنا ثابت ہے؟ جواب اثبات میں ہے تو دلیل پیش کریں ورنہ اس رفع الیدین کو چھوڑ دیں کیونکہ رکوع والے رفع الیدین کو انہوں نے صرف اس لیے چھوڑ رکھا ہے کہ وہ ان کے نزدیک آخری عمر شریف تک ثابت نہیں جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے۔

(۲) حنفی وتروں کی تیسری رکعت میں رفع الیدین کرتے ہیں کیا خلفاء راشدین حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی ﷺ سے علیحدہ علیحدہ ان کے اپنے اپنے دور میں وتروں کی تیسری رکعت میں رفع الیدین کرنا ثابت ہے؟ اگر ہے تو دلیل پیش کریں ورنہ اس کو بھی چھوڑ دیں یا رکوع والا رفع الیدین شروع کر دیں کیونکہ رکوع والے رفع الیدین کا رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین ﷺ سے نفس ثبوت آپ کے ہاں بھی تسلیم شدہ ہے صرف آپ کو ان سے آپ کی مندرجہ بالا شروط وقیود سے ثبوت میں کلام ہے ورنہ سوالوں میں آپ یہ قیود وشروط ذکر نہ فرماتے جبکہ آپ کی مندرجہ بالا قیود وشروط کا اہل اسلام کے لیے رفع الیدین پر عمل کرنے کے لیے نہ ثبوت ضروری ہے نہ اثبات باقی دعویٰ نسخ درست نہیں۔

(۳) امام طحاوی، علامہ عینی اور امام ابن ہمام نے جو بعض صحابہ کرام ﷺ کے حوالہ سے رفع الیدین کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کیا ہے وہ صحیح نہیں کیونکہ وہ بلا دلیل ہے مولانا عبدالحی حنفی لکھنوی التعلیق الممجد کے ص ۸۹ پر لکھتے ہیں: ''وَأَمَّا دَعْوٰی نَسْخِهٖ كَمَا صَدَرَ عَنِ الطَّحَاوِي مُغْتَرًّا بِحُسْنِ الظَّنِّ بِالصَّحَابَةِ التَّارِكِيْنَ وَابْنِ الْهَمَامِ وَالْعَيْنِي وَغَيْرِهِمْ مِنْ أَصْحَابِنَا فَلَيْسَتْ بِمُبْرهنٍ عَلَيْهَا بِمَآ يَشْفِي الْعَلِيْلَ وَيَرْوِي الْغَلِيْلَ'' نیز اسی صفحہ پر لکھتے ہیں ''لاَ يُجْتَرَأُ بِنَسْخِ أَمْرٍ ثَابِتٍ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ بِمُجَرَّدِ حُسْنِ الظَّنِّ بِالصَّحَابِيْ مَعْ إِمْكَانِ الْجَمْعِ بَيْنَ فِعْلِ الرَّسُوْلِ وَفِعْلِه'' [خلاصہ یہ ہے کہ رفع الیدین کو منسوخ کہنے کی کوئی دلیل نہیں ہے]

(۴) علامہ عینی نے اس دعویٰ کے بعد لکھا ہے ''وَالدَّلِيْلُ عَلَيْهِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ الزُّبَيْرِ رَاٰى رَجُلاً يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي الصَّلاَةِ عِنْدَ الرُّكُوْعِ وَعِنْدَ رَفْعِ رَأْسِهٖ مِنَ الرُّكُوْعِ فَقَالَ لَهٗ: لاَ تَفْعَلْ فَإِنَّ هٰذَا شَيْءٌ فَعَلَهٗ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ ثُمَّ تَرَكَهٗ'' علامہ موصوف نے نہ تو اس روایت کی سند نقل کی ہے اور نہ کسی کتاب کا حوالہ دیا ہے جس میں سند دیکھی جا سکے مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی التعلیق الممجد کے صفحہ نمبر ۸۹ پر لکھتے ہیں ''هٰذَا الْأَمْرُ لَمْ يَجِدْهُ الْمُخَرِّجُوْنَ الْمُحَدِّثُوْنَ مُسْنَدًا فِي كُتُبِ الْحَدِيْثِ'' مزید لکھتے ہیں ''مَا لَمْ يُوْجَدْ سَنَدُ أَثَرِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ الزُّبَيْرِ فِي كِتَابٍ مِنْ كُتُبِ الْحَدِيْثِ الْمُعْتَبَرَةِ كَيْفَ يُعْتَبَرُ بِه بِمُجَرَّدِ حُسْنِ الظَّنِّ بِالنَّاقِلِيْنَ''.

رہا علامہ عینی کا قول ''وَيُؤَيِّدُ النَّسْخَ مَا رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ'' الخ تو اس کا جواب سوال ۳ کے جواب میں آ چکا ہے۔

(۵) اس بتوں والی کہانی کی سند بیان فرمائیں مجھے تو ابھی تک اس کہانی کی کوئی سند نہیں ملی پھر غور فرمائیں جو لوگ افتتاح صلاۃ والے رفع الیدین کے وقت بغلوں کے بتوں کو گرنے نہیں دیتے آیا وہ رکوع والے رفع الیدین میں ان کو گرنے دیں گے پھر جب وتروں کی تیسری رکعت میں پہنچتے تو کیا وہ بتوں کو اٹھا کر پھر بغلوں میں دبا لیتے تھے تو اس واقعہ کو اگر تسلیم کر لیا جائے تو پھر افتتاح صلاۃ اور وتروں کی تیسری رکعت والے رفع الیدین سمیت کل رفع الیدین منسوخ قرار پاتے ہیں آیا آپ ہر رفع الیدین کو منسوخ مانتے ہیں؟

(۶) یہ سوال ان پر وارد ہو سکتا ہے جو كَانَ يَفْعَلُ سے استدلال کرتے ہیں جب کہ جواب اس کا بھی موجود مگر ہم كَانَ يَفْعَلُ سے استدلال نہیں کرتے لہٰذا ہم پر یہ سوال وارد ہی نہیں ہوتا ہم اپنا استدلال پہلے ذکر کر آئے ہیں سوال نمبر ا کا جواب پڑھ لیں۔

(۷) امام ترمذی نے واقعی اس حدیث کو حسن کہا ہے مگر حسن کہنے سے پہلے اسی حدیث کے متعلق انہوں نے عبداللہ بن مبارک کا قول ''لم يثبت'' بھی تو نقل فرمایا ہے چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''وَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ : قَدْ ثَبَتَ حَدِيْثُ مَنْ يَرْفَعُ وَذَكَرَ حَدِيْثَ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيْهِ ، وَلَمْ يَثْبُتْ حَدِيْثُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَرْفَعْ إِلاَّ فِي أَوَّلِ مَرَّةٍ حَدَّثَنَا بِذٰلِكَ أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الْآمِلِيُّ ثَنَا وَهْبُ بْنُ زَمْعَةَ عَنْ سُفْيَانَ بن عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْمُبَارَكِ'' اگر کوئی صاحب فرمائیں کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دے کر عبداللہ بن مبارک کے قول ''لَمْ يَثْبُتْ'' کی تردید فرما دی ہے تو جواباً گذارش ہے امام ترمذی کا کسی حدیث کو حسن کہنا اس کے لَمْ يَثْبُت ہونے کے منافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ مجتمع ہو سکتا ہے جیسا کہ امام ترمذی کی اپنے نزدیک حسن کی تعریف سے واضح ہے چنانچہ وہ علل صغیر میں لکھتے ہیں ''وَمَا ذَكَرْنَا فِي هٰذَا الْكِتَابِ حَدِيْثٌ حَسَنٌ فَإِنَّمَا أَرَدْنَا حُسْنَ إِسْنَادِهِ عِنْدَنَا كُلُّ حَدِيْثٍ يُرْوٰى لاَ يَكُوْنُ فِي إِسْنَادِهِ مَنْ يُتَّهَمُ بِالْكَذِبِ وَلاَ يَكُوْنُ الْحَدِيْثُ شَاذًا وَيُرْوٰى مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ نَحْوِ ذٰلِكَ فَهُوَ عِنْدَنَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ'' تو یہ حدیث امام ترمذی کے نزدیک حسن لَمْ يَثْبُت ہے حسن ثبت نہیں۔ باقی رہی موقوف، مقطوع اور ائمہ کے اقوال و اعمال تو وہ دین میں حجت نہیں خصوصاً جب وہ ثابت شدہ مرفوع احادیث کے ساتھ متصادم و متعارض ہوں۔

(۸) دارقطنی ہی نے اس روایت کو بیان کرنے کے بعد لکھا ہے'' تَفَرَّدَ بِهِ مُحَمَّدُ بْنُ جَابِرٍ وَكَانَ ضَعِيْفًا عَنْ

حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ ، وَغَيْرُ حَمَّادٍ يَرْوِيْهِ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ مُرْسَلاً عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ مِنْ فِعْلِهٖ غَيْرَ مَرْفُوْعٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ الصَّوَابُ'' سائل نے اس روایت کو دارقطنی میں دیکھ لیا تو انہیں اس کے بعد امام دارقطنی کا فیصلہ بھی دیکھ لینا چاہیے تھا اور روایت نقل کرنے کے ساتھ اس فیصلہ کو بھی نقل کرنا چاہیے تھا۔

(۹) ''اے ایمان والو اپنے ہاتھوں کو روک کر رکھو جب تم نماز پڑھو'' قرآن مجید کی کسی آیت یا آیت کے کسی حصہ کا ترجمہ نہیں۔ جو آیت سوال نامہ میں درج کی گئی ہے اس کا بھی یہ ترجمہ نہیں ہے لہٰذا سائل کی ذمہ داری ہے کہ وہ بذات خود یا مولانا امین صاحب اوکاڑوی یا ان کے استاذ رشید مولانا صفدر سرفراز صاحب گکھڑوی سے دریافت فرما کر قرآن مجید کی وہ آیت لکھیں جس کا ترجمہ ہو ''اے ایمان والو اپنے ہاتھوں کو روک کر رکھو جب تم نماز پڑھو''۔

(۱۰) اس حدیث میں کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جو اس کے رکوع والے رفع الیدین کے متعلق ہونے پر دلالت کرتا ہو اس لیے اس حدیث سے استدلال کرنے سے پہلے اس کے رکوع والے رفع الیدین کے متعلق ہونے کو ثابت کریں آپ کی بات ''وہ حدیث جس میں بوقت سلام اشارہ کرنے کی ممانعت ہے وہ دوسری ہے'' درست مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ پہلی حدیث (جو آپ نے نقل فرمائی) رکوع والے رفع الیدین کے متعلق ہو بدائع الصنائع کے حوالہ سے جو روایت آپ نے نقل فرمائی وہ اس کی دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ وہ بلاسند ہے آپ پر لازم ہے کہ اس کی سند پیش کریں۔

پھر غور کا مقام ہے آیا وتروں کی تیسری رکعت میں رفع الیدین بھی ''سرکش گھوڑوں کے دم ہیں'' کا مصداق ہے یا نہیں؟ نیز وہ ''اُسْكُنُوْا فِي الصَّلاةِ '' کے منافی ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو حنفی لوگ اسے بھی چھوڑ دیں اور اگر نہیں تو رکوع والے رفع الیدین پر نکتہ چینی کیوں؟ جبکہ وتروں کی تیسری رکعت والا رفع الیدین رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہی نہیں اور رکوع والا رفع الیدین رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے منسوخ بھی نہیں نہ اس حدیث سے اور نہ ہی کسی اور حدیث سے۔

پھر سائل نے بار بار رکوع والے رفع الیدین کو منسوخ کہا اور قرار دیا اور معلوم ہے کہ جو چیز منسوخ ہو وہ قبل از نسخ مشروع ہوتی ہے اور مشروع چیز کا مذاق نہیں اڑایا جاتا اور نہ ہی اس کو مذموم چیز کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے تو اگر یہ حدیث رکوع والے رفع الیدین کے لیے ناسخ ہوتی یا اس سے ممانعت کے لیے ہوتی تو اس میں '' كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمْسٍ '' الفاظ نہ ہوتے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کسی مشروع چیز کے متعلق ایسے الفاظ استعمال نہیں فرما سکتے۔

اس مسئلہ پر مزید تفصیل و تحقیق کی خاطر میری کتاب ''مسئلہ رفع الیدین'' کا مطالعہ فرمائیں ان شاء اللہ بہت فائدہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سعادت دارین سے ہمکنار فرمائے آمین یارب العالمین ۱۴۱۶/۴/۳ھ

س: نماز میں رفع الیدین فرض ہے یا سنت ہے؟ محمد نواز شاہد لدھیوالہ چیمہ

ج: فرض یا سنت کی وضاحت کسی حدیث میں نہیں آئی البتہ احادیث سے یہ چیز ضرور ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں رفع الیدین کرتے تھے نیز رسول اللہ ﷺ کا حکم ﴿صَلُّوْا کَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ﴾[1] [تم نماز اس طرح پڑھو جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو] ۲۲ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ

س: رفع الیدین اور آمین بالجہر کے بارے میں بھی روشنی ڈالیں؟ عبدالواحد گوجرانوالہ 29/1/87

ج: رفع الیدین کرنا اور آمین بالجہر کہنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے رفع الیدین کے لیے بخاری، مسلم اور آمین بالجہر کے لیے ابوداود، ترمذی، مستدرک حاکم ملاحظہ ہوں۔ ۱۴۰۷/۶/۱ھ

س: رفع الیدین اونچی آواز میں آمین اور ہاتھ باندھنا۔ کیا ان کے بغیر نماز نہیں ہوتی؟ محمد عادل لاہور 2/4/94

ج: رفع الیدین، اونچی آواز میں آمین اور ہاتھ باندھنے میں سے کسی ایک کو یا کوئی سے دو کو یا تینوں کو چھوڑ دینے سے رسول اللہ ﷺ والی نماز نہیں رہتی اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ کی نماز جیسی ہوتی ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے: ﴿صَلُّوْا کَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ﴾ ۱۴۱۴/۱۰/۲۴ھ

س: رفع الیدین کے متعلق اکثر دوست کہتے ہیں کہ اس لیے رفع الیدین کیا گیا کہ منافق لوگ بغلوں میں بت لے کر آتے تھے اس سوال کا کیا جواب دیں کہ اس سوال کی تردید ہو سکے اور حقائق صحیحہ کا پتہ چل سکے حالانکہ ہمیں تو نبی ﷺ کی پیروی کا حکم ہے؟ محمد سلیم بٹ

ج: یہ بتوں والی بات کتاب وسنت میں کہیں وارد نہیں ہوئی پھر اس بات کو کہنے والے خود تکبیر تحریمہ کے وقت اور وتروں میں دعائے قنوت کے وقت رفع الیدین کرتے ہیں تو آیا وہ بت لے کر آتے ہیں؟ ۱۴۱۶/۱۱/۲۲ھ

س: کیا رفع الیدین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آغاز اسلام سے ہی کرنے کا حکم دیا تھا یا درمیان میں یا آخر میں۔ بریلوی علماء کہتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام نے حضور ﷺ کو نماز کی تعلیم دیتے ہوئے رفع الیدین نہ کیا؟

حافظ محمد فاروق کوٹ رادھا کشن ضلع قصور 27/9/99

---

[1] [صحیح بخاری جلد اول کتاب الاذان باب الاذان للمسافر]

ج: صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے ''رسول اللہ ﷺ جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع الیدین کرتے ایک روایت میں ہے جب دو رکعتوں سے اٹھتے تو رفع الیدین کرتے''[1] تو واضح ہے اس میں اول اسلام درمیان اسلام اور آخر اسلام والی ساری نمازیں شامل ہیں کیونکہ رکوع تو تمام میں پایا جاتا ہے۔ آپ ان سے پوچھیں افتتاح صلاۃ والا رفع الیدین آغاز سے ہے یا درمیان میں یا آخر اسلام میں؟ فَمَا هُوَ جَوَابُهُمْ فَهُوَ جَوَابُكُمْ.

باقی جبریل علیہ السلام کے رفع الیدین تعلیم نہ دینے والی حدیث کا حوالہ ان سے طلب فرمالیں ہمیں تو معلوم نہیں رفع الیدین کیے بغیر پڑھی ہوئی نماز رسول اللہ ﷺ والی نماز نہیں۔ ۱۴۱۰/۶/۲۴ھ

س: چار رکعت والی نماز میں امام پڑھ رہا ہو تو ایک آدمی آتا ہے تو ایک رکعت ہو جاتی ہے دوسری رکعت پڑھ کر امام کھڑا ہوتا ہے تو رفع الیدین کرتا ہے جس آدمی کی ایک رکعت رہ جاتی ہے وہ بھی امام کی پیروی میں رفع الیدین کرے یا نہ کرے جبکہ حدیث میں دو رکعت کے بعد رفع الیدین ہے؟ ملک محمد یعقوب ہری پور 16/1/91

ج: مقتدی، امام اور منفرد اپنی اپنی دوسری رکعت پر قعدہ سے اٹھ کر رفع یدین کرے۔ ۱۴۱۱/۷/۷ھ

اشتہار ''ہم رفع الیدین کیوں نہیں کرتے'' کا جواب

(۱) آیت خَاشِعُوْنَ: تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما ''لاَ يَرْفَعُوْنَ اَيْدِيَهُمْ'' کی سند میں محمد بن مروان سدی قابل اعتبار نہیں ہے کئی ایک محدثین نے اس کو کذاب کہا ہے اس کے علاوہ اس تفسیر کی جتنی سندیں ہیں سب ضعیف ہیں۔ پھر وتروں کی تیسری رکعت میں قنوت کے وقت رفع الیدین کیوں کی جاتی ہے؟

(۲) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث بخاری شریف اور مسلم شریف میں رکوع جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین کرنے کی حدیث ہے جس کو مسند حمیدی میں نہ کرنے کی بنا یا گیا ہے پھر مسند حمیدی میں اس کی سند بھی منقطع ہے۔

(۳) براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ابوداود اپنی کتاب سنن میں ''لَيْسَ بِصَحِيْحٍ'' کہتے ہیں کہ روایت صحیح نہیں ہے۔

(۴۔۵) جابر بن سمرہ والی حدیث[2] میں رکوع والے رفع الیدین کا کوئی ذکر نہیں یہ رکوع والے رفع الیدین کے علاوہ کوئی اور رفع الیدین ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ رکوع والا رفع الیدین رسول اللہ ﷺ خود کیا کرتے تھے جیسا کہ بخاری ومسلم اور دیگر کتب حدیث میں موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ رکوع جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین کیا کرتے تھے پھر غور کا مقام ہے کہ وتروں کی تیسری رکعت میں قنوت کے وقت رفع الیدین بھی سرکش گھوڑوں کی دم ہے

[1] [بخاری۔الاذان۔ باب رفع الیدین اذا قام من الرکعتین.] [2] [مسلم۔الصلاۃ۔باب الامر بالسکون فی الصلاۃ.]

یا نہیں؟ یہ رفع الیدین پھر کیوں کیا جاتا ہے۔

(۶) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بخاری شریف والی حدیث میں کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس کا ترجمہ یا مطلب ''رفع الیدین نہ کرتے تھے'' بن سکے اور اگر یہی مطلب نکلتا ہے تو پھر نماز کے شروع والے رفع الیدین کو چھوڑنا ہوگا نیز وتروں کی تیسری رکعت والے رفع الیدین کو چھوڑنا ہوگا کیونکہ ان دونوں رفع الیدین کا بھی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ذکر نہیں۔

(۷) علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی بخاری شریف والی حدیث میں بھی رکوع والے رفع الیدین کا ذکر نہیں اگر اس کا مطلب رفع الیدین نہ کرنا ہے تو اس میں تکبیر تحریمہ والے رفع الیدین کا بھی ذکر نہیں پھر وتروں کی تیسری رکعت والے رفع الیدین کا ذکر نہیں تو ان دونوں مقاموں میں بھی حنفی لوگ رفع الیدین چھوڑ دیں اگر وہ کہیں کہ شروع نماز میں رفع الیدین کی دوسری حدیثیں موجود ہیں تو پھر رکوع والے رفع الیدین کی بھی دوسری حدیثیں موجود ہیں لہٰذا وہ رکوع والے رفع الیدین کو بھی اپنا لیں اور سنت پر عمل کریں۔

(۸) علی بن حسین کی نبی کریم ﷺ سے ملاقات نہیں کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد پیدا ہوئے ہیں لہٰذا یہ روایت صحیح نہیں پھر اس میں کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس کا ترجمہ ''صرف اللہ اکبر کہتے تھے'' بنتا ہو پھر اس روایت میں کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس کا مطلب ''رفع الیدین نہ کرتے تھے'' بنتا ہو اور اگر کسی کو اس مطلب پر اصرار ہو تو پھر اس پر لازم ہے کہ شروع نماز والا اور وتروں کی تیسری رکعت والا رفع الیدین بھی چھوڑ دے کیونکہ اس روایت میں ان دونوں کا بھی ذکر نہیں۔

(۹) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے متعلق ترمذی شریف میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود کی حدیث ثابت نہیں عبداللہ بن مبارک کا یہ فیصلہ نسائی شریف والی حدیث کے متعلق بھی ہے اس کی پوری تفصیل میری کتاب ''مسئلہ رفع الیدین'' میں دیکھ لیں۔

(۱۰) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ''صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَمَعَ أَبِي بَكْرٍ '' دارقطنی والی اور بیہقی والی صحیح نہیں کیونکہ اس کی سند میں محمد بن جابر ہے جس کے متعلق دارقطنی اور بیہقی میں لکھا ہے۔ محمد بن جابر ضعیف ہے اس کی پوری تفصیل میری کتاب ''مسئلہ رفع الیدین'' میں دیکھ لیں۔

(۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴) علی بن ابی طالب اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ عمل رسول اللہ ﷺ کے عمل رکوع والے رفع الیدین کے موافق نہیں کیونکہ صحیح بخاری صحیح مسلم اور دیگر کتب احادیث میں رسول اللہ ﷺ کا رکوع جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین کرنا ثابت ہے۔ ۱۴۱۰/۷/۲۱ھ

رکوع کے بعد

س: رکوع کے بعد جو دعا ہم پڑھتے ہیں (یعنی حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ) کیا یہ دعا رسول کریم ﷺ نے یا کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے رکوع کے بعد پڑھی ہے کیا یہ دعا پڑھیں یا جو دعا رسول کریم ﷺ سے حدیث میں منقول ہے وہ پڑھیں؟

ملک محمد یعقوب ہری پور 2/7/89

ج: امام بخاری اپنی مایہ ناز کتاب صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۱۰ میں لکھتے ہیں:

﴿ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نُعَيْمِ بْنِ عَبْدِاللهِ الْمُجْمِرِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ يَحْيٰى بْنِ خَلَّادٍ الزُّرَقِيِّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ الزُّرَقِيِّ قَالَ كُنَّا نُصَلِّيْ يَوْمًا وَرَآءَ النَّبِيِّ ﷺ فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ قَالَ رَجُلٌ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ مَنِ الْمُتَكَلِّمُ ؟ قَالَ أَنَا قَالَ رَأَيْتُ بِضْعَةً وَثَلَاثِيْنَ مَلَكًا يَبْتَدِرُوْنَهَا اَيُّهُمْ يَكْتُبُهَا اَوَّلُ ﴾

[حضرت رفاعۃ بن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم نے نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی پس جب آپ ﷺ نے اپنا سر رکوع سے اٹھایا تو آپ نے "سمع الله لمن حمده" کہا ایک آدمی نے آپ کے پیچھے "رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْد حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ" کہا پس جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے پوچھا کون ہے جس نے بات کی ہے (یعنی ربنا ولك الحمد الخ) تو اس آدمی نے کہا میں نے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں نے تیس سے کچھ زائد فرشتوں کو دیکھا کہ وہ جلدی کر رہے تھے کہ کون اس کلمے کو پہلے لکھے]

۱٤۰۹/۱۲/٤ھ

س: کیا رکوع کے بعد ربنا ولک الحمد الخ بلند آواز سے پڑھ سکتے ہیں؟ محمد امجد طاہر آزاد کشمیر 30 دسمبر 1998

ج: رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ کے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے بآواز بلند "ربنا ولك الحمد حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه" کہنے والی حدیث صحیح کا سیاق دلالت کر رہا ہے کہ اس واقعہ سے پہلے یہ ذکر بلند آواز کے ساتھ کرنے کا معمول نہیں تھا ورنہ رسول اللہ ﷺ کو "مَنِ الْمُتَكَلِّمُ" کے الفاظ سے سوال کرنے کی ضرورت نہ تھی پھر آپ ﷺ کو "فَإِنَّهُ لَمْ يَقُلْ بَأْسًا" کہنے کی بھی کوئی حاجت نہ تھی پھر اس واقعہ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا آپ ﷺ کے پیچھے اس

ذکر کو بلند آواز کے ساتھ کہنے کو معمول بنانا میری نظر سے کہیں نہیں گذرا زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی کسی وقت امام کے پیچھے یہ ذکر بلند آواز کے ساتھ کہہ لے تو شریعت میں گنجائش ہے گناہ گار نہیں ہو گا رہا اس ذکر کے آواز بلند کرنے کو عمل مستمر قرار دینا تو اسکی دلیل درکار ہے؟ ۱۴۱۹/۱۰/۲۹ھ

س :سید بدیع الدین صاحب راشدی یا دیگر علمائے اہل حدیث جو رکوع کے بعد پھر ہاتھ باندھتے ہیں کیا صحیح طریقہ ہے کوئی حدیث ایسی ملتی ہے یا نہیں؟ محمد صفدر عثمانی کوٹ حسین 1/7/1986

ج :اس موضوع پر شیخ بدیع الدین صاحب راشدی -حفظہ اللہ تعالیٰ- نے کوئی دس گیارہ رسالے تصنیف فرمائے ہیں ان میں سے کسی کا مطالعہ فرما لیں ان کے ایک رسالہ کے آغاز میں شیخ عبداللہ ناصر حفظہ اللہ کا مقدمہ بھی ہے اگر اس کا مطالعہ کریں تو زیادہ مفید ہے پھر اس پر شیخ ابن باز حفظہ اللہ تعالیٰ کا بھی ایک چھوٹا سا کتابچہ ہے اسکا بھی مطالعہ فرما لیں۔ بہر حال ہاتھ باندھنے والے نسائی شریف کی حدیث کے عموم سے استدلال کرتے ہیں جیسے یہ قبل الرکوع وضع الیدین کو متناول ہے ویسے ہی بعد الرکوع وضع الیدین کو بھی شامل ہے وہ لفظ یہ ہیں إِذَا قَامَ فِي الصَّلٰوةِ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى [جب وہ نماز میں کھڑے ہوتے اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ پر رکھتے] تحقیق کے لیے حافظ عبداللہ صاحب محدث روپڑی -رحمہ اللہ تعالیٰ- کا رسالہ إرسال الیدین اور پیر محبّ اللہ شاہ صاحب راشدی حفظہ اللہ تعالیٰ کے اس موضوع پر رسالے مطالعہ میں رکھیں۔ ۱۴۰۹/۱۱/۱ھ

س :احادیث کی روشنی میں رکوع کے بعد ہاتھوں کی کیفیت و ہیئت۔ نیز مسند امام احمدؒ ج ۴ میں حضرۃ وائل بن حجر کی روایت کی سند کی وضاحت فرمائیں؟ حدیث : ﴿حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ حَدَّثَنِي اَبِيْ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْوَلِيْدِ حَدَّثَنِي سُفْيَانُ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ حِيْنَ كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِذَآءَ أُذُنَيْهِ ثُمَّ حِيْنَ رَكَعَ ثُمَّ حِيْنَ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَفَعَ يَدَيْهِ وَرَأَيْتُهُ مُمْسِكًا يَمِيْنَهُ عَلٰى شِمَالِهِ فِي الصَّلٰوةِ فَلَمَّا جَلَسَ ..... إِلٰى آخر الحديث﴾ [1] افتخار الدین آصف

ج : آپ نے جس حدیث کی سند کے متعلق دریافت فرمایا ہے اس کی سند میں سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ہیں جن کے بعض شاگرد مثلاً عبدالرزاق رحمہ اللہ تعالیٰ تو جملہ ’’وَرَأَيْتُهُ مُمْسِكًا يَمِيْنَهُ عَلٰى شِمَالِهِ فِي الصَّلٰوةِ‘‘ ذکر نہیں کرتے [2] اس بات سے قطع نظر کرتے ہوئے (کیونکہ سفیان ثوری کے شاگرد عبداللہ بن ولید ثقہ ہیں اور وہ یہ جملہ بیان کرتے ہیں اور قاعدہ ہے۔ ’’ زِيَادَةُ الثِّقَةِ مَقْبُوْلَةٌ مَا لَمْ تَقَعْ مُنَافِيَةً لِمَا هُوَ اَوْثَقُ ‘‘ دیکھیں سفیان ثوری کے

[1] مسند احمد جلد ٤ [2] مسند احمد ٤/٣١٧ ، مصنف عبدالرزاق ٢/٦٨-٦٩-٢٥٢٢

ساتھی اور عاصم بن کلیب کے دوسرے شاگرداس جملہ کو اس محل پر ذکر نہیں کرتے جس محل پر سفیان ثوری ذکر کرتے ہیں چنانچہ

(۱) زائدہ کا بیان ہے: ''حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ كُلَيْبٍ أَخْبَرَنِيْ أَبِيْ أَنَّ وَائِلَ بْنَ حُجْرٍ الْحَضْرَمِيَّ أَخْبَرَهُ قَالَ: قُلْتُ لَأَنْظُرَنَّ إِلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ كَيْفَ يُصَلِّيْ ؟ قَالَ : فَنَظَرْتُ إِلَيْهِ قَامَ فَكَبَّرَ ، وَرَفَعَ يَدَيْهِ ، حَتّٰى حَاذَتَا أُذُنَيْهِ ، ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى ظَهْرِ كَفِّهِ الْيُسْرٰى وَالرُّسْغِ وَالسَّاعِدِ'' ۔الحدیث [1]

(۲) اور زہیر بن معاویہ کے لفظ ہیں ''عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ أَنَّ أَبَاهُ أَخْبَرَهُ أَنَّ وَائِلَ بْنَ حُجْرٍ أَخْبَرَهُ قَالَ : قُلْتُ : لَأَنْظُرَنَّ إِلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ كَيْفَ يُصَلِّيْ ؟ فَقَامَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى حَاذَتَا أُذُنَيْهِ ثُمَّ أَخَذَ شِمَالَهُ بِيَمِيْنِهِ'' ۔الحدیث [2]

(۳) اور عبدالواحد کا سیاق ہے: ''حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ كُلَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ الْحَضْرَمِيِّ قَالَ : أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ ، فَقُلْتُ : لَأَنْظُرَنَّ كَيْفَ يُصَلِّيْ ؟ قَالَ : فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَكَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى كَانَتَا حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ قَالَ : ثُمَّ أَخَذَ شِمَالَهُ بِيَمِيْنِهِ'' ۔الحدیث [3]

(۴) اور عبداللہ بن ادریس کی روایت ہے ''عن عاصم بن كليب عن أبيه عن وائل بن حجر قال: رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ حِيْنَ كَبَّرَ أَخَذَ شِمَالَهُ بِيَمِيْنِهِ'' [4]

تو عاصم بن کلیب کے ان مذکور بالا چار شاگردوں اور دوسرے کئی شاگردوں کے الفاظ وسیاق سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے جو رسول اللہ ﷺ کو نماز میں ہاتھ باندھے دیکھا تو یہ انہوں نے آپ کو تکبیر تحریمہ کے بعد رکوع سے پہلے ہاتھ باندھے دیکھا۔

رہا سفیان ثوری کا سیاق تو اس میں ''وَرَأَيْتُهُ مُمْسِكًا يَمِيْنَهُ إِلٰى شِمَالِهِ فِي الصَّلَاةِ'' کا عطف ''رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ حِيْنَ كَبَّرَ'' الخ پر ہے اور عطف بحرف واو ہے اور معلوم ہے کہ واو ترتیب پر دلالت نہیں کرتی دیکھئے قرآن مجید میں ذبح بقرہ والا واقعہ پہلے بیان ہوا بعد میں ہے ﴿وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا﴾ الآیۃ حالانکہ قتل نفس پہلے ہے ذبح بقرہ سے واقعے میں تو بسا اوقات ایسا ہو جاتا ہے کہ واقعہ میں ایک چیز پہلے ہے مگر بیان میں آپ اسے بعد میں ذکر کرتے ہیں تو ترتیب بیان اور ترتیب واقع میں موافقت کوئی ضروری نہیں۔

---

[1] مسند احمد ۴/۳۱۸ [2] مسند احمد ۴/۳۱۸ [3] مسند احمد ۴/۳۱۶ [4] مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۹۰

اگر کہا جائے کہ واقعاتی ترتیب سفیان کے سیاق میں ہے تو یہ درست نہیں کیونکہ اس سیاق میں کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جو ہاتھ باندھنے کے بعد از رکوع ہونے پر دلالت کرتا ہو اور نہ ہی یہ چیز مفہوم سیاق سے نکلتی ہے۔

ہاں ان کے سیاق میں فی الصلاۃ کا لفظ عام ہے قبل الرکوع اور بعد الرکوع دونوں کو شامل ہے مگر عاصم بن کلیب کے دوسرے شاگردوں کے سیاق بتا رہے ہیں یہ عموم مراد نہیں ہے بلکہ اس سے خصوص تکبیر تحریمہ کے بعد رکوع سے پہلے ہاتھ باندھنا مراد ہے۔ واللہ اعلم ۱۴۱۳/۸/۳ھ

س: نماز میں بعد رکوع کے ہاتھ باندھنا صحیح ہے یا نہیں۔ اس بارہ میں مسئلہ سمجھنے کی غرض سے چند ایک عبارات پیش خدمت ہیں کچھ وقت نکال کر وضاحت فرما دیں شکراً جزیلاً جزاك الله خیراً.

عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ إِذَا كَانَ قَائِمًا فِي الصَّلٰوةِ قَبَضَ بِيَمِيْنِهِ عَلٰى شِمَالِهِ [1] اور نیز مسلم شریف ص ۱۹۰ کی روایت میں آپ ﷺ سے طویل دعا مروی ہے اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ایک روایت میں کہتے ہیں ثُمَّ قَامَ طَوِيْلاً قَرِيْبًا مِنَ الرُّكُوْعِ الحديث [2] (رکوع کے بعد رکوع کے قریب لمبا قیام فرمایا تو ہاتھ باندھنے ضروری ہوئے) اور حنفی عالم علامہ ابوبکر کاسانی اپنی کتاب بدائع الصنائع ص۲۰۱ج۱ میں لکھتے ہیں ''وَكَذٰلِكَ مَرْوِيٌّ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَ مُحَمَّدٍ اَنَّهُمَا يَضَعُهُمَا كَمَا يَضَعُ يَمِيْنَهٗ عَلٰى يَسَارِهٖ فِي الصَّلٰوةِ'' اور علامہ عبدالحی لکھنوی اس مسئلہ سے متعلق طویل بحث کے بعد لکھتے ہیں کہ ''..... لاَ مُضَائِقَةَ فِي إِخْتِيَارِهٖ بَعْدَ ظُهُوْرِ مُوَافَقَتِهٖ'' [3] ان حوالہ جات سے ثابت ہوتا ہے کہ بعد رکوع قیام کی صورت میں ہاتھ باندھ لینے چاہئیں اور رسول اللہ ﷺ سے قولاً، فعلاً، تقریراً بھی ثابت ہے جبکہ رفع الیدین نماز میں صرف فعلاً اور تقریراً ثابت ہے۔

محمد صدیق المملکۃ العربیۃ السعودیہ ۱۴۱۸/۲/۲۸ھ

ج: آپ نے رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کے لیے دلیل پیش فرمائی ہے: ﴿عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ إِذَا كَانَ قَائِمًا فِي الصَّلٰوةِ قَبَضَ بِيَمِيْنِهِ عَلٰى شِمَالِهِ﴾ [وائل بن حجر فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب آپ کھڑے ہوتے تھے تو اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ اپنے بائیں ہاتھ کو پکڑتے تھے] [4] انتہی۔

---

[1] النسائی جلد۱ ص۱۰۵ کتاب افتتاح باب وضع الیمین علی شمال فی الصلوة [2] صحیح ابو عوانه ص ۱۳۶ ج۲ [3] شرح الوقایه ج۱ ص۱۵۹ [4] النسائی ـ كتاب الافتتاح ج۱ ص۱۰۵

آپ کی دلیل کے سلسلہ میں گذارش ہے کہ جو لفظ آپ نے ذکر فرمائے وہ واقعی قیام قبل الرکوع اور قیام بعد الرکوع دونوں کو شامل ہیں مگر یہ عموم مراد نہیں بلکہ اس سے صرف خاص قیام قبل الرکوع مراد ہے اس کی دلیل یہی وائل بن حجر رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے جس کے لفظ صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۳ اور مسند احمد ج ۴ ص ۳۱۷، ۳۱۸ میں یوں ہیں ''عَنْ أَبِيْهِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ رَفَعَ يَدَيْهِ حِيْنَ دَخَلَ فِي الصَّلاةِ كَبَّرَ وَصَفَ هَمَامٌ حِيَالَ أُذُنَيْهِ ، ثُمَّ الْتَحَفَ بِثَوْبِهِ ، ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى ، فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ أَخْرَجَ يَدَيْهِ مِنَ الثَّوْبِ ، ثُمَّ رَفَعَهُمَا'' ۔ [حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کو دیکھا جب نماز میں داخل ہوئے رفع الیدین کیا اللہ اکبر کہا ہمام (حدیث کا راوی ہے) نے اپنے کانوں کے برابر کر کے دکھایا پھر آپ نے اپنے کپڑے کو لپیٹا پھر اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ پر رکھا پھر جب رکوع کرنے کا ارادہ کیا کپڑے سے اپنے دونوں ہاتھوں کو نکالا پھر رفع الیدین کیا] الحدیث۔

اہل علم جانتے ہیں کہ لفظ ''ثم'' اور فاء دونوں ترتیب کے لیے آتے ہیں تو آپ '' ثم وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى ، فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ '' الخ کے الفاظ پر غور فرمائیں تو بخوبی سمجھ جائیں گے کہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے تکبیر تحریمہ اور رکوع کے درمیان ہاتھ باندھنے کو دیکھا اور بیان فرمایا ہے تو وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے یہ الفاظ دلالت کر رہے ہیں کہ ان کی حدیث کے الفاظ ''رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ إِذَا كَانَ قَائِمًا قَبَضَ '' الخ اور الفاظ ''رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ وَاضِعًا يَمِيْنَهُ عَلٰى شِمَالِهِ فِي الصَّلاةِ'' نیز الفاظ ''وَرَأَيْتُهُ مُمْسِكًا يَمِيْنَهُ عَلٰى شِمَالِهِ فِي الصَّلاةِ'' سے مراد قیام قبل الرکوع ہے۔

پھر صحیح ابن خزیمہ ج ۱ ص ۲۴۲ میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے الفاظ ہیں ''قَالَ: أَتَيْتُ الْمَدِيْنَةَ ، فَقُلْتُ : لَأَنْظُرَنَّ إِلٰى صَلاةِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ ، فَرَأَيْتُ حِيْنَ افْتَتَحَ الصَّلاةَ كَبَّرَ، فَرَفَعَ يَعْنِي يَدَيْهِ فَرَأَيْتُ إِبْهَامَيْهِ بِحِذَاءِ أُذُنَيْهِ ، ثُمَّ أَخَذَ شِمَالَهُ بِيَمِيْنِهِ ، ثُمَّ قَرَأَ'' . ثُمَّ ذَكَرَ الْحَدِيْثَ''۔

یہ الفاظ صاف صاف بتا رہے ہیں کہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان ہاتھ باندھنے کو دیکھا اور بیان فرمایا چنانچہ امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے ان الفاظ پر باب منعقد فرمایا ہے ''بَابُ وَضْعِ الْيَمِيْنِ عَلَى الشِّمَالِ فِي الصَّلاةِ قَبْلَ الْقِرْأَةِ'' تو امام صاحب موصوف

ان الفاظ کے ساتھ باب منعقد فرما کر اشارہ کر رہے ہیں کہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے الفاظ جہاں کہیں عام وارد ہوئے ہیں مثلاً ''إِذَا كَانَ قَائِمًا'' اور ''فِي الصَّلَاةِ'' ان سے مراد قیام فی الصلوٰۃ قبل القراءۃ ہی ہے۔

سجدہ کا بیان

س: (۱) وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت جو کہ نسائی وغیرہ میں ہے کہ نبی کریم ﷺ سجدہ میں جاتے وقت پہلے گھٹنے لگاتے تھے۔ اگر یہ حدیث صحیح الاسناد ہے تو ٹھیک ہے اگر ضعیف ہے تو باحوالہ وجہ ضعف لکھ کر بھیج دیں۔ مہربانی ہوگی۔
(۲) دوسری حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے اس میں ہے کہ اونٹ کی طرح نہ بیٹھے پہلے ہاتھ رکھے۔ اونٹ کے تو ہاتھ اگلی ٹانگیں ہیں تو یہ مشابہت کیسی ہے؟ ماسٹر محمد سلیم پسرور سیالکوٹ

ج: (۱) وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت ''رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ إِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ، وَإِذَا نَهَضَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ'' [1] [میں نے دیکھا رسول اللہ ﷺ کو جب آپ ﷺ سجدہ کرتے تو ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھتے اور جب اٹھتے تو ہاتھ گھٹنوں سے پہلے اٹھا لیتے] ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں شریک بن عبداللہ نخعی ایک راوی ہیں جن کے متعلق إرواء الغلیل ۲/۷۶ میں ہے ''وَأَمَّا الدَّارَ قُطْنِي فَقَالَ عَقْبَ الْحَدِيْثِ: تَفَرَّدَ بِهِ يَزِيْدُ عَنْ شَرِيْكٍ، وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهِ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ غَيْرَ شَرِيْكٍ، وَشَرِيْكٌ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ فِيمَا تَفَرَّدَ بِهِ'' [دار قطنی رحمہ اللہ انہوں نے حدیث کے بعد فرمایا ہے متفرد ہے یزید شریک سے اور نہیں بیان کیا اس حدیث کو عاصم بن کلیب سے علاوہ شریک کے اور شریک جب متفرد ہو تو وہ قوی نہیں ہوتا] اس روایت کے متعلق تفصیلی کلام ارواء کے مذکور مقام پر پڑھ لیں۔

(۲) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ''إِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَبْرُكْ كَمَا يَبْرُكُ الْبَعِيْرُ، وَلْيَضَعْ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ'' [جب سجدہ کرے تم میں سے ایک پس نہ بیٹھے جیسے اونٹ بیٹھتا ہے اور ہاتھ پہلے رکھے گھٹنوں سے] [2] رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے صاحب ارواء لکھتے ہیں ''قَالَ النَوَوِي فِي الْمَجْمُوْعِ'' (۳/۴۲۱) وَالزُّرْقَانِي فِي شَرْحِ الْمَوَاهِبِ (۷/۳۲۰): إِسْنَادُهُ جَيِّدٌ. وَنَقَلَ مِثْلَهُ الْمَنَاوِيْ عَنْ بَعْضِهِمْ، وَصَحَّحَهُ عَبْدُ الْحَقِّ

---

[1] نسائی جلد ۱ ۔ کتاب الافتتاح باب رفع الیدین عن الارض قبل الرکبتین ص۱۳۶ [2] بخاری فی التاریخ ابوداود وغیرہ

فِي الْأَحْكَامِ الْكُبْرٰى (ق ۱/۵۴) وَقَالَ فِي كِتَابِ التَّهَجُّدِ (ق ۱/۵۶) : إِنَّهُ أَحْسَنُ إِسْنَادًا مِنَ الَّذِيْ قَبْلَهُ . يَعْنِيْ حَدِيْثَ وَائِلِ الْمُخَالِفِ لَهُ . (۲/۷۸) .

رہی مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت مرفوعہ ''إِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِرُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ ، وَلاَ يَبْرُكْ بُرُوْكَ الْفَحْلِ'' [جب سجدہ کرے تم میں سے ایک پس گھٹنوں سے ابتداء کرے ہاتھوں سے پہلے اور نہ بیٹھے اونٹ کے بیٹھنے کی طرح] تو وہ بوجہ عبداللہ بن سعید مقبری انتہائی کمزور ہے کیونکہ یہ عبداللہ مقبری متہم بالکذب ہے ۔ لہٰذا اس روایت واہیہ کو لے کر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ثابت مرفوع حدیث ''وَلْيَضَعْ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ'' کو مقلوب قرار دینا درست نہیں۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ گھٹنوں سے پہلے رکھنے کا حکم دیا ہے اب ہاتھ گھٹنوں سے پہلے رکھنے کی دو صورتیں ہیں جن میں سے ایک اونٹ کے بیٹھنے کے مشابہ ہے۔

(۱) پہلی صورت یہ ہے کہ انسان ہاتھ تو زمین پر رکھ دے مگر گھٹنوں میں خم نہ آنے دے بلکہ انہیں کھڑا ہونے کی طرح بدستور اکڑائے یہ صورت اونٹ کے مشابہ ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ انسان اپنے ہاتھ گھٹنوں سے پہلے زمین پر رکھتے ہوئے اپنے گھٹنوں میں خم لانا شروع کر دے اس صورت کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے۔

عام لوگ زمین پر ہاتھ گھٹنوں سے پہلے رکھنے کی ان دو صورتوں کو تو سمجھ نہیں پاتے اس لیے جھگڑا شروع کر دیتے ہیں کہ اونٹ کے گھٹنے اگلی ٹانگوں میں کہ پچھلی ٹانگوں میں ۔ خوب گرما گرم بحث ہوتی ہے پسینے چھوٹ جاتے ہیں حالانکہ بات بالکل صاف تھی جس میں کوئی خفاء و الجھن نہیں جیسا کہ لکھ چکا ہوں آخر غور فرمائیں ایک ہی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی وقت میں ہاتھ زمین پر گھٹنوں سے پہلے رکھنے اور اونٹ کی طرح نہ بیٹھنے کا حکم دے رہے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ کے بیٹھنے کو خوب جانتے تھے نیز اونٹ کے گھٹنے اگلی ٹانگوں میں ہوتے ہیں یا پچھلی ٹانگوں میں ۔ واللہ اعلم

۱۴۱۰/۷/۲۵ھ

س: نماز کے اندر سجدہ میں جو دعا چاہیں پڑھیں یا وہ دعا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں؟

ملک محمد یعقوب ہری پور 27/7/89

ج: سجدہ میں کئی دعائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اس لیے ان ثابت شدہ دعاؤں سے جو دعا آپ چاہیں

پڑھ لیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿وَاَمَّا السُّجُوْدُ فَاجْتَهِدُوْا فِي الدُّعَاءِ﴾ [1] [اور سجدہ کے اندر دعاء میں کوشش کرو]

٦/١/١٤١٠ھ

س: نماز پڑھتے ہوئے رکوع اور سجود میں تکبیرات [سبحان ربی الاعلی سبحان ربی العظیم] میں تعداد کا خیال رکھنا ضروری ہے یا نہیں تکبیرات کی تعداد کیا ہونی چاہیے؟ حافظ محمد فاروق کوٹ رادھا کشن ضلع قصور 27/9/99

ج: رکوع میں تسبیح سبحان ربی العظیم اور سجود میں تسبیح سبحان ربی الاعلی کم از کم تین تین مرتبہ اور زیادہ کی مقدار و تعداد متعین نہیں خواہ دس مرتبہ سے زائد کہہ لے تو تین سے زائد تعداد کا خیال رکھنا کوئی ضروری نہیں۔

٢٤/٦/١٤٢٠ھ

س: (ا) کہتے ہیں نمازی کا پوری نماز میں دائیں پاؤں کا انگوٹھا نہیں ہلنا چاہیے کیا اس کے بارے میں کوئی حدیث ہے یا فقہ کا کوئی مسئلہ ہے وضاحت فرمائیں؟ (ب) اور ساتھ ہی کوئی صحیح حدیث نقل فرمائیں۔ کہ سجدے میں نمازی کے دونوں پاؤں ملے ہوئے ہونے چاہئیں؟ محمد سلیم بٹ

ج: (ا) نہ حدیث کا مسئلہ ہے اور نہ فقہ کا۔ (ب) صحیح ابن خزیمہ اور مستدرک حاکم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سجدے میں اپنی ایڑھیاں ملا کر رکھتے تھے [2]۔

س: (۱) مسئلہ یہ ہے کہ "جماعت غرباء اہل حدیث آف کراچی والے لوگ دو سجدوں کے درمیان میں انگلی اٹھاتے ہیں تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ درج ذیل احادیث سے استدلال کرتے ہیں استدلال یا یہ فعل کس حد تک سنت اور صحیح ہے؟

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ اِذَا جَلَسَ فِي الصَّلٰوةِ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَرَفَعَ اِصْبَعَهُ الْيُمْنٰى الَّتِيْ تَلِي الْاِبْهَامَ فَدَعَا بِهَا وَيَدُهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُسْرٰى بَاسِطَهَا عَلَيْهَا [3]

[عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں بیٹھتے تو دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھتے اور داہنے ہاتھ کے کلمہ کی انگلی کو اٹھاتے اس سے دعا کرتے اور بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر بچھا دیتے]

(۲) عَنْ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمُعَاوِيِّ اَنَّهٗ قَالَ رَاٰنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ وَاَنَا اَعْبَثُ بِالْحَصٰى فِي

---

[1] مسلم جلد اول کتاب الصلوۃ ۔ باب النهى عن قراءة القرآن فى الركوع والسجود ابوداود كتاب الصلوة جلد اول ۔ باب ما يقول فى ركوعه وسجوده ۔ النسائى ۔ الافتتاح ۔ باب الامر بالاجتهاد فى الدعاء فى السجود

[2] صحيح ابن خزيمة ج ۱ ص۳۲۸ باب ضم العقبين فى السجود مستدرك حاكم ج ۱ ص ۳۵٤ [3] رواه مسلم

الصَّلٰوةِ فَلَمَّا انْصَرَفَ نَهَانِيْ فَقَالَ اصْنَعْ كَمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَصْنَعُ قُلْتُ وَكَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَصْنَعُ قَالَ كَانَ اِذَا جَلَسَ فِي الصَّلٰوةِ وَضَعَ كَفَّهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى وَقَبَضَ اَصَابِعَهُ كُلَّهَا وَاَشَارَ بِاِصْبَعِهِ الَّتِيْ تَلِي الْاِبْهَامَ وَوَضَعَ كَفَّهُ الْيُسْرٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرٰى [1]

[علی بن عبدالرحمٰن معاوی سے روایت ہے کہ مجھ کو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے دیکھا نماز میں کنکریوں سے کھیلتے ہوئے۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو مجھ کو منع کیا اور کہا کہ ایسا کیا کر جیسے رسول اللہ ﷺ کرتے تھے میں نے کہا وہ کیسے کرتے تھے انہوں نے کہا کہ آپ جب نماز میں بیٹھتے تو داہنی ہتھیلی دائیں ران پر رکھتے اور سب انگلیوں کو بند کر لیتے اور اس انگلی سے اشارہ کرتے جو انگوٹھے کے پاس ہے (یعنی کلمہ کی انگلی سے) اور بائیں ہتھیلی بائیں ران پر رکھتے]

نوٹ : ان دونوں حدیثوں میں لفظ ''اِذَا جَلَسَ فِي الصَّلٰوةِ'' کا ہے کوئی اور الفاظ نہیں ہیں مثلاً اِذَا جَلَسَ فِي التَّشَهُّدِ وغیرہ اس لیے مطلق بات ہے جب نماز میں بیٹھے۔

(۳) وَضَعَ الْاِبْهَامَ عَلَى الْوُسْطٰى وَقَبَضَ سَائِرَ اَصَابِعِهٖ ثُمَّ سَجَدَ [رکھا آپ نے انگوٹھے کو وسطی انگلی پر اور باقی تمام انگلیوں کو بند کیا پھر سجدہ کیا] [2]

(۴) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا قَعَدَ يَدْعُوْا وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى وَيَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرٰى وَاَشَارَ بِاِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ وَوَضَعَ اِبْهَامَهُ عَلٰى اِصْبَعِهِ الْوُسْطٰى وَيُلْقِمُ كَفَّهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهٖ [3]

[عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب دعا کرنے کے لیے بیٹھتے تو داہنا ہاتھ داھنی ران پر رکھتے اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر اور کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرتے اور اپنا انگوٹھا بیچ کی انگلی پر رکھتے اور بائیں ہتھیلی کو بایاں گھٹنا دیتے]

نوٹ : اس حدیث میں ہے کہ جب نبی ﷺ دعا کے واسطے بیٹھتے نماز میں تو شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے اس لیے غور کرنا چاہیے جب ہم نماز میں دوسجدوں میں بیٹھتے ہیں تو اس وقت دعا بھی کی جاتی ہے اس لیے مندرجہ بالا احادیث کے مطابق دوسجدوں کے درمیان کیا عمل ہونا چاہیے؟ ریاست اللہ قلعہ دیدار سنگھ 1/3/86

---

[1] رواه مسلم [2] رواه احمد عن وائل ص ۳۱۷ ج ٤ وبلوغ الامانى جزء ۳ ص ۱٤۹ وروى نحوه ابوداود

ج: آپ نے جو احادیث مبارکہ نوٹ فرمائیں وہ صحیح ہیں اور ان سے آپ کا استدلال بھی درست ہے۔

۱۴۰۶/۶/۲۳ھ

س: جناب نے لکھا ہے کہ رفع سبابہ بین السجدتین کی حدیث مسند احمد میں مرفوع ہے سوال یہ ہے کہ کیا یہ صحیح ہے البانی صحیح نہیں مانتے مولانا عبدالعزیز صاحب نورستانی صحیح کہتے ہیں اور کہتے ہیں البانی صاحب کو وہم ہے؟

محمد صفدر عثمانی گوجرانوالہ

ج: مولانا عبدالعزیز صاحب نورستانی حفظہ اللہ تعالیٰ کی بات اس مسئلہ میں درست ہے۔ ۱۴۱۶/۱۱/۲۱ھ

س: دو سجدے کر کے اٹھتے وقت ہاتھ ٹکانے کی کیفیت کس طرح ہے جس حدیث میں اس کا ذکر ہے باسند بحوالہ تحریر کریں اور اس کی سندی حیثیت پر بھی روشنی ڈالیے؟

نیز ایک عالم نے فرمایا ہے کہ ہاتھ ہتھیلی کے جانب ٹکانا ہے اور انہوں نے مشکوٰۃ میں ایک حدیث کا حوالہ دیا ہے لہٰذا وضاحت فرمادیں؟ عبدالرحمٰن کراچی ۶

ج: آپ نے جو سوال کیا ہے اس کا جواب مندرجہ ذیل ہے صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۱۱۴ ''بَابٌ كَيْفَ يَعْتَمِدُ عَلَى الْأَرْضِ إِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَةِ'' میں درج شدہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب دوسرے سجدہ سے سر اٹھاتے تو بیٹھ جاتے اور زمین پر اعتماد و ٹیک لگا کر اٹھتے اب اس اعتماد علی الیدین اور ٹیک کی کیفیت کیا تھی اس سلسلہ میں شیخ البانی حفظہ اللہ اپنی مایہ ناز کتاب صفۃ صلوٰۃ النبی ﷺ کے صفحہ ۱۳۷ پر لکھتے ہیں ''وَكَانَ يُعْجِنُ فِي الصَّلٰوةِ يَعْتَمِدُ عَلَى يَدَيْهِ إِذَا قَامَ'' جب آپ ﷺ اٹھتے تو نماز میں آٹا گوندھنے والے کی طرح زمین پر ہاتھ لگاتے یہ حدیث درج کرنے کے بعد حاشیہ میں شیخ البانی صاحب حفظہ اللہ فرماتے ہیں ''رواه أَبُوْ إِسْحَاقَ الْحَرْبِيُّ بِسَنَدٍ صَالِحٍ'' ابو اسحاق حربی نے اس حدیث کو بسند صالح روایت کیا ہے نیز شیخ عبدالقادر ارناءوط اور شیخ شعیب ارناءوط نے زاد المعاد کی تعلیق میں یہی حدیث اسی حوالہ سے لکھی ہے باقی جو بات آپ نے کسی عالم کے حوالہ سے نقل کی ہے وہ مجھے مشکوٰۃ میں نہیں ملی۔ ۱۴۰۹/۳/۱۱ھ

س: شریعت محمدی ﷺ میں اس کا ثبوت ہے کہ نماز کی کوئی سی رکعت پڑھ کر جب اٹھتا ہے تو سیدھے ہاتھوں سے اٹھتا ہے یا الٹے ہاتھوں سے جس طرح آٹا گوندھا جاتا ہے کون سا طریقہ سنت کے مطابق یا دونوں سنت کے مطابق ہیں باحوالہ لکھیں؟ محمد امین گرجاکھ گوجرانوالہ 26/7/93

ج : دوسرا طریقہ (الٹے ہاتھوں سے جس طرح آٹا گوندھا جاتا ہے) سنت کے مطابق ہے کتاب صفۃ صلاۃ النبی ﷺ اور ارناء وطین کا حاشیہ برزادالمعاد کا مطالعہ فرمائیں۔ [1]

تشہد کا بیان

س : تشہد میں انگلی کس وقت ہلانی چاہیے شروع سے لے کر آخر سلام تک ہلانی چاہیے جو لوگ نہیں ہلاتے ان کے بارے میں وضاحت فرمائیں اور ان کی روایت يُشِيْرُ بِاِصْبَعِهٖ إِذَا دَعَا وَلاَ يُحَرِّكُهَا [2] کے بارے میں وضاحت فرمائیں اور احادیث مسند احمد والی لکھ کر سعادت فرمائیں؟ محمد سلیم

ج : مشکوٰۃ باب التشہد فصل اول کی پہلی حدیث ﴿عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا قَعَدَ فِي التَّشَهُّدِ الخ﴾ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے وَفِيْ رِوَايَةٍ كَانَ إِذَا جَلَسَ فِي الصَّلٰوةِ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَرَفَعَ إِصْبَعَهُ الْيُمْنٰى الَّتِيْ تَلِي الْإِبْهَام يَدْعُوْا بِهَا وَيَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهٖ بَاسِطَهَا عَلَيْهَا [3] [جب نبی ﷺ بیٹھتے نماز میں تو رکھتے اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر اور اٹھالیتے دائیں ہاتھ کی وہ انگلی جو انگوٹھے سے ملی ہے اس سے دعا کرتے اور بایاں ہاتھ گھٹنے پر اس پر پھیلائے ہوئے] اس حدیث سے واضح طور پر ثابت ہو رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ تشہد کے لیے بیٹھتے ہی دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی اٹھالیا کرتے تھے پھر اس حدیث میں جیسے دونوں ہاتھوں کے گھٹنوں پر رکھنے کے لیے لفظ ''وَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ'' استعمال ہوئے ہیں ویسے ہی انگلی اٹھانے کے متعلق لفظ ''رَفَعَ إِصْبَعَهُ الْيُمْنٰى'' استعمال ہوئے ہیں تو اب ان دونوں میں سے اول الذکر کو سلام تک قرار دینا اور ثانی الذکر کو ایک لحہ بھر قرار دینا کس دلیل کی بنیاد پر ہے؟

مشکوٰۃ باب التشہد فصل ثانی کی پہلی حدیث کے آخر میں ہے فَرَأَيْتُهٗ يُحَرِّكُهَا يَدْعُوْا بِهَا [4] [پس میں نے آپ کو دیکھا آپ اس کو حرکت دیتے اس کے ساتھ دعا کرتے] رہی روایت ''وَلاَ يُحَرِّكُهَا'' تو اس کے متعلق شیخ البانی حفظہ اللہ تعالیٰ تعلیق مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں: ''فَالْقَوْلُ بِاَنَّ اِسْنَادَهٗ صَحِيْحٌ لاَ يَخْفٰى بُعْدُهٗ . عَلٰى أَنَّ قَوْلَهٗ فِيْهِ : وَلاَ يُحَرِّكُهَا . شَاذٌ أَوْ مُنْكَرٌ عِنْدِيْ لِأَنَّ ابْنَ عَجْلاَنَ لَمْ يَثْبُتْ عَلَيْهِ'' الخ [خلاصہ یہ ہے انگلی کو نہ حرکت دینے والی روایت صحیح نہیں] مسند احمد والی حدیث مندرجہ ذیل ہے: ''وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يُصَلِّيْ وَهُوَ مُسْبِلٌ إِزَارَهٗ قَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذْهَبْ فَتَوَضَّأْ قَالَ فَذَهَبَ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذْهَبْ فَتَوَضَّأْ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَالَكَ

[1] [زاد المعاد ج ۱ ص: ۲۳۳] [2] مشکوۃ [3] رواہ مسلم [4] رواہ ابوداود والدارمی

أَمَرْتَهُ يَتَوَضَّأُ ثُمَّ سَكَتَّ عَنْهُ ؟ فَقَالَ إِنَّهُ كَانَ يُصَلِّيْ وَهُوَ مُسْبِلٌ إِزَارَهُ وَإِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى لاَ يَقْبَلُ صَلاَةَ عَبْدٍ مُسْبِلٍ إِزَارَهُ[1] [ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص نماز ادا کر رہا تھا جبکہ اس کا ازار (حد شرعی) سے نیچے تھا رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا جائیں وضوء بنائیں وہ گیا اس نے وضوء کیا اور واپس آیا آپ ﷺ نے فرمایا جائیں وضوء بنائیں ایک شخص نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ نے اسے وضوء بنانے کا حکم کیوں دیا آپ نے جواب دیا وہ اس حالت میں نماز ادا کر رہا تھا جبکہ اس کی چادر (حد شرعی سے) نیچے تھی اور اللہ اس شخص کی نماز قبول نہیں فرماتا جس کا ازار ٹخنوں سے نیچے ہو] ابوداود والی حدیث کے متعلق امام نووی ریاض الصالحین میں لکھتے ہیں رواہ ابوداود باسناد صحیح علی شرط مسلم۔ ۱۴۱۴/۱۱/۲۴ھ

س : یہ جو تشہد میں شہادت کی انگلی کا اشارہ کرتے ہیں یہ کس طرح کرنا چاہیے شروع ہی سے انگلی اٹھانی چاہیے یا کہ درمیان سے اور اس کی صورت یا شکل کیسی ہونی چاہیے؟ محمد رمضان بہاولنگر

ج : شروع سے آخر تک وقتاً فوقتاً ہلاتے رہنا چاہیے تفصیل کے لیے دیکھیں صفۃ صلاۃ النبی ﷺ للشیخ البانی حفظہ اللہ تعالیٰ۔ ۱۴۱۹/۳/۲۵ھ

س : ترمذی جلد اول باب التشہد میں حدیث ہے کہ إِذَا قَعَدْنَا فِي الرَّكْعَتَيْنِ الخ جب دو رکعتوں میں بیٹھتے تو التحیات الی عبدہ ورسولہ تک پڑھتے۔ جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دو رکعتوں میں اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ تک پڑھتے تھے۔ یعنی درود نہیں پڑھتے تھے۔ عرض ہے کہ اس حدیث کا حل بتائیں۔ یعنی اس حدیث کا کیا مطلب ہے۔ کیا صرف سلام تک ہی پڑھنا چاہیے؟ محمد ایوب خالد جھبراں شیخوپورہ 18/8/89

ج : ترمذی جلد اول باب التشہد میں حدیث ہے کہ إِذَا قَعَدْنَا فِي الرَّكْعَتَيْنِ الخ جب دو رکعتوں میں بیٹھتے تو اَلتحیات الی عبدہ ورسولہ تک پڑھتے جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دو رکعتوں میں اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ تک پڑھتے تھے یعنی درود نہیں پڑھتے تھے۔

آپ نے ترمذی شریف کے اس باب میں مذکور حدیث کا جو مطلب سمجھا وہ یہی ہے کہ ''صحابہ کرام کہتے ہیں ہم دو رکعتوں میں بیٹھتے تو التحیات عبدہ ورسولہ تک پڑھتے'' الخ مگر یہ لکھتے وقت آپ نے حدیث کے الفاظ و معانی پر غور نہیں کیا ورنہ آپ یہ مکتوب قطعاً نہ لکھتے اچھا کوئی بات نہیں اب ہی غور فرمالیں آپ کی سہولت کے پیش نظر حدیث کے الفاظ نیچے درج کئے جاتے ہیں۔

---

[1] ذکرہ الهیثمی فی مجمع الزوائد ج٥ ص١٢٥ وقال رواہ احمد ورجاله رجال الصحيح (مرعاة ج١ ص٢٠٩)

﴿عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ : عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا قَعَدْنَا فِي الرَّكْعَتَيْنِ أَنْ نَّقُوْلَ : اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِيْنَ أَشْهَدُ أَنْ لَآ اِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ﴾

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دو رکعتوں میں اپنے قعدے میں التحیات للہ الخ پڑھنے کی تعلیم دی۔ اس حدیث میں لفظ ''اَنْ نَقُوْلَ'' عَلَّمَنَا کا دوسرا مفعول ہے اور ''إِذَا قَعَدْنَا'' ''اَنْ نَقُوْلَ'' کی ظرف مقدم چنانچہ آپ اپنے ترجمہ اور میرے ترجمہ پر غور فرمائیں آپ کو اس چیز کا پتہ چل جائے گا ان شاء اللہ المنان۔

پھر اس حدیث میں عبدہ ورسولہ تک پڑھتے یا تک پڑھنے کی تعلیم دیتے پر دلالت کرنے والی کوئی چیز نہیں بلکہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہی حدیث امام بخاری نے اپنی صحیح کتاب الاذان۔ باب ما یتخیر من الدعاء بعد التشهد ولیس بواجب میں درج کی ہے تو اس میں رسول اللہ ﷺ کے یہ لفظ ''أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ ، ثُمَّ لِيَتَخَيَّرْ مِنَ الدُّعَاءِ أَعْجَبَهُ إِلَيْهِ فَيَدْعُوْا'' بھی موجود ہیں تو آپ ﷺ نے عبدہ ورسولہ کے بعد دعا کرنے کی تلقین فرمائی ہے تو جس طرح عبدہ ورسولہ کے بعد دعا کرنا دوسری احادیث کی بنا پر درست اور ضروری ہے اسی طرح دوسرے دلائل کی بنیاد پر عبدہ ورسولہ کے بعد درود شریف پڑھنا بھی درست اور ضروری ہے۔ **ھذا ما عندی واللہ اعلم** ١٦/١/١٤١٠ھ

س : درمیانے قعدہ میں درود شریف کی وضاحت کر دیں؟ قاضی عبدالمنان ایبٹ آباد

ج : **درمیانے قعدہ میں دعا کی دلیل** : عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تشہد والی حدیث میں دعا کا حکم موجود ہے۔ بخاری ومسلم سے اس حدیث کے الفاظ دیکھ لیں پھر صحیح مسلم میں نو رکعات ایک سلام سے پڑھنے والی حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے درمیانے قعدہ میں دعا کرنے کا ذکر موجود ہے صحیح مسلم۔ صلاۃ المسافرین۔ باب جامع صلاۃ اللیل، ح:٧٤٦، اور اس مسئلہ میں نفل وفرض جدا جدا حکم ہونے کا کوئی ثبوت نہیں۔

درمیانے قعدہ میں درود : اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: ﴿يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ [1] [اے لوگو جو ایمان لائے ہو درود بھیجو اوپر اس کے اور سلام بھیجو سلام بھیجنا] اس کی تفسیر میں درود والی حدیث جس میں صحابہ رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کا حکم دیا ہے سلام تو آپ نے ہمیں تعلیم فرما دیا ہے صلاۃ کیسے ہے یا ہم آپ پر صلوٰۃ کیسے بھیجیں؟ تو رسول اللہ ﷺ

[1] [الاحزاب ٥٦ پ٢٢]

نے انہیں صلاۃ و درود کی تعلیم فرما دی اس حدیث میں پہلے دوسرے قعدے کی کوئی تفصیل نہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ نماز میں جہاں جہاں سلام و تشہد ہے وہاں وہاں صلاۃ و درود بھی ہے باقی جن روایات سے استدلال کیا جاتا ہے کہ درمیانے قعدے میں درود و دعا نہیں یا تو وہ ضعیف ہیں یا پھر موقوف اس لیے دونوں قعدوں میں تشہد کی طرح درود و دعا کی بھی پابندی ہونی چاہیے اس مسئلہ پر مزید تحقیق کے لیے شیخ البانی حفظہ اللہ کی مایہ ناز کتاب صفۃ صلاۃ النبی ﷺ کی طرف رجوع فرمائیں ان شاء اللہ المنان بہت فائدہ ہوگا۔

س: پہلے تشہد میں درود بھی پڑھنا چاہیے یا صرف التحیات؟ محمد سلیم بٹ

ج: پہلے تشہد میں درود پڑھنا درست ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ حدیث میں ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی سلام (التحیات) تو آپ نے ہمیں سکھلا دیا ہے صلوٰۃ (درود) ہم آپ پر کیسے بھیجیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ﴾ الخ پہلے تشہد میں درود نہ پڑھنے کی کوئی صحیح مرفوع حدیث مجھے معلوم نہیں۔ یاد رہے کہ پہلے اور دوسرے دونوں تشہدوں میں دعائیں پڑھنا شرعاً ثابت ہے۔ ١٤١٥/٧/١٢ھ

س: آپ کے عشاء کے ایک درس میں حدیث سنی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا اللہ کے رسول ہم کو سلام تو آتا ہے آپ پر صلوٰۃ کس طرح بھیجیں تو آپ ﷺ نے درود ابراہیمی علیہ السلام پڑھایا۔ اس پر امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت کا باب باندھا تھا۔ اور آپ نے اس میں سے التحیات کے بعد درود پڑھنے کا مسئلہ بھی اخذ کیا اور فرمایا کہ ہمیں اللہ کے رسول ﷺ پر ہر سلام کے بعد درود بھیجنا چاہیے اس میں درمیانی یا آخری التحیات کی کوئی شرط نہیں ہے اور اس پر آپ کا عمل بھی ہے اس وجہ سے میں نے بھی درمیانی التحیات کے بعد درود پڑھنا شروع کر دیا اور اس کی تبلیغ بھی شروع کر دی مگر ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۳۵۰ میں لکھا ہے "بَابُ الْاِقْتِصَارِ فِي الْجَلْسَةِ الْاُوْلٰى عَلَى التَّشَهُّدِ وَتَرْكِ الدُّعَاءِ بَعْدَ التَّشَهُّدِ الْاَوَّلِ ٧٠٨ . أَنَا اَبُوْ طَاهِرٍ . نا اَبُوْبَكْرٍ . نَا اَحْمَدُ بْنُ اَظْهَرَ وَكَتَبْتُهُ مِنْ أَصْلِهِ حَدَّثَنَا اَبِيْ عَنِ ابْنِ اِسْحَاقَ قَالَ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ تَشَهُّدِ رَسُوْلِ اللهِ فِيْ وَسَطِ الصَّلٰوةِ وَفِيْ آخِرِهَا.[عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْاَسْوَدِ بْنِ يَزِيْدَ النَّخْعِيُّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ]وَكُنَّا نَحْفَظُهُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ كَمَا نَحْفَظُ حُرُوْفَ الْقُرْآنِ حِيْنَ أَخْبَرَنَا اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ عَلَّمَهُ اِيَّاهُ. قَالَ: فَكَانَ يَقُوْلُ . اِذَا جَلَسَ فِيْ وَسَطِ الصَّلٰوةِ وَفِيْ آخِرِهَا عَلٰى وَرِكِهِ يُسْرٰى : اَلتَّحِيَّاتُ

للہ......... اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ قَالَ ثُمَّ اِنْ كَانَ فِيْ وَسَطِ الصَّلٰوةِ نَهَضَ حِيْنَ يَفْرُغُ مِنْ تَشَهُّدِهٖ وَاِنْ كَانَ فِيْ آخِرِهَا دَعَا بَعْدَ تَشَهُّدِهٖ بِمَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَّدْعُوَ ثُمَّ يُسَلِّمُ'' مزید عبدالعزیز نورستانی نے اپنی کتاب ''صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ'' کے صفحہ نمبر ۴۶ میں لکھا ہے ''قعدہ اول سے تشہد پورا کرتے ہی اٹھنا''۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿اِنْ كَانَ فِيْ وَسَطِ الصَّلٰوةِ نَهَضَ حِيْنَ يَفْرُغُ مِنْ تَشَهُّدِهٖ﴾ [1] محترم المقام عبدالمنان صاحب بندہ نے دونوں دلائل لکھ دیئے ہیں ان کی روشنی میں وضاحت فرمائیں کہ کیا کرنا چاہیے قرآن وسنت کے مطابق تطبیق فرمادیں۔ ابوطلحہ مدنی کالونی بہاولنگر 8/8/95

ج: آپ نے جو روایت بحوالہ صحیح ابن خزیمہ اور مسند احمد نقل فرمائی ہے وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے رسول اللہ ﷺ تک مرفوع نہیں کیونکہ ''فَكَانَ يَقُوْلُ اِذَا جَلَسَ'' الخ اور ''ثُمَّ اِنْ كَانَ فِي وَسَطِ الصَّلَاةِ'' الخ میں ضمیر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف لوٹتی ہے رسول اللہ ﷺ کی طرف نہیں لوٹتی جیسا کہ سیاق روایت اسی پر دلالت کر رہا ہے نیز صحیح ابن خزیمہ ہی میں یہی روایت ایک صفحہ پیچھے ص ۳۴۸ پر موجود ہے جس کے الفاظ ہیں ''عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْاَسْوَدِ عَنْ اَبِيْهِ أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَّمَهُ التَّشَهُّدَ فِي الصَّلَاةِ قَالَ: كُنَّا نَحْفَظُهٗ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ كَمَا نَحْفَظُ حُرُوْفَ الْقُرآنِ الْوَاوَ وَالْأَلفَ فَإِذَا جَلَسَ عَلٰى وَرِكِهِ الْيُسْرٰى قَالَ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ'' الخ اس روایت سے صاف طور پر واضح ہے کہ ''كُنَّا نَحْفَظُهٗ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ'' اور ''فَإِذَا جَلَسَ عَلٰى وَرِكِهِ الْيُسْرٰى قَالَ اَلتَّحِيَّاتُ'' الخ اسود بن یزید کا مقولہ ہے نہ کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا۔ اور اگر ''فكان يقول إذا جَلَسَ'' اور ''ثُمَّ إِنْ كَانَ فِي وَسَطِ الصَّلَاةِ'' کی ضمیر رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹانے پر کوئی صاحب اصرار فرمائیں تو یہ روایت مرفوع تو بن جائے گی مگر ہوگی مرسل کیونکہ یہ قول اسود بن یزید کے ہیں جو تابعی ہیں اور معلوم ہے کہ موقوف اور مرسل دونوں حجت نہیں۔ پہلے قعدے میں درود کی دلیل کے لیے شیخ البانی حفظہ اللہ کی کتاب صفۃ صلاۃ النبی ﷺ پڑھیں۔

پھر اس روایت کی رو سے درمیانے اور آخری دونوں قعدوں میں درود نہیں ہے دوسرے قعدے میں تشہد کے بعد دعا ہے پھر سلام تو لامحالہ دوسرے قعدے میں درود کے لیے کوئی اور حدیث یا آیت پیش کی جائے گی اور اس میں دوسرے قعدے کی کوئی تخصیص نہیں جیسا کہ آپ کو معلوم ہے۔ واللہ اعلم ۱۴۱۶/۳/۲۰ھ

[1] مسند احمد ج ٤ ص٣ رجاله موثوقون ابن خزيمة جلد ١ ص ٣٥٠ واسناده حسن صلوا از نورستانی ص ٤٦

س : پہلے تشہد میں درود شریف پڑھنا چاہیے یا نہیں جبکہ حدیث شریف میں اس طرح بھی ہے ﴿اِنْ كَانَ فِيْ وَسَطِ الصَّلٰوةِ نَهَضَ حِيْنَ يَفْرُغُ مِنْ تَشَهُّدِهٖ﴾ رواہ احمد عن ابن مسعود [جب آپ نماز کے درمیان میں ہوتے تو آپ صرف تشہد پڑھ کر کھڑے ہو جاتے] اس کا کیا مطلب ہے؟ ملک محمد یعقوب ہری پور 3/2/94

ج : پہلے قعدہ میں بھی درود پڑھنا چاہیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ [اے ایمان والو تم بھی اس (نبی ﷺ) پر درود پڑھو اور اس پر سلام بھیجو] کسی صحیح مرفوع حدیث میں درود کے بارے پہلے دوسرے قعدے میں فرق وارد نہیں ہوا رہی وہ حدیث جو آپ نے نقل فرمائی ہے تو وہ مرفوع نہیں موقوف ہے کیونکہ ''اِنْ كَانَ فِي وَسَطِ الصَّلٰوةِ'' الخ میں ضمیر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف لوٹتی ہے نہ کہ نبی کریم ﷺ کی طرف دلیل اس کی یہ ہے کہ یہی حدیث صحیح ابن خزیمہ ۱/ ۳۴۸ میں بایں الفاظ بھی آئی ہے۔ '' اَنَا اَبُوْ طَاهِرٍ نَا اَبُوْبَكْرٍ نَا الْقُطْعِي مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى نَا عَبْدُ الْاَعْلٰى نَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْحَاقَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْاَسْوَدِ عَنْ اَبِيْهِ اَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَّمَهُ التَّشَهُّدَ فِي الصَّلٰوةِ قَالَ كُنَّا نَحْفَظُهٗ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ كَمَا نَحْفَظُ حُرُوْفَ الْقُرْآنِ اَلْوَاوَ وَالْاَلِفَ فَاِذَا جَلَسَ عَلٰى وَرِكِهِ الْيُسْرٰى قَالَ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ يَدْعُوْا لِنَفْسِهٖ ثُمَّ يُسَلِّمُ وَيَنْصَرِفُ [حضرت عبدالرحمٰن بن اسود بیان کرتے ہیں اپنے باپ (اسود) سے وہ فرماتے ہیں ہمیں عبداللہ بن مسعود نے خبر دی کہ بے شک رسول اللہ ﷺ ان کو تشہد فی الصلوٰۃ سکھاتے اسود کہتے ہیں ہم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس (تشہد) کو اس طرح یاد کرتے جس طرح ہم قرآن کے حروف واو، الف یاد کرتے پس جب آپ بیٹھتے اپنی بائیں ران پر تو کہتے تمام قولی، فعلی، مالی عبادتیں اللہ کے لیے ہیں سلامتی ہو تجھ پر اے نبی ﷺ اور اس کی رحمت و برکات ہوں۔ سلامتی ہو ہم پر اور اللہ کے صالح بندوں پر میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں پھر اپنے نفس کے لیے دعا کرتے پھر سلام پھیرتے اور نماز سے پھرتے] درمیانے قعدہ میں درود نہ پڑھنے پر گرم پتھروں والی حدیث سے بھی استدلال کیا جاتا ہے مگر وہ سنداً صحیح نہیں کیونکہ اس کی سند میں ابو عبیدہ ہے جس کا اپنے باپ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں۔ [اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کا درود و سلام اپنے حبیب ﷺ تک پہنچانے کا بندوبست کیا ہوا ہے [1] تو جس طرح ہم

[1] [ابوداود المناسك، باب زيارة القبور حديث ٢٠٤١، ٢٠٤٢]

اپنی خط و کتابت میں صیغہ خطاب کے ساتھ ایک دوسرے کو سلام بھیجتے ہیں اسی طرح ہمارا سلام بھی اللہ تعالیٰ ان تک پہنچا دیتے ہیں الغرض الفاظ تشہد (عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ) سے شرکیہ عقیدہ (آپ ﷺ کے عالم الغیب یا حاضر و ناظر ہونے) کی قطعاً تائید نہیں ہوتی] ۱۴۱۴/۸/۲۸ھ

س: دوسرے تشہد کے فرق میں کہا جاتا ہے کہ اگر رہ جائے تو دوبارہ پڑھا جاتا ہے لیکن پہلا نہیں پڑھا جاتا؟ نیز کہا جاتا ہے کہ دوسرے تشہد میں نبی ﷺ نے ۴ چیزوں سے پناہ مانگی؟ محمد صفدر عثمانی گوجرانوالہ

ج: پہلے اور دوسرے تشہد کا جو فرق کتاب و سنت سے ثابت ہو درست ہے۔ ۱۴۱۶/۱۱/۲۱ھ

س: جناب نے ایک دفعہ آخری تشہد کا طریقہ بتایا تھا کہ غالباً عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مسلم شریف میں آتا ہے بائیں پنڈلی کو دائیں پنڈلی پر رکھنا برائے مہربانی یہ عربی عبارت مع صفحہ کتاب تحریر فرمائیں۔ محمد صفدر عثمانی کوٹ حسین

ج: قَالَ مُسْلِمٌ فِيْ صَحِيْحِه . حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَعْمَرِ بْنِ رِبْعِيٍّ الْقَيْسِي قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ هِشَامٍ الْمَخْزُوْمِيْ عَنْ عَبْدِ الْوَاحِدِ وَهُوَ ابْنُ زِيَادٍ قَالَ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ ابْنُ حَكِيْمٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ عَامِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا قَعَدَ فِي الصَّلٰوةِ جَعَلَ قَدَمَهُ الْيُسْرٰى بَيْنَ فَخِذِهٖ وَسَاقِهٖ وَفَرَشَ قَدَمَهُ الْيُمْنٰى وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُسْرٰى وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى وَأَشَارَ بِاَصْبَعِه ، [1] [عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ جب نماز میں بیٹھتے تو بائیں پاؤں کو ران اور پنڈلی کے بیچ میں کر لیتے اور داہنا پاؤں بچھاتے اور بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر رکھتے اور داہنا ہاتھ داہنی ران پر رکھتے اور انگلی سے اشارہ کرتے] ۱۴۰۹/۱۱/۱ھ

س: تشہد آخر میں آپ ﷺ کی ایک دعا "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ" الخ ثابت ہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی ایک دعا "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ" [2] ...... الخ سکھائی صرف ایک دعا پڑھنی چاہیے یا زیادہ دعائیں پڑھنی چاہئیں؟ محمد سلیم بٹ

ج: آخری تشہد و قعدہ میں چار چیزوں سے پناہ والی دعا ضروری ہے [مسلم شریف میں رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے ﴿اِذَا فَرَغَ اَحَدُكُمْ مِنَ التَّشَهُّدِ الْآخِرِ فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللهِ مِنْ اَرْبَعٍ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ شَرِّ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ [3]﴾ جب کوئی تم میں سے اخیر تشہد پڑھ چکے تو چار چیزوں سے

---

[1] المجلد الاول کتاب الصلوة ۔ باب صفة الجلوس فی الصلوة و کیفیّة وضع الیدین علی الفخذین من تبویب النووی ص ۲۱۶ [2] بخاری۔اذان۔باب الدعاء قبل السلام۔ مسلم الذکر والدعاء۔باب استحباب خفض الصوت بالذکر [3] [مسلم شریف ج۱ ص۲۱۸]

پناہ مانگے جہنم کے عذاب سے قبر کے عذاب سے اور زندگی اور موت کے فتنے سے اور دجال کی برائی سے] دوسری دعائیں جتنی چاہے پڑھ سکتا ہے۔ ۱۴۱۶/۱۱/۲۲ھ

س: آخری تشہد میں دائیں بازو کی کیفیت کیا ہونی چاہیے؟ غلام مصطفیٰ چوہان

ج: درمیانے اور آخری تشہد میں دائیں ہتھیلی کی کئی کیفیات حدیث میں وارد ہوئی ہیں جن میں سے صرف دو مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) ترپن کی صورت۔ اور وہ اس طرح ہے کہ انگوٹھے کو سبابہ کی جڑ والی گرہ پر رکھ لیا جائے اور باقی تین انگلیوں کو ان کی جڑوں کی طرف قبض و بند کر لیا جائے۔

(۲) سبابہ کو سیدھا رکھا جائے وسطیٰ اور انگوٹھے کے سروں کو ملا کر حلقہ بنا لیا جائے اور باقی دو انگلیوں کو قبض و بند کر لیا جائے۔ واللہ اعلم ۱۴۱۵/۷/۱۸ھ

سجدہ سہو

س: سجدہ سہو کا کیا طریقہ ہے؟ یہ کس وقفہ کے دوران کرنا چاہیے (یہاں امام صاحب تشہد کے لیے بیٹھتے ہی ہیں کہ دو سجدے کر لیتے ہیں پھر پوری تشہد کے بعد سلام پھیرتے ہیں) دو سجدے کرنے سے پہلے ایک طرف (دائیں) سلام پھیرتے ہیں؟ محمد عثمان غنی لاہور

ج: کچھ صورتوں میں سجدہ سہو سلام پھیرنے سے پہلے ہے اور کچھ میں سلام پھیرنے کے بعد۔ کتب حدیث میں ان صورتوں کی تفصیل موجود ہے وہاں دیکھ لیں۔ جو صورت آپ نے لکھی ہے کسی صحیح حدیث میں دیکھنے میں نہیں آئی۔ واللہ اعلم ۱۴۱۷/۸/۱ھ

س: ظہر کی نماز اگر بھولنے سے کوئی امام پانچ رکعات پڑھائے اور مقتدی کو اس چیز کا علم بھی ہو کہ یہ پانچویں رکعت ہے اور سبحان اللہ نہ کہے اور امام پانچ رکعات کے بعد سلام پھیر دیتا ہے پھر مقتدیوں میں سے کوئی کہتا ہے کہ آپ نے پانچ رکعات پڑھایا ہے تو امام اس وقت سجدہ سہو کر لیتا ہے اور سجدہ سہو کرنے کے بعد مقتدیوں سے کہتا ہے کہ جس کو معلوم تھا کہ پانچ رکعات ہو رہا ہے اور نماز میں سبحان اللہ نہیں کہا وہ بھی اور جس نے نماز کے بعد کلام کیا سجدہ سہو سے پہلے وہ بھی دونوں اپنی اپنی نمازوں کو دہرائیں ان کی نماز باطل ہو گئی ہے کیونکہ یہ دونوں مجرم ہیں جس کو یہ معلوم تھا کہ پانچویں رکعات ہو رہا ہے اور سبحان اللہ نہ کہا وہ گویا جان بوجھ کر پانچ رکعات پڑھوا رہا ہے وہ اس لیے مجرم ہے اور جس نے نماز کے بعد کلام کیا وہ اس لیے مجرم ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا اَلتَّسْبِيْحُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِيْقُ لِلنِّسَاءِ

اس کو سبحان اللہ کہنا چاہیے تھا اگرچہ نماز کے بعد ہی کیوں نہ ہو لہٰذا اپنی زبان میں کلام کرنے کی وجہ سے اس کی نماز باطل ہے کیا یہ چیز جو ذکر کی گئی ہے صحیح ہے نماز لوٹانی چاہیے یا سجدہ سہو ہی کافی ہے یہ مسئلہ ہمارے ہاں پیش آیا ہے اس لیے پوچھ رہا ہوں ہمارے امام صاحب نے کہا کہ دوبارہ نماز لوٹانی پڑے گی لیکن میں نے کہا کہ لوٹانے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ حضور ﷺ کے زمانے میں بھی ظہر کی پانچ رکعتیں ہوگئی تھیں اور سجدہ سہو کر لیا تھا؟

محمد حسن عسکری کراچی نمبر ٦ 28/7/87

ج: صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث کی رو سے آپ کا موقف درست ہے کیونکہ صحابہ کرام ؓ نے سلام پھیرنے کے بعد ہی آپ ﷺ کو بتایا تھا کہ آپ نے رکعات پانچ پڑھی ہیں۔ ١٤٠٧/١١/٦ھ

س: اگر امام سورۃ فاتحہ کے بعد والی سورۃ میں بھول جائے یا کوئی الفاظ غلط پڑھے تو سجدہ سہو کا کیا حکم ہے؟

سید عبدالغفور

ج: ابوداود اور ابن حبان کی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسی صورت میں مقتدیوں کو لقمہ دینے کی ترغیب دلائی البتہ ایسی صورت میں سجدہ سہو والی کوئی حدیث مجھے معلوم نہیں۔ ١٤١٩/٨/١٨ھ

نماز کا اختتام

س: سلام پھیرنے کا صحیح طریقہ مثلاً کچھ نمازی آگے جھک کر باقی نمازیوں کو دیکھ کر سلام پھیرتے ہیں اور کچھ دائیں طرف سب چیزوں یا نمازیوں کا جائزہ لیتے ہوئے سلام پھیرتے ہیں؟ سنت طریقہ بتا دیں؟ محمد سلیم بٹ

ج: دائیں بائیں منہ پھیرنا تو ثابت ہے آگے جھکنے کے متعلق مجھے کوئی حدیث معلوم نہیں۔ ١٤١٦/٢/١٥ھ

نماز کے بعد کے اذکار

س: نماز کے بعد کسی قسم کے ورد و وظیفے کی کوئی ضرورت نہیں ایک مولوی صاحب کا کہنا ہے کہ ورد و وظائف کی کوئی ضرورت نہیں؟ ابوعبدالقدوس ضلع شیخوپورہ

ج: ضرورت ہے کیونکہ فرض نماز کے بعد اوراد و وظائف رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں آپ ﷺ نے ان کا اجر وثواب بھی بیان فرمایا ہے دیکھیں بخاری و مسلم اور دیگر کتب حدیث۔ ١٤١٧/٧/٩ھ

س: فرض نماز کے بعد فوراً اٹھ جانا چاہیے یا ذکر و اذکار کرنے کے بعد اٹھنا چاہیے؟ محمد سلیم بٹ

ج: فرض نمازوں کے بعد مسنون اذکار و دعائیں پڑھ کر اٹھنا افضل ہے۔ صحیح بخاری میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "نماز سے فارغ ہو کر باوضوء کسی کو اذیت دیئے بغیر جتنی دیر اس جگہ پر بیٹھا رہے جس جگہ اس نے نماز پڑھی فرشتے اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں" اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَهٗ وَارْحَمْهُ[1] اب اگر اس کیفیت میں زیادہ دیر نماز کی جگہ بیٹھا رہے گا تو فرشتے مذکور بالا دعا اس کے لیے زیادہ دیر کریں گے اور اگر کم تو کم "فَمَنْ شَاءَ فَلْيَسْتَكْثِرْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَسْتَقِلَّ" وفقنا الله تبارك وتعالى لما يحبه ويرضاه آمين يا رب العالمين والله اعلم۔ ۱۴۱۵/۷/۱۲ھ

س: بعد الصلوٰۃ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا کیسا ہے اور دعا کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرنا کیسا ہے؟ ابوعبدالقدوس ضلع شیخوپورہ

ج: رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں منہ پر ہاتھ پھیرنے والی روایت میں اہل علم کے دو قول ہیں: (۱) ضعیف۔ (۲) حسن لغیرہ ہے۔ اس بارہ میں محترم دوست مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایک مضمون ہفت روزہ جریدہ الاعتصام جلد ۴۸ شمارہ ۶ میں شائع ہوا تھا تحقیق کی خاطر اس کا مطالعہ فرمالیں۔ ۱۴۱۷/۷/۹ھ

ابو البدر ارشاد الحق الاثری ادارۃ العلوم الاثریہ فیصل آباد

کیا دعا کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرنا بدعت ہے؟

الاعتصام کے شمارہ نمبر ۱۴ جلد ۴۷۔ ۳ جمادی الثانیہ بمطابق ۲۷ اکتوبر ۱۹۹۵ء میں مولانا جاوید اقبال سیالکوٹی صاحب کا ایک مضمون "دعا کرنے کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرنا" کے عنوان سے شائع ہوا۔ جس میں انہوں نے اس موضوع سے متعلقہ دو احادیث پر تنقید کی ہے۔ ایک حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی جو ابن ماجہ اور ابوداود وغیرہ میں مروی ہے اور دوسری حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی جو جامع ترمذی وغیرہ میں منقول ہے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بلوغ المرام میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

"اخرجه الترمذی وله شواهد منها عند ابی داود من حديث ابن عباس وغيره ومجموعها يقتضي بانه حديث حسن"۔

کہ اسے ترمذی نے نکالا ہے اور اس کے اور شواہد ہیں۔ ان میں سے ایک ابوداود کے ہاں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے اور ان شواہد کا مجموعہ اس بات کا مقتضی ہے کہ یہ حدیث حسن ہے مولانا جاوید اقبال صاحب فرماتے ہیں کہ اس باب کی تمام احادیث حسن لغیرہ تک بھی نہیں پہنچتیں۔ اس لیے یہ شواہد بننے کے قابل نہیں۔ نیز لکھتے ہیں کہ

---

[1] [بخاری۔ کتاب الصلاۃ۔ باب الحدث فی المسجد]

''اس طرح کی حدیث ابوداود میں سائب بن یزید سے آتی ہے وہ بھی ضعیف ہے'' یہی نہیں بلکہ انہوں نے علامہ عز بن عبدالسلام سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''دعا کے بعد منہ پر ہاتھ جاہل ہی پھیرتا ہے''۔

انہوں نے اپنی اس تحقیق کا تمام تر مدار علامہ البانی حفظہ اللہ کی تحقیق پر رکھا ہے چنانچہ سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ج ۲ ص ۱۴۶ میں یہ بحث دیکھی جاسکتی ہے۔ اسی طرح علامہ البانی نے ان احادیث کو ضعیف الترمذی، ضعیف ابی داود، ضعیف ابن ماجہ میں ذکر کیا ہے۔ جن کا حوالہ خود مولانا جاوید صاحب نے بھی دیا ہے۔

ان کی معلومات میں اضافہ کے لیے عرض ہے کہ علامہ البانی نے ارواء الغلیل ج ۲ ص ۱۷۸ سے ص ۱۸۲ تک میں انہی روایات پر تفصیلاً نقد کیا ہے۔ نیز ابوداود میں ''سائب بن یزید'' سے نہیں بلکہ سائب بن یزید عن ابیہ یعنی یزید بن سعید الکندی سے روایت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بارے میں جامع ترمذی کے نسخے امام ترمذی کا کلام نقل کرنے میں مختلف ہیں۔ علامہ البانی حفظہ اللہ نے الارواء میں ''حدیث صحیح غریب'' اسی طرح علامہ قرطبی نے تفسیر ج ۷ ص ۲۲۵ اور حافظ عبدالحق نے بھی ان کا قول ''صحیح غریب'' نقل کیا ہے۔ بعض میں ''حسن صحیح غریب'' ہے۔ اور اکثر وبیشتر نسخوں میں صرف ''غریب'' ہے۔ [1] اس کی سند میں حماد بن عیسیٰ الجہنی ضعیف ہے۔ متروک یا کذاب نہیں۔ البتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں صالح بن حسان متروک ہے جیسا کہ تقریب میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے۔ مگر اس کا متابع ''عیسیٰ بن میمون'' ہے۔ جیسا کہ امام محمد بن نصر نے قیام اللیل ص ۲۳۶ میں ذکر کیا ہے اور علامہ البانی نے بھی ''الارواء'' میں اسے نقل کیا ہے مگر وہ بھی ضعیف ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب ص ۴۱۱ میں کہا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ایک اور سند سے سنن ابی داود میں مروی ہے جسے امام ابوداود نے عبداللہ بن یعقوب عن من حدثہ عن محمد بن کعب سے روایت کیا ہے مگر اس کی سند میں عبدالملک بن محمد بن ایمن مجہول ہے۔ [2] اور عبداللہ بن یعقوب کے استاد کا نام ہی نہیں کہ وہ کون ہے؟ علامہ البانی نے سلسلۃ الصحیحہ، ج ۲ ص ۱۴۶ میں کہا ہے کہ:

علته الرجل الذی لم یسم وقد سماه ابن ماجة وغیره صالح بن حسان کما بینته فی تعلیقی علی المشکاة ۲۲۴۳ وهو ضعیف جدا

''اس کی علت یہ ہے کہ راوی کا نام نہیں لیا گیا۔ ابن ماجہ وغیرہ نے اس کا نام صالح بن حسان لیا ہے۔ جیسا کہ میں نے مشکوٰۃ کی تعلیقات میں حدیث نمبر ۲۲۴۳ میں بیان کیا ہے، اور وہ سخت ضعیف ہے''۔

---

[1] ملاحظہ ہو الاذکار للنووی مع الفتوحات الربانیة ج۷ ص۲۵۸ [2] تهذیب، ج٦ ص ٤١٩ تقریب ص ٣٣٤

مگر حیرت کی بات ہے کہ علامہ البانی نے مشکوٰۃ کی اس محولہ روایت کے بارے میں کچھ بھی نہیں کیا۔ البتہ حدیث نمبر ۲۲۵۵ کے تحت ''سائب بن یزید عن ابیہ'' کی جو روایت ہے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ ابوداود میں ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔ اور ارواء الغلیل میں لکھتے ہیں:

''هذا سند ضعيف عبدالملك هذا ضعفه ابوداود وفيه شيخ عبدالله بن يعقوب الذى لم يسم فهو مجهول ويحتمل ان يكون هو ابن حسان ..... او ابن ميمون'' الخ [1]

یہ سند ضعیف ہے عبدالملک کو ابوداود نے ضعیف کہا ہے اور عبداللہ بن یعقوب کے استاد کا نام نہیں لیا گیا پس وہ مجہول ہے۔ احتمال ہے کہ وہ صالح بن حسان ہے یا عیسیٰ بن میمون ہے۔ غور فرمایئے یہاں انہوں نے دونوں کا احتمال ظاہر کیا ہے۔ سلسلۃ الصحیحہ جیسا وثوق یہاں نہیں۔ نیز یہ بھی احتمال ہے کہ مراد ابوالمقدام ہشام بن زیاد ہو۔ کیونکہ **سلو الله ببطون اكفكم** الخ کے علاوہ باقی الفاظ یعقوب نے اسی کے واسطہ سے بیان کیے ہیں۔ جیسا کہ علامہ المزی نے [2] میں کہا ہے۔ بہر حال یہ مبہم راوی صالح بن حسان ہو یا عیسی بن میمون یا ابوالمقدام، ضعیف ہے، بلکہ صالح اور ابوالمقدام متروک ہیں۔ لیکن عبدالملک کے بارے میں علامہ البانی کا کہنا ''**ضعفه ابو داود**'' (امام ابوداودؒ نے اسے ضعیف کہا ہے) قطعاً درست نہیں۔ امام ابوداود رحمہ اللہ نے تو فرمایا ہے ''**وهذا الطريق امثلها وهو ضعيف**'' کہ محمد بن کعب سے اس روایت کے جتنے طرق مروی ہیں وہ سب کمزور ہیں۔ اور یہ طریق سب سے امثل ہے حالانکہ وہ بھی ضعیف ہے۔ امام ابن قطان رحمہ اللہ نے اسے مجہول کہا ہے۔ تہذیب ج ۶ ص ۴۱۹ اور تقریب میں بھی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے مجہول ہی قرار دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت ایک اور سند سے مستدرک حاکم، ج ۴ ص ۲۷۰ میں مذکور ہے مگر محمد بن معاویہ اس کا راوی متروک ہے۔ امام دارقطنی وغیرہ نے کذاب کہا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت مختلف طرق سے مروی ہے اور وہ سب ضعیف ہیں۔ مگر ان میں دو کا ضعف شدید ہے کہ ان کے راوی متروک ہیں اور دو کا ضعف بوجہ مجہول اور ضعیف راوی کے ہے۔

تیسری حدیث: یہی روایت حضرت یزید ﷺ بن سعید بھی بیان کرتے ہیں۔ جیسے امام ابوداود، ج ۱ ص ۵۵۴۔ اور امام محمد بن خلف الوکیع نے اخبار القضاء ج ۱ ص ۱۰۷ میں ذکر کیا ہے مگر یہ سند بھی ضعیف ہے کیونکہ ابن لہیعۃ ضعیف اور اس کا استاد حفص بن ہاشم مجہول ہے۔

---

[1] الارواء: ج۲ ص ۱۸۰ [2] تہذیب الکمال ج۲۲ ص ۲۵۷، ۲۵۸

یہ ہیں وہ شواہد و متابعات جن کی بناء پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مجموعی طور پر اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ مگر ہمارے مولانا جاوید صاحب علامہ البانی کی اتباع میں ان سے متفق نہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا اس پر حسن حدیث کی تعریف صادق آتی ہے یا نہیں۔ یہ بات تو کسی صاحب علم پر مخفی نہیں کہ حسن لغیرہ کی تعریف میں یہی کہا گیا ہے کہ اس کے راوی متہم بالکذب نہ ہوں۔ وہ روایت شاذ نہ ہو اور اگر ضعف راوی کے مجہول ہونے یا ضعیف ہونے کی بناء پر ہو اور وہ متعدد اسانید سے مروی ہو یا اس کے اسی درجہ کے شواہد ہوں تو وہ روایت حسن لغیرہ ہوگی۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی حسن کی تعریف میں انہی شرائط کا ذکر کیا ہے۔ بنا بریں جب حضرت عمر ﷜، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دو سندوں سے مروی حدیث اور حضرت یزید ﷜ بن سعید کی حدیث جو بوجہ ضعف راوی فرداً فرداً ضعیف ہیں مگر ان کے راوی کذاب اور متروک نہیں، نہ ہی وہ شاذ ہیں تو ان کے مجموعہ کو حسن نہیں کہیں گے تو اور کیا کہیں گے؟

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا عمل

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''حدثنا ابراهيم بن المنذر قال حدثنا محمد بن فليح قال اخبرني ابي عن ابي نعيم وهو وهب قال رايت ابن عمرو ابن الزبير يدعو ان يديران بالراحتين على الوجه''[1] کہ وہب بن کیسان فرماتے ہیں، میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کو دیکھا وہ دعاء کرتے اور اپنی ہتھیلیوں کو اپنے منہ پر ملتے تھے۔ یہ اثر سنداً حسن ہے بلکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''الامالی'' میں اسے صحیح قرار دیا ہے اور اس کے سب راوی صحیح بخاری کے ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا عمل

امام محمد بن نصر مروزی معتمر سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوکعب عبدربہ بن عبید الازدی صاحب الحریر کو دیکھا کہ وہ ہاتھ اٹھا کر دعاء کرتے جب دعاء سے فارغ ہوتے تو اپنے ہاتھوں کو منہ پر ملتے۔ میں نے ان سے پوچھا آپ نے ایسا کرتے ہوئے کسے دیکھا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: حسن بصری رحمہ اللہ اسی طرح کرتے تھے۔[2] امام احمد رحمہ اللہ نے بھی حضرت حسن رحمہ اللہ بصری کے اسی اثر کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ جب ان سے قنوت وتر میں منہ پر ہاتھ پھیرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

''الحسن يروى عنه انه كان يمسح بها وجهه في دعائه اذا دعا''[3] کہ ''حسن بصری رحمہ اللہ

---

[1] الادب المفرد ص ۱۵۹ حدیث ۶۰۹ [2] قیام اللیل ص ۲۳۶ [3] مسائل الامام احمد روایت ابن عبد اللہ، ج ۲ ص ۳۰۰

سے اس کے بارے میں مروی ہے کہ وہ جب دعا کرتے، ہاتھوں کو منہ پر پھیرتے تھے"۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے الامالی میں حضرت یزید بن سعید رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرنے کے بعد کہا ہے۔

"لكن للحديث شاهد الموصولين [1] والمرسل ومجموع ذلك يدل على ان للحديث اصلا ويؤيده ايضا ما جاء عن الحسن البصرى باسناد حسن وفيه رد على من زعم ان هذا العمل بدعة وأخرج البخارى فى الادب المفرد عن وهب بن كيسان قال رايت ابن عمر وابن الزبير يدعوان فيديران الراحتين على الوجهين هذا موقوف صحيح يقوى به الرد على من كره ذلك" (انتہی ملخص)

لیکن اس حدیث کے دو موصول اور ایک مرسل شاہد ہیں۔ اور ان کا مجموعہ اس پر دال ہے کہ اس حدیث کی اصل ہے اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حسن بصری سے یہ عمل منقول ہے اور اس سے اس شخص کی تردید ہوتی ہے جو کہتا ہے کہ یہ عمل بدعت ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے "الادب المفرد" میں وہب بن کیسان سے نقل کیا ہے کہ میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ دعاء کرتے اور اپنے ہاتھوں کو منہ پر ملتے تھے یہ موقوف صحیح ہے اور اس سے اس کی سخت تردید ہوتی ہے۔ جو اسے مکروہ سمجھتا ہے۔

مرسل حدیث

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "الامالی" میں جس مرسل روایت کا اشارہ کیا ہے غالباً اس سے مراد امام زہری رحمہ اللہ کی مرسل روایت ہے جسے امام عبدالرزاق نے ذکر کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

"كان رسول الله ﷺ يرفع يديه بحذاء صدره اذا دعا ثم يمسح بهما وجهه" [2]

رسول اللہ ﷺ جب دعا کرتے تو سینے کے برابر ہاتھ اٹھاتے پھر ان کو منہ پر ملتے۔ یہ روایت گو مرسل ہے مگر دیگر روایات اس کی مؤید ہیں۔ جیسا کہ پہلے تفصیل گزر چکی ہے بلکہ امام عبدالرزاق نے یہ روایت معمر رحمہ اللہ کے واسطہ سے نقل کی ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے کہ **"رأيت معمراً يفعله"** (میں نے معمر کو دیکھا وہ اسی طرح دعا کے آخر میں منہ پر ہاتھ پھیرتے تھے) امام زہریؒ کی اس مرسل پہ راوی کا یہ عمل اس کا مزید مؤید ہے۔ امام اسحاق بن راہویہ کا شمار عظیم فقہائے محدثین میں ہوتا ہے۔ وہ بھی اس کے قائل تھے۔ چنانچہ امام محمد بن نصر المروزی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **"رأيت اسحاق يستحسن العمل بهذه الاحاديث"** [3]

---

[1] كذا فى الاصل [2] مصنف عبدالرزاق، ج ٣ ص ١٢٣ [3] قيام الليل ص ٢٣٢

کہ میں نے دیکھا امام اسحاق رحمہ اللہ ان روایات پر عمل مستحسن سمجھتے تھے۔ امام احمد رحمہ اللہ بن حنبل سے بھی اسی بارے میں دو قول منقول ہیں۔ ایک تو یہ کہ دعائے وتر کے بعد منہ پر ہاتھ نہ پھیرے جائیں جیسا کہ امام ابوداود رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اور دوسرا یہ کہ منہ پر ہاتھ پھیرنا مستحب ہے جیسا کہ علامہ ابن قدامہ نے المغنی ج ۱ ص ۷۸۶، اور علامہ شمس الدین ابن قدامہ نے الشرح الکبیر ج ۱ ص ۷۲۴ میں ذکر کیا ہے۔ نیز دیکھیں قلع (ج ۱ ص ۱۸۵) جبکہ علامہ المروزی نے کہا ہے منہ پر ہاتھ پھیرے جائیں۔ ''**وهو المذهب فعله الامام احمد**'' (یہی مذہب ہے امام احمد رحمہ اللہ نے ایسا کیا ہے) صاحب مجمع البحرین نے کہا ہے کہ یہی روایت زیادہ قوی ہے۔ الکافی میں ہے کہ یہ اولیٰ ہے الخ۔ ❶

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ منہ پر ہاتھ پھیرنے چاہیں تو انہوں نے فرمایا: ''**ارجو ان لا يكون به بأس وكان الحسن اذا دعا مسح وجهه وقال سئل ابى عن رفع الايدى فى القنوت يمسح بهما وجهه قال لا بأس به يمسح بهما وجهه قال عبدالله ولم أرابى يمسح بهما وجهه**'' ❷

مجھے امید ہے کہ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ حسن بصری رحمہ اللہ جب دعا کرتے منہ پر ہاتھ پھیرتے تھے۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ میرے والد (امام احمد) سے سوال ہوا کہ قنوت میں دعاء کے بعد ہاتھ منہ پر پھیرنے چاہیں؟ انہوں نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو منہ پر ہاتھ پھیرتے نہیں دیکھا۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ اسی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''**فقد سهل ابو عبدالله فى ذلك وجعل بمنزلة مسح الوجه فى غير الصلوة لانه عمل قليل ومنسوب الى الطاعة واختيار ابى عبدالله تركه**'' ❸

یعنی امام ابوعبداللہ احمد رحمہ اللہ نے اس میں آسانی پیدا کی ہے اور اسے نماز کے علاوہ منہ پر ہاتھ پھیرنے کے برابر قرار دیا ہے کیونکہ یہ عمل قلیل ہے اور اطاعت (وعبادت) کی طرف منسوب ہے۔ البتہ امام احمد رحمہ اللہ نے منہ پر ہاتھ نہ پھیرنے کو پسند کیا ہے۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کے اس بیان سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ نماز کے علاوہ دعاء کے اختتام پر منہ پر ہاتھ پھیرنے میں امام احمد رحمہ اللہ کا انکار نہیں۔ البتہ نماز میں منہ پر ہاتھ پھیرنے میں ان کا انکار ہے اور اس پر ان کا عمل نہیں لیکن اگر نماز میں بھی منہ پر ہاتھ پھیر لیا جائے تو اسے ''لا بأس به'' کہتے ہیں۔ بلاشبہ علامہ عز بن عبدالسلام نے دعاء کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرنے کے بارے میں سخت ترین موقف اختیار کیا ہے کہ ایسا کرنے والا جاہل

---

❶ الانصاف، ج ۳ ص ۱۷۳ ❷ بدائع الفوائد، ج ٤ ص ۱۱۳ ❸ بدائع، ج ٤ ص ۱۱۳

ہے مگر علامہ مناوی رحمہ اللہ نے فیض القدیر ج۱ ص ۳۶۹ میں کہا ہے کہ یہ ان کی بہت بڑی لغزش ہے۔ علامہ البانی بلاشبہ علامہ مناوی سے متفق نہیں مگر ان سے پہلے یہی بات علامہ الغزی رحمہ اللہ نے السلاح میں بھی کہی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن علان کہتے ہیں۔ ''**قال فی السلاح وقول بعض العلماء فی فتاویه ولا یمسح وجهه بیدیه عقب الدعاء الا جاهل محمول علی انه لم یطلع علی هذه الاحادیث**'' [1]

یعنی ''السلاح'' میں کہا ہے کہ بعض علماء کا اپنے فتویٰ میں یہ کہنا کہ دعاء کے بعد منہ پر ہاتھ جاہل ہی پھیرتا ہے۔ اس بات پر محمول ہے کہ انہیں ان احادیث کی خبر نہیں ہوئی۔ ظاہر بات ہے کہ اگر اس باب کی تمام مرفوع روایات اگر علامہ ابن عبدالسلام کے نزدیک ضعیف ہیں تو کیا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا عمل بھی ضعیف ہے؟ پھر کیا جس پر امام حسن بصری رحمہ اللہ کا عمل ہو۔ امام معمر رحمہ اللہ۔ امام احمد رحمہ اللہ اور امام اسحاق بن راہویہ بھی اس کے قائل ہوں اس پر عمل کرنے والے کو جاہل کہا جا سکتا ہے؟

حیرت ہے کہ علامہ البانی فرماتے ہیں کہ المجموع میں علامہ النووی رحمہ اللہ نے علامہ ابن عبدالسلام رحمہ اللہ کی موافقت کی ہے اور منہ پر ہاتھ پھیرنے کو غیر مندوب قرار دیا ہے [2] حالانکہ علامہ النووی رحمہ اللہ نے شرح المهذب (ج۳ ص ۵۰۵-۵۰۱) میں دعائے وتر کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرنے کے بارے میں کہا ہے صحیح یہ ہے کہ منہ پر ہاتھ نہ پھیرے جائیں اور لکھا ہے کہ امام بیہقی رحمہ اللہ علامہ الرافعی رحمہ اللہ وغیرہ کا بھی یہی موقف ہے یوں نہیں کہ دوسرے اوقات میں بھی دعا کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرنے کو انہوں نے غیر صحیح کہا ہے بلکہ انہوں نے کتاب الاذکار کے آخر میں آداب دعا کو ذکر کرتے ہوئے تیسرا ادب یہ بیان کیا ہے ''**استقبال القبلة ورفع الیدین ویمسح بهما وجهه فی اخره**'' کہ دعا قبلہ رخ ہو کر ہاتھ اٹھا کر کی جائے اور آخر میں دونوں ہاتھوں کو منہ پر پھیرا جائے۔ اس لیے امام نووی رحمہ اللہ کو علامہ ابن عبدالسلام رحمہ اللہ کا ہمنوا کہنا قطعاً صحیح نہیں۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی دعائے قنوت میں اس عمل کا انکار کیا ہے۔ نماز سے خارج اوقات میں نہیں چنانچہ ان کے الفاظ ہیں۔

''**فاما مسح الیدین بالوجه عند الفراغ من الدعاء فلست احفظ عن احد من السلف فی دعاء قنوت وان کان یروی عن بعضهم فی الدعاء خارج الصلوة**'' الخ [3]

''کہ قنوت میں دعاء کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرنے کے بارے میں مجھے سلف سے کوئی چیز معلوم نہیں، اگرچہ ان میں سے بعض سے نماز کے علاوہ دعا کے بعد ہاتھ پھیرنا مروی ہے مگر نماز میں یہ عمل نہ کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے نہ

[1] الفتوحات الربانیة، ج۷ ص۲۵۸ [2] الارواء ج۲ ص۱۸۲ [3] السنن الکبری ج۲ ص۲۱۲

کسی اثر سے اور نہ قیاس سے، لہٰذا بہتر یہی ہے کہ نماز میں یہ نہ کیا جائے''۔

جب امام بیہقی رحمہ اللہ بھی نماز کے علاوہ دعاء کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرنے کے بارے میں بعض سلف کا عمل ذکر کرتے ہیں تو مطلقاً اس عمل کو بدعت یا مکروہ قرار دینا قطعاً درست نہیں بلکہ امام احمد رحمہ اللہ کے قول سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ وتروں میں دعائے قنوت کے اختتام پر بھی منہ پر ہاتھ پھیرتے تھے اور اسی بناء پر انہوں نے اسے بھی ''لا بأس به'' کہا ہے حنابلہ کا عموماً مذہب بھی یہی ہے اور شوافع میں بھی قاضی ابوالطیب، امام الحرمین ابومحمد الجوینی، ابن الصباغ، المتولی، شیخ نصر، امام غزالی رحمہم اللہ اور ابوالخیر مصنف البیان اسے مستحب قرار دیتے ہیں۔ ان حضرات کا استدلال انہی عام روایات اور آثار سے ہے۔ اہل علم کو ان سے اختلاف کا حق ہے اور اختلاف کیا بھی گیا ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی بالآخر یہی فرمایا ہے کہ ''فالاولی ان لا یفعله'' (بہتر یہ ہے نماز میں منہ پر ہاتھ نہ پھیرے جائیں) امام احمد رحمہ اللہ نے بھی ''لا بأس به'' کہنے کے باوجود خود اس پر عمل نہیں کیا۔ لہٰذا اسے بدعت قرار دینا بہت بڑی جسارت [1] ہے۔ فقہاء اور ائمہ مجتہدین کے مابین یہ اختلاف افضل اور غیر افضل میں ہے۔ بدعت یا سنت ہونے میں نہیں۔ ہمارے نزدیک اسی مسئلہ میں محتاط قول و عمل امام احمد رحمہ اللہ کا ہے کہ عموماً دعاء کے بعد تو منہ پر ہاتھ پھیرے جائیں گے لیکن دعائے قنوت میں احتیاط اسی میں ہے کہ اس سے اجتناب کیا جائے کیونکہ اس کے متعلق کوئی صحیح اور صریح روایت نہیں جیسا کہ امام بیہقی نے فرمایا ہے لیکن اگر کوئی اس باب کی احادیث و آثار کے عموم سے وتروں میں بھی دعاء کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرتا ہے تو ہم اسے بدعت نہیں کہتے۔ و اللہ سبحانہ وتعالی اعلم بالصواب.

س: اگر مقتدی نماز کے بعد امام کو مخاطب ہو کر اپنے متعلق دعا کرنے کو کہے امام اور مقتدی مل کر اس کے لیے دعا کریں تو کیا یہ صورت جائز ہے؟ جبکہ رسول اللہ ﷺ نے سائل کے کہنے پر بارش کی دعا کی تھی؟ محمد اکرم اوکاڑہ 8/7/86

ج: اتفاقاً اور بسا اوقات ہو تو جواز کی صورت نکل سکتی ہے اور اگر عمداً با قاعدہ ہر فرضی نماز کے بعد ایک صاحب دعاء کی درخواست داغ دیں اور امام و مقتدی سب مل کر ہاتھ اٹھائے دعا کرنا شروع کر دیں تو یہ نبی کریم ﷺ سے غیر ثابت عمل کو رواج دینے کا ایک حیلہ ہے جس سے بچنا چاہیے کیونکہ ﴿كُلُّ الْخَيْرِ فِي الْاِتِّبَاعِ﴾ [تمام خیر اتباع میں

[1] مولانا جاوید سیالکوٹی کے مضمون مطبوع الاعتصام میں دعاء کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرنے کو بدعت نہیں کہا گیا تھا۔ البتہ ہفت روزہ اہل حدیث جلد ۲۶ میں دعا کے موضوع پر مطبوعہ ایک مضمون میں یہ الفاظ آئے تھے۔ جواب لکھتے وقت غالباً یہ مضمون بھی مولانا اثری صاحب کے پیش نظر رہا ہے۔ (ن۔ح۔ن)

ہے] اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ﴿وَخَيْرُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ﴾ [بہترین ہدایت محمد رسول اللہ ﷺ کی ہدایت ہے] ۱۴۰۶/۱۱/۱ھ

س : اجتماعی دعا فرض نمازوں کے بعد یا نماز تراویح کے بعد کے متعلق روایتیں درایۃ وروایۃ صحیح ہیں یا نہیں یہ احادیث مولانا محمد اسحاق صاحب شاہد نے اجتماعی دعا کے ثبوت کے سلسلہ میں پیش کی ہیں؟

پہلی دلیل : حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کس وقت دعا زیادہ قبول ہوتی ہے ؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ رات کے آخری حصے میں اور فرض نمازوں کے بعد [1]

دوسری دلیل : ''عَنْ سَلْمَانَ قال قال رسول الله ﷺ مَا رَفَعَ قَوْمٌ اَكُفَّهُمْ اِلَى اللهِ عَزَّوَجَلَّ سَاَلُوْا شَيْئًا اِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ عَزَّوَجَلَّ'' [2]

ترجمہ: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی قوم اپنی ہتھیلیوں کو سوال کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں اٹھاتی مگر اللہ تعالیٰ ضرور ان کے ہاتھوں میں وہ چیز رکھتا ہے جس کا انہوں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا ہے۔

میرے بھائیو اس حدیث کو غور سے پڑھئے اور لفظ قوم پر دھیان کیجئے جس سے واضح ہوتا ہے کہ اجتماعی دعا کرنی چاہیے قوم میں ایک آدمی یا دو آدمی نہیں ہوتے قوم کثیر لوگوں پر بولا جاتا ہے۔ مذکورہ بالا حدیث طبرانی کبیر میں ہے اور مجمع الزوائد میں بھی ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

تیسری دلیل : ''عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَا اجْتَمَعَ ثَلَاثَةٌ بِدَعْوَةٍ قَطُّ اِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ اَنْ لَّا يَرُدَّ اَيْدِيَهُمْ صِفْرًا'' [3]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین آدمی اکٹھے ہو کر دعا نہیں کرتے کبھی بھی مگر اللہ تعالیٰ ضرور ان کے ہاتھوں کو خالی نہیں لوٹائے گا اس حدیث کو غور سے پڑھئے اس میں بھی تین آدمی کے اجتماع کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ حدیث بیہقی شعب الایمان میں ہے۔

چوتھی دلیل : ''اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ كَانَ اِذَا فَرَغَ مِنْ صَلٰوتِهِ رَفَعَ يَدَيْهِ وَضَمَّهُمَا وَقَالَ اَىْ دُعَا'' [4]

---

[1] مشکوۃ شریف ص ۸۹ ترمذی شریف [2] الحدیث رواہ الطبرانی فی الکبیر ورواته ثقات کلهم مجمع الزوائد
[3] رواہ البیہقی فی شعب الایمان [4] کتاب الزہد والرقائق ص ۴۰۵

ترجمہ: یعنی رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے اور دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو ملا کر رکھتے اور دعا کرتے یاد رکھیں دعا مانگتے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو ملا کر رکھنا چاہیے جو علیحدہ علیحدہ رکھتے ہیں وہ سنت رسول کے خلاف ہے اور بالکل غلط ہے۔

پانچویں دلیل : علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے ساتھ ان کا یہ واقعہ منقول ہے کہ طلوع فجر کے وقت صبح کی اذان کہی گئی۔ حضرت علاء صحابی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نماز پڑھائی جب نماز کو پورا کر لیا یعنی نماز سے فارغ ہوئے ''وَنَصَبَ فِي الدُّعَاءِ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَفَعَلَ النَّاسُ مِثْلَهُ'' یعنی حضرت علاء رضی اللہ عنہ نے اور تمام لوگوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی اس حدیث کو بھی بار بار پڑھیں تو اس واقعہ سے اور صحابہ کرام کے عمل سے یہی پتہ چلے گا کہ فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دعا مانگنی چاہیے۔

جو حضرات اس کو بدعت کہتے ہیں یا لوگوں کو دعا کرنے سے منع کرتے ہیں وہ درحقیقت جاہل ہیں اور بہت بڑے گناہ کے مرتکب ہیں۔ (۲۴ واں پارہ آیت ۴۰)۔ ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ﴾ [1] اس آیت کا ترجمہ پڑھیں۔ پھر توبہ کریں کہ آئندہ کسی کو اجتماعی دعا کرانے سے نہیں روکو گے۔ غلام اللہ علی کراچی نمبر۲ 27/5/87

ج : میں نے مولانا محمد اسحاق صاحب شاہد امام چھوٹی مسجد اہل حدیث جوڑیا بازار کراچی کا تحریر کردہ تبلیغی سلسلہ نمبر ۱۰ بغور پڑھا انہوں نے اس میں بزعم خود پانچ دلیلیں پیش فرمائی ہیں نیچے پہلے محل نزاع کو متعین کیا جاتا ہے پھر ان پانچ دلائل کا جائزہ پیش کیا جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

محل نزاع کا تعین : فرضی نمازوں کے بعد ذکر اور دعا کرنے میں اہل علم کا کوئی اختلاف نہیں کیونکہ فرضی نمازوں کے بعد ذکر اور دعاء کرنا رسول اللہ ﷺ کے قول اور عمل سے ثابت ہے جیسا کہ کتب حدیث کے مطالعہ سے واضح ہے نزاع و اختلاف ہے تو فرضی نمازوں کے بعد دعا کرتے وقت ہاتھ اٹھانے میں ہے۔

دلائل کا جائزہ : جناب شاہد صاحب کی پیش کردہ پہلی دلیل میں فرضی نمازوں کے بعد دعاء کے قبول ہونے کا تذکرہ ہے اور ہم تسلیم کرتے ہیں واقعی فرضی نمازوں کے بعد دعاء کے قبول ہونے کا وقت ہے اور ہم خود فرضی نمازوں کے بعد دعا کرتے ہیں اور کیوں نہ کریں جب کہ رسول اللہ ﷺ سے فرضی نمازوں کے بعد دعا کرنا ثابت ہے اور اس

---

[1] [اور تمہارے رب کا فرمان ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا۔ یقین مانو کہ جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ ابھی ابھی ذلیل ہو کر جہنم میں پہنچ جائیں گے][المومن]

میں نزاع واختلاف بھی نہیں رہا ہاتھ اٹھانا تو اس کا اس دلیل میں ذکر تک نہیں تو المختصر جو چیز محل نزاع تھی اس کا تو اس دلیل میں ثبوت نہیں اور جس چیز کا اس دلیل میں ثبوت ہے وہ محل نزاع ہی نہیں۔

دوسری دلیل میں ہاتھ اٹھانے کا ثبوت تو ہے مگر اس میں فرضی نمازوں کے بعد کی تخصیص نہیں یہ دلیل تو اذان اور تکبیر کے درمیان فرضی نمازوں سے قبل دعا کرنے مسجد میں داخل اور اس سے خارج ہوتے وقت دعا کرنے اور گھر میں داخل اور اس سے خارج ہوتے وقت دعا کرنے پر بھی چسپاں ہوتی ہے تو کیا جناب شاہد صاحب اور ان کے ہمنوا ان مقاموں پر بھی ہاتھ اٹھاتے ہیں آخر کیوں وہ ان مقاموں پر ہاتھ اٹھانے کو فرضی نمازوں کے بعد والی دعا میں ہاتھ اٹھانے والی حیثیت نہیں دیتے ؟ جبکہ دلیل دونوں دعاؤں پر یکساں چسپاں ہو رہی ہے اگر وہ فرمائیں ان مقاموں پر ہاتھ اٹھانا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں تو فرضی نمازوں کے بعد بھی ہاتھ اٹھانا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔

تیسری دلیل کا جائزہ دوسری دلیل کے جائزہ کے ضمن میں بیان ہو چکا ہے۔ چوتھی دلیل شاہد صاحب نے کتاب الزہد والرقائق ص ۴۰۵ کے حوالہ سے ذکر کی ہے یہ کتاب ہمارے ہاں موجود نہیں لہٰذا شاہد صاحب کی خدمت میں گذارش ہے کہ اس دلیل کی سند اصل کتاب سے نوٹ فرما کر ہمیں بھیجیں تا کہ پتہ چل سکے یہ روایت صحیح بھی ہے یا نہیں۔ پانچویں دلیل کا انہوں نے سرے سے کوئی حوالہ ہی نہیں دیا پھر وہ مرفوع بھی نہیں لہٰذا ان سے اپیل ہے کہ اس کا حوالہ لکھیں۔ ایک آیت ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ﴾ بھی لکھی ہے اس میں صرف دعا کرنے کا حکم ہے جس کے ہم بفضلہٖ تعالیٰ قائل وعامل ہیں یہ ہاتھ اٹھانے کی دلیل نہیں ہے۔ ۱۴۰۷ھ

س : فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کے متعلق بتائیں کہ کیسے دعا مانگنی چاہیے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ فرضی نماز کے بعد دعا جلد قبول ہوتی ہے؟ محمد سلیم بٹ

ج : فرض نماز کے بعد دعا کرنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے آپ نے اس چیز کی ترغیب بھی دی البتہ اس دعا میں ہاتھ اٹھانا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔ ۱۴۱۶/۱۱/۲۲ھ

س : انفرادی صورت میں دعا کرنے کے متعلق احادیث میں ہے کہ فرضی نماز کے بعد دعا قبول ہے اور دیگر احادیث میں دعا ہاتھ اٹھا کر کرنے کا ذکر بھی ہے اگر ان دونوں صورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے انفرادی صورت فرضی نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کر لی جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟ محمد اکرم اوکاڑہ 8/7/86

ج : مسجد میں داخل ہوتے اور اس سے خارج ہوتے وقت نیز گھر میں داخل ہوتے اور اس سے خارج ہوتے

وقت دعائیں نبی کریم ﷺ سے ثابت ہیں اور دیگر احادیث میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا ذکر بھی ملتا ہے تو کیا کبھی آپ نے یا فرضی نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے والوں نے ان موقعوں پر ہاتھ اٹھا کر دعا کی؟ یا ان موقعوں پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے پر زور دیا؟ آخر جو صغریٰ کبریٰ آپ یا وہ فرضوں کے بعد والی دعا پر چسپاں کر رہے ہیں وہ ان مقاموں پر بھی چسپاں ہوتا ہے حرج ہونے نہ ہونے کا فیصلہ آپ خود فرمالیں۔ ۱۴۰۶/۱۱/۱۰ھ

س: عرض یہ ہے کہ دعا بعد الفرض بہیئۃ الاجتماعیہ جائز ہے یا نہیں؟ محمد قاسم نورستان

ج: صلاۃ مکتوبہ کے بعد دعا کرنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے آپ ﷺ نے اس کی ترغیب بھی دی ہے مگر اس دعا میں ہاتھ اٹھانا کسی صحیح یا حسن مرفوع حدیث میں نہیں آیا۔ ۱۴۱۱/۶/۶ھ

س: (۱) ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کی حدیث پر عمل کرتے ہوئے اگر کوئی انسان مسجد میں داخل ہوتے ہوئے یا خارج ہوتے وقت یا گھر داخل ہوتے وقت یا خارج ہوتے وقت بسا اوقات ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ لیتا ہے اب فرض نماز کے بعد بسا اوقات ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا جائز ہو جائے گا۔

(۲) صاحب صلاۃ الرسول نے فرضی نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کی احادیث ذکر کرتے ہوئے جواز ثابت کیا ہے لکھتے ہیں: ''فرضی نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا درست ہے''۔ حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿مَا مِنْ عَبْدٍ بَسَطَ كَفَّيْهِ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِلٰهِي وَاِلٰهَ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْحَاقَ وَيَعْقُوْبَ وَاِلٰهَ جِبْرِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَاِسْرَافِيْلَ الخ﴾ [1] حضرت عامر کہتے ہیں ''صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الْفَجْرَ فَلَمَّا انْصَرَفَ رَفَعَ يَدَيْهِ وَدَعَا..... [2]''۔ محمد اکرم اوکاڑہ 26/7/86

ج: (۱) بات اگر مگر کی نہیں فی الواقع فرضی نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے والے مسجد اور گھر میں دخول وخروج کے وقت ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں۔ اور جو ان مواقع پر ہاتھ نہ اٹھائے اس پر نکیر کرتے ہیں۔ جیسا کہ فرضوں کے بعد ان کا معمول ہے پھر جواز کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کام کرنے میں ثواب نہیں اور نہ کرنے میں گناہ نہیں تو جس مسئلہ کی حیثیت یہ ہے اس کو طول دینے میں فائدہ؟

(۲) بحوالہ فتاویٰ نذیریہ آپ نے دو روایتیں لکھی ہیں جن میں نماز کے بعد ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے تو اس سلسلہ میں گذارش ہے کہ یہ دونوں روایتیں نیز اس مضمون کی دیگر روایات ثابت ہی نہیں اس لیے ان سے استدلال کرنا بے کار ہے تھوڑی سی زحمت گوارا فرما کر فتاویٰ نذیریہ کا یہ مقام پڑھ ڈالیے ان شاء اللہ بہت نفع ہوگا۔ ۱۴۰۶/۱۱/۲۷ھ

---

[1] عمل اليوم والليلة لابن سنى [2] (فتاوی نذیریہ بحوالہ ابن ابی شیبہ) ماخوذ : صلوۃ الرسول ص ۳۱۱-۳۱۲ مولف حضرت مولانا حکیم محمد صادق سیالکوٹی ناشر مکتبہ نعمانیہ اردو بازار گوجرانوالہ

س: فرضی نماز کے بعد اجتماعی صورت میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا بغیر دوام کے کیا جائز ہے؟ محمد اکرم اوکاڑہ 7/5/86

ج: فرضی نماز یا نفلی نماز کے بعد اجتماعی صورت میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بادوام اور بلادوام رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں بلکہ مجھے تو نماز کے بعد انفرادی صورت میں بھی ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی کوئی قابل احتجاج حدیث ابھی تک نہیں ملی۔ ١٤٠٦/١٠/١١ھ

نماز کی سنتوں کا بیان

س: اگر فجر کی جماعت کھڑی ہو جائے اور اتنا وقت بھی ہو کہ آدمی سنتیں پڑھ سکے تو کیا سنتیں پڑھنی چاہئیں؟ (یعنی بعد میں جماعت مل جائے گی) محمد عثمان غنی لاہور

ج: پہلے جماعت میں شامل ہو سنتیں بعد میں پڑھے۔ ١٤١٧/٨/١ھ

[کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ فَلَا صَلَاۃَ اِلَّا الْمَکْتُوْبَۃَ ''جب نماز کے لیے اقامت کہہ دی جائے تو فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز نہیں ہوتی۔''][1]

س: فجر کی سنتیں اگر جماعت سے قبل نہ پڑھی جائیں تو کیا فرض کے بعد پڑھی جا سکتی ہیں؟ نیز پڑھنے کا ثبوت کیا ہے صحیح حدیث سے ثابت کریں جبکہ نبی کریم ﷺ نے ظہر کی دو رکعات پڑھی عصر کے بعد لیکن آپ ﷺ نے ہمیشہ پڑھی ایک روایت مشکوٰۃ ص ۹۵ پر ہے ﴿عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ قَیْسِ بْنِ عَمْرٍو﴾ نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو فجر کے فرض کے بعد دیکھا دو رکعات پڑھتے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ میری دو سنت رہ گئی تھیں نبی اکرم ﷺ سن کر خاموش ہو گئے۔ لیکن امام ترمذی رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ متصل نہیں ہے کیونکہ محمد ابن ابراہیم نے قیس بن عمرو سے سنا نہیں منقطع روایت کیسے حجت ہو سکتی ہے؟ اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے جو حدیث ام سلمہ سے بیان کی کہ انہوں نے پوچھا کہ کیا ہم قضائی دیں تو آپ نے فرمایا نہیں۔ اس کی سند کی وضاحت کریں؟ حافظ محمد عارف قریشی سرگودھا

ج: فجر کی سنتیں اگر جماعت سے قبل نہ پڑھی جا سکیں تو فرض نماز کے بعد طلوع آفتاب سے قبل انہیں پڑھنا درست ہے۔

اولاً: تو اس لیے کہ فجر کی سنتوں کا وقت فجر کے فرضوں کی طرح سورج طلوع ہونے تک ہے اور نماز نفل ہو خواہ فرض وقت کے اندر پڑھنا ادا ہے اور وقت کے بعد پڑھنا قضاء ہے اور ہر صاحب علم جانتا ہے کہ اداء قضاء پر مقدم ہے۔

ثانیاً: اس لیے کہ قیس رضی اللہ عنہ والی حدیث موجود ہے ترمذی والی سند واقعی منقطع ہے اور منقطع حجت نہیں ہوتی مگر قیس رضی اللہ عنہ

[1] [مسلم۔صلاۃ المسافرین۔باب کراهة الشروع فی نافلة بعد شروع المؤذن فی اقامة الصلاة.]

کی اس حدیث کی سند مستدرک حاکم صحیح ابن حبان، صحیح ابن خزیمہ اور سنن دار قطنی میں متصل بھی موجود ہے۔ظہر کے بعد والی دو رکعتیں عصر کے بعد بطور قضاء آپ ﷺ نے صرف ایک دن ہی پڑھی تھیں ام سلمہ رضی اللہ عنہا والی روایت ''ہم بھی قضاء دیں فرمایا نہیں'' ضعیف ہے۔[1] ۱۴۱۶/۷/۸ھ

س: آدمی صبح کی دو رکعات سنتیں فرض نماز ادا کرنے کے فوری بعد پڑھ سکتا ہے اس حدیث کا حوالہ ذکر کر دیں؟

انجینئر محمد نعیم جوہر آباد ضلع خوشاب 11/4/94

ج: قَالَ الدَّارَقُطْنِیْ فِیْ سُنَنِہِ : حَدَّثَنَا اَبُوْبَکْرِ النَّیْسَابُوْرِیْ ثَنَا الرَّبِیْعُ بْنُ سُلَیْمَانَ وَنَصْرُ بْنُ مَرْزُوْقٍ قَالاَ : نَا أَسَدُ بْنُ مُوْسٰی ثَنَا اللَّیْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ یَحْیٰی بْنِ سَعِیْدٍ عَنْ أَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ أَنَّہٗ جَاءَ وَالنَّبِیُّ ﷺ یُصَلِّیْ صَلاَۃَ الفَجر فَصَلّٰی مَعَہٗ فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ فَصَلّٰی رَکْعَتَیِ الْفَجْرِ فَقَالَ لَہُ النَّبِیُّ ﷺ : مَا ھَاتَانِ الرَّکْعَتَانِ ؟ قَالَ : لَمْ أَکُنْ صَلَّیْتُھُمَا قَبْلَ الْفَجْرِ . فَسَکَتَ وَلَمْ یَقُلْ شَیْئًا .[2]

[حضرت یحییٰ بن سعید اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک وہ آئے اس حال میں کہ نبی کریم ﷺ فجر کی نماز پڑھا رہے تھے پس اس نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی پس جب سلام پھیرا اس نے کھڑے ہو کر فجر کی دو رکعات ادا کیں نبی ﷺ نے اس کو کہا کیا ہیں یہ دو رکعتیں تو اس نے کہا میں نے ان دونوں کو فجر سے پہلے نہیں پڑھا آپ ﷺ خاموش ہو گئے آپ نے کچھ نہ کہا]

سنن دار قطنی کے علاوہ یہ حدیث مستدرک حاکم، صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان میں بھی موجود ہے۔رہی حدیث ﴿لاَ صَلٰوۃَ بَعْدَ صَلاَۃِ الْفَجْرِ﴾ والی تو اس میں تخصیص ہو چکی ہے خود حنفی حضرات بھی نماز فجر کے بعد سورج طلوع ہونے سے پہلے فوت شدہ فرض نماز پڑھنے کے قائل ہیں تو جب اس حدیث ﴿لاَ صَلٰوۃَ بَعْدَ صَلاَۃِ الْفَجْرِ﴾ والی میں انہوں نے خود تخصیص فرمالی ہے تو مذکور بالا سنن دار قطنی والی حدیث کے ساتھ اس حدیث ﴿لاَ صَلٰوۃَ بَعْدَ صَلاَۃِ الْفَجْرِ﴾ والی میں اور تخصیص ہو جانے میں کون سی رکاوٹ ہے؟ پھر غور فرمائیں فجر کی سنتوں کو سورج طلوع ہونے سے پہلے پڑھنا اداء ہے خواہ وہ فجر کے فرضوں کے بعد ہی ہوں کیونکہ جیسے فجر کے فرضوں کا وقت سورج طلوع ہونے تک ہے ویسے ہی فجر کی سنتوں کا وقت بھی سورج طلوع ہونے تک ہی ہے اور فجر کی سنتوں کو سورج طلوع ہونے کے بعد پڑھنا قضاء ہے تو اب اداء کو چھوڑ کر قضاء کو اپنانا کہاں کی عزیمت یا فضیلت ہے؟ باقی فرض فجر پڑھ لینے کے بعد سورج طلوع ہونے تک وقت موجود ہوتے ہوئے فجر کی سنتوں کو سورج طلوع ہونے کے بعد پڑھنے کی کوئی صحیح یا حسن حدیث

---

[1] حدیث ام سلمہ حدیث حسن أخرجہ فی المسند باسناد جید۔ تحقیق ابن باز علی فتح الباری۔ کتاب مواقیت الصلاۃ

[2] ص ۳۸۴ الجزء الاول باب قَضَاءِ الصَّلاَۃِ بَعْدَ وَقْتِھَا وَمَنْ دَخَلَ فِی صَلاَۃٍ فَخَرَجَ وَقْتُھَا قَبْلَ تَمَامِھَا کتاب الصلاۃ

نہیں ہے۔ واللہ اعلم ۹/۱۱/۱٤۱٤ھ

س: فجر کی سنتوں کے بعد دائیں کروٹ لیٹنا کیسا ہے۔ ایک مولوی صاحب کا کہنا ہے کہ یہ نبی ﷺ کا خاصہ تھا؟

ابوعبدالقدوس ضلع شیخوپورہ

ج: خاصے والی بات بے بنیاد ہے برسبیل تنزل فعلی وعملی حدیث میں کہی جاسکتی ہے البتہ ترمذی شریف کی مرفوع حدیث ﴿اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ رَکْعَتَیِ الْفَجْرِ فَلْیَضْطَجِعْ عَلٰی شِقِّهِ الْاَیْمَنِ﴾ [جب تم میں سے ایک فجر کی دو رکعتیں پڑھے تو چاہیے کہ وہ اپنے دائیں پہلو پر لیٹ جائے] نے تو اس کے پرخچے اڑا دیئے ہیں نیز اس حدیث نے اس سنت کے تہجد پڑھنے والوں کے ساتھ خاص ہونے والی بات کو ختم کر دیا ہے۔ ۹/۷/۱٤۱۷ھ

س: سورج طلوع ہونے کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا باعث ثواب ہے یا نہیں؟ ابوعبدالقدوس ضلع شیخوپورہ

ج: باعث ثواب ہے۔ [﴿عَنْ أَبِیْ هُرَیْرة ﷺ قال أَوْصَانِیْ خَلِیْلِی بِثَلاَثٍ لاَ اَدَعُهُنَّ حَتّٰی اَمُوْتَ صَوْمِ ثَلاَثَةِ اَیَّامٍ مِنْ کُلِّ شَهْرٍ ، وَصَلاَةِ الضُّحٰی ، وَنَوْمٍ عَلٰی وِتْرٍ﴾ [1] حضرت ابوہریرہ ﷺ نے فرمایا: "مجھے میرے پیارے دوست نبی ﷺ نے تین چیزوں کی وصیت کی، جب تک میں زندہ رہوں گا ان کو نہیں چھوڑوں گا، ہر (عربی) مہینہ (میں ایام بیض ۱۳، ۱٤، ۱۵) کے تین روزے چاشت (اشراق) کی نماز اور سونے سے پہلے وتر پڑھنا"۔

﴿عَنْ اَنَسٍ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ صَلَّی الْفَجْرَ فِیْ جَمَاعَةٍ . ثُمَّ قَعَدَ یَذْکُرُ اللهَ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ ، ثُمَّ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ ، کَانَتْ لَهُ کَاَجْرِ حَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ . قَالَ : قَالَ رسول الله ﷺ "تَامَّةٍ تَامَّةٍ تَامَّةٍ"﴾ حضرت انس ﷺ سے روایت ہے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص نماز پڑھے فجر کی جماعت میں پھر بیٹھے یاد کرے اللہ کو آفتاب نکلنے تک پھر پڑھے دو رکعت نماز ہوگا ثواب اس کے لیے مانند ثواب حج اور عمرے کے کہا راوی نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے پورے حج اور عمرے کا پورے حج اور عمرے کا (اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے) [2]] ۹/۷/۱٤۱۷ھ

س: ایک شخص صبح کی نماز پڑھ کر سورج طلوع تک بیٹھا رہتا ہے تو ذکر واذکار کرتا رہتا ہے سورج طلوع ہونے کے بعد وہ سو جاتا ہے تقریباً نو بجے صبح اٹھ کر اشراق پڑھتا ہے کیا اس طرح اشراق ہو جاتی ہے۔ محمد اعجاز نارووال

ج: نماز اشراق تو اس طرح بھی ہو جاتی ہے مگر بہتر ہے کہ وہ اشراق سونے سے پہلے پڑھے۔ ۸/٤/۱٤۱۵ھ

---

[1] [بخاری باب صلاة الضحی فی الحضر] [2] [وقال حدیث حسنٌ غریب قلت و سنده ضعیف لکن للحدیث شواهد ذکرها المنذری فی الترغیب یرقی الحدیث بها الی درجة الحسن تحقیق البانی علی مشکوٰۃ۔ کتاب الصلاة۔ باب الذکر بعد الصلاة۔ الفصل الثانی]

س: پانچوں فرض نمازوں کی رکعتیں بمعہ سنت ونفل بتائیں؟ تنویر احمد

ج: فجر کے دو فرض ہیں ان سے پہلے دو سنتیں ہیں رہ جائیں تو فرضوں کے بعد طلوع آفتاب سے قبل ادا کی جا سکتی ہیں۔ ظہر کی چار سنتیں فرضوں سے پہلے اور چار فرضوں کے بعد اور چار فرض ہیں۔ عصر کی چار سنتیں فرضوں سے پہلے اور دو فرضوں کے بعد اور چار فرض ہیں مغرب کی دو سنتیں فرضوں سے پہلے اور دو فرضوں کے بعد اور تین فرض عشاء کی دو سنتیں فرضوں سے پہلے چار فرضوں کے بعد تین وتر اور دو وتروں کے بعد اور چار فرض۔ ١٤١٦/٤/٢٠ھ

س: فرائض کے علاوہ اگر سنت نماز ادا نہ کی جائے تو کیا آدمی گناہ گار ہوگا کہ نہیں اگر گناہ گار ہوگا تو کیا صغیرہ گناہ ہوگا کہ کبیرہ گناہ ہوگا؟ عبدالغفور ولد عبدالحق شاہدرہ لاہور

ج: آخرت میں پہلے فرض نماز کا حساب ہوگا اگر فرض نماز میں کوتاہی ہوئی تو وہ فرض نماز کے علاوہ تطوع نماز سے پوری کر لی جائے گی اور اگر انسان کے پاس تطوع نماز نہ ہوئی تو فرض نماز کے حساب میں فیل ہو جائے گا تو اس صورت میں وہ لامحالہ گناہ گار بھی ہوگا تو ترک صلاۃ تطوع وسنت اس خاص اعتبار سے گناہ ہے باقی اس کے کبیرہ یا صغیرہ ہونے کا مجھے علم نہیں۔ واللہ اعلم ١٤١٦/٦/٩ھ

س: نماز کے بعد یا قبل تمام سنن کو چھوڑ دینا کیسا ہے ایک مولوی صاحب کا کہنا ہے کہ تم کوئی سنن یا نوافل نہ پڑھو اگر اللہ پوچھے گا تو میں جواب دوں گا؟ ابوعبدالقدوس ضلع شیخوپورہ

ج: خسارے کا سودا ہے۔ ابوداود [1] میں حدیث ہے پہلے فرض نماز کا حساب ہوگا اگر اس میں کمی کوتاہی ہوئی تو فرض نماز کے علاوہ تطوع سے پوری کر لی جائے گی اب غور فرمائیں اگر کسی نے فرض نماز کے علاوہ تطوع نماز سرے سے پڑھی ہی نہ ہو تو کمی کوتاہی کی صورت میں وہ کیا کرے گا؟ مولوی صاحب اب تو زبانی کلامی ذمہ داری اٹھا رہے ہیں لیکن روز قیامت بالکل ذمہ دار نہ بنیں گے ان کی باتوں میں نہ آنا چاہیے پھر رب تعالیٰ کا شکر بھی تو کوئی شیء ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿أَفَلَا أَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا﴾ ١٤١٧/٧/٩ھ

س: ۴ رکعت ظہر سنت یا عصر ۴ رکعت سنت پہلے والی کی طرح ادا کرنی چاہئیں یا دو دو کر کے پڑھنی چاہئیں یا چار رکعات ایک سلام کے ساتھ سنت طریقہ بتا دیں؟ محمد سلیم بٹ

ج: دو دو رکعت پڑھے تو بھی درست ہے چار رکعات ایک سلام سے پڑھے تو بھی درست ہے۔ ١٤١٦/٢/١٥ھ

س: ظہر سے قبل چار سنتیں اکٹھی پڑھنی ثابت ہیں یا کہ دو دو کر کے پڑھنی چاہئیں؟ ابوسعد منصور ضلع ایبٹ آباد

[1] [کتاب الصلاۃ۔ باب قول النبی ﷺ کل صلاۃ لا یتمھا صاحبھا تتم من تطوعۃ ترمذی۔ صلاۃ۔ باب ما جاء أن اوّل ما یحاسب بہ العبد یوم القیامۃ الصلاۃ]

ج: ظہر سے قبل چار سنتیں اکٹھی پڑھنا درست ہے البتہ دو دو کر کے پڑھنا افضل ہے کیونکہ فرض نماز کے علاوہ نماز کو دو دو کر کے پڑھنا افضل ہے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿صَلاۃُ اللَّیْلِ وَالنَّھَارِ مَثْنٰی مَثْنٰی﴾ [1]

۱۴۱۹/۱۱/۲۷ھ

س: اگر آدمی کی مختلف دنوں کی دس نمازیں رہتی ہیں تو وہ صرف فرض پڑھ لے کافی ہیں یا ساری پڑھنی پڑیں گی۔ یہ قضاء نمازیں کس وقت پڑھنی ہوں گی؟ محمد عثمان غنی لاہور

ج: پوری نمازیں پڑھے فرض کی قضاء فرض اور سنت وتطوع کی قضاء سنت وتطوع ہے جس وقت چاہے پڑھے ما سوائے تین اوقات کے جب سورج طلوع ہو رہا ہو۔ جب سر پر ہو۔ جب غروب ہو رہا ہو۔ ۱۴۱۷/۸/۱ھ

س: بعض حضرات کا کہنا ہے کہ نفل نماز کا وجود نہیں کیونکہ جو نماز رسول اللہ ﷺ نے پڑھی وہ سنت کہلائی اور جو آپ نے نہیں پڑھی یا حکم نہیں دیا وہ بدعت کہلائی تو نماز نفل کون سی ہوگی؟ مہربانی فرما کر نفل وسنت نماز کی تعریف تحریر فرما دیں؟ محمد صدیق ملتان روڈ لاہور 24/7/98

ج: آپ کے سوال سے پتہ چلتا ہے ان لوگوں کے نزدیک جو نماز رسول اللہ ﷺ نے پڑھی یا اس کے پڑھنے کا حکم دیا وہ سنت کہلاتی ہے تو ایسی نماز کو سنت قرار دینا یا اس کا سنت ہونا تو ان لوگوں کے ہاں مسلم ہے رہا اس کو نفل کہنا تو یہ بھی کتاب وسنت سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمِنَ اللَّیْلِ فَتَھَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ﴾ [2] [رات کو کسی وقت تہجد کی نماز پڑھ یہ زیادہ ہے تیرے لیے] صحیح مسلم میں ابوذر رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿صَلِّ الصَّلاۃَ لِوَقْتِھَا فَإِنْ أَدْرَكْتَھَا مَعَھُمْ فَصَلِّ فَإِنَّھَا لَكَ نَافِلَةٌ﴾ [نماز کو اس کے وقت پر پڑھ پس اگر تو اس کو ان کے ساتھ پالے تو پھر پڑھ لے پس بے شک وہ تیرے لیے نفل ہوگی [3]] صحیح بخاری میں ہے ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا ﴿مَاذَا فَرَضَ اللّٰہُ عَلَیَّ مِنَ الصَّلاۃِ ؟ قَالَ : خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِي الْیَوْمِ وَاللَّیْلَةِ. فَقَالَ : ھَلْ عَلَیَّ غَیْرُھَا ؟ قَالَ : لاَ إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ﴾ [اللہ نے مجھ پر کتنی نماز فرض کی ہے تو آپ نے فرمایا پانچ تو اس نے عرض کی کیا مجھ پر ان کے علاوہ بھی ہے تو آپ نے فرمایا نہیں مگر یہ کہ تو تطوع پڑھے [4]] تو ثابت ہوا فرض نماز کے علاوہ جتنی نماز ہے اس کو شریعت میں تطوع، نافلہ اور نفل کہتے ہیں لہٰذا نفل

---

[1] المنتقی لابن الجارود [2] [بنی اسرائیل ۷۹ پ ۱۵] [3] [مسلم ـ المساجد ـ باب کراھیة تاخیر الصلوة عن وقتھا المختار] [4] [کتاب الایمان ـ باب الزکاة من الإسلام ـ حدیث ٤٦ کتاب الصوم ـ باب وجوب صوم رمضان حدیث ۱۸۹۱]

نماز کے وجود کا انکار کرنا کتاب وسنت کا انکار ہے رہی سنت نماز اور نفل نماز کی تعریف تو وہ مذکور بالا جواب سے مفہوم ہو رہی ہے کہ فرض نماز کے علاوہ جو نماز رسول اللہ ﷺ سے قولاً یا عملاً یا تقریراً ثابت ہے وہ نماز سنت اور نفل ہے اسے تطوع بھی کہتے ہیں۔ ٦/١٢/١٤١٩ھ

تہجد، قیام رمضان اور وتر

س: تین وتر کی نماز مغرب سے مشابہت بتشہد تین منع ہے۔ امر مطلوب یہ ہے کہ آیا چار سنتوں کو دو تشہدوں سے پڑھنے کے بارے میں کوئی نص موجود ہے یا نہیں اور کیا عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت بسلسلہ قیام اللیل ﴿يُصَلِّىْ اَرْبَعًا الخ﴾ سے استدلال کیا جا سکتا ہے؟ اور کیا چار سنتوں کو ایک سلام سے پڑھنا جائز ہے؟ اور کیا اس سے چار رکعت والی نماز سے مشابہت نہ ہے؟ خالد جاوید مرجالوی ١٠ جمادی الاولیٰ ١٤١٧ھ

ج: وتر کے سلسلہ میں تو نماز مغرب کے ساتھ مشابہت سے نہی وارد ہے البتہ مطلق نفل نماز کی مطلق فرض نماز کے ساتھ مشابہت سے نہی کا ثبوت درکار ہے مجھے تو اس نہی کا علم نہیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت بسلسلہ قیام اللیل ﴿يُصَلِّىْ اَرْبَعًا الخ﴾ سے بیک سلام دو تشہدوں پر استدلال درست نہیں کیونکہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا صحیح مسلم میں بیان ہے ﴿يُسَلِّمُ مِنْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ﴾

ہاں جامع ترمذی "بَابُ كَيْفَ كَانَ يَتَطَوَّعُ النَّبِيُّ ﷺ بِالنَّهَارِ" میں مرفوع حدیث ہے جس میں یہ بھی ہے ﴿وَقَبْلَ الْعَصْرِ اَرْبَعًا يَفْصِلُ بَيْنَ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ بِالتَّسْلِيْمِ عَلَى الْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَالنَّبِيّيْنَ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ﴾ [1]

مبارکپوری رحمہ اللہ تعالیٰ تحفۃ الاحوذی میں لکھتے ہیں "وَقَدْ ذَكَرَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا الْحَدِيْثَ مُخْتَصَرًا فِيْ بَابِ مَا جَاءَ فِي الْأَرْبَعِ قَبْلَ الْعَصْرِ وَذَكَرَ هُنَاكَ قَوْلَ إِسْحَاقَ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ وَلاَ بُعْدَ عِنْدِيْ فِيْمَا اَوَّلَهُ عَلَيْهِ بَلْ هُوَ الظَّاهِرُ الْقَرِيْبُ بَلْ هُوَ الْمُتَعَيَّنُ اِذِ النَّبِيُّوْنَ وَالْمُرْسَلُوْنَ لاَ يَحْضُرُوْنَ الصَّلٰوةَ حَتّٰى يَنْوِيَهُمُ الْمُصَلِّيْ بِقَوْلِهِ اَلسَّلاَمُ عَلَيْكُمْ فَكَيْفَ يُرَادُ بِالتَّسْلِيْمِ تَسْلِيْمُ التَحَلُّلِ مِنَ الصَّلٰوةِ هٰذَا مَا عِنْدِيْ . والله اعلم" [خلاصہ: ایک سلام سے چار سنتیں اکٹھی پڑھی جا سکتی ہیں]

س: کیا وتر واجب ہے یا فرض۔ فرض اور واجب میں کیا فرق ہے؟ حافظ محمد فاروق تبسم

---

[1] صحیح ترمذی للالبانی ج۱ ص۴۸۹

ج : نماز وتر تطوع ہے فرض نہیں ارشاد الفحول میں فرض اور واجب کو جمہور کے نزدیک مترادف قرار دیا گیا ہے البتہ حنفیہ کے نزدیک فرض اور واجب میں فرق ہے چنانچہ مسلم الثبوت وغیرہ میں ہے طلب جازم قطعی دلیل سے ثابت ہو تو فرض اور ظنی سے ثابت ہو تو واجب ہاں حنفیہ والا یہ فرق کتاب وسنت میں کہیں نہیں ملتا۔ ۱۴۱۹/۱۲/۳ھ

س : هَلِ الْوِتْرُ وَاجِبٌ اَمْ اَنَّهُ سُنَّةٌ ؟ [کیا وتر واجب ہے یا سنت]

صلاح بن عایض الشلاحی الکویت ۲۶ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ

ج : سُنَّةٌ [سنت ہے ﴿عَنْ عَلِيٍّ ﷺ قال لَيْسَ الْوِتْرُ بِحَتْمٍ كَهَيْئَةِ الْمَكْتُوْبَةِ وَلٰكِنْ سُنَّةٌ سَنَّهَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ﴾ [1] حضرت علی ﷺ فرماتے ہیں کہ وتر فرضی نماز کی طرح فرض نہیں بلکہ سنت ہے رسول اللہ ﷺ نے اسکو سنت قرار دیا ہے] ۱۴۱۶/۵/۱۱ھ

س : اگر وتر عشاء کی نماز کے ساتھ ہی پڑھ لیے جائیں تو کیا رات کو نفلی نماز پڑھ لینا چاہیے یعنی وتروں کے بعد نفل نماز پڑھنا صحیح ہے یا نہیں؟ تنویر احمد

ج : درست ہے وتروں کے بعد نفل نماز پڑھ سکتا ہے۔ ۱۴۱۶/۴/۲۰ھ

س : جو آدمی تہجد پڑھنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس ڈر سے کہ شاید میں رات کو نہ اٹھ سکوں تو وتر عشاء کی نماز کے بعد پڑھ لے بعد میں ہو سکے تو تہجد پڑھ لے اس کی کوئی دلیل ہے جبکہ حدیث میں ہے کہ وتر کے بعد کوئی نماز نہیں؟ ملک محمد یعقوب ہری پور

ج : ﴿عَنْ ثَوْبَانَ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : اِنَّ هٰذَا السَّهْرَ جُهْدٌ وَثِقْلٌ ، فَاِذَا اَوْتَرَ اَحَدُكُمْ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ فَاِنْ قَامَ مِنَ اللَّيْلِ ، وَاِلَّا كَانَتَا لَهُ .﴾ [2]

[حضرت ثوبان ﷺ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ رات کی بیداری مشکل اور بھاری ہے جس وقت ایک تمہارا وتر پڑھ لے دو رکعتیں پڑھے اگر رات کو اٹھ کھڑا ہو تو بہتر ہے ورنہ یہ دونوں رکعتیں اس کے لیے کافی ہوں گی] اس حدیث سے ثابت ہوا وتر کے بعد نفل نماز پڑھ سکتا ہے اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا امر ﴿اِجْعَلُوْا آخِرَ صَلاَتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْرًا﴾ [رات کو اپنی آخری نماز وتر کو بناؤ [3]] وجوب پر محمول نہیں ندب پر محمول ہے باقی آپ کی بات ''وتر کے بعد کوئی نماز نہیں'' مجھے معلوم نہیں۔

س : کیا وتر کے بعد دو نفل مشروع ہیں۔ اکثر احباب رمضان میں نماز تراویح مع وتر کے بعد دو نفل پڑھتے ہیں اس

---

[1] [بلوغ المرام مع توضیح الاحکام ج۲ ص۱۹۳] [2] رواہ الدارمی مشکوۃ المصابیح باب الوتر الفصل الثالث

[3] صحیح مسلم [باب صلاۃ اللیل مثنی مثنی والوتر رکعة من آخر اللیل]

طرح غیر رمضان میں بھی نماز عشاء مع وتر کے بعد دو نفل پڑھتے ہیں کیا یہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں؟ ان کی فضیلت کیا ہے نیز بیٹھ کر پڑھنا کیسا ہے؟ بلال احمد قریشی شرقپور کلاں شیخوپورہ

ج: وتر کے بعد دو نفل مشروع ہیں رسول اللہ ﷺ یہ دو نفل پڑھا کرتے تھے اس بارے میں صحیح حدیث صحیح مسلم میں موجود ہے البتہ یہ دو نفل بھی کھڑے ہو کر پڑھنے چاہئیں اگر کوئی بلا عذر انہیں بیٹھ کر پڑھے گا تو اسے نصف اجر ملے گا۔ ہاں رسول اللہ ﷺ کو نفل بلا عذر بیٹھ کر پڑھنے سے بھی اجر پورا ہی ملتا تھا۔ صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ کی حدیث میں ہے ﴿قُلْتُ حُدِّثْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ ! اَنَّكَ قُلْتَ : صَلاَةُ الرَّجُلِ قَاعِدًا عَلٰى نِصْفِ الصَّلاَةِ . وَاَنْتَ تُصَلِّيْ قَاعِدًا ؟قَالَ : اَجَلْ وَلٰكِنِّيْ لَسْتُ كَاَحَدٍ مِنْكُمْ﴾ [1] [عبداللہ بن عمرو ؓ سے روایت ہے کہ مجھے حدیث بیان کی گئی کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ آدمی کا بیٹھ کر نماز پڑھنا آدھی نماز ہے میں آپ ﷺ کے پاس آیا میں نے آپ ﷺ کو پایا کہ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں میں نے اپنا ہاتھ سر پر رکھا آپ ﷺ نے فرمایا اے عبداللہ بن عمرو ؓ تجھے کیا ہے میں نے کہا مجھے بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا آدمی کا نماز بیٹھ کر پڑھنا آدھی نماز کے برابر اور آپ بیٹھ کر نماز پڑھتے ہیں فرمایا ہاں لیکن میں تم میں سے ایک کی مانند نہیں ہوں] (روایت کیا اس کو مسلم نے)

١٤١٧/٩/١٦ھ

س: ایک شخص عشاء کی نماز کے وقت وتر پڑھ لیتا ہے اور قیام اللیل کے وقت جاگ اٹھتا ہے اور نماز تہجد گزارنا چاہتا ہے دلائل و براہین کی روشنی میں جواب مقصود ہے آیا وہ نماز تہجد ادا کر سکتا ہے یا نہیں اگر کر سکتا ہے تو اس کی صورت کیا ہو گی یعنی وتر وہی آغاز رات والے کفایت کریں گے یا بعد میں پھر ادا کرنا پڑیں گے؟

ظفر اللہ قمر اوکاڑہ یوم الخمیس 3/4/87

ج: رسول اللہ ﷺ سے رات کے تینوں حصوں میں تہجد ادا کرنا ثابت ہے اس لیے تہجد پہلی درمیانی اور آخری رات ادا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں جس انسان کو پچھلی رات جاگنے میں دشواری محسوس ہوتی ہے وہ بلا خوف و خطر عشاء کے فوراً بعد تہجد ادا کرلے وتر پڑھ لے پھر سو جائے بہر حال تہجد رات کے کسی حصہ میں بھی ادا کی جائے وتر آخر میں ہونے چاہئیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث ہے کہ وتروں کو نماز (تہجد، تراویح، قیام اللیل، قیام رمضان اور صلاۃ اللیل) کے آخر میں رکھو۔ [2]

---

[1] بحواله مشكوة باب القصد فى العمل الفصل الثالث [2] [مسلم-باب صلاة الليل مثنى مثنى والوتر ركعة من آخر الليل-]

البتہ صحیح مسلم ❶ کی ایک حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتروں کے بعد بھی دو رکعت نماز پڑھ لیا کرتے تھے جس سے پتہ چلتا ہے اگر کوئی صاحب وتر پڑھ کر سو گئے پھر جاگ پڑے تو وہ تہجد اور صلاۃ اللیل ادا کر سکتے ہیں آخر وتروں کے بعد دو رکعت پڑھنے سے بھی وتر تو آخر میں نہیں رہتے بہرکیف بہتر یہ ہے کہ وتر آخر میں پڑھے تہجد خواہ پہلی رات ہی کیوں نہ پڑھنی پڑے۔ بعض لوگ وتر پڑھ کر سو جاتے ہیں پھر اگر انہیں جاگ آ جائے تو وہ پہلی رات پڑھے ہوئے وتروں کو ایک اور رکعت پڑھ کر توڑتے ہیں پھر تہجد پڑھتے ہیں اور آخر میں پھر تیسری مرتبہ وتر پڑھتے ہیں یہ طریقہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔ ۱/۹/۱۴۰۷ھ

س: تین رکعت وتر میں درمیانی قعدہ نہ کرنے کی دلیل بیان فرمائیں؟ عبدالغفور ولد عبدالحق لاہور

ج: مستدرک حاکم میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ تین وتر پڑھتے نہ بیٹھتے مگر ان کے آخر میں پھر صحیح مسلم وغیرہ میں ہے رسول اللہ ﷺ پانچ وتر پڑھتے نہ بیٹھتے مگر ان کے آخر میں۔ ❷ تو جب پانچ وتر درمیانے قعدہ کے بغیر درست ہیں تو تین وتر درمیانے قعدہ کے بغیر بطریق اولیٰ درست ٹھہرے۔ ۲۲/۵/۱۴۱۷ھ

س: تین وتر پڑھتے وقت دوسری رکعت میں قعدہ نہ بیٹھنے کی صحیح حدیث تحریر فرمادیں؟ حبیب الرحمٰن ایبٹ آباد 25/4/88

ج: مستدرک حاکم میں مرفوع حدیث ہے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ﴿کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یُوْتِرُ بِثَلاَثٍ لاَ یَقْعُدُ اِلاَّ فِیْ آخِرِھِنَّ﴾ [نبی ﷺ تین وتر پڑھتے آخری رکعت میں بیٹھتے] مطبوعہ نسخہ ''لاَ یَقْعُدُ'' کو حاشیہ پر لکھ دیا گیا ہے اور اس کی جگہ ''لاَ یُسَلِّمُ'' مگر یہ صحیح نہیں ہے جیسا کہ تلخیص ذہبی اور متقدمین اہل علم کے حوالہ جات سے واضح ہے۔ ۲۳ رمضان المبارك ۱٤۰۸ھ

س: رمضان المبارک میں امام نے تین وتر کی نیت کی۔ ایک شخص دو رکعت گزرنے کے بعد امام کے ساتھ شریک ہوا اور ایک وتر پڑھنے کے بعد سلام پھیر دیا کیا اس کا ایسا کرنا جائز ہے؟ عبدالقیوم انصاری

ج: حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے امام سے کم رکعات نہیں پڑھ سکتا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کے خلاف ہے [اس مسئلہ کی تفصیل نماز با جماعت کے عنوان مسافر شخص مقامی امام کے ساتھ میں دیکھ لیں]

۹/۱/۱۴۰۷ھ

س: وتروں میں دعا قنوت ہاتھ اٹھا کر پڑھنا اور صحابہ کا پیچھے آمین کہنا اس کے بارے میں مرفوع صحیح حدیث تحریر

---

❶ [بحوالہ مشکوٰۃ۔ کتاب الصلاۃ۔ باب الوتر۔ الفصل الاول.]
❷ [مسلم ۔ صلاۃ المسافرین ۔ باب صلاۃ اللیل وعدد رکعات النبی ﷺ فی اللیل]

فرمائیں؟ حبیب الرحمان ایبٹ آباد 25/4/88

ج: وتروں میں دعا قنوت ہاتھ اٹھا کر پڑھنے کے متعلق کوئی مرفوع حدیث میرے علم میں نہیں البتہ بلوغ الامانی میں بحوالہ بیہقی قنوت نازلہ میں ہاتھ اٹھانے کی ایک مرفوع حدیث بیان کی گئی ہے۔[1] ۲۳ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ

س: انفرادی صورت میں یا امام کے ساتھ وتروں کی نماز میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا اور مقتدیوں کا صرف امام کے ساتھ آمین کہنا کیا جائز ہے؟ محمد اکرم اوکاڑہ ۸/۷/۱۴۰۶ھ

ج: میرے علم میں تو یہ چیزیں پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتیں ہاں وتر میں دعائے قنوت رسول اللہ ﷺ سے قولاً وفعلاً ثابت ہے۔[2] ۱۰/۱۱/۱۴۰۶ھ

س: وتروں کی دعا حدیث سے دونوں طرح ثابت ہے رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد کیا وتروں کی دعا اور قنوت نازلہ میں کوئی فرق ہے؟ حافظ محمد فاروق تبسم

ج: قنوت نازلہ رسول اللہ ﷺ فرض نماز میں رکوع کے بعد کیا کرتے تھے بعض اہل علم قنوت وتر میں قنوت نازلہ کرنے کے جواز کے قائل ہیں۔ ۳/۱۲/۱۴۱۹ھ

س: (۱) وتر میں دعا مانگنے کا ثبوت رسول اللہ ﷺ سے ہے؟ (۲) وتر میں ہاتھ اٹھانے کا ثبوت رسول اللہ ﷺ سے ہے؟ (۳) وتر میں دعا قبل از رکوع مانگنی چاہیے یا بعد از رکوع؟ ابوعبدالقدوس بن مقبول احمد فیصل آباد

ج: (۱) ہاں! ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ میں رسول اللہ ﷺ کے وتروں میں قنوت کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔

(۲) وتروں کی دعائے قنوت میں رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ اٹھانا مجھے کہیں نہیں ملا۔

---

[1] [سنن بیہقی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو حضرت انس نے دیکھا صبح کی نماز میں آپ نے قنوت کیا دونوں ہاتھوں کو اٹھایا ہوا تھا اور جنھوں نے آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو شہید کر دیا تھا آپ ان پر بددعا کر رہے تھے (سنن بیہقی ۲/۲۱۱) دونوں قنوت ہیں دونوں نماز کے اندر ہیں ایک قنوت میں ہاتھ اٹھانے کی وضاحت آ گئی تو دوسرے قنوت میں اسی شکل کو اختیار کر سکتے ہیں اس کی مثال یوں ہے کہ کسی بھی مرفوع صحیح صریح حدیث میں نہیں آیا کہ آپ ﷺ نے جنازہ میں "سبحانك اللهم" پڑھا ہو یا تلقین فرمائی ہو اس کے باوجود فرض نماز کی طرح جنازہ کو نماز سمجھتے ہوئے سب "سبحانك اللهم" پڑھ لیتے ہیں]

[2] [حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک ماہ مسلسل پانچوں نمازوں کی آخری رکعت میں رکوع کے بعد دعا قنوت پڑھی جس میں بنی سلیم، رعل، ذکوان عصیہ قبائل (جنھوں نے قراء کو شہید کر دیا تھا) پر اونچی آواز میں بددعا کی اور مقتدی آمین آمین پکارتے تھے (قیام اللیل للمروزی ۲۳۵) قنوت وتر بھی قنوت نازلہ کی طرح دعائیہ کلمات پر مشتمل ہے دونوں نماز کی آخری رکعت میں ہی کیے جاتے ہیں اس حدیث کی روشنی میں جماعت کی صورت میں اگر اونچی آواز سے امام دعا کرے گا تو مقتدی باآواز بلند آمین کہہ سکتے ہیں]

(۳) وتروں میں دعائے قنوت قبل از رکوع اور بعد از رکوع دونوں طرح درست ہے قبل والی حدیث تو نسائی اور ابن ماجہ میں ہے اور بعد والی مستدرک حاکم میں۔ ۱۴۲۰/۷/۲ھ

س: قنوت وتر کی حیثیت کیا ہے؟ اس کے پڑھنے کا صحیح مقام قبل الرکوع ہے یا بعد الرکوع؟ قبل الرکوع کی صورت میں قرات ختم کرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر قنوت پڑھی جائے گی یا دعا کے انداز میں اٹھائے بغیر؟ قبل الرکوع ہاتھ اٹھا کر قنوت پڑھنے کی دلیل؟ اور طریقہ کار (قراءت ختم کر کے بغیر کچھ کہے ہاتھ اٹھائے جائیں گے یا اللہ اکبر وغیرہ کہہ کر ہاتھ دعا کے انداز میں اٹھائے جائیں گے) قنوت پڑھ لینے کے بعد (اگر ہاتھ اٹھا کر پڑھی جائے) تو بعد میں ہاتھ منہ پر پھیرے جائیں یا ویسے ہی چھوڑ دیئے جائیں؟ عبدالغفور عابد نارنگ منڈی ۱۴۱۸/۱/۲ھ

ج: قنوت وتر سنت ہے اس کے پڑھنے کے مقام دو ہیں قبل الرکوع وبعد الرکوع مناسب ہے نمازی کبھی اسے قبل الرکوع پڑھے اور کبھی بعد الرکوع تاکہ دونوں طریقوں پر عمل ہوتا رہے قبل الرکوع قنوت دعا کے انداز میں نیز کسی اور انداز میں ہاتھ اٹھائے بغیر پڑھی جائے گی پھر اللہ اکبر کہے بغیر پڑھی جائے گی بس سورت یا آیات کی قراءت ختم ہوتے ہی تکبیر کہے بغیر اور ہاتھ اٹھائے بغیر دعاء قنوت پڑھنی شروع کردے۔ ۱۴۱۸/۳/۷ھ

س: قبل الرکوع قنوت فی الوتر کی صورت میں آپ نے تحریر فرمایا۔ قبل الرکوع قنوت دعا کے انداز میں نیز کسی اور انداز میں ہاتھ اٹھائے بغیر پڑھی جائے گی پھر اللہ اکبر کہے بغیر پڑھی جائے گی وضاحت طلب امر یہ ہے کہ ''دعا کے انداز میں'' سے آپ کی مراد کیا ہے اور ''ہاتھ نہ اٹھانے سے کیا مراد ہے کہ جس طرح ہم عام طور پر نماز کے باہر دونوں ہاتھ پھیلا کر دعا کرتے ہیں۔ اس طرح ہاتھ پھیلائے جائیں گے یا بالکل جس طرح قراءت میں ہاتھ بندھے ہوئے تھے اسی انداز میں قراءت کے متصل بعد قنوت شروع کردی جائے گی؟

عبدالغفور عابد نارنگ منڈی ۱۴۱۸/۳/۱۵ھ

ج: اس فقیر الی اللہ الغنی نے لکھا تھا ''قبل الرکوع قنوت دعا کے انداز میں نیز کسی اور انداز میں ہاتھ اٹھائے بغیر پڑھی جائے گی پھر اللہ اکبر کہے بغیر پڑھی جائے گی بس سورت یا آیات کی قراءت ختم ہوتے ہی تکبیر کہے بغیر اور ہاتھ اٹھائے بغیر دعاء قنوت پڑھنی شروع کردے'' یہ عبارت اپنے مفہوم ومدلول میں واضح بلکہ اوضح ہے اس کے باوجود آپ نے وضاحت طلب فرمادی چنانچہ آپ اس دفعہ کے مکتوب میں لکھتے ہیں ''وضاحت طلب امر یہ ہے کہ ''دعا کے انداز میں'' سے آپ کی مراد کیا ہے اور ''ہاتھ نہ اٹھانے'' سے کیا مراد ہے؟ تو محترم گذارش ہے کہ ''دعا کے انداز میں''

سے مراد ہاتھ اٹھانے کا وہ انداز ہے جو بوقت دعا اختیار کیا جاتا ہے اور ''ہاتھ نہ اٹھانے'' سے مراد ہاتھ نہ اٹھانا ہے

۱۴۱۸/۳/۳۱ھ

س: وتر میں قنوت بعد الرکوع کی دلیل تحریر فرمائیں نیز اس کی ہیئت کے بارے میں تحریر فرمائیں؟

عبدالغفور نارنگ منڈی ۱۴۱۸/۳/۱۵ھ

ج: دعائے قنوت ''اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ'' الخ والی حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی حدیث کے بعض طرق میں لفظ ''اَنْ أَقُوْلَ اِذَا فَرَغْتُ مِنْ قِرَاَتِيْ فِي الْوِتْرِ'' پر إرواء الغلیل میں بحث کرتے ہوئے شیخ البانی حفظہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ لکھتے ہیں ''فَاِنَّ قَوْلَهُ : "أَنْ أَقُوْلَ اِذَا فَرَغْتُ مِنْ قِرَاءَ تِيْ فِي الْوِتْرِ" ظَاهِرٌ قَبْلَ الرُّكُوْعِ ، لٰكِنْ رَوَاهُ الْحَاكِمُ ۳/۱۷۲ وَعَنْهُ الْبَيْهَقِيُّ ۳/۳۸-۳۹ مِنْ طَرِيْقَيْنِ آخَرَيْنِ عَنِ الْفَضْلِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ الشَّعْرَانِيِّ بِهٖ بِلَفْظٍ: إِذَا رَفَعْتُ رَأسِيْ ، وَلَمْ يَبْقَ إِلَّا السُّجُوْدُ . فَهٰذَا خِلَافُ الرِّوَايَةِ الْاُوْلٰی فَاللّٰهُ اَعلم.

وَالْاِسْنَادُ حَسَنٌ رِجَالُهٗ ثِقَاتٌ رِجَالُ الْبُخَارِيْ غَيْرَ الشَّعْرَانِيْ قَالَ الْحَاكِمُ ثِقَةٌ لَمْ يُطْعَنْ فِيْهِ بِحُجَّةٍ . وَكَاَنَّهٗ لِذٰلِكَ قَالَ عَقِبَ الْحَدِيْثِ صَحِيْحٌ عَلٰى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ ، إِلَّا اَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ جَعْفَرِ بْنِ أَبِيْ كَثِيْرٍ قَدْ خَالَفَ إِسْمَاعِيْلَ بْنَ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ عُقْبَةَ فِيْ اِسْنَادِهٖ : ثُمَّ سَاقَهٗ عَنْهُ عَنْ مُوْسٰى بْنِ عُقْبَةَ ثَنَآ اَبُوْ إِسْحَاقَ عَنْ يَزِيْدَ [1] بْنِ اَبِيْ مَرْيَمَ عَنْ اَبِيْ الْحَوْرَاءِ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ بِهٖ نَحْوَهٗ وَسَيَأْتِيْ لَفْظُهٗ بَعْدَ الْحَدِيْثَيْنِ ثُمَّ رَأَيْتُ الْحَافِظَ ابْنَ حَجَرٍ قَالَ فِي التَّلْخِيْصِ (۹۴) بَعْدَ اَنْ سَاقَ رِوَايَةَ الْحَاكِمِ هٰذِهٖ.

(تنبیہ) يَنْبَغِيْ اَنْ يُتَأَمَّلَ قَوْلُهٗ فِيْ هٰذِهِ الطَّرِيْقِ : اِذَا رَفَعْتُ رَاْسِيْ وَلَمْ يَبْقَ إِلَّا السُّجُوْدُ فَقَدْ رَأَيْتُ فِي الْجُزْءِ الثَّانِيْ مِنْ فَوَائِدِ أَبِيْ بَكْرٍ اَحْمَدَ بْنِ الْحُسَيْنِ بْنِ مِهْرَانَ الْاَصْبَهَانِيْ تَخْرِيْجِ الْحَاكِمِ لَهٗ قَالَ ثنا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْنُسَ الْمُقْرِی قَالَ ثنا الْفَضْلُ بْنُ مَحَمَّدِ الْبَيهَقِيُّ .

قُلْتُ فَذَكَرَهٗ بِسَنْدِهٖ وَلَفْظ ابْنِ مَنْدَةَ ، وَفِيْهِ الزِّيَادَةُ وَابْنُ يُوْنُسَ الْمُقْرِی تَرْجَمَهُ الْخَطِيْبُ فِيْ تَارِيْخِهٖ (۳/۴۴۶) وَوَثَّقَهٗ ، وَلِهٰذَا مَالَتْ نَفْسِيْ اِلٰى تَرْجِيْحِ هٰذَا اللَّفْظِ بَعْدَ ثُبُوْتِ هٰذِهِ الْمُتَابَعَةِ ، وَاللّٰهُ اَعْلم انتهى كَلَامُ الْاَلْبَانِي (۲/۱۶۸-۱۶۹)''.

---

[1] كَذَا فِي هٰذَا الْمَوْضِعِ مِنَ الْاِرْوَاءِ ، وَالصَّوَابُ : بريد بن أبي مريم : كما في المواضع الأخرى منه

[اس ساری عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ قنوت وتر بعد الرکوع ثابت ہے] دعائے قنوت بعد الرکوع در وتر میں بھی ہاتھ اٹھانا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں البتہ قنوت نازلہ میں رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ اٹھانا بعض روایات میں موجود ہے۔

۱۴۱۸/۳/۲۱ھ

س: قنوت ہاتھ اٹھا کر پڑھیں یا بغیر ہاتھ اٹھئے بھی پڑھ سکتے ہیں وتر میں رکوع کے بعد قنوت ہاتھ اٹھا کر صحابی سے ثابت ہے مگر رکوع سے پہلے پڑھیں تو ہاتھ اٹھا کر پڑھیں یا بغیر ہاتھ اٹھائے؟ ملک محمد یعقوب ہری پور 16/1/91

ج: قنوت وتر ہاتھ اٹھا کر اور ہاتھ اٹھائے بغیر دونوں طرح درست ہے رکوع سے پہلے اور بعد دونوں طریق سے صحیح ہے۔ ۱۴۱۱/۷/۷ھ

س: دعائے قنوت میں نَسْتَغْفِرُكَ وَنَتُوْبُ اِلَيْكَ ، وَصَلَّى اللهُ عَلَى النَّبِيِّ کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے؟ ملک محمد یعقوب ہری پور 16/1/91

ج: ''وَرَوَاهُ ابْنُ اَبِي عَاصِمٍ وَزَادَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنَتُوْبُ اِلَيْكَ وَقَالَ الْقَارِيُ فِيْ شرحِ الْحِصْنِ وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ حِبَّانَ زِيَادَةٌ نَسْتَغْفِرُكَ وَنَتُوْبُ اِلَيْكَ وَهُوَ مَوْجُوْدٌ فِي اَصْلِ الْاَصِيْلِ اِنْتَهَى وَالظَّاهِرُ اَنَّ هٰذِهِ الزِّيَادَةَ قَبْلَ زِيَادَةِ الصَّلاةِ عَلٰى مَا يُفْهَمُ مِنَ الْحِصْنِ [1] ثُمَّ اِطَّلَعْتُ عَلٰى بَعْضِ الْآثَارِ الثَّابِتَةِ عَنْ بَعْضِ الصَّحَابَةِ وَفِيْهَا صَلاتُهُمْ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فِي آخِرِ قُنُوْتِ الْوِتْرِ فَقُلْتُ بِمَشْرُوْعِيَّةِ ذٰلِكَ وَسَجَلْتُهُ فِي تَلْخِيْصِ صِفَةِ الصَّلاةِ [2] '' [وَصَلَّى اللهُ عَلَى النَّبِيِّ صحابہ سے ثابت ہے اور نَسْتَغْفِرُكَ وَنَتُوْبُ اِلَيْكَ کے الفاظ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں بلکہ بعض علماء کی طرف سے اضافہ ہیں]

س: وتر میں دعا پڑھنا بھول جائیں تو کیا جائز ہے؟ محمد عادل لاہور 12/4/94

ج: کوئی حرج نہیں وتر ہو جاتے ہیں سجدہ سہو بھی نہیں پڑتا۔ ۱۴۱۴/۱۱/۷ھ

س: درج ذیل حدیث کی صحت کے بارے میں تحریر کیجئے گا؟ ''حدثنا ابراهيم بن موسى نا عيسى عن زكريا عن اسحاق عن عاصم عن علي قال قال رسول الله ﷺ يَا اَهْلَ الْقُرْآنِ اَوْتِرُوْا فَاِنَّ اللهَ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ'' [3] نیز کیا وتر واجب ہے؟ محمد نواز بٹ اسلام آباد 10/10/89

ج: حافظ منذری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو تلخیص سنن ۲/۱۲۱ میں درج کرنے کے بعد لکھا ''وَاَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيْ وَالنَّسَائِي وَابْنُ مَاجة وَقَالَ التِّرْمِذِيْ : حَدِيْثٌ حَسَنٌ وَفِي حَدِيْثِهِمْ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ الْوِتْرُ لَيْسَ بَحَتْمٍ

---

[1] مرعاة المفاتيح ج۲ ص۲۱۲ [2] ارواء الغليل ج۲ ص۱۷۷ [3] ابوداود باب تفريع ابواب الوتر ، باب استحباب الوتر ـ حديث ۱۴۵۲

کَصَلاَ تِکُمُ الْمَکْتُوْبَۃِ وَفِی بَعْضِھَا : وَلٰکِنَّہٗ سُنَّۃٌ سَنَّھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَقَدْ تَقَدَّمَ اَنَّ عَاصِمَ بْنَ ضَمْرَۃَ تَکَلَّمَ فِیْہِ غَیْرُ وَاحِدٍ'' واللہ اعلم ۱۴۱۰/۳/۲۷ھ

س: دن رات کی نفلی عبادات میں جو شخص جتنے چاہے کثرت سے نوافل پڑھ سکتا ہے یا جو تعداد نوافل کی رسول کریم ﷺ سے ثابت ہے وہ ہی پڑھنے چاہیے۔اس سے زیادہ نہیں پڑھنے چاہیے وضاحت فرمائیں؟

ملک محمد یعقوب ہری پور 2/7/89

ج: نوافل کی جو تعداد رسول اللہ ﷺ کے قول یا تقریر یا عمل سے ثابت ہے اس تعداد سے تجاوز نہ کرنا چاہیے مشکوٰۃ کتاب الایمان باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ کی فصل اول سے حضرت انس اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما کی حدیثیں ضرور ایک دفعہ پڑھ لیں۔ ۱۴۰۹/۱۲/٤ھ

[﴿عَنْ اَنَسٍ قَالَ جاءَ ثَلٰثَۃُ رَھْطٍ اِلٰی اَزْوَاجِ النَّبِیِّ ﷺ یَسْأَلُوْنَ عَنْ عِبَادَۃِ النَّبِیِّ ﷺ فَلَمَّا أُخْبِرُوْا بِھَا کَاَنَّھُمْ تَقَالُّوْھَا فَقَالُوْا اَیْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِیِّ وَقَدْ غَفَرَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ وَمَا تَاَخَّرَ فَقَالَ اَحَدُھُمْ اَمَّا اَنَا فَاُصَلِّیْ اللَّیْلَ اَبَدًا وَقَالَ الْآخَرُ اَنَا اَصُوْمُ النَّھَارَ اَبَدًا وَلاَ اُفْطِرُ وَقَالَ الآخَرُ اَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلاَ اَتَزَوَّجُ اَبَدًا فَجَاءَ النَّبِیُّ اِلَیْھِمْ فَقَالَ اَنْتُمُ الَّذِیْنَ قُلْتُمْ کَذَا کَذَا اَمَّا وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَخْشَاکُمْ لِلّٰہِ وَاَتْقَاکُمْ لَہٗ لٰکِنِّیْ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاُصَلِّیْ وَاَرْقُدُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ.[1]﴾

ترجمہ: حضرت انس ﷛ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ تین آدمی نبی ﷺ کی بیویوں کے پاس آئے وہ آپ ﷺ کی عبادت کے بارہ میں سوال کرتے تھے پس جب ان کو عبادت کی خبر دی گئی گویا کہ انہوں نے اس عبادت کو قلیل جانا اور انہوں نے کہا کہاں ہیں ہم نبی ﷺ سے اور تحقیق معاف کر دیا ہے اللہ نے آپ ﷺ کے پہلے اور پچھلے گناہ تو ان میں سے ایک نے کہا اس پر میں رات کو ہمیشہ نماز پڑھوں گا اور دوسرے نے کہا میں دن کو ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور افطار نہ کروں گا اور تیسرے نے کہا میں عورتوں سے علیحدہ رہوں گا اور کبھی بھی شادی نہ کروں گا پس نبی ﷺ آئے ان کی طرف اور فرمایا تم وہ لوگ ہو کہ جنہوں نے فلاں فلاں بات کی ہے خبردار! اللہ کی قسم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ تقویٰ والا ہوں لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں پس جو میری سنت سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے]

س: صحیح بخاری میں نبی اکرم ﷺ سے رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زائد رات کی نماز کی نفی موجود

---

[1] [مُتّفق علیہ مشکوۃ المصابیح ج۱ ص۲۷]

ہے تو کیا تہجد یا تراویح کے سوا اور زائد نوافل پڑھے جا سکتے ہیں۔ جیسا کہ اکثر لوگ نوافل ادا کرتے ہیں۔ ان کی مشروعیت کیا ہے؟ بلال احمد قریشی شرقپور کلاں شیخوپورہ

ج: صحیح بخاری میں رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زائد رات کی نماز کی نفی سے صلاۃ اللیل کی افتتاحی دو رکعات اور بعد از وتر دو رکعات نکال کر زائد کی نفی مراد ہے کیونکہ چاروں رکعات صحیح احادیث سے ثابت ہیں نیز زائد کی نفی کرنے والی ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بیان سے ثابت ہیں۔ مشکوٰۃ کا باب صلاۃ اللیل اور صحیح مسلم دیکھ لیں اطمینان ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ سبحانہ وتعالیٰ ١٤١٧/٩/١٦ھ

س: ایک دوست کہتا ہے قیام اللیل کے علاوہ (جو گیارہ رکعات ہے) جتنے بھی نفل پڑھے جاتے ہیں پڑھ سکتا ہے مثلاً مغرب کی نماز کے بعد اور عشاء کی نماز سے پہلے جتنے چاہے نوافل پڑھ سکتے ہیں اس کا کیا ثبوت ہے کیا کوئی پڑھنا چاہے تو پڑھے یا وہی پڑھے جو حضور ﷺ سے ثابت ہیں؟ ملک محمد یعقوب ہری پور 27/7/89

ج: رسول اللہ ﷺ کے قول، عمل اور تقریر میں سے کوئی بھی موجود ہو تو اس سے چیز کی مشروعیت ثابت ہو جائے گی اب آپ اپنے موصوف دوست سے دریافت فرمادیں کہ مغرب کی نماز کے بعد اور عشاء کی نماز سے پہلے جتنے کوئی چاہے نوافل پڑھ لے رسول اللہ ﷺ کے کسی قول یا عمل یا تقریر سے ثابت ہوتا ہے؟ اگر وہ اس سلسلہ میں کوئی مرفوع صحیح یا حسن حدیث پیش فرمادیں تو آپ قبول فرمائیں جھگڑا نہ کریں بلکہ اس حدیث پر عمل پیرا ہو جائیں۔ باقی اس چیز کا ثبوت پیش کرنا وہ آپ کے دوست کے ذمہ ہے۔ ١٤١٠/١/٦ھ

س: ہمارے بعض اہل حدیث حضرات رمضان المبارک کی طاق راتوں میں گیارہ رکعات سے زائد قیام کرتے ہیں۔ یعنی بیس رکعات یا اس سے کم وبیش پڑھتے ہیں کیا یہ عمل ٹھیک ہے جبکہ حدیث شریف سے گیارہ رکعات ثابت ہیں؟ ملک محمد یعقوب ہری پور 2/7/89

ج: قیام اللیل رمضان میں ہو یا غیر رمضان میں اس میں رکعات کو لمبا کر سکتے ہیں کہ قیام میں قرآن مجید زیادہ پڑھ لیں قیام اللیل کی رکعات کی تعداد کو آپ ﷺ سے ثابت شدہ تعداد سے نہ بڑھانا چاہیے۔ ١٤٠٩/١٢/٤ھ

س: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں کل ١١ رکعات پڑھتے تھے اس کی تفصیل درکار ہے رمضان میں تراویح تھی تو کیا وتر تین تھے؟ اور غیر رمضان میں کون کون سی رکعتیں فرض وسنت ہیں؟ گویا رمضان وغیر رمضان میں تعداد فرض، سنت مؤکدہ اور وتر کی تعداد درکار ہے جو اللہ کے

رسول ﷺ کا معمول تھا؟ جمیل احمد اعوان احمد نگروی 1/3/96

ج: صحیح مسلم میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان گیارہ رکعتوں کی کیفیت بھی بیان فرمادی ہے کہ ''آپ ﷺ گیارہ رکعات پڑھتے ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے'' تو واضح ہے آخر میں ایک رکعت الگ سلام کے ساتھ پڑھتے [1] اس کے علاوہ اور کیفیات بھی آپ ﷺ سے ثابت ہیں ثابت شدہ جس کیفیت پر بھی عمل کرے درست ہے۔

١/١١/١٤١٦ھ

س: نماز تراویح کا اصل وقت قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان فرمائیں۔ آج کل ہمارے ہاں حفاظ کرام عشاء کے فوراً بعد نماز تراویح پڑھاتے ہیں۔ کیا محمد رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عشاء کے فوراً بعد نماز تراویح پڑھا کرتے تھے؟ محمد یوسف شیخوپورہ 1/5/94

ج: معلوم ہو کہ صلاۃ اللیل، قیام اللیل، صلاۃ التہجد اور صلاۃ الوتر ایک ہی نماز کے متعدد نام ہیں اور اسی نماز کو رمضان المبارک میں قیام رمضان، صلاۃ رمضان اور صلاۃ تراویح کہا جاتا ہے اس نماز کا وقت نماز عشاء سے فراغت سے لے کر صبح صادق تک ہے چنانچہ مشکوٰۃ میں بحوالہ مسلم موجود ہے۔ ﴿عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ خَافَ اَنْ لاَ يَقُوْمَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ فَلْيُوْتِرْ اَوَّلَهُ وَمَنْ طَمِعَ . أَنْ يَقُوْمَ آخِرَهُ فَلْيُوْتِرْ آخِرَ اللَّيْلِ فَاِنَّ صَلاَةَ آخِرِ اللَّيْلِ مَشْهُوْدَةٌ وَذٰلِكَ أَفْضَلُ﴾ [2] [حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس آدمی کو یہ خوف ہے کہ وہ آخری رات کو اٹھ نہیں سکتا وہ پہلی رات میں وتر پڑھ لے اور جس کو یہ طمع ولالچ ہے کہ وہ آخری رات کو اٹھے گا وہ آخری رات کو اٹھ کر وتر پڑھے بے شک رات کے آخری حصہ کی نماز حاضر کی گئی ہے یہ افضل ہے]

مشکوٰۃ میں اسی صفحہ پر بحوالہ متفق علیہ درج ہے ﴿وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مِنْ كُلِّ اللَّيْلِ اَوْتَرَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مِنْ اَوَّلِ اللَّيْلِ وَأَوْسَطِهِ وَآخِرِهِ ، وَانْتَهٰى وِتْرُهُ اِلَى السَّحَرِ﴾ [3] [حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رات کے ہر حصے میں رسول اللہ ﷺ نے وتر پڑھا۔ رات کے شروع میں، درمیان میں، آخر میں اور آپ کے وتر کی انتہاء سحری تک تھی]

نیز مشکوٰۃ میں بحوالہ متفق علیہ مذکور ہے ﴿عَنْ عَائِشَةَ رَضی الله عنها قَالَتْ كَانَ النَّبِیُّ ﷺ يُصَلِّیْ فِيْمَا

---

[1] [مسلم۔صلاۃ المسافرین۔باب صلاۃ اللیل وعدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی اللیل] [2] رواہ مسلم باب الوتر المجلد الاول ص ٣٩٥ [3] متفق علیہ

بَیْنَ اَنْ یَفْرُغَ مِنْ صَلاَۃِ الْعِشَاءِ اِلَی الْفَجْرِ اِحْدٰی عَشَرَۃَ رَکْعَۃً یُسَلِّمُ مِنْ کُلِّ رَکْعَتَیْنِ وَیُوْتِرُ بِوَاحِدَۃٍ﴾ (الحدیث)[1] [حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ''نبی ﷺ عشاء کی نماز سے فارغ ہونے کے درمیان سے لے کر فجر تک گیارہ رکعت پڑھتے تھے ہر دو رکعتوں میں سلام پھیرتے تھے اور ایک وتر پڑھتے'' الحدیث] یاد رہے یہ حدیث اس سیاق کے ساتھ بخاری میں نہیں ہے۔ واللہ اعلم ١٤١٤/٨/١١ھ

س: تہجد نماز کی رکعتیں کتنی ہیں؟ تہجد کا افضل وقت کب ہوتا ہے؟ محمد عثمان غنی لاہور

ج: بعد از وتر والی دو رکعتوں کو شامل کر لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ پندرہ رکعت ہے،[2] افضل وقت پچھلی رات ہے۔[3] ١٤١٧/٨/١ھ

س: کیا جہری نمازیں اکیلا پڑھنے کی صورت میں قرأت جہری کرے یا سری دلائل دیں۔ نیز اکیلا پڑھنے کی صورت میں اقامت کہے یا نہیں۔ ترمذی کی روایت کے مطابق فَاَقِمْ کا کیا مطلب ہے؟ عبداللطیف تبسم اوکاڑہ

ج: دونوں صورتیں درست ہیں تراویح وتہجد با جماعت آپ ﷺ نے جہراً پڑھی ہے اور اکیلے ہر ا بھی پڑھی نماز فرض ونفل کے احکام یکساں ہیں اِلا کہ فرق کتاب وسنت میں وارد ہو اور اس صورت مسئولہ میں فرض و نفل نماز کا فرق کہیں وارد نہیں ہوا فِیْمَا اَعْلَمُ ۔ ترمذی کی روایت فَاَقِمْ باحوالہ تحریر فرمائیں۔ ١٤١٨/١٠/٢٨ھ

س: یہاں ایک تحریک محمدی کا آدمی ہے وہ کہتا ہے کہ تراویح باجماعت پڑھنا گناہ ہے۔ دلیل یہ دیتا ہے کہ آپ ﷺ نے تین دن کے بعد منع فرمایا تھا۔ خیر اس سے بات ہوئی تو اس نے کہا کہ ٹھیک ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم تو دیا ہے لیکن خود نہ باجماعت پڑھی ہیں نہ پڑھائی ہیں۔ اگر آپ ثابت کر دیں تو میں تسلیم کر لوں گا۔ (١) تو آپ تفصیل سے یہ بتائیں کہ نبی ﷺ نے رمضان کی فرضیت کے بعد صرف تین دن پڑھائی ہیں یا اس سے زیادہ نہیں۔ اس کی کیا وجہ تھی؟ (٢) عہد ابوبکر رضی اللہ عنہ میں تراویح باجماعت کیوں نہیں ہو سکتی؟ (٣) اگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے باجماعت پڑھی ہیں یا پڑھائی ہیں تو حوالہ دے دیں؟ عبدالرحمٰن طاہر سرگودھا

ج: یہ بات درست ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان المبارک میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو چند راتیں قیام کروایا پھر اس صلاۃ اللیل کی جماعت نہیں کروائی فرض ہونے کے خطرہ کو بطور عذر پیش فرمایا نیز ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ قیام رمضان کے باب میں ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''فَقُلْتُ : یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لَوْ نَفَّلْتَنَا قِیَامَ ھٰذِہِ اللَّیْلَۃِ . فَقَالَ :

---

[1] باب صلاۃ اللیل الجلد الاول ص ٣٧٣ [2] مسلم۔صلاۃ المسافرین۔باب الدعاء فی صلاۃ اللیل و قیامہ۔
[3] [مسلم۔صلاۃ المسافرین۔ باب من خاف ان لا یقوم من آخر اللیل فلیوتر اوّلہ]

إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا صَلَّى مَعَ الإِمَامِ حَتَّى يَنْصَرِفَ حُسِبَ لَهُ قِيَامُ لَيْلَةٍ" ❶ [میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! کاش آپ ہمیں باقی رات بھی قیام فرماتے آپ ﷺ نے فرمایا بے شک ایک شخص جہاں امام کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہوتا ہے اس کے نامہ اعمال میں رات کے قیام کا ثواب ثبت ہو جاتا ہے] تو اس قولی حدیث کی بنیاد پر سارا رمضان قیام باجماعت کیا جاتا ہے نہ کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے قول یا عمل کی بنیاد پر۔ آپ نے سوال میں لکھا ہے "آپ ﷺ نے تین دن کے بعد منع فرما دیا تھا" یہ درست نہیں کیونکہ آپ نے فرمایا "فَإِنَّ أَفْضَلَ صَلاَةِ الْمَرْءِ فِيْ بَيْتِهِ إِلاَّ الْمَكْتُوْبَةَ" ❷ [پس بے شک آدمی کی افضل نماز اس کے گھر میں ہے سوائے فرض کے] جس سے ممانعت نہیں نکلتی کما لا یخفی واللہ اعلم ۱۱/۹/۱۴۱۶ھ

س: ایک آدمی مسجد میں دیر سے آتا ہے آگے تراویح کی نماز باجماعت ہو رہی ہے نیا آنے والا فرض نماز کی نیت کر کے تراویح کی نماز کے ساتھ کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنی نماز مکمل کرتا ہے کیا اس طرح کرنا درست ہے۔ اور کچھ لاہور کے سلفی لوگ کہتے ہیں کہ تراویح گھر میں پڑھنی چاہیے مسجد میں باجماعت نہیں۔ آپ کیا کہتے ہیں؟

محمد امجد طاہر آزاد کشمیر 30 دسمبر 1998

ج: نفل نماز کے پیچھے فرض نماز ادا کرنا درست ہے عمرو بن سلمہ کی امامت اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کی نماز عشاء رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں پڑھ کر اپنے محلّہ میں جا کر عشاء کی امامت ❸ والے دونوں واقعے اس کی دلیل ہیں ۔ قیام رمضان میں تین فضیلتیں ہیں ۔ (۱) وقت کی فضیلت پچھلی رات قیام پہلی رات قیام سے افضل ہے ۔ (۲) باجماعت قیام بے جماعت قیام سے افضل ہے ۔ (۳) گھر میں قیام مسجد میں قیام سے افضل ہے۔ گھر میں پچھلی رات باجماعت قیام کرنے سے تینوں فضیلتیں حاصل ہو جائیں گی باقی کوئی شخص یہ تین فضائل حاصل نہیں کر سکتا تو اسے ایک دو فضائل سے بہرہ ور ہونے دینا چاہیے مسئلہ فقط افضل غیر افضل کا ہے جائز ناجائز کا نہیں۔ ۳/۱۰/۱۴۱۹ھ

لفظ تراویح کی حقیقت

جس نماز کو لوگ لفظ تراویح سے یاد کرتے ہیں اس نماز کا یہ نام "تراویح" قرآن وحدیث سے ثابت نہیں۔

۱۴/۱۰/۱۴۰۷ھ

---

❶ [ابوداؤد۔ابواب شهر رمضان ۔باب فی قيام شهر رمضان۔ ترمذی۔ الصوم۔باب ما جاء فی قيام شهر رمضان]
❷ [بخاری۔الاذان۔ باب صلاة الليل۔مسلم۔صلاة المسافرين۔باب استحباب صلاة النافلة فی بيته وجوازها فی المسجد۔] ❸ [بخاری۔الاذان۔باب اذا طول الامام وكان للرجل حاجة فخرج وصلى۔ مسلم۔الصلاة۔ باب القراءة فی العشاء]

رکعات تراویح اور مولانا محمد انور کشمیری حنفی کا موقف

مشہور ومعروف حنفی دیوبندی بزرگ حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کی جامع ترمذی پر تقریر ''العرف الشذی'' میں لکھا ہے:

''وَلاَ مَنَاصَ مِنْ تَسْلِيْمِ اَنَّ تَرَاوِيحَهُ عَلَيْهِ السَّلاَمُ كَانَتْ ثَمَانِيَةَ رَكْعَاتٍ وَلَمْ يَثْبُتْ فِيْ رِوَايَةٍ مِنَ الرِّوَايَاتِ اَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلاَمُ صَلَّى التَّرَاوِيْحَ وَالتَّهَجُّدَ عَلَيْحِدَةً فِي رَمَضَانَ'' الخ ❶

ترجمہ: اور یہ بات تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی تراویح آٹھ رکعات تھیں اور روایات میں سے کسی ایک روایت میں ثابت نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان میں تراویح اور تہجد الگ الگ پڑھی ہو۔

۱۳ رمضان المبارك ١٤٠٥هـ

س: پاکستان وغیر پاکستان میں مسلمانوں پر ظلم وزیادتی جنگ وجدل ہو رہی ہے اس کے ساتھ جہاد کا کام بھی جاری ہے اس ظلم وزیادتی کے خلاف اور مجاہدین کے لیے کفار کے خلاف مساجد میں قنوت نازلہ ہو رہی ہے کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟ ایک صاحب کا کہنا ہے کہ یہ صحیح نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے صرف ایک مہینہ کیا ہے وہ بھی خاص نوعیت تھی اس کے بعد آپ نے جنگیں لڑیں اصحاب کرام ﷺ نے جنگیں لڑیں کہیں بھی قنوت نازلہ پڑھنے کا ثبوت نہیں۔

عبدالرحمٰن کراچی

ج: بئر معونہ کے شہیدوں کے قاتلین کے خلاف ایک مہینہ قنوت نازلہ کے علاوہ بھی رسول اللہ ﷺ سے قنوت نازلہ اور قنوت غیر نازلہ ثابت ہے صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث میں اس سلسلہ کی احادیث موجود ہیں ❷ کبھی کبھار ناغہ کر لینا چاہیے۔ واللہ اعلم ١٤١٥/١٢/٨هـ

س: اگر کسی کی وتر نماز رہ گئی ہو تو کیا وہ صبح پڑھے یا نہ پڑھے؟ محمد یٰسین

ج: جب اٹھے اس وقت پڑھ لے۔ ﴿مَنْ نَسِيَ صَلاَةً . اَوْ نَامَ عَنْهَا فَكَفَّارَتُهُ اَنْ يُصَلِّيَهَا اِذَا ذَكَرَهَا﴾ ❸

[جو شخص نماز بھول جائے یا اس سے سو جائے پس اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اسے پڑھے جب یاد آئے]

١٤١٩/٥/١هـ

---

❶ ص ٣٠٩ ط دیوبند ❷ بخاری۔ التفسیر۔ باب لیس لك من الامر شیءٌ۔ مسلم المساجد۔ باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوٰت۔ ابوداؤد۔ ابواب الوتر۔ باب القنوت فی الصلوٰت ❸ متفق علیه ، [مشکوة کتاب الصلوة باب تعجیل الصلوات]

نمازِ سفر

س: قصر کتنی مسافت سے شروع ہوتا ہے اور مدت اس کی کتنے دن ہے؟ محمد ناصر کوئٹہ چھاؤنی

ج: قصر صلاۃ کے لیے مسافت تیئیس کلومیٹر ہے کیونکہ حدیث میں نو میل وارد ہے اور پرانے میل انگریزی میل سے بڑے تھے تو اگر کسی نے ۲۳ کلومیٹر یا اس سے زیادہ مسافت سفر کرنا ہو تو وہ اپنے شہر، قصبہ یا دیہات کی آبادی سے باہر چلا جائے تو نماز قصر پڑھے اسی طرح سفر سے واپسی پر اپنے شہر قصبہ یا دیہات کی آبادی میں داخل ہونے سے قبل قصر پڑھے۔

تردد کی صورت میں کوئی مدت معین نہیں مہینہ کئی مہینے بھی قصر ہے اور اگر وہ منزل مقصود پر پہنچ کر کچھ معین عرصہ قیام کا ارادہ رکھتا ہے تو پھر زیادہ صحیح اور پختہ بات یہی ہے کہ وہ مدت چار دن ہے مطلب یہ ہے کہ اگر وہ چار دن یا اس سے زیادہ عرصہ کسی جگہ پر ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو اس جگہ پر پہنچ جانے کے بعد نماز پوری پڑھے قصر نہ پڑھے اور اگر اس کا ارادہ چار دن سے کم ٹھہرنے کا ہو تو وہ اس جگہ پہنچنے کے بعد بھی نماز قصر پڑھے۔ واللہ اعلم ۱۴۱۳/۱۱/۱۰ھ

س: سفر کی قصر کہاں سے شروع ہوتی ہے۔ فتاویٰ ثنائیہ میں کم از کم ۴۸ میل پر شروع ہوتی ہے مگر بعض احادیث تین فرسخ پر دال ہیں[1] ابو عبدالقدوس کوٹ میاں محمد اکرم شاہ بلاول

ج: ۴۸ میل والی کوئی روایت بھی رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں جبکہ تین فرسخ والی حدیث صحیح مسلم میں موجود ہے۔ ﴿كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا خَرَجَ مَسِيْرَةَ ثَلَاثَةِ اَمْيَالٍ اَوْ ثَلَاثَةِ فَرَاسِخَ شُعْبَةُ الشَّاكُّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنَ﴾[2] جب رسول اللہ ﷺ تین میل یا تین فرسخ نکلتے شعبہ کو اس میں شک ہے تو دو رکعت پڑھتے۔

۱۴۱۷/۱۰/۱۸ھ

س: حضرت عثمان ﷛ سفر میں بھی مکمل نماز کیوں ادا کرتے تھے؟ ابو عبدالقدوس کوٹ میاں محمد اکرم شاہ بلاول

ج: اہل علم نے اس کی کئی وجوہات بیان فرمائی ہیں میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ وہ سمجھتے تھے سفر میں قصر رخصت ہے عزیمت نہیں جیسا کہ روزہ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں ﴿فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلَاةِ﴾[3] [تم پر گناہ نہیں کچھ کم کرو نماز میں سے] ہی فرمایا ہے واللہ اعلم ۱۴۱۷/۱۰/۱۸ھ

س: آدمی کتنے دنوں تک نماز قصر کر سکتا ہے ۳ یا ۱۸ دن عورت والدین کے پاس ہوتے ہوئے نماز قصر (دوگانہ) ادا

---

[1] مشکوۃ وغیرہ [2] [کتاب صلاۃ المسافرین۔باب صلاۃ المسافرین وقصرها صحیح مسلم] [3] [النساء ۱۰۱ پ ۵]

کر سکتی ہے؟ حافظ محمد فاروق تبسم

ج: مسافر نے اگر ارادہ بنالیا کہ فلاں مقام پر اس نے چار ایام سے زیادہ مدت ٹھہرنا ہے تو وہ وہاں پہنچتے ہی نماز پوری پڑھے قصر نہ کرے کیونکہ حالت سفر میں ارادہ بنا کر ٹھہرنے کی صورت میں چار ایام سے زیادہ میں قصر کرنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔ ۱۰ دن اور ۱۹ دن والی روایات ایک مقام پر ارادہ بنا کر ٹھہرنے کی صورتیں نہیں جیسا کہ ان روایات کے سیاق سے واضح ہے تردد کی صورت میں کہ آج جاتا ہوں کل جاتا ہوں۔ کوئی مدت معین نہیں۔

عورت اپنے والدین کے پاس اگر مسافر ہے تو شروط قصر کی موجودگی میں قصر کر سکتی ہے مثلاً ایک عورت کی شادی ہو چکی ہے وہ اپنے میاں کے پاس مسافت قصر پر مقیم ہے چار دن یا کم مدت کے لیے اپنے والدین کے گھر آئی ہوئی ہے تو وہ نماز قصر پڑھ سکتی ہے بلکہ اس کے لیے قصر افضل ہے۔ واللہ اعلم ۱۴۱۹/۱۲/۳ھ

س: جب آدمی ایک سال سفر کرے یا کم یا اس سے زیادہ تو نماز سفر والی پڑھے یا نہ؟ محمد قاسم نورستانی

ج: سفر کے دوران اقامت کی صورت میں انیس بیس دن سے زیادہ نماز قصر کرنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔ هذا ما عندي والله اعلم ۱۴۱۱/۶/۶ھ

س: مسافر آدمی کتنے دن کے قیام پر قصر نماز ادا کر سکتا ہے اور حدیث کا مفہوم بھی واضح کر دیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ مہاجر حج کے ارکان پورے کرنے کے بعد تین دن سے زیادہ نہ رکیں؟

عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی ﷺ جب سفر پر جاتے تو جب تک گھر آ نہ جاتے قصر کرتے رہتے کیا اس حدیث سے یہ نکلتا ہے کہ آدمی سفر پر جتنے دن چاہے رہے قصر کرتا رہے گا دنوں کے قیام کی قید نہیں؟ وضاحت کریں؟ عبدالغفور ولد عبدالحق لاہور

ج: تردد کی صورت میں قصر کے لیے شرعاً کوئی مدت متعین نہیں البتہ ارادہ بنا کر دوران سفر کسی ایک جگہ قیام کی صورت میں چار دن سے زیادہ قصر کرنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں مکہ سے ہجرت کرنے والوں کے لیے مکہ میں اقامت جائز نہیں البتہ ادائیگی حج کے بعد مکہ میں تین دن رہنے کی ان کو اجازت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے اسفار تردد یا چار دن ارادۃً اقامت بیک موضع پر مشتمل ہیں اور ان میں آپ ﷺ قصر کرتے رہے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا یہی مطلب بنتا ہے۔ ۱۴۱۷/۵/۲۲ھ

س: ہم کئی برسوں سے نماز قصر پڑھتے آ رہے ہیں قصر نماز کس حالت میں ہوتی ہے اور کتنے دن کے سفر میں کرنی چاہیے ہم اپنے گھر سے نکلے ہیں جہاد کے لیے میرا گھر کلاسکے ضلع گوجرانوالہ میں ہے اور آج کل میری ذمہ داری

بہاولپور میں ہے کچھ پتہ نہیں کہ ہمارا امیر ہمیں کسی وقت بھی وادی میں جانے کا یا کسی اور جگہ جانے کا حکم دے کیا ہم نماز قصر پڑھیں یا پوری نماز؟ طاہر محمود بیت المجاہدین لشکر طیبہ منڈی یزمان بہاولپور

ج: (۱) صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ کے تین فرسخ کی مسافت میں قصر کرنے کا تذکرہ موجود ہے تو آدمی نے بائیس کلومیٹر یا اس سے زائد مسافت کے سفر پہ جانا ہے تو جب اپنے شہر یا گاؤں کے مکانوں سے باہر نکل جائے گا نماز قصر کرنا شروع کر دے رسول اللہ ﷺ حج کے سفر پر روانہ ہوئے تو ذوالحلیفہ میں آپ ﷺ نے نماز قصر پڑھ لی تھی۔ [1]

(۲) مسافر دوران سفر کسی منزل پر چار دن یا کم کے قیام کا ارادہ بنا کر ٹھہرتا ہے تو نماز قصر پڑھتا رہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ چار ذوالحجہ کو مکہ معظمہ پہنچے تھے اور آپ کو علم تھا آٹھ کو منیٰ روانہ ہونا ہے تو چار دن مکہ مکرمہ میں آپ نے ارادہ بنا کر قیام فرمایا اور نماز قصر پڑھتے رہے۔ اگر دوران سفر کسی منزل پر چار دن سے زیادہ مدت کے قیام کا ارادہ بنا کر ٹھہرتا ہے تو منزل پر پہنچتے ہی نماز پوری پڑھنا شروع کر دے کیونکہ اس صورت میں آپ ﷺ سے قصر ثابت نہیں۔ ہاں تردد کی صورت میں قصر کی کوئی مدت متعین نہیں۔ واللہ اعلم ۹/۶/۱۴۲۰ھ

س: استاذ محترم! ایک اہم بات یاد آئی وہ یہ ہے کہ میاں مسعود احمد صاحب نے اپنی کتاب صلوٰۃ المسلمین ص ۲۸۸ پر لکھا ہے "مسافر کے لیے قرآن وحدیث میں ایسی کوئی مدت مقرر نہیں کہ اس مدت سے زیادہ کہیں ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو قصر نہ کرے۔ [2]

عرض یہ ہے کہ آپ جناب کی تحقیق اس مسئلہ میں کیا ہے؟ میں آپ کی توجہ سیدا بن عباس رضی اللہ عنہما کے فتویٰ کی طرف بھی دلانا چاہتا ہوں جو صحیح بخاری میں موجود ہے نماز قصر کے بارہ میں۔ [3] امان اللہ

ج: یہ بات درست ہے کہ قرآن مجید اور نبی کریم ﷺ کی قولی حدیث سے مسافر کے لیے مدت قصر مقرر نہیں کہ اس سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو وہ قصر نہ کرے البتہ آپ کے عمل سے پتہ چلتا ہے کہ آپ حالت سفر میں تین چار دن کے قیام کے ارادہ کی صورت میں قصر کرتے تھے اس سے زیادہ دن کے قیام کے ارادہ کے ساتھ آپ ﷺ سے قصر کرنا مجھے معلوم نہیں۔ واللہ اعلم ۲۰/۱۱/۱۴۱۵ھ

س: قصر نماز کتنے دن تک ہو سکتی ہے اور کتنی مسافت پر ہو سکتی ہے کیا جب آدمی نے سفر پر جانا ہو تو وہ گھر سے ہی ظہر وعصر یا مغرب وعشاء کی نمازیں اکٹھی پڑھ کر جا سکتا ہے؟ محمد قاسم بن محمد سرور

---

[1] بخاری۔تقصیر الصلاۃ۔باب یقصر اذا خرج من موضعہ۔ مسلم۔صلاۃ المسافرین۔باب صلاۃ المسافرین وقصرھا [2] صلوۃ المسلمین [3] بخاری۔تقصیر الصلاۃ۔باب ما جاء فی التقصیر و کم یقیم حتی یقصر۔

ج: تئیس کلومیٹر یا اس سے زیادہ مسافت والا سفر کرنا ہو تو شہر، قصبہ یا گاؤں کے مکانوں سے باہر نکل جانے پر قصر شروع ہے مسافر متردد ہو آج واپس جاتا ہوں کل واپس جاتا ہوں کسی مقام پر حالت سفر میں ٹھہرنے کا ارادہ نہیں تو قصر کے لیے کوئی مدت مقرر نہیں جتنی دیر سفر میں رہے قصر کر سکتا ہے اگر کسی مقام پر کچھ عرصہ اقامت و ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو چار دن یا اس سے کم دن اقامت کے ارادہ کی صورت میں قصر اور چار دن سے زائد مدت اقامت کے ارادہ کی صورت میں منزل مقصود پر پہنچتے ہی نماز پوری پڑھے مسافت مذکورہ کی دلیل صحیح مسلم کی تین فرسخ والی حدیث ہے اور مدت مذکور کی دلیل رسول اللہ ﷺ کے اسفار والی احادیث ہیں بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ چار ذوالحجہ کو مکہ معظمہ پہنچے اور بخاری مسلم میں ہی ہے کہ یوم ترویہ ۸ ذوالحجہ کو آپ ﷺ منیٰ روانہ ہوئے اور حدیث سے ثابت ہے کہ مکہ میں ان چار دن والے قیام میں آپ ﷺ نماز قصر پڑھتے رہے تو ارادہ بنا کر دوران سفر چار دن سے زائد قیام میں قصر کرنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔ جب آدمی نے سفر پر جانا ہو مگر ابھی تک وہ اپنے شہر، قصبہ یا گاؤں کے مکانوں سے باہر نہیں پہنچا نہ وہ نماز قصر کر سکتا ہے اور نہ ہی جمع تقدیم و تاخیر کیونکہ ابھی تک وہ مسافر بنا ہی نہیں بدستور مقیم ہی ہے۔ ۱۴۲۰/۱/۲۴ھ

س: (۱) آپ نے جو قصر نماز کی مسافت ۲۳ کلومیٹر بتائی ہے مجھے سمجھ نہیں آیا کہ تین فرسخ سے ۲۳ کلومیٹر کیسے بنتے ہیں تھوڑی سی وضاحت کر دینا ویسے میں نے بنا کر دیکھے تھے تو ۲۱۰۶ کلومیٹر بنے تھے۔

(۲) چار دن کسی جگہ اقامت کا ارادہ ہو تو پہلے دن ہی سے پوری نماز پڑھنی چاہیے۔ اس صورت میں کیا مسئلہ ہے ایک آدمی کسی جگہ جاتا ہے اور اس کا ارادہ یہ ہے کہ وہ وہاں چھے دن رہے گا دو چار گھنٹے گزارنے کے بعد اس کا ارادہ تبدیل ہو گیا کیا وہ قصر نماز پڑھے یا پوری۔

(۳) ایک آدمی کسی جگہ پر ایک راستہ سے جائے تو ۲۵ کلومیٹر کی مسافت بنتی ہے دوسرے راستہ سے جائے ۱۲ کلومیٹر مسافت بنتی ہے اب جو مسافت طے کرے گا اس کا اعتبار ہو گا یا کم مسافت کا یا زیادہ مسافت کا۔

(۴) سفر کر کے کسی جگہ پر گئے تو امیر نے حکم دیا تم نے یہاں دس دن ٹھہرنا ہے دس دن کا عرصہ پورا ہونے کے بعد اب وہ اگلے حکم کا منتظر ہے پہلے دس دن تو وہ پوری نماز پڑھے گا کیا دس دن کے بعد والی صورت پر مذبذب والی نماز ہے یا وہ پوری نماز پڑھے۔ محترم استاذ صاحب سوالوں کا جواب ضرور دینا۔ اور ایک اچھی سی جامع دعا بھی لکھ دینا کوئی نصیحت ضرور لکھنا جس سے دنیا و آخرت میں کامیاب ہو جاؤں۔ قاسم بن سرور 24/8/99

ج: سوالوں کے جواب ترتیب وار مندرجہ ذیل ہیں بتوفیق اللہ تبارک وتعالیٰ وعونہ

(۱) تین فرسخ کو ۲۳ کلومیٹر اندازے سے لکھا گیا تھا اگر آپ نے سرکاری پیمانہ کے مطابق حساب لگایا ہے تو آپ کی تحقیق درست ہے۔

(۲) ارادہ تبدیل ہونے تک پوری اور ارادہ ہونے کے بعد قصر۔ اس کو اقامت والا معاملہ سمجھے اقامت تک پوری اور اقامت ختم ہو کر سفر کے آغاز پر قصر۔

(۳) کم مسافت کا اعتبار ہوگا۔

(۴) دس دن کے بعد والی مدت میں بھی نماز پوری پڑھے گا جس دن وہ اس دس دن والی منزل کو چھوڑے گا مسافر قاصر کے حکم میں داخل ہوگا اس دن قصر کر لے۔ اس تذبذب کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ اس سے چار دن سے زائد اقامت کا ارادہ ختم نہیں ہوتا اس لیے کہ یہ تذبذب دس دن کے بعد پیدا ہوا ہے بلکہ خواہ مخواہ پیدا کیا گیا ہے واللہ اعلم جامع دعاء: ربنا آتنا الخ نصیحت: کتاب وسنت کی پابندی۔ ۱۴۲۰/۶/۱۰ھ

س: ایک آدمی کسی جگہ پر ملازمت کرتا ہے دو تین ہفتے یا ایک مہینہ کے بعد اپنے گھر جاتا ہے جو کافی دور ہے تو وہ ملازمت والی جگہ پر قصر کرے یا اپنے گھر۔ محمد صفدر تحصیل کامونکی 20/3/98

ج: ایسا آدمی نہ تو گھر قصر کر سکتا ہے اور نہ ہی ملازمت والی جگہ پر قصر کر سکتا ہے گھر تو اس لیے قصر نہیں کر سکتا کہ وہاں وہ مقیم ہے مسافر نہیں اور ملازمت والی جگہ اس لیے قصر نہیں کر سکتا کہ وہاں اس نے ارادہ بنا کر چار دن سے زیادہ رہنا ہے ہاں ایسا آدمی جائے ملازمت اور گھر کے درمیان راستے میں قصر کر سکتا ہے بشرطیکہ یہ مسافت ۲۳ کلومیٹر یا اس سے زائد ہو۔ ۱۴۱۸/۱۱/۲۵ھ

س: رَجُلٌ يُسَافِرُ إِلَى دُكَّانِهِ أَوْ اسكُوْلِهِ وَيَمْكُثُ هُنَاكَ يَوْمًا أَوْ يَوْمَيْنِ ثُمَّ يَعُوْدُ إِلَى بَيْتِهِ فَكَذَا صَارَ دَأْبُهُ فَهَلْ مِثْلُ هٰذَا يَقْصُرُ الصَّلٰوةَ أَمْ يُتِمُّ [ایک آدمی اپنی دکان یا اسکول کی طرف سفر کرتا ہے اور وہاں ایک یا دو دن رہتا ہے پھر گھر واپس آتا ہے اسی طرح اس کی عادت ہے کیا ایسا آدمی قصر کرے گا یا مکمل نماز پڑھے گا؟] عبدالرحمن ضیاء لاہور

ج: هٰذَا الْمُسَافِرُ يَقْصُرُ مِنَ الصَّلَاةِ أَثْنَاءَ سَفَرِهِ ، وَبَعْدَ وُصُوْلِهِ إِلَى دُكَّانِهِ أَوْ اسكُوْلِهِ ، وَيُتِمُّ الصَّلَاةَ إِذَا عَادَ إِلَى بَيْتِهِ وَدَخَلَ دُوْرَ بَلَدِهِ أَوْ قَرْيَتِهِ . [ایسا مسافر دوران سفر قصر پڑھے گا اور دکان اور سکول میں پہنچنے کے بعد بھی اور جب گھر واپس آئے گا اور اپنے شہر یا گاؤں میں داخل ہو جائے گا تو نماز مکمل پڑھے گا] واللہ اعلم ۱۴۱۹/۸/۱ھ

س: مقیم مسافر بننے والا ہے مثلاً اس نے ظہر کی نماز حالت مقیم میں پڑھی اب اس کا سفر لمبا ہے ظاہر ہے وہ عصر بھی پڑھے گا کیا وہ ظہر کی نماز فرض کے بعد دو رکعت سنت مؤکدہ ادا کرے یا ادا کیے بغیر عصر کی نماز پڑھے گا؟ حافظ محمد فاروق

ج: اس صورت میں ظہر کی نماز پوری پڑھے گا پہلے والی چار اور بعد والی چار سنتیں بھی پڑھے گا البتہ اس صورت میں اور حضر کی دیگر تمام صورتوں میں ظہر کے وقت میں عصر کی نماز نہیں پڑھ سکتا نہ پوری اور نہ ہی قصر۔ ۱۶/۷/۱۴۲۰ھ

نمازِ جمعہ

س: نماز ظہر اور نماز جمعہ کا ان دنوں میں صحیح وقت کون سا ہے اور جمعہ کا خطبہ کتنے وقت کا ہونا چاہیے؟

صابر علی شاکر شیخوپورہ 8 مئی 1997

ج: نماز ظہر اور نماز جمعہ کا وقت زوال الشمس سے شروع ہو کر فیئ زوال نکالنے کے بعد ایک مثل سائے تک ہے رسول اللہ ﷺ کے خطبۂ جمعہ کے متعلق حدیث میں آتا ہے آپ دو خطبے دیتے دونوں کے درمیان بیٹھتے ان خطبوں میں آپ ﷺ قرآن مجید کی تلاوت فرماتے لوگوں کو وعظ تذکیر نصیحت کرتے اور دعا فرماتے معلوم ہے آپ کے خطبات اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا پر بھی مشتمل ہوا کرتے تھے صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ خطبۂ جمعہ میں سورۃ ق والقرآن المجید تلاوت فرماتے تھے [1] تو آپ اس سے رسول اللہ ﷺ کے خطبۂ جمعہ کا اندازہ لگا سکتے ہیں باقی آپ ﷺ کے خطبہ جمعہ کا وقت منٹوں میں محدود صورت میں مجھے تو کہیں نہیں ملا ہاں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ طُوْلَ صَلٰوةِ الرَّجُلِ وَقِصَرَ خُطْبَتِهٖ مَئِنَّةٌ مِنْ فِقْهِهٖ﴾ [آدمی کی نماز کا لمبا ہونا اور اس کے خطبہ کا چھوٹا ہونا اس کی سمجھداری کی علامت ہے] [2] ۱۱/۳/۱۴۱۸ھ

س: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جمعہ کی دوسری اذان کا اجرا فرمایا کیا یہ درست ہے کیا واقعتاً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس اذان کو بدعت قرار دیا تھا؟ حوالہ ارسال کر دیں؟ ابوالحزم محمد شہباز بھٹی 20/1/92

ج: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: ''وَرَوَى ابْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ مِنْ طَرِيْقِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اَلْاَذَانُ الْاَوَّلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِدْعَةٌ . فَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُوْنَ قَالَ ذٰلِكَ عَلٰى سَبِيْلِ الْاِنْكَارِ وَيَحْتَمِلُ أَنَّهٗ يُرِيْدُ أَنَّهٗ لَمْ يَكُنْ فِيْ زَمَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَكُلُّ مَا لَمْ يَكُنْ فِيْ زَمَنِهٖ يُسَمّٰى بِدْعَةً الخ'' [3]

قَالَ ابْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ فِيْ مُصَنَّفِهٖ قَالَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ الْغَازِ قَالَ : سَأَلْتُ نَافِعًا مَوْلٰى

[1] کتاب الجمعة صحیح مسلم [2] [صحیح مسلم کتاب الجمعة باب تخفیف الصلاة والخطبة]

[3] فتح الباری ج۲ ص۳۹۴

ابْنِ عُمَرَ اَلْاَذَانُ الْاَوَّلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِدْعَةٌ ؟ فَقَالَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ بِدْعَةٌ ۱ھ۔ ج۲ص ۱۴۵ وَالْاِحْتِمَالُ الْاَوَّلُ مِنْ اِحْتِمَالَيِ الْحَافِظِ هُوَ الْاَرْجَحُ . هٰذَا مَا عندى و الله اعلم''

[ابن ابی شیبہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے طریق سے بیان کیا ہے کہ جمعہ کے دن پہلی اذان بدعت ہے پس اس بات کا احتمال ہے کہ اس نے یہ علی سبیل الانکار کہا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ مراد لیتا ہو کہ یہ نبی ﷺ کے زمانہ میں نہیں تھی اور ہر وہ چیز جو نبی ﷺ کے زمانہ میں نہ ہو اس کا نام بدعت ہے۔

ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں کہا ہے ہم کو وکیع نے بیان کیا ہے اس نے کہا ہم کو ہشام بن غاز نے بیان کیا اس نے کہا میں نے ابن عمر کے آزاد کردہ غلام نافع سے پوچھا کہ جمعہ کے دن پہلی اذان بدعت ہے اس نے کہا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ یہ بدعت ہے اور حافظ کے دو احتمالوں سے پہلا راجح ہے]

س: جمعہ والے دن خطبہ جمعہ کے لیے یہ دو اذانیں ہم نے اب تک کی زندگی میں ہوتی دیکھی ہیں اور ہم خود بھی اس پر عمل پیرا ہیں کیا یہ صحیح ہے؟ اور اگر سنت نبوی ﷺ سے یہ نہ ملے بلکہ کسی صحابی کے عمل سے ملے پھر اس پر عمل کرنا کیسا ہے؟ محمد افضل شاہد شیخوپورہ ۲۱ شوال ۱۴۱۲ھ

ج: رسول اللہ ﷺ، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ادوار مبارکہ میں جمعہ کی اذان ایک ہی ہوا کرتی تھی جیسے بخاری وغیرہ کتب حدیث میں تصریح موجود ہے [1] جمعہ کے لیے اذان واحد سنت نبوی ہے اور سنت خلفاء راشدین بھی نیز سنت صحابہ رضی اللہ عنہم بھی۔ ۲۴ شوال ۱۴۱۲ھ

[مولانا عبید اللہ صاحب عفیف کے مضمون بعنوان جمعہ کی پہلی اذان کا شرعی حکم پر وضاحت]

امابعد خیریت موجود خیریت مطلوب۔ جناب کا مضمون بعنوان ''جمعہ کی پہلی اذان کا شرعی حکم'' جریدہ الاعتصام میں شائع شدہ نظر سے گذرا اس کی چاروں اقساط کو بغور پڑھا ماشاء اللہ مضمون ہر لحاظ سے بہترین ہے اللہ تعالیٰ اس پر آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ایسے تحقیقی مضامین رقم فرمانے کی توفیق دے نیز ہم سب کو سعادت دارین سے نوازے آمین یارب العالمین۔

اس ملاقات میں آپ کی توجہ ایک چیز کی طرف مبذول کروانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ آپ خدشہ نمبر۲ فثبت الامر علی ذلك کے جواب میں لکھتے ہیں ''ہمارے نزدیک اس عبارت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ امام بخاری، امام ابوداود اور امام نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ کے عہد میں اذان عثمانی کو قبول عام ہو گیا تھا چنانچہ صاحب المنهل العذب

---

[1] [بخاری۔الجمعة۔باب الاذان یوم الجمعة]

الموروود" الخ[1]

آپ کا بیان کردہ یہ مطلب تب صحیح ہوسکتا ہے جب لفظ "فثبت الامر علی ذلک" کے قائل امام بخاری، امام ابوداود اور امام نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ ہوں حالانکہ ان الفاظ کے قائل امام بخاری امام ابوداود اور امام نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے کوئی بھی نہیں حدیث کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان الفاظ کے قائل حضرت سائب بن یزید (راوی حدیث) رضی اللہ عنہ خود ہیں۔ ۱۴۱۰/۴/۵ھ

س: کیا گاؤں والے جمعہ کی نماز گاؤں میں پڑھ سکتے ہیں علماء احناف سے سنا ہے کہ گاؤں میں جمعہ کی نماز نہیں ہو سکتی اس کے لیے شہر ہونا شرط ہے؟ محمد اسلم جاوید ضلع شیخوپورہ 24/10/91

ج: جو مسئلہ آپ نے پوچھا اس کے بارے میں فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز -حفظہ اللہ تعالیٰ- کا ایک فتویٰ میرے پاس موجود ہے اس لیے اپنی طرف سے کچھ لکھنے کی بجائے شیخ موصوف کے فتویٰ کی ایک نقل جناب کو ارسال کر رہا ہوں اس کا مطالعہ فرمالیں اور اپنے ساتھیوں کو بھی اس سے آگاہ کردیں۔ ۱۴۱۲/۴/۲۲ھ

مِنْ عَبْدِالْعَزِيْزِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ بَاز اِلَى الْاَخَوَيْنِ الْكَرِيْمَيْنِ عَبْدِ الْمَنَّانِ بْنِ عَبْدِالْحَقِّ النُّوْر فُوْرِيْ ومُحَمَّد صِدِّيْق : وَفَّقَهُمَا اللهُ لِقَوْلِ الْحَقِّ وَالْعَمَلِ بِهٖ وَزَادَهُمَا مِنَ الْعِلْمِ وَالْإِيْمَانِ .

اَلسَّلاَمُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ أَمَّا بَعْدُ :

فَقَدْ وَصَلَنِيْ كِتَابَاكُمَا وَتَاَمَّلْتُ مَا ذَكَرْتُمَا فِيْهِمَا مِنْ اِخْتِلاَفٍ بَيْنَكُمَا فِيْ حُكْمِ اِقَامَةِ صَلاَةِ الْجُمُعَةِ فِي الْقُرٰى وَتَحْكِيْمِكُمَا لِيْ فِيْ هٰذَا وَاَسْأَلُ اللهُ اَنْ يَجْعَلَنَا وَاِيَّاكُمْ مِنْ دُعَاةِ الْهُدٰى وَأَنْصَارِ الْحَقِّ وَأَنْ يَمْنَحَنَا جَمِيْعًا الْفِقْهَ فِيْ دِيْنِهٖ وَالثَّبَاتَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ خَيْرُ مَسْئُوْلٍ ، وَلاَ يَخْفٰى أَنَّ الْحَقَّ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنْ مَتٰى وَجَدَها أَخَذَهَا وَلاَ يَخْفٰى أَيْضًا أَنَّ الْمَرْجِعَ فِيْ مَسَائِلِ الْخِلاَفِ هُوَ كِتَابُ اللهِ عَزَّوَجَلَّ وَسُنَّةُ رَسُوْلِهٖ وَصَفْوَتِهٖ مِنْ خَلْقِهٖ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ ﷺ كَمَا قَالَ اللهُ سُبْحَانَهٗ ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوْا اللهَ وَاَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ وَأُوْلِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُم تُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَاَحْسَنُ تَأْوِيْلاً ﴾ .

وَقَالَ سُبْحَانَهٗ : ﴿ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗ اِلَى اللهِ ﴾ وَقَالَ عَزَّوَجَلَّ ﴿ قُلْ اَطِيْعُوْا

---

[1] الاعتصام ۱۲/۴۴/۴۱

اللهَ وَاَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ وَإِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ ﴾ وَقَدْ تَأَمَّلْتُ اَدِلَّةَ الْفَرِيْقَيْنِ الْقَائِلِيْنَ بِوُجُوْبِ إِقَامَةِ صَلاَةِ الْجُمُعَةِ فِي الْقُرٰى وَالْقَائِلِيْنَ بِعَدَمِ وُجُوْبِهَا وَعَدَمِ صِحَّتِهَا ، وَرَأَيْتُ اَدِلَّةَ اَصْحَابِ الْقَوْلِ الْاَوَّلِ وَهُمُ الْجُمْهُوْرُ اَوْضَحَ وَأَكْثَرَ وَأَصَحَّ وَمِمَّا يُوْضِحُ ذٰلِكَ اَنَّ اللهَ سُبْحَانَهُ فَرَضَ عَلٰى عِبَادِهِ إِقَامَةَ صَلاَةِ الْجُمُعَةِ فِيْ قَوْلِهِ تَعَالٰى ﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا إِذْ نُوْدِيَ لِلصَّلاَةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلٰى ذِكْرِ اللهِ وَذَرُوْا الْبَيْعَ ﴾ الآية .

وَقَوْلُ النَّبِيِّ ﷺ ﴿ لَيَنْتَهِيَنَّ اَقْوَامٌ عَنْ وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ اَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ثُمَّ لَيَكُوْنُنَّ مِنَ الْغَافِلِيْنَ ﴾ [1]

وَلاَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اَقَامَ صَلاَةَ الْجُمُعَةِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَهِيَ فِيْ أَوَّلِ الْهِجْرَةِ فِيْ حُكْمِ الْقُرٰى وَاَقَرَّ أَسْعَدَ بْنَ زُرَارَةَ عَلٰى إِقَامَةِ صَلاَةِ الْجُمُعَةِ فِيْ نَقِيْعِ الْخَضْمَاتِ وَهُوَ فِي حُكْمِ الْقَرْيَةِ وَلَمْ يَثْبُتْ اَنَّهُ ﷺ اَنْكَرَ ذٰلِكَ وَالْحَدِيْثُ فِيْ ذٰلِكَ حَسَنُ الْإِسْنَادِ وَمَنْ اَعَلَّهُ بِابْنِ اِسْحَاقَ فَقَدْ غَلَطَ لِاَنَّهُ قَدْ ثَبَتَ تَصْرِيْحُهُ بِالسَّمَاعِ ، وَلاَنَّهُ ﷺ قَالَ صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ ، وَقَدْ رَأَيْنَاهُ صَلَّى الْجُمُعَةَ فِي الْمَدِيْنَةِ مِنْ حِيْنَ هَاجَرَ إِلَيْهَا ، وَلاَنَّهُ ﷺ اَقَرَّ اَهْلَ جُوَاثَا وَهِيَ قَرْيَةٌ مِنْ قُرٰى الْبَحْرَيْنِ عَلٰى إِقَامَةِ صَلاَةِ الْجُمُعَةِ ، وَالْحَدِيْثُ بِذٰلِكَ مُخْرَجٌ فِيْ صَحِيْحِ الْبُخَارِي وِلاَنَّهَا اِحْدَى الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَوَجَبَ اَدَاؤُهَا عَلٰى اَهْلِ الْقُرٰى كَاَهْلِ الْاَمْصَارِ وَكَصَلاَةِ الظُّهْرِ فِي حَقِّ الْجَمِيْعِ فِيْ غَيْرِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَإِنَّمَا تُرِكَتْ إِقَامَتُهَا فِي الْبَادِيَةِ وَالسَّفَرِ لِعَدَمِ اَمْرِهِ ﷺ لِلْبَوَادِيْ وَالْمُسَافِرِيْنَ بِإِقَامَتِهَا ، وَلِأَنَّهُ ﷺ لَمْ يُقِمْهَا فِي السَّفَرِ فَوَجَبَتْ إِقَامَتُهَا فِيْمَا سِوَى ذَالِكَ وَمَعْلُوْمٌ اَنَّ الَّذِيْ سِوٰى ذٰلِكَ هُوَ الْقُرٰى وَالْاَمْصَارُ ، وَلاَنَّ فِيْ إِقَامَتِهَا مَصَالِحَ عَظِيْمَةً مِنْ جَمْعِ اَهْلِ الْقَرْيَةِ فِي مَسْجِدٍ وَاحِدٍ وَوَعْظِهِمْ وَتَذْكِيْرِهِمْ كُلَّ اُسْبُوْعٍ بِمَا شَرَعَ اللهُ فِيْ خُطْبَتِي الْجُمُعَةِ وَبِمَا ذَكَرْنَا مِنَ الْاَدِلَّةِ يَتَّضِحُ لِكُلِّ مُنْصِفٍ صِحَةَ قَوْلِ الْجُمْهُوْرِ وَاَنَّهُ اَقْرَبُ إِلَى الْحَقِّ مِنْ قَوْلِ مَنْ خَالَفَهُمْ وَاَنَّهُ اَنْفَعُ لِلْمُسْلِمِيْنَ فِيْ اَمْرِ دِيْنِهِمْ وَدُنْيَاهُمْ وَاَقْرَبُ إِلٰى بَرَاءَةِ الذِّمَّةِ وَصَلاَحِ الْاُمَّةِ اَمَّا اَثَرُ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ فَهُوَ مَوْقُوْفٌ عَلَيْهِ ، وَلاَ يَصِحُّ الْمَرْفُوْعُ كَمَا نَبَّهَ عَلٰى ذٰلِكَ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْهُمُ النَّوَوِيُ رَحِمَهُ اللهُ مَعَ اَنَّ

[1] رواه الامام مسلم في صحيحه

فِي صِحَةِ الْمَوْقُوْفِ نَظَرًا لِأَنَّ فِي اَسَانِيْدِهٖ عِنْدَ عَبْدِ الرَّزَّاقِ الثَّوْرِیَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَلَمْ يُصَرِّحْ بِالسَّمَاعِ وَهُوَ مَوْصُوْفٌ بِالتَّدْلِيْسِ وَجَابِرَ الْجُعْفِي وَالْحَارِثَ الْاَعْوَرَ وَكِلَاهُمَا ضَعِيْفٌ .

وَفِيْ سَنَدِهٖ عِنْدَ بْنِ اَبِي شَيْبَةَ الاعْمَشُ وَلَمْ يُصَرِّحْ بِالسَّمَاعِ وَهُوَ مُدَلِّسٌ مَعْرُوْفٌ لٰكِنْ عَنْعَنَهٗ وَعَنْعَنَةُ الثَّوْرِی مَحْمُوْلَةٌ عَلَى السَّمَاعِ فِيْمَا خَرَّجَهُ الْبُخَارِیُ وَمُسْلِمٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فِي الصَّحِيْحَيْنِ . أَمَّا فِيْ غَيْرِ الصَّحِيْحَيْنِ فَلَيْسَ هُنَاكَ مَانِعٌ مِنْ تَعْلِيْلِ رِوَايَتِهِمَا بِذٰلِكَ اِذَا لَمْ يُصَرِّحَا بِالسَّمَاعِ .

هٰذَا مَا ظَهَرَ لِيْ وَاَسْاَلُ اللّٰهَ اَنْ يُوَفِّقَنِي وَاِيَّاكُمَا وَسَائِرَ اِخْوَانِنَا لِاِصَابَةِ الْحَقِّ وَاَنْ يَمُنَّ عَلَيْنَا جَمِيْعًا بِاِيْثَارِ الْحَقِّ عَلٰى مَا سِوَاهُ وَاَنْ يُعِيْذَنَا جَمِيْعًا مِنَ التَّعَصُّبِ وَاِتِّبَاعِ الْهَوٰى فِي جَمِيْعِ الْاَحْوَالِ اَنَّهٗ وَلِيُّ ذٰلِكَ وَالْقَادِرُ عَلَيْهِ . وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ .

اَلرَّئِيْسُ الْعَامُ

لِاِدَارَاتِ الْبُحُوْثِ الْعِلْمِيَّةِ وَالْاِفْتَاءِ وَالدَّعْوَةِ وَالْاِرْشَادِ ١٤٠٦/٩/١٢هـ

[عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز دو محترم بھائیوں عبدالمنان بن عبدالحق نور پوری اور محمد صدیق کی طرف اللہ تعالیٰ ان کو قول حق اور عمل بالحق کی توفیق دے اور ان کے علم وایمان میں اضافہ فرمائے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔اما بعد! میرے پاس تم دونوں کی تحریر پہنچی ۔اور گاؤں میں نماز جمعہ قائم کرنے کے حکم میں تم دونوں کے ذکر کردہ اختلاف میں ۔ میں نے غور وفکر کیا ہے اور تم نے مجھے فیصل تسلیم کیا ہے ۔اور اللہ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ ہمیں اور تمہیں ہدایت کی دعوت دینے والے اور حق کے مددگار بنائے ۔اور وہ ہمیں دین کی سمجھ عطا فرمادے اور اسی پر ثابت قدم رکھے، بے شک وہ سب سے اچھا مسئول ہے ۔اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ حق مومن کی گم شدہ متاع ہے جب وہ اسے پاتا ہے تو پکڑ لیتا ہے اور یہ بات بھی پوشیدہ نہیں کہ اختلافی مسائل میں مرجع اللہ کی کتاب اور سنت رسول ﷺ ہے ۔جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور تم میں سے اولی الامر کی پس اگر تم کسی چیز میں جھگڑا کرو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ کے ساتھ اور آخرت کے دن کے ساتھ ۔ یہ بہتر ہے اور اچھا ہے انجام کے اعتبار سے''[1] اور اللہ

[1] [النساء ٥٩ پ٥]

سبحانہ نے فرمایا ہے اور جس چیز میں تم اختلاف کرو تو اس کا حکم اللہ کی طرف ہے [1] اور اللہ عزوجل نے فرمایا ہے کہہ دو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی پس اگر تم پھر جاؤ تو رسول کا بوجھ اس پر ہے اور تمہارا بوجھ تم پر ہے۔

اور اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے اور نہیں ہے رسول پر مگر پہنچانا ظاہر [2] اور جو لوگ گاؤں میں نماز جمعہ قائم کرنے کے وجوب کے قائل ہیں اور جو وجوب کے قائل نہیں ہیں اور نہ ہی اس کو صحیح سمجھتے ہیں میں نے دونوں فریقوں کے دلائل پر غور کیا ہے تو میں نے پہلے قول والوں کے دلائل کو واضح اور اکثر پایا ہے اور وہ جمہور ہیں۔ اور جو دلائل اس کو واضح کرتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جمعہ کی نماز قائم کرنا اپنے بندوں پر فرض کی ہے اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب جمعہ کے دن نماز کی اذان ہو جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف کوشش کرو اور خرید و فروخت چھوڑ دو (الآیۃ) [3] اور نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ لوگ ضرور بالضرور جمعہ چھوڑنے سے باز آ جائیں گے ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا پھر وہ غافلین سے ہو جائیں گے [4] اور اس لیے کہ نبی ﷺ نے مدینہ میں جمعہ کی نماز قائم کی اور مدینہ ہجرت کے وقت گاؤں کے حکم میں تھا اور نقیع الخضمات میں نماز جمعہ کے قائم کرنے پر حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا اور وہ گاؤں کے حکم میں تھا۔ اور نبی ﷺ سے اس کا انکار ثابت نہیں اور یہ حدیث سند حسن سے ہے اور جس نے ابن اسحاق کے ساتھ اس حدیث کی علت نکالی ہے اس نے غلطی کی ہے کیونکہ سماع کی تصریح ثابت ہے [5] اور نبی ﷺ نے فرمایا کہ نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے دیکھا کہ میں پڑھتا ہوں [6] اور ہم نے دیکھا کہ جس وقت سے آپ مدینہ پہنچے اسی وقت سے نماز جمعہ پڑھی اور نبی ﷺ نے ''جواثا'' والوں کو نماز جمعہ قائم کرنے پر برقرار رکھا اور وہ بحرین کے گاؤں میں سے ایک گاؤں ہے۔ اور اس کی حدیث صحیح بخاری میں ہے [7] اور اس لیے کہ نماز جمعہ جمعۃ المبارک کے دن پانچ نمازوں میں سے ایک نماز ہے تو اس کا ادا کرنا شہر والوں کی طرح گاؤں والوں پر بھی واجب ہے۔ اور جس طرح جمعہ کے دن کے علاوہ ظہر کی نماز تمام کے حق میں ہے اسی طرح جمعہ کے دن نماز جمعہ سب کے لیے ہے۔ اور جنگل اور سفر میں نماز جمعہ قائم نہیں کی جاتی کیونکہ اس کے قائم کرنے کا بوادی اور مسافرین کو نبی ﷺ کا حکم نہیں ہے اور آپ نے سفر میں اس کو قائم نہیں کیا تو اسکے علاوہ جمعہ کو قائم کرنا واجب ہوا اور جو اس کے علاوہ ہے وہ گاؤں اور شہر ہی ہیں۔ اور جمعہ کے قائم کرنے میں بڑی حکمتیں ہیں کہ گاؤں والے ایک مسجد میں جمع ہوتے ہیں اور ہر

---

[1] [الشوری ١٠ پ٢٥] [2] [النور ٥٤ پ١٨] [3] [الجمعة ٩ پ٢٨] [4] [مسلم - الجمعة - باب التغليظ في ترك الجمعة] [5] [ابوداود - الجمعة - باب الجمعة في القرى] [6] [بخاری - كتاب الاذان - باب الاذان للمسافرين إذا كانوا جماعة والاقامة] [7] [بخاری - الجمعة - باب الجمعة في المدن والقرى]

ہفتہ جمعۃ المبارک کے دو خطبوں میں اللہ کے دین کے لئے وعظ و نصیحت ہوتی ہے۔

ہمارے ذکر کردہ دلائل سے ہر منصف پر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جمہور کا قول صحیح ہے اور حق کے قریب ہے بنسبت مخالفین کے اور جمہور کا قول ہی مسلمانوں کے دین اور دنیا کے معاملہ میں نفع بخش ہے اور براءۃِ ذمہ کے قریب ہے اور اسی میں امت کی اصلاح ہے۔

اور جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے تو وہ موقوف ہے اور مرفوع ثابت نہیں جس طرح اسی بات پر بہت زیادہ محدثین نے متنبہ کیا ہے ان میں سے امام نووی رحمہ اللہ ہیں اور موقوف کی صحت میں بھی نظر ہے کیونکہ عبدالرزاق کے ہاں اس کی اسانید میں ثوری رحمہ اللہ ہیں اور انہوں نے سماع کی تصریح نہیں کی اور وہ موصوف بالتدلیس ہیں اور جابر جعفی اور حارث اعور بھی ہیں اور وہ دونوں ضعیف اور ابن ابی شیبہ کے ہاں اس کی سند میں اعمش ہیں اور انہوں نے سماع کی تصریح نہیں کی اور وہ مشہور مدلس ہیں لیکن جب ثوری اور اعمش صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں آئیں تو ان کی معنعن روایت سماع پر محمول ہوگی لیکن صحیحین کے علاوہ جب وہ دونوں سماع کی تصریح نہ کریں تو ان کی روایت کی تعلیل میں کوئی رکاوٹ نہ ہے۔

یہ میرے لیے ظاہر ہوا ہے اور میں اللہ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ مجھے اور تم دونوں کو اور ہمارے سب بھائیوں کو قبول حق کی توفیق دے اور وہ ہم پر احسان کرے کہ ہم حق کو باطل پر ترجیح دے سکیں اور وہ ہمیں تعصب اور خواہش پرستی سے بچائے تمام حالتوں میں۔ وہ اس کا ولی ہے اور اس پر قادر ہے]   والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الرئیس العام: لادارات البحوث العلمیة والافتاء والدعوة والارشاد

س: بعض دو خطبوں کے درمیان ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں میں نے مشکوٰۃ شریف میں پڑھا کہ حضور اس مقام میں صرف انگلی سے اشارہ کرتے تھے۔ کیا ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ سکتے ہیں؟ یا کوئی زبانی دعا بغیر ہاتھ اٹھائے مانگ سکتے ہیں؟   محمد جمیل اعوان احمد نگروی 1/3/96

ج: جمعہ کے دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا تو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے [1] البتہ اس جلوس بین الخطبتین میں خطیب یا سامعین کا ہاتھ اٹھا کر یا ہاتھ اٹھائے بغیر دعا کرنا کسی آیت یا حدیث میں نہیں آیا انگلی سے اشارہ بوقت خطاب ہے [2] بوقت جلوس بین الخطبتین نہیں۔ خطبہ کے دوران زبانی دعا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے دعائے بارش کی

---

[1] [مسلم۔الجمعة ۔باب تخفیف الصلاة والخطبة۔] [2] [مسلم۔الجمعة۔باب تخفیف الصلاة والخطبة۔ ابو داؤد۔ الجمعة باب رفع الیدین علی المنبر۔]

بعض سامعین کی طرف سے درخواست پر دوران خطبہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بھی آپ ﷺ سے ثابت ہے دیکھیں بخاری ومسلم کتاب الجمعۃ کتاب الاستسقاء۔ ١٩/ ١١/ ١٤١٦ھ

س: عرض ہے کہ ہمیشہ جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے ۴ رکعات سنت پڑھتے ہیں پھر ۲ فرض پڑھے جاتے ہیں اور اس کے بعد ۲ سنت پڑھی جاتی ہیں اس طرح جمعہ اور نماز ادا ہوگی لیکن حدیث ہے کہ صحابی آیا آپ خطبہ دے رہے تھے آپ نے فرمایا ۲ رکعات پڑھ کر بیٹھو کیا صحابہ گھر سے سنتیں پڑھ کر آتے تھے اور یہ دو رکعات نفل ہیں یا جمعہ سے پہلے عام ظہر نماز کی طرح ۴ رکعات پڑھنی چاہئیں کیا جمعہ کے فرض کے بعد دو سنتیں پڑھنی چاہئیں یا چار؟ حاجی محمد دین ضلع لیہ

ج: نماز جمعہ سے قبل رکعات کی تعداد متعین نہیں خطبہ شروع ہونے سے پہلے جس قدر میسر ہو نماز پڑھ سکتے ہیں دو رکعات، چار رکعات، چھ رکعات، آٹھ رکعات یا اس سے بھی زیادہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ﴿فَصَلّٰی مَا کُتِبَ لَهُ﴾ [1] [پس اس نے نماز پڑھی جو اس کے لیے لکھی گئی تھی] اور ایک روایت میں ہے ﴿فَصَلّٰی مَا قُدِّرَ لَهُ﴾ [2] [اس نے نماز پڑھی جتنی اس کے مقدر میں ہے] آپ کا یہ فرمان خطبہ جمعہ شروع ہونے سے پہلے آنے والے کے متعلق ہے جیسا کہ حدیث کے سیاق و متن سے واضح ہے اور اگر انسان مسجد میں پہنچا تو خطبہ شروع ہو چکا تھا تو پھر وہ صرف دو رکعات پڑھے وہ بھی ہلکی پھلکی جیسا کہ صحیح مسلم میں ہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی داخل ہو اس حال میں کہ امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ ہلکی پھلکی دو رکعتیں پڑھے۔

رہا جمعہ کے بعد تو دو رکعت بھی پڑھ سکتا ہے اور چار بھی پڑھ سکتا ہے اور ایک حدیث سے چھ پڑھنا بھی ثابت ہوتا ہے صحیح مسلم میں ہے ﴿مَنْ کَانَ مِنْکُمْ مُصَلِّیًا بَعْدَ الْجُمُعَةِ فَلْیُصَلِّ اَرْبَعًا﴾ [3] [جو تم میں سے جمعہ کے بعد نماز (سنتیں) پڑھے پس وہ چار رکعات ادا کرے] ٧/ ١٠/ ١٤١٦ھ

س: (۱) جمعہ کی کل رکعات کتنی ہیں؟ (۲) جمعہ کے دن زوال ہوتا ہے یا نہیں؟ ابوعبدالقدوس بن مقبول احمد سمندری فیصل آباد

ج: (۱) جمعۃ المبارک کا خطبہ شروع ہونے سے پہلے پہنچے تو خطبہ شروع ہونے تک جتنی چاہے نماز پڑھ لے۔ ایک حدیث میں ﴿فَصَلّٰی مَا قُدِّرَ لَهُ﴾ اور ایک میں ہے ﴿فَصَلّٰی مَا کُتِبَ لَهُ﴾ اور خطبہ شروع ہونے کے بعد پہنچے تو ہلکی پھلکی دو رکعتیں پڑھ لے صحیح مسلم میں ہے۔ ﴿اِذَا جَاءَ اَحَدُکُمْ وَالْاِمَامُ یَخْطُبُ فَلْیَرْکَعْ رَکْعَتَیْنِ وَلْیَتَجَوَّزْ فِیْهِمَا﴾ [4] [جب تم میں سے کوئی ایسے وقت مسجد میں آئے کہ امام خطبہ دے رہا ہو تو اسے دو مختصر سی رکعتیں پڑھ لینی چاہئیں] اور جمعہ کی نماز فرض کے بعد دو رکعت والی حدیث بھی ہے چار رکعت والی بھی اور چھ رکعت

---

[1] [بخاری ـ کتاب الجمعة ـ باب لا یفرق بین اثنین یوم الجمعة] [2] [مسلم ـ کتاب الجمعة ـ باب فضل من استمع وانصت فی الخطبة] [3] [مسلم ـ کتاب الجمعة] [4] [مسلم ـ الجمعة باب التحیة والامام یخطب]

والی بھی اب کل رکعتوں کو آپ خود گن لیں۔

(۲) وقت نصف النہار قبل از زوال ہر روز ہوتا ہے۔ البتہ جمعہ پڑھنے والوں کے لیے خطبہ شروع ہونے سے پہلے جتنی ان کے مقدر میں ہو۔ اور خطبہ شروع ہونے کے بعد دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ بدلیل حدیث ﴿فَصَلّٰى مَا قُدِّرَ لَهُ﴾ [1] [پھر اپنے مقدر کی نماز پڑھے] ﴿فَصَلّٰى مَا كُتِبَ لَهُ﴾ [2] [جس قدر ہو سکے نوافل ادا کرتا ہے]

۱۴۲۰/۷/۲ھ

س: جمعہ کے دو فرضوں کے بعد چار رکعت ہیں یا دو رکعت سنت؟ ملک محمد یعقوب ہری پور 27/7/89

ج: جمعہ کے بعد دو رکعت پڑھنے کی حدیث صحیح ہے اور چار رکعت پڑھنے کی حدیث صحیح مسلم میں موجود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مُصَلِّيًا بَعْدَ الْجُمُعَةِ فَلْيُصَلِّ أَرْبَعًا﴾ [جو کوئی تم میں جمعہ کے بعد نماز پڑھے وہ چار رکعت پڑھے] [3] شرح معانی الآثار میں چھ رکعت والی حدیث بھی موجود ہے اس لیے جمعہ کے بعد دو رکعت، چار رکعت اور چھ رکعت پڑھنی تینوں صورتیں درست ہیں۔ ۱۴۱۰/۱/۶ھ

س: جمعہ کے دونوں خطبات کے دوران مسجد کے تعاون کے سلسلے میں جھولی پھیرنا۔ یعنی خطیب جب پہلے خطبہ سے فارغ ہو کر بیٹھتا ہے اور خاموشی اختیار کرتا ہے ان لمحات میں مسجد کے لیے جھولی پھیرنا کیسا ہے؟

محمد ایوب خالد جھبراں شیخوپورہ

ج: نماز جمعہ سے سلام پھیرنے کے بعد جھولی بنا کر دو معزز آدمی مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جائیں چندہ زیادہ ہو گا ان شاء اللہ تبارک وتعالیٰ۔ ۱۴۱۷/۵/۲۳ھ

س: جس مسجد میں جمعہ پڑھانے کا طریقہ یہ ہو کہ مولوی صاحب پہلے تقریر کرتے ہیں۔ پھر سنتیں ادا کی جاتی ہیں پھر اذان ہوتی ہے پھر پہلا خطبہ اور بعد میں دوسرا خطبہ صرف عربی میں ہوتا ہے اور بعد میں جماعت کیا ایسی مسجد میں جمعہ پڑھنا جائز ہے؟ کیا جمعہ ہو جاتا ہے؟ کیا یہ طریقہ درست ہے؟ محمد عثمان غنی لاہور 22 اپریل 1996

ج: یہ طریقہ درست نہیں کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ نہیں ہاں ایسے لوگ اگر کافر یا مشرک نہیں تو جمعہ اور نماز ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم ۱۴۱۷/۱/۴ھ

---

[1] مسلم ۔ الجمعۃ [2] بخاری ۔ الجمعۃ [3] [اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امتی جمعہ کے فرضوں کے بعد کم از کم چار رکعات پڑھے گا]

س: مجھے دعوۃ والارشاد کے کارکنوں کے ساتھ ایک دودفعہ جمعہ پڑھنے کا اتفاق ہوا تو وہ ایسا کرتے ہیں جب حنفیوں وغیرہ کی مساجد میں چندے یا فنڈ کے سلسلے میں جمعہ پڑھانے کے لیے جاتے ہیں تو کیونکہ ان کے ساتھ پڑھی ہوئی نماز نہیں ہوتی اس لیے جمعہ کی جگہ ظہر کی نماز پڑھ لیتے ہیں اور پھر پڑھتے بھی اکیلے اکیلے ہیں کیونکہ وہاں جماعت تو نہیں کرواسکتے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے کیا ان کی ظہر کی نماز ہو جاتی ہے یا کہ نہیں قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کی وضاحت کریں؟ محمد رمضان بہاولنگر

ج: ان کا یہ طریقہ درست نہیں جمعہ ان کے ساتھ پڑھیں اور اگر کسی وجہ سے جمعہ ان کے ساتھ نہیں پڑھتے تو اپنا جمعہ الگ پڑھیں اور اگر سفر کی وجہ سے جمعہ فرض نہیں سمجھتے تو نماز ظہر باجماعت ادا کریں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ﴿وارکعوا مع الراکعین﴾ ۱۴۱۹/۳/۲۵ھ

س: حدیث شریف ہے کہ نماز جمعہ میں امام خطبہ دے رہا ہو تو بیٹھنے سے قبل ہلکی دو رکعت پڑھ لو کیا یہ تحیۃ المسجد ہیں؟ اور کیا اس وقت ۴ رکعت سنت مؤکدہ پڑھی جاسکتی ہیں؟ جمیل احمد اعوان احمد نگری 1/3/96

ج: یہ دو رکعتیں تحیۃ المسجد بھی ہیں اور مَا مِنْ صَلاَةٍ مَّفْرُوْضَةٍ اِلاَّ وَبَيْنَ يَدَيْهَا رَكْعَتَانِ [1] بھی دوران خطبہ جمعہ چار رکعات نہیں پڑھ سکتا چار رکعت سنت مؤکدہ والا مسئلہ ظہر سے پہلے ہے جمعہ سے پہلے نہیں خطبہ جمعہ شروع ہونے سے پہلے پہنچے تو خطبہ شروع ہونے تک دو، چار، چھ، آٹھ اور دس جتنی نماز اس کے مقدر میں ہو پڑھ سکتا ہے۔

۱۴۱۶/۱۱/۱۹ھ

س: جمعہ کا خطبہ چھوٹا ہونا اور نماز لمبی ہونا اس کا مطلب کیا ہے کیا یہ طول وقصر مطلق ہے یا نسبی اگر نسبی ہے تو کس نماز کی بنسبت؟ عبدالرحمٰن ضیاء

ج: نسبی طول وقصر مراد ہے مگر نماز کا طول خطبہ کی بنسبت نہیں نہ ہی قصر خطبہ نماز کی بنسبت ہے بلکہ طول نماز بنسبت دوسری نمازوں کے اور قصر خطبہ بنسبت دیگر خطبوں کے مراد ہے۔ اور اس طول نماز اور قصر خطبہ میں معیار رسول اللہ ﷺ کی نماز اور آپ کا خطبہ ہے جس کی نماز وخطبہ رسول اللہ ﷺ کی نماز وخطبہ کے ساتھ طول وقصر میں ملتے ہیں وہ ﴿إِنَّ طُوْلَ صَلاَةِ الرَّجُلِ وَقِصَرَ خُطْبَتِهِ مَئِنَّةٌ مِنْ فِقْهِهِ﴾ کا مصداق ہے [آدمی کی لمبی نماز اور مختصر خطبہ دانائی کی علامت ہے] [2] ۱۴۱۹/۳/۲۴ھ

---

[1] [سلسلة الاحاديث الصحيحة ج۱ حديث ۲۳۲ ص ٤۱۱ باب الجمعة] [2] مسلم ـ الجمعة ـ باب تخفيف الصلاة والخطبة

س: اگر کسی شخص کا جمعہ رہ جائے تو وہ کیا پڑھے؟ جبکہ میں نے تاریخ اصبہان میں یہ روایت پڑھی ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے سوال کیا کہ اگر میرا جمعہ رہ جائے تو میں کیا کروں۔ تو انہوں نے فرمایا کہ جمعہ ہی پڑھو۔ ذٰلِكَ سُنَّةُ اَبِي الْقَاسِمِ (ﷺ) اور میں نے یہ بھی سنا ہے کہ جمعہ رہنے کی صورت میں ظہر ادا کرنے والی تمام روایات ضعیف ہیں۔ نیز عورت اگر گھر میں نماز پڑھے تو جمعہ کی رکعتیں یا ظہر ادا کرے؟ عبداللطیف تبسم اوکاڑہ

ج: تاریخ اصبہان والی حدیث مجھے معلوم نہیں لہٰذا آپ اس کی سند لکھ کر بھیجیں تا کہ تحقیق کی جا سکے کہ آیا وہ حدیث صحیح بھی ہے یا نہیں؟ رہا یہ مسئلہ کہ عورت جمعہ نہ پڑھنے کی صورت میں کیا پڑھے؟ جمعہ یا ظہر؟ تو اس سلسلہ میں گزارش ہے کہ وہ ظہر پڑھے کیونکہ شریعت میں عورت کے لیے جمعہ نہ پڑھنے کی رعایت ہے اور شریعت میں دن رات کے اندر پانچ نمازیں فرض ہیں تو جمعہ نہ پڑھنے کی صورت میں پانچویں نماز ظہر ہی بنے گی ورنہ دن رات میں جمعہ نہ پڑھنے والی یا والے کے حق میں چار نمازیں رہ جائیں گی۔ واللازم کما تری. ۱۴۱۸/۱۰/۲۸ھ

س: ام ہشام رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے سورۃ ق رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے یاد کی آپ ﷺ اسے ہر جمعہ پڑھا کرتے جب آپ ﷺ خطبہ دیتے۔ [1]

(الف) کیا یہ حدیث صحیح اور قابل عمل ہے؟ (ب) کیا اس حدیث سے سورۃ ق کا جمعہ کے خطبہ میں پڑھنا کثرت سے ثابت ہوتا ہے یا کبھی کبھار؟ (ج) خلیل کہتا ہے یہ روایت ایک عورت سے مروی ہے لہٰذا یہ مشکوک ہے کیونکہ اور کسی صحابی (مرد) سے اس کی تائید نہیں ہوتی لہٰذا یہ قابل عمل نہیں ہے۔ آپ وضاحت فرمائیں کہ خلیل بھائی کی بات کہاں تک درست ہے؟ جاوید غوری

ج: (الف) یہ حدیث صحیح ہے صحیح مسلم میں موجود ہے قابل عمل ہے۔

(ب) اس حدیث سے سورۃ ق والقرآن المجید کا خطبۂ جمعہ میں پڑھنا ثابت ہوتا ہے البتہ اس حدیث سے اس چیز کی مداومت وہیشگی ثابت نہیں ہوتی کیونکہ صحیح مسلم میں ام ہشام رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ﴿لَقَدْ كَانَ تَنُّوْرُنَا وَتَنُّوْرُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَاحِدًا سَنَتَيْنِ أَوْ سَنَةً وَّبَعْضَ سَنَةٍ﴾ (الحدیث) [دو سال تک یا ایک سال اور دوسرے سال کا بعض حصہ ہمارا اور رسول اللہ ﷺ کا تنور ایک تھا] [2]

(ج) خلیل بھائی کی بات درست نہیں دیکھئے قرآن مجید میں ہے: ﴿قَالَتْ إِنَّ أَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا

---

[1] مسلم بحوالہ مشکوۃ مترجم ص ۸۶۸ ج ۱ [2] [مسلم ۔ کتاب الجمعة باب تخفیف الصلاة ، الخطبة]

سَقَيْتَ لَنَا فَلَمَّا جَآءَهُ﴾ الخ [اس نے کہا میرا باپ تجھے بلاتا ہے تاکہ تجھے پانی پلانے کی مزدوری دے پس جب وہ اس کے پاس آیا] ❶ موسیٰ علیہ السلام نے ایک ہی عورت کی خبر کو قبول فرمالیا اور اس عورت کے باپ کے پاس تشریف لے گئے پھر قرآن مجید میں ہے: ﴿فَقَالَتْ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَى أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُوْنَهُ لَكُمْ وَهُمْ لَهُ نَاصِحُوْنَ ﴿ فَرَدَدْنَاهُ إِلَى أُمِّهِ﴾ الخ [پس اس نے کہا کیا میں تمہیں ایک گھر والے بتاؤں جو اس کی کفالت کریں واسطے تمہارے اور وہ اس کے خیر خواہ ہوں گے پس ہم نے لوٹا دیا اس کو اس کی والدہ کی طرف] ❷ ایک ہی عورت کی بات کو فرعونیوں نے تسلیم کرلیا تھا تو ثابت ہوا ایک عورت کی خبر پیغمبروں ایمان والوں بلکہ کفر والوں کے نزدیک بھی مقبول ہے پھر اس مقام پر ام ہشام رضی اللہ عنہا اکیلی بھی نہیں بلکہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن کی ہمشیرہ بھی یہی بات رسول اللہ ﷺ سے نقل فرماتی ہیں دیکھئے صحیح مسلم ج۱ص۲۸۶ پھر خطبہ ٔ جمعہ میں قرآن مجید پڑھنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں دیکھیں صحیح مسلم ج۱ص۲۸۳ ''قال : كَانَتْ لِلنَّبِيِّ ﷺ خُطْبَتَانِ يَجْلِسُ بَيْنَهُمَا يَقْرَأُ الْقُرآنَ وَيُذَكِّرُ النَّاسَ'' [نبی ﷺ کے دو خطبے تھے ان کے درمیان بیٹھتے قرآن پڑھتے اور لوگوں کو وعظ فرماتے]

۱۳/۱۰/۱۴۱۹ھ

نمازِ عیدین

س: کیا کسی مرفوع صریح صحیح یا ضعیف حدیث سے عیدین کی نمازوں میں تکبیرات زوائد کے ساتھ رفع الیدین ثابت ہے؟ جب کہ مولانا شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے عون المعبود ج۱ص۴۴۸ میں لکھا ہے کہ عیدین کی نمازوں میں تکبیرات زوائد کے ساتھ رفع الیدین کسی مرفوع صریح حدیث سے ثابت نہیں اور مولانا عبدالرحمان محدث مبارکپوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے عیدین کی نمازوں میں تکبیرات زوائد کے ساتھ رفع الیدین کی ممانعت پر ایک مستقل تصنیف بنام القول السدید کی ہے اور مولانا عبیداللہ مبارکپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مرعاۃ المفاتیح میں رفع الیدین نہ کرنے کو اولیٰ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں کوئی نص صریح مرفوع حدیث صحیح یا ضعیف ثابت نہیں ہے محدث العصر الشیخ محمد ناصر الدین البانی حفظہ اللہ تعالیٰ نے عیدین کی نمازوں میں تکبیرات زوائد میں تکبیرات زوائد کے ساتھ رفع الیدین کو بدعت لکھا ہے آپ کے علم و تحقیق کے مطابق کیا عیدین کی نمازوں میں تکبیرات زوائد کے ساتھ رفع الیدین کسی حدیث مرفوع صریح صحیح یا ضعیف سے ثابت ہے؟ اور اگر ثابت نہیں تو اس کے کرنے کا کیا حکم ہے؟

---

❶ [القصص ۲۵ پ ۲۰] ❷ [القصص ۱۲ پ ۲۰]

بینوا وتوجروا ۔ محمد اسماعیل لاہور

ج: آپ نے سوال کیا ہے ''کیا کسی مرفوع صریح صحیح یا ضعیف حدیث سے عیدین کی نمازوں میں تکبیرات زوائد کے ساتھ رفع الیدین ثابت ہے؟''

اس سوال کے جواب سے قبل مناسب ہے آپ پہلے مندرجہ ذیل سوال کا جواب ارسال فرما دیں وہ سوال یہ ہے۔

''کیا کسی مرفوع صریح صحیح یا ضعیف حدیث سے عیدین کی نمازوں کے افتتاح ، رکوع جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین ثابت ہے؟ اور اگر ثابت نہیں تو اس کے کرنے کا کیا حکم ہے'' ؟ جواب جلدی لکھیں شکریہ۔

۱٤۱۸/٦/۸ھ

س: عیدین کی تکبیروں میں رفع الیدین کا کیا جواز ہے؟ محمد امجد ولد محمد حنیف میر پور آزاد کشمیر

ج: سنن دار قطنی (ص ۲۸۹ ج ۱) میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث میں یہ لفظ ہیں وَیَرْفَعُهُمَا فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ وَتَكْبِيْرَةٍ يُكَبِّرُهَا قَبْلَ الرُّكُوْعِ حَتَّى تَنْقَضِيَ صَلاَتُهُ [1] [اور آپ ﷺ دونوں ہاتھ اٹھاتے ہر رکعت اور تکبیر میں جو رکوع سے پہلے کہتے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی نماز پوری ہو جاتی] اور معلوم ہے کہ تکبیرات عیدین رکوع سے پہلے ہی ہیں تو رفع الیدین کی یہ حدیث اپنے عموم کے ساتھ تکبیرات عیدین میں رفع الیدین کرنے پر بھی دلالت کر رہی ہے۔ ۱٤۱۹/۷/۱۸ھ

س: صلوٰۃ العیدین میں تکبیرات ثناء سے پہلے کہنی چاہیے یا کہ ثناء کے بعد اور اس کے ساتھ ساتھ یہ فرما دیں کہ پہلی رکعت میں تکبیر اولیٰ بھی ان سات تکبیروں میں شمار ہو گی یا کہ نہیں قرآن و حدیث کے حوالہ سے وضاحت فرمائیں عین نوازش ہو گی شکریہ۔ قاری محمد شفاعت اللہ عاصم خانہ میانوالی

ج: (۱) ثناء یا دعائے استفتاح تکبیرات عید سے قبل یا بعد دونوں طرح درست ہے کیونکہ حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ پہلی رکعت میں قراءۃ سے پہلے سات اور دوسری رکعت میں قراءۃ سے پہلے پانچ تکبیریں کہتے تھے [2] اور ''قراءۃ سے پہلے'' کا لفظ دونوں صورتوں کو شامل ہے لہٰذا دونوں صورتوں میں سے جو بھی اختیار کر لی جائے درست ہے صاحب مرعاۃ المفاتیح نے اس بحث کے آخر میں نقل فرمایا: ''أَيَّمَا فَعَلَ كَانَ جَائِزًا'' [جو بھی کرے جائز ہے]

---

[1] [ابو داؤد۔استفتاح الصلاۃ۔باب رفع الیدین فی الصلاۃ] [2] [ابو داؤد۔الجمعۃ۔ باب التکبیر فی العیدین]

(۲) تکبیر تحریمہ سات تکبیروں میں شامل نہیں کیونکہ تکبیر تحریمہ نماز عید کے ساتھ مخصوص نہیں حدیث میں صلاۃ عید میں تکبیرات کا تذکرہ ہے پھر بیہقی اور دارقطنی کی بعض روایات میں تکبیر تحریمہ یا تکبیر نماز کے سوا کے لفظ بھی وارد ہوئے ہیں۔ واللہ اعلم ۱۸/۱۲/۱۴۱۹ھ

س: کیا عیدین کے جمعہ کی طرح دو خطبے ہیں یعنی خطیب ایک خطبہ کھڑا ہو کر دے پھر بیٹھ جائے پھر کھڑا ہو کر دوسرا خطبہ دے یا کہ ایک ہی خطبہ ہے یعنی درمیان میں بیٹھا نہیں جائے گا نیز جو علماء عید کے خطبہ کو جمعہ کے خطبہ پر قیاس کرتے ہیں ان کے قیاس کی کیا حیثیت ہے؟ حبیب الرحمان بن نذیر احمد گلستان کالونی فیصل آباد 1/9/97

ج: عیدین کا ایک خطبہ تو رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ سے ثابت ہے البتہ عیدین کے لیے دو خطبے رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں دو خطبے والی کوئی ایک روایت بھی درجہ احتجاج وقبول تک نہیں پہنچتی۔ رہا عدد میں خطبہ عیدین کو خطبہ جمعہ پر قیاس کرنا تو اس کی شرعاً کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ واللہ اعلم ۱۷/۵/۱۴۱۸ھ

س: عیدین کے خطبہ کے متعلق آپ کا فتویٰ موصول ہوا جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ:

''عیدین کا ایک خطبہ تو رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ سے ثابت ہے''

عرض ہے کہ مجھے وہی احادیث مطلوب ہیں کہ جن میں ایک خطبے کا ذکر ہے۔ یہ بات تو مسلم ہے اور محقق ہے کہ دو خطبوں والی کوئی روایت بھی درجہ احتجاج کو نہیں پہنچتی۔ اگر آپ مہربانی فرماتے ہوئے ان احادیث کی تفصیل لکھ بھیجیں کہ جن سے ایک خطبہ ثابت ہوتا ہے تو نہایت ہی شاکر ہوں گا۔ جزاك الله خيراً

حبیب الرحمان بن نذیر احمد گلستان کالونی فیصل آباد 30/9/97

ج: آپ کے سوال کا جواب مندرجہ ذیل ہے بتوفیق اللہ سبحانہ وتعالیٰ وعونہ

(۱) ﴿ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ : شَهِدْتُ الْعِيْدَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَأَبِیْ بَكْرٍ ، وَعُمَرَ ، وَعُثْمَانَ، فَكُلُّهُمْ كَانُوْا يُصَلُّوْنَ قَبْلَ الْخُطْبَةِ ﴾ [حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر وعمر وعثمان (رضی اللہ عنہم) کے ساتھ نماز عیدین میں حاضر ہوا پس وہ تمام خطبہ سے پہلے نماز پڑھتے تھے] [1]

(۲) ﴿ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: كَانَ النَّبِیُّ ﷺ ،وَأَبُوْبَكْرٍ ،وَعُمَرُ يُصَلُّوْنَ الْعِيْدَيْنِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ ﴾ [حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) سے ہے انہوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ اور ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما) عیدین کی نماز خطبہ سے پہلے

---

[1] صحيح البخاری كتاب العيدين باب الخطبة بعد العيد ۱۳۱/۱

پڑھتے تھے] [1]

(۳) ﴿ وَعَنْ جابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَامَ ، فَبَدَأَ بِالصَّلاَةِ ، ثُمَّ خَطَبَ النَّاسَ بَعْدُ ، فَلَمَّا فَرَغَ نَبِيُّ اللهِ ﷺ نَزَلَ ، فَأَتَى النِّسَاءَ ، فَذَكَّرَهُنَّ وَهُوَ يَتَوَكَّأُ عَلَى يَدِ بِلاَلٍ ، وَبِلاَلٌ بَاسِطٌ ثَوْبَهُ يُلْقِيْ فِيْهِ النِّسَاءُ صَدَقَةً ﴾ [حضرت جابر بن عبداللہ (رضی اللہ عنہما) سے ہے کہ بے شک نبی ﷺ کھڑے ہوئے نماز سے ابتداء کی پھر بعد میں لوگوں کو خطبہ دیا پس جب نبی ﷺ فارغ ہوئے پس عورتوں کی طرف آئے اور ان کو وعظ کیا اور آپ حضرت بلال (﷛) کے ہاتھ پر ٹیک لگائے ہوئے تھے اور بلال اپنے کپڑے کو پھیلائے ہوئے تھے عورتیں اس میں صدقہ ڈالتی تھیں] [2]

(۴) ﴿ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّيْ فِيْ الْأَضْحٰى وَالْفِطْرِ ، ثُمَّ يَخْطُبُ بَعْدَ الصَّلاَةِ ﴾ [عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے ہے بے شک رسول اللہ ﷺ اضحیٰ اور فطر میں نماز پڑھتے اور پھر نماز کے بعد خطبہ ارشاد فرماتے] [3]

(۵) ﴿ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ : كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْأَضْحٰى إِلَى الْمُصَلّٰى ، فَأَوَّلُ شَيْءٍ يَبْدَأُ بِهِ الصَّلاَةُ ، ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَيَقُوْمُ مُقَابِلَ النَّاسِ وَالنَّاسُ جُلُوْسٌ عَلَى صُفُوْفِهِمْ ، فَيَعِظُهُمْ وَيُوْصِيْهِمْ وَيَأْمُرُهُمْ ، فَإِنْ كَانَ يُرِيْدُ أَنْ يَقْطَعَ بَعْثًا قَطَعَهُ ، أَوْ يَأْمُرَ بِشَيْءٍ أَمَرَ بِهِ ، ثُمَّ يَنْصَرِفُ ، فَقَالَ أَبُوْ سَعِيْدٍ : فَلَمْ يَزَلِ النَّاسُ عَلَى ذٰلِكَ الخ ﴾ [حضرت ابوسعید خدری (﷛) سے ہے انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دن عیدگاہ کی طرف نکلتے سب سے پہلے نماز پڑھتے پھر پھرتے اور لوگوں کے سامنے کھڑے ہو جاتے اور لوگ اپنی صفوں میں بیٹھے رہتے پس آپ ان کو وعظ فرماتے اور وصیت کرتے اور ان کو حکم دیتے اور اگر کسی لشکر کو بھیجنے کا ارادہ فرماتے تو مقرر کرتے یا کسی چیز کے حکم کا ارادہ فرماتے تو حکم دیتے پھر پھرتے پس کہا ابوسعید نے کہ لوگ ہمیشہ اسی طرح رہے] [4]

معلوم ہے کہ الفاظ الْخُطْبَة ، خَطَبَ اور يَخْطُبُ کی دلالت ایک خطبہ پر تو واضح ہے اور دو کے لیے دلیل درکار ہے جو موجود نہیں پھر ابوسعید خدری ﷛ والی مندرجہ بالا حدیث رسول اللہ ﷺ کے خطبہ عید کی جو مختصر تفصیل مذکور ہے وہ

---

[1] صحیح البخاری کتاب العیدین باب الخطبة بعد العید ۱۳۱/۱ [2] صحیح البخاری کتاب العیدین باب المشی والرکوب إلی العیدین بغیر أذان ولا إقامة ۱۳۱/۱ [3] صحیح البخاری کتاب العیدین باب المشی والرکوب إلی العیدین بغیر أذان ولا إقامة ۱۳۱/۱ [4] صحیح البخاری کتاب العیدین باب الخروج إلی المصلی بغیر منبر ۱۳۱/۱

بھی ایک ہی خطبہ پر دال ہے ایک عید کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے عورتوں کو وعظ وتذکیر سے دوسرے خطبہ پر استدلال درست نہیں۔

اوّلاً: تو اس لیے کہ مدعا اور رائج دوسرا خطبہ آپ ﷺ کے اس وعظ سے مختلف ہے۔

ثانیاً: اس لیے کہ جابر رضی اللہ عنہ کی مذکور بالا حدیث میں ہے "فَلَمَّا فَرَغَ نَبِیُّ اللّٰہِ ﷺ نزل" الخ تو آپ ﷺ کا یہ وعظ صلاۃ عید اور خطبہ عید سے فراغت کے بعد تھا۔

ثالثاً: اس لیے کہ صحیح مسلم ۱/ ۲۸۹ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے "أَشْھَدُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ یُصَلِّیْ قَبْلَ الْخُطْبَةِ قَالَ : ثُمَّ خَطَبَ ، فَرَآی أَنَّهُ لَمْ یُسْمِعِ النِّسَاءَ ، فَأَتَاھُنَّ، وَذَکَّرَھُنَّ"۔الحدیث

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے الفاظ "ثُمَّ خَطَبَ الخ" ان کے الفاظ "یُصَلِّی قَبْلَ الْخُطْبَةِ" کی تفصیل وتفسیر ہے تاسیس نہیں لہٰذا ان کے ان الفاظ سے بھی دوسرے خطبہ پر استدلال صحیح نہیں ۔ واللہ اعلم

۱۴۱۸/۶/۶ھ

س: عید کے روز عید گاہ سے واپس آ کر دو نفل ادا کرنے کی حیثیت کیا جائز ہے یا نہیں؟ ابو عبدالقدوس ضلع فیصل آباد

ج: صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے: ﴿عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ خَرَجَ یَوْمَ الْفِطْرِ فَصَلّٰی رَکْعَتَیْنِ لَمْ یُصَلِّ قَبْلَھَا وَلاَ بَعْدَھَا﴾ [ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک نبی ﷺ نے عید الفطر کی نماز دو رکعتیں پڑھی نہ پہلے نفل پڑھے نہ بعد میں] [1] عید گاہ سے واپس آ کر عید کے روز رسول اللہ ﷺ کا دو رکعت نفل پڑھنا مجھے معلوم نہیں۔ واللہ اعلم ۱۴۲۰/۷/۲ھ

س: رسول اللہ ﷺ سے الفاظ تکبیر کی صراحت دارقطنی میں یوں آئی ہے۔

"اللہ اکبر اللہ اکبر لا إلہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد" اس حدیث کو امام ذہبی نے سخت ضعیف بلکہ موضوع (من گھڑت) کہا ہے۔

حافظ صاحب ہم تو ان الفاظ کے ساتھ ہی تکبیرات پڑھتے رہے ہیں کیا یہ نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہیں یا نہیں۔ اور کن الفاظ سے تکبیرات عید پڑھنی چاہئیں وضاحت فرما دیں کیونکہ عید کا موقع ہے اور میں پریشان ہوں؟ جزاکم اللہ خیراً۔

آپ کا ادنیٰ شاگرد محمد مالک بھنڈر ۲۸/۹/۱۴۲۰ھ

---

[1] [بخاری۔ کتاب العیدین۔ باب الصلاة قبل العید وبعدھا]

ج : ﴿وَلِتُكَبِّرُوْا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدَاكُمْ﴾ [اور تا کہ بڑائی کرو اللہ تعالیٰ کی اوپر اس چیز کے کہ ہدایت کی تم کو] [1] پر عمل کرنا ہے لفظ کوئی ہوں۔

نمازِ تسبیح

س : ایک شخص نماز تسبیح با جماعت پڑھنے پر اصرار کرتا ہے اور اس کی دلیل وہ یہ دیتا ہے کہ دیگر نوافل کی طرح یہ بھی ایک نفلی نماز ہے اس کی جماعت بھی اسی طرح جائز ہے جس طرح تراویح کی جماعت جائز ہے قرآن وحدیث کی روشنی میں اس سلسلہ میں دلائل کے ساتھ راہنمائی فرما کر مشکور اور عنداللہ ماجور ہوں۔ عبدالغفور عابد نارنگ منڈی

ج : نماز تسبیح کی حدیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے البتہ نماز تسبیح با جماعت رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں صلاۃ اللیل اور قیام رمضان کی جماعت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اس سے نماز تسبیح کی جماعت پر استدلال کی حیثیت وہی ہے جو اس سے ظہر کی پہلی یا پچھلی سنتوں کی جماعت پر استدلال کی حیثیت ہے۔ واللہ اعلم ۱۴۱۷/۱۰/۲۱ھ

س : صلوٰۃ التسبیح با جماعت ادا کی جا سکتی ہے نیز رمضان شریف کی طاق راتوں یا رمضان شریف کی عام راتوں میں آٹھ رکعت تراویح کے بعد پڑھی جا سکتی ہے؟ ملک محمد یعقوب ہری پور 2/7/89

ج : صلوٰۃ التسبیح کی جماعت اور ہمارے ہاں رائج اجتماعی اہتمام رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں اکیلے اکیلے پڑھیں۔ هذا ما عندی واللہ اعلم ۱۴۰۹/۱۲/۴ھ

س : نمازِ تسبیح والی روایت سنداً صحیح ہے یا نہیں؟ محمد حنیف قصوری قصور

ج : صلاۃ تسبیح والی حدیث کے بارہ میں صاحب مرعاۃ اور صاحب تحفۃ الاحوذی لکھتے ہیں ''لاَ يَنْحَطُّ عَنْ دَرَجَةِ الْحَسَنِ'' اور رسالہ ''اَلتَّرْجِيْحُ لِحَدِيْثِ صَلاَةِ التَّسْبِيْحِ'' کے مقدمہ میں لکھا ہے ''وَالْحَاصِلُ اَنَّ حَدِيْثَ التَّسْبِيْحِ صَحِيْحٌ لِغَيْرِهٖ لِاَنَّ لَهٗ طُرُقًا عَلٰى شَرْطِ الْحَسَنِ ، فَيُضَمُّ بَعْضُهَا اِلٰى بَعْضٍ وَيَقْوٰى بَعْضُهَا بِبَعْضٍ وَيَصِيْرُ الْحَدِيْثُ صَحِيْحًا'' ۱۴۱۷/۱۰/۱۷ھ

---

[1] [البقرة ۱۸ پ۲]

کتاب الجنائز ....جنازے کے مسائل

س: کیا عورت اور مرد کے کفن میں فرق ہے اگر فرق ہے تو دلیل بتائیں؟ محمد قاسم بن محمد سرور

ج: شیخ البانی رحمہ اللہ تعالیٰ اَحکام الجنائز میں لکھتے ہیں "وَالْمَرأَةُ فِيْ ذٰلِكَ كَالرَّجُلِ إِذْ لاَ دَلِيْلَ عَلَى التَّفْرِيْقِ" (٦٥) حاشیہ پر لکھتے ہیں" وَأَمَّا حَدِيْثُ لَيْلٰى بِنْتِ قَانِفٍ الثَّقْفِيَّةِ فِيْ تَكْفِيْنِ ابْنَتِهِ (ص) فِيْ خَمْسَةِ أَثْوَابٍ فَلاَ يَصِحُّ إِسْنَادُهُ لِأَنَّ فِيْهِ نُوْحَ بْنَ حَكِيْمٍ الثَّقَفِيَّ وَهُوَ مَجْهُوْلٌ كَمَا قَالَ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ وَّغَيْرُهُ ، وَفِيْهِ عِلَّةٌ أُخْرٰى بَيَّنَهَا الزَّيْلَعِيْ فِيْ نَصْبِ الرَّايَةِ (٢/٢٥٨) ." اھ

هٰكَذَا قَالَ الشَّيْخُ الْأَلْبَانِيْ رحمه الله تعالى فِيْ كِتَابِهِ أَحْكَامِ الْجَنَائِزِ لٰكِنْ قَالَ الْحَافِظُ رحمه الله سبحانه وتعالى فِيْ فَتْحِ الْبَارِيْ : قَوْلُهُ : وَقَالَ الْحَسَنُ : اَلْخِرْقَةُ الْخَامِسَةُ الخ هٰذَا يَدُلُّ عَلٰى أَنَّ أَوَّلَ الْكَلاَمِ أَنَّ الْمَرْأَةَ تُكْفَنُ فِيْ خَمْسَةِ أَثْوَابٍ . وَقَدْ وَصَلَهُ ابْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ نَحْوَهُ . وَرَوَى الْجَوْزَقِي مِنْ طَرِيْقِ إِبْرَاهِيْمَ بن حَبِيْبِ بْنِ الشَّهِيْدِ عَنْ هِشَامٍ عَنْ حَفْصَةَ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ : فَكَفَّنَّاهَا فِيْ خَمْسَةِ أَثْوَابٍ ، وَخَمَرْنَا هَا كَمَا يُخْمَرُ الْحَيُّ . وَهٰذِهِ الزِّيَادَةُ صَحِيْحَةُ الْإِسْنَادِ . [شیخ البانی رحمہ اللہ تعالیٰ احکام الجنائز میں فرماتے ہیں کہ عورت اس مسئلہ میں مرد کی طرح ہے کیونکہ فرق کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

حاشیہ پر لکھتے ہیں کہ لیلیٰ بنت قانف کی حدیث جس میں نبی ﷺ کی بیٹی کے کفن کے پانچ کپڑوں کا بیان ہے تو اس کی سند صحیح نہیں ہے کیونکہ اس میں نوح بن حکیم ثقفی ہے اور وہ مجہول ہے جس طرح حافظ ابن حجر اور اس کے غیر نے کہا ہے اور اس میں ایک اور کمزوری بھی ہے جس کو زیلعی رحمہ اللہ نے نصب الرایہ میں بیان کیا ہے اسی طرح شیخ البانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب احکام الجنائز میں کہا ہے لیکن حافظ رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں قوله وقال الحسن اور حسن نے کہا پانچواں کپڑا الخ یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ عورت کو پانچ کپڑوں میں کفن دیا جائے اور ابن ابی شیبہ نے اس طرح موصول بیان کیا ہے۔

اور ابراہیم بن حبیب بن شہید کے طریق سے جوزقی نے روایت کی ہے حضرت ام عطیہ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ ہم نے نبی ﷺ کی بیٹی کو پانچ کپڑوں میں کفن دیا اور سر کو ڈھانپا جس طرح زندہ کو ڈھانپا جاتا ہے اور اس

زیادہ کی سند صحیح ہے] اھـ (۱۳۳/۳) .

س: مرد ہو یا عورت کفن دینے کا طریقہ کیا ہے؟ محمد قاسم بن سرور

ج: کفن کے کپڑے نیچے بچھالیں اوپر میت رکھ کر کپڑے لپیٹ دیں میت کی دائیں جانب سے پہلے لپیٹیں۔

۱۴۲۰/۷/۲۸ھ

س: اگر پانی نہ ملے تو کیا میت کو تیمم کروایا جاسکتا ہے؟ محمد قاسم بن سرور

ج: درست ہے ایسی صورت میں تیمم کروایا جاسکتا ہے۔ ۱۴۲۰/۷/۲۸ھ

س: پچھلے دنوں میرے چچازاد کے ہاں بیٹا کی پیدائش ہوئی اور وہ پیدائش کے وقت مردہ پایا گیا یعنی جب بچہ پیدا ہوا تو اسے سانس وغیرہ نہیں آیا لہٰذا اس کی نماز جنازہ پڑھائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اسے قبرستان میں دفن کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ محمد عبداللہ جہانیاں ضلع خانیوال

ج: ترمذی اور ابوداود کی حدیث کے پیش نظر ایسے بچے کی نماز جنازہ درست ہے البتہ ایسے بچوں پر نماز جنازہ فرض نہیں جیسا کہ دیگر احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔ جب از روئے حدیث ایسے بچے کی نماز جنازہ درست ہے تو اسے قبرستان ہی میں دفن کیا جائے گا کیونکہ جس کا جنازہ پڑھا جاسکے اسے قبرستان میں ہی دفن کیا جاتا ہے۔

۱۴۱۷/۶/۲ھ

[عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ الرَّاكِبُ يَسِيْرُ خَلْفَ الْجَنَازَةِ وَالْمَاشِیْ يَمْشِیْ خَلْفَهَا وَاَمَامَهَا وَعَنْ يَمِيْنِهَا وَعَنْ يَسَارِهَا قَرِيْبًا مِّنْهَا وَالسِّقْطُ يُصَلّٰى عَلَيْهِ وَيُدْعٰى لِوَالِدَيْهِ بِالْمَغْفِرَةِ وَالرَّحْمَةِ[1]

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا - سوار جنازہ کے پیچھے چلے اور پیدل آگے اور پیچھے اور دائیں اور بائیں اس سے قریب رہ کر چلیں اور ناتمام بچے پر نماز پڑھی جائے اور اس کے ماں باپ کے لیے رحمت اور بخشش کی دعا کی جائے]

س: دو تین یا مذکر، مونث جنازہ کی ضمیریں بدلنی سنت سے ثابت ہیں؟ محمد صفدر عثمانی گوجرانوالہ

ج: بعض احادیث میں دعائے جنازہ میں ضمائر مذکر ہیں اور بعض میں ضمائر مؤنث تو پتہ چلا دونوں طرح درست

---

[1] ابوداود (۳۱۸۰) ۲۰۵/۳ احمد (۱۷۷۰۹، ۱۷۷۱۶) ۳۰۲/۵، ۳۰۴

ہے۔ ۱۴۰۶/۱۱/۲۱ھ

س: جنازہ میں عورت کے لیے دعاؤں میں صیغے بدلنا چاہیے یا نہیں؟ محمد یوسف شاہ

ج: دونوں طرح درست ہے۔ ۱۴۱۸/۴/۲۸ھ

س: آپ کے شہر گوجرانوالہ کے ایک مولانا صاحب ہمارے علاقے میں آئے اور کہا کہ غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں آپ قرآن وسنت کی روشنی میں رہنمائی کریں؟ محمد امجد میرپور

ج: غائبانہ نماز جنازہ درست ہے خواہ شہید کی ہو خواہ غیر شہید کی رسول اللہ ﷺ نے نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی اور شہداء احد کی آٹھ سال بعد نماز جنازہ پڑھی [1] جو دونوں ہی غائبانہ ہیں۔ ۱۴۲۰/۱/۱۵ھ

س: نبی پاک ﷺ نے منادی کروا کر صحابہ کو اکٹھا کر کے غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی ہے یا نہیں؟ سید عبدالغفور

ج: نبی کریم ﷺ نے نجاشی کی وفات پہ فرمایا تھا تمہارا بھائی نجاشی فوت ہو گیا اس کی نماز جنازہ پڑھو پھر آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی [2] اگر منادی سے آپ کوئی مخصوص قسم کی منادی مراد رکھتے ہیں تو پھر غور طلب یہ امر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منادی کروا کر صحابہ رضی اللہ عنہم کو اکٹھے کر کے کوئی حاضرانہ نماز جنازہ بھی پڑھائی ہے یا نہیں؟ غائبانہ تو بعد کا مسئلہ ہے۔ ۱۴۱۹/۸/۱۸ھ

س: نجاشی کے غائبانہ جنازہ کے علاوہ اور مسلمانوں (صحابہ) کے غائبانہ جنازہ کے حوالہ جات تحریر کریں؟

محمد اشرف بھٹی 13 اکتوبر 1987

ج: نجاشی کے غائبانہ جنازہ والی حدیث کے علاوہ غائبانہ جنازہ کی احادیث پیش کرنے کی ضرورت تب ہے جب نجاشی کے جنازہ والی حدیث ثابت نہ ہو یا اس سے غائبانہ نماز جنازہ ثابت نہ ہوتی ہو تو جب نجاشی کے غائبانہ نماز جنازہ والی حدیث ثابت ہے بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے اور اس سے غائبانہ نماز جنازہ بھی ثابت ہو رہی ہے تو عمل کے لیے تو اتنا ہی کافی ہے اس کے علاوہ احادیث پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ هذا ما عندي والله اعلم

۱۴۰۸/۲/۲۴ھ

س: جنازہ کے بعد قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا سنت سے ثابت ہے؟ محمد صفدر عثمانی گوجرانوالہ

ج: قبرستان میں اہل قبور کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے [3] اور دفن کے بعد قبر پر ہاتھ اُٹھا

[1] [بخاری کتاب المغازی ۔ باب غزوۃ احدٍ] [2] [بخاری ۔ کتاب الجنائز ۔ باب الرجل ینعی الی اهل المیت بنفسه]
[3] [مسلم۔ کتاب الجنائز۔باب ما یقال عند دخول المقابر۔ نسائی۔ کتاب الجنائز۔باب الامر بالاستغفار للمؤمنین]

کر دعا کرنے کی حدیث صحیح أبی عوانہ میں ہے۔ ۱۴۱۶/۱۱/۲۱ھ

س: فوت شدہ عورت کے غیر محرم منہ دیکھ سکتا ہے یا عورت مرد کا؟ محمد صفدر عثانی گوجرانوالہ

ج: غیر محرم مرد یا عورت کی طرف دیکھنے سے ممانعت والی احادیث عام ہیں زندہ اور مردہ دونوں کو شامل ہیں۔

۱۴۱۶/۱۱/۲۱ھ

س: اگر بیٹا اہل حدیث ہو، باپ اور والدہ بریلوی، آیا بیٹا، باپ یا والدہ کی نماز جنازہ میں شریک ہو سکتا ہے؟ جب کہ امام بھی بریلوی ہو؟ ڈاکٹر محمد حسین 15/2/97

ج: مشرک و کافر کا جنازہ پڑھنا درست نہیں خواہ وہ زندگی میں اپنے آپ کو اہل حدیث یا دیوبندی یا بریلوی یا کچھ اور کہلواتا رہا ہو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُوْلِي قُرْبٰى﴾ [1] [نہیں ہے نبی کے لیے اور نہ ایمان والوں کے لیے یہ کہ استغفار کریں واسطے مشرکین کے اور اگرچہ وہ قریبی ہی ہوں] الآیۃ اور اللہ تعالیٰ کا بیان ہے ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا﴾ [2] [اور نہ تو نماز پڑھ ان میں سے کسی ایک پر کبھی بھی اور نہ کھڑا ہو اس کی قبر پر بے شک انہوں نے کفر کیا] الآیۃ ۔ مشرک و کافر کی امامت اور اقتداء میں نماز پڑھنا درست نہیں خواہ وہ امام اپنے آپ کو اہل حدیث یا دیوبندی یا بریلوی یا کچھ اور کہلائے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُوْنَ﴾ [3] [وہ لوگ خراب گئے ان کے عمل اور آگ میں رہیں گے وہ ہمیشہ] ۱۴۱۷/۱۰/۱۸ھ

س: کیا ایک امام ایک میت کا دو دفعہ جنازہ پڑھا سکتا ہے؟ عبدالمجید درزی سرگودھا 12/4/97

ج: پڑھا سکتا ہے شیخ البانی حفظہ اللہ نے احکام الجنائز میں رسول اللہ ﷺ سے حمزہ رضی اللہ عنہ کا جنازہ بار بار پڑھنا نقل کیا ہے۔ [4] ۱۴۱۷/۱۲/۲۳ھ

س: کیا عیدین اور نماز جنازہ میں رفع الیدین کرنا مسنون ہے حضور ﷺ نے کیا یا کوئی صحیح حدیث موجود ہو تو اس کے متعلق تحریر فرمائیں؟ محمد حسن عسکری 28/7/87

ج: تکبیرات جنازہ میں رفع الیدین کرنے کی مرفوع حدیث کتاب العلل للدارقطنی میں موجود ہے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس مرفوع حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے مگر ان کا یہ ضعف والا فیصلہ بجائے خود ضعیف ہے ابن باز کی فتح

[1] [التوبة ۱۱۳ پ ۱۱] [2] [التوبة ۸۴ پ ۱۰] [3] [التوبة ۱۷ پ ۱۰] [4] احکام الجنائز۔محمد ناصر الدين البانی ،ص: ۱۲۹ اُردو ترجمہ]

الباری پر تعلیق دیکھیں۔ تکبیرات عیدین میں رفع الیدین کی کوئی خاص مرفوع صحیح حدیث مجھے معلوم نہیں البتہ عام احادیث مرفوعہ اور موقوفات موجود ہیں [1] ۱۴۰۷/۱۱/۶ھ

س: کیا بے نماز کا اور داڑھی منڈوانے والے کا جنازہ پڑھنا چاہیے یا نہیں اگر نہیں پڑھنا چاہیے تو صرف امام کو یا تمام لوگوں کو؟ اور کیا داڑھی منڈوانا کبیرہ گناہ ہے یا صغیرہ؟ قرآن وسنت سے جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں؟

مولانا احسان اللہ ہری پور ہزارہ 18/2/97

ج: بے نماز کی نماز جنازہ درست نہیں کیونکہ وہ ایمان والوں کا دینی بھائی نہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿فَإِنْ تَابُوْا وَأَقَامُوْا الصَّلَاةَ وَاٰتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ﴾ الآیۃ [پھر اگر یہ لوگ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں] [2] داڑھی منڈوانے والے کی نماز جنازہ درست ہے بشرطیکہ وہ نمازی اور مومن ہو۔ داڑھی مونڈنا اور منڈوانا گناہ ہے کبیرہ ہونے کا مجھے علم نہیں۔ ۱۴۱۸/۱۰/۲۷ھ

س: ﴿إِنَّ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكَ الصَّلٰوةِ﴾ [3] [بے شک آدمی اور شرک وکفر کے درمیان فرق نماز کا چھوڑنا ہے] ﴿اَلْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلٰوةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ﴾ [4] [بے شک ہمارے درمیان اور ان (کافروں) کے درمیان فرق نماز کا ہے پس جس نے اس کو ترک کیا پس تحقیق اس نے کفر کیا] ان احادیث کا کیا مطلب ہے۔ یعنی آدمی ایک نماز یا کچھ نمازیں چھوڑنے سے کافر ہو گا یا نماز کا انکار کرنے والا کافر ہو گا؟ اور بے نماز کی نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے؟ ریاست علی قلعہ دیدار سنگھ 8/6/87

ج: نماز کا منکر اور تارک دونوں کافر ہیں بے نماز کا جنازہ پڑھنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔ ۱۴۰۷/۱۱/۵ھ

س: ایسے عقائد رکھنے والے شخص کی نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے؟ بالخصوص بریلوی لوگوں کے عقائد تو شرکیہ ہوتے ہیں۔ اگر عزیز واقارب ایسے ہی لوگ ہوں ان کی نماز جنازہ نہ پڑھنے سے فتنہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ جو کہ دعوت دینے میں رکاوٹ بنتا ہے۔ یا پھر اہل حدیث کا جنازہ ادا کرنے کے ساتھ ہی کسی بریلوی کا جنازہ آ جاتا ہے۔ تو وہاں سے نکلنا بھی مشکل ہوتا ہے کیا وہاں مصلحت کی بناء پر جنازہ پڑھا جا سکتا ہے؟ نیز بے نماز کی نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟ عبداللطیف

ج: کافر یا مشرک کی نماز جنازہ نہیں خواہ وہ اہل حدیث ہی بنتا ہو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ أَنْ يَسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْآ أُوْلِي قُرْبٰى﴾ [5] الآیۃ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿وَلَا

---

[1] جزء رفع الیدین للبخاری ملاحظہ فرمائیں [2] التوبۃ ۱۱ [3] مسلم [باب بیان اطلاق اسم الکفر علی من ترک الصلوۃ] [4] ترمذی [الایمان ـ باب ما جاء فی ترک الصلوۃ] [5] [التوبہ: ۱۱۳]

تُصَلِّ عَلٰى أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ إِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾[التوبۃ:۸۴]الآیۃ بے نماز کافر ہے لہٰذا اس کا کوئی جنازہ نہیں۔ ١١/٤/١٤٢٠ھ

س: صحیح بخاری کتاب الجنائز''باب من یدخل قبر المرأۃ''میں وارد حدیث میں:

(۱) البانی حفظہ اللہ تعالیٰ کا موقف ''احکام الجنائز'' میں بظاہر حدیث کے مطابق ہے کہ جس نے رات اپنے اہل سے مقاربت کی ہے وہ اس کو قبر میں نہیں اتار سکتا۔ اس کی تفصیل کیا ہے؟

(۲) اس میں حکمت کیا ہے؟

(۳) کیا حدیث اپنے ظاہر پر محمول کی جائے گی؟

(۴) بعض روایات کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دفن کے لیے آگے بڑھ رہے تھے لیکن یہ سن کر رک گئے کیا رسول اللہ ﷺ کا کوئی مخصوص اشارہ تھا؟ شفیق الرحمان فرخ مدرس جامعۃ شیخ الاسلام ابن تیمیہ لاہور پاکستان

ج: (۱) امام بخاری رحمہ اللہ الباری صحیح میں باب منعقد فرماتے ہیں''بَابٌ مَنْ يَدْخُلُ قَبْرَ الْمَرْأَةِ'' پھر انس رضی اللہ عنہ کی حدیث درج فرماتے ہیں:﴿قَالَ : شَهِدْنَا بِنْتَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ جَالِسٌ عَلَى الْقَبْرِ ، فَرَأَيْتُ عَيْنَيْهِ تَدْمَعَانِ ، فَقَالَ : هَلْ فِيْكُمْ مِنْ أَحَدٍ لَمْ يُقَارِفِ اللَّيْلَةَ ؟ فَقَالَ أَبُوْ طَلْحَةَ : أَنَا . قَالَ : فَانْزِلْ فِيْ قَبْرِهَا . فَنَزَلَ فِيْ قَبْرِهَا ، فَقَبَرَهَا . قَالَ ابْنُ مُبَارَك : قَالَ فُلَيْحٌ : أُرَاهُ يَعْنِي الذَّنْبَ . قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ : لِيَقْتَرِفُوْا أَيْ لِيَكْتَسِبُوْا﴾ [حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی ﷺ کی بیٹی کو حاضر ہوئے اور رسول اللہ ﷺ قبر پر بیٹھے ہوئے تھے پس میں نے دیکھا آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو نکل رہے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا ہے کوئی تم میں سے جس نے آج رات مقارفت نہیں کی تو ابوطلحہ نے عرض کیا میں نے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ قبر میں اتر۔ پس وہ قبر میں اترا اور آپ ﷺ کی بیٹی کو دفن کیا کہا ابن مبارک نے کہا فلیح نے میں سمجھتا ہوں آپ ﷺ گناہ مراد لے رہے تھے کہا ابوعبداللہ نے لیقترفوا کا معنی ہے تاکہ وہ کمائیں]

بعض روایات میں وارد الفاظ''لَا يَدْخُلُ الْقَبْرَ أَحَدٌ قَارَفَ أَهْلَهُ الْبَارِحَةَ'' [نہ داخل ہو قبر میں کوئی جس نے اپنے اہل سے گذشتہ رات مقارفت کی ہو] اس حدیث میں مقارفت سے بیوی یا لونڈی کے ساتھ مجامعت مراد ہونے کا قرینہ نہیں کیونکہ اس کی بنیاد ابن حبیب کا قول''اَلسِّرُّ فِي إِيْثَارِ أَبِيْ طَلْحَةَ عَلٰى عُثْمَانَ أَنَّ عُثْمَانَ كَانَ قَدْ جَامَعَ بَعْضَ جَوَارِيْهِ فِي تِلْكَ اللَّيْلَةِ فَتَلَطَّفَ ﷺ فِيْ مَنْعِهِ مِنَ النُّزُوْلِ فِيْ قَبْرِ زَوْجَتِهٖ بِغَيْرِ

تَصْرِيْحٍ'' [حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو ترجیح دینے میں راز یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی کسی لونڈی سے اس رات جماع کیا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس کی بیوی کی قبر میں اترنے سے منع کرنے میں نرمی کی بغیر تصریح کے] مگر اس رات عثمان رضی اللہ عنہ کے ایک مملوکہ لونڈی کے ساتھ مجامعت کا ثبوت؟ پھر لفظ ''اہل'' کو بیوی یا لونڈی کے ساتھ مخصوص کرنے کی دلیل؟ تو مقصد یہ ہوا کہ میت کو قبر میں وہ اتارے جس نے اپنے اہل وعیال کے سلسلہ میں اس رات کوئی تقصیر وکوتاہی نہ کی ہو۔

(۲) بظاہر حکمت یہی معلوم ہوتی ہے کہ میت کو قبر میں اتارنے سے قبل قریب زمانہ میں انسان کا ارتکاب تقصیر وکوتاہی سے مبرا ہونا نیک فال ہے باقی حکمت معلوم نہ بھی ہو تو کوئی بات نہیں اصل وبنیادی چیز حکم ہے اور وہ معلوم ہے دیکھئے وضوء کر لینے کے بعد ہوا خارج ہو تو وضوء ٹوٹ جاتا ہے اب سارے اعضائے وضوء دھوئے جائیں گے مگر جہاں سے ہوا خارج ہوئی اس کو نہیں دھویا جاتا اس میں کیا حکمت ہے؟ غور فرمائیں؟

(۳) قراف ومقارفت دونوں معنوں میں مشترک ہے جو معنی حدیث میں مراد ہے امام بخاری نے اس کی وضاحت فرما دی ہے مشترک کے تمام معانی ظاہر ہی ہوتے ہیں صرف اس کے معانی متعددہ حقیقیہ سے کسی ایک معنی کی تعیین کے لیے قرینہ کی ضرورت ہوتی ہے قراف ومقارفت جماع کے معانی میں اس وقت آتے ہیں جب ان کا مفعول بہ مرأۃ یا امرأۃ یا اس سے ملتا جلتا کوئی لفظ ہو۔

(۴) یہ چیز بعض روایات میں آئی اس روایت کو بخاری نے التاریخ الأوسط میں اور حاکم نے مستدرک میں ذکر کیا ہے جو بعض اوہام پر مشتمل ہے جس سے اس کی استنادی حیثیت واضح ہو رہی ہے پھر دیکھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود اس موقع پر موجود تھے مگر خود قبر میں نہیں اترے نہ ہی اپنی بیٹی کو قبر میں اتارا آیا یہ بھی تھا کوئی مخصوص اشارہ؟ ۱۴۲۰/۶/۱۷ھ

س: فوتگی کے موقع پر کھانا کھلانے اور کھانے کا شرعی طریقہ کیا ہے؟ عبداللطیف تبسم

ج: میت والوں کو کھانا کھلانے کا حکم ہے [رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خاندان جعفر کے لیے کھانا تیار کرو ان کے پاس ایسی خبر آئی ہے جس نے انھیں مشغول کر دیا ہے] [1] شرعی طریقہ یہ ہے کہ کھانا پکا کر یا خرید کر ان کو کھلا دے اور بس۔

۱۴۲۰/٤/۱۱ھ

س: یہاں میری ایک آدمی کے ساتھ بلکہ مولانا صاحب کے ساتھ اس بات پر گفتگو شروع ہو گئی ہے کہ کیا مردہ کو دفن کرنے کے بعد اس کے سرہانے سورہ بقرہ کی ابتدائی آیتیں پھر پاؤں کے پاس اس کی آخری آیتیں پڑھنی جائز ہیں

[1] [سنن ابی داؤد۔ کتاب الجنائز۔باب صنعة الطعام لاهل الميت۔سنن الترمذی۔ کتاب الجنائز۔باب فی الطعام يصنع لاهل الميت]

کہ نہیں؟ اس کی دلیل یہ ہے کہ مشکوٰۃ اول باب دفن المیت۔ فصل ثالث میں یہ حدیث آتی ہے کہ عبداللہ بن عمر نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ جب تم سے کوئی آدمی فوت ہو جائے تو اس کو نہ روکو اور اس کو قبر کی طرف جلدی لے جاؤ اور اس کے سر کے پاس سورہ بقرہ کی ابتداء کی آیات اور پاؤں کے پاس آخری آیات پڑھی جائیں۔ روایت کیا اس کو بیہقی نے شعب الایمان میں اور کہا درست بات ہے کہ یہ عبداللہ بن عمر پر موقوف ہے۔

تو اس کے بارہ میں علماء کرام کیا فرماتے ہیں کیا جائز ہے یا کہ نہیں یا کوئی ایسی حدیث آتی ہے جس میں آپ ﷺ نے میت پر قرآن پڑھنے سے منع فرمایا ہو براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل جواب دے کر مشکور فرمائیں۔ ساتھ ساتھ یہ بھی رہنمائی فرمائیں کہ اگر یہ پڑھنا جائز نہیں تو اس سے کس طرح بات کی جائے۔ قاضی عبدالمنان ایبٹ آباد

ج: (۱) قبر پر قرآن مجید پڑھنا کتاب وسنت سے ثابت نہیں جو روایات اس سلسلہ میں پیش کی جاتی ہیں ان سے کوئی ایک بھی پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی آپ نے مشکوٰۃ شریف سے جو روایت نقل فرمائی ہے اس کے متعلق محدث وقت شیخ البانی حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

''وَرَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْكَبِيْرِ (۳/۲۰۸/۲) وَالْخَلَّالُ فِي كِتَابِ الْقِرَاءَةِ عِنْدَ الْقُبُوْرِ (ق ۲/۲۵) بِإِسْنَادٍ ضَعِيْفٍ جِدًّا فِيْهِ يَحْيَى بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ الضَّحَاكِ الْبَابَلْتِيْ وَهُوَ ضَعِيْفٌ عَنْ أَيُّوْبَ بْنِ نَهِيْكٍ ضَعَّفَهُ أَبُوْ حَاتِمٍ وَغَيْرُهُ وَقَالَ الْأَزْدِيُّ مَتْرُوْكٌ . وَالْمَوْقُوْفُ لاَ يَصِحُّ إِسْنَادُهُ فِيْهِ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْعَلَاءِ بْنِ اللجلاَجِ وَهُوَ مَجْهُوْلٌ'' [روایت کیا اس کو طبرانی نے کبیر میں اور خلال نے کتاب القراءۃ القبور میں بہت زیادہ ضعیف سند کے ساتھ اس میں یحییٰ بن عبداللہ بن ضحاک ہے اور وہ ضعیف ہے ایوب بن نہیک سے ضعیف کہا اس کو ابوحاتم نے اور اس کے غیر نے اور کہا ازدی نے وہ متروک ہے اور موقوف کی سند صحیح نہیں اس میں عبدالرحمٰن بن علاء بن لجلاج ہے اور وہ مجہول ہے][1]

تو یہ روایت مرفوعاً بھی ضعیف ہے اور موقوفاً بھی ضعیف ہے لہٰذا اس سے کسی مسئلہ پر احتجاج واستدلال درست نہیں جبکہ موقوف اگر صحیح ہو تو بھی اس سے استدلال واحتجاج برائے امر دینی درست نہیں والتفصیل فی موضعہ۔

(۲) اس مسئلہ پر بات چیت کا طریقہ یہ ہے کہ آپ کی جن حضرات سے گفتگو ہو رہی ہے وہ اس مسئلہ میں مدعی ہیں اور دعویٰ کا اثبات بذمہ مدعی ہوتا ہے اس لیے آپ ان سے دلائل کا مطالبہ کریں جو دلیل وہ پیش فرمائیں اگر صحیح ہو اور اس

---

[1] حاشیہ مشکوۃ للالبانی [کتاب الجنائز ص ۵۳۸]

سے ان کا دعویٰ ومطلوب بھی ثابت ہو رہا ہو تو آپ اس کو قبول فرمائیں اور اپنا موقف چھوڑ دیں اور اگر ان کے پیش کردہ دلائل صحیح نہ ہوں یا ان سے ان کا دعویٰ ومطلوب ثابت نہ ہوتا ہو تو ان کی خیر خواہی کے پیش نظر احسن طریقہ سے اور نرم لہجہ میں ان کے دلائل کی کمزوری یا مطلوب پر دلالت نہ کرنے کو ان پر واضح فرما دیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ﴿اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ﴾ (الحديث) [دین خیر خواہی کا نام ہے] [1] نیز جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی (کئی چیزوں پر بیعت کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں) ''وَالنُّصْحَ لِكُلِّ مُسْلِمٍ'' [اور ہر مسلمان کی خیر خواہی] اس لیے آپ اپنی اور دوسروں کی خیر خواہی کا دامن ہرگز نہ چھوڑیں اور بات کرتے وقت مخاطب کے ادب واحترام کو ضرور بالضرور ملحوظ رکھیں۔

س: جنازہ کے بعد قبر پر دفنانے کے بعد دعا سے پہلے سورہ بقرہ کا پہلا رکوع اور آخری رکوع پڑھنا چاہیے یا نہیں؟

محمد یوسف شاہ

ج: یہ ثابت نہیں ہے۔ ۱۴۱۸/۴/۲۸ھ

س: محترم جناب حافظ عبدالمنان صاحب کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلہ کے بارے میں کہ قبرستان میں قرآن پڑھنا کیسا ہے؟ آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں؟ حجاج اللہ صدانی

ج: قبرستان میں قرآن مجید کی تلاوت رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں رہی یہ بات کہ قبرستان میں قرآن مجید کی تلاوت کرنا قرآن وسنت میں کہیں ممنوع نہیں تو معلوم ہونا چاہیے کہ اس سے قبرستان میں قرآن مجید کی تلاوت کا جواز نہیں نکلتا دیکھیے قبرستان میں اذان کہنا کتاب وسنت میں کہیں ممنوع نہیں مگر اہل علم سے کوئی بھی قبرستان میں اذان کے جواز کا قائل نہیں بالکل اسی طرح بے شک قرآن مجید کی تلاوت در قبرستان کی ممانعت نہیں آئی تو اس نہ آنے سے جواز نہیں نکلتا کیونکہ اس کا ثبوت قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کی سنت حدیث میں نہیں ملتا۔ واللہ اعلم

۱۴۱۸/۱۰/۲۹ھ

س: فوت شدہ بندہ کے لیے جو قرآن خوانی کی جاتی ہے اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے جیسا کہ آج کے دور میں ختم قرآن میت کے لیے لوگ کرتے ہیں یا یہ کہ ایک بندہ قرآن سے ایک رکوع یا ایک پارہ پڑھ کر میت کو ثواب پہنچانے کی دعا کر سکتا ہے قرآن اور حدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں؟ ملک محمد یعقوب ہری پور 89/10/22

ج: فوت شدگان کے لیے قرآن خوانی، اس قرآن خوانی کے ثواب کا فوت شدگان کو پہنچنا اور قرآن یا اس کا کچھ

[1] [مسلم ـ كتاب الايمان ، باب بيان ان الدين النصحية]

حصہ پڑھ کر میت کو ثواب پہنچانے کی دعا کرنا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔ ۱۴۱۰/۳/۲۷ھ

س: کیا قرآن شریف پڑھ کر کسی مسلمان بھائی کو بخشا جا سکتا ہے کیا اولاد اپنے والدین کو پڑھ کر بخش سکتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ نیک اولاد والدین کا صدقہ جاریہ ہوتا ہے انسان اس نیت سے پڑھے کہ جو میں پڑھ رہا ہوں اس کا ثواب فلاں مرنے والے میرے بھائی یا بہن کو پہنچے کیا ایسا کرنا درست ہے باحوالہ جواب دیں؟ محمد داود گوجرہ

ج: قرآن مجید پڑھ کر اس کا ثواب کسی زندہ یا فوت شدہ کو پہنچانا اور بھیجنا قرآن مجید کی کسی آیت اور رسول اللہ ﷺ کی کسی صحیح یا حسن حدیث میں وارد نہیں ہوا۔ نیک اولاد کے والدین کے لیے دعا کرنے والی حدیث سے یہ مسئلہ نہیں نکلتا۔ ۱۴۱۰/۱/۱۵ھ

س: جو آدمی فوت ہو جاتا ہے اس کو ثواب پہنچانے کے لیے قرآن خوانی کرنا جائز ہے کہ نہیں؟ محمد عثمان غنی لاہور

ج: کتاب و سنت میں اس کا ثبوت نہیں۔ ۱۴۱۷/۱/۴ھ

س: کوئی شخص اگر وفات پا جائے خواہ وہ خاندان میں سے ہو یا عزیز واقربا میں اس کو ثواب پہنچانے کے لیے یا اس کے عذاب میں کمی کے واسطے کیا حکم ہے؟ انسان کیا عمل کرے کہ فوت شدہ شخص کے عذاب میں کمی ہو اگر اس کو عذاب دیا جا رہا ہو دوسری صورت میں اللہ اس کے درجات بلند کر دیں۔ عتیق الرحمان ظفر وال 28/11/98

ج: صحیح بخاری میں ہے سعد رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا اگر میں اپنی والدہ۔ جو کہ فوت ہو چکی تھیں۔ کی طرف سے صدقہ کروں تو اس کو یہ صدقہ نفع دے گا؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں''[1] اس سے ثابت ہوا زندہ اگر میت کی طرف سے صدقہ کرے تو میت کو اس کا نفع پہنچے گا۔ ۱۴۱۹/۸/۲۰ھ

س: میت کی طرف سے کوئی چیز پکا کر خیرات کرنا۔ میت کی طرف سے قربانی کرنا یا والدین کی طرف سے اولاد کا قربانی کرنا کیسا ہے؟ مختار احمد فاروقی ضلع ایبٹ آباد

ج: میت کی طرف سے صدقہ درست ہے وہ چیز پکا کر کیا جائے یا کچی چیز کا البتہ رائج الوقت قل، تیجا، ساتواں، دسواں، چالیسواں، اور دیگر ختم کتاب و سنت میں کہیں وارد نہیں ہوئے۔

میت کی طرف سے قربانی کسی صحیح صریح نص میں نہیں آئی البتہ زندہ کی طرف سے قربانی کرنا حدیث سے ثابت ہے۔

۱۴۱۰/۲/۱۴ھ

س: میت کی طرف سے کوئی صدقہ وغیرہ کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی صدقہ کرتا ہے اور یہ کہے کہ اس کا

---

[1] [بخاری ۔ کتاب الوصایا ۔ باب اذا قال ۔ أرضی أو بستانی صدقة للّٰہ عن أمی]

ثواب میرے والدین یا کسی رشتہ دار کو پہنچے کسی کی وفات کے بعد کوئی اولاد اپنے والدین کو ثواب پہنچانے کے لیے مسجد بنائے اور کہے کہ اس کا ثواب میرے والدین کو پہنچے۔ محمد یعقوب 12/2/95

ج: درست ہے صحیح بخاری میں ہے سعد رضی اللہ عنہ نے کہا میری والدہ فوت ہوگئی ہے اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو اس کو فائدہ پہنچے گا؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں اس کی طرف سے صدقہ کر اس کو فائدہ پہنچے گا۔ [1]

٥/٨/١٤١٦ھ

س: میت کی طرف سے رشتہ دار یا غیر رشتہ دار صدقہ خیرات کریں مثلاً کوئی دن متعین کر کے کھانا کھلانا، قرآن خوانی کے ذریعہ ثواب پہنچانا وغیرہ کیا یہ جائز ہے یا ناجائز اگر کوئی انسان مذکورہ قسم کا کھانا کھالے تو اس پر کیا حکم ہے؟

محمد اکرم عربی ٹیچر ضلع اوکاڑہ 8/4/86

ج: میت کی طرف سے صدقہ کرنا درست ہے اس کا ثواب بھی میت کو پہنچتا ہے جیسا صحیح بخاری [2] اور صحیح مسلم کی حضرت سعد والی حدیث سے واضح ہے البتہ اس صدقہ کے دن اور وقت کا تعین کسی حدیث یا آیت سے ثابت نہیں اسی طرح اس صدقہ پر رشتہ داروں اور دوسرے لوگوں کو جمع کرنا یا ان کا جمع ہونا بھی کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں میت کی طرف سے قرآن خوانی بھی ثابت نہیں اس لیے ایسے اجتماعات میں شمولیت جائز نہیں کیونکہ اس طرح غیر ثابت امور کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے جبکہ ایسے امور کی حوصلہ شکنی کرنی چاہیے۔ ٦/٨/١٤٠٦ھ

س: کیا موجودہ طریقہ جو مروج ہے تین دن تک پٹی یا صفیں بچھا کے بیٹھنے کا یہ طریقہ درست ہے اور کیا وہاں جا کر دعا کی جاسکتی ہے؟ عبداللطیف تبسم

ج: یہ احداد وسوگ عورتوں کے لیے ہے عام رشتہ داروں پر تین دن اور شوہر پر چار ماہ دس دن یا عدت تک۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿مَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ إِلَّا عَلٰى زَوْجٍ فَإِنَّهَا تُحِدُّ عَلَيْهِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾ [نہیں جائز کسی عورت کے لیے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہے کہ وہ سوگ کرے کسی میت پر تین دن سے زیادہ مگر خاوند پر پس بے شک وہ خاوند پر چار ماہ دس دن سوگ کرے] [3] موجودہ طریقہ مروجہ تین دن تک پٹی یا صفیں بچھا کے بیٹھنا کسی آیت یا حدیث میں وارد نہیں ہوا پھر وہاں رائج دعا کا بھی کہیں ذکر نہیں ملتا تعزیت میں میت والوں کو صبر کی تلقین کرے ان کی ڈھارس بندھائے اور

---

[1] [بخاری ۔ کتاب الوصایا ۔ باب الاشهاد فی الوقف والصدقة] [2] [بخاری ۔ کتاب الوصایا ۔ باب اذا وقف أرضا ولم یبین الحدود فهو جائز] [3] کتاب الجنائز صحیح بخاری [باب إحداد المرأة علی غیر زوجها]

انہیں تسلی دلائے۔ ۱۱/۴/۱۴۲۰ھ

س: کسی کے مرنے کے بعد بھورے پر بیٹھ کر اجتماعی صورت میں یا انفرادی صورت میں یا کسی اور تعزیتی محفل میں ہاتھ اٹھا کر اس کے لیے مغفرت کی دعا کرنا شرعی اعتبار سے کیا حکم ہے جبکہ مومن کے لیے مغفرت کی دعا کرنا قرآن وحدیث سے ثابت ہے؟ محمد اکرم اوکاڑہ

س: کسی کے مرنے کے بعد بھورے پر بیٹھ کر اجتماعی یا انفرادی طور پر ہاتھ اٹھا کر میت کے لیے دعا کرنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں تعزیتی محفلوں اور جلسوں کا بھی یہی حکم ہے۔ قیود صرف رواج کے پیش نظر لگائی گئی ہیں۔ ۱۱/۱۰/۱۴۰۶ھ

ج: ہمارے علاقہ میں بعض جگہ کسی شخص کی وفات پر لوگ ان امور کی پابندی کرتے ہیں۔

(۱) میت کی تدفین کے بعد مسلسل تین دن تک مغرب سے عشاء تک پابندی کے ساتھ حاضری دیتے ہیں یعنی میت والے گھر میں۔

(۲) ان تین ایام میں مقامی مسجد کے خطیب صاحب اس اجتماع سے خطاب کرتے ہیں۔

جواب طلب مسئلہ یہ ہے کہ کتاب وسنت کی روشنی میں یہ بتائیں کہ:

(i) تعزیت کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

(ii) سوگ کسے کہتے ہیں اور کیا میت کے ورثاء کے علاوہ کسی دوسرے پر سوگ منانا لازمی ہے؟

(iii) اس اجتماع کے موقع پر تقریر کرنا کسی شرعی نص سے ثابت ہے؟

(iv) تعزیت کے لیے کسی مخصوص وقت کی پابندی لازمی ہے یا جب بھی کسی کو فراغت ملے تب تعزیت کرے؟ بینوا

فجزاکم اللہ خیرا الجزاء لہ الحمد فی الاولی والآخرۃ!

المستفتون: حافظ عبدالقیوم انصاری، حاجی لعل خان صاحب، سردار عزیز الرحمان صاحب، حاجی محمد سلیمان صاحب، سردار یعقوب خان صاحب

س: (۱) تعزیت کا مسنون طریقہ یہی ہے کہ کتاب وسنت کی روشنی میں اہل میت کو تسلی دی جائے، صبر کی تلقین کی جائے اور مصیبت پر صبر جمیل کے اجر کا تذکرہ کیا جائے۔ بہتر ہے تعزیت کے لیے ان ہی الفاظ کا انتخاب کیا جائے جو رسول اللہ ﷺ تعزیت کے موقع پر استعمال فرمایا کرتے تھے [1] موقع کی مناسبت سے کچھ اور الفاظ بھی استعمال کیے جا

[1] [إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطَى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ] [صحیح بخاری۔ کتاب الجنائز۔ باب قول النبی ﷺ یعذب المیت ببعض بکاء اهله علیه۔ صحیح مسلم۔ کتاب الجنائز۔ باب البکاء علی المیت، سنن النسائی۔ کتاب الجنائز۔ باب الامر بالاحتساب والصبر عند نزول المصیبة]

سکتے ہیں بشرطیکہ کتاب وسنت کے مخالف نہ ہوں۔

(۲) سوگ ترک زینت کا نام ہے۔ اچھے کپڑے نہ پہننا زیور نہ پہننا اور پہنا ہوا اتار دینا خوشبو وغیرہ نہ لگانا گھر سے باہر نہ نکلنا وغیرہ سوگ ہے یہ عورتوں کے لیے ہے چنانچہ حدیث ہے: ﴿لاَ یَحِلُّ لاِمْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلٰى مَیِّتٍ فَوْقَ ثَلاَثٍ إِلَّا عَلٰى زَوْجٍ فَإِنَّهَا تُحِدُّ عَلَیْهِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾ [1] [کسی عورت کے لیے جائز نہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہے کہ وہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے علاوہ خاوند کے پس بے شک وہ خاوند پر چار ماہ دس دن تک سوگ کرے]

(۳) شیخ البانی حفظہ اللہ تعالیٰ اپنی شہرہ آفاق کتاب'' أحکام الجنائز وبدعھا'' کے صفحہ ۱۶۷ پر لکھتے ہیں ۱۱۴
''وَیَنْبَغِي اجْتِنَابُ أَمْرَیْنِ وَإِنْ تَتَابَعَ النَّاسُ عَلَیْهِمَا (أ) اَلْإِجْتِمَاعُ لِلتَّعْزِیَةِ فِي مَكَانٍ خَاصٍ كَالدَّارِ أَوِ الْمَقْبَرَةِ أَوِ الْمَسْجِدِ (ب) اِتِّخَاذُ أَهْلِ الْمَیِّتِ الطَّعَامَ لِضِیَافَةِ الْوَارِدِیْنَ لِلْعَزَاءِ . وَذٰلِكَ لِحَدِیْثِ جَرِیْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْبجلي ﷜ قال : كُنَّا نَعُدُّ (وفي روایة : نَرَى) الْإِجْتِمَاعَ إِلٰى أَهْلِ الْمَیِّتِ وصَنْعَةَ الطَّعَامِ بَعْدَ دَفْنِهِ مِنَ النِّیَاحَةِ'' [اور دو کاموں سے بچنا چاہیے اگرچہ لوگ وہ کام کر رہے ہیں (ا) کسی خاص مقام میں تعزیت کے لیے جمع ہونا مثلاً گھر میں یا قبرستان میں یا مسجد میں (ب) اہل میت کا مہمانوں کی ضیافت کے لیے کھانا تیار کرنا جو تعزیت کے لیے آئے ہیں اور یہ اس لیے کہ حضرت جریر بن عبداللہ ﷜ سے روایت ہے کہ ہم شمار کرتے تھے اور ایک روایت میں ہے ہم سمجھتے تھے میت کے گھر جمع ہونا اور اس کے دفن کے بعد کھانا تیار کرنا نوحہ ہے] [2]

تو جب اجتماع ہی ثابت نہیں تو میت والوں کے گھر اجتماع میں تقریر کرنا شرعی نص سے کیونکر ثابت ہوگا؟

(۴) تعزیت کے لیے وقت کی تخصیص وتحدید کہیں نہیں آئی تین دن غیر شوہر کے لیے اور چار ماہ دس دن شوہر کی خاطر عورت کے سوگ کے لیے ہیں نہ کہ تعزیت کے لیے اور نہ ہی مردوں کے سوگ وتعزیت کے لیے۔ واللہ اعلم

۱۴۱۵/۱/۵ھ

س: قبر کی زیارت کے لیے مردوں اور عورتوں کے لیے کیا حکم ہے۔ کئی مولوی حضرات کہتے ہیں کہ پہلے نبی کریم ﷺ

[1] [بخاری ۔ کتاب الجنائز ۔ باب احداد المرأة علی غیر زوجها] [2] (اخرجه احمد (رقم ٦٩٠٥) وابن ماجه (١/ ٤٩٠) والروایة الاخری له وأسناده صحیح علی شرط الشیخین وصحح النووی (٥/ ٣٢٠) والبوصیری فی الزوائد) .

نے منع فرمایا تھا اور بعد میں رخصت دے دی۔ اور اس کی ہم نے تحقیق کی تو دونوں طرح کی احادیث موجود تھیں۔ مشکوٰۃ شریف میں اور ایک سنن ابوداود کی حدیث پڑھی جس پر لکھا ہوا تھا کہ (لعنت ہو ان عورتوں پر جو قبروں کی زیارت کرتی ہیں اور چراغاں کرنے والے پر اور مجاور بننے والے پر) تو اس سے ذہن الجھ گیا اب آپ مہربانی کر کے ذرا وضاحت سے تحریر سمجھا دیں۔ نوازش ہوگی۔ محمد اشرف بھٹی 13 اکتوبر 1987

ج: یہ بات درست ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے پہل زیارت قبور سے منع فرما دیا تھا بعد میں آپ ﷺ نے اجازت دے دی [1] اور اس اجازت میں مرد و عورت دونوں شامل ہیں مگر شرط یہ ہے کہ محض زیارت قبور کی خاطر شد رحال نہ ہو اور عورت بکثرت زیارت نہ کرے کیونکہ حدیث میں ہے: ﴿لاَ تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلاَّ إِلٰی ثَلاَثَةِ مَسَاجِدَ﴾ [2] الخ [نہ سامان سفر باندھا جائے مگر تین مسجدوں کی طرف] اور ترمذی شریف میں ہے ﴿لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرَ﴾ [3] [رسول اللہ ﷺ نے ایسی عورتوں پر لعنت کی جو بکثرت زیارت قبور کریں] مزید تفصیل کے لیے شیخ البانی حفظہ اللہ کی کتاب احکام الجنائز کا مطالعہ فرمائیں۔ خصوصاً صفحہ ۱۷۸ تا ۱۸۷۔ ۲/۲/۱۴۰۸ھ

س: جناب حافظ صاحب آپ نے جو حدیث زیارت قبور کے لیے نقل کی ہے۔ وہ سر آنکھوں پر آپ نے بتایا ہے کہ مرد اور عورت دونوں شامل ہیں یہ بھی پڑھ لیا اور میں نے ایک کتاب (الوسیلہ) امام ابن تیمیہ کی پڑھی جس میں ہمارے پیغمبر کی ایک حدیث آنکھوں کے سامنے سے گذری جس میں لکھا ہوا تھا۔ کہ تین مقامات کی زیارت کے لیے سفر کرنے کی نیت کی جاتی ہے۔ جس میں بیت المقدس بیت اللہ۔ مسجد نبوی کا ذکر تھا۔ اور اس کے علاوہ کسی چیز کی زیارت کے لیے سفر کیسے کیا جائے۔ اگر کسی قبر کی زیارت کے لیے جائیں گے تو سفر تو ہو جائے گا۔ اور نیت بھی ہو جائے گی۔ یہ ذرا سمجھا دیں۔ مہربانی ہوگی؟ محمد اشرف بھٹی ۱۸/۳/۱۴۰۸ھ

ج: حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب ''الوسیلہ'' میں جو حدیث آپ نے پڑھی وہ اس بندہ نے بھی اپنے مکتوب میں لکھی تھی آپ اس میں دیکھ لیں ''اس اجازت میں مرد و عورت دونوں شامل ہیں مگر شرط یہ ہے کہ محض زیارت قبور کی خاطر شد رحال نہ ہو اور عورت بکثرت زیارت نہ کرے کیونکہ حدیث میں ہے: ﴿لاَ تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلاَّ إِلٰی ثَلاَثَةِ مَسَاجِدَ﴾ الخ شد رحال سے مراد سفر ہے تو میری تحریر کا مطلب یہی ہے ''مگر شرط یہ ہے کہ محض زیارت قبور کی خاطر سفر نہ ہو'' الخ ۲۴/۳/۱۴۰۸ھ

---

[1] [ترمذی ۔ الجلد اول ۔ ابواب الجنائز ۔ باب ما جاء فی الرخصة فی زیارة القبور] [2] [بخاری ۔ کتاب فضل الصلاة فی مسجد مکة ، المدینة باب فضل الصلاة فی مسجد مکة والمدینة] [3] تحفه ۳/۱۵۶

س: قبر پر جا کر مغفرت کے لیے دعا کرنا یا گھر، مسجد میں دعا کرنا بہتر ہے یعنی کس جگہ دعا کرنے سے زیادہ قبول ہوتی ہے؟ سیف اللہ خالد

ج: میت اہل قبر کے لیے جہاں بھی استغفار کرے بہتر ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾ [1] الآیۃ [میں قبول کرتا ہوں دعا مانگنے والے کی دعا کو جب مجھ سے دعا مانگے] البتہ میت اہل قبر کے لیے استغفار میں دیکھ لینا ضروری ہے کہ وہ کافر یا مشرک نہ ہو کیونکہ کفار ومشرکین کے لیے استغفار ممنوع ہے ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ﴾ [2] الآیۃ [لائق نہیں نبی کو اور مسلمانوں کو کہ بخشش چاہیں مشرکوں کی] پھر اس سلسلہ میں رخت سفر نہ باندھا جائے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿لاَ تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلاَّ إِلٰى ثَلاثَةِ مَسَاجِدَ﴾ [3] الحدیث [نہ رخت سفر باندھا جائے مگر تین مساجد کی طرف] پھر اس دعا واستغفار کو کسی خاص وقت وہیئت کے ساتھ مخصوص نہ کیا جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ﴾ [4] [جس نے کوئی ایسا کام کیا جو ہمارے امر (شریعت) میں موجود نہیں وہ مردود ہے] ۱۴۱۸/۷/۵ھ

س: عورتوں کے قبرستان جانے کے بارے میں کیا مسئلہ ہے؟ قاسم بن محمد سرور

ج: رخت سفر کر کے جانا تو منع ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ﴿لاَ تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلاَّ إِلٰى ثَلاثَةِ مَسَاجِدَ﴾ [نہ رخت سفر باندھا جائے مگر تین مساجد کی طرف] (الحدیث) یہ حکم مرد وعورت دونوں کے لیے ہے البتہ رخت سفر باندھے بغیر قبرستان جانا عورتوں کے لیے اگر بکثرت ہو تو باعث لعنت ہے۔ حدیث میں ہے: ﴿لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ﴾ [5] [رسول اللہ ﷺ نے کثرت سے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے] جن روایات میں زائرات کا لفظ وارد ہوا ہے وہ زوّارات پر محمول ہے ''كَمَا قُرِّرَ فِيْ مَوْضِعِهِ أَنَّ الْعَامَ يُبْنٰى عَلَى الْخَاصِ ، وَأَنَّ الْمُطْلَقَ يُحْمَلُ عَلَى الْمُقَيَّدِ إِلاَّ بِثَبَتٍ ، وَلاَ ثَبَتَ هٰهُنَا'' ۱۴۲۰/۷/۲۸ھ

---

[1] [البقرة ۱۸۶ پ۲] [2] [التوبة ۱۱۳ پ۱۱] [3] [كتاب الحج ـ مسلم شريف ـ باب فضل المساجد الثلاثة]
[4] صحيح مسلم [بخارى ـ المجلد الاول ـ كتاب البيوع ص۲۸۷] [5] [جامع الترمذى ـ ابواب الجنائز ـ باب ما جاء فى كراهية زيارة القبور النسآء]

کتاب الزکاۃ............زکوٰۃ کے مسائل

س: ایک آدمی کی ۲۶۰ من گندم ہوتی ہے اس نے آڑھت وغیرہ سے کھاد بیج بل وغیرہ لے کر ادا کیے ہیں تقریباً ۲۰۰ من گندم سے اس کا قرضہ اتارا ہے کیا اس کو ۲۶۰ من گندم پر عشر ادا کرنا پڑے گا یا صرف ۶۰ من پر؟ عبدالرحمٰن ضیاء

ج: صورت مسئولہ میں ۲۶۰ من گندم پر زکوٰۃ عشر ہے صرف ۶۰ من پر نہیں کیونکہ شریعت نے صرف پانی کے خرچ کا اعتبار کیا ہے اسی لیے بارانی میں عشر اور چاہی میں نصف العشر رکھا ہے پانی کے علاوہ شریعت میں کسی خرچ کا زکوٰۃ میں کوئی اعتبار نہیں۔ [﴿عَنْ عَبْدِ اللهِ ﷺ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ : فِیْمَا سَقَتِ السَّمَآءُ وَالْعُیُوْنُ اَوْ کَانَ عَثَرِیًّا اَلْعُشْرُ وَمَا سُقِیَ بِالنَّضْحِ : نِصْفُ الْعُشْرِ﴾ [1] (حضرت عبداللہ ﷺ سے وہ نبی ﷺ سے بے شک آپ نے فرمایا: بارش چشمے اور نیچے سے پانی لینے والے اجناس میں دسواں حصہ ہے اور اگر انہیں پانی کھینچ کر پلایا جائے تو بیسواں حصہ ہے)] [﴿لَیْسَ فِیْمَا اَقَلَّ مِنْ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ صَدَقَةٌ﴾ [2] (ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع 2100 گرام کا۔ لہٰذا پانچ وسق 630 کلو یعنی 15 من 30 کلو کے ہوئے)] ۱۴۱۹/۳/۲۴ھ

س: (۱) ایک آدمی کے پاس دو مکان ہیں ایک میں خود رہتا ہے۔ دوسرے مکان کو کرایہ پر دے رکھا ہے۔ مکان کی مالیت ایک لاکھ ہے آدمی کے پاس نقد کوئی روپیہ نہیں ہے اس پر زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟

(۲) ایک ملازم سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہوا بوقت ریٹائرمنٹ اس کو پچاس ہزار روپیہ ملا۔ اس رقم سے اس نے دوکان ڈالی۔ دوکان سے اس کی سالانہ آمدنی اتنی ہوتی ہے جس سے اس کا گھریلو خرچ بمشکل پورا ہوتا ہے کیا اس پر زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟

ج: (۱) مکان پر زکاۃ نہیں ہاں اگر مکان کرایہ پر دیا ہوا ہے تو اگر کرایہ اور دیگر نقدی ملا کر نصاب کو پہنچ جائے تو پھر زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے اگر کرایہ وغیرہ نقدی نصاب سے کم ہے تو ثواب کی خاطر اس سے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے فرض و ضروری نہیں۔

(۲) سرکاری ملازم کو بوقت ریٹائرمنٹ جتنا مال ملا اگر اس میں سود شامل ہے تو جتنا سود اس میں شامل ہے وہ تو حرام

---

[1] [بخاری باب العشر فیما یسقی من ماء السماء والماء الجاری کتاب الزکاۃ] [2] [بخاری ۔ کتاب الزکاۃ باب لیس فیما دون خمسة أوسق صدقة]

ہے کیونکہ قرآن مجید میں ﴿وَحَرَّمَ الرِّبٰو﴾ باقی مال اس کا ہے جواس کی ملازمت کا معاوضہ ہے اور یہ معاوضہ بھی اس صورت میں حلال ہوگا جس صورت میں اس کی ملازمت شرعاً جائز ہو اور اگر وہ ملازمت ہی شرعاً ناجائز ہے مثلاً سودی کاروبار میں منشی، منیجر یا کلرک وغیرہ بنا تو پھر وہ معاوضہ بھی حلال نہیں۔ کسی شخص کی آمدنی اگر نصاب کو پہنچ جائے تو اس پر زکاۃ فرض ہو جاتی ہے خواہ اس کا گھریلو خرچ بمشکل پورا ہو خواہ بسہولت یاد رہے نصاب ۵۲ $\frac{1}{2}$ تولہ چاندی ہے یا اس کی مالیت نقدی۔

س: کیا مکان پر زکوٰۃ ہے؟ محمد بشیر طیب کویت

ج: مکان اگر تجارتی ہے تو پھر اس کی مالیت اور کرایہ دونوں پر زکاۃ ہے اور اگر محض کرایہ کے لیے بنایا گیا ہے تجارتی نہیں تو پھر صرف کرایہ پر زکاۃ ہے مالیت پر زکاۃ نہیں۔ ۱۳/۸/۱۴۲۰ھ

س: (۱) ایک شخص نے کسی کو دس ہزار روپے قرض دیا ہوا ہے دو تین سال کے بعد واپس ملنے کی امید ہے کیا قرض دینے والے کے لیے ضروری ہے کہ سال گزرنے کے بعد دس ہزار کی زکوٰۃ دے یا قرض لینے والے پر ضروری ہے کہ وہ اس رقم کی زکوٰۃ ادا کرے۔

(۲) ایک آدمی پر بیس ہزار روپے قرض ہے اور اس کے پاس ۱۵ ہزار روپے مالیت کا سونا ہے کیا وہ سونے کی زکوٰۃ سے قرض ادا کر سکتا ہے یا کہ نہیں۔ یا پھر اس پر زکوٰۃ ضروری ہے یا نہیں۔ کیونکہ وہ مقروض ہے۔ وضاحت فرمائیں؟

حبیب الرحمان تحصیل و ضلع ایبٹ آباد 25/4/88

ج: (۱) قرض پر دی ہوئی رقم کی زکاۃ قرض دینے والے پر ہوتی ہے نہ کہ قرض لینے والے پر اور اگر قرض لینے والے پر زکاۃ ادا کرنے کی شرط عائد کر دی جائے تو یہ ناجائز ہے اور اگر مقروض اس ناجائز شرط کی پابندی کرتے ہوئے قرض پر لی ہوئی رقم کی زکاۃ ادا کرے تو یہ سود کے ضمن میں آئے گی یا پھر قرض دینے والا اس کی ادائیگی کر دے۔

(۲) صورت مسئولہ میں وہ سونے کی زکاۃ سے اپنا قرض ادا نہیں کر سکتا کیونکہ زکاۃ دینے والا زکاۃ کو اپنی ذات پر صرف نہیں کر سکتا۔ صورت مسئولہ میں مقروض پر زکاۃ ضروری ہے کیونکہ وہ نصابی مال کا مالک ہے زکاۃ ادا کرنے کے بعد باقی مال سے وہ اپنی حاجات پوری کرے قرض کی ادائیگی بھی اس کی حاجت میں شامل ہے۔

۲۳ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ

س: عرض خدمت ہے کہ سائل ٹرانسپورٹ کا کاروبار کرتا ہے۔ سائل نے جو گاڑیاں فروخت کی ہوئی ہیں ان کی

مالیت تقریباً چالیس لاکھ روپیہ کے قریب ہے اور سائل نے اس رقم میں سے دس لاکھ قرض بھی دینا ہے باقی رقم تیس لاکھ رہ جاتی ہے۔ اب مسئلہ یہ پوچھنا کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کس طرح کرنی ہوگی۔ نیز یہ رقم بذریعہ قسط واپس ہوتی ہے۔ آیا کہ سال کے اندر جو قسطیں وصول ہوں گی ان کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی یا قرض کی رقم نکال کر باقی ٹوٹل رقم پر زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی یا قرض کی رقم پر بھی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی؟ محمد ادریس عتیق

ج: صورت مسئولہ میں حق یہ ہے کہ جتنی رقم آپ کے پاس موجود ہے اور جتنی آپ نے دوسروں سے لینی ہے خواہ وہ آپ نے قرض دی تھی یا کوئی چیز فروخت کی تھی تو اس کی قیمت میں لینی ہے رقم کے علاوہ جتنا سونا اور جتنی چاندی آپ کے پاس موجود ہے سب پر زکاۃ ہے البتہ جو آپ نے کسی سے قرض لیا ہوا ہے تو اس کی زکاۃ آپ کے ذمہ نہیں وہ قرض دینے والے کے ذمہ ہے جیسا کہ آپ نے کسی کو قرض دیا ہوا ہے اس کی زکاۃ آپ کے ذمہ ہے آپ سے قرض لینے والے کے ذمہ نہیں۔

بعض لوگ تجارت میں نقد قیمت کم اور ادھار قیمت زیادہ رکھتے ہیں یہ بیع درست نہیں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ﴿مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا﴾ [جو ایک بیع میں دو سودے کرتا ہے پس اس کے لیے ان دونوں میں سے کم قیمت والا ہے یا سود ہے][1] قسطوں والی بیع میں عام طور میں یہی چیز ہوتی ہے کہ چیز کی قیمت نقد کی بہ نسبت زیادہ رکھی جاتی ہے یاد رہے یہ چیز ربا کے زمرہ میں آتی ہے جیسا کہ حدیث مذکورہ بالا سے واضح ہے۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم ۱۴۱۲/۸/۸ھ

س: میں نے مکان بنانے کے لیے ایک بینک سے قرضہ لیا جس میں سے کچھ رقم بچا کر دوسرے بینک میں جمع کروا دی ہے جس سے میں منافع لے رہا ہوں اور اس رقم کا ایک سال ہو گیا ہے لیکن میں نے زکوٰۃ نہیں نکالی کیونکہ وہ قرضہ کی رقم ہے اور قرض لی گئی جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ نہیں نکالی جاتی آیا اس رقم پر زکوٰۃ ہے یا نہیں اور جو منافع میں لے رہا ہوں وہ جائز ہے کہ نہیں؟ سردار اورنگ زیب منیجر یونائیٹڈ بینک سرائے صالح ایبٹ آباد

ج: قرضہ پر لی ہوئی رقم کی زکاۃ قرضہ دینے والے کے ذمہ ہوتی ہے البتہ آپ کا اس رقم کو ایک بینک سے لینا اور اسے سود دینا دوسرے بینک میں جمع کروا کر سود لینا بالکل ناجائز اور حرام ہے جس قدر جلدی ممکن ہو اس سے جان چھڑائیں۔ ۱۴۱۱/۸/۳ھ

---

[1] رواہ ابو داود [کتاب البیوع ۔ باب فی مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ]

س: میرے پاس ایک گاڑی ہے جو کہ بطور ٹیکسی اجرت پر بھی چلتی ہے اور ذاتی استعمال میں بھی آتی ہے۔ بتائیں کہ اس گاڑی سے جو ہمیں ماہانہ نفع ملتا ہے کتنی زکوٰۃ ادا کریں گے یا کہ کل گاڑی کی اصل زر کی زکوٰۃ بھی ادا کریں گے؟

غلام مصطفیٰ چوہان

ج: گاڑی اگر آپ نے تجارت کی خاطر لے رکھی ہے اور اس کے فروخت ہونے تک کرایہ یا ذاتی ضرورت میں استعمال کر رہے ہیں تو پھر گاڑی کی قیمت اور نفع حاصل شدہ دونوں کو جمع کر کے کل حاصل جمع پر زکوٰۃ ہے اور اگر گاڑی آپ نے ذاتی ضرورت یا کرایہ یا ذاتی ضرورت اور کرایہ دونوں کی خاطر لے رکھی ہے تو پھر گاڑی سے حاصل شدہ کرایہ پر زکوٰۃ ہے گاڑی پر نہیں ہے نہ اس کی قیمت خرید پر اور نہ اس کی موجودہ قیمت پر ہاں اگر آپ اس گاڑی کو کسی وجہ سے فروخت کر دیتے ہیں تو پھر اس مال کو اپنے دوسرے مال میں ملا کر زکوٰۃ ادا کریں۔ اختصار کے باعث تفصیلی یا اجمالی دلائل پیش کرنے سے قاصر ہوں۔ ١٤١٥/٧/١٨ھ

س: جو زیورات عورتیں گھروں میں پہنتی ہیں کیا اس پر زکوٰۃ ہے اگر ہے تو اس کی کیا دلیل ہے بعض علماء حضرات کہتے ہیں کہ ہر سال زکوٰۃ نکالنی چاہیے بعض کہتے ہیں کہ اس پر زکوٰۃ نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ایک دفعہ زکوٰۃ ادا کرنے سے فرضیت ختم ہو جاتی ہے اور وہ یہ دلیل دیتے ہیں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں سونے کے کنگن پہنا کرتی تھی میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کیا یہ کنز ہے (جس کی وجہ سے عذاب ہوگا) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم نے اس کی زکوٰۃ دے دی تو اب یہ کنز نہیں ہے۔ [1] محمد وسیم بٹ گلشن آباد نوشہرہ روڈ نزد مسجد لال خاں گوجرانوالہ

ج: زیورات سونے کے ہوں خواہ چاندی کے نصاب کو پہنچ جائیں تو ان میں زکوٰۃ فرض ہے دلیل آپ نے خود ہی تحریر فرما دی ہے باقی یہ زکوٰۃ ہر سال ہے تا آنکہ زیورات نصاب سے کم ہو جائیں تو پھر زکوٰۃ فرض نہیں رہے گی۔ یاد رہے سونے کا نصاب بیس دینار۔ [ساڑھے سات تولہ ہے] جبکہ چاندی کا نصاب دو سو درہم [ساڑھے باون تولے] واللہ اعلم ١٤١٧/١١/٢٣ھ

س: هَلْ فِي حُلِيِّ الْمَرْأَةِ الْمُعَدِّ لِلزِّيْنَةِ زَكَاةٌ؟ [کیا عورت کے زیورات میں زکوٰۃ ہے جو زینت کے لیے ہوتے ہیں] صلاح بن عایض الشلاحی الکویت

ج: نَعَمْ [ہاں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث یوں ہے: ﴿أَنَّ امْرَأَةً دَخَلَتْ

---

[1] رواہ الحاکم وسندہ صحیح المستدرك جزء اول ص ٣٩٠ فتح الباری جزء ٤ ص١٣ [ابوداود کتاب الزکاۃ۔ باب الکنز ما هو وزکوة الحلی]

عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَفِيْ يَدِ ابْنَتِهَا مَسَكَتَانِ مِنْ ذَهَبٍ. فَقَالَ أَتُعْطِيْنَ زَكٰوةَ هٰذَا قَالَتْ: لَا . قَالَ : أَيَسُرُّكِ أَنْ يُسَوِّرَكِ اللّٰهُ بِهِمَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ سِوَارَيْنِ مِنْ نَارٍ ؟ فَأَلْقَتْهُمَا ، وَقَالَتْ هُمَا لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهِ﴾ [1]
ایک عورت نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اس کی بیٹی کے ہاتھ میں سونے کے دو کڑے تھے۔ آپ نے اس سے پوچھا: ''کیا ان کی زکوۃ ادا کرتی ہو؟'' وہ کہنے لگی نہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تجھے یہ پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے عوض قیامت کے دن دو آگ کے کنگن پہنائے؟...... اس عورت نے وہ دونوں کڑے آپ کے آگے ڈال دیئے اور کہا یہ دونوں اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں] ١٤١٦/٥/١١ھ

س: میرے پاس ۱۴ تولے سونا ہے اس کی زکوۃ کتنی ہے اور میں ٹی بی کے مرض میں مبتلا ہوں میں زکوۃ نہیں دے سکتا کوئی آسان حل بتائیں؟ مولوی محمد شفیع خرادیہ نوشہرہ روڈ گوجرانوالہ

ج: ۱۴ تولے سونا کی زکوۃ $\frac{\frac{14}{1} \times \frac{12}{1}}{40} = 4\frac{1}{5}$ ماشہ ہے ادا کردیں۔ ١٤١٩/١٠/٣ھ

س: هَلْ فِيْ عُرُوْضِ التِّجَارَةِ زَكَاةٌ ؟ [کیا سامان تجارت میں زکوۃ ہے؟] صلاح بن عایض الشلاحی

ج: نَعَمْ [ہاں ﴿فَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَأْمُرُنَا أَنْ نُخْرِجَ الصَّدَقَةَ مِنَ الَّذِيْ نُعِدُّ لِلْبَيْعِ﴾ [2] رسول اللہ ﷺ ہمیں حکم دیتے تھے کہ جن اشیاء کو ہم بیچنے کے لیے تیار کریں ان میں سے زکوۃ نکالیں] ١٤١٦/٥/١١ھ

س: پنجاب زکوۃ کونسل دینی مدارس کو ہر سال ایڈ [مدد] مہیا کرتی ہے کیا یہ ایڈ لینا جائز ہے سنا ہے یہ سود ہی کی ایک قسم ہے یعنی گورنمنٹ عوام کے جمع شدہ اکاونٹ پر جو سود دیتی ہے (اور انہوں نے اسے منافع کا نام دے رکھا ہے) اسی سے زکوۃ منہا کر کے دینی مدارس کو دی جاتی ہے؟ محمد صدیق جھوک داود فیصل آباد

ج: جو کچھ آپ نے سنا ہے وہ درست ہے اس میں کوئی شک نہیں وہ واقعی سود ہے۔ ١٤١٣/٣/٢ھ

س: ایک دینی رسالہ (پیغام) کو ماہانہ نکالا جاتا ہے۔ اور اس پر زکوۃ سے رقم صرف کی جاتی ہے۔ اب ایک دوست نے بتایا جو مدینہ یونیورسٹی کے طالب علم ہیں کہ اس پمفلٹ پر زکوۃ صرف نہیں ہو سکتی۔ آپ سے سوال یہ ہے کہ کیا اس پمفلٹ پر زکوۃ سے رقم صرف ہو سکتی ہے یا نہیں؟ ابوطلحہ بہاولنگر 26/7/99

ج: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے صدقہ اور زکوۃ کے مصارف بیان فرمائے ہیں: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ

---

[1] [کتاب الزکاۃ ـ ابوداود ـ باب الکنز ما هو وزکوة الحلی] [2] [ابوداود کتاب الزکاۃ باب العروض اذا کانت للتجارۃ هل فیها زکوۃ]

السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللهِ وَاللهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ [1] [صدقات، فقراء، مساکین، اس پر کام کرنے والے، جن کے دلوں کی تالیف مطلوب ہو۔ قیدی آزاد کرانے میں، مقروض لوگوں کے لیے، اللہ کے راستے میں اور مسافروں کے لیے، یہ اللہ کی طرف سے فریضہ ہے اور وہ جاننے والا حکمت والا ہے]

رسالہ ''پیغام'' ہو خواہ کوئی اور رسالہ یا کتاب اس پر صدقہ یا زکوٰۃ کا مال صرف ہو سکتا ہے بشرطیکہ اسے طبع کروانے کے بعد قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت کریمہ میں بیان شدہ آٹھ قسم کے لوگوں میں ہی تقسیم کیا جائے اور ان آٹھ کے علاوہ کسی کو وہ رسالہ نہ دیا جائے۔

اگر کتاب یا رسالہ کو عام لوگوں میں تقسیم کرنا ہے جن میں مذکورہ بالا آٹھ بھی شامل ہیں اور ان کے علاوہ دیگر لوگ بھی شامل ہیں تو پھر اس پر صدقہ یا زکوٰۃ کا مال صرف نہ کیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ﴾ الآیۃ واللہ اعلم ١٨/٤/١٤٢٠ھ

س: ہمارے گاؤں نگری بالا میں مقامی بچوں کا ایک مدرسہ واقع ہے۔ بچوں کی تعلیم کے لیے تین اساتذہ مقرر ہیں۔ ان کی سالانہ تنخواہ مبلغ اٹھارہ ہزار روپے/١٨٠٠٠ مقامی حضرات کی زکوٰۃ اور قربانی کے چمڑوں سے پوری کی جاتی ہے۔ اس میں اگر کوئی غیر شرعی امر مانع ہے تو مطلع فرمائیں؟ جزاک اللہ! نوٹ: ان کے قیام اور طعام کا انتظام نہیں ہے۔

المستفتی: ابوالحسان عبدالمتین انصاری ١٦ رمضان المبارک ١٤١٤ھ مرکزی مسجد اہل حدیث نگری بالا ایبٹ آباد

ج: صدقہ وزکوٰۃ کے مصارف اللہ تعالیٰ نے آٹھ بیان فرمائے ہیں ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ﴾ الآیۃ آپ نے جو صورت ذکر فرمائی ہے اگر ان آٹھ مصارف میں سے کسی ایک مصرف کا مصداق ہے تو فبہا ورنہ زکوٰۃ کو اس صورت پر صرف کرنا درست نہیں۔ واللہ اعلم ٢١/٩/١٤١٥ھ

س: ایک بچی جس کے والد صاحب بے روزگار ہیں وہ خود ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کر رہی ہے۔ اس تعلیم کے حصول کے لیے اس نے ماں باپ کا ذاتی گھر بیچ کر پیسے داخلے کے لیے دیئے ہیں اور اب وہ بچی اور اس کی والدہ اور بہن بھائی اپنے نانا ابو کے گھر میں مقیم ہیں۔ وہ بچی ماشاء اللہ نیک ہے۔ دین کی سمجھ بوجھ رکھتی ہے۔ مخلوط ادارے میں پڑھتی ہے مگر چہرے کے پردے سے آراستہ ہے۔ حیا والی ہے۔ قرآن پاک کی تدریس میں حصہ لیتی ہے۔ قرآن سیکھتی ہے۔ اللہ کے دین کا کوئی کام ہو ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہے اگر ڈاکٹر بنے گی تو ان شاء اللہ ایک اچھی مومنہ ڈاکٹر بنے گی۔ ڈاکٹر تو یہودی عورتیں بھی ہوتی ہیں۔ عیسائی عورتیں بھی ہوتی ہیں مگر وہ اللہ کے دین کی شہادت دے گی۔

---

[1] [التوبة ٦٠ پ ١٠]

(ان شاء اللہ) ہم اسے زکوٰۃ دے سکتے ہیں یا نہیں؟ یاسمین کمرہ نمبر B-34 عائشہ ہال پنجاب میڈیکل کالج فیصل آباد

ج: جو حالت وکیفیت سوال میں بیان کی گئی ہے اگر نفس الأمر اور واقع میں بھی یہی حالت وکیفیت ہے تو ایسی حالت وکیفیت والوں پر زکوٰۃ وصدقہ کو صرف کرنا شرعاً درست اور جائز ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِي سَبِيْلِ اللهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللهِ وَاللهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس خاندان نیز ہر مسلمان کی ہمہ قسم کی پریشانیاں دور فرمائے۔ آمین یارب العالمین ۱۴۱۸/۱۱/۲۵ھ

س: کیا سید آل رسول کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے جب کہ وہ قریبی رشتہ دار ہو۔ سید راشد علی سکھر سندھ

ج: زکوٰۃ اور صدقات کے اصل حقدار آٹھ قسم کے مسلمان ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِي سَبِيْلِ اللهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللهِ وَاللهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ [1] [سوائے اس کے نہیں کہ خیرات واسطے فقیروں کے اور محتاجوں کے اور عمل کرنے والوں کے اوپر تحصیل اس کی کے اور جن کو کہ الفت دلائے جاتے ہیں دل ان کے اور بیچ آزاد کرنے گردنوں کے اور قرض داروں کے اور مجاہد اور مسافروں کو فرض ہے اللہ کی طرف سے اللہ جاننے والا حکمت والا ہے]

سید آل رسول اللہ ﷺ کے لیے زکوٰۃ اور صدقہ حلال نہیں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ﴿وَإِنَّهَا لاَ تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ (ﷺ) وَلاَ لآلِ مُحَمَّدٍ (ﷺ)﴾ [2] [صدقہ محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ کو جائز نہیں] سید آل رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کوئی قریبی رشتہ دار مندرجہ بالا آٹھ مصارف میں سے کسی ایک میں شامل ہو تو اس کو صدقہ اور زکوٰۃ دیئے جاسکتے ہیں بشرطیکہ وہ صدقہ وزکوٰۃ دینے والے کی بیوی اور نابالغ اولاد میں شامل نہ ہو سید آل رسول ﷺ کا صدقہ وزکوٰۃ کے علاوہ دوسرے مال سے تعاون کیا جائے۔ ۱۴۱۸/۱۰/۶ھ

س: فطرانہ عید الفطر کا چاند نظر آنے سے کتنے دن پہلے ادا کرنا چاہیے؟ عبدالعزیز اعوان نگری بالہ ہزارہ

ج: بہتر ہے آخری عشرہ میں ادا کیا جائے اگر عید کی نماز کے بعد ادا کرے گا تو فطرانہ نہیں ہوگا۔ ۱۴۱۶/۱۰/۳ھ

[عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

''فَرَضَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ زَكٰوةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِّلصِّيَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِّلْمَسَاكِيْنِ مَنْ

[1] [سورة التوبة ٦٠ پ ١٠] [2] [مسلم كتاب الزكوة باب تحريم الزكاة على رسول الله وعلى آله]

اَدَّاهَا قَبْلَ الصَّلاَةِ فَهِيَ زَكٰوةٌ مَّقْبُوْلَةٌ وَمَنْ اَدَّاهَا بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَهِيَ صَدَقَةٌ مِّنَ الصَّدَقَاتِ''[1]

نبی کریم ﷺ نے تو روزہ دار کو بیہودگی اور فحش کلامی سے پاک کرنے اور غرباء و مساکین کو خوراک مہیا کرنے کے لیے صدقہ فطر فرض کیا ہے جو شخص عید کی نماز سے قبل یہ صدقہ ادا کرے تو اس کا صدقہ مقبول ہے اور جو شخص نماز کے بعد صدقہ ادا کرے تو یہ نفلی صدقات کی طرح ایک صدقہ ہے]

س: صاع کی مقدار سوا دو سیر ہے اس کا حوالہ اور تفصیل بیان فرمائیں؟ محمد یعقوب طاہر

ج: جامع ترمذی، سنن کبریٰ للبیہقی اور نصب الرایہ وغیرہ میں لکھا ہے ''رسول اللہ ﷺ کا صاع ۵ $\frac{1}{3}$ رطل ہے (پانچ رطل اور ایک تہائی رطل) عون المعبود جلد اول ص ۳۵ پر رطل کے وزن کی تفصیلاً تشریح کے بعد لکھا ہے ''وَعَلٰى هٰذَا فَالرِّطْلُ تِسْعُوْنَ مِثْقَالاً وَّهِيَ مِائَةُ دِرْهَمٍ وَثَمَانِيَةٌ وَعِشْرُوْنَ دِرْهَمًا وَأَرْبَعَةُ أَسْبَاعِ دِرْهَمٍ'' ایک رطل ۹۰ مثقال ہے اور وہ ۱۲۸ $\frac{4}{7}$ درہم ہیں اور یہ بات ہند و پاک کے تمام اہل علم کے مابین متفق علیہ ہے کہ ایک مثقال ۴ $\frac{1}{2}$ ماشہ اور ایک درہم $\frac{21}{80}$ تولہ ہے اور ۱۲ ماشہ کا ایک تولہ اور پانچ تولہ کی ایک چھٹانک اور ۱۶ چھٹانک کا ایک سیر ہے۔

صاع کا وزن بحساب دینار و مثقال: $\frac{16}{3}\times\frac{90}{1}\times\frac{9}{2}\times\frac{1}{12}\times\frac{1}{5}\times\frac{1}{16}=\frac{9}{4}=2\frac{1}{4}$ سیر

صاع کا وزن بحساب درہم: $\frac{16}{3}\times\frac{900}{7}\times\frac{21}{80}\times\frac{1}{5}\times\frac{1}{16}=\frac{9}{4}=2\frac{1}{4}$ سیر ۱۴۱۴/۱۰/۱۱ھ

س: صدقۃ الفطر سوا دو کلو فی کس، کس حساب سے بنتا ہے؟ محمد حنیف قصوری

ج: صدقۃ الفطر کی مقدار ایک صاع فی کس ہے ترمذی شریف میں ہے ''وَصَاعُ النَّبِيِّ ﷺ خَمْسَةُ أَرْطَالٍ وَثُلُثٌ'' رسول اللہ ﷺ کا صاع ۵ $\frac{1}{3}$ رطل ہے۔ ایک رطل کا وزن بحساب دینار و مثقال نوے دینار و مثقال ہے اور بحساب درہم ۱۲۸ $\frac{4}{7}$ درہم ہے (عون المعبود ج ا ص ۳۵) ایک دینار و مثقال کا وزن ۴ $\frac{1}{2}$ ماشہ ہے دلیل یہ ہے کہ سونے کی زکوٰۃ میں نصاب ۷ $\frac{1}{2}$ تولہ ہے جو کہ ۲۰ دینار و مثقال کا وزن ہے تو ۷ $\frac{1}{2}$ تولہ کو ۲۰ دینار و مثقال پر تقسیم کرنے سے ایک دینار و مثقال کا وزن ۴ $\frac{1}{2}$ ماشہ بنتا ہے ایک درہم کا وزن $\frac{21}{80}$ تولہ ہے دلیل یہ ہے کہ چاندی کی زکوٰۃ میں نصاب ۵۲ $\frac{1}{2}$ تولہ ہے جو کہ ۲۰۰ درہم کا وزن ہے تو ۵۲ $\frac{1}{2}$ تولہ کو ۲۰۰ درہم پر تقسیم کرنے سے ایک

[1] صحیح ابو داود [کتاب الزکاۃ ۔ باب زکوۃ الفطر]

درہم کا وزن $\frac{21}{80}$ تولہ ہی بنتا ہے۔

تو صاع بحساب دینار: $\frac{16}{3}\times 90\times\frac{3}{4}\times\frac{1}{2}\times\frac{1}{5}=36$ چھٹانک $2\frac{1}{4}$ سیر ہے۔

اور صاع بحساب درہم: $\frac{16}{3}\times\frac{90}{7}\times\frac{21}{8}\times\frac{1}{5}=36$ چھٹانک $2\frac{1}{4}$ سیر ہے۔ سوا دو سیر کلو کے حساب سے دو کلو سو گرام بنتا ہے ($2\frac{1}{10}$ کلو) واللہ اعلم ١٧/١٠/١٤١٧ھ

س: جناب کو معلوم ہوگا کہ حضرت حافظ صاحب گوندلوی مرحوم درہم میں صاع کا وزن بیان کرتے وقت ایک درہم کا وزن تین ماشے ایک رتی اور خمس رتی بیان کیا کرتے تھے۔ تین ماشے $1\frac{1}{5}$ درہم کا یہ وزن حضرت حافظ صاحب مرحوم کس حوالہ سے بیان کیا کرتے تھے؟

ہمارے وقت میں حضرت حافظ صاحب نے ''باب الغسل بالصاع ونحوه'' میں ''صاع'' کے وزن پر بحث کرتے ہوئے درہم کا مذکورہ وزن غالباً بیان کیا تھا۔

آپ کو معلوم ہو یا کسی صاحب کو تو لکھیں؟ اگر حوالہ آپ کے ذہن میں نہ ہو تو پھر اپنی معلومات کی بنیاد پر درہم و دینار کا وزن تحریر کریں؟ محمد یعقوب قریشی جامعۃ العلوم الاثریہ جہلم

ج: حافظ صاحب گوندلوی رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ درہم کا وزن تین ماشہ $1\frac{1}{5}$ رتی ہونے کے سلسلہ میں جو حوالہ دیا کرتے تھے وہ مجھے معلوم نہیں ویسے آپ کو بھی معلوم ہوگا کہ تمام اہل علم متفق ہیں کہ نصاب فضہ ٢٠٠ درہم ہے جس کا وزن $52\frac{1}{2}$ تولہ ہے اور نصاب ذہب ٢٠ دینار ہے جس کا وزن $7\frac{1}{2}$ تولہ ہے تو اگر ساڑھے باون تولہ کو ٢٠٠ پر تقسیم کیا جائے تو ایک درہم کا وزن $\frac{21}{80}$ تولہ آئے گا جو تین ماشہ $1\frac{1}{5}$ رتی ہی ہے اسی طرح $7\frac{1}{2}$ تولہ کو ٢٠ پر تقسیم کیا جائے تو ایک دینار کا وزن $\frac{3}{8}$ تولہ بنتا ہے جو $4\frac{1}{2}$ ماشہ ہے تو اس اتفاقی نصاب زکوٰۃ کے بعد متذکرہ بالا تقسیم سے ایک دینار کا وزن $4\frac{1}{2}$ ماشہ اور ایک درہم کا وزن تین ماشہ $1\frac{1}{5}$ رتی ہے معلوم کرنا آسان ہے۔

صاحب قاموس لکھتے ہیں ''وَالرِّطْلُ اِثْنَتَا عَشَرَةَ أُوْقِيَةً وَالْأُوْقِيَةُ إِسْتَارٌ وَثُلُثَا إِسْتَارٍ وَالْإِسْتَارُ أَرْبَعَةُ مَثَاقِيْلَ وَنِصْفٌ وَالْمِثْقَالُ دِرْهَمٌ وَثَلاثَةُ أَسْبَاعِ دِرْهَمٍ ، وَالدِّرْهَمُ سِتَّةُ دَوَانِقَ وَالدَّانِقُ قِيْرَاطَانِ

وَالْقِيْرَاطُ طُسُوْجَانِ وَالطُّسُوْجُ حَبَّتَانِ ''[1] [اور رطل بارہ اوقیہ کا ہوتا ہے اور اوقیہ $1\frac{2}{3}$ استار کا ہے اور استار $4\frac{1}{2}$ مثقال کا ہے اور مثقال $1\frac{3}{7}$ درہم کا ہے اور درہم ٦ دانق کا ہے اور دانق ٢ قیراط ہے اور قیراط ٢ طسوج ہے اور طسوج ٢ دانہ کا ہے]

اس طرح درہم کا وزن ۴۸ دانے بنتا ہے جن کا وزن پاک و ہند کے علماء نے ۳ ماشہ $1\frac{1}{5}$ رتی بیان کیا ہے چنانچہ ایک بزرگ لکھتے ہیں ؎

درہم شرعی ازیں مسکین شنو کآں سہ ماشہ ہست یک سرخ دو جو

[شرعی درہم اس مسکین سے سنو کہ وہ تین ماشہ ایک سرخہ دو جو ہے]

ایک دوسرے بزرگ فرماتے ہیں ؎

باز دینارے کہ دارد اعتبار وزنآں از ماشہ دان نیم وچہار

[پھر وہ دینار جو قابل اعتبار ہے اس کا وزن ماشہ سے چار اور آدھا ہے]

شاید حافظ صاحب گوندلوی رحمہ اللہ کے تلامذہ سے مولانا محمد علی صاحب جانباز شیخ الحدیث جامعہ ابراہیمیہ ناصر روڈ سیالکوٹ حافظ صاحب رحمہ اللہ کا بیان کردہ حوالہ بتا سکیں۔ واللہ اعلم

---

[1] فتح الباری، مسلم کی شرح نووی اور دیگر کتب سے پتہ چلتا ہے کہ صاحب قاموس کے بیان میں " ثلاثة اسباع درهم" کی جگہ "اربعه اسباع درهم" درست ہے۔

کتاب الصوم ....روزوں کے مسائل

چاند دیکھنے کا بیان

س: (۱) چاند کو دیکھنا کتنے فاصلے تک معتبر ہے۔ جس میں شک نہ ہو کیونکہ سنا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو شک میں روزہ رکھتا ہے وہ میرا نافرمان ہے۔ اس لیے آپ وہ صورت بیان فرمائیں جس میں شک نہ ہو یقین ہو۔

(۲) ہمارے بعض مقامات ایسے ہیں جو دور دراز ہیں ریڈیو بھی نہیں ایسے ہی حالات ہیں جیسے رسول اللہ ﷺ کے زمانے مبارک میں تھے اب وہ کیا کریں؟

(۳) ریڈیو پر دی گئی اطلاع کتنے فاصلے تک قابل عمل ہے؟ عبدالواحد ولد نذیر احمد یزمان روڈ بہاول پور

ج: چاند کے متعلق صحیح اصول یہ ہے صحیحین اور دیگر کتب حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان موجود "چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ چھوڑ دو اور اگر بادل وغیرہ ہو تو گنتی پوری تیس کرو"[1] ہاں ہر ایک کے لیے بذات خود چاند دیکھنا ضروری نہیں بلکہ کسی ثقہ قابل اعتماد آدمی کی خبر پر بھی اعتماد درست ہے جیسے کہ حدیث میں موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کی شہادت پر رمضان کا روزہ رکھنے کا حکم دیا تھا[2] پہلی رات کا چاند تقریباً ۴۵ منٹ مطلع پر نظر آتا رہتا ہے طلوع وغروب شمس کا فرق ۴۵ منٹ یا اس سے زیادہ ہو تو بسا اوقات مطلع بدل جائے گا چاند کی تاریخ میں بھی فرق آجائے گا مگر پورے پاکستان میں کسی جگہ بھی چاند نظر آجائے تو وہ سارے پاکستان میں معتبر ہو گا بشرطیکہ چاند کا نظر آنا ثابت ہو جائے۔ اور باوثوق ذرائع سے خبر ہم تک پہنچ جائے۔ واللہ اعلم ۱۲/۹/۱٤۱٤ھ

س: مَاذَا تَقُوْلُوْنَ فِيْ رُؤْيَةِ الْهِلَالِ ، هَلْ يَكْفِيْ رُؤْيَةُ الْمَمْلَكَةِ الْعَرَبِيَّةِ السَّعُوْدِيَّةِ لَنَا أَمْ لِكُلِّ بَلَدٍ رُؤْيَةٌ ؟ مَاذَا تَقُوْلُوْنَ فِيْ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ هَلْ يَلْزَمُ صَوْمُهَا مَعَ اَهْلِ الْعَرَبِ أَيْ الْحُجَّاجِ الَّذِيْنَ هُمْ فِي الْحَرَمِ أَوْ تُصَامُ عَلٰى وَفْقِ رُؤْيَةِ أَهْلِ بَاكِسْتَانَ وَنَهْجِ أَهْلِ بَاكِسْتَانَ؟

[چاند دیکھنے کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں کیا سعودی عرب میں چاند دیکھنا کافی ہے ہمارے لیے بھی یا ہر ملک کے علیحدہ رؤیت ہے آپ یوم عرفہ کے روزے کے متعلق کیا فرماتے ہیں کیا وہ عرب والے حاجیوں کے ساتھ رکھا جائے گا

---

[1] [بخاری ـ كتاب الصوم ـ باب قول النبي ﷺ اذا رأيتم الهلال فصوموا وإذا رأيتموه فأفطروا] [2] [ابوداود ـ كتاب الصيام ـ باب في شهادة الواحد على رؤية هلال رمضان]

جوحرم میں ہیں یا اہل پاکستان کی رؤیت اوران کے طریقہ کے موافق رکھا جائے گا] اظہارالدین البشامی 26/3/99

ج : اَلْبِلَادُ الَّتِیْ مَطْلَعُهَا وَاحِدٌ رُؤْيَتُهَا وَاحِدَةٌ ، وَالَّتِیْ مَطْلَعُهَا لَيْسَ بِوَاحِدٍ رُؤْيَتُهَا لَيْسَتْ بِوَاحِدَةٍ، بَلْ رُؤْيَةُ كُلٍّ مِنهَا عَلٰى حِدَةٍ وَتَارِيْخُ كُلٍّ مِنْهَا غَيْرُ تَارِيْخِ الْآخرِ ، وَيَتَنَاوَلُ هٰذَا الْأَصْلُ رَمَضَانَ وَسَائِرَ شُهُوْرِ السَّنَةِ ، وَالْأَعْيَادَ ، وَصِيَامَ عَاشُوْرَاءَ ، وَصِيَامَ عَرَفَةَ ، وَالدَّلِيْلُ عَلٰى هٰذَا أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ كَانَ يَصُوْمُ الْيَوْمَ الْعَاشِرَ مِنَ الْمُحَرَّمِ بِحِسَابِ أَهْلِ الْحِجَازِ ، وَقَالَ : لَئِن بَقِيْتُ إِلٰى قَابِلٍ لَأَصُوْمَنَّ التَّاسِعَ . وَلاَ يَكُوْنُ ذٰلِكَ الْيَوْمُ عَاشِرَ الْمُحَرَّمِ بِحِسَابِ الْبَلَدِ الَّذِیْ كَان يَقْطُنُ بِهِ اِبْرَاهِيْمُ عَلَيْهِ السَّلاَمُ وَلاَ بِحِسَابِ الْبَلَدِ الَّذِیْ كَانَ يُقِيْمُ بِهِ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلاَمُ . واللہ اعلم

[وہ ملک جن کا مطلع ایک ہے ان کی رؤیت بھی ایک ہے اور جن کا مطلع ایک نہیں رؤیت بھی ایک نہیں ہے بلکہ ہر ایک کی رؤیت علیحدہ ہے اور ہر ایک کی تاریخ دوسرے کی تاریخ سے مختلف ہے یہ قانون رمضان سال کے تمام مہینے اور عیدین اور عاشوراء کے روزے اور عرفہ کے روزے کوشامل ہے اوراس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ دس (۱۰) محرم کا روزہ اہل حجاز کے حساب سے رکھتے تھے اور فرمایا اگر میں اگلے سال زندہ رہا تو ۹ محرم کا روزہ رکھوں گا [1] اور وہ دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وطن اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اقامت گاہ کے حساب سے دس (۱۰) محرم نہیں بنتا]

۱۴۲۰/۱/۲۱ھ

نفلی روزے کا بیان

س : یوم عاشورآء یعنی دس محرم کے روزے کا ثواب کیا ہے؟ عبدالسلام زاہد میر پور خاص سندھ

ج : جامع ترمذی ابواب الصوم بَابٌ فِي الْحَثِّ عَلٰى صَوْمِ يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ میں ہے رسول اللہ ﷺ نے صوم یوم عاشوراء کے متعلق فرمایا ﴿إِنِّیْ اَحْتَسِبُ عَلَى اللهِ اَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِیْ قَبْلَهُ﴾

[میں اللہ پر امید کرتا ہوں کہ وہ گذشتہ سال کے گناہ معاف فرمائے گا] صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آئندہ سال تک اگر میں باقی رہا تو ۹ تاریخ کا روزہ رکھوں گا۔ [2] اس لیے اب کوئی عاشوراء کا اکیلا روزہ رکھنا چاہتا ہے تو نو محرم کو روزہ رکھے نہ کہ دس محرم کو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تاریخ دس کو نو میں تبدیل فرما دیا ہے۔ واللہ اعلم

۱۴۱۶/۱/۲۸ھ

---

[1] [مسلم ـ كتاب الصيام ـ باب صوم يوم عاشورآء] [2] [مسلم ـ كتاب الصيام ـ باب يوم عاشورآء]

س: (۱) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فتویٰ مسلم شریف میں موجود ہے کہ عاشوراء کا روزہ ۹ تاریخ کا ہے [1] جبکہ ترمذی شریف میں انہی کا ایک فتویٰ موجود ہے کہ تم ۹۔۱۰ کا روزہ رکھو اب مسلم کے راوی بھی ابن عباس ہی ہیں اور خود ہی فرما رہے ہیں کہ ۹ اور ۱۰ کا روزہ رکھو یہ بات کہاں تک درست ہے؟

(۲) اگر ہم اسی بات سے ۱۰ کے روزے کو منسوخ کر کے ۹ میں تبدیل کریں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں آئندہ سال زندہ رہا تو ۹ کا ضرور روزہ رکھوں گا اسی طرح تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ آئندہ سال زندہ رہا تو حج تمتع کروں گا تو اس سے دوسرے حج منسوخ ہو جائیں گے۔

(۳) مسند احمد میں حدیث ہے کہ عاشورہ کے ایک دن بعد کا یا پہلے کا روزہ رکھو (اگر چہ یہ روایت ضعیف ہے) لیکن جو دو روزوں کی دلیل لیتے ہیں اس کی تائید میں یہ روایت پیش کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کا روزہ نہ رکھو یا تو پہلے رکھو یا جمعہ کے بعد والے دن رکھو اب اس میں کیا جمعہ کا روزہ رکھنا ہے یا نہیں؟ صلاح الدین غوری

ج: (۱) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا نو والا فتویٰ مرفوع حدیث کے موافق ہے بلکہ صحیح مسلم کی حدیث کے الفاظ اس بات میں نص صریح ہیں کہ انہوں نے نو والا فتویٰ حدیث مرفوع کی بنیاد پر دیا ہے جبکہ ان کے نو اور دس والے فتویٰ کی پشت پر کوئی صحیح مرفوع حدیث نہیں ہے بلکہ ان کا یہ فتویٰ نو والی حدیث نبوی ﷺ کے خلاف ہے لہٰذا ان کا نو والا فتویٰ ہی راجح ہے۔

نیز نو والا فتویٰ صحیح مسلم میں ہے اور نو اور دس والا فتویٰ مصنف عبدالرزاق میں ہے اور محدثین نے اصول حدیث میں وجوہ ترجیحات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے "صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی احادیث کو بوقت تعارض دوسری کتب کی احادیث پر ترجیح ہوگی" اس لیے ان کا نو والا فتویٰ راجح ہے۔

نیز نو والے فتویٰ کے علاوہ جتنے فتوے ہیں وہ نو والی صحیح مرفوع حدیث کے مخالف ہیں جب کسی کا فتویٰ مرفوع حدیث کے خلاف آ جائے خواہ وہ اس حدیث کے راوی ہی کا کیوں نہ ہو تو عمل مرفوع حدیث پر کیا جائے گا نہ کہ فتویٰ پر **فَإِنَّهُ لاَ حُجَّةَ لِأَحَدٍ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ** اس موضوع پر ارشاد الفحول میں بہت اچھی بحث کی گئی ہے اس کا مطالعہ فرمالیں۔

(۲) اس مقام پر دو فرق ہیں۔ **پہلا فرق**: رسول اللہ ﷺ کی معیت میں کوئی حج مفرد کر رہا ہے، کوئی تمتع اور کوئی قران ادھر ایسا نہیں ہے کہ کسی نے دس کا روزہ رکھا ہوا ہو اور کسی نے نو کا اور ایسا بھی نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے

---

[1] [صحیح مسلم۔ کتاب الصیام۔ باب صوم یوم عاشوراء]

فرما رکھا ہو دس کا روزہ رکھو خواہ نو کا روزہ رکھو۔

دوسرا فرق : احادیث میں ذکر ہے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کیا یہ تمتع (یاد رہے تمتع اس جگہ عام ہے قران کو بھی شامل ہے جیسا کہ آیت کریمہ ﴿فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ﴾ میں عام ہے) صرف اسی سال کے لیے ہے یا ہمیشہ کے لیے ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ہمیشہ کے لیے ہے تو آپ ﷺ نے قران کو بھی ہمیشہ کے لیے قرار دیا ہے اس لیے آئندہ تمتع کرنے سے وہ منسوخ نہیں جبکہ ادھر آپ ﷺ نے کہیں نہیں فرمایا صوم عاشوراء ہمیشہ دس تاریخ کو ہوگا لہٰذا آئندہ سال نو والی حدیث کو آئندہ سال تمتع والی حدیث پر قیاس کرنا درست نہیں۔

(۳) مسند احمد والی حدیث آپ خود اعتراف فرما رہے ہیں ضعیف ہے تو اس کو زیر بحث لانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے پھر جمعہ کے روزے کے متعلق صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث سے آپ ﷺ کی حدیث کے الفاظ سامنے رکھ لیں اور مسند احمد والی اس ضعیف کے الفاظ بھی سامنے رکھ لیں تو آپ کو یقین ہو جائے گا کہ جمعہ کا روزہ جمعرات یا ہفتہ کا روزہ ساتھ ملا کر رکھنا درست ہے۔ البتہ اکیلا جمعہ کا روزہ رکھنا منع ہے اور مسند احمد والی روایت ضعیفہ میں کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جو دس کے روزے کو نو یا گیارہ کے ساتھ ملانے پر دلالت کرتا ہو ہاں شارحین اپنی طرف سے لکھتے ہیں ''أی معه'' یا ''یعنی معه'' انصاف شرط ہے لہٰذا یہ قیاس بھی درست نہیں۔ ۱۴۱۹/۵/۸ھ

س : پندرہ شعبان کا روزہ رکھا جائے اگر پندرہ شعبان کو روزہ نہ رکھے تو اس کی قضاء رمضان کے بعد دے کیا یہ حدیث ٹھیک ہے؟ محمد یعقوب ہری پور

ج : پندرہ شعبان کا روزہ بہ نیت شب برات تو ثابت نہیں اس سلسلہ میں ابن ماجہ میں ایک روایت مرفوعہ ہے وہ ضعیف ہے قابل احتجاج نہیں ہاں صحیح احادیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ شعبان کے روزے رکھا کرتے تھے پھر ایام بیض تیرہ چودہ اور پندرہ تین روزے ہر ماہ رکھنے کے متعلق بھی حدیث میں ثبوت موجود ہے تو اس طرح پندرہ شعبان کا روزہ رکھنا درست ہے یہ روزہ نفل ہے اور نفل کی قضاء بھی نفل ہوتی ہے اگر قضاء دینا چاہے تو رمضان سے قبل یا بعد دونوں طرح درست ہے۔ ۱۴۱۰/۸/۱۹ھ

س : ۱۵ شعبان کو روزہ رکھنا چاہیے اگر کسی وجہ سے ۱۵ شعبان کو روزہ نہ رکھے تو رمضان کے بعد اس کے بدلے دو روزے رکھے۔ حدیث: ﴿قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لِرَجُلٍ اَمَا صُمْتَ سَرَرَ هٰذَا الشَّهْرِ [1] وفی روایة أَصُمْتَ مِنْ سَرَرِ شَعْبَانَ [2] وَفِيْ رِوَايَةٍ أَصُمْتَ مِنْ سُرَّةِ هٰذَا الشَّهْرِ فَإِذَا اَفْطَرْتَ فَصُمْ يَوْمَيْنِ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَإِذَا

[1] بخاری کتاب الصوم ۔ باب الصوم من آخر الشهر [2] مسلم کتاب الصوم ۔ باب صوم سَرَرَ شعبان

اَفْطَرْتَ مِنْ رَمَضَانَ فَصُمْ يَوْمَيْنِ مَكَانَهُ﴾ [1] [رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو کہا کیا تم نے اس ماہ کے سَرَرَ میں روزہ نہیں رکھا اور ایک روایت میں ہے کیا تو نے شعبان کے سَرَرَ میں روزہ نہیں رکھا اور ایک روایت میں ہے کیا تو نے اس ماہ کے سُرَّة میں روزہ رکھا ہے پس جب تو افطار کرے تو دو روزے رکھ اور ایک روایت میں ہے پس جب تو افطار کرے رمضان سے پس تو اس کی جگہ دو روزے رکھ] ملک محمد یعقوب ہری پور

ج : حدیث : ﴿اَمَا صُمْتَ سَرَرَ هٰذَا الشَّهْرِ﴾ الخ میں محفوظ لفظ ''سَرَرَ'' ہے یا '' سَرَارَ'' نہ کہ لفظ ''سُرَّة'' اگر لفظ ''سُرَّة'' محفوظ ہو بھی تو اس سے مراد آخر ہے نہ کہ وسط چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری میں ''سَرَرَ'' کے معانی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے ''قَالَ أَبُوْ عُبَيْدٍ وَالْجُمْهُوْرُ : اَلْمُرَادُ بِالسَّرَرِ هُنَا آخِرُ الشَّهْرِ سُمِّيَتْ بِذٰلِكَ لِاِسْتِسْرَارِ الْقَمَرِ فِيْهَا وَهِيَ لَيْلَةُ ثَمَانٍ وَعِشْرِيْنَ وَتِسْعٍ وَعِشْرِيْنَ وَثَلاثِيْنَ . وَنَقَلَ أَبُوْدَاوُدَ عَنِ الْاَوْزَاعِيْ وَسَعِيْدِ بْنِ عَبْدِالْعَزِيْزِ أَنَّ سَرَرَه أَوَّله ، وَنَقَلَ الْخَطَابِيُّ عَنِ الْاَوْزَاعِيْ كَالْجُمْهُوْرِ . وَقِيْلَ السَّرَرُ وَسَطُ الشَّهْرِ حَكَاهُ اَبُوْدَاوُدَ أَيْضًا، وَرَجَّحَهُ بَعْضُهُمْ وَوَجْهُهُ بِأَنَّ السَرَرَ جَمْعُ سُرَّةٍ وَسُرَّةُ الشَّيْءِ وَسَطُهُ وَيُؤَيِّدُهُ النَّدْبُ إِلٰى صِيَامِ الْبِيْضِ وَهِيَ وَسَطُ الشَّهْرِ وَأَنَّهُ لَمْ يَرِدْ فِي صِيَامِ آخِرِ الشَّهْرِ نَدْبٌ بَلْ وَرَدَ فِيْهِ نَهْيٌ خَاصٌّ وَهُوَ آخِرُ شَعْبَانَ لِمَنْ صَامَهُ لِأَجْلِ رَمَضَانَ وَرَجَّحَهُ النَوَوِيْ بِأَنَّ مُسْلِمًا أَفْرَدَ الرِوَايَةَ الَّتِيْ فِيْهَا سُرَّةُ هٰذَا الشَّهْرِ عَنْ بَقِيَّةِ الرِوَايَاتِ وَأَرْدَفَ بِهَا الرِوَايَاتِ الَّتِيْ فِيْهَا الْحَضُّ عَلٰى صِيَامِ الْبِيْضِ وَهِيَ وَسَطُ الشَّهْرِ كَمَا تَقَدَّمَ لٰكِنْ لَمْ أَرَهُ فِيْ جَمِيْعِ طُرُقِ الْحَدِيْثِ بِاللَّفْظِ الَّذِيْ ذَكَرَهُ وَهُوَ سُرَّةٌ بَلْ هُوَ عِنْدَ اَحْمَدَ مِنْ وَجْهَيْنِ بِلَفْظِ سَرَارٍ وَأَخْرَجَهُ مِنْ طُرُقٍ عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيْ فِيْ بَعْضِهَا سَرَرٌ وَفِيْ بَعْضِهَا سَرَارٌ ، وَهٰذَا يَدُلُّ عَلٰى أَنَّ الْمُرَادَ آخِرُ الشَّهْرِ'' الخ [کیا تم نے اس ماہ کے آخر میں روزہ نہیں رکھا الخ میں محفوظ لفظ سرر ہے یا سرار نہ کہ لفظ سرۃ۔ اگر لفظ سرۃ محفوظ ہو بھی تو اس سے مراد آخر ہے نہ کہ وسط چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری میں لفظ سرر کے معانی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابوعبید اور جمہور نے کہا ہے سرر سے یہاں ماہ کا آخر مراد ہے اور اس کے ساتھ نام رکھا گیا ہے اس میں چاند کے پوشیدہ ہونے کی وجہ سے اور وہ اٹھائیسویں اور انتیسویں اور تیسویں رات ہے اور ابوداود نے اوزاعی اور سعید بن عبدالعزیز سے نقل کیا ہے کہ سرر کا معنی اول ہے اور خطابی نے اوزاعی سے جمہور کی طرح نقل کیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سرر کا معنی درمیان ہے اس کو بھی ابوداود نے حکایت کیا اور بعض نے اس کو ترجیح دی ہے اور اس کی

---

[1] [صحیح مسلم۔ کتاب الصیام۔ باب صوم سرر شعبان]

وجہ یہ ہے کہ سرر جمع سرۃ کی ہے اور سرۃ درمیان کو کہتے ہیں اور ایام بیض کے روزوں کا مندوب ہونا اس کی تائید کرتا ہے اور وہ ماہ کا درمیان ہے اور ماہ کے آخر کے بارے کوئی ندب وارد نہیں ہوا بلکہ اس میں خاص نہی وارد ہوئی ہے اور وہ شعبان کا آخر ہے جو رمضان کی وجہ سے اس کے روزے رکھے اور امام نووی نے اس کو ترجیح دی ہے کیونکہ امام مسلم نے اس روایت کو علیحدہ بیان کیا ہے جس میں اس ماہ کے سرۃ کا لفظ ہے باقی روایات سے اور اس کے بعد وہ روایات لائے ہیں جن میں ایام بیض کے روزوں کی ترغیب ہے اور وہ ماہ کا درمیان ہے جیسا کہ گذر چکا لیکن حدیث کے تمام طرق میں میں نے اس لفظ کو نہیں دیکھا جس لفظ سے اس نے ذکر کیا ہے اور وہ سرۃ ہے بلکہ وہ احمد کے پاس دو وجہوں سے لفظ سرار کے ساتھ ہے اور اس نے کئی طرق سے سلیمان التیمی سے بیان کیا ہے بعض میں سرر ہے اور بعض میں سرار اور یہ دلالت کرتا ہے کہ اس سے مراد ماہ کا آخر ہے]

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر باب منعقد فرمایا ہے بَابُ الصَّوْمِ فِيْ آخِرِ الشَّهْرِ جس سے پتہ چلتا ہے کہ امام بخاری بھی سرر کا معنی آخر ہی کرتے ہیں نہ کہ وسط یا اول پھر بخاری کی تبویب سے واضح ہے کہ وہ شعبان کی تخصیص کے بھی قائل نہیں یاد رہے پندرھویں شعبان کے متعلق روایت ''قُوْمُوْا لَيْلَهَا وَصُوْمُوْا نَهَارَهَا'' [رات کو قیام کرو اور دن کو روزہ رکھو] کمزور ہے۔ ۱٤١٤/٨/٢٨ھ

اعتکاف کا بیان

س: عرض یہ ہے کہ کراچی میں ایک مولوی صاحب نے جو کہ مسلکاً اہل حدیث ہے ایک بڑا فتنہ کھڑا کر دیا ہے جس سے لوگ پریشان ہیں رمضان المبارک میں اعتکاف بیٹھنے سے متعلق یہ تحریر ان کی لکھی ہوئی ہے ایک عدد فوٹو کاپی آپ کو ارسال کر رہا ہوں اس کو آپ غور سے پڑھنے کے بعد مناسب جواب تحریر فرمائیں اور جواب مفصل ہوتا کہ لوگوں کے ذہنوں میں جو انتشار پھیل چکا ہے وہ درست ہو جائے اور اگر واقعی اعتکاف کا طریقہ کار وہی ہے جو انہوں نے تحریر کیا ہے تو تصفیہ کیا جائے اور اتفاق کیا جائے؟ محمد حسن عسکری بڑی مسجد دہلی کالونی گزری روڈ کراچی نمبر ٦

اعتکاف شروع کرنے کا صحیح طریقہ

اما بعد ہر قسم کی نیکی وعبادت کے لیے بنیادی طور پر دو شرطیں انتہائی ضروری ہیں اول یہ کہ عبادت خالصۃً اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا جوئی کے لیے کی جائے اور عبادت کرنے کا طریقہ عین سنت نبوی ﷺ کے مطابق ہو، گو کہ اکثر لوگ عبادت کرتے تو اللہ تعالیٰ کی رضا ہی کے لیے ہیں مگر آپ کے امر کی قطعاً فکر نہیں کرتے یا ضرورت محسوس نہیں کرتے

کہ کیا وہ عبادت رسول اللہ ﷺ کے مطابق کر رہے ہیں یا آبائی وعلاقائی رسم ورواج کے مطابق، ایسے لوگ غیر شعوری طور پر عبادت سنت نبوی ﷺ کے خلاف کر کے وہ بدعت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور بدعت کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿شَرُّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا﴾ [1] بدترین اعمال بدعات ہیں پھر فرمایا: ﴿كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ﴾ [2] ہر بدعت گمراہی ہے۔ پھر فرمایا ﴿وَكُلُّ ضَلاَلَةٍ فِي النَّارِ﴾ [3] اور ہر گمراہی جہنم میں (لے جانے والی) ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کے خلاف کی گئی عبادت، عبادت نہیں بلکہ بدعت وگمراہی ہے۔ اور جہنم میں لے جانے والی ہے ایک اور فرمان نبوی ﷺ ہے، ﴿مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ﴾ [4] ترجمہ جس نے ایسا عمل کیا کہ جس پر ہمارا امر (یعنی جس کا کرنا ہم سے ثابت) نہ ہو تو وہ عمل (قیامت کے دن) مسترد کر دیا جائے گا۔ ان تمہیدی کلمات کی روشنی میں اب آیئے مسئلہ زیر عنوان کی طرف رمضان المبارک کے آخری عشرے کا اعتکاف کرنے والے اعتکاف اس طرح شروع کرتے ہیں کہ بیس روزے کی شام قبل غروب آفتاب اعتکاف کی نیت سے مسجد میں جاتے ہیں اور جائے اعتکاف میں داخل ہوئے بغیر رات مسجد میں گزار کر دوسرے دن اکیس روزے کی صبح معتکف (جائے اعتکاف) میں داخل ہوتے ہیں اس طرح اعتکاف دو مرحلوں میں شروع کرتے ہیں۔ اعتکاف شروع کرنے کا یہ طریقہ سنت رسول اللہ ﷺ کے سراسر خلاف ہے اس لیے کہ احادیث میں فجر کے وقت اعتکاف شروع کرنا آتا ہے۔ پہلی حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں: ﴿كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَعْتَكِفُ فِيْ كُلِّ رَمَضَانَ فَاِذَا صَلَّى الْغَدَاةَ دَخَلَ مَكَانَهُ الَّذِيْ اعْتَكَفَ فِيْهِ﴾ [5] ترجمہ: رسول اللہ ﷺ ہر رمضان میں اعتکاف اس طرح کرتے تھے کہ آپ فجر کی نماز پڑھ کر اعتکاف کی جگہ میں داخل ہو جاتے۔ دوسری حدیث: ﴿كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّعْتَكِفَ صَلَّى الْفَجْرَ ثُمَّ دَخَلَ مُعْتَكَفَهٗ﴾ [6] تیسری حدیث: ﴿كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّعْتَكِفَ صَلَّى الْفَجْرَ ثُمَّ دَخَلَ فِيْ مُعْتَكَفِهٖ﴾ [7] دونوں احادیث کا ترجمہ: جناب رسول اللہ ﷺ اعتکاف کا ارادہ کرتے تو فجر کی نماز پڑھتے پھر جائے اعتکاف میں داخل ہو جاتے۔ ان تینوں احادیث سے بالصراحت ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز پڑھ کر معتکف میں داخل ہو کر اعتکاف شروع کرتے تھے۔ ان صحیح صریح احادیث کے خلاف بلا دلیل شام کے وقت اعتکاف شروع کرنا محض ایک رسم ہے جو کہ بدعت ہے اور بدعت گمراہی ہے اور گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے جیسا کہ اوپر احادیث سے ثابت ہو چکا ہے۔ ہم اپنے علم

---

[1] مسلم [الجمعة باب تخفيف الصلوة والخطبة] [2] ابوداود [3] نسائی [4] [بخاری جلد اول کتاب البیوع ص۲۸۷] [5] صحیح بخاری کتاب الاعتکاف [6] صحیح مسلم [7] ابوداود

کی حد تک دعوے کے ساتھ کہتے ہیں کہ مروجہ طریقہ کے مطابق شام کے وقت اعتکاف شروع کرنا۔اور شروع کرتے وقت جائے اعتکاف میں داخل نہ ہونا قطعاً کسی دلیل سے ثابت نہیں بلکہ یہ ایک رسم ہے جس پر بلا سوچے سمجھے عمل کیا جا رہا ہے، یہ طریقہ صریحاً بدعت ہے اور احادیث کے نزدیک بدعت گمراہی ہے اور گمراہی دوزخ میں لے جانے والی ہے۔ مذکورہ تین احادیث میں واضح طور پر موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز پڑھ کر جائے اعتکاف میں داخل ہو کر اعتکاف شروع کرتے تھے۔ لہٰذا شام کے وقت اور جائے اعتکاف میں داخل ہوئے بغیر اعتکاف شروع کرنا خلاف سنت ، بدعت اور گمراہی ہے علاوہ ازیں دوسری بدعت کی بات یہ ہے کہ اس رسم کے مطابق اعتکاف کرنے والے معتکف (جائے اعتکاف) میں اکیس روزے کی صبح کو داخل ہوتے ہیں، صحیح حدیث سے بیس روزے کی فجر کو جائے اعتکاف میں داخل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ چوتھی حدیث: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ﴿كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ﴾ [1] ترجمہ: رسول اللہ ﷺ رمضان کی آخری دس راتوں کا اعتکاف کرتے تھے، آخری دس دنوں میں اکیسویں شب شامل ہے جسے حدیث کے مطابق اعتکاف میں شامل کرنا ہے اور اعتکاف فجر سے شروع کرنا ہے جیسا کہ تین احادیث سے ثابت ہو چکا ہے لہٰذا چاروں احادیث پر عمل اس طرح ہوگا کہ بیس روزے کی فجر سے جائے اعتکاف میں داخل ہو کر اعتکاف شروع کیا جائے تاکہ بعد میں آنے والی اکیسویں شب اعتکاف میں شامل ہو سکے۔ اگر اکیس کی فجر سے اعتکاف شروع کیا جائے تو پھر اکیسویں شب جو پہلے گزر چکی ہوگی اعتکاف میں شامل نہیں ہوتی۔ ہر طرح کے مذہبی مسلکی اور تقلیدی خیالات سے خالی الذہن ہو کر غور فرمایئے کہ اکیسویں شب کو اعتکاف میں شامل کرنا ہے۔ اور اعتکاف فجر سے شروع کرنا ہے، ایسی فجر بیس روزے کی ہوگی یا اکیس روزے کی؟ لہٰذا اکیس کی صبح جائے اعتکاف میں داخل ہونا یہ تیسری بدعت ہے، یعنی پہلی بدعت شام کے وقت اعتکاف شروع کرنا، دوسری بدعت اعتکاف شروع کرتے وقت جائے اعتکاف میں داخل نہ ہونا۔ اور تیسری بدعت اکیس روزے کی فجر کو جائے اعتکاف میں داخل ہونا۔ خلاصہ یہ ہے کہ مروجہ طریقہ سارے کا سارا خلاف سنت بدعت و گمراہی ہے اور دوزخ میں لے جانے والا ہے اور سنت نبوی ﷺ کے مطابق صحیح طریقہ یہ ہے کہ بیس روزے کی فجر کی نماز پڑھ کر جائے اعتکاف میں داخل ہو کر اعتکاف شروع کیا جائے۔ آخر میں قارئین سے گزارش ہے کہ اگر آپ حق کے متلاشی ہیں اور اعتکاف شروع کرنے کا صحیح طریقہ معلوم کرنا چاہتے ہیں تو پہلے ہمارے

---

[1] صحیح بخاری ۔ کتاب الاعتکاف ۔ باب الاعتکاف فی العشر الاواخر

پیش کردہ دلائل (احادیث) کو اصل کتب احادیث میں خود ملاحظہ کر لیں۔ بعدہ مروجہ طریقہ پر عمل کرنے کرانے والے علماء کرام سے مروجہ طریقہ کے دلائل طلب کریں۔ لازم ہے کہ دلائل احادیث سے ہوں ۔

ابومحمد سلطان احمد حجازی ۱۱۔ ای/ ۳۹۷، اورنگی ٹاؤن کراچی ۱٤ رمضان المبارك ١٤١٣ھ

ج: اس بندہ فقیر إلی اللہ نے ابومحمد سلطان احمد حجازی حفظہ اللہ تعالیٰ کے بیس رمضان کی فجر کو معتکف میں داخل ہونے کے دلائل پر خوب غور کیا ہے مگر ان میں اس مدعی کی نص مجھے نہیں ملی دس راتوں کے اعتکاف والی حدیث اور فجر پڑھ کر معتکف میں داخل ہونے والی حدیث دونوں پر عمل کی یہ صورت بھی درست ہے کہ بیس رمضان مغرب سے انسان مسجد میں رہے اور اکیس کی فجر کو معتکف میں داخل ہو جائے جو صورت حجازی صاحب پیش فرما رہے ہیں اس میں تو دس رات اور ایک دن کا اعتکاف بنتا ہے جبکہ حدیث نص صریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ دس رات کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے عشر اواخر پر ایک دن کا اضافہ کہیں یہ بھی سنت کے خلاف تو نہیں؟

بہر حال بیس کی فجر کو معتکف میں داخل ہونے کی دلیل ابھی تک حجازی صاحب کے ذمہ ہے جو دلیل انہوں نے اب تک پیش فرمائی ہے وہ ان کے مدعی کو ثابت کرنے کے لیے ناکافی ہے اس لیے آپ ان سے بیس کی فجر کو معتکف میں داخل ہونے کی دلیل طلب فرمائیں۔ واللہ اعلم ۱٤١٤/٢/٧ھ

س: (۱) اعتکاف کرنے والا باپردہ یعنی عورتوں کی طرح ہاتھ منہ چھپا کر اپنے خیمے سے باہر نکلے اور نماز وغیرہ ادا کرے اور قضائے حاجت کے لیے مسجد سے اسی حالت میں نکلے یا پردے کی کوئی ضرورت نہیں اعتکاف میں غسل کیا جا سکتا ہے جبکہ غسل واجب نہیں؟

(۲) اعتکاف کرنے والا حجامت بنوا سکتا ہے یا کہ نہیں؟ (۳) اعتکاف کرنے والا دماغی فرحت کے لیے کچھ بات چیت کر سکتا ہے یا نہیں اور کس حد تک؟

(۴) اعتکاف کرنے والا دینی کام میں اور دنیاوی کام میں مشورہ کر سکتا ہے اور مشورہ دے سکتا ہے یا نہیں؟

ج: (۱) اعتکاف کرنے والا مرد ہے تو خیمہ ٔ اعتکاف سے نکلتے وقت پردہ کی کوئی ضرورت نہیں رسول کریم ﷺ بھی خیمہ ٔ اعتکاف سے بوقت ضرورت نکلتے تھے مگر کہیں بھی آپ کے عورتوں کی طرح پردے کا ذکر نہیں ملتا۔

(۲) غسل واجب کے علاوہ غسل کی خاطر معتکف مسجد سے نہیں نکل سکتا حدیث میں ذکر ہے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں حالت اعتکاف میں رسول اللہ ﷺ مسجد میں ہوتے ہوئے سر مبارک میرے گھر میں جھکاتے

تو میں اس کو دھو دیتی اور کنگھی کر دیتی [1] ۔اس سے ثابت ہوا غسل غیر واجب کے لیے معتکف مسجد سے نہ نکلے۔

(۳) اعتکاف کی غرض وغایت کو ملحوظ رکھتے ہوئے کوئی بات، کوئی کام، یا کوئی مشورہ معتکف سے سرزد ہو جائے تو شرعاً اس میں کوئی مضائقہ نہیں البتہ اسے غرض اعتکاف کے منافی باتوں، کاموں اور مشوروں سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔

(۴) اعتکاف شروع کرنے سے قبل حجامت بنوا لے تو دوران اعتکاف حجامت کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی اگر کسی وجہ سے دوران اعتکاف حجامت بنانا ناگزیر ہو گیا ہے تو بنوا سکتا ہے بشرطیکہ مسجد میں گندگی نہ پھیلائے البتہ حلق عانہ کی خاطر بہر حال مسجد سے باہر نکلنا ہوگا۔ واللہ اعلم ۱۱/۱۰/۱۴۱۶ھ

س: کیا ڈاڑھی مونڈوانے والا یا کتروانے والا اعتکاف بیٹھ سکتا ہے؟ عبدالعزیز اعوان نگری بالا ہزارہ

ج: اعتکاف بیٹھ سکتا ہے البتہ داڑھی کو مونڈنا منڈانا یا کترنا کتروانا ترک کر دے کیونکہ یہ گناہ ہے اور اعتکاف اسی لیے کر رہا ہے کہ وہ گناہوں کو ترک کر دے۔ ۱۹/۴/۱۴۱۶ھ

س: اپنے گھر میں عورت اعتکاف بیٹھ سکتی ہے؟ محمد نواز شاہد لدھیوالہ چیمہ گوجرانوالہ

ج: رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں عورتیں بھی مسجد ہی میں اعتکاف بیٹھا کرتی تھیں۔ [2]

۲۳ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ

س: کیا عورت گھر میں اعتکاف کر سکتی ہے؟ محمد امجد آزاد کشمیر

ج: عورت گھر میں عبادت کر سکتی ہے اعتکاف نہیں کر سکتی کیونکہ عورت کا گھر میں اعتکاف کرنا نہ قرآن مجید سے ثابت ہے نہ ہی نبی کریم ﷺ کی سنت وحدیث سے۔

س: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت وضع حمل کی وجہ سے ماہ رمضان کے روزے نہ رکھ سکی، مرضعہ ہونے کی وجہ سے وہ آئندہ رمضان تک روزے نہ رکھ سکی اب آئندہ رمضان آنے والا ہے اور وہ دوبارہ حاملہ ہے وہ پچھلے رمضان کے روزے رکھ رہی ہے لیکن کیا وہ آنے والے رمضان کے روزوں کا فدیہ دے سکتی ہے کیا ایسی صورت میں اس پر قضاء ضروری ہے کہ نہیں قرآن مجید کی آیت ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾ کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں؟ اعجاز احمد ظفر وال

ج: پچھلے رمضان کے روزے رکھتی جائے جب اس سال کا رمضان شروع ہو جائے تو پھر وہ اس رمضان کے روزے رکھنے شروع کر دے پچھلے رمضان کی قضاء کے روزے چھوڑ دے اور اس سال کی عید الفطر کے بعد پچھلے

---

[1] [بخاري ـ كتاب الاعتكاف ـ باب الحائض ترجل رأس المعتكف] [2] [صحيح بخاري ـ كتاب الاعتكاف ـ باب اعتكاف النساء و باب الاعتكاف في العشر الاواخر]

رمضان کی قضاء کے روزے پورے کرلے۔

مرضعہ اور حاملہ اگر روزے نہ رکھ سکتی ہوں تو مریض کے حکم میں ہیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا أَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ [1] اور ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهُ﴾ الخ روزہ رکھنے کی طاقت رکھنے والوں کے بارے میں ہے بعد میں منسوخ کردی گئی ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمْ﴾ الخ ۱٤۱۸/۸/۲۱ھ

س: عرض یہ ہے کہ آدمی سابقہ رمضان میں بیمار ہوا ہے اور ابھی تک اسی طرح بیمار ہے۔ اس بندے کے پچھلے رمضان کے روزے بھی رہتے ہیں۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ وہ ان روزوں کا کیا کرے۔ اب بھی وہ خود روزے نہیں رکھ سکتا۔ اب وہ کسی کو روزے رکھائے یا ایک ہی مرتبہ تیس آدمیوں کو کھانا کھلائے یا پھر وہ تیس آدمیوں کا کھانا پکا کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں تقسیم کردے۔

ظاہر عزیز بن محمد اسلم جامعہ عمر بن الخطاب اہل حدیث جھبراں

ج: اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا: ﴿وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا أَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ [2] [اور جو کوئی ہو بیمار یا اوپر سفر کے پس گنتی ہے دنوں اور سے] اس آیت کریمہ کی رو سے مریض مرض سے صحت یابی کے دنوں میں روزے رکھے خواہ ایک رمضان کے ہوں یا زیادہ رمضانوں کے اور اگر مریض مرض سے صحت یاب نہیں ہوتا مرض میں فوت ہو جاتا ہے تو جتنے رمضانوں کے روزے وہ نہیں رکھ سکا اب اس کے اولیاء وہ روزے رکھیں صحیح بخاری میں ہے: ﴿مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ﴾ [3] [جو فوت ہو جائے اور اس پر روزے ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے] رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان اور مندرجہ بالا آیت کریمہ اپنے مفہوم ومنطوق میں بالکل واضح ہیں اگر مریض بغرض اجر وثواب تطوع مساکین کو کھانا کھلانا چاہتا ہے تو بڑی خوشی سے کھلائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ﴾ [4] اور جو کوئی نفل طور پر زیادہ نیکی کرے تو بے شک اللہ تعالیٰ قدردان جاننے والا ہے ۱٤۱۵/۷/۲ھ

---

[1] [البقرة ۱۸٤ پ۲] [2] [البقرة ۱۸۵ پ۲] [3] [بخاری ۔ کتاب الصوم ۔ باب من مات وعلیه صوم] [4] [البقرة ۱۵۸ پ۲]

کتاب الحج والعمرة............حج وعمرہ کے مسائل

س: ذوالحج کے مہینہ میں آدمی کب تکبیرات کہنی شروع کرے؟ عبدالمجید درزی چک ۴۲ سرگودھا

ج: ذوالحجہ کا چاند طلوع ہونے کے بعد یکم ہی سے مزید ذکر اذکار اور مزید نیکی کے کام شروع کر دینے چاہئیں صحیح بخاری میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿مَا الْعَمَلُ فِيْ اَيَّامٍ أَفْضَلُ مِنْهَا فِيْ هٰذِهِ قَالُوْا : وَلاَ الْجِهَادُ ؟ قَالَ: وَلاَ الْجِهَادُ اِلاَّ رَجُلٌ خَرَجَ يُخَاطِرُ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فَلَمْ يَرْجِعْ بِشَيْءٍ﴾ [1] [ذوالحجہ کے (۱۰) دس دنوں میں نیکی کرنا بنسبت دوسرے دنوں میں نیکی کرنے سے اللہ کو زیادہ محبوب ہے] ۱۴۱۷/۱۲/۲۳ھ

س: (۱) حج افراد کرنے والا طواف افاضہ کے ساتھ صفا و مروہ کی سعی کرے یا کہ نہ کرے؟

(۲) کیا طواف افاضہ پہلے دن یعنی دس ذوالحجہ کو کرنا ضروری ہے یا کہ گیارہ بارہ یا تیرہ کو بھی ہو سکتا ہے؟ کیا بارہ ذوالحجہ کو منیٰ سے واپسی پر طواف افاضہ کر کے آدمی اپنے گھر آ سکتا ہے؟

(۳) طواف افاضہ دس ذوالحجہ کو نہ ہو سکے تو شام کو دوبارہ احرام باندھے گا؟ کیا یہ احرام طواف افاضہ کرنے کے بعد پھر کھولے گا؟ نذیر حماد معرفت محمد اکرم راحیل مکہ مکرمہ

ج: (۱) حج افراد والے نے اگر حج افراد کے احرام کے بعد کسی طواف کے بعد بھی صفا و مروہ کی سعی نہیں کی تو طواف افاضہ کے بعد سعی کرنا فرض ہے ورنہ وہ حج کے رکن سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔

(۲) پہلے دن دس ذوالحجہ کو طواف افاضہ کرنا افضل ہے ضروری نہیں گیارہ یا بارہ یا تیرہ تاریخ کو بھی ہو سکتا ہے بصورت حیض تیرہ کے بعد بھی ہو سکتا ہے کیونکہ طواف طہر میں کرنا ہے اور طہر تیرہ سے مؤخر بھی ہو سکتا ہے اس کی دلیل حدیث أَحَابِسَتُنَا هِيَ ؟ ہے طواف افاضہ کے بعد بہتر یہی ہے کہ منیٰ میں چلا جائے بشرطیکہ سعی بین الصفا والمروۃ پہلے کر چکا ہو اور افاضہ اس نے تیرہ سے پہلے کیا ہو اور تیرہ کی صورت منیٰ والا منسک ادا کر نہ آیا ہو بہر حال جس تاریخ کو بھی افاضہ کرے اپنے مکہ والے گھر میں جانے کا جواز ہے۔

(۳) ہاں درست ہے دس ذوالحجہ کو شام تک یعنی غروب آفتاب تک طواف افاضہ نہ کر سکنے کی صورت میں دوبارہ احرام

---

[1] [بخاری ۔ کتاب العیدین ۔ باب فضل العمل فی أیام التشریق]

والی دو چادریں پہن لے احرام کی پابندیاں پھر افاضہ کے بعد ختم ہو جائیں گی۔ ١٤١٢/١٠/١١ھ

س: کوئی عورت اپنے محرم مرد کے بغیر اپنی کسی عزیز قریبی رشتہ دار عورت کے ساتھ حج کو جاسکتی ہے یا نہیں؟

محمد طیب گجر پورہ لاہور

ج: صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث سے پتہ چلتا ہے عورت خاوند یا کسی محرم کی معیت کے بغیر سفر نہیں کر سکتی [1]۔ رہا مسئلہ دل کی تسلی والا تو اس سلسلہ میں ﴿دَعْ مَا يُرِيْبُكَ اِلٰى مَا لاَ يُرِيْبُكَ﴾ [2] [جو چیز آپ کو شک میں ڈالے اسے چھوڑ دے طرف اس چیز کی جو شک میں نہ ڈالے]

فَاقْدُرْ فِعَالَ نَبِيِّكَا ✿ وَاتْرُكْ شِقَاقَ مَقُوْلِهٖ

وَانْبِذْ حَدِيْثَ شُكُوْكِكَا ✿ حَيْثُ الرَّدِّی لِفُضُوْلِهٖ

[اپنے نبی ﷺ کے افعال کی تعظیم کر۔ اور آپ ﷺ کے حکم کی مخالفت چھوڑ دے اور اپنے شک کی باتوں کو پھینک دے ردی کی جگہ] پر۔ کیونکہ وہ بے کار ہیں

س: ایک آدمی عمرے کی نیت سے عمرہ کرنے جاتا ہے لیکن عمرے کے ساتھ حج کر لیتا ہے کیا یہ درست ہے؟

محمد سلیم بٹ

ج: عمرہ کے لیے جائے تو ساتھ حج بھی کر سکتا ہے شریعت میں یہ کہیں نہیں ہے کہ عمرہ کے لیے جائے تو ساتھ حج نہ کرے۔ ١٤١٦/١١/٢٢ھ

س: ایک آدمی پاکستان سے مکہ مکرمہ مزدوری کے ویزہ پر آیا اور اس نے یہ نیت کی کہ میں آج نہیں (پیر کے دن) جمعہ کو عمرہ کروں گا حالانکہ وہ بروز سوموار مکہ داخل ہوا نیز اس نے احرام بھی نہیں باندھا۔

(۱) کیا اس طرح عمرہ کی تاخیر جائز ہے (۲) کیا اس صورت میں میقات سے بغیر احرام باندھے مکہ میں داخل ہونا جائز ہے جبکہ اس نے عمرہ کی نیت بھی کر لی ہے کہ میں جمعہ کو عمرہ ادا کروں گا۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کی وضاحت فرمائیں؟ عبدالواحد مکہ مکرمہ

ج: ایک شخص بغرض مزدوری مکہ معظّمہ پہنچا اور مکہ معظّمہ پہنچنے تک اس نے حج یا عمرہ کا ارادہ نہیں کیا تو اس کے لیے میقات سے بلا احرام گزرنا درست ہے اس کی دلیل ہے۔ (۱) متفق علیہ حدیث ﴿هُنَّ لَهُنَّ وَلِمَنْ اَتٰى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِ اَهْلِهِنَّ مِمَّنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَجَّ اَوِ الْعُمْرَةَ﴾ [یہ مقامات وہاں کے رہنے والوں کے لیے ہیں اور ان کے

---

[1] [صحیح بخاری كتاب جزاء الصيد باب حج النساء] [2] [مشكوة - كتاب البيوع - باب الكسب وطلب الحلال - الفصل الثانی]

لیے بھی جو وہاں سے گزر کر آئیں وہاں کے مقیمی نہ ہوں جو حج یا عمرہ کا ارادہ رکھتے ہوں [1]] (۲) فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کا مکہ معظّمہ میں بلا احرام داخل ہونا۔ (۳) ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ کا حمار وحشی کو شکار کرنے والا واقعہ اس میں تصریح ہے کہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ محرم نہیں تھے جبکہ ان کے ساتھی محرم تھے [2] استدلال رسول اللہ ﷺ کی تقریر سے ہے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے عمل سے نہیں۔

بغرض مزدوری جانے والا مذکورہ بالا صورت میں مکہ معظّمہ پہنچ گیا ہے تو پہنچ کے روز سے عمرہ کو وہ مؤخر کر سکتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ مکہ فتح کرنے کے بعد بلا عمرہ کیے حنین کی طرف چلے گئے حنین کو بھی فتح کیا پھر حنین کی غنائم کو جعرانہ مقام پر آپ نے تقسیم فرمایا پھر اس کے بعد آپ نے عمرہ ادا کیا [3] حالانکہ مکہ فتح کرتے ہی فی الفور آپ عمرہ ادا کر سکتے تھے اس کے باوجود آپ نے عمرہ کو مؤخر فرما دیا۔

بغرض مزدوری مکہ جانے والے نے اگر میقات تک پہنچنے سے پہلے حج یا عمرہ کا ارادہ کر لیا ہے تو اس کے لیے میقات سے بلا احرام گزرنا جائز نہیں دلیل مذکور بالا متفق علیہ حدیث شریف هُنَّ لَهُنَّ الخ اور اگر ایسے شخص نے میقات سے گزرنے کے بعد اور مکہ معظّمہ پہنچنے سے پہلے کسی مقام پر حج یا عمرہ کا ارادہ کیا ہو تو اس کے لیے اسی مقام ارادہ سے احرام باندھنا ضروری ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ اسی متفق علیہ حدیث میں فرماتے ہیں: ﴿وَمَنْ كَانَ دُوْنَ ذٰلِكَ فَمِنْ حَيْثُ اَنْشَاَ حَتّٰى اَهْلُ مَكَّةَ مِنْ مَكَّةَ﴾ [4] [اور جو ان مقامات کے اندر ہے پس وہ احرام باندھے جہاں سے شروع کرے۔ حتی کہ مکہ والے مکہ ہی سے]

بغرض مزدوری مکہ معظّمہ جانے والا حج یا عمرہ کا ارادہ نہیں رکھتا اور بلا احرام باندھے مکہ معظّمہ پہنچ جاتا ہے اور مکہ پہنچتے ہی حج کا ارادہ کر لیتا ہے تو مسئلہ صاف ہے اگر پہنچے اور ارادہ کی تاریخ آٹھ ذوالحج سے پہلے ہے تو طواف قدوم کے بعد آٹھ تک تاخیر ہوگی اور اگر اس نے مکہ معظّمہ مذکورہ بالا صورت میں پہنچتے ہی عمرہ کا ارادہ کر لیا ہے تو بھی اس کے لیے دو چار دن یا زیادہ دن کی تاخیر عمرہ درست ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ﴿اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ﴾ فرمایا ہے ﴿اِنَّمَا النِّيَّاتُ بِالْاَعْمَالِ﴾ نہیں فرمایا پھر اہل مکہ یا غیر اہل مکہ پر حج یا عمرہ فرض ہو جانے کے بعد ان کی تاخیر روا ہے جبکہ مومن حج یا عمرہ فرض ہوتے ہی اس کی نیت کر لیتے ہیں کہ ہم حج یا عمرہ ضرور ادا کریں گے۔ ان شاء اللہ

۱۴۰۷/۷/۱۷ھ

---

[1] [بخاری کتاب الحج باب مهل من کان دون المواقیت] [2] [بخاری ۔ کتاب جزاء الصید ۔ باب إذا صاد الحلال فاهدی للمحرم الصید اکله] [3] [بخاری ۔ کتاب العمرة ۔ باب کم اعتمر النبی ﷺ] [4] [بخاری ۔ کتاب الحج ۔ باب مهل أهل مکة للحج والعمرة]

س : کیا ایک سفر میں دو یا زیادہ عمرے ہو سکتے ہیں اگر ہو سکتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے یا صحابہ میں سے کسی نے کیوں نہ کیا حالانکہ ان سے بڑھ کر کوئی عمل خیر کی طرف سبقت لے جانے والا نہیں۔

محمود الرحمان الزلفی الریاض المملکۃ العربیۃ السعودیۃ

ج : ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے طوافوں سے زیادہ طواف کرنے کی جو دلیل ہے وہی ایک سفر میں زیادہ عمروں کی بھی دلیل ہے۔ [ایک سفر میں ایک سے زیادہ عمروں کی دلیل کے لیے زاد المعاد الجزء الثانی ص ۹۲،۹۳،۹۴ کا مطالعہ فرمائیں] صحابہ ﷺ میں سے کسی نے کیوں نہ کیا؟ نہ کیا کی دلیل مل جائے تو کیوں والا سوال بعد کا ہے اس لیے صحابہ ﷺ میں سے کسی نے نہ کیا کی دلیل درکار ہے؟ ۱۴۱۸/۷/۹ھ

س : کیا بار بار طواف کرنا مسنون ہے؟ نذیر حماد معرفت محمد اکرم راحیل مکہ مکرمہ

ج : بار بار طواف کرنا کار ثواب ہے رسول اللہ ﷺ لیالی منیٰ طواف کرتے رہے پھر طواف کی فضیلت میں وارد شدہ احادیث بھی اس پر دلالت کرتی ہیں اسی طرح عمرے بھی زیادہ کر سکتے ہیں۔ ۱۴۱۲/۱۰/۱۱ھ

س : کیا طواف کے ساتھ مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھنی ضروری ہے؟ نذیر حماد معرفت محمد اکرم راحیل مکہ مکرمہ

ج : مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھنا ضروری ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى﴾ [1] [اور پکڑو تم مقام ابراہیم کو جائے نماز] ۱۴۱۲/۱۰/۱۱ھ

س : کیا طواف کے لیے وضوء شرط ہے؟ نذیر حماد معرفت محمد اکرم راحیل مکہ مکرمہ

ج : طواف کے لیے وضوء ضروری ہے کیونکہ طواف کو حدیث میں نماز سے تعبیر کیا گیا ہے [اَلطَّوَافُ بِالْبَيْتِ صَلَاةٌ اِلَّا اَنَّ اللهَ اَبَاحَ فِيْهِ الْكَلَامَ [2]] اور نماز کے لیے وضوء ضروری ہے جنازہ میں وضوء ضروری ہونے کی یہی دلیل پیش کی جاتی ہے کہ جنازہ کو نماز قرار دیا گیا ہے اور نماز کے لیے وضوء ضروری ہے۔ ۱۴۱۲/۱۰/۱۱ھ

س : کیا جو شخص مکہ سے خارج سے آئے دوبارہ عمرہ کا پروگرام بن جائے تو کیا میقات سے احرام باندھے گا یا حرم سے یا حرم کے باہر سے اگر حرم سے باندھے گا تو عائشہ رضی اللہ عنہا کو تنعیم کیوں بھیجا تھا باہر سے آنے والے کی کیا شرط ہے حرم سے احرام باندھنے کی تین دن سے زیادہ رہنے سے کیا اہل مکہ میں سے ہو جاتا ہے؟

محمود الرحمٰن الزلفی الریاض المملکۃ العربیۃ السعودیۃ

---

[1] [البقرۃ ۱۲۵ پ ۱] [2] [ارواء الغلیل ج ۱ ص ۱۵٤]

ج: حرم کے اندر جہاں ٹھہرا ہوا ہے وہاں سے احرام باندھ سکتا ہے بدلیل حدیث ﴿فَهُنَّ لَهُنَّ وَلِمَنْ أَتَى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِ اَهْلِهِنَّ مِمَّنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ﴾ [یہ مقامات وہاں کے رہنے والوں کے لیے ہیں اوران کے لیے بھی جو وہاں سے گزر کر آئیں وہاں کے مقیمی نہ ہوں جو حج یا عمرہ کا ارادہ رکھتے ہوں۔(اس حدیث پر شیخین کا اتفاق ہے)[1]] ۱۴۱۷/۸/۹ھ

س: ڈاکٹر فضل الٰہی صاحب نے اپنے دروس میں تقریباً تین دفعہ یہ بات دہرائی ہے کہ جب ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عورتوں کی بیماری کی وجہ سے بعد میں عمرہ کیا تو ان کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن ﷛ نے عمرہ نہیں کیا تھا۔ جبکہ میرے پاس آپ کی کیسٹ موجود ہے جس میں آپ نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن ﷛ نے عمرہ کیا تھا۔ میں نے ڈاکٹر صاحب سے اس کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے مجھ سے کیسٹ طلب فرمائی مگر چونکہ میرے پاس آپ کی ایک سے زیادہ کیسٹیں ہیں اس لیے میں کیسٹ تلاش نہیں کر سکا؟ محمد نوید سلفی

ج: آپ نے تحریر فرمایا ''جبکہ میرے پاس آپ کی کیسٹ موجود ہے جس میں آپ نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن ﷛ نے عمرہ کیا تھا''۔

تو آپ کے ذمہ ہے کہ میری وہ کیسٹ پیش کریں جس میں مذکورہ بالا بات موجود ہو ایک سے زیادہ کیسٹوں کا ہونا وہ کیسٹ تلاش نہ کر سکنے کے لیے کوئی عذر نہیں لہٰذا ہمت کریں اور وہ کیسٹ تلاش فرمائیں مہربانی ہوگی۔

باقی جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے یہ بات آج تک اس بندہ فقیر الی اللہ الغنی نے نہ کسی تقریر میں کہی اور نہ ہی کسی تحریر میں لکھی ہاں صحیح بخاری کے درس میں یہ بات بارہا آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو تنعیم سے عمرہ کروائے تو عبدالرحمٰن ﷛ نے ان کو تنعیم سے عمرہ کروایا[2]۔ واللہ اعلم ۱۴۲۰/۴/۲۴ھ

س: نبی کریم ﷺ نے اپنی زندگی مبارک میں کون سا حج کیا ہے اور اس کا کیا نام ہے؟

عبدالمجید درزی چک نمبر ۴۲ سرگودھا

ج: حج قران کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کے بعد احرام نہ کھولنے پر فرمایا تھا:

﴿لَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِيْ مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا اَهْدَيْتُ﴾[3] [اگر مجھے پہلے علم ہو جاتا جس چیز کا بعد میں علم ہوا ہے

---

[1] [بخاری ـ کتاب الحج ـ باب مهل من كان دون المواقيت] [2] [بخاری ـ کتاب العمرة ـ باب عمرة التنعيم]
[3] [بخاری کتاب العمرة ـ باب عمرة التنعيم]

(کہ حج کے مہینوں میں عمرہ جائز ہے) تو میں قربانی نہ لے کر آتا (بلکہ حج تمتع کرتا)] نیز فرمایا تھا: ﴿إِنِّي لَبَّدْتُ رَاسِي وَقَلَّدْتُ هَدْيِي﴾ [میں نے سر کو لیپ کیا ہے اور قربانی کو قلادہ ڈالا ہے] ۱٤۱۷/۱۲/۲۳ھ

س: حج تمتع اور افراد اور قران میں سے کون سا حج افضل ہے؟ نذیر حماد معرفت محمد اکرم راحیل مکہ مکرمہ

ج: سوق ہدی والے کے لیے قران افضل ہے اور دوسروں کے لیے تمتع بالمعنی الأخص افضل ہے یاد رہے افضل کا لفظ اس مقام پر واجب کا مقابل نہیں بلکہ واجب کو شامل ہے۔ ۱٤۱۲/۱۰/۱۱ھ

س: (۱) حج تمتع میں تمام بچوں پر قربانی ضروری ہے یا کہ صرف بالغ پر؟

(۲) عمرہ کے ساتھ سعی کر کے بعد میں طواف افاضہ کے ساتھ بھی سعی ہے۔ یعنی عمرہ اور حج کی سعی الگ الگ ہے؟

(۳) ہم اگر عمرہ کر لیتے ہیں ایام حج میں اور گھر واپس آ جاتے ہیں پھر اگر ہم حج کے لیے احرام باندھتے ہیں تو سیدھا منیٰ حاضری ہے یا عمرہ کر کے منیٰ حاضری ہے؟

(۴) طواف قدوم یوم عرفہ یا آٹھ ذوالحجہ کو ضروری ہے؟

(۵) مستحاضہ تلبیہ پڑھے یا کہ نہیں۔ اور طواف قدوم نہیں کر سکتی اور عرفات سے واپس ہونے پر طواف افاضہ ہی کافی ہے کہ طواف قدوم بھی لوٹائے؟ قاری فاروق

ج: (۱) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَإِذَآ أَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ [1] [پھر جب تم کو خاطر جمع ہو (یعنی بیماری نہ رہے دشمن کا خوف جاتا رہے) اور کوئی عمرے کو حج سے ملا کر تمتع کرنا چاہے تو جیسے میسر آئے قربانی کرے] یہ آیت بالغ، نابالغ، مرد، عورت، فرض اور نفل سب تمتع کرنے والوں کو شامل ہے۔

(۲) عمرہ کر کے احرام کھول کر نئے احرام کے ساتھ حج کرنے والے متمتع پر دو دفعہ سعی کرنا ہے ایک دفعہ عمرہ کے لیے دوسری دفعہ طواف افاضہ کے بعد حج کے لیے۔

(۳) عمرہ آپ نے پہلے کیا ہوا ہے پھر حج مفرد کا احرام باندھ کر آپ مکہ روانہ ہوتے ہیں تو عمرہ کرنا ضروری نہیں آپ عمرہ کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔

(۴) طواف قدوم، قدوم ہونے کے ساتھ ساتھ عمرے کا بھی ہے یا نذر کا تو ضروری ہے محض قدوم ہو تو ضروری نہیں۔

---

[1] [البقرة ۱۹٦ ـ پ ۲]

(۵) حائضہ تلبیہ پڑھے طواف کے علاوہ سب مناسک ادا کرے [1] طواف بعد میں کرے بوجہ حیض طواف قدوم رہ گیا ہے تو کوئی بات نہیں طواف افاضہ ہی کافی ہے مستحاضہ کا حکم طاہرہ والا ہے۔ ۱۴۱۶/۱۱/۲۱ھ

س: حج کے موقعہ پر قربانی (ہدی) خود ذبح کی جائے یا محکمہ والوں کو رقم جمع کرادی جائے یا بیچنے والوں کو دے دے اور افضل کی طرف بھی اشارہ کریں؟ اقبال صدیق مدینہ منورہ

ج: دونوں صورتیں درست ہیں کیونکہ قربانی کا جانور رسول اللہ ﷺ نے خود بھی ذبح کیا ہے اور دوسروں سے بھی ذبح کروایا ہے۔ ۱۴۱۳/۱۱/۲۳ھ

س: حج افراد میں استطاعت کے باوجود قربانی واجب نہیں یہ بات کس حد تک درست ہے؟

نذیر حماد معرفت محمد اکرم مکہ مکرمہ

ج: یہ بات ہر حد تک درست ہے۔ ۱۴۱۲/۱۰/۱۱ھ

س: (۱) کیا قربانی منیٰ میں کرنا ضروری ہے یا کہ مکہ شہر کے اندر بھی قربانی ہوسکتی ہے۔ کیا بارہ ذوالحجہ کو منیٰ سے واپسی پر مکہ میں اپنے گھر قربانی ہوسکتی ہے؟

(۲) ایک آدمی حج افراد کرنا چاہتا ہے اس کے ساتھ اس کی بیوی اور والدہ بھی ہے۔ وہ ایک قربانی کریں گے یا کہ تین کریں گے۔ کہتے ہیں کہ حج افراد میں قربانی نہیں۔ اگر حج افراد میں قربانی نہیں تو آدمی ہر سال اپنے معمول کے مطابق جو قربانی کرتا ہے جو کہ تمام گھر والوں کی طرف سے ایک قربانی ہوتی ہے کیا وہ قربانی اب حج افراد میں سب کی طرف سے کافی ہے؟ محمد نذیر حماد معرفت محمد اکرم راحیل مکہ مکرمہ

ج: (۱) قربانی منیٰ میں دس ذوالحجہ کو کرنا افضل ہے ویسے منیٰ اور مکہ میں کسی جگہ بھی قربانی کرسکتا ہے ﴿نَحَرْتُ هٰهُنَا وَمِنٰى كُلُّهَا مَنْحَرٌ﴾ اور ﴿كُلُّ فِجَاجِ مَكَّةَ مَنْحَرٌ﴾ [2] [میں نے یہاں قربانی کی ہے اور منیٰ سارا قربان گاہ ہے اور مکہ کا ہر کشادہ راستہ قربان گاہ ہے] جیسی احادیث اس کی دلیلیں ہیں اسی طرح دس ذوالحجہ کے علاوہ گیارہ، بارہ یا تیرہ سے کسی بھی تاریخ کو قربانی کرسکتا ہے۔ چنانچہ فرمان نبوی ﷺ ہے: ﴿اَيَّامُ التَّشْرِيْقِ كُلُّهَا ذَبْحٌ﴾ [3] لہٰذا بارہ ذوالحجہ کو منیٰ سے واپسی پر مکہ میں جس جگہ ٹھہرا ہوا ہے وہاں قربانی کرسکتا ہے مگر افضل اور زیادہ ثواب اسی میں ہے کہ دس ذوالحجہ کو منیٰ میں قربانی کرے وہ بھی رمی جمرۃ العقبۃ کے بعد اور حلق یا تقصیر راس سے قبل۔

---

[1] [بخاری۔ کتاب الحج۔ باب تقضی الحائض المناسك كلها الا الطواف بالبيت] [2] [ابوداؤد۔ کتاب الحج۔ باب الصلاة بجمع.] [3] [فتح الباری شرح البخاری۔ کتاب الاضاحی۔ باب من قال الأضحیٰ یوم النحر]

(۲) حج افراد میں قربانی فرض نہیں اگر حج افراد والے قربانی بطور ہدی حج کریں تو ہر فرد اپنی اپنی قربانی علیحدہ علیحدہ کرے اور اگر حج افراد والے حج کی ہدی نہیں کرتے تو قربانی بطور اضحیہ کرتے ہیں تو پھر ایک گھر کے افراد مرد، اس کی بیوی اور بچے وغیرہ ایک قربانی کر سکتے ہیں مگر افضل یہی ہے کہ جب وہ حج کرنے گئے ہوئے ہیں تو جو قربانی کریں بطور ہدی حج کریں کیونکہ اضحیہ قربانی کو تو وہ اپنے وطن بھی کر سکتے ہیں پھر وہاں سے چیزیں خرید کر لانا نہ فرض ہے اور نہ افضل۔

س: مشکوٰۃ شریف جلد اول ص ۲۲۳ میں ایک حدیث ہے: ﴿عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا لَقِيْتَ الْحَاجَّ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَصَافِحْهُ وَمُرْهُ اَنْ يَسْتَغْفِرَ لَكَ قَبْلَ اَنْ يَدْخُلَ بَيْتَهُ فَاِنَّهُ مَغْفُوْرٌ لَّهُ رواه احمد .﴾ [حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تو حاجی کو ملے تو اس کو سلام کہہ اور اس سے مصافحہ کر اور اس کو کہہ کہ وہ تیرے لیے استغفار کرے اپنے گھر میں داخل ہونے سے پہلے کیونکہ اس کی بخشش ہو چکی ہے] یہ حدیث مسند امام احمد میں جلد دوم ص ۶۹ میں موجود ہے۔ اس سلسلے میں آپ جناب اور حضرت الحافظ عبدالسلام صاحب دونوں سے گزارش ہے کہ

(ا) سند کے لحاظ سے اس کی کیا اتھارٹی ہے؟ (۲) عام فہم ترجمہ کے مطابق اس کا مفہوم کیا ہے؟

جو میرے ذہن میں اشکال ہے اس کی وضاحت کرتا ہوں تا کہ آپ کو میرا مقصد سمجھ آ جائے۔ یہاں گھر میں داخل ہونے کی شرط لگائی گئی ہے یہ تو سمجھ میں بات آتی ہے کہ گھر میں داخل ہونے تک وہ مسافر تھا گھر پہنچ گیا سفر ختم ہوا لیکن مغفور لہ کا رتبہ اس کے ساتھ جب تک وہ کوئی گناہ نہیں کرتا قائم رہے گا یا گھر میں داخل ہوتے ہی وہ فضیلت بھی ختم ہو جائے گی؟ گھر میں داخل ہونا کوئی گناہ کا کام تو نہیں ہے۔ امید ہے آپ مختصر مگر جامع تشریح فرما کر عنداللہ اجر حاصل کریں گے۔

نوٹ: اگر ممکن ہو سکے تو حافظ ذہبی رحمہ اللہ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے اقوال کی روشنی میں حدیث کی سند کی تحلیل فرمانا۔ امان اللہ ریحان سرگودھا روڈ فیصل آباد

ج: (ا) جس حدیث کے متعلق آپ نے دریافت فرمایا اس کی بابت محدث وقت فقیہ دوراں عالم ربانی شیخ البانی حفظہ اللہ تعالیٰ مشکوٰۃ کی تعلیق میں لکھتے ہیں: ''واسناده ضعيف'' (ص ۷۷۸) شارح مشکوٰۃ صاحب مرعاۃ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''(رواه أحمد) (ج۲ : ص۶۹، ۱۲۸) بسند ضعيف ورمز السيوطي في الجامع الصغير

لحسنه ، وليس كما قال ففي سنده محمد بن عبدالرحمن ابن البيلماني وهو ضعيف وقد اتهمه ابن عدی وابن حبان وممن جزم بضعفه الحافظ الهيثمي حيث قال (ج٤ : ١٦) بعد ذكره : رواه أحمد وفيه محمد بن البيلماني وهو ضعيف . (ج٦ ص ٣١٠)"

(۲) جب یہ روایت پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی جیسا کہ تفصیل کر دی گئی ہے تو اسکے ترجمہ، مفہوم اور مطلب پر بحث کا کوئی فائدہ نہیں تاہم اتنی بات ذہن میں رکھیں کہ "قَبْلَ اَنْ يَدْخُلَ بَيْتَه" "مُرهُ اَنْ يَسْتَغْفِرَ لَكَ" کی ظرف ہے "فَاِنَّهُ مَغْفُوْرٌ لَهُ" کی ظرف نہیں اس حدیث سے تو بوجہ ضعف کوئی مسئلہ ثابت نہیں ہوتا البتہ صحیح احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حج مبرور سے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں چنانچہ بخاری ومسلم کی مرفوع حدیث ہے ﴿مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمَ وَلَدَتْهُ اُمُّهُ﴾ [1] [جس نے اللہ کی خوشنودی کے لیے حج کیا اور جماع اور نافرمانی خدا کی نہیں کی وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو کر لوٹتا ہے جس طرح اس کی ماں نے اس کو جنا تھا]

(۳) صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث میں حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ذکر ہے کہ انہوں نے اہل مکہ کو ایک مکتوب لکھا جس میں وہ ان کو ایک خاص مقصد وغرض کے تحت رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے ان پر حملہ کرنے کے منصوبے سے آگاہ کرنا چاہتے تھے قصہ مختصر ان کا یہ مکتوب پکڑا گیا انہیں بلایا گیا جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ غیظ وغضب میں آ گئے رسول اللہ ﷺ نے انہیں سمجھایا یہ حاطب رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں شریک وحاضر تھے اور بدریوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ قَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ﴾ [2] دیکھئے حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی یہ لغزش بعد کی ہے مگر اس کی مغفرت ومعافی کا اعلان پہلے ہو چکا ہے اس لیے کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ ﷺ میں کسی کے متعلق مغفرت ومعافی کا اعلان آ جائے تو اس سے سابقہ ولاحقہ گناہوں کی مغفرت ومعافی ہی مراد ہوتی ہے الا یہ کہ کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ ﷺ میں کہیں اس کی تقیید وتوقیت وارد ہو جائے جیسا کہ حج میں گزرا ہے پھر روزہ وقیام رمضان میں اور دیگر کئی ایک اعمال صالحہ میں وارد ہوا ہے ﴿غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ﴾ (متفق علیہ) ١٤٠٩/٣/٢٤ھ

س: (۱) میری والدہ محترمہ (رحمہا اللہ) وفات پا چکی ہیں کیا میں ان کی طرف سے حج یا عمرہ کر سکتا ہوں جبکہ ان پر حج واجب نہیں ہوا تھا۔ نیز

(۲) میری ساس صاحبہ (رحمہا اللہ) جو کچھ عرصہ پہلے فوت ہوئیں انہوں نے وصیت کی کہ میں ان کی طرف سے حج وعمرہ

---

[1] [بخاری كتاب الحج باب فضل الحج المبرور] [2] [بخاری ـ كتاب التفسير ـ سورة الممتحنة]

کروں۔ کیا ایسا کرنا مجھ پر لازم ہے۔ حج ان پر بھی فرض نہیں ہوا تھا وصیت صرف اس لیے کی کہ میں ادھر پڑھ رہا ہوں اور قریب ہوں۔

(۳) کیا زندہ کی طرف سے حج یا عمرہ کیا جاسکتا ہے جبکہ وہ تندرست بھی ہے لیکن زادِراہ کی طاقت نہیں رکھتا۔

خالد الریاض

ج: (۱) ہاں کر سکتے ہیں ترمذی میں ہے ﴿عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ : جَاءَ تْ اِمْرَأَةٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ : إِنَّ أُمِّيْ مَاتَتْ وَلَمْ تَحُجَّ أَفَأَحُجُّ عَنْهَا قَالَ : نَعَمْ حُجِّيْ عَنْهَا﴾ [1]

[ایک عورت نبی ﷺ کی طرف آئی اور پوچھا کہ میری والدہ فوت ہوگئی اور اس نے حج نہ کیا تھا کیا میں اس کی طرف سے حج کروں تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اس کی طرف سے حج کر]

(۲) فرض نہیں آپ چاہیں تو کر سکتے ہیں اجر وثواب ملے گا ان شاء اللہ تبارک وتعالیٰ

(۳) زندہ پر حج فرض ہو چکا ہے مگر وہ بوجہ بڑھاپا استطاعت نہیں رکھتا اس کی طرف سے حج کرنا تو ثابت ہے جو صورت آپ نے تحریر فرمائی اس کے متعلق کوئی نص مجھے معلوم نہیں۔ واللہ اعلم ۱۴۱۷/۵/۲۴ھ

س: حج وعمرہ میں حلق کی بجائے قص کروانا ہو تو بالوں کو کاٹنے کی صورت کیا ہونی چاہیے کیا کان کی کونپل سے کٹوانا جائز ہے جبکہ بال چھوڑنے کا ارادہ ہو یا سارے ہی سر سے بال کٹوانا ہوں گے اور حجام کو کیا کیفیت بتائی جائے؟

خالد جاوید الریاض

ج: احرام کھولتے وقت سر منڈانا افضل ہے اور تقصیر بھی درست ہے آپ کی ذکر کردہ تقصیر کی دونوں صورتوں میں سے سارے سر کے بال کٹوانا افضل ہے کیونکہ یہ صورت حلق کے زیادہ قریب ہے۔ ۱۴۱۷/۱۱/۲۱ھ

مجلۃ الدعوۃ کے مضمون پر ایک نظر

از عبدالمنان نور پوری بطرف اخی المحترم جناب مولانا رحمت اللہ صاحب ربانی۔ حفظھما اللہ تبارک وتعالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اما بعد! خیریت موجود خیریت مطلوب۔ مجلۃ الدعوۃ کے حالیہ شمارہ میں آپ کے بیان کردہ احکام ومسائل پڑھنے کا موقع ملا ماشاء اللہ آپ نے خوب تحقیق سے مسائل کو بیان فرمایا ہے اَللّٰهُمَّ زِدْ فَزِدْ اللہ تعالیٰ ہم سب کو مزید توفیق عطا

[1] صحیح الترمذی للالبانی ۷۳۹ [ترمذی۔ ابواب الحج۔ باب ما جاء فی الحج عن الشیخ الکبیر والمیت]

فرمائے آمین یارب العالمین اس فرصت میں صرف چند چیزوں کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا مقصود ہے وہ بھی صرف جذبہ نصیحت وخیر خواہی کے تحت کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ﴾ (الحدیث) جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ ان چیزوں کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں جن پر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت فرمائی ﴿وَالنُّصْحُ لِكُلِّ مُسْلِمٍ﴾ مجھے آپ کا ڈاک پتہ معلوم نہیں اس لیے مجلۃ الدعوۃ کے پتہ پر مکتوب ارسال کر رہا ہوں امید ہے آپ محسوس نہیں فرمائیں گے ان شاء اللہ تبارک وتعالیٰ

(۱) عمرہ کا سنت طریقہ بیان کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں: ''میقات سے احرام باندھے اور بیت اللہ پہنچ کر بیت اللہ کے گرد سات طواف کرے'' الخ الفاظ ''سات طواف کرے'' کی جگہ یہ عبارت ''سات اشواط (پھیروں) کا ایک طواف کرے'' ہو تو بہت ہی زیادہ مناسب ہے۔

(۲) آپ لکھتے ہیں: ''جس نے حج کیا ہوا ہو وہ دوسرے کی طرف سے حج کر سکتا ہے اور اس پر قیاس کر کے عمرہ بھی کسی کی طرف سے ادا کر سکتا ہے'' معلوم ہو کہ کسی کی طرف سے عمرہ کرنے کی نص بھی موجود ہے چنانچہ مشکوٰۃ ہی میں کتاب المناسک الفصل الثانی میں لکھا ہے: ﴿وَعَنْ أَبِيْ رَزِيْنٍ الْعُقَيْلِيْ أَنَّهُ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ : يَا رَسُوْلُ اللهِ إِنَّ أَبِيْ شَيْخٌ كَبِيْرٌ لاَ يَسْتَطِيْعُ الْحَجَّ وَلاَ الْعُمْرَةَ وَلاَ الظَّعَنَ. قَالَ حُجَّ عَنْ أَبِيْكَ وَاعْتَمِرْ﴾ [1] [ابی رزین عقیلی سے ہے بے شک وہ نبی ﷺ کے پاس آیا اور عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ بے شک میرا باپ بوڑھا ہے وہ حج کی طاقت نہیں رکھتا نہ ہی عمرہ کی اور نہ ہی سفر کی تو آپ ﷺ نے فرمایا تو اپنے باپ کی طرف سے حج کر اور عمرہ کر]

(۳) آپ لکھتے ہیں: ''رمضان میں عمرہ کرنے کی فضیلت کے بارے میں آپ نے فرمایا رمضان میں میرے ساتھ عمرہ کرنا حج کے برابر ثواب رکھتا ہے مشکوٰۃ کتاب المناسک گویا یہ فضیلت حدیث کے مطابق آپ کے ساتھ حج کرنے سے مشروط ہے'' آپ کی اس عبارت میں دو چیزیں توجہ طلب ہیں۔ (۱) میرے ساتھ عمرہ کرنا۔ (۲) آپ کے ساتھ حج کرنے سے مشروط۔ یہ دونوں چیزیں مجھے مشکوٰۃ کتاب المناسک میں نہیں ملیں اور نہ ہی کسی اور کتاب حدیث میں میری نظر سے گزری ہیں برائے مہربانی آپ مجھے ان دو چیزوں کے بارے میں حوالہ سے مطلع فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ کے علم وعمل میں برکت فرمائے۔

---

[1] رواه الترمذي وابوداود والنسائي وقال الترمذي : هذا حديث حسن صحيح

مشکوٰۃ کتاب المناسک میں جو مجھے ملا وہ نیچے درج ہے ﴿وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ : إِنَّ عُمْرَةً فِي رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً﴾ [بے شک رمضان میں عمرہ حج کے برابر (ثواب) ہے] (متفق علیہ) انتہی ہاں صحیح بخاری کی ایک روایت میں یہ لفظ بھی آئے ہیں ﴿حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ أَخْبَرَنَا حَبِيْبٌ الْمُعَلِّمُ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ: لَمَّا رَجَعَ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ حَجَّتِهِ قَالَ لِأُمِّ سِنَان الْأَنْصَارِيَّةِ : مَا مَنَعَكِ مِنَ الْحَجِّ ؟ قَالَتْ : أَبُوْ فُلاَنٍ -تَعْنِي زَوْجَهَا - كَانَ لَهُ نَاضِحَانِ حَجَّ عَلٰى أَحَدِهِمَا ، وَالْآخَرُ يَسْقِيْ أَرْضًا لَنَا قَالَ : فَإِنَّ عُمْرَةً فِيْ رَمَضَانَ تَقْضِيْ حَجَّةً مَعِيَ﴾ [1] [ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے کہ جب نبی ﷺ اپنے حج سے واپس آئے تو آپ نے ام سنان انصاریہ رضی اللہ عنہا کو کہا کہ تجھے کس چیز نے حج سے روکا تو اس نے کہا ابوفلان نے وہ اپنا خاوند مراد لے رہی تھی اس کے دو اونٹ تھے پانی لادنے والے۔ ایک پر تو اس نے خود حج کیا اور دوسرا ہماری زمین کو پانی پلاتا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا پس بے شک رمضان میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کرنے کی قضاء پوری کرے گا]

اگر مناسب خیال فرمائیں تو اصلاح فرما کر دوبارہ مجلّہ میں شائع فرما دیں باقی میری طرف سے تمام احباب واخوان کی خدمت میں ہدیہ سلام پیش فرما دیں۔ ۱۴۱۴/۹/۲۹ھ

---

[1] کتاب جزاءِ الصَّيد بَابُ حَجِّ النِّسَاءِ (۴/۷۲) مع الفتح

کتاب النکاح ....نکاح کے مسائل

س: کیا اسلام میں وٹہ سٹہ کی شادی جائز ہے؟ عبدالحق دوکاندار ضلع سیالکوٹ

ج: صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے ''رسول اللہ ﷺ نے نکاح شغار (نکاح وٹہ) سے منع فرمایا'' [1] اور بعض احادیث میں یہ لفظ بھی آئے ہیں ''اسلام میں شغار نہیں'' صحیح بخاری میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ''اسلام نے لوگوں کے آج رائج نکاح کے علاوہ جاہلیت کے تمام نکاحوں کو ختم کر دیا'' تو ان دلائل کی روشنی میں نکاح شغار نکاح باطل ہے۔ھذا ما عندی واللہ اعلم ۱٤۱۲/٥/۷ھ

س: صورت احوال یہ ہے کہ ہمارے ہاں ایک اہل حدیث لڑکے کی شادی ہوئی تین سال کا عرصہ گزر جانے کے بعد لڑکے والوں کے ہاں ان کی بہن دینی تعلیم پڑھ کر فارغ ہوئی اب ان کا خیال ہوا کہ جس گھر ہم نے اپنے بیٹے کی شادی کی ان کے ہاں ایک لڑکا ہے جو کہ نیک سیرت وصورت کے لحاظ سے بھی ٹھیک اور عالم باعمل ہے اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ لڑکے والے جس سے انہوں نے پہلے لڑکی لی اب اپنی بیٹی کی شادی وہاں کر سکتے ہیں کہ نہیں اگر کر لیتے ہیں تو آیا یہ نکاح شغار میں تو شمار نہیں ہوگا حالانکہ ۳ سال پہلے شادی کے وقت اس موضوع پر گفتگو تک نہ ہوئی تھی کہ اگر تم اپنی بچی دو گے تو پھر ہم اپنی بچی تم کو دیں گے یا پھر اس کے الٹا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ ہاں اگر یہ رشتہ شرعی لحاظ سے درست ہے تو پھر اگر لڑکے کے والدین اس میں مخالفت کریں تو کیسا ہے جبکہ لڑکا اور لڑکی اور اس کے والدین راضی ہیں۔ عباس الٰہی ظہیر سرگودھا

ج: صورت مسئولہ نکاح شغار کی صورت نہیں ہے رہا لڑکے کا اپنے والدین سے معاملہ تو اس کے متعلق قرآن مجید میں ہے ﴿وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا﴾ [2] [اور دنیا میں ان کے ساتھ دستور کے موافق رہ]

۱٤۱٤/۷/۲۳ھ

س: مجھے ایک شخص نے اپنی بیٹی اس شرط پر میرے نکاح میں دی کہ میں اپنی بہن کی شادی اس شخص کے بیٹے سے کرا دوں۔ میں نے اس کی یہ شرط قبول کر کے اپنی بہن کی شادی اس کے بیٹے سے اور اپنی شادی ان کی بیٹی سے شرعی طریقے سے کی۔

---

[1] [بخاری ـ کتاب النکاح ـ باب الشغار] [2] [لقمان ۱٥ پ ۲۱]

حق مہر میں دونوں طرف پر چودہ چودہ گائیں مقرر کی گئیں جب کہ ایک بکری اس پر زائد مقرر ہوئی۔

مجھے آپ سے یہ معلوم کرنا ہے کہ آیا یہ نکاح شریعت کے مطابق صحیح ہے کہ نہیں اگر صحیح نہیں ہے تو دونوں پر نکاح کا فسخ عائد ہوتا ہے یا ایک پر اور اگر ایک پر ہے۔ تو وہ کس پر مجھ پر یا میری بہن پر۔ اگر دونوں پر نکاح فسخ عائد ہوتا ہے تو کیا اس کے بعد تجدید نکاح کر سکتے ہیں کہ نہیں؟ مہربانی فرما کر قرآن وسنت کی روشنی میں اس کا جواب عربی میں دے کر مشکور فرمادیں؟

ج: فَقَدِ اضْطَرَبَتْ كَلِمَاتُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِيْ صُوْرَةِ الشِّغَارِ الَّتِيْ سَأَلْتَنِيْ عَنْهَا ، فَكَلِمَةُ بَعْضِهِمْ أَنَّهَا تَجُوْزُ ، وَكَلِمَةُ بَعْضِهِمْ أَنَّهَا لاَ تَجُوْزُ ، وَالْأَرْجَحُ مِنْ أَقْوَالِهِمْ أَنَّهَا لاَ تَجُوْزُ ، فَالنِّكَاحَانِ مَفْسُوْخَانِ، بَلْ لَمْ يَنْعَقِدْ مِنْ أَصْلِهِمَا لِأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنِ الشِّغَارِ، وَقَالَ : لاَ شِغَارَ . وَالنَّهْيُ يَقْتَضِيْ الْفَسَادَ . وَالْخَبَرُ يَسْتَدْعِيْ عَدَمَ الْوُقُوْعِ ، وَاللهُ أَعْلَمُ ٢٨/٢/١٤١٨هـ

[شغار کی وہ صورت جس کے متعلق آپ نے سوال کیا ہے اہل علم کے اقوال مختلف ہیں بعض کا قول ہے کہ وہ جائز ہے اور بعض کا قول ہے کہ وہ ناجائز ہے علماء کے اقوال میں سے راجح قول یہ ہے کہ وہ ناجائز ہے پس دونوں نکاح فسخ ہیں بلکہ وہ بنیادی طور پر منعقد ہی نہیں ہوئے کیونکہ نبی ﷺ نے شغار سے منع کیا ہے اور فرمایا کہ شغار نہیں ہے اور نہی فساد کا تقاضا کرتی ہے اور خبر عدم وقوع کا تقاضا کرتی ہے]

س: کیا اہل حدیث لڑکی کا نکاح شرکیہ یا بدعتی عقائد رکھنے والے شخص سے ہوسکتا ہے اور کیا امام ایسا نکاح پڑھا سکتا ہے؟ عبداللطیف تبسم اوکاڑہ

ج: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: ﴿وَلاَ تُنْكِحُوْا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا﴾ [1] [اور مشرک مرد جب تک ایمان نہ لائیں مسلمان عورتوں سے ان کا نکاح نہ کرو] الآیۃ۔ قضاۃ، ولاۃ اور نکاح خواں سبھی اس آیت کریمہ میں مخاطب ہیں نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿لاَ هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلاَ هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ﴾ [2] [نہیں وہ عورتیں حلال واسطے ان کافروں کے اور نہ وہ کافر حلال واسطے ان عورتوں کے] اور معلوم ہے کہ ہر مشرک بشرک اکبر کافر ہے البتہ بریلویوں، دیوبندیوں اور اہل حدیثوں کا معاملہ اس سے مختلف ہے کیونکہ ان میں مشرک وکافر بھی ہوتے ہیں اور موحد ومؤمن بھی۔ ٢٨/١٠/١٤١٨هـ

---

[1] [البقرة ٢٢١ پ٢] [2] [ممتحنة ١٠ پ٢٨]

س: (۱) میرا ایک دوست ایک ایسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے جس کے والدین اور لڑکی قبروں پر جا کر دعائیں کرتے ہیں میرا مطلب ہے کہ درباروں پر جاتے ہیں گیارہویں اور ختم وغیرہ بھی ان کے ہاں جائز ہے تو کیا ایسی لڑکی سے شادی کرنا درست ہے؟

(۲) ہمیں بتایا گیا ہے کہ فلاں آدمی نے بازاری عورت سے شادی کی ہے شادی سے پہلے وہ مرد اس عورت سے ناجائز تعلقات قائم کرتا رہا ہے اور اب انہوں نے شادی کر لی ہے ہمارے ایک قاری صاحب کہتے ہیں کہ جس سے زنا کیا جائے اس سے نکاح نہیں ہوسکتا؟ طاہر

ج: (۱) درست ہے بشرطیکہ اس لڑکی کو اور اس لڑکی کے خاندان کو ان غلط عقائد واعمال سے بچانا مقصود ہو نیز عفت و پاکدامنی مراد ہو۔

(۲) قاری صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ کی بات درست ہے واقعی ایسا نکاح حرام ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [اور حرام کیا گیا ہے یہ اوپر ایمان داروں کے][1] زانی کا زانیہ یا مشرکہ کے ساتھ اور زانیہ کا زانی یا مشرک کے ساتھ نکاح مومنوں پر حرام ہے حافظ ابن قیم -رحمہ اللہ تعالیٰ- فرماتے ہیں ''اس مقام پر ذٰلك اسم اشارہ سے زنا مراد لینا ضعیف اور کمزور ہے'' نیز نکاح کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمانا ﴿مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ وَّلاَ مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ﴾[2] [وہ پاک دامن ہوں نہ اعلانیہ زنا کرنے والی نہ چھپے یاروں والی] اور بیان کرنا ﴿مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ وَلاَ مُتَّخِذِيْٓ أَخْدَانٍ﴾[3] [تمہاری نیت نکاح کی ہو نہ زنا کرنے کی اور نہ پکڑنے والے چھپی دوستی] اس بات کی دلیل ہے کہ نکاح منعقد ہونے کے لیے مرد اور عورت دونوں کا عفیف اور پاکدامن ہونا ضروری ہے مزید تفصیل کے لیے سورۃ النور کے آغاز والی آیات کی تفسیر ''تفسیر ابن کثیر'' میں پڑھ لیں۔ ہاں زنا کے بعد توبہ ہو جائے اور ان کی توبہ کا مبنی براخلاص ہونا شواہد وقرائن سے لوگوں پر واضح ہو جائے تو بعد ازاں انکا نکاح درست ہوگا۔ ۱۴۱۸/۷/۲۲ھ

س: تین چار سال قبل ایک لڑکے اور لڑکی کے آپس میں تعلقات ہو گئے اب اسی دوران لڑکی نے اپنی والدہ کو کہا تو وہ یہاں رشتہ کرنے پر رضا مند ہوگئی۔ بات طے ہوگئی۔ نکاح کی تاریخ بھی طے ہوگئی۔ عین نکاح کے دن (چونکہ لڑکی کا والد سادہ آدمی تھا اس لیے اسے اس کے بھائیوں نے مجبور کیا کہ وہاں رشتہ نہیں دینا)۔ پیغام ملا کہ آپ نکاح نہ لینے

---

[1] [نور ۳ پ ۱۸] [2] [النساء ۲۵ پ ۵] [3] [مائدۃ ۵ پ ٦]

آئیں۔لڑکی کی والدہ بھی جواب دے کر چلی گئی۔ چند دنوں کے بعد لڑکی وہاں سے لڑکے کے پاس آ گئی۔اور انہوں نے عدالت میں رجوع کر کے نکاح کر لیا۔اس نکاح سے قبل دونوں زنا کے مرتکب بھی ہوئے۔اور عین نکاح کے وقت (بقول لڑکے کے) لڑکی کو حمل بھی تھا۔

کچھ عرصہ کے بعد لڑکی کی والدہ رات اس لڑکی کو واپس لے کے چلی گئی۔اور پھر عدالت میں کیس چلتا رہا آخر فیصلہ لڑکے کے حق میں ہو گیا۔اور وہ لڑکی کو اپنے گھر لے آیا۔ چند ہی دنوں بعد اس لڑکے کو احساس ہوا کہ نکاح کے وقت تو حمل تھا لہٰذا نکاح نہیں ہوا۔اب اس نے ایک مولوی صاحب سے رجوع کیا اور اس مولوی صاحب نے مسجد کے ایک کونے میں بیٹھ کر کچھ حق مہر کے تحت اس لڑکے کا نکاح پڑھ دیا۔جبکہ وہ گواہوں والے معاملے سے لاعلم تھا۔ اور اب اسے اس بات کا بڑا افسوس ہے۔

لڑکی کی والدہ فوت ہو چکی ہے اور لڑکی کا والد اس اہل نہیں کہ وہ ولی بن سکے (وہ لائی لگ ہے) ان دونوں کی اولاد بھی ہو چکی ہے۔لڑکی کا کوئی بھائی نہیں ہے۔کتاب وسنت کی روشنی میں واضح فرمائیں کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔لڑکا اور لڑکی کہتے ہیں کہ اب ہم نے سچے دل سے توبہ بھی کر لی ہے۔باوضاحت جواب لکھیں؟

ج: صورت مسئولہ میں نکاح درست نہیں کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَأُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوْا بِأَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ﴾ [1] [اور حلال کیا گیا واسطے تمہارے جو کچھ سوائے اسی کے ہے یہ کہ طلب کرو تم بدلے مالوں اپنے کے قید میں رکھنے والے نہ پانی ڈالنے والے یعنی بدکار] اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ حلت نکاح کے لیے مرد کا محصن عفیف اور غیر زانی ہونا ضروری ہے اللہ تعالیٰ کا ہی فرمان ہے: ﴿اَلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ أُوْتُوْا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوْهُنَّ أُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ وَلاَ مُتَّخِذِيْ أَخْدَانٍ﴾ [2] [آج کے دن حلال کی گئیں واسطے تمہارے پاکیزہ چیزیں اور کھانا ان لوگوں کا کہ دیئے گئے ہیں کتاب حلال ہے واسطے تمہارے اور کھانا تمہارا حلال ہے واسطے ان کے اور پاکدامنیں مسلمانوں میں سے اور پاک دامنیں ان لوگوں میں کہ دیئے گئے ہیں کتاب پہلے تم سے جب دو تم ان کو مہر ان کے نکاح میں لانے والے نہ بدکاری کرنے والے اور نہ پکڑنے والے چھپے آشنا] اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوا کہ حلت نکاح

[1] [النساء ٢٤ پ٥] [2] [المائدة ٥ پ٦]

کے لیے عورت کا محصنہ عفیفہ غیر زانیہ ہونا ضروری ہے پھر یہ آیت کریمہ حلت نکاح میں مرد کے محصن عفیف غیر زانی ہونے پر بھی دلالت کر رہی ہے تو ان آیتوں کو ملانے سے ثابت ہوا کہ جس جوڑے کا آپس میں نکاح ہونا طے پایا ہے دونوں محصن عفیف ہیں تو نکاح حلال ورنہ نکاح حلال نہیں خواہ دونوں ہی غیر محصن وغیر عفیف ہوں خواہ ایک غیر محصن وغیر عفیف ہو خواہ مرد غیر محصن وغیر عفیف ہو خواہ عورت غیر محصنہ وغیر عفیفہ ہو۔ تو ان تینوں صورتوں میں نکاح حلال نہیں۔

پھر صورت مسئولہ میں نکاح اذن ولی کے بغیر ہے اور اذن ولی کے بغیر نکاح درست نہیں قبل از اسلام زمانہ جاہلیت میں لوگ اذن ولی کے بغیر نکاح کر لیا کرتے تھے اسلام نے اسلامی نکاح کے علاوہ جاہلیت کے تمام نکاح ختم کر دیے صحیح بخاری میں ہے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ﴿فَلَمَّا بُعِثَ مُحَمَّدٌ ﷺ بِالْحَقِّ هَدَمَ نِكَاحَ الْجَاهِلِيَّةِ كُلَّهُ إِلَّا نِكَاحَ النَّاسِ الْيَوْمَ﴾ [پس جب نبی ﷺ کو بھیجا گیا ساتھ حق کے تو آپ نے جاہلیت کے تمام نکاح ختم کر دیے مگر وہ نکاح جو آج لوگ کرتے ہیں] اور ''نِكَاحُ النَّاسِ الْيَوْمَ'' کی وضاحت اسی حدیث میں پہلے آ چکی ہے چنانچہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی فرماتی ہیں: ﴿فَنِكَاحٌ مِنْهَا نِكَاحُ النَّاسِ الْيَوْمَ يَخْطُبُ الرَّجُلُ إِلَى الرَّجُلِ وَلِيَّتَهُ أَوِ ابْنَتَهُ ، فَيُصْدِقُهَا ، ثُمَّ يَنْكِحُهَا﴾ [1] [پس ان نکاحوں میں سے ایک نکاح وہ ہے جو آج لوگ کرتے ہیں کہ آدمی دوسرے آدمی کو پیغام دیتا اس لڑکی کے متعلق جو اسکی سرپرستی میں ہوتی یا اس کی بیٹی کے متعلق پس وہ اس لڑکی کا حق مہر مقرر کرتا پھر اس سے نکاح کرتا]

عدالت نے صرف لڑکی کے بیان پر کاروائی کی ہے اس لیے اس کا کوئی اعتبار نہیں فریقین کے بیان سنے بغیر فیصلہ کرنے سے شریعت نے منع فرمایا ہے چنانچہ ملاحظہ فرمائیں۔ [2]

ہاں اگر دونوں تائب ہو جائیں اور توبہ واقعتاً درست ہو حقیقت پر مبنی ہو اور گواہوں کی موجودگی میں ولی کے اذن سے اسلامی اصولوں کے مطابق شروط نکاح کی پابندی میں ان کا نیا نکاح ہو تو آئندہ گناہ سے محفوظ ہو جائیں گے۔ ان

شاءاللہ الرحمان ۱۴۲۰/۲/۲۳ھ

س: تفسیر مظہری صفحہ ۴۰۱ میں ہے اگر کوئی عورت اپنا نفس نبی ﷺ کو ہبہ کر دے تو یہ محمد ﷺ کے لیے خاص ہے آگے لکھا ہے کہ (یہ مسئلہ) ''وَهَبَتْ نَفْسَهَا'' کا معنی ہے کہ کوئی عورت اپنے آپ کو کسی مرد کے نکاح میں بغیر مہر کے

---

[1] جلد دوم كتاب النكاح باب من قال لا نكاح الا بولي ص ۷٦۹ وص ۷۷۰ [2] ارواء الغليل حديث نمبر ۲٦۰۰

دے دے تو جائز ہے خَالِصَةً لَّكَ نبی ﷺ کے لیے ہے خاص نہیں بلکہ ہر آدمی کرسکتا ہے۔ [1] مولانا محمد صفدر عثمانی

ج: جس چیز کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [یہ حکم خاص تیرے لیے ہے مسلمانوں کے لیے نہیں] [2] وہ ہر آدمی کے لیے نہیں اگر کسی نے اس ﴿خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ کو ''عَامَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ'' بنایا ہے تو اس نے خطا کی۔ ۱۴۱۶/۱۱/۲۱ھ

س: حاملہ عورت کا نکاح۔ نکاح خواں کی پوزیشن۔ گواہوں کی پوزیشن۔ دولہا کی پوزیشن اور دوسرے لوگ جو اس نکاح کے وقت موجود ہیں یا کسی نہ کسی طرح ان کا اس نکاح سے تعلق ہے؟

(۱) اگر مندرجہ بالا تمام لوگ یا کچھ اس بات سے واقف ہوں یا ناواقف ہوں کہ عورت حاملہ ہے۔

(۲) اگر نکاح خواں کو علم نہ ہو یا جان بوجھ کر نہ بتایا گیا ہو؟ 12/4/94

ج: یہ جرم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَأُوْلاَتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ [اور حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنا بچہ جنیں] [3] جو لاعلم ہیں ان کا جرم باعلموں کے جرم کی بنسبت ہلکا ہے بہر حال مجرم سب ہی ہیں۔ اس کی حد کتاب وسنت میں وارد نہیں ہوئی فقط تعزیر ہی ہے جو قاضی کی صوابدید پر لگائی جائے گی وہ بھی رسول اللہ ﷺ نے پابند فرما دیا ہے کہ تعزیر دس کوڑوں سے زیادہ نہیں ہوسکتی چنانچہ صحیح بخاری وغیرہ میں آپ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿لاَ يُجْلَدُ فَوْقَ عَشْرِ جَلَدَاتٍ إِلاَّ فِيْ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللهِ﴾ [4] [نہ کوڑے مارے جاویں دس (۱۰) سے زیادہ مگر اللہ کی حدوں میں سے کسی حد میں] مذکور بالا مجرمین کو اولین فرصت میں توبہ تو کر لینی چاہیے نیز اس نکاح کو ختم کر دینا ہوگا کیونکہ وہ نکاح تو شرعاً نکاح ہے ہی نہیں اس لیے مرد وعورت دونوں میں جدائی کروانا ضروری ہے؟ واللہ اعلم ۱۴۱۴/۱۱/۷ھ

س: ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس کے اولاد بھی پیدا ہوئی۔ بعد ازاں اس شخص نے دوسری عورت سے نکاح کیا جو کہ پہلی عورت کی سگی بھانجی ہے اور اس سے بھی اولاد پیدا ہوئی۔ یعنی کہ خالہ اور بھانجی کو نکاح میں ایک ساتھ جمع کر دیا۔ دونوں میں سے کسی ایک کو طلاق بھی نہیں دی گئی۔

عوام کالانعام خاموش ہیں اور صاحب علم تذبذب کا شکار ہیں۔ کیونکہ نکاح کسی مولانا صاحب نے ہی پڑھایا ہو گا۔ مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات بالترتیب قرآن وسنت کی روشنی میں بحوالہ ارشاد فرمائیں؟ مہر بھی ثبت فرمائیں؟

---

[1] مظہری ص ۴۰۱ [2] [الاحزاب ۵۰ پ ۲۲] [3] [الطلاق ۴ پ ۲۸] [4] [بخاری ۔ کتاب الحدود ۔ باب کم التعزیر والادب]

(۱) کیا یہ دونوں نکاح درست اور جائز ہیں؟

(۲) اگر درست ہیں تو فبہا۔ بصورت دیگر کون سا نکاح باطل ٹھہرے گا؟

(۳) باطل نکاح والی اولاد کے متعلق کیا حکم ہے؟

(۴) اگر باطل نکاح والی اولاد ناجائز اور حرامی ہے تو کیا اولاد باپ کی وراثت کی حقدار ہوگی یا نہیں؟

(۵) کیا حلالی اولاد حرامی اولاد کے خلاف قانون وراثت کے تحت حق وراثت کا دعویٰ دائر کرنے میں حق بجانب ہو گی؟

(۶) باطل نکاح والے جوڑے پر کون سی حد نافذ ہوتی ہے؟ نکاح خوان اور گواہان پر کون سی حد ہوگی؟

ج: آپ کے سوالوں کے جواب ترتیب وار مندرجہ ذیل ہیں بتوفیق اللہ تبارک وتعالیٰ وعونہ

(۱) صحیح بخاری جلد دوم کتاب النکاح بَابٌ لاَ تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ عَلٰى عَمَّتِهَا ص۷۶۶ پر مذکور ہے ﴿عَاصِمٌ عَنِ الشَّعْبِيِّ سَمِعَ جَابِرًا قَالَ : " نَهَى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَنْ تُنْكَحَ الْمَرْأَةُ عَلٰى عَمَّتِهَا أَوْ خَالَتِهَا" وَقَالَ دَاوُدُ وَابْنُ عَوْنٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ . ا ھ﴾ اور صحیح مسلم جلد اول کتاب النکاح باب تَحْرِيْمِ الْجَمْعِ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا أَوْ خَالَتِهَا فِي النِّكَاحِ ص ۴۵۳ پر لکھا ہے ﴿عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ : لاَ تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ عَلٰى عَمَّتِهَا، وَلاَ عَلٰى خَالَتِهَا. ا ھ﴾ [نہ نکاح کیا جائے عورت کا اس کی پھوپھو پر اور نہ خالہ پر] ان احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا خالہ کا نکاح درست ہے اور اس کے بعد بھانجی کا نکاح درست نہیں باطل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں: ﴿وَلاَ عَلٰى خَالَتِهَا﴾ اگر پہلا نکاح خالہ والا درست نہ ہو تو ﴿عَلٰى خَالَتِهَا﴾ والی صورت نہیں بنتی اور نہ ہی اسے ﴿جَمْعٌ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَخَالَتِهَا﴾ قرار دیا جا سکتا ہے جبکہ معلوم ہے کہ مذکور صورت ﴿عَلٰى خَالَتِهَا﴾ بھی ہے اور ﴿جَمْعٌ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَخَالَتِهَا﴾ بھی ہے۔

اس میں سوال نمبر۲، نمبر۳، نمبر۴ اور نمبر۵ کے جواب بھی بیان ہو گئے ہیں کیونکہ جب دوسرا نکاح ازروئے شریعت باطل ٹھہرا لہٰذا اس پر نکاح باطل کے تمام احکام لاگو ہوں گے۔

(۶) اس کا تعلق قاضی صاحب کے ساتھ ہے وہی اپنے اجتہاد سے حد یا تعزیر بتائیں گے پھر وہی اس حد یا تعزیر کو نافذ فرمائیں گے۔ واللہ اعلم ۱۴۲۰/۱/۲۵ھ

س: اگر شادی بیاہ کے موقع پر باجے ہوں تو کیا ایسی شادی بیاہ میں شامل ہونا چاہیے یا نہیں؟ تنویر احمد

ج: نہیں۔ اگر تبلیغ کر کے بند کروا سکتا ہے تو بند کروا کر شامل ہو جائے۔ ۱۴۱۶/۴/۲۰ھ

س: (۱) ایسی دعوت طعام جس پر باجا گاجا یعنی فوجی بینڈ وغیرہ کا اہتمام ہو۔ کیا حکم ہے؟

بعض لوگ اس دعوت کو حرام قرار دیتے ہیں اور بعض ناجائز۔

(۲) اگر ایسے موقع پر آدمی گانا بجانا کی محفل میں بالکل شامل نہ ہو بلکہ ناپسندیدگی کی وجہ سے اس محفل سے دور رہے لیکن کھانے کے وقت شامل ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

(۳) ایسی دعوت ولیمہ پر شامل ہونا جس کی بارات پر مذکورہ فعل کیا گیا ہو یعنی دعوت ولیمہ پر یہ بے ہودہ رسم نہ کی جائے۔ اس میں شرکت کا کیا حکم ہے؟ عدم شمولیت سے قطع رحمی کا بھی سخت خطرہ ہو۔ وضاحت فرما کر اللہ تعالیٰ سے اجر حاصل کریں؟ محمد ایوب خالد جھبراں شیخوپورہ

ج: اما بعد! اس قسم کی دعوتوں میں شمولیت سے اگر ﴿مَنْ رَّاٰی مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ﴾ [1] الخ [جو تم سے برائی دیکھے وہ اس کو روکے] کے تقاضے پورے ہوں تو درست ورنہ درست نہیں اور ظاہر ہے کہ اس حدیث میں مذکور تین تقاضوں میں سے کسی نہ کسی تقاضے میں شمولیت کی وجہ سے خلل آئے گا اس لیے ایسی دعوتوں میں شمولیت سے پرہیز کرے۔ واللہ اعلم ۱۴۱۵/۱۱/۲۱ھ

س: ایک آدمی حنفی طریقہ کے مطابق یعنی بدعت طریقہ کے مطابق عورت کو طلاق دیتا ہے۔ میرا مطلب ہے ایک مجلس میں تین طلاق دیتا ہے کیا اس عورت کے ساتھ اہل حدیث کا نکاح ہوسکتا ہے۔ جبکہ ہمارے نزدیک تو صرف ایک ہی طلاق ہوتی ہے؟ محمد آصف اعوان 21/6/87

ج: یہ بات تو آپ ماشاء اللہ جانتے ہی ہیں کہ یکمشت دی ہوئی تین طلاقیں ایک ہی طلاق ہوتی ہے اس کے بعد عدت کے اندر اندر خاوند اپنی اس مطلقہ بیوی سے بلا نکاح رجوع کرسکتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا﴾ [2] [اور خاوند ان کے بہت حقدار ہیں ساتھ پھیر لینے ان کے کے بیچ اس کے اگر چاہیں صلح کرنا] اور اگر عدت گذر جائے تو خاوند اپنی اس مطلقہ بیوی سے نیا نکاح کرسکتا ہے بشرطیکہ میاں بیوی دونوں راضی ہوں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا﴾ [3] [اور جب طلاق دو تم عورتوں کو پس پہنچیں عدت کو پس مت منع کرو ان کو یہ کہ

[1] [مسلم ۔ کتاب الایمان ۔ باب کون النهی عن المنکر من الایمان وأن الایمان یزید وینقص] [2] [البقرة ۲۲۸ پ۲] [3] [البقرة ۲۳۲ پ۲]

نکاح کریں خاوندوں اپنے سے جب راضی ہوں] اس لیے آپ کی مسئولہ صورت میں اہل حدیث آدمی کا حنفی آدمی کی اس مطلقہ بیوی سے بعداز عدت نکاح ہوسکتا ہے ۔اِلاّ یہ کہ وہ مطلقہ بیوی اپنے خاوند کے پاس رہنے پر ہی راضی ہو تو پھر وہ اپنے اس طلاق دینے والے خاوند سے عدت کے اندر رجوع اور عدت کے بعد نکاح کرسکتی ہے کیونکہ شریعت حنفیوں اہل حدیثوں اور سب مسلمانوں کے لیے ایک ہی ہے دو یا چار پانچ نہیں ۔ واللہ اعلم

۱٤۰۷/۱۰/۲۹ھ

س : کیا عیسائی یا یہودی عورت سے نکاح کیا جاسکتا ہے جبکہ وہ بدستور عیسائی یا یہودی ہی رہے؟

محمد امجد میر پور آزاد کشمیر 16 اگست 1999

ج : ہاں درست ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوْا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوْا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ [1]

[آج کے دن حلال کی گئیں واسطے تمہارے پاکیزہ چیزیں اور کھانا ان لوگوں کا کہ دیئے گئے ہیں کتاب حلال ہے واسطے تمہارے اور کھانا تمہارا حلال ہے واسطے ان کے اور پاک دامنیں مسلمانوں میں سے اور پاک دامنیں ان لوگوں میں کہ دیئے گئے ہیں کتاب پہلے تم سے] ۱٤۲۰/٦/۱۹ھ

س : (۱) کیا مسلمان مرد کتابیہ (یہودن یا عیسائن) سے نکاح کرسکتا ہے؟ نکاح سے قبل کیا اسے کلمہ توحید پڑھانا ضروری ہے؟ کیا یہ نکاح عام نکاح کی طرح پڑھایا جائے گا؟ اور کیا اس میں اسی طرح ولیمہ اور ایک دوسرے خاندانوں کے ہاں آمدورفت اور گھول میل ہوگی؟

(۲) مسلم اور غیر مسلم ایک دوسرے سے نکاح نہیں کرسکتے ۔ اور ایک دوسرے کے وارث بھی نہیں بن سکتے ۔ قرآن وحدیث اور آثار سے اس کی واضح دلیل درکار ہے؟ محمد ادریس فاروقی

ج : (۱) مسلم مرد کتابیہ (یہودیہ یا نصرانیہ) عورت کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے بشرطیکہ وہ کتابیہ محصنہ ہو اور یہ مسلم مرد بھی محصن ہو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوْا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ وَلاَ مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ﴾ [2] [اور پاک دامنیں ان لوگوں میں کہ دیئے گئے کتاب پہلے تم سے جب دو تم ان کو مہر ان کے نکاح میں لانے والے نہ بدکاری کرنے والے اور نہ پکڑنے والے چھپے

[1] [المائدة ٥ پ٦] [2] [المائدة ٥ پ٦]

آشنا] کتابیہ کو ایسے موقع پر کلمہ پڑھانا ضروری نہیں ورنہ نکاح مسلمہ سے ہوا نہ کہ کتابیہ سے۔ یہ نکاح عام اسلامی نکاح کی طرح ہی پڑھایا جائے گا پھر اس میں ولیمہ بھی ہوگا البتہ کتابیہ بیوی کے رشتہ دار کو جو اہل کتاب سے ہوا لگ کھانا کھلایا جائے گا ایسا گھول میل ہرگز نہیں ہوگا جس سے اسلام کے غلبہ، علو اور شوکت پر آنچ آئے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ﴾ [1] [نہیں وہ عورتیں حلال واسطے ان کافروں کے اور نہ کافر حلال واسطے ان عورتوں کے] مومن عورتیں کافر مردوں کے لیے حلال نہیں اور کافر مرد مومن عورتوں کے لیے حلال نہیں البتہ اس قانون وقاعدے سے کتابیہ عورت کا مسلم مرد کے ساتھ نکاح مذکورہ آیت مائدہ کے پیش نظر مستثنیٰ ہے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مرفوعاً ہے: ﴿لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ ، وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ﴾ [نہ وارث بنے گا مسلمان کافر کا اور نہ کافر مسلمان کا] [2] ۱۴۱۸/۱۱/۲۳ھ

س: تم میں سے جو مرد عورت مجرد ہوں ان کا نکاح کر دیا کرو اور اپنے نیک بخت غلام لونڈیوں کا بھی اور اگر وہ مفلس بھی ہوں گے تو اللہ ان کو اپنے فضل سے امیر بنادے گا اللہ کشادگی والا علم والا ہے۔ ان لوگوں کو پاک دامن رہنا چاہیے جو نکاح کرنے کی قدرت یا طاقت نہیں رکھتے۔ یہاں تک کہ اللہ ان کو اپنے فضل سے امیر بنادے۔

پہلی آیت میں نکاح کرنے کا حکم دیا گیا ہے اگر آدمی غریب ہی کیوں نہ ہو۔

دوسری آیت میں یہ کہا گیا کہ اگر وہ نکاح کی قدرت نہ رکھتا ہو تو پرہیز گاری اختیار کرے۔ قدرت نہ رکھتا ہو کی وضاحت فرمادیں کیوں کہ پہلی آیت میں غریب آدمی کو نکاح کرنے کا حکم دیا گیا تو غریب ہوتا ہی وہ ہے جو نکاح کی طاقت نہ رکھتا ہو تو دوسری آیت میں اس کو پرہیز گاری کا حکم دیا گیا ہے وضاحت فرمائیں؟

عبدالغفور ولد عبدالحق شاہدرہ لاہور

ج: پہلی آیت میں انکاح کا حکم ہے۔ ﴿وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ﴾ [3] [اور نکاح کرو رانڈوں کا اپنے میں سے] خواہ وہ فقراء ہوں اس میں متعفف رہنے یا بننے کی ممانعت یا نفی نہیں ہے اور دوسری آیت میں ﴿إِغْنَاءُ اللّٰهِ مِنْ فَضْلِهِ﴾ تک نکاح نہ پانے والوں کو متعفف رہنے کا حکم ہے نکاح نہ پانے والوں کے انکاح یا نکاح کی ممانعت یا نفی نہیں ہے لہٰذا دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں۔ ۱۴۱۷/۵/۲۲ھ

س: آیا اہل حدیث مسلک کا لڑکا یا لڑکی کسی بریلوی یا دیوبندی مسلک کی لڑکی یا لڑکے سے شادی کرسکتا ہے؟

ڈاکٹر محمد حسین 15/2/97

---

[1] [الممتحنة ۱۰ پ ۲۸] [2] [بخاری ۔ کتاب الفرائض ۔ باب لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم]
[3] [النور ۳۲ پ ۱۸]

ج: مشرک وکافر لڑکے یا لڑکی (خواہ وہ اپنے آپ کو اہل حدیث یا دیوبندی یا بریلوی یا کچھ اور کہلائے) کا مومن لڑکی یا لڑکے کے ساتھ نکاح شرعاً درست نہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ﴾ [1] [اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لائیں] اور بیان ہے: ﴿وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ﴾ [2] [اور مت پکڑ رکھو نکاح عورتوں کافروں کا] ہاں مومن مرد کتابیہ محصنہ عورت سے نکاح کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ﴾ [3] [اور پاک دامن عورتیں ان لوگوں میں سے جو دیئے گئے کتاب پہلے تم سے] ١٨/١٠/١٤١٧ھ

س: حدیث میں لڑکی کو دیکھنے کی اجازت ہے کیا لڑکی کو بھی لڑکے کو دیکھنے کی اجازت ہے؟ محمد سلیم

ج: لڑکی کے اپنے منگیتر کو دیکھنے کے متعلق مجھے کوئی حدیث معلوم نہیں۔ ٢٤/١١/١٤١٤ھ

س: آپ شادی کرنے کا شرعی طریقہ لکھ کر دیں؟ جزاکم اللہ خیراً۔ حافظ برہان ثاقب نیو سن پورہ لاہور

ج: آپ نے سوال فرمایا: ''آپ شادی کرنے کا شرعی طریقہ لکھ کر دیں؟'' تو محترم! کتاب وسنت میں شادی کے سلسلہ میں جو چیزیں آئیں وہ اختصاراً مندرجہ ذیل ہیں بتوفیق اللہ تبارک وتعالیٰ وعونہ ✿ نکاح ✿ دلہا کی رضا واجازت ✿ دلہن کی رضا واجازت ✿ لڑکی کے ولی کی رضا واجازت ✿ مہر ✿ عادل گواہ ✿ ولیمہ ✿ لڑکے اور لڑکی دونوں کا محصن وعفیف ہونا ✿ لڑکے کا مسلم ہونا ✿ لڑکی کا مسلم یا کتابیہ ہونا ✿ لڑکی کو زیور پہنانا۔ باقی شادی بیاہ کے موقع پر برات، جہیز اور دیگر رائج رسومات کتاب وسنت میں مجھے کہیں نہیں ملیں۔ واللہ اعلم ٢٨/٦/١٤٢٠ھ

س: (۱) کیا نکاح میں ایک ہی خطبہ ہوتا ہے؟ اور مسنون آیات کے علاوہ نکاح کے خطبہ میں کون سی آیات پڑھی جاتی ہیں؟ خطبہ بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر دیا جائے؟

(۲) قرآن وحدیث کی روشنی میں اگر کوئی خطیب خطبہ نکاح کے دوران مختصر نکاح کے متعلق وعظ کرنا چاہے تو اس کے لیے کون سی آیات اور احادیث مناسب رہیں گی؟

(۳) ایک خطبہ میں صرف ایک آدمی کا ہی نکاح پڑھایا جاتا ہے یا کہ ایک سے زائد کا بھی ہو سکتا ہے؟

(۴) ایجاب وقبول کا شرعی طریقہ کار کیا ہے فرض کریں کہ نسیم کی شادی عظیم سے ہونی ہے اور حق مہر ۵۰۰ روپے ہے تو کس طرح ایجاب وقبول کروایا جائے گا۔ صرف نکاح والوں کا نام لینا کافی ہے یا کہ نسیم دختر مقبول کو عظیم بن اشرف

---

[1] [البقرة ٢٢١ پ٢] [2] [الممتحنة ١٠ پ٢٨] [3] [المائدة ٥ پ٦]

اپنے نکاح میں قبول کرتا ہے۔ برائے مہربانی ایجاب قبول کا شرعی طریقہ ضرور بیان فرمائیں کہ مکمل الفاظ کس طرح ادا کرنے ہیں؟ حافظ اعجاز احمد تحصیل وضلع نارووال 7/1/97

ج: (۱) نکاح میں خطبہ ایک ہی ہوتا ہے مسنون آیات کے علاوہ جو آیات نکاح خواں احوال وظروف کے پیش نظر مناسب سمجھے بطور وعظ وتذکیر پڑھ سکتا ہے خطبہ نکاح میں کھڑے ہونے کی پابندی اس فقیر الی اللہ الغنی کی نظر سے کہیں نہیں گزری اس لیے جیسے نکاح خواں چاہے کر لے۔

(۲) جو آیات واحادیث نکاح خواں مناسب سمجھے پڑھ لے کوئی پابندی نہیں۔

(۳) ایک سے زائد نکاح بھی پڑھائے جا سکتے ہیں۔

(۴) جو آپ نے تحریر فرمایا یہ شرعی طریقہ ہی ہے۔ واللہ اعلم ۱۴۱۸/۶/۱۰ھ

س: میری پہلی بیوی موجود ہے میں نے ایک بیوہ عورت سے چوری چھپے دوسری شادی کر لی ہے نکاح کے وقت صرف دو گواہ تھے ایک عورت اور ایک مرد نکاح کے بعد حق مہر بھی ادا کر دیا ہے لیکن حکومت پاکستان کے قانون کے مطابق کسی رجسٹر پر اندراج نہیں کروایا کیا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟

ج: اگر بوقت نکاح گواہ بمطابق نصاب موجود تھے اور عورت کے ولی نے آپ کے ساتھ اس کا نکاح کیا یا ولی نے آپ کے ساتھ نکاح کی عورت کو اجازت دی تو پھر آپ کا یہ نکاح درست اور صحیح ورنہ نکاح درست نہیں ہے۔

۱۴۱۲/۷/۱۶ھ

س: بخاری شریف میں حدیث ہے کہ حضرت علی ﷛ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے جو کہ ابوجہل کی بیٹی تھی شادی کرنے کا ارادہ کیا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پتہ چلا تو انہوں نے حضور سے شکایت کی انہوں نے علی ﷛ کو دوسری شادی سے منع فرمایا کہ تم فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہوتے ہوئے دوسری شادی نہیں کر سکتے اس پر اعتراض پیدا ہوتا ہے حضور ﷺ خود تو گیارہ بارہ بیویاں رکھیں اور اپنی بیٹی کی ایک سوکن بھی برداشت نہ کر سکیں حالانکہ چار بیویاں رکھنے کا حق اللہ پاک نے ہر مسلمان کو دیا ہے معترض کہتا ہے یا حدیث جھوٹی ہے یا حضور منصف نہیں حضور کے انصاف کے مخالف بھی قائل ہیں صادق اور امین جانتے تھے لہٰذا حدیث ہی غلط ہو سکتی ہے؟

چوہدری عبدالرحمٰن مہار بنگلہ میانوالہ ضلع سیالکوٹ

ج: رسول اللہ ﷺ بھی منصف ہیں اور حدیث بھی غلط یا جھوٹی نہیں صحیح متفق علیہ ہے۔توضیح کے لیے ایک مثال پیش خدمت ہے۔ایک شخص کی اپنی چار بیویاں ہیں اس کے ایک بیوی والے داماد نے پروگرام بنالیا اپنے سسر کی ہمشیرہ سے بھی شادی کرلی جائے دو بیویاں ہوجائیں گی۔اس پر چار بیویوں والے سسر اپنے ایک بیوی والے داماد کو کہتے ہیں ایسا نہ کرو اگر ضرور کرنا ہی ہے تو میری بیٹی کو طلاق دے دو آگے سے داماد اور اس کے ہمنوا کہتے ہیں دیکھو صاحب آپ کی اپنی چار بیویاں ہیں قرآن مجید انسان کو چار بیویاں کرنے کا حق دیتا ہے تو پھر آپ اپنی بیٹی کی ایک سوکن برداشت کرنے کو بھی تیار نہیں آخر کیوں؟ یہ ناانصافی ہے وغیرہ وغیرہ باتیں کرتے ہیں حالانکہ داماد اور اس کے ہمنواؤں کی یہ سب باتیں فضول اور نامعقول ہیں کیونکہ سسر صاحب کے اپنے داماد کو اپنی ہمشیرہ کے ساتھ شادی کرنے سے منع کرنے میں بیٹی کی سوکنوں کو برداشت نہ کرنا سبب نہیں سبب فقط یہ ہے کہ پھوپھی بھتیجی دونوں کو بیک وقت ایک شخص کی بیویاں بنانا شریعت میں ناجائز ہے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے اپنے داماد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت جویریہ بنت ابی جہل سے نکاح کرنے سے منع کرنے میں سبب یہ نہیں کہ آپ ﷺ نے اپنی بیٹی کی ایک سوکن کو بھی برداشت نہیں کیا سبب فقط یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی بیٹی ہے اور جویریہ رضی اللہ عنہا عدو اللہ کی بیٹی ہے اور شریعت میں رسول اللہ ﷺ کی بیٹی اور عدو اللہ کی بیٹی دونوں کو ایک شخص کے نکاح میں بیک وقت جمع کرنا جائز نہیں چنانچہ صحیح بخاری ہی میں اسی موقعہ پر رسول اللہ ﷺ کا فرمان موجود ہے: ﴿إِنِّیْ لَسْتُ أُحَرِّمُ حَلاَلاً ، وَلاَ أُحِلُّ حَرَامًا ، وَلٰكِنْ وَاللهِ لاَ تَجْتَمِعُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللهِ وَبِنْتُ عَدُوِّ اللهِ اَبَدًا﴾ [1] [بلاشبہ میں حلال کو حرام نہیں کرتا اور نہ ہی حرام کو حلال کرتا ہوں لیکن بخدا رسول اللہ کی بیٹی اور عدو اللہ کی بیٹی دونوں کبھی جمع نہیں ہوتیں] ۱۴۰۷/۵/۹ھ

س: ایک شخص شدید جنسی حالت میں اپنی بیوی کا پستان اپنے منہ میں لے لیتا ہے بیوی شیر دار ہے دودھ مرد کے منہ میں آجاتا ہے ایسی حالت میں زوجین پر کوئی شرعی تعزیر ہے؟

ج: رضاعی رشتہ تب ثابت ہوتا ہے جب بچہ دو سال کے اندر پانچ یا زیادہ دفعہ دودھ پیے صورت مسئولہ میں مرد کا اس عورت کے ساتھ رضاعی رشتہ تو ثابت نہیں ہوتا رہا تعزیر والا مسئلہ وہ کیا ہے اس کا مجھے علم نہیں۔ ۱۴۱۲/۸/۱۱ھ

س: آیا مرد اپنی بیوی کا دودھ غلطی سے پی لے تو رضاعی رشتہ ثابت ہوگا؟

[1] جلد اول کتاب الجهاد بَابُ مَا ذُكِرَ مِنْ دِرْعِ النَّبِيِّ ﷺ وَعَصَاهُ وَسَيْفِهِ الخ ص ٤٣٨

ج: نہیں بالفرض کوئی یہ غلط کام کر بیٹھے تو ﴿فَإِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ﴾ [رضاعت صرف بھوک سے ہے] [1] کے تحت رضائی رشتہ ثابت نہیں ہوگا۔ ۱۴۱۴/۷/۲۳ھ

س: جب خاوند اور بیوی دونوں کو آثار دکھائی دیں کہ یہ ہمارا آخری بچہ ہے تو وہ اپنی ماں کا دودھ کب تک یعنی کتنی مدت تک پی سکتا ہے؟ محمد افضل شاہد شیخو پورہ

ج: قرآن مجید میں ہے : ﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلاَدَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ [2] [اور بچے والیاں دودھ پلائیں اولا داپنی کو دو برس پورے واسطے اس شخص کے جو ارادہ یہ کرے پورا کرے دودھ پلانا] اور دوسرے مقام پر ہے ﴿وَفِصَالُهُ فِيْ عَامَيْنِ﴾ [3] [اور دودھ چھڑانا اس کا بیچ دو برس کے] یہ آیتیں پہلے، آخری اور درمیانے سب بچوں کو شامل ہیں تو رضاعت کی مدت جو ابتدائی یا درمیانے بچے کے لیے مقرر ہے وہی مدت آخری بچے کے لیے بھی مقرر ہے ہاں خاوند بیوی باہمی صلاح مشورہ کے ساتھ دو سال سے قبل بھی بچے کو دودھ چھڑا سکتے ہیں ﴿فَإِنْ أَرَادَا فِصَالاً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِمَا﴾ [4] [پس اگر وہ ارادہ کریں دودھ چھڑانا رضامندی آپس کی سے اور مصلحت سے پس نہیں گناہ اوپر ان دونوں کے] اگر بچے کی والدہ بچے کو دودھ نہ پلائے کسی اور مرضعہ سے دودھ پلوا لیا جائے تو بھی درست ہے ﴿وَإِنْ أَرَدْتُّمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوْآ أَوْلاَدَكُمْ الآية﴾ [5] [اور اگر ارادہ کرو تم یہ کہ دودھ پلواؤ تم اولا داپنی کو] ۲۴ شوال ۱۴۱۲ھ

س: آپ سے ایک مسئلہ دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ جس کی تفصیل یہ ہے جب میری عمر سوا دو سال ($2\frac{1}{4}$ سال) تھی تو میری امی جان کو طلاق ہوگئی تھی امی جان نے طلاق سے ایک ماہ قبل دودھ پلانا ختم کر دیا تھا طلاق کے بعد چونکہ میں اپنی دادی جان کی تحویل میں آ گیا لہٰذا ماں کی فطری ضرورت پوری کرنے کے لیے میری دادی جان نے مجھے اپنا دودھ پلانا شروع کر دیا یہاں ایک بات قابل ذکر ہے وہ یہ کہ میری دادی جان کی چھوٹی بچی میری پیدائش سے ۵ سال قبل چار ماہ کی عمر میں فوت ہوگئی تھی میری سوا دو برس کی عمر تک اسے فوت ہوئے سوا سات برس ہو چکے تھے اس وقت دادی جان کے بقول دودھ مکمل طور پر ختم ہو چکا تھا۔ لیکن کچھ عرصہ (تقریباً ۳۔۴ ماہ) دودھ چوسنے کی وجہ سے دودھ آہستہ آہستہ دوبارہ آ گیا جو ایک عرصہ تک میں نے پیا اس کے بعد جب میں نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو میرے

---

[1] [بخاری شریف ۔ کتاب النکاح بَابُ مَنْ قَالَ لاَ رَضَاعَ بَعْدَ حَوْلَيْنِ] [2] [البقرة ۲۳۳ پ۲] [3] [لقمان ۱۴ پ۲۱] [4] [البقرة ۲۳۳ پ۲] [5] [البقرة ۲۳۳ پ۲]

والدین نے میری شادی میرے سگے تایا کی بیٹی سے طے کر دی چونکہ تایا جان نے بھی میری دادی جان کا دودھ پیا ہے لہٰذا رضاعت کا مسئلہ درپیش ہوا میرے والد محترم نے چند علمائے کرام سے ملاقات کر کے معاملہ کی شرعی حیثیت دریافت کی اور مجھے مطمئن کر کے شادی کر دی اب میری شادی کو ۴ سال سے زائد عرصہ گزر چکا ہے اور میرے ہاں ۳ بچے بھی ہیں اب میں از خود تحقیق کرنا چاہتا ہوں براہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں صحیح جواب سے مطلع فرمائیں۔ تا کہ میں اس پر عمل کر کے جہنم کے عذاب سے بچ سکوں۔ محمد خلیل

ج: رضاعی رشتہ ثابت ہونے کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں۔

(۱) دودھ پینے والا بچہ دو سال کی عمر کے اندر اندر دودھ پیے اگر دو سال عمر پوری ہو جانے کے بعد کسی عورت کا دودھ پیے گا تو اس کا اس عورت کے ساتھ رضاعی رشتہ قائم نہیں ہوگا نہ وہ بچہ دودھ پلانے والی عورت کا بیٹا بنے گا اور نہ ہی وہ عورت اس بچے کی رضاعی ماں بنے گی [1] لقولہ عزوجل: ﴿حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ [پورے دو برس تک دودھ پلائیں جو کوئی دودھ کی مدت پوری کرنا چاہے [2]] اسی باب میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ﴿فَإِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ﴾ [دودھ پلانا صرف بھوک سے ہے]

(۲) صحیح مسلم میں ہے ''پانچ رضعات محرم ہیں'' [3] تو اگر دودھ پینے والا بچہ پانچ رضعات سے کم مقدار میں دودھ پیے گا تو بھی رضاعی رشتہ ثابت نہیں ہوگا مثلاً ایک، دو، تین یا چار رضعات پیے تو رضاعی بیٹا نہیں بنے گا نہ عورت رضاعی ماں بنے گی۔

صورت مسئولہ میں رضاعی رشتہ ثابت ہونے کے لیے دوسری چیز تو موجود ہے مگر پہلی چیز موجود نہیں کیونکہ بچے نے دادی کا دودھ دو سال عمر مکمل کر لینے کے بعد پیا ہے لہٰذا وہ اپنی دادی کا رضاعی بیٹا نہیں بنا اور نہ ہی دادی اس کی رضاعی ماں بنی ہے تو اس بچے کا تایا اس کا رضاعی بھائی نہیں بنا اور نہ ہی اس کے تایا کی اولاد اس کے بھتیجے بھتیجیاں بنتے ہیں الغرض یہ نکاح میاں کی اپنی رضاعی بھتیجی کے ساتھ نہیں بلکہ اپنے تایا کی بیٹی کے ساتھ ہے جو قرآن اور سنت کی رو سے درست ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمَّاتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ وَبَنَاتِ خَالَاتِكَ اللَّاتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ﴾ [4] [اور تیرے چچا کی بیٹیاں اور تیری پھوپھی کی بیٹیاں اور تیرے ماموں کی بیٹیاں اور تیری خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے تیرے ساتھ ہجرت کی] واللہ اعلم ۱۴۲۰/۷/۱۱ھ

---

[1] صحیح بخاری کتاب النکاح باب من قال : لا رضاع بعد حولین ص ۱۱۰۸ [2] [البقرة ۲۳۳ پ۲]
[3] [مسلم۔ کتاب الرضاع۔ باب التحریم بخمس رضعات] [4] [الاحزاب ۵۰ پ۲۲]

س: ہم دو بھائی ہیں دوسرا بھائی بڑا ہے میرے بڑے بھائی کی پانچ بیٹیاں ہیں اور میرے دو بیٹے ہیں میری بیوی اور میرے بھائی کی بیوی دونوں سگی بہنیں بھی ہیں میری بیوی نے میرے بھائی کی بیٹی کو اپنا دودھ پلایا ہے آپ قرآن وحدیث کی رو سے بتائیں کہ میرے چھوٹے بیٹے کے ساتھ میرے بھائی کی چھوٹی بیٹی کی شادی جائز ہے یا نہیں؟

مشتاق احمد 24/3/96

ج: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِيْ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ﴾ [اور مائیں تمہاری جنہوں نے دودھ پلایا تم کو اور بہنیں تمہاری دودھ سے [1]]

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ﴿اَلرَّضَاعَةُ تُحَرِّمُ مَا تُحَرِّمُ الْوِلَادَةُ﴾ [2] [حرام کرتا ہے دودھ پینا جو حرام کرتا ہے نسب] تو آپ کے بھائی کی جس بیٹی نے آپ کی بیوی کا دودھ پیا ہے اس کا نکاح آپ کے کسی بھی بیٹے کے ساتھ نہیں ہو سکتا بشرطیکہ اس نے مدت رضاعت دو سال کے اندر پانچ یا زیادہ رضعات دودھ پیا ہو۔ واللہ اعلم

۱۴۱۶/۱۱/۲۸ھ

س: رضاعت کبیر یعنی داڑھی والا آدمی ہو کوئی عورت اس کو کسی مجبوری کی بنا پر یعنی وہ اس سے پڑھنا چاہتی ہے اور اس کا آنا جانا اس پر دشوار گزرتا ہے تو کیا وہ اس کو دودھ پلا سکتی ہے کہ وہ اس کی رضائی ماں کی حیثیت ہو جائے۔ اس مسئلہ کو مزید وضاحت و دلائل کے ساتھ تحریر فرمائیں؟

ج: مدت رضاعت دو سال ہے اس مدت کے اندر اگر بچہ کسی عورت کا دودھ پی لیتا ہے تو حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی بشرطیکہ بچے کا دودھ پینا خمس رضعات یا اس سے زیادہ ہو بلاشبہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دیگر کئی اہل علم رضاعت کبیر کے قائل ہیں مگر ان کی بات دلائل کی روشنی میں درست نہیں تحقیق کے لیے دیکھیں صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن دارقطنی وغیرہ۔ تفصیل کی اس وقت گنجائش نہیں۔ ۱۴۱۰/۲/۱۵ھ

س: ایک آدمی اپنے دوست کی بیوی کو اپنے اوپر حرام کرتا ہے تاکہ کسی قسم کا کوئی خطرہ نہ رہے کیا ایسا کرنا درست ہے یعنی دودھ پینا؟

ج: اس طرح کرنا درست نہیں نہ اس طرح کرنے سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے اور نہ ہی اس قسم کی باتوں کے سبب عورت پردہ ختم کر سکتی ہے اور نہ ہی خطرہ ٹل سکتا ہے۔ ۱۴۱۰/۲/۱۴ھ

[1] [النساء ۲۳ پ ٤] [2] [بخاری ـ كتاب النكاح ـ باب وامهاتكم اللاتي أرضعنكم]

س: اگر بیوہ عورت باپ کے ہوتے ہوئے بغیر اجازت کسی مرد سے نکاح کرے۔ دین اسلام میں یہ جائز ہے یا کہ نہیں؟ ظاہر عزیز جھبراں شیخوپورہ

ج: ولی کی اجازت ورضا کے بغیر عورت کا نکاح نہیں ہوتا خواہ بکر ہو یا ثیب۔ ١٤١٧/٢/١ھ

س: جس بچی کا نکاح بچپن میں پڑھا جاتا ہے وہ صحیح یا نہیں کیا شرعی نکاح کے لیے بلوغت شرط ہے یا نہیں؟
حافظ محمد عارف قریشی سرگودھا

ج: صحیح ہے بشرطیکہ بچپن کے علاوہ نکاح کے تمام ارکان وشرائط موجود ہوں۔ ١٤١٦/٧/٨ھ

س: اگر کوئی یہ کہے کہ مجھے اس لڑکی سے پیار ہے اور میں اس سے شادی کروں گا کیا یہ جائز ہے؟

ج: خود یا اپنے باپ کے ذریعہ اس لڑکی کے ولی سے بات چیت کرے اگر لڑکی کا ولی راضی ہو جائے بشرطیکہ لڑکی بھی اس نکاح پر راضی ہو تو فبہا ورنہ اس لڑکی سے محبت لگانا اس کے ساتھ بات چیت کرنا نا جائز ہے۔ ١٤١٧/٨/١ھ

س: بندہ مسئلہ خیار بلوغ میں پریشان ہے میری پریشانی کا حل یہ ہے حدیث نبی کریم ﷺ نے حضرت حمزہ کی صاحبزادی امامہ کا نکاح کمسنی میں عمر بن ابی سلمہ سے کر دیا اور حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ بالغ ہونے کے بعد آپ کو رد یا قبول کرنے کا اختیار ہے آپ مہربانی فرما کر یہ جس حدیث کی کتاب میں ہے اس کا نام جلد نمبر صفحہ نمبر اور ایسی اور کوئی بھی حدیث ہو تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے واسطے میرے حال پر رحم فرما کر ارسال فرمائیں؟

دوست محمد لاہور 13/5/92

ج: آپ کا درج کردہ واقعہ کافی تلاش کیا مگر تاہنوز مجھے نہیں ملا ویسے اس مسئلہ سے متعلقہ احادیث آپ مشکوۃ المصابیح باب الولی فی النکاح واستئذان المرأۃ میں دیکھ سکتے ہیں بالخصوص اس باب کی فصل ثالث کی پہلی حدیث ﴿عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ إِنَّ جَارِيَةً بِكْرًا أَتَتْ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فَذَكَرَتْ أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ كَارِهَةٌ فَخَيَّرَهَا النَّبِيُّ ﷺ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدُ﴾ [سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک کنواری لڑکی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور بیان کیا کہ اس کے باپ نے اس کا نکاح کیا ہے اور وہ ناپسند کرتی ہے تو نبی اکرم ﷺ نے اسے اختیار دے دیا] ١٤١٢/١٢/٥ھ

س: بیٹے کی عدم موجودگی میں نکاح کے وقت باپ بیٹے کا نائب بن کر ایجاب وقبول کر سکتا ہے جبکہ لڑکی اور اس کا باپ بھی اس بات پر رضامند ہوں؟ عبداللہ سلیم میرپور خاص سندھ

ج: عورت کا نکاح ولی کے بغیر نہیں ہوتا مرد نکاح کے وقت اور موقع پر موجود نہ ہو اس کی طرف سے اس کی خاطر اس کا کوئی ثقہ وکیل قبول کرلے تو نکاح درست ہے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حبشہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوا جبکہ رسول اللہ ﷺ وہاں موجود نہیں تھے آپ کی طرف سے آپ کے لیے آپ کے وکیل ہی نے قبول کیا تھا۔ واللہ اعلم ۱۴۲۰/۱/۲۱ھ

س: کیا ولی کی موجودگی ضروری ہے یا صرف اجازت ہی لے لی جائے؟ عبداللطیف تبسم

ج: ولی بذات خود موجود ہو تو فبہا ورنہ اس کی اجازت کافی ہے بشرطیکہ اس نے اجازت برضا و رغبت دی ہو اور اجازت کا ثبوت بھی ہو۔ ۱۴۲۰/۴/۱۱ھ

س: ہمارے ہاں نورستان میں کچھ دنوں قبل لڑکیوں کو مہر کے بارہ میں کوئی خبر نہ تھی کہ ہمارا حق ہے جو ہمیں ملنا چاہیے اب ان کو سوجھ بوجھ ہوگئی کہ ہمارا حق ہے اور ہمیں ملنا چاہیے تو کچھ علماء نے فتویٰ دے دیا ہے کہ لڑکی کا مہر باپ لے سکتا ہے دلیل یہ پیش کرتے ہیں۔ حدیث: ﴿عن عائشة رضی الله عنها قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّ اَطْيَبَ مَا اَكَلْتُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ وَاِنَّ اَوْلَادَكُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ﴾ [1] [رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پاکیزہ وہ ہے جو تم اپنی کمائی سے کھاؤ اور بے شک تمہاری اولاد تمہاری کمائی سے ہے] ﴿وَفِي لَفْظٍ وَلَدُ الرَّجُلِ مِنْ اَطْيَبِ كَسْبِهِ فَكُلُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ هَنِيْئًا﴾ [2] [اور ایک حدیث میں ہے کہ آدمی کی اولاد اس کی پاک کمائی سے ہے تو تم ان کے مالوں سے چین سے کھاؤ] ﴿وَحَدِيْثُ جَابِرٍ ﷺ اَنْتَ وَمَالُكَ لِاَبِيْكَ﴾ [3] [اور جابر ﷺ کی حدیث ہے کہ تو اور تیرا مال تیرے باپ کے لیے ہے] ان حدیثوں کی روشنی میں کہتے ہیں کہ لڑکی کا باپ مہر کا حق دار ہے۔ خلیل الرحمٰن نورستانی الجامعۃ الاسلامیۃ بالمدینۃ النبویۃ السعودیۃ

ج: اس حدیث کو ملحوظ رکھنے کے ساتھ ساتھ میراث والی آیات کو بھی پیش نظر رکھیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اولاد کے مال میں والدین کا حصہ ہے اور والدین کے مال میں اولاد کا حصہ ہے نیز ثابت ہوتا ہے کہ اولاد اپنے مال کی خود آپ مالک ہے یوں نہیں کہ اولاد کے مال کا مالک ان کا والد ہو ورنہ لازم آئے گا کہ والد اپنی اولاد کے مال کا ان کی وفات کے بعد وارث نہ بنے اور والد کے علاوہ مثلاً اولاد کی بیوی یا خاوند یا اولاد کی اولاد کو کچھ نہ ملے کیونکہ اس صورت میں والد کو اولاد کے مال کا مالک فرض کرلیا گیا ہے تو اس صورت مفروضہ میں اولاد کے مال کی حیثیت والد کی بنسبت

---

[1] رواہ الخمسة [مشکوۃ ۔ کتاب البیوع باب الکسب وطلب الحلال ۔ الفصل الثانی] [2] رواہ احمد ص ٤١ ج٦ [3] رواہ ابن ماجه وابوداود مشکوۃ ۔ کتاب النکاح باب النفقات وحق المملوك الفصل الثانی

بالکل وہی ہوگی جو عبد مملوک کے مال کی حیثیت اس کے مالک کی بہ نسبت ہوتی ہے اور ضروریات دین سے معلوم ہے کہ والد اور اولاد کا باہمی تعلق بسلسلہ ملک مال اور مالک اور عبد مملوک کا باہمی تعلق بسلسلہ ملک مال دونوں جدا جدا ہیں۔

پھر آیت ﴿وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓئًا مَّرِيْٓئًا﴾ [اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے ڈالو اور اگر وہ اپنی خوشی سے کچھ تم کو چھوڑ دیں تو چین سے اس کو کھاؤ][1] میں ایک تفسیر کے مطابق خطاب اولیاء کو ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت کا ولی عورت کے مہر کو عورت کی رضا کے بغیر نہیں کھا سکتا۔ تو سب دلائل کے پیش نظر اولیاء کو چاہیے کہ وہ اپنی مولیات کے مہر ان کی رضا کے بغیر خواہ مخواہ ہڑپ نہ کریں اور مولیات کو چاہیے کہ وہ اپنے اولیاء کے حق کو ملحوظ رکھیں انہیں بوقت ضرورت اپنے مہر سے کچھ برضاء ورغبت دے دیں۔ واللہ اعلم ۱۴۱۷/۱۱/۲۲ھ

س: کیا جہیز ایک لعنت ہے؟ کیا جہیز دینے والا کافر ہے؟ کیا جہیز دینے والا دائمی جہنمی ہے؟ کیا شادی کے موقع پر سرپرست/ والد/ ولی (منکوحہ) بچی کو سامان دے سکتا ہے؟ کتاب وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں؟

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ عبید اللہ عفیف: معہد الشریعۃ والصناعۃ کوٹ اڈو ضلع مظفر گڑھ

ج: مجھے تو صرف اتنا معلوم ہے کہ جہیز کا رسول اللہ ﷺ سے ثبوت نہیں ملتا جو روایت اس سلسلہ میں پیش کی جاتی ہے وہ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ واللہ اعلم ۱۴۱۰/۸/۳ھ

س: کیا اگر شادی کے موقع پر سامان دیا جائے تو شرعی قباحت تو نہیں ہے؟ (منکوحہ کو)

کتاب وسنت کی روشنی میں وضاحت طلب ہے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عبید اللہ عفیف: معہد الشریعۃ والصناعۃ کوٹ اڈو ضلع مظفر گڑھ

ج: جہیز کے متعلق مجھے کوئی آیت یا صحیح حدیث معلوم نہیں۔ واللہ اعلم ۱۴۱۰/۸/۲۱ھ

س: آج کل مسلمانوں میں جو بیاہ شادیاں ہوتی ہیں اور جو بارات لڑکی والوں کے گھر لڑکے والے لاتے ہیں جس میں ہر قسم کے لوگ یعنی نیک لوگ بہت کم ہوتے ہیں اور بے نماز بے دین بد مذہب لوگوں کی اکثریت ہوتی ہے اس پر ظلم یہ کہ بے شمار برہنہ عورتیں خوب میک اپ کیے ہوئے ننگے سر شامل ہوتی ہیں برات کا استقبال کرنے والے بھی نیک وبد دونوں طرف لائنیں بنا کر کھڑے ہوتے ہیں اسی طرح برہنہ عورتیں بھی استقبال میں شامل ہوتی ہیں جس سے

---

[1] [النساء ٤ پ ٤]

بے حیائی اور بے پردگی کی انتہا ہوتی ہے۔ جو قلم لکھ نہیں سکتا۔ کھڑے ہو کر کھانا کھاتے ہیں علاوہ ازیں آمدورفت سڑکیں بند کر دی جاتی ہیں اور بجلی کا اتنا وسیع انتظام ہوتا ہے ہزارہا بلب اور ٹیوبیں جلا کر رات کو دن بنا دیا جاتا ہے اس کے علاوہ بے شمار کھانا ضائع ہوتا ہے۔ اور وڈیو فلمیں بنائی جاتی ہیں اور برسر مجلس دلہا اور دلہن کی تصویریں اتاری جاتی ہیں یہ تو سرمایہ داروں کی حالت ہے اور اب نچلا طبقہ بھی اسی لائن پہ چل نکلا ہے جس کی وجہ سے بے حیائی بہت زیادہ پھیل رہی ہے سنا ہے کہ زمانہ نبوت میں باراتوں کا رواج نہیں تھا اور نہ ہی جہیز کا رواج تھا ولیمہ سنت تھا آج کل بہت سی لڑکیاں جہیز نہ ہونے کی وجہ سے گھروں میں بوڑھی ہو رہی ہیں اور صرف جہیز نہ ہونے کی وجہ سے ان کی زندگیاں تباہ ہو گئی ہیں سنا ہے کہ زمانہ نبوت میں لڑکی والوں پر کوئی بوجھ نہیں ڈالا جاتا تھا نہ بارات کا نہ جہیز کا۔ برائے مہربانی فتویٰ صادر فرمائیں کہ بارات اور جہیز کا ثبوت زمانہ نبوت ﷺ میں تھا یا نہیں؟

عبدالستار جامع کلاتھ مارکیٹ گوجرانوالہ

ج: آپ نے سوال کیا ہے ''بارات اور جہیز کا ثبوت زمانہ نبوت میں تھا یا نہیں''؟ تو اس سلسلہ میں جواباً گذارش ہے کہ ان کا ثبوت کتاب و سنت میں میری نظر سے نہیں گذرا۔ واللہ اعلم ١٤١٣/٧/١٢ھ

س: راقم الحروف کو حکیم عبدالعزیز بانی تحریک صراط مستقیم (لاہور) کا لٹریچر ملا پڑھ کر پتہ چلا کہ جہیز ایک بہت بڑی لعنت ہے اور لینے دینے والا لعنتی ہونے کے ساتھ ساتھ ابدی جہنمی ہے ہوسکتا ہے کہ آپ کی نظروں سے مذکورہ لٹریچر گزرا ہو بہرحال حکیم صاحب سورۃ النساء کی آیات ١١ تا ١٤ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں احکام وراثت اللہ کی حدود ہیں اور جہیز لینے دینے والا احکام وراثت سے پہلو تہی کرتا ہے اور جہیز کو ہی اس کا بدل ٹھہراتا ہے اس لیے ابدی جہنمی ہے نیز اس وقت معاشرہ میں جتنی بھی برائیاں ہیں جہیز ان کا اصل سبب ہے اور یہ ہندوانہ رسم ہے جب میں دیکھتا ہوں کہ جماعت حقہ اہل حدیث کے بڑے بڑے علماء شیوخ الحدیث مفتی صاحبان بھی جہیز دینے میں پیش پیش ہیں تو سوچتا ہوں کہ حکیم عبدالعزیز صاحب کو ضرور غلطی لگی ہے جو وہ جہیز کو لعنتی عمل کہتے ہیں اور ابدی جہنمی ہونے کا سبب گردا[illegible] کیوں کہ ایسا تو ہرگز نہیں ہوسکتا کہ شیوخ الحدیث اور مفتی صاحبان کی نظر سے مذکورہ آیات نہ گزری ہوں [illegible] نہ سمجھا ہو۔ کیوں کہ دوسری صورت میں معاذ اللہ وہ جان بوجھ کر اس گناہ کبیرہ کے مرتکب ہو رہے [illegible] ہے اس مسئلے میں میری رہنمائی فرمائیں۔ اور قرآن و سنت سے واضح فرمائیں کہ جہیز واقعی غلط ہے اور دینے لینے والا اور ایسی شادی میں شرکت کرنے والا ابدی جہنمی ہے اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ آمین۔

نوٹ: رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹیوں کو اپنی گرہ سے جہیز دیا ہے اگر دیا ہے تو سنت رسول اللہ ﷺ ہے اگر نہیں دیا تو سنت نہیں ۔ قرآن وسنت سے ثابت فرمائیں؟ جزاک اللہ خیراً محمد احمد مرید کے 13 جولائی 1993

ج: آپ نے سوال کیا ہے "رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹیوں کو اپنی گرہ سے جہیز دیا ہے"؟ تو جواباً گزارش ہے کہ مجھے اس چیز پر دلالت کرنے والی کوئی صحیح یا حسن حدیث معلوم نہیں ۔ واللہ اعلم [1] ۱۴۱۴/۲/۴ھ

س: کیا حد زنا میں چار گواہوں کا عینی ہونا ضروری ہے؟ محمد یعقوب طاہر

ج: شریعت میں حد زنا کے لیے ثبوت زنا ضروری ہے ثبوت زنا کی کئی صورتیں ہیں مثلاً چار گواہ ۔ اعتراف واقرار اور حمل ۔ واللہ اعلم ۱۴۱۴/۱۰/۱۱ھ

س: (۱) اپنی حقیقی لڑکی سے ہمبستری کر لی حالانکہ اس کی بیوی موجود ہے جو کہ حقیقی لڑکی کی والدہ ہے اب زانی مذکور شخص کے نکاح پر کیا اثر پڑا اگر مذکور شخص کی بیوی بوجہ زنا کے مطلقہ ہوگئی ہو تو دوبارہ گھر میں آباد رکھنے کی کیا صورت ہوگی؟

(۲) ایک شخص نے اپنی حقیقی ساس سے ہمبستری کر لی حالانکہ اس کی بیٹی موجود ہے اب اس مذکور زانی کے نکاح پر کیا اثر پڑا اگر زانی کی عورت بوجہ زنا کے مطلقہ ہوگئی ہو تو دوبارہ گھر میں آباد رکھنے کی کیا صورت ہوگی؟

ج: جناب کی دونوں مسئولہ صورتوں میں زانی شادی شدہ ہے جیسا کہ سوال کی عبارت سے واضح ہے اور سب جانتے ہیں کہ اسلام میں ایسے شخص کی سزا رجم ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا نظریہ "فَلاَ حَدَّ عَلَيْهِ" محرمات ابدیہ سے نکاح کرنے کے بعد وطی کرنے والوں کے متعلق ہے آپ کے سوال میں ذکر کردہ صورتوں کے متعلق نہیں ہے ۔ واللہ اعلم ۱۴۰۸/۶/۱۳ھ

س: بوجہ غلبہ شہوت اپنی لڑکی سے زنا کر بیٹھا بلکہ متعدد بار کیا بعد توبہ کی اور غلبہ خوف کی وجہ رویا بھی اور متعدد بار رویا

---

[1] [جہیز کے متعلق میرا بھی یہی ذہن تھا لیکن ایک مرتبہ شیخ حافظ عمران عریف صاحب کے گھر میں اور بھائی حافظ عبدالرحمٰن ثانی صاحب نے اس مسئلہ پر تحقیق کی تو سنن ابن ماجہ ابواب الزہد ۔ باب ضجاع آل محمد ﷺ میں ایک حدیث دیکھی جو اس طرح ہے ﴿عَنْ عَلِيٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَتٰى عَلِيًّا وَّفَاطِمَةَ وَهُمَا فِيْ خَمِيْلٍ لَّهُمَا وَالْخَمِيْلُ الْقَطِيْفَةُ الْبَيْضَآءُ عَنِ الصُّوْفِ قَدْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ جَهَّزَهُمَا بِهَا وَوِسَادَةٍ مَحْشُوَّةٍ اِذْخِرًا وَّقِرْبَةٍ﴾ (سیرة النبی ﷺ جلد اول ص ۲۰۴ علامہ شبلی نعمانی) ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور وہ دونوں اپنی خمیل میں تھے اور خمیل سفید چادر ہے اون کی جو رسول اللہ ﷺ نے ان کو جہیز میں دی تھی اور ایک تکیہ اور مشک بھی جہیز میں دی تھی ۔ اس حدیث کو شیخ البانی صاحب نے صحیح کہا ہے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا جب نکاح ہوا تھا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جہیز میں ان کو ایک قیمتی ہار دیا تھا]

جب بھی اسے یوم آخرت کا نقشہ یاد آتا ہے۔ کافی حد تک اس کی طبیعت پریشان ہوتی ہے۔ بایں صورت کیا اس کی بیوی اس کے لیے حلال ہے اور ازدواجی تعلقات جواب تک اپنی بیوی سے رکھے ہوئے ہے حلال وجائز ہے یا نہیں ہے جبکہ اس نے عقد ثانی کی ہر ممکن کوشش کی ہے لیکن ناکام رہا براہ کرم صورت مسئولہ کا حکم قرآن وحدیث سے مدلل ومفصل ارشاد فرمائیں۔ جزاك الله احسن الجزاء فی الدنیا والآخرة۔

ج: آپ جانتے ہیں کہ محصن زانی کی حد وسزا اسلام میں رجم ہے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ آدمی نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ابو بردہ بن نیاز رضی اللہ عنہ کو اس کا سر قلم کرنے کے لیے روانہ فرمادیا[1]

غور فرمائیں محرمات کے ساتھ صرف نکاح کی سزا سر قلم کرنا ہے تو ان کے ساتھ زنا کی سزا اس سے کم تو نہیں ہو سکتی ہے پھر زنا بھی متعدد بار اور توبہ کا بھی یہ حال کہ اس کے بعد بھی پہلے کی سی چال اگر وہ اپنے جرم کی اسلامی سزا بذریعہ عدالت اپنے پر لاگو کروالے تو پھر آپ کا سوال وارد نہیں ہوتا کیونکہ جب وہ خود ہی رجم قتل کر دیا گیا تو اس کے اپنی بیوی کے ساتھ ازدواجی تعلقات والا مسئلہ کافور ہو گیا۔ واللہ اعلم ۲۷/۳/۱٤۱۰ھ

س: ایک حدیث میں آتا ہے کہ عزل واد خفی ہے[2] اور دوسری میں آتا ہے کہ یہودیوں نے کہا کہ عزل مؤدة صغریٰ ہے تو اللہ کے رسول نے فرمایا ﴿كَذَبَتِ الْيَهُوْدُ﴾[3] ان دونوں احادیث میں تعارض کا کیا حل ہے میرے علم کے مطابق ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ ایک میں ہے کہ یہ واد خفی ہے اور دوسری میں ہے کہ یہ مؤدة صغری نہیں ہے یعنی مؤدة صغریٰ جلی نہیں ہے۔ جاوید اقبال سیالکوٹی

ج: آپ صحیح سمجھے ہیں یہود نے عزل کو واد جلی قرار دیا جبکہ وہ واد جلی نہیں واد خفی ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کی تکذیب فرمائی۔ ۲۵/۱۱/۱٤۱٤ھ

س: بچوں کی کثرت سے پیدائش سے بچنے کے لیے بیوی سے جماع کرتے ہوئے ساتھی کا استعمال جائز ہے؟

ج: احادیث سے پتہ چلتا ہے ایسی صورت میں عزل کو عمل میں لایا جاسکتا ہے عزل کے علاوہ کسی اور ساتھی سے مدد لینے کا ثبوت کتاب وسنت میں کہیں نہیں آیا۔ ۲٤ شوال ۱٤۱۲ھ

س: ایک آدمی کے چھ بچے ہیں اب تقریباً دو سال سے یہ صورت حال ہے کہ حمل کے دو ماہ بعد دردزہ کی طرح کوئی تکلیف شروع ہوجاتی ہے اور بعض اوقات شدت اختیار کر جاتی ہے اب مانع حمل دوائی کا استعمال یا اسقاط کی اجازت

---

[1] ابوداود [المجلد الثانی ۔ کتاب الحدود باب فی الرجل یزنی بحریمه] وترمذی وغیرہ [2] [صحیح مسلم۔ کتاب النکاح۔باب جواز الغِيلَةِ وهی وَطْئُ المرضع وكراهة العزل] [3] [جامع ترمذی۔ ابواب النکاح۔ باب ما جاء فی العزل]

ہے؟ محمد عبداللہ

ج: صورت مسئولہ میں عزل کی صورت اختیار کی جاسکتی ہے عزل شرعاً درست ہے چنانچہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ﴿كُنَّا نَعْزِلُ وَالْقُرْآنُ يَنْزِلُ﴾ [1] [ہم عزل کرتے تھے اور قرآن اترتا تھا] ۱۴۱۲/۱/۲۸ھ

س: کیا بیوی سے دن کے وقت خاوند جماع کرسکتا ہے بعض علماء کہتے ہیں کہ دن کے وقت جماع کرنے سے بچہ بھینگا پیدا ہوگا یہ خیال کہاں تک درست ہے؟ فاروق

ج: درست ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَآئِكُمْ﴾ الآیۃ [روزے کی رات میں تم کو اپنی عورتوں سے صحبت درست کردی گئی] [2] پتہ چلا روزے والی رات کو بیوی کے پاس جانا حلال ہے اگر روزہ نہ ہوتو دن کو بھی حلال و درست ہے إلّا کوئی اور شرعی مانع موجود ہو۔

رہا بعض علماء کا قول وخیال ''دن کے وقت جماع کرنے سے بچہ بھینگا پیدا ہوگا'' تو کہاں تک درست کا کیا سوال؟ بالکل ہی نہیں درست رحم کرے ان پر رب ذوالجلال پھر جو جماع کرے در لیال کیا بچہ اس کا اندھا ہوگا؟ غور کرو ارباب کمال کس چیز میں ہے عقل وفہم کا زوال فضل کرے تم پہ رب کبیر ومتعال۔ ۱۴۲۰/۶/۲۴ھ

س: وَمَا حُكْمُ مَسِّ ذَكَرِ الرَّجُلِ اِسْتَ الْمَرْأَةِ الَّتِيْ هِيَ زَوْجَتُه عَمَدًا اَوْ مِنْ غَيْرِ عَمَدٍ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَدْخُلَ بِهَا فِيْهِ لِاَنَّ الدُّخُوْلَ فِيْهِ حَرَامٌ عَلٰى قَوْلِ الْجَمَاهِيْرِ [مرد اگر اپنی شرمگاہ سے اپنی بیوی کے سرین کو چھوتا ہے جان بوجھ کر یا بغیر اس کے تو اسکا کیا حکم ہے اور وہ وہاں دخول نہیں کرتا کیونکہ جمہور علماء کے قول پر وہاں دخول حرام ہے]

ج: مَا ذَكَرْتَ فِي هٰذَا السُّؤَالِ هُوَ مِنْ مُقَدِّمَاتِ الْإِتْيَانِ فِي الدُّبُرِ فَالْحَذْر الحذر [جو بات آپ نے اس سوال میں ذکر کی ہے وہ دبر میں آنے کے مقدمات میں سے ہے پس بچ جا بچ جا] ۱۴۱۰/۴/۱ھ

س: حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ جماع کرنے کے بعد اگر دوسری بار بیوی کے پاس جانے کا ارادہ ہوتو وضوء کرنا چاہیے؟ لیکن وضوء کے لیے ضروری ہے کہ پہلے نجاست کو دور کیا جائے یا غسل جنابت کیا جائے جب تک غسل جنابت نہیں کریں گے اس وقت تک وضوء نہیں ہوگا۔ یہ تو پھر بہت مسئلہ بن جاتا ہے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کی وضاحت کریں۔ محمد رمضان

---

[1] [مسلم ۔ کتاب النکاح ۔ باب حکم العزل] [2] [البقرة آیت ۱۸۷ پ۲]

ج: آپ لکھتے ہیں ''وضوء کے لیے ضروری ہے کہ پہلے نجاست کو دور کیا جائے یا غسل جنابت کیا جائے'' تو محترم گذارش ہے کہ دوبارہ بیوی کے پاس جانے کے لیے وضوء یا جماع کے بعد کھانے پینے یا سونے کے لیے وضوء کی خاطر آپ کی ذکر کردہ چیزیں ضروری نہیں لہٰذا اشکال ختم اگر دوبارہ بیوی کے پاس جانے وضوءاوراور جماع کے بعد سونے یا کھانے پینے کی خاطر وضوء میں نجاست کا دور کرنا یا غسل جنابت ضروری ہونے کی کوئی آیت یا صحیح حدیث آپ کے علم میں ہوتو مجھے مطلع فرمائیں آپ کا انتہائی شکر گزار رہوں گا۔ ان شاء اللہ سبحانہ وتعالیٰ ١٤١٩/٣/٢٥ھ

س: ایک آدمی قسم کھا کر یہ کہتا ہے کہ میں دس دن سے پہلے اپنی بیوی سے صحبت نہیں کروں گا۔ لیکن ابھی دس دن نہ ہوئے تھے کہ وہ اپنی بیوی کے پاس گیا اور بوس وکنار کیا اور اس کے ساتھ چمٹ گیا جس کی وجہ سے آدمی کی منی نکل گئی یاد رہے کہ دخول نہ ہوا کہ آدمی کی منی نکل گئی۔ کیا اس طرح کرنے سے اس آدمی نے جو قسم کھائی تھی وہ ٹوٹ گئی یا نہیں کفارہ پڑے گا یا نہیں؟ اگر آدمی کی یہی مذکورہ صورت روزہ کی حالت میں ہوتو کیا روزہ ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟ قرآن وحدیث سے دلائل دیں؟ عبدالغفور

ج: صورت مسئولہ میں قسم ٹوٹ گئی ہے کفارہ واجب ہے نیز ایسی صورت جماع وصحبت میں روزہ بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ واللہ اعلم ١٤١٩/٥/١ھ

س: ایک آدمی نے قسم کھائی کہ وہ اپنی بیوی سے صحبت نہ کرے گا۔ ایک دن اس آدمی نے اپنی بیوی کو پکڑا اور اپنے ساتھ لگایا جس سے اس آدمی کی منی نکل گئی لیکن صحبت واقع نہ ہوئی تو کیا اس طرح بغیر صحبت کے منی نکل جانے سے اس کو قسم کا کفارہ پڑے گا یا نہیں یعنی کیا یہ فعل صحبت میں شامل ہوگا یا نہیں؟ عبدالغفور

ج: اس سوال کا جواب آپ کے اسی سوال میں مذکور ہے کیونکہ آپ نے سوال میں لکھا ہے ''لیکن صحبت واقع نہیں ہوئی'' اب اس کے بعد آپ کا لکھنا ''یہ فعل صحبت میں شامل ہوگا یا نہیں'' بے معنی ہے بہتر ہے کہ قسم کھانے والے سے پوچھ لیں اس نے اپنی قسم ''وہ اپنی بیوی سے صحبت نہ کرے گا'' میں صحبت سے کیا چیز مراد لی ہے؟ دیانتداری سے جو وہ بتائے اس پہ فیصلہ فرمادیں۔ واللہ اعلم ١٤١٩/٨/٢١ھ

س: میں ایک لڑکی کو سخت ناپسند کرتا ہوں لیکن میری والدہ اور بہن بھائیوں نے ضد کر کے میری شادی اس سے کر دی ہے لڑکی کا صرف اتنا قصور ہے کہ میں اسے سخت ناپسند کرتا ہوں۔ میرے ہاں بیٹا کی پیدائش بھی ہوئی ہے اس لڑکی کو چھوڑنے میں میری والدہ کی ناراضگی حائل ہے اب مجھے اسکا حل بتائیں؟ محمد افضل

ج: آپ اپنی والدہ اور بہن بھائیوں سے صلاح مشورہ فرمالیں ہم تو یہی کہہ سکتے ہیں ﴿وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ اور صلح بہتر ہے [1] اور بس! تمام احباب واخوان کی خدمت میں ہدیہ سلام پیش فرمادیں۔ ۱۴۱۹/۱۰/۲ھ

س: کیا زلیخا اور حضرت یوسف علیہ السلام کا نکاح ہوا تھا کیونکہ کہتے ہیں اس نے توبہ کر لی تھی اور دوبارہ جوان ہوگئی تھی۔ وضاحت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ (احسن التفاسیر میں لکھا ہے کہ نکاح ہوگیا تھا) عبدالرؤف یزدانی 12/4/96

ج: احسن التفاسیر اور دیگر کئی کتب تفاسیر وغیرہ میں آپ والی بات لکھی ہے مگر ہے بالکل ہی بے اصل چنانچہ روح المعانی ص۵ ج۱۳ میں ہے: ''وَشَاعَ عِنْدَ الْقُصَّاصِ أَنَّهَا عَادَتْ شَابَّةً إِكْرَامًا لَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَعْدَ مَا كَانَتْ ثَيِّبًا غَيْرَ شَابَّةٍ وَهٰذَا مِمَّا لاَ أَصْلَ لَهُ ، وَخَبْرُ تَزَوُّجِهَا أَيْضًا مِمَّا لاَ يُعَوِّلُ عَلَيْهِ الْمُحَدِّثِيْنَ. اھـ'' ۱۴۱۶/۱۱/۲۳ھ

[اور قصہ گولوگوں کے ہاں یہ مشہور ہو گیا ہے کہ وہ دوبارہ جوان ہوگئی تھی اس (حضرت یوسف علیہ السلام) کے اکرام کی وجہ سے بعد اس کے کہ وہ ثیب تھی جوان نہ تھی اور یہ بات ان میں سے ہے جن کی کوئی اصل نہ ہے اور اس کے نکاح کی خبر پر بھی محدثین کا اعتماد نہیں ہے]

س: عورت سے مہر معاف کرانا کیا یہ ضروری ہے کہ نہیں؟ مختار احمد فاروقی ضلع ایبٹ آباد

ج: مہر ادا کرنا ضروری ہے اگر بیوی مہر سارا یا اس کا کچھ حصہ معاف کردے تو معاف کرسکتی ہے مگر اپنی رضا ورغبت سے نہ کہ خاوند وغیرہ کے جبر واکراہ سے۔ ۱۴۱۵/۲/۱۴ھ

س: برادریاں جس طرح دھوبی، ارائیں، کمہار وغیرہ کا آپس میں ہی نکاح ہونا چاہیے یا باہر کریں اکثر دلیل دیتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنی بیٹیوں کے رشتے اپنی قریش برادری میں ہی کیے ہیں آپ وضاحت فرمادیں؟

میاں محمد افضل لاہور 24/2/93

ج: دونوں صورتیں درست ہیں۔ ۱۴۱۳/۹/۶ھ

س: زید کی حقیقی بیٹی ہے اس نے بکر کو کہا یہ آپ کی بیٹی ہے جہاں کہیں چاہیں اس کا نکاح کسی نیک لڑکے سے کردیں بکر نے لڑکی کی شادی ایک داڑھی منڈھے سے کردی جب کہ بچی درس نظامی کی فارغ شدہ ہے بکر انتہائی درجے کا نیک بزرگ اور عالم دین ہے اس کی عمر تقریباً ساٹھ برس کے قریب ہے اور لڑکے کی گھر میں ہمیشہ تنہائی میں اس کے

---

[1] [النساء ۱۲۸ پ۵]

پاس جاتا آتا رہتا ہے اور وہ بچی اس سے یعنی بکر سے پردہ نہیں کرتی ۔ عمر اور دیگر ساتھیوں نے کہا کہ حضرت صاحب آپ اس کے پاس ایسے اکیلے نہ جایا کریں ہو سکتا ہے کہ آپ بھی بدنام ہوں اور مسلک بھی ۔ تو انہوں نے جواب دیا میں نے نامردی کی گولیاں کھالی ہیں ڈاکٹری معائنہ کرالیں میں نے تو ان کے ساتھ ان کی مدد کرنے کا وعدہ کیا ہوا ہے کیونکہ میرے پاس جواز ہے ۔ ہم نے کہا حضرت صاحب مدد کرنے کے اور بھی طریقے ہیں ۔ انہوں نے کہا تم اس کے ساتھ حسد بھی کرتے ہو ۔ کئی جاہلوں نے ان پر بری طرح کا الزام بھی لگا دیا ہے ۔ وہ ایسی بیہودہ بکواس کرتے ہیں کہ سنی نہیں جاتی ۔ اور جاہلوں کو کیا پتہ ہے حضرت صاحب نے گولیاں کھائی ہیں یا کہ نہیں ۔ کیا یہ غلطی اس بزرگ کی ہے یا جو عمر اور دیگر ساتھی خیر خواہی کے لیے روکتے تھے ان کی ہے؟

ج : جو صورت حال آپ نے تحریر فرمائی ہے اس کی روشنی میں تو بکر کا عمل شرعاً درست نہیں اس لیے بکر کو چاہیے اس عمل کو فوراً ترک کر دے اور پہلے کیے ہوئے اس عمل سے توبہ نصوح کرے ۔ واللہ اعلم ١٤/٢/١٤١٤ھ

س : کیا جماعت المسلمین مسعودی گروپ کے کسی مرد کو رشتہ دے سکتے ہیں؟ شبیر احمد ساجد

ج : اگر وہ مومن مسلم ہے تو اس کو رشتہ دے سکتے ہیں ۔ ٩/٦/١٤١٤ھ

س : مسعودی گروپ کے ساتھ نکاح کرنا کیسا ہے؟ مختار احمد فاروقی ضلع ایبٹ آباد

ج : غیر اہل کتاب مشرکہ وکافرہ عورت سے مسلم مرد کا نکاح جائز نہیں ہر کافر ومشرک خواہ اہل کتاب ہی ہو کے ساتھ مسلمہ عورت کا نکاح درست نہیں ۔ مسعودی گروپ مسلمانوں میں شامل ہے ۔ ١٤/٢/١٤١٥ھ

س : ایک آدمی شادی شدہ ہے بچوں والا ہے مگر اس میں ایک بہت سخت کمزوری ہے نماز پانچ وقت پڑھتا ہے دینی علم سے بھی دلچسپی ہے مگر زنا سے کوشش بسیار کے باوجود نہیں بچ سکتا برائے مہربانی کوئی عمل بتائیں کہ اس گناہ گار انسان کی اس حرکت سے جان چھوٹ جائے ۔ 2/4/94

ج : انہیں زنا سے منع کرنے والی آیات اور احادیث سنائیں ، جہنم کے عذاب سے ڈرائیں نیز انہیں یاد دلائیں کہ جس عورت سے وہ زنا کرتے ہیں وہ عورت آخر کسی کی بیٹی ہے کسی کی بہن ہے وغیرہ وغیرہ تو انہیں یہ بات گوارا ہے کہ کوئی آدمی ان کی بیٹی یا بہن یا پھوپھی یا خالہ یا ماں یا بھتیجی یا بھانجی یا بیوی سے زنا کرے؟ تو جب انہیں یہ چیز گوارا نہیں تو پھر خود کیوں دوسرے کی عزت پر ڈاکہ ڈالتے ہیں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ﴿لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ﴾ [نہیں ایمان والا ہو سکتا تم میں سے ایک یہاں تک کہ پسند کرے واسطے اپنے

بھائی کے جو پسند کرتا ہے اپنے لیے] [1] ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ'' کثرت سے پڑھتے رہیں۔ ۱٤۱٤/۱۰/۲٤ھ

س: متعہ کے بارے میں قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائیں کیا یہ جائز ہے؟ عثمان غنی گورنمنٹ کالج لاہور

ج: پہلے وقتاً فوقتاً آپ ﷺ نے اس کو جائز قرار دیا مگر آخر میں آپ ﷺ نے اس کو قیامت تک ناجائز قرار دے دیا۔ صحیح مسلم میں ہے ﴿عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ قَالَ حَدَّثَنِي الرَّبِيْعُ ابْنُ سَبْرَةَ الْجُهَنِيُّ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ نَهٰى عَنِ الْمُتْعَةِ وَقَالَ أَلاَ إِنَّهَا حَرَامٌ مِنْ يَوْمِكُمْ هٰذَا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ (الحدیث) [رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا متعہ سے اور فرمایا کہ آگاہ رہو آج کے دن سے حرام ہے قیامت کے دن تک] [2]

۱٤۱۷/۸/۱ھ

س: مشت زنی کرنا کتنا بڑا گناہ ہے اور اس کی سزا کیا ہے؟

ج: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۞ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُوْلٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ ۞﴾ [3] [مگر اپنی بیویوں سے یا اپنی لونڈیوں سے سوان پر نہیں کچھ الزام پھر جو کوئی ڈھونڈ لے اس کے سوائے سو وہی ہیں حد سے بڑھنے والے] اس جرم کی حد متعین نہیں صرف تعزیر ہے جو دس کوڑوں سے متجاوز نہیں ہوتی ۔ ۱٤۱٤/۸/٤ھ

س: مشت زنی کیا ہے۔ جو یہ فعل کرتا ہے اسے کل قیامت کے دن کس قسم کی سزا ملے گی اس فعل بد سے بچنے کا کیا طریقہ ہے؟

ج: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُوْلٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ﴾ [پھر جو کوئی ڈھونڈے اس کے سوا وہی ہیں حد سے بڑھنے والے] [4] اس فعل شنیع سے بچنے کے لیے یہ دعا کثرت سے پڑھتے رہیں۔ ﴿اَللّٰهُمَّ مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى طَاعَتِكَ﴾ [5] نیز یہ دعا پڑھا کریں۔ ﴿اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْمَآثَمِ وَالْمَغْرَمِ﴾ ۱٤۱۸/۱۰/٦ھ

س: ایک طالب علم کا سوال ہے کہ اس نے دو برے کاموں سے توبہ کی تھی (جن میں مشت زنی ایک تھی اور دوسرا کام لڑکے کے ساتھ کپڑوں سمیت برے کام) اس نے قسم اٹھائی کہ آئندہ یہ کام نہیں کروں گا۔ اب غلطی سے اس سے یہ کام ہو گئے ہیں۔ کیا یہ گناہ معاف ہو سکتے ہیں؟ اگر معاف ہو سکتے ہیں تو ان کا کفارہ کیا ہے؟ اس کے بعد آدمی کو کیا

---

[1] متفق علیہ بحوالہ مشکوۃ کتاب الادب باب الشفقة والرحمة على الخلق [2] جلد اول ص٤٥٢ کتاب النکاح۔ باب نکاح المتعة [3] [المعارج ۳۰، ۳۱ پ۲۹] [4] [المومنون ۷ پ۱۸] [5] [مسلم، ترمذی]

کرنا چاہیے؟ جواب جلدی دیں آدمی بہت پریشان ہے بہت بہت مہربانی ہوگی۔ جس لڑکے کی وجہ سے وہ برا کام کرتا ہے اس کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے؟ اس کی وجہ سے وہ برے کام کرتا ہے حالانکہ وہ اس کا دوست ہے کیا اس سے دوستی صحیح ہے؟ ایک سائل

ج: قسم توڑنے کا کفارہ اس کے ذمہ ہے پہلی فرصت میں وہ اسے ادا کرے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِيْنَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ أَهْلِيْكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلاثَةِ أَيَّامٍ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوْآ أَيْمَانَكُمْ﴾ [پس اس کے کفارہ میں دس مسکینوں کو متوسط درجے کا کھانا جو عموماً تم اپنے عیال کو کھلاتے ہو کھلا دو یا ان کو لباس پہنا دو یا غلام آزاد کرو اور جس کو یہ کچھ بھی میسر نہ ہو وہ تین روزے رکھے یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھا کر خلاف کرو اور اپنی قسموں کی خوب حفاظت کرو][1] اگر اس کا یہ دوست اس کو گناہ پر اکساتا ہے اور اسی دوست کے سبب اس سے گناہ کا ارتکاب ہوتا ہے تو ایسی دوستی سے پرہیز چاہیے۔ قسم کا کفارہ ادا کرے اور آئندہ کے لیے توبہ کرے پھر گناہ کا ارتکاب نہ کرے توبہ کے لیے مندرجہ ذیل چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔

(۱) جس گناہ سے توبہ کی جارہی ہے اس کا ارتکاب غضب یا شہوت کے غلبہ کی وجہ سے ہو۔

(۲) توبہ حضور موت سے پہلے ہو۔ یاد رہے موت کسی وقت بھی آسکتی ہے۔

(۳) اپنے کیے پر نادم ہو۔

(۴) اللہ تبارک وتعالیٰ سے استغفار و معافی مانگے۔

(۵) آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ ہو۔

(۶) توبہ میں اخلاص وللّٰہیت ہو۔ ریاکاری یا کوئی اور فاسد غرض نہ ہو۔

(۷) اگر اس گناہ میں کسی بندے کی حق تلفی ہو تو اس کی تلافی کرے۔ واللہ اعلم ۱۴۱۷/۲/۸ھ

س: عرض حال یہ ہے کہ آپ سے توبہ کے بارے پوچھا تھا آپ نے اس (توبہ) کی سات شرائط بتائیں۔ ان میں سے تین شرائط کی سمجھ نہیں آئی۔ بہرحال توبہ تو میں نے کر لی ہے صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ ان کا کیا مطلب ہے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں بتا کر عنداللہ ماجور ہوں۔ بہت بہت مہربانی ہوگی۔ وہ تین شرائط مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) جس گناہ سے توبہ کی جارہی ہے اس کا ارتکاب غضب یا شہوت کے غلبہ کی وجہ سے ہو۔

---

[1] المائدہ ۸۹ پ ۷

(۲) توبہ میں اخلاص وللّٰہیت ہوریا کاری یا کوئی اور فاسد غرض نہ ہو۔ (فاسد غرض سے کیا مراد ہے)

(۳) اگر اس گناہ میں کسی بندہ کی حق تلفی ہو تو اس کی تلافی کرے۔ (حق تلفی کیا ہو سکتی ہے)؟ ایک سائل

ج: (۱) قرآن مجید میں ہے: ﴿إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ﴾ الآیۃ [صرف انہی لوگوں کی توبہ خدا کے ہاں مقبول ہے جو غلطی سے برے کام کرتے ہیں] [1] تو اس نمبر میں جہالت کی تشریح مقصود تھی مطلب یہ ہے کہ آدمی گناہ کرنا نہیں چاہتا مگر غضب یا شہوت کا ایسا غلبہ ہوا کہ اس نے گناہ کرلیا۔

(۲) مثلاً توبہ اس لیے کرتا ہے کہ لوگ اس پر اعتماد کرنا شروع کردیں مگر اس کے دل میں یہ ہے کہ ان کو اعتماد میں لے کر ان کا کوئی مالی یا جانی یا آبروریزی والا نقصان کروں گا فاسد غرض میں شامل ہے۔

(۳) مثلاً کسی کا مال یا کوئی چیز اس نے ہتھیا رکھی ہے تو وہ اسے واپس کرے یا اس سے معاف کروالے اور ساتھ ساتھ اس سے معافی بھی مانگے۔ واللہ اعلم ۱۴۱۷/۲/۱۷ھ

س: ایک عورت کی یکے بعد دیگرے کئی شادیاں ہوئی ہوں تو جنت میں کس خاوند کے ساتھ ہوگی۔ اگر کوئی نص ہو تو ذکر فرمائیں؟ جزاکم اللہ خیراً خالد جاوید سعودی عرب

ج: ابودرداء اور ام درداء رضی اللہ عنہما کا مکالمہ کہیں پڑھا ہے حوالہ اس وقت یاد نہیں ام درداء نے کہا میں آپ کو (ابودرداء کو) نہیں جانتی تھی گھر والوں نے آپ کے ساتھ شادی کردی اب چاہتی ہوں کہ جنت میں بھی آپ کے ساتھ رہوں تو ابودرداء نے فرمایا پھر میرے بعد کسی کے ساتھ شادی نہ کرنا۔ تو اس حکماً مرفوع روایت سے پتہ چلتا ہے کہ عورت دنیا میں مرتے وقت جس خاوند کے پاس ہوا گر وہ دونوں جنت میں جائیں تو وہ اس کے پاس ہی ہوگی۔ [2]

۱۴۱۷/۱۱/۲۱ھ

---

[1] [النساء ۱۷ پ ٤] [2] [قال النبی صلی الله علیه وسلم اَلْمَرْأَةُ لِآخِرِ أَزْوَاجِهَا۔ عورت اپنے آخری خاوند کے پاس ہو گی۔ السلسلة الصحیحة۔ ۱۲۸۱۔ ج۳۔ اسی مقام پر ابودرداء رضی اللہ عنہ والی روایت ہے۔]

کتاب الطلاق ....طلاق کے مسائل

س:(۱) کتاب وسنت سے بتائیں کہ طلاق کا شرعی طریقہ کیا ہے؟

(۲) کیا تین طلاقیں دینی ضروری ہیں یا ایک طلاق سے ہی عورت فارغ ہو جائے گی؟

(۳) اگر تین طلاقیں دینی ہوں تو ان کا شرعی طریقہ کیا ہے؟

(۴) تین حیض تک انتظار پہلی طلاق سے کرے گی یا تیسری طلاق کے بعد؟

(۵) کیا ہر ماہ (یعنی طہر) میں پہلی طلاق یا دوسری طلاق سے رجوع سے قبل تیسری طلاق دینا صحیح ہے؟

(۶) قرآن میں ہے عدت میں طلاق دو اس عدت سے کون سی عدت مراد ہے ہر ماہ یا تین حیض؟

(۷) کیا پہلی طلاق سے رجوع کیے بغیر دوسری طلاق دے سکتے ہیں؟ محمد صفدر عثمانی نوشہرہ روڈ گوجرانوالہ 20/4/94

ج:(۱) حالت طہر میں قبل از مسیس یا حالت حمل میں دو عادل گواہوں کی موجودگی میں ایک طلاق دینا طلاق کا شرعی طریقہ ہے۔آیت کریمہ میں ہے: ﴿فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾ حدیث میں اس کی تفسیر طہر قبل از مسیس اور حمل وارد ہوئی ہے نیز حدیث میں یکمشت تین طلاق دینے کی ممانعت آئی ہے اور قرآن مجید میں ہے: ﴿فَأَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَأَشْهِدُوْا ذَوَی عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ [پس بند رکھو ان کو اچھی طرح یا جدا کر دو ان کو ساتھ اچھی طرح کے اور گواہ کر لو دو صاحب عدل کو آپس میں سے][1]

(۲) ایک طلاق سے بیوی زوجیت سے فارغ ہو جاتی ہے مگر عدت گذر جانے پر نہ کہ قبل از انقضاء عدت۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَلاَ تَعْضُلُوْهُنَّ أَنْ يَّنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ الخ وَبُعُوْلَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِكَ إِنْ أَرَادُوْآ إِصْلاَحًا﴾[2]
[ان کے خاوند اگر موافقت چاہیں تو اس (مدت) میں وہ ان کو اپنی زوجیت میں لینے کے زیادہ حق دار ہیں]

(۳) ایک طلاق دے پھر عدت کے اندر رجوع بلا نکاح جدید یا عدت کے بعد نکاح جدید اگر کر لے پھر کسی وقت طلاق کی ضرورت محسوس کرے تو دوسری طلاق دے اس دوسری طلاق کے بعد عدت کے اندر رجوع بلا نکاح جدید یا عدت کے بعد نکاح جدید اگر کر لے پھر کچھ وقت گذرنے پر طلاق دینا مناسب سمجھے تو تیسری طلاق دے اب کے اس تیسری

---

[1] [الطلاق ۲ پ۲۸] [2] [البقرة ۲۲۸ پ۲]

طلاق کے بعد عدت کے اندر رجوع بلا نکاح جدید یا با نکاح جدید نہیں ہوسکتا اور نہ ہی عدت کے بعد نکاح جدید ہوسکتا ہے ﴿حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ أَنْ يَّتَرَاجَعَآ إِنْ ظَنَّآ أَنْ يُّقِيمَا حُدُوْدَ اللهِ﴾ الآیۃ [حتی کہ دوسرے خاوند سے نکاح کرے اب اگر دوسرا خاوند اس کو طلاق دے دے تو پہلا خاوند اور یہ بیوی آپس میں ملاپ کر سکتے ہیں اگر دونوں یہ سمجھیں کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم رکھ سکیں گے] [1]

ایک صورت یہ بھی ہے کہ ایک طلاق دے جب عدت ختم ہونے کو ہو تو دوسری طلاق دے پھر اس دوسری طلاق کی عدت جب ختم ہونے کو ہو تو تیسری طلاق دے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اَلطَّلاَقُ مَرَّتٰنِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ تَسْرِيْحٌ بِإِحْسَانٍ﴾ [2] [رجعی طلاق دو بار ہے پھر دو طلاقوں کے بعد یا تو دستور کے موافق اپنی بیوی کو رہنے دے یا اچھی طرح سے رخصت کر دے] نیز آیت کریمہ ہے: ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ﴾ [اور جب طلاق دو تم عورتوں کو پس پہنچیں وقت اپنے کو پس بند رکھو ان کو ساتھ اچھی طرح کے یا نکال دو ان کو ساتھ اچھی طرح کے] [3] حدیث میں تسریح کی تفسیر طلاق وارد ہوئی ہے۔

(۴) مطلقہ بالغہ غیر آئسہ اور غیر حاملہ کی عدت تین حیض ہے طلاق خواہ پہلی ہو خواہ دوسری ہو خواہ تیسری ہو۔ ﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلاَثَةَ قُرُوْءٍ﴾ [طلاق دی گئی عورتیں تین حیض انتظار کریں] [4]

(۵) اس کا جواب نمبر۳ میں آ چکا ہے جس کا خلاصہ یہی ہے کہ یہ صورت بھی درست اور صحیح ہے۔

(۶) حدیث میں اس کی تفسیر طہر قبل از حیض یا حمل وارد ہوئی ہے۔

(۷) اس کا جواب نمبر۳ اور نمبر۵ میں بیان ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم ۱۴۱۴/۱۱/۲۳ھ

س: ایک عورت کی شادی ہوئی اس کے پانچ بچے بھی ہیں تقریباً آٹھ دس سال اپنے خاوند کے ساتھ رہی پھر تقریباً دو سال تک وہ عورت اپنے میکے چلی گئی بچے خاوند کے پاس رہے دو سال بعد اس کا خاوند آیا اور اس نے کہا میں تمہیں تین طلاق دیتا ہوں یہ اس نے ایک ہی دفعہ کہا پھر اس نے ایک کاغذ پر باقاعدہ دستخط کر دیئے کہ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں مسئلہ درپیش یہ ہے کہ اس نے اس کو پہلے کہا کہ میں تمہیں تین طلاق دیتا ہوں پھر کاغذ پر بھی لکھ دیا اور اس بات کو تقریباً ڈیڑھ ماہ کا عرصہ ہو گیا ہے اب وہ عورت اپنے خاوند کو تو ناپسند کرتی ہے لیکن بچوں کی خاطر واپس جانا چاہتی ہے اس کا خاوند رضامند ہے تو کیا وہ دو طلاقیں ہو چکی ہیں اور اگر وہ رجوع کرنا چاہے تو عدت کے اندر کر سکتا ہے اور کیا واقعی یہ دو طلاقیں ہیں یا کہ ایک ہیں کیونکہ پہلے اس نے ایک مجلس میں تین طلاقیں دی ہیں۔ پھر باقاعدہ طور پر دستخط بھی

---

[1] [البقرة ۲۳۰] [2] البقرة ۲۲۹ [3] البقرة ۲۳۱ [4] البقرة ۲۲۸

کر دیئے ہیں ۔ برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں ؟ اور اگر اس عرصے میں عدت گذر جائے تو کیا نکاح کی صورت میں وہ عورت اپنے خاوند کے پاس جاسکتی ہے؟ ذرا وضاحت طلب ہے؟

اعجاز احمد 16/7/93

ج: صورت مسئولہ میں خاوند نے جب اپنی بیوی سے کہا ''میں تمہیں تین طلاق دیتا ہوں'' تو اسی وقت ایک طلاق واقع ہوگئی اس کے بعد اس نے لکھ دیا کہ میں تمہیں تین طلاق دیتا ہوں تو اگر اس نے پہلی زبانی دی ہوئی طلاقوں کو ہی لکھا ہے تو طلاق ایک ہوگی ورنہ دو مگر ان دونوں کے درمیان چونکہ رجوع نہیں کیا گیا اس لیے علماء کی ایک جماعت ایسی دو طلاقوں کو ایک ہی قرار دیتی ہے مثلاً حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم اور حافظ گوندلوی رحمہم اللہ تعالیٰ

بہرحال طلاق ایک ہو یا دو صورت مسئولہ میں عدت کے اندر رجوع بلا نکاح اور عدت کے بعد نکاح جدید کے ذریعہ خاوند اپنی اس مطلقہ بیوی کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ إِنْ أَرَادُوْآ إِصْلاَحًا﴾ نیز فرمایا: ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلاَ تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ ۱۴۱۴/۲/۱۳ھ

س: زید کا عمرو کے ساتھ کسی بات پر جھگڑا ہوا۔ اور زید کی بیوی عمرو کی رشتہ دار ہے۔ زید نے اپنی بیوی کو بولا اگر تو عمرو کے سامنے ہوئی تو تجھے طلاق۔ اگر شرط پوری ہو تو کیا شرعی رو سے طلاق ہوگی؟ تاج محمد خان ڈھینڈھ ہری پور

ج: صورت مسئولہ میں شرط پوری ہونے پر طلاق واقع ہو جائے گی زید کو چاہیے کہ وہ رجوع کر لے اگر عدت باقی ہو ورنہ نکاح جدید کرے اور آئندہ کے لیے ایسے نہ کرے۔ ۱۴۱۱/۲/۲۵ھ

س: ایک آدمی نے اپنی سگی بہن جس کی عمر ۷ سال تھی اور اس آدمی کی عمر ۱۷ سال تھی اور جس کے ساتھ شادی کی تھی اس کی عمر ۹ سال تھی اور غیر مختون تھا۔ اور لڑکی کا دادا اور والدہ اس نکاح پر ناراض بھی تھے۔ اور یہ ۱۹۷۳ء کا واقعہ ہے: اور لڑکی نے قبل از بلوغت نفرت اور سن بلوغت میں نکاح سے مکمل انکار کر دیا اور اب لڑکی اس لڑکے سے شادی ہرگز نہیں کرنا چاہتی۔ کیا یہ نکاح باقی ہے یا نہیں؟ اگر باقی ہے تو اس کے فسخ کا کیا طریقہ ہے کیا قاضی ہی فسخ کر سکتا ہے یا ولی یعنی اس کا بھائی بھی فسخ کا حق رکھتا ہے اور حالت یہ ہے کہ اس کا خاوند جو بنا تھا وہ اس کو طلاق نہیں دیتا اور اس نے شادی بھی اور کرالی ہے۔ اور وہ اس کو رکھنا بھی نہیں چاہتا۔

ج: عدالت سے نکاح فسخ کروالیا جائے۔ ۱۴۱۳/۹/۲۰ھ

س: (۱) طلاق خلع: یہ کیا چیز ہے کیا خلع کے لیے مرد کی رضامندی ضروری ہے یا عورت اپنی مرضی سے خلع لے سکتی ہے کیا کیا شرائط ہیں ذرا تفصیل سے خلع کے بارہ میں روشنی ڈالیں؟

(۲) فسخ نکاح: ہمارے مذہب میں اس کی کیا حیثیت اور کیا طریقہ کار ہے کب تنسیخ نکاح ہوتی ہے اور کیا خلع تنسیخ نکاح ہے؟ محمد حسن عسکری کراچی 28/11/94

ج: آپ کا مکتوب گرامی موصول ہوا قلت فرصت کی بنا پر آپ کی مطلوب تفصیل سے قاصر ہوں۔ اختصاراً گذارش ہے کہ خلع مجرد عن الطلاق صحیح قول کے مطابق فسخ ہوتا ہے نیز خلع میں خاوند بیوی دونوں کی رضا ضروری ہے فسخ نکاح کی کئی صورتیں ہیں ان میں خیار بلوغ یا کسی اور وجہ سے قاضی کا نکاح توڑنا بھی شامل ہے۔ واللہ اعلم ۱۴۱۵/۷/۳ھ

س: ایک عورت کو طلاق بتہ یعنی تین شرعی طلاقیں ہو جاتی ہیں اور وہ اپنے ساتھ اپنے دونوں بچے بھی لے جاتی ہے جو اس کے طلاق دینے والے خاوند کے بستر پر پیدا ہوئے تھے اب جب خاوند نے عدالت میں بچوں کا مطالبہ کیا تو عورت نے تحریراً یہ کہہ دیا کہ یہ شخص حرامی بچوں کا باپ یعنی یہ بچے اس کے نہیں ہیں کیا شریعت اس عورت کو خاوند سے ان بچوں کا خرچہ دلوائے گی یا نہیں اگر خاوند بھی اس عورت کے اعتراف کی وجہ سے یہ کہہ دے کہ چلو اگر یہ کہتی ہے کہ بچے میرے نہیں تو میں بھی دستبردار ہوتا ہوں۔ اس صورت میں عورت خرچہ مانگنے کی مجاز ہے یا نہیں۔ اس سلسلے میں دو حدیثیں بظاہر مجھے متضاد نظر آتی ہیں۔ ایک تطبیق اور صحیح مسئلہ سے روشناس فرمادیں؟

(۱) ﴿اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ﴾ [1] [اولاد بستر والے کے لیے اور زانی کے لیے پتھر]

(۲) لعان والی حدیث وہاں یہ لفظ ہیں: ﴿وَاَلْحَقَ الْوَلَدَ بِاُمِّهٖ﴾ [2] [اور اولاد کو ماں کے ساتھ ملایا]

محمد طیب گجر پورہ لاہور

ج: ''اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ'' عام ہے ولد ملاعنہ کو بھی شامل ہے لیکن دوسری حدیث خاص ''وَاَلْحَقَ الْوَلَدَ بِاُمِّهٖ'' کے ساتھ اس عام کی تخصیص ہوگئی ہے اور اصول ہے ''وَالْخَاصُ لاَ یُعَارِضُ الْعَامَ بَلْ یُبْنَی الْعَامُ عَلَی الْخَاصِ'' [خاص عام کے معارض نہیں ہوتا بلکہ عام کی بنیاد خاص پر ہوتی ہے] جو واقعہ آپ نے ذکر کیا ہے وہ لعان والی صورت ہے ہی نہیں۔ واللہ اعلم ۱۴۱۳/۷/۸ھ

س: ایک آدمی اپنی بیوی کو لکھ کر طلاق دیتا ہے لیکن وہ طلاق اس کو نہیں پہنچی عورت کی لاعلمی کی بنا پر عورت کو طلاق ہو

[1] [مشکوۃ ۔ کتاب النکاح ۔ باب اللعان] [2] [متفق علیہ ۔ مشکوۃ باب اللعان ۔ الفصل الاول]

جائے گی کہ نہیں؟ عبدالغفور ولد عبدالحق شاہدرہ لاہور 15/4/97

ج: اس صورت میں بھی طلاق ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ﴾ الآیۃ [1] [اور جب تم طلاق دو عورتوں کو پس وہ پہنچ جائیں اپنی مدت کو] ۱۴۱۷/۱۲/۲۹ھ

س: ایک آدمی نے اپنی بیوی کو لکھ کر ایک طلاق بھیجی جو کہ اس کی بیوی کو نہ مل سکی یعنی اس کی بیوی کو اس طلاق کا علم نہ ہوا پھر وقفے وقفے کے بعد اس آدمی نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں لکھ کر بھیج دیں وہ دو طلاقیں اس کی بیوی کو مل گئیں۔ تو بتائیں کیا عورت کو تین طلاقیں ہو گئیں کہ نہیں یاد رہے کہ عورت کو پہلی طلاق کا علم نہ ہو سکا؟

عبدالغفور ولد عبدالحق شاہدرہ لاہور

ج: صورت مسؤلہ میں تین طلاقیں واقع ہو چکی ہیں۔ ۱۴۱۷/۵/۲۳ھ

س: گھر میں کسی بات پر لڑائی ہو جاتی ہے بندہ کہتا ہے اچھا اگر اب دوبارہ میں نے فلاں کام کیا تو میں اپنی بیوی کو طلاق دے دوں گا والد صاحب ڈانٹتے ہیں تو کہتا ہے میری طلاق ہے طلاق جتنی بار منہ سے نکل سکا مگر عورت یہ الفاظ نہیں سنتی بعد میں دوسروں نے عورت سے پوچھا تو اس نے کہا کہ میں نے نہیں سنا ہے باقی ہم تو ٹھیک ٹھاک ہیں چونکہ جہالت کا دور دورہ تھا اس لیے نہ کسی نے یہ بات کسی اہل علم کو بتائی اور نہ خود محسوس کیا۔ رہتے رہے اسی بے دلی کے ساتھ اب پھر بندہ باہر سے گھر آیا تو جھگڑا ہو رہا تھا پوچھا کہ کیا ہو رہا ہے جواب میں کہا کہ کچھ نہیں اس نے کہا کہ ہر وقت جھگڑا ہے میں طلاق دے دوں گا پھر والد صاحب نے ڈانٹا اور روکنے کے لیے اٹھے مگر اس نے کہہ دیا کہ میں نے چھوڑی ہوئی ہے چھوڑی ہوئی تین مرتبہ۔ مگر بیوی نے یہ باتیں نہیں سنیں بعد میں عورت کو بتایا گیا اور علیحدہ کر لیا گیا۔ اب بندہ نادم ہے قرآن واحادیث کی رو سے بتائیں کہ کیا اب بندہ عورت واپس لا سکتا ہے یا کہ نہیں؟ عبدالرشید

ج: صورت مسؤلہ میں ایک طلاق واقع ہو چکی ہے صحیح مسلم کی حدیث سے ثابت ہے تین طلاق رسول اللہ ﷺ کے عہد و دور میں ایک ہی طلاق ہوا کرتی تھیں آپ کی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ عدت بھی گزر چکی ہے لہٰذا اب آپ اپنی اس مطلقہ بیوی کے ساتھ نیا نکاح کر سکتے ہیں قرآن مجید میں ہے: ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ الآیۃ [اور جب طلاق دو تم عورتوں کو پس پہنچیں اپنی عدت کو پس مت منع کرو ان کو یہ کہ نکاح کریں خاوندوں اپنے سے جب راضی ہوں آپس میں ساتھ

---

[1] البقرة ۲۳۲

اچھی طرح کے] ١٤١٢/٩/١٠ھ

س: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اپنی بیوی کو میکے رخصت کرنے کے بعد تین طلاقیں بیک وقت دے دیں۔ اور لفافہ پوسٹ کر دیا۔ کسی نے وصول کیا اور واپس جا کر اشفاق کو سمجھا بجھا کر واپس لفافہ دے دیا۔ اس نے بھی غصے میں آنے کا وقتی ارادہ ظاہر کیا اور صلح کرنے پر دوبارہ آمادگی ظاہر کی۔ بیوی یا اس کے والدین یا دوسرے رشتہ داران دونوں کی کاروائیوں سے بالکل بے خبر ہیں۔ کیا طلاق واقع ہوئی ہے اگر ہوئی ہے تو اصلاح کی صورت کس طرح پیدا ہوگی؟ بینوا توجروا۔ عبدالوحید

ج: صورت مسئولہ میں ایک طلاق واقع ہو چکی ہے صحیح مسلم ص ٤٧٧ ج ١ میں ہے ﴿عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ : كَانَ الطَّلَاقُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ ، وَأَبِيْ بَكْرٍ ، وَسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً﴾ (الحدیث) لہٰذا اب میاں بیوی گواہوں کے روبرو عدت کے اندر اندر صلح اور رجوع بلا نکاح کر سکتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَبُعُوْلَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ إِنْ أَرَادُوْآ إِصْلَاحًا﴾ نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَأَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَأَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ [1] [پس بند کر رکھو ان کو اچھی طرح یا جدا کر دو ان کو ساتھ اچھی طرح کے اور گواہ کر لو دو صاحب عدل کو آپس میں سے] اور عدت گذر جانے کے بعد میاں بیوی صلح و رجوع با نکاح جدید کر سکتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ أَنْ يَّنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ واللہ اعلم

١٤١٩/٤/١٠ھ

س: اگر والدین اپنے بیٹے کو کہیں کہ اپنی بیوی کو طلاق دو تو اس کا کیا حکم ہے؟ عباس الٰہی ظہیر

ج: ﴿وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَتْ تَحْتِيْ اِمْرَأَةٌ أُحِبُّهَا وَكَانَ عُمَرُ يَكْرَهُهَا فَقَالَ لِيْ طَلِّقْهَا فَأَبَيْتُ فَأَتٰى عُمَرُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ طَلِّقْهَا﴾ [2] [حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا میری ایک بیوی تھی میں اس سے محبت کرتا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے ناپسند کرتے تھے پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے کہا کہ اسے طلاق دے دو پس میں نے انکار کیا پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے پس انہوں نے یہ بات آپ سے ذکر کی پس رسول اللہ ﷺ نے مجھے کہا کہ اسے طلاق دے دو] پھر

[1] الطلاق ٢ پ ٢٨ [2] رواہ الترمذی وابوداود ، مشکوۃ باب البر والصلہ حدیث نمبر ٤٩٤٠

ابراہیم علیہ السلام کا اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو دہلیز بدلنے کا حکم دینے والا واقعہ بھی اس مسئلہ پر دال ہے۔

۱۴۱۲/۱۲/۵ھ

س: ایک آدمی اپنی بیوی اور سالی کو باجیاں کہہ (باجی) کر پکارتا ہے اور پھر کہتا ہے میں ایک باجی کو ادھر پھینک دوں اور دوسری باجی کو اُدھر پھینک دوں اس بات پر ''ظہار'' واقع ہوتا ہے کہ نہیں مہربانی وضاحت فرما دیں؟ عین نوازش ہو گی؟ محمد علی

ج: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِءٍ مَا نَوٰی﴾ ہر آدمی کے لیے وہی ہے جو اس نے نیت کی تو اگر صورت مسئولہ میں درج الفاظ بارادۂ ظہار کہے گئے ہیں تو پھر یہ ظہار ہے۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم

۱۴۱۰/۵/۱۵ھ

س: (۱) کیا دوسری طلاق رجوع کے بغیر ہو جاتی ہے کہ نہیں نیز یہ بھی بتائیں کہ دوسری طلاق کتنے دن کے بعد دی جائے تو ہو جائے گی؟ (دلیل بیان کریں)

(۲) اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو ایک طلاق دیتا ہے اور عدت بھی گزر گئی تو پھر عدت کے گذر جانے کے بعد وہ آدمی دوسری اور تیسری طلاق دے دیتا ہے تو کیا تیسری طلاق واقع ہو جائے گی کہ نہیں؟ عبدالغفور شاہدرہ

ج: (۱) پہلی طلاق کے بعد وقفہ کے ساتھ دی ہوئی دوسری طلاق دوسری ہی ہو جاتی ہے رجوع کے ساتھ ہو خواہ رجوع کے بغیر۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿الطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ الخ﴾ یہ فرمان دونوں طلاقوں کے درمیان رجوع ہونے اور نہ ہونے والی دونوں صورتوں کو شامل ہے اس آیت کریمہ کو دونوں طلاقوں کے درمیان رجوع ہونے والی صورت کے ساتھ مخصوص قرار دینے یا مخصوص ہونے کی کتاب وسنت میں کوئی دلیل نہیں پھر دونوں طلاقوں کے درمیانی وقفے کی دنوں، راتوں، گھنٹوں اور منٹوں میں تعیین کتاب وسنت میں کہیں وارد نہیں ہوئی البتہ اتنی بات شریعت سے ثابت ہوتی ہے کہ یکبارگی دو یا تین یا زیادہ طلاقیں ایک ہی طلاق شمار کی جائیں گی۔

(۲) ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دے دی اس طلاق کی عدت گذر جانے کے بعد دوسری اور تیسری طلاق دیتا ہے تو پہلی طلاق کی عدت گذر جانے کے بعد دی ہوئی دوسری اور تیسری دونوں طلاقیں واقع نہیں ہوں گی کیونکہ پہلی طلاق کی عدت گذر جانے پہ وہ عورت اس شخص کے نکاح میں نہیں رہی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ ۱۴۱۹/۸/۲۱ھ

س: خاوند اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں بیک وقت تین طلاقیں دے تو وہ قرآن وحدیث کی رو سے ایک واقع ہوتی ہے خاوند بیوی کو ایک دن میں تین مختلف مجالس میں تین طلاقیں دے تو کیا یہ تینوں واقع ہو جائیں گی یا مجلس کا اطلاق ایک حیض پر ہوگا بعض اہل حدیث علماء کا یہ کہنا ہے کہ تینوں واقع ہو جائیں گی کیا دوسری طلاق کے لیے رجوع ضروری ہے ایک آدمی اپنی بیوی کو طلاق دینے کے بعد رجوع نہیں کرتا کیا تین ماہ کے بعد وہ خود بخود طلاق مغلظہ یا طلاق بائن کے زمرے میں آجائیں گی؟ محمد فاروق تبسم لاہور

ج: دوسری طلاق کے جواز یا نفاذ کے لیے پہلی طلاق کے بعد رجوع کے شرط ہونے کی کتاب وسنت میں کوئی دلیل مجھے معلوم نہیں آیت ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ﴾ الخ اور سنن نسائی کی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی حدیث ﴿طَلَاقُ السُّنَّةِ تَطْلِيْقَةٌ وَهِيَ طَاهِرٌ فِيْ غَيْرِ جِمَاعٍ فَإِذَا حَاضَتْ وَطَهُرَتْ طَلَّقَهَآ أُخْرٰى﴾ الخ [طلاق سنت یہ ہے کہ ایک طلاق دینا اور عورت طہر کی حالت میں ہو بغیر جماع کے پس جب حیض آئے اور طہر آجائے تو دوسری طلاق دے] سے رجوع کا شرط نہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دے دی عدت گذر گئی اب وہ اپنی اس بیوی کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلاَ تَعْضُلُوْهُنَّ أَنْ يَّنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ ١٤١٩/١٢/٣هـ

س: الاول : زَيْدٌ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ بِطَلاَقٍ وَاحِدٍ فِيْ يَوْمِ الْاَحد ثُمَّ طَلَّقَ بِطَلاَقٍ ثَانٍ فِيْ يَوْمِ الْاِثْنَيْنِ ثُمَّ طَلَّقَهَا بِطَلاَقٍ ثَالِثٍ فِيْ يَوْمِ الثُّلاَثَاءِ اَعْنِيْ اَوْقَعَ طَلَقَاتٍ ثَلاَثَةً فِيْ ثَلاَثَةِ اَيَّامٍ مُتَوَالِيَاتٍ هَلْ تُعَدُّ تِلْكَ الطَّلَقَاتُ طَلاَقًا وَاحِدًا رَجْعِيًّا اَوْ تُعَدُّ طَلاَقًا ثَلاَثًا .

اَلْمَسْأَلَةُ الثَّانِيَةُ : زَيْدٌ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ بِثَلاَثِ تَطْلِيْقَاتٍ بِلَفْظٍ وَاحِدٍ بِاَنْ يَقُوْلَ اَنْتِ طَالِقٌ ثَلاَثًا اَوْ بِاَلْفَاظٍ مُخْتَلِفَةٍ بِاَنْ يَقُوْلَ اَنْتِ طَالِقٌ وَطَالِقٌ وَطَالِقٌ هَلْ تُعَدُّ تِلْكَ التَّطْلِيْقَاتُ طَلاَقًا ثَلاَثًا اَمْ تُعَدُّ طَلاَقًا وَاحِدًا رَجْعِيًّا . حفیظ الرحمن چترال مالاکنڈ روڈ مردان

[الاول: زید نے اپنی بیوی کو ایک طلاق اتوار کے دن دی دوسری طلاق سوموار کو اور تیسری منگل کو میری مراد یہ ہے کہ اس نے تین طلاقیں پے در پے تین دنوں میں دے دیں کیا یہ طلاقیں ایک رجعی طلاق ہوگی یا تین طلاقیں ہو جائیں گی؟
الثانی: زید اپنی بیوی کو ایک ہی لفظ سے تین طلاقیں دیتا ہے أَنْتِ طَالِقٌ ثَلاَثًا کہتا ہے یا مختلف الفاظ أَنْتِ طَالِقٌ وَطَالِقٌ وَطَالِقٌ کہتا ہے کیا یہ طلاقیں تین ہوں گی یا ایک طلاق رجعی ہوگی؟]

ج:(۱) فِيْ هٰذِهِ الصُّوْرَةِ تَقَعُ الطَّلَقَاتُ الثَّلاثُ ، فَلاَ تَحِلُّ الْمَرْأَةُ لِزَوْجِهَا حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ نِكَاحًا صَحِيْحًا لَمْ يَلْعَنْ صَاحِبَهُ الشَّرْعُ . وَذٰلِكَ لِأَنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى قَالَ: ﴿ اَلطَّلاَقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ تَسْرِيْحٌ بِإِحْسَانٍ . الآية ﴾ وَقَدْ فَسَّرَ النَّبِيُّ ﷺ قَوْلَهُ تَعَالٰى : ﴿ تَسْرِيْحٌ بِإِحْسَانٍ ﴾ بالطلاق الثَّالِثِ كَمَا فِيْ تَفْسِيْرِ الْحَافِظِ ابْنِ كَثِيْرٍ وَغَيْرِهِ ، فَقَدْ ثَبَتَ أَنَّ الْوَقْتَ الَّذِيْ يَصِحُّ فِيْهِ الْإِمْسَاكُ بِالْمَعْرُوْفِ يَصِحُّ فِيْهِ التَّسْرِيْحُ بِالْإِحْسَانِ الَّذِيْ هُوَ طَلاَقٌ ، وَقَالَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى : ﴿ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ﴾ الآية . وهٰذَا أَيْضًا يَدُلُّ أَنَّ الطَّلاَقَ بِدُوْنِ رُجُوْعٍ يَصِحُّ لِأَنَّ التَّسْرِيْحَ الَّذِيْ هُوَ طَلاَقٌ قَدْ جُعِلَ فِيْهِ مُقَابِلاً لِلْإِمْسَاكِ الَّذِيْ هُوَ رُجُوْعٌ بِكَلِمَةِ أَوْ . وَكَذَا فِيْ قَوْلِهِ تَعَالٰى . ﴿ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ تَسْرِيْحٌ بِإِحْسَانٍ ﴾

(۲) إِنَّ طَلاَقَ الثَّلاَثِ فِيْ هٰذِهِ الصُّوْرَةِ يُجْعَلُ طَلاَقًا وَاحِدًا لِحَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا الَّذِيْ أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ فِيْ صَحِيْحِهِ . ۱۴۱۴/۱۱/۲۴ھ

[(۱) اس صورت میں تین طلاقیں ہوں گی بیوی اپنے خاوند کے لیے حلال نہیں ہے یہاں تک کہ وہ کسی دوسرے خاوند سے نکاح صحیح کرے ایسا نکاح جس کے کرنے والے پر شرع نے لعنت نہ کی ہو۔

اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: رجعی طلاقیں دو ہیں اس کے بعد یا تو بیوی کو آباد رکھنا ہے یا پھر شائستگی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے اور نبی ﷺ نے تَسْرِيْحٌ بِإِحْسَانٍ کی تفسیر تیسری طلاق کی ہے جس طرح کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی تفسیر اور دوسری تفاسیر میں ہے۔ تو ثابت ہوا کہ جس وقت میں اِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ درست ہے اس وقت میں تَسْرِيْحٌ بِإِحْسَانٍ بھی درست ہے جو کہ طلاق ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور جو تم طلاق دو عورتوں کو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں پس روکو ان کو اچھے طریقے سے یا چھوڑ دو ان کو اچھے طریقے سے۔

یہ فرمان الٰہی بھی دلالت کرتا ہے کہ طلاق بغیر رجوع کے درست ہے کیونکہ تسریح جو کہ طلاق ہے اس کو امساك کے مقابل بنایا گیا ہے جو کہ رجوع ہے أو کے کلمہ کے ساتھ۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے ﴿فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ تَسْرِيْحٌ بِإِحْسَانٍ﴾

(۲) اس صورت میں تین طلاقیں ایک ہی طلاق ہوگی ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کی وجہ سے جس کو مسلم نے اپنی صحیح میں نکالا ہے]

س: ایک آدمی نے اپنی بیوی کو طلاق دی دوسری طلاق دس دن کے بعد دی بغیر رجوع کے کیا بغیر رجوع کے دوسری طلاق ہو جائے گی؟ نیز یہ بتائیں کہ پہلی اور دوسری طلاق کے درمیان کتنا وقفہ ہونا چاہیے؟

عبدالغفور ولد عبدالحق شاہدرہ لاہور 15/4/97

ج: ہو جائے گی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ تَسْرِيْحٌ بِإِحْسَانٍ . الآية﴾ رجعی طلاقیں دو ہیں اس کے بعد یا تو بیوی کو آباد رکھنا ہے یا پھر شائستگی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے [1]

۱۴۱۷/۱۲/۲۹ھ

س: ایک آدمی نے اپنے گھر والوں سے ناراض ہو کر ۳ مارچ ۹۷ء کو علیحدگی اختیار کر لی۔ اور تقریباً تین ماہ بعد واپس آ کر ۲۶ مئی ۹۷ء اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین مرتبہ طلاق دے دی۔ اور پھر ۱۵ اگست ۹۷ء کو یعنی پہلی طلاق سے کوئی دو ماہ انیس دن بعد رجوع کر لیا پھر ۱۰ ستمبر ۹۷ء کو یعنی رجوع سے کوئی ۲۵ دن بعد دوسری طلاق بذریعہ ڈاک بھجوا دی جسے بیوی نے وصول نہ کیا پھر ۱۷ نومبر ۹۷ء کو بذریعہ یونین کمیٹی طلاق بھجوا دی، بیوی نے یہ بھی وصول نہ کی اس وقت اس آدمی کو یقین تھا کہ اب طلاق بائن ہو چکی ہے اور میرا بیوی سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ اس دوران اس آدمی نے بیوی کو ماں بہن بھی کہا۔ اور برابر اپنے مؤقف پر قائم رہا۔ آخر جنوری ۹۸ء وہ آدمی کسی مولوی صاحب سے ملا۔ اور صورتحال سے انہیں آگاہ کیا۔ انہوں نے کہا۔ تم اپنی بیوی سے نیا نکاح کر کے اسے اپنی زوجیت میں لا سکتے ہو۔ چنانچہ انہوں نے ۶ فروری ۹۸ء کو اس آدمی کے ایماء پر تشریف لا کر تجدید نکاح فرما دی۔ اب آپ کی خدمت عالیہ میں گذارش ہے؟ (۱) یہ طلاق واقع ہو چکی ہے یا نہیں؟ ذرا وضاحت کے ساتھ تحریر فرمائیں؟ (۲) مذکورہ نکاح کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟ اور ناکح کا شرعاً کیا حکم ہے؟ (۳) رجوع سے قبل پہلی ''طلاق'' کا کیا حکم ہے؟ وہ کالعدم ہو جاتی ہے یا نہیں؟ (۴) جو ظہار ہوا اس کی وضاحت فرما دیں کہ کیا حکم ہے؟

نوٹ: وہ آدمی تجدید نکاح کے بعد اب گومگو کی حالت میں ہے اور وہ تا حال اپنی ''بیوی'' کو گھر نہیں لایا ادباً پس گذارش ہے مختصر مگر جامع اور باحوالہ جواب باصواب تحریر فرمائیں۔ استفتاء ہذا کے ساتھ جوابی لفافہ پیش

[1] البقرة ۲۲۹ پ ۲

خدمت ہے۔ 16/2/98

س: (۱) طلاق کے متعلق آپ کے سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ ''ایک آدمی نے ۲۶ مئی ۹۷ء اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین مرتبہ طلاق دے دی پھر ۱۵ اگست ۹۷ء پہلی طلاق سے کوئی دو ماہ انیس دن بعد رجوع کر لیا پھر ۱۰ ستمبر ۹۷ء رجوع سے کوئی ۲۵ دن بعد دوسری طلاق بذریعہ ڈاک بھجوا دی بیوی نے یہ بھی وصول نہ کی پھر ۱۷ نومبر ۹۷ء دوسری طلاق سے ۲ ماہ ۷ دن بعد تیسری طلاق بذریعہ یونین کمیٹی بھجوا دی بیوی نے یہ بھی وصول نہ کی پھر اس کے بعد کوئی دو ماہ بیس دن ۶ فروری کو اس آدمی نے اپنی بیوی سے تجدید نکاح فرما دی تیسری طلاق کے بعد اور تجدید نکاح سے قبل اس آدمی نے اپنی بیوی کو ماں بہن بھی کہا'' اس پر آپ نے چار سوال مرتب فرمائے ہیں جن کے جواب ترتیب وار مندرجہ ذیل ہیں وباللہ التوفیق۔

(۱) ۲۶ مئی ۹۷ء کو ایک ساتھ دی ہوئی تین طلاقیں ایک طلاق واقع ہو چکی ہے صحیح مسلم الحدیث ص ۴۷۷ ج ۱ میں ہے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ﴿كَانَ الطَّلَاقُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَأَبِيْ بَكْرٍ وَسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً﴾ دوسری طلاق بعد از رجوع ۱۰ ستمبر ۹۷ء والی بھی واقع ہو چکی ہے بیوی کا طلاق نامہ کو وصول نہ کرنا طلاق واقع ہونے سے مانع نہیں تو اس صورت مسئولہ میں دو طلاقیں تو واقع ہو چکی ہیں رہی ۱۷ نومبر ۹۷ء کو دی ہوئی تیسری طلاق تو اگر وہ دوسری طلاق سے رجوع کے بعد ہے تو وہ بھی بالاتفاق واقع ہو گئی ہے تو اب ﴿حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ﴾ والی نوعیت ہے اور اگر یہ ۱۷ نومبر ۹۷ء والی تیسری طلاق دوسری طلاق سے رجوع کیے بغیر ہے تو اس تیسری طلاق کے واقع ہونے میں اختلاف ہے جو علماء کرام طلاق کے بعد طلاق کے واقع ہونے کے لیے درمیان میں رجوع کو شرط سمجھتے ہیں ان کے نزدیک یہ تیسری طلاق واقع نہیں ہوئی اور جو شرط نہیں سمجھتے ان کے نزدیک یہ تیسری طلاق واقع ہو چکی ہے اور ﴿حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ﴾ والی کیفیت پیدا ہو چکی ہے۔

(۲) اس آدمی کا اپنی بیوی سے نکاح جدید ان کے نزدیک شرعاً درست ہے جو طلاق کے بعد طلاق کے وقوع کے لیے درمیان میں رجوع کو شرط سمجھتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک صورت مذکورہ میں طلاقیں فقط دو ہی واقع ہوئی ہیں بشرطیکہ دوسری اور تیسری طلاق کے درمیان رجوع نہ ہوا ہو اور عدت گذر چکی ہو اور جو طلاق کے بعد طلاق کے وقوع کے لیے درمیان میں رجوع کو شرط نہیں سمجھتے ان کے نزدیک صورت مسئولہ میں تینوں طلاقیں چونکہ واقع ہو چکی ہیں اس لیے اس آدمی کا اپنی بیوی کے ساتھ مذکورہ بالا نکاح جدید شرعاً درست نہیں حرام ہے خواہ اس نے دوسری طلاق کے بعد رجوع

کیا ہے خواہ رجوع نہیں کیا یا درہے دونوں قولوں کے مطابق یہ جواب تب ہے جبکہ اس نکاح جدید مذکور میں اس طلاق والے معاملے کے علاوہ دیگر شروط نکاح مثلاً عورت کی رضا ولی کی اجازت وغیرہ موجود ہوں۔

(۳) رجوع در عدت سے قبل طلاق پہلی ہو خواہ دوسری شمار کی جائے گی کالعدم نہیں ہو گی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ تَسْرِيْحٌ بِإِحْسَانٍ﴾ الآیۃ نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلاَ تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ الآیۃ

(۴) جن کے نزدیک صورت مسئولہ میں تینوں طلاقیں واقع ہو چکی ہیں ان کے نزدیک یہ ظہار کالعدم ہے اور جن کے نزدیک طلاقیں دو واقع ہوئی ہیں ان کے نزدیک اس ظہار کا اعتبار ہو گا بشرطیکہ وہ ظہار عدت ختم ہونے سے قبل قبل ہو۔

س: میرا عزیز عرصہ ۲۰ سال سے بیرون ملک مقیم ہے اور ہر دوسرے سال وہ پاکستان آتا تھا۔ مگر پچھلے دو تین سال سے میاں بیوی میں کچھ شکوک وشبہات پیدا ہو گئے۔ مرد کو عورت پر شک تھا کہ عورت نے کسی دوسرے سے ناجائز تعلقات قائم کر لیے ہیں جب وہ تقریباً دو سال پہلے پاکستان آیا تو اس نے عورت کو وارننگ دی کہ تم ٹھیک ہو جاؤ۔ کیونکہ ہمارے بچے جوان ہو رہے ہیں۔ ان کے بچوں کی تعداد پانچ ہے۔ اور عمریں بالترتیب ۱۸، ۱۶، ۱۴، ۱۰، ۷ سال ہیں مگر وہ بضد رہی۔ لہٰذا اس نے تقریباً ۹ ماہ قبل اسے ایک عدد طلاق بذریعہ تحریری خط ارسال کی لیکن وہ ۹ ماہ سے پھر بھی کوشش کرتا رہا کہ اسے سمجھ آ جائے اور اس واسطے اس نے لڑکی کے والدین اور بھائیوں سے بھی رابطہ رکھا کہ اسے سمجھایا جائے۔ لیکن وہ عورت نہیں مانی۔ پھر اس نے ۹ ماہ بعد اس عورت کو دو عدد اکٹھی طلاق بذریعہ تحریری خط ارسال کر دی ہیں۔ اگر پھر بھی مرد اس کو رکھنا چاہے تو کیا کرے۔ اس مرد نے جو طلاقیں بھیجی ہیں ان کی اسلام میں کیا حیثیت ہے۔ اگر میاں بیوی رجوع یا تجدید نکاح سے پھر ایک ہو سکتے ہیں۔ تو کیا کیا جائے۔ کیا مرد کے اس عمل سے تمام طلاقیں ہو گئی ہیں۔ دوسری طلاق کو بھیجے تقریباً ایک ماہ گزر چکا ہے۔ مہربانی فرما کر قرآن وحدیث کی روشنی میں آگاہ کیا جائے۔ 15/2/98

ج: نو ماہ قبل دی ہوئی ایک عدد طلاق واقع ہو چکی ہے اس طلاق کے نو ماہ بعد اکٹھی دی ہوئی دو طلاقیں اگر عدت کے اندر بغیر رجوع کیے دی گئی ہیں تو اہل علم کے دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ ایک طلاق واقع ہو گئی ہے تو یہ دوسری طلاق ہو گی کیونکہ ایک پہلے واقع ہو چکی ہے دوسرا قول یہ ہے کہ یہ دونوں طلاقیں کالعدم ہیں کیونکہ اس قول میں عدت کے اندر رجوع کیے بغیر طلاق واقع نہیں ہوتی تو اس قول کے مطابق نو ماہ قبل دی ہوئی ایک ہی طلاق ہے اس لیے

دونوں قولوں کے مطابق خاوند اکٹھی دو طلاقیں دینے کے وقت سے لے کر عدت کے اندر گواہوں کے روبرو رجوع کر سکتا ہے اور عدت گذر جانے کے بعد تجدید نکاح کر سکتا ہے۔ اور اگر اکٹھی دو طلاق دینے کے وقت نو ماہ قبل دی ہوئی طلاق کی عدت ختم ہو چکی تھی تو یہ دونوں اکٹھی دی ہوئی طلاقیں کالعدم ہیں ان کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ پہلی طلاق کی عدت ختم ہونے پر نکاح ٹوٹ چکا تھا اور نکاح ٹوٹ جانے کے بعد یا نکاح منعقد ہونے سے قبل طلاق کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں تو اس صورت میں طلاق صرف ایک واقع ہوئی ہے عدت چونکہ ختم ہو چکی ہے اس لیے اب خاوند تجدید نکاح کر سکتا ہے واللہ اعلم تمام احباب واخوان کی خدمت میں ہدیہ سلام پیش فرما دیں۔ ١٤١٨/١١/٢٤ھ

س: ایک آدمی نے مورخہ ۹۱۔۱۔۲۲ کو اپنی زوجہ کو ایک ہی مجلس میں یکبارگی تین طلاقیں دے دی تھیں۔ اب اپنی بیوی سے رجوع کرنا چاہتا ہے جبکہ بیوی اپنے والدین کے گھر تب سے رہ رہی ہے۔ میری صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے قرآن وسنت کی روشنی میں ''مسئلہ رجوع'' واضح کیجئے؟

ج: آپ کی مسئولہ صورت میں ایک طلاق واقع ہو چکی ہے کیونکہ یکبارگی تین طلاقیں ایک طلاق ہوتی ہے صحیح مسلم جلد اول ص ۴۷۷ میں ہے ﴿عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ : كَانَ الطَّلاَقُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ ، وَأَبِيْ بَكْرٍ ، وَسَنَتَيْنِ مِنْ خِلاَفَةِ عُمَرَ طَلاَقُ الثَّلاَثِ وَاحِدَةٌ﴾ (الحدیث)

تین طلاقیں رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر ؓ کے زمانہ میں اور عمر بن خطاب ؓ کی خلافت کے دو سال ایک ہی طلاق ہوتی تھی۔

ایک طلاق کے بعد عدت کے اندر رجوع بلا نکاح درست ہے ﴿وَبُعُوْلَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ إِنْ أَرَادُوْآ إِصْلاَحًا﴾ [1] [اور خاوند ان کے بہت حقدار ہیں ساتھ پھیر لینے ان کے کے بیچ اس کے اگر چاہیں صلح کرنا] الآیۃ اور ایک طلاق کے بعد عدت گذر جائے تو اسی بیوی سے نیا نکاح درست ہے ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلاَ تَعْضُلُوْهُنَّ أَنْ يَّنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ [2] [اور جب طلاق دو تم عورتوں کو پس پہنچیں عدت اپنی کو پس مت منع کرو ان کو یہ کہ نکاح کریں خاوندوں اپنے سے جب راضی ہوں آپس میں ساتھ اچھی طرح کے] الآیۃ۔ صورت مسئولہ میں طلاق ۹۱ میں دی گئی اب ۹۹ ہے ظاہر ہے عدت تو گذر چکی ہے لہٰذا میاں بیوی اب باہمی رضامندی کے ساتھ شروط نکاح کی پابندی میں نیا نکاح کر سکتے ہیں۔ ١٤٢٠/١/٢٤ھ

---

1 [البقرة ٢٢٨ پ٢] 2 [البقرة ٢٣٢]

س: ایک آدمی نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں ہیں کیا وہ مطلقہ بیوی سے رجوع یا نکاح کر سکتا ہے؟ حافظ خالد محمود

ج: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ﴿كَانَ الطَّلَاقُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَاَبِىْ بَكْرٍ وَّسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةٌ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوْا فِىْ اَمْرٍ كَانَتْ لَهُمْ فِيْهِ اَنَاةٌ فَلَوْ اَمْضَيْنَاهُ فَاَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ﴾ [1] [رسول اللہ ﷺ ابوبکر صدیق اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دو سالوں میں اکٹھی تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی تھیں پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس کام میں لوگوں کے لیے سوچ و بچار کی مہلت دی گئی تھی اس میں انہوں نے جلدی کی اگر ہم ان پر تینوں لازم کر دیں تو انہوں نے اس فیصلے کو ان پر لازم کر دیا] اس حدیث سے ثابت ہوا صورت مسئولہ میں دی ہوئی تین طلاقیں ایک طلاق ہے تو اگر یہ تیسری طلاق نہیں تو عدت کے اندر رجوع بلا نکاح اور عدت کے بعد نیا نکاح مطلقہ بیوی کے ساتھ درست ہے قرآن مجید میں ہے: ﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ [2] [اور جب طلاق دو تم عورتوں کو پس پہنچیں عدت اپنی کو پس مت منع کرو ان کو یہ کہ نکاح کریں خاوندوں اپنے سے جب راضی ہوں آپس میں ساتھ اچھی طرح کے] ١٤١٢/٣/٢٦ھ

س: بندہ نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاق لکھ کر بھیج دی ہیں۔ اب بندہ رجوع کرنا چاہتا ہے۔ اگر قرآن وسنت کے مطابق رجوع ممکن ہو تو مہربانی فرما کر فتویٰ لکھ کر اور مہر لگا کر ہمیں ارسال فرمائیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔

سراج الحق

ج: صورت مسئولہ میں ایک طلاق واقع ہو چکی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں یکبارگی تین طلاقیں ایک ہوا کرتی تھی چنانچہ صحیح مسلم ص ۴۷۷ ج ۲ میں ہے ﴿عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ : كَانَ الطَّلَاقُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَاَبِىْ بَكْرٍ ، وَسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً﴾ (الحدیث) [رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے پہلے دو سالوں تک تین مرتبہ طلاق کہنے سے ایک طلاق واقع ہوتی تھی] پہلی اور دوسری طلاق کے بعد عدت کے اندر رجوع بلا نکاح درست ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِىْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا﴾ اور عدت کے بعد اسی بیوی کے ساتھ نکاح درست ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا

---

[1] صحیح مسلم جلد اول صفحہ ٤٧٧ [2] [البقرة ٢٣٢ پ٢]

بَیْنَھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ لہٰذا صورت مسئولہ میں خاوند اپنی مطلقہ بیوی کے ساتھ عدت کے اندر اندر تو رجوع کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ اصلاح کا ارادہ رکھتا ہو اور عدت گذر جانے کے بعد نیا نکاح کر سکتا ہے بشرطیکہ فریقین باہم رضامند ہوں۔

واللہ اعلم ١٤١٨/٥/١٧ھ

س: غلام حیدر نے اپنی بیوی کو بذریعہ اشٹام مورخہ ۹۲-۳-۴ کو ایک ہی وقت میں تین عدد طلاقیں دی تھیں کیا غلام حیدر اب اپنی سابقہ بیوی سے دوبارہ رجوع کر سکتا ہے یا کہ نہیں اور اگر کر سکتا ہے تو طریقہ کار کیا ہے جب کہ اسکی بیوی نے ابھی تک دوسرا نکاح نہیں کیا۔

ج: صورت مسئولہ میں غلام حیدر اپنی مطلقہ بیوی سے عدت کے اندر رجوع بلا نکاح جدید اور عدت کے بعد رجوع با نکاح جدید کر سکتا ہے کیونکہ ایک ہی وقت کی تین طلاقیں ایک طلاق ہوتی ہے صحیح مسلم میں ہے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تین طلاقیں ایک طلاق ہوا کرتی تھیں (الحدیث) قرآن مجید میں ہے: ﴿وَبُعُوْلَتُھُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّھِنَّ فِیْ ذٰلِكَ إِنْ أَرَادُوْآ إِصْلاَحًا﴾ [اور خاوندان کے بہت حقدار ہیں ساتھ پھیر لینے ان کے کے بیچ اس کے اگر چاہیں صلح کرنا] نیز قرآن مجید میں ہے: ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَھُنَّ فَلاَ تَعْضُلُوْھُنَّ اَنْ یَّنْکِحْنَ اَزْوَاجَھُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَیْنَھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ [اور جب طلاق دو تم عورتوں کو پس پہنچیں عدت اپنی کو پس مت منع کرو ان کو یہ کہ نکاح کریں خاوندوں اپنے سے جب راضی ہوں آپس میں ساتھ اچھی طرح کے] واللہ اعلم ١٤١٤/٧/١٢ھ

س: ایک آدمی جو تقریباً ۴۵ سال کا معمر شخص ہے جس کی بیوی پر کسی نے زنا کا الزام لگایا۔ اس نابینا آدمی نے غصہ میں آ کر اسے اسی وقت تین طلاقیں دے دیں کہ تجھے طلاق طلاق طلاق۔ اس واقعہ کے بعد اس نے کوئی باقاعدہ طلاق نہیں دی۔ وہ سمجھتا رہا کہ اس نے تین طلاقیں دے دی ہیں اور وہ واقع ہو چکی ہیں۔ اس واقعہ کو تقریباً ۳ ماہ گذرنے کو ہیں آپ قرآن وسنت کی روشنی میں ارشاد فرمائیں کہ کیا وہ طلاق بائن ہی ہے اگر اس نے طلاق

(۱) واقعۃً غصے کی حالت میں دی ہو۔ (۲) زنا کا الزام سچا ہو۔ (۳) یا زنا کا الزام جھوٹا ہو۔ (۴) متعلقہ صورت میں تین طلاقیں واقع ہو گئی ہیں؟ (۵) جبکہ تین ماہ گذر چکے ہیں۔ (٦) طلاق بائن کی صورت میں دوبارہ اکٹھ کی کیا صورت ہو گی؟ (۷) اگر طلاق بائن واقع نہ ہوئی ہو تو دوبارہ رجوع کا کیا طریقہ ہے؟ (۸) رجوع کے بعد ولیمہ کی تقریب ہو گی؟ 20/1/92

ج :اس صورت میں ایک رجعی طلاق واقع ہو چکی ہے۔عدت کے اندر رجوع بلا تجدید نکاح اور عدت کے بعد نیا نکاح درست ہے صحیح مسلم میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ ،ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ کے ابتدائی دو سال میں تین طلاقیں ایک طلاق ہوا کرتی تھیں الخ اور قرآن مجید میں ہے: ﴿وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا﴾ [اور خاوندان کے بہت حقدار ہیں ساتھ پھیر لینے ان کے بیچ اس کے اگر چاہیں صلح کرنا] ﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ [اور جب طلاق دو تم عورتوں کو پس پہنچیں عدت اپنی کو پس مت منع کرو ان کو یہ کہ نکاح کریں خاوندوں اپنے سے جب راضی ہوں آپس میں ساتھ اچھی طرح کے] ۱۴۱۲/۷/۲ھ

س :الاول : (الرَّجُلُ يُطَلِّقُ امْرَأَتَهُ بِلَفْظِ اَنْتِ بَائِنٌ فَهَلْ يُعَدُّ هٰذَا اللَّفْظُ (اَىْ اَنْتِ بَائِنٌ) طَلَاقًا بَائِنًا اَوْ طَلَاقًا رَجْعِيًّا)

اَلْمَسْأَلَةُ الثَّانِيَةُ : اَلرَّجُلُ يُرْسِلُ اِلٰى امْرَأَتِهِ رُقْعَةً يَكْتُبُ فِيْهَا لَفْظَ اَنْتِ طَالِقٌ فَبَعْدَ مُدَّةٍ مَثَلًا بَعْدَ اُسْبُوْعٍ زَعَمَ اَنَّ رُقْعَتَهُ الْمُرْسَلَةَ اِلٰى زَوْجَتِهِ مَا بَلَغَتْ اِلَيْهَا فَكَتَبَ اِلَيْهَا رُقْعَةً اُخْرٰى كَتَبَ فِيْهَا اَنْتِ طَالِقٌ وَمَا اَرَادَ بِاَنْتِ طَالِقٌ ثَانٍ تَجْدِيْدَ الطَّلَاقِ بَلِ الْمُرَادُ مِنْهَا الَّتِيْ كُتِبَتْ فِي الرُّقْعَةِ الْمُرْسَلَةِ قَبْلَ هٰذِهِ الْاُسْبُوْعِ ثُمَّ ظَنَّ اَنَّ هٰذِهِ الرُّقْعَةَ مَا بَلَغَتْ اِلَيْهَا فَكَتَبَ اِلَيْهَا رُقْعَةً بَعْدَ اُسْبُوْعٍ فِيْهَا اَنْتِ طَالِقٌ وَمَا اَرَادَ بِهٰذِهِ الْجُمْلَةِ اِلَّا الَّتِيْ كَتَبَهَا فِيْ اَوَّلِ الرُّقْعَةِ هَلْ يُعَدُّ الطَّلَاقُ بِهٰذِهِ الطَّرِيْقَةِ وَاحِدًا رَجْعِيًّا اَوْ ثَلَاثًا محمود الحسن

[الاول: ایک آدمی اپنی بیوی کو اَنْتِ بَائِنٌ کے لفظ سے طلاق دیتا ہے کیا اس لفظ سے دی گئی طلاق بائن ہوگی یا طلاق رجعی؟

الثانی: ایک آدمی اپنی بیوی کو ایک رقعہ بھیجتا ہے اور اس میں اَنْتِ طَالِقٌ کا لفظ لکھتا ہے تو کچھ مدت کے بعد مثلاً ایک ہفتہ کے بعد وہ سمجھتا ہے کہ اس کا بھیجا ہوا رقعہ اس کی بیوی تک نہیں پہنچا پھر وہ اس کی طرف دوسرا رقعہ لکھتا ہے جس میں اَنْتِ طَالِقٌ لکھتا ہے اور وہ دوسرے اَنْتِ طَالِقٌ سے نئی طلاق کا ارادہ نہیں کرتا۔ بلکہ دوسرے رقعہ سے مراد پہلی طلاق ہی ہے جو ایک ہفتہ پہلے بھیجی گئی ہے پھر وہ سمجھتا ہے کہ یہ رقعہ اس کو نہیں ملا تو ایک ہفتہ کے بعد وہ تیسرا رقعہ لکھ کر بھیج دیتا ہے اس میں اَنْتِ طَالِقٌ لکھتا ہے اور اس جملہ سے اس کی مراد وہی ہے جو پہلے رقعہ میں لکھا تھا کیا اس طریقہ سے دی

ہوئی طلاق ایک رجعی طلاق ہوگی یا تین طلاقیں ہوجائیں گی؟]

ج :قَدْ سَأَلْتَنِیْ عَنْ أَمْرَیْنِ ، وَجَوَابُهُمَا كَمَا يَأْتِي بَعْدُ بِتَوْفِيْقِ اللّٰهِ جَاعِلِ الْمَلْوَيْنِ

اَلْأَوَّلُ : يُعَدُّ طَلاقًا رَجْعِيًّا. اَلثَّانِيْ : يُجْعَلُ طَلاقًا وَاحِدًا رَجْعِيًّا . ١٤١٤/٧/٦هـ

[آپ نے مجھ سے دوسوال کیے ہیں اوران کا جواب درج ذیل ہے اللہ کی توفیق سے جو دن رات کو بنانے والا ہے۔

الاول : طلاق رجعی شمار کی جائے گی۔الثانی :ایک رجعی طلاق شمار کی جائے گی]

س :(۱)زَيْدٌ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ فِي الْوَقْتِ الصُّبْحِ طَلاقًا وَاحِدًا ثُمَّ طَلَّقَ فِيْ وَقْتِ الظُّهْرِ طَلاقًا آخَرَ ثُمَّ طَلَّقَ طَلاقًا آخَرَ فِيْ وَقْتِ الْعَصْرِ هَلْ تُعَدُّ تِلْكَ الطَّلَقَاتُ الثَّلاثُ فِيْ يَوْمٍ وَاحِدٍ طَلاقًا وَاحِدًا رَجْعِيًّا اَوْ طَلاقًا ثَلاثًا بَائِنًا [زید نے اپنی بیوی کو صبح کے وقت ایک طلاق دی پھر ظہر کے وقت ایک اور طلاق دی پھر عصر کے وقت ایک اور طلاق دی کیا ایک دن کی یہ تین طلاقیں ایک رجعی طلاق ہوگی یا تین طلاقیں بائنہ ہوجائیں گی]

(۲) زَيْدٌ كَتَبَ كِتَابًا لِإِمْرَأَتِهِ بِاَنْتِ بَائِنٌ وَمَا اَرَادَ بَاَنْتِ بَائِنٌ اِلَّا طَلاقًا وَاحِدًا رَجْعِيًّا ثُمَّ اَمْسَكَ زَيْدٌ هٰذَا مَعَهُ وَكَتَبَ مَكَانَهُ خَطًّا آخَرَ فِىْ مَجْلِسٍ آخَرَ بِاَنْتِ طَالِقٌ . هَلْ يَقَعُ فِيْ هٰذِهِ الصُّوْرَةِ طَلاقَانِ اَوْ وَاحِدٌ وَالْحَالُ اَنَّ الْمُطَلِّقَ غَيَّرَ لَفْظَ بَائِنٍ اِلٰى طَالِقٍ بِغَيْرِ نِيَّةِ اِيْقَاعِ الطَّلاقِ الثَّانِيْ [زید نے اپنی بیوی کو اَنْتِ بائِنٌ کا لفظ لکھا اور اس نے اَنْتِ بَائِنٌ سے ایک رجعی طلاق کی نیت کی پھر زید نے وہ خط اپنے پاس رکھا اور اس کی جگہ ایک دوسرا خط دوسری مجلس میں لکھا اَنْتِ طَالِقٌ کے لفظ سے کیا اس صورۃ میں ایک طلاق واقع ہوگی یا دو اور صورت حال یہ ہے کہ طلاق دینے والے نے بَائِنٌ کی جگہ طَالِقٌ کا لفظ بدلا ہے دوسری طلاق دینے کی نیت کے بغیر]

١٤١٥/١/١٤هـ

ج :(١) فِيْ هٰذِهِ الصُّوْرَةِ الطَّلاقُ الْأَوَّلُ ، وَالثَّانِيْ رَجْعِيَّانِ ، وَالثَّالِثُ لاَ رَجْعَةَ بَعْدَهُ ، وَلاَ تَحِلُّ لَهُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ نِكَاحًا صَحِيْحًا خَالِيًا عَنْ شَرْطِ التَّحْلِيْلِ وَالدَّلِيْلُ عَلٰى ذٰلِكَ قَوْلُهُ تَعَالٰى : ﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ تَسْرِيْحٌ بِإِحْسَانٍ ﴾ وَهٰذَا التَّسْرِيْحُ طَلاقٌ بِتَفْسِيْرِ النَّبِيِّ ﷺ كَمَا فِيْ تَفْسِيْرِ ابْنِ كَثِيْرٍ وَغَيْرِهِ .

[اس صورت میں پہلی اور دوسری طلاق رجعی ہے اور تیسری کے بعد رجوع نہیں ہے اور وہ عورت اس کے لیے حلال

نہیں ہے حتی کہ وہ دوسرے آدمی سے صحیح نکاح کر لے جو شرط حلالہ سے خالی ہو۔ اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ رجعی طلاقیں دو ہیں پس روکنا ہے ساتھ اچھے طریقے کے یا چھوڑ دینا ہے ساتھ احسان کے اور اس چھوڑنے سے مراد طلاق ہے نبی ﷺ کی تفسیر کے مطابق جس طرح تفسیر ابن کثیر اور دوسری تفاسیر میں ہے]

(۲) تُعْتَبَرُ نِيَّتُهُ ، فَيَكُوْنُ الطَّلَاقُ وَاحِدًا رَجْعِيًّا إِنْ كَانَتِ الْمَرْأَةُ مَدْخُوْلاً بِهَا . [اس کی نیت کا اعتبار ہوگا اگر عورت مدخول بہا ہے تو ایک رجعی طلاق واقع ہوگی] ۱۴۱۵/۱/۱۴ھ

س: ایک آدمی نے اپنی بیوی کو ایک ہی طلاق دی اس کے بعد رجوع نہیں کیا حتی کہ عورت بائنہ ہوگئی اب وہ رجوع کرنا چاہتا ہے تو کیا نیا نکاح ہوگا یا وہ کیا کرے؟ نیا نکاح کرنے کی دلیل اور طریقہ کیا ہوگا۔ جب کہ سائل کا اصل اعتراض یہ ہے کہ ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ .....﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی عدت کے اندر رجوع کرے بعد میں نہیں کر سکتا۔

اقبال صدیق الجامعۃ الاسلامیۃ بالمدینۃ النبویۃ المملکۃ العربیۃ السعودیۃ ۱۴۱۳/۱۱/۱۳ھ

ج: ایک آدمی نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دے دی اب وہ اگر چاہے تو عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے دلیل قرآن مجید کی آیت ہے: ﴿وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ إِنْ أَرَادُوْآ إِصْلَاحًا﴾ [اور ان کے خاوندوں کو اس مدت کے اندر اپنی عورتوں کے پھرا لینے کا زیادہ حق ہے اگر چاہیں صلح کرنا] [1] اور اگر عدت گذر گئی ہے تو پھر وہ اس سے نکاح جدید کر سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ أَنْ يَّنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ [اور جب طلاق دے دی تم نے اپنی عورتوں کو پھر وہ اپنی عدت پوری کر چکیں تو انہیں اپنے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو] [2] [اگر اس نے اپنی اس مطلقہ بیوی کو رجوع یا نکاح جدید کے ذریعہ اپنی بیوی بنا لیا پھر کسی وقت اس کو طلاق دے دی اب بھی عدت کے اندر رجوع اور عدت کے بعد نکاح جدید ہو سکتا ہے ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ تَسْرِيْحٌ بِإِحْسَانٍ﴾ کا مطلب یہی ہے رجعی طلاقیں دو ہیں اس کے بعد یا تو بیوی کو آباد رکھنا ہے یا پھر شائستگی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے]

اگر دوسری طلاق کے بعد اس نے رجوع یا نکاح جدید کر لیا پھر کسی وقت اس کو طلاق دے دی یہ تیسری طلاق ہو گی اس کے بعد نہ وہ رجوع کر سکتا ہے اور نہ ہی نکاح جدید حتی کہ وہ عورت کسی دوسرے آدمی سے صحیح نکاح کرے نہ کہ حلالہ اور دوسرا آدمی اپنی مرضی سے اس کو طلاق دے دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ

[1] البقرة ۲۲۸ [2] البقرة ۲۳۲

حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ فَاِنْ طَلَّقَھَا فَلاَ جُنَاحَ عَلَیْھِمَآ اَنْ یَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ یُّقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ﴾ [پھر اگر وہ اس کو طلاق دے دے (یعنی تیسری طلاق) تو اب وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں یہاں تک کہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے پھر اگر وہ (شوہر ثانی) اس کو طلاق دے دے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ آپس میں رجوع کرلیں اگر انہیں یقین ہے کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم رکھ سکیں گے] [1] ۱۴۱۳/۱۱/۲۳ھ

س: میاں نے بیوی کو ایک طلاق دے دی بعدہ چھے ماہ یا کچھ عرصہ زائد گذر گیا دوسری طلاق خود بخود واقع ہو گی یا نہیں اور رجوع کا کیا طریقہ ہے؟ سید عبدالغفور

ج: ایک طلاق کے بعد عدت کے اندر میاں اپنی بیوی سے عادل گواہوں کے روبرو رجوع بلا نکاح جدید کرسکتا ہے اور عدت گذر جانے کے بعد نکاح جدید ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَبُعُوْلَتُھُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّھِنَّ فِیْ ذٰلِکَ اِنْ اَرَادُوْآ اِصْلاَحًا﴾ [2] [اور خاوند ان کے بہت حقدار ہیں ساتھ پھیر لینے ان کے کے بیچ اس کے اگر چاہیں صلح کرنا]

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَھُنَّ فَلاَ تَعْضُلُوْھُنَّ اَنْ یَّنْکِحْنَ اَزْوَاجَھُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَیْنَھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ [3] [اور جب طلاق دو تم عورتوں کو پس پہنچیں عدت اپنی کو پس مت منع کرو ان کو یہ کہ نکاح کریں خاوندوں اپنے سے جب راضی ہوں آپس میں ساتھ اچھی طرح کے] ۱۴۱۹/۸/۱۸ھ

س: زید نے ایک سال ہوا اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی اور پھر جلد رجوع کر لیا تھا اب ایک ماہ کا عرصہ ہو گیا ہے دوبارہ طلاق دے دی ہے اب پھر رجوع پر آمادہ ہو گیا ہے کیا زید اب دوسری طلاق کے بعد پھر رجوع کرسکتا ہے؟

ج: صورت مسئولہ میں زید عدت کے اندر اپنی بیوی سے رجوع کر سکتا ہے اور عدت گذر جانے کے بعد نیا نکاح اسی بیوی کے ساتھ کرسکتا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اَلطَّلاَقُ مَرَّتَانِ الآیۃ﴾ [4] [طلاق (رجعی) دوبار ہے] یاد رہے کہ اگر زید اس دوسری طلاق کے بعد اپنی بیوی کو بذریعہ رجوع یا نکاح جدید بیوی بنا لینے کے بعد طلاق دے گا تو پھر وہ بیوی اس کے لیے حلال نہ رہے گی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَاِنْ طَلَّقَھَا فَلاَ تَحِلُّ لَہٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ الآیۃ﴾ [5] [اب اگر پھر (تیسری بار) اس کو طلاق دے دے تو وہ عورت اس پر حلال نہ ہو گی جب تک دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے] ۱۴۰۶/۵/۲۵ھ

---

[1] البقرۃ ۲۳۰ [2] البقرۃ ۲۲۸ [3] البقرۃ ۲۳۲ [4] البقرۃ ۲۲۹ [5] البقرۃ ۲۳۰ پ ۲

س: بندہ ناچیز نے اپنی بیوی کو پہلی طلاق مورخہ ۹۹۔۳۔۱۶ کو دی۔ اس کے بعد رجوع نہ ہو سکا پھر میں نے دوسری طلاق مورخہ ۹۹۔۴۔۲۸ کو دے دی۔ اس کے بعد اب تک رجوع نہیں ہو سکا اب چونکہ کچھ رشتے دار تصفیہ کروانے کی کوشش کر رہے ہیں لہٰذا آپ مہربانی فرما کر مجھے قرآن اور حدیث کی روشنی میں جواب صادر فرمائیں کہ

(۱) ایک طلاق موثر ہوئی ہے یا کہ دونوں؟

(۲) اگر دونوں ہی موثر ہیں تو عدت پہلی طلاق سے شمار کی جائے گی یا دوسری طلاق سے؟

(۳) اب اگر تصفیہ ہو جائے تو اس کے لیے شرعی طریقہ کار کیا ہے؟

ج: صورت مسئولہ میں اہل علم کے دو قول ہیں:

(۱) دونوں طلاقیں واقع ہو چکی ہیں۔ (۲) صرف ایک طلاق واقع ہوئی ہے۔

اس فقیر إلی اللہ الغنی کے نزدیک پہلا قول راجح ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اَلطَّلاَقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ تَسْرِيْحٌ بِإِحْسَانٍ﴾ [1] [طلاق (رجعی) دوبار ہے پس بند کر رکھنا ہے ساتھ اچھی طرح کے یا نکال دینا ساتھ اچھی طرح کے] دوسری طلاق دینے یا واقع ہونے کے لیے پہلی طلاق کے بعد والے رجوع کا شرط ہونا کسی آیت یا کسی حدیث مقبول سے ثابت نہیں۔

عدت دوسری طلاق سے شمار ہوگی یا پہلی سے اس میں بھی دو قول ہیں اس بندہ کے ہاں راجح قول یہی ہے کہ دوسری طلاق سے عدت شمار کی جائے دلیل یہ ہے کہ طلاق عدت طلاق سے شروع کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ﴾ [2] الخ [اور جب طلاق دو تم عورتوں کو پس پہنچیں عدت اپنی کو] ﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلاَثَةَ قُرُوْءٍ﴾ [3] الخ [اور طلاق والیاں انتظار کریں ساتھ جانوں اپنی کے تین حیض تک] طلاقیں چونکہ دو ہیں اس لیے عدت کے اندر رجوع بلا نکاح اور عدت کے بعد نکاح جدید درست ہے ﴿وَبُعُوْلَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ﴾ [4] الخ [اور ان کے خاوندوں کو اس مدت کے اندر اپنی عورتوں کو پھرا لینے کا زیادہ حق ہے] ﴿فَلاَ تَعْضُلُوْهُنَّ أَنْ يَّنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ﴾ [5] الخ [پس مت منع کرو ان کو یہ کہ نکاح کریں خاوندوں اپنے سے]

۱۴۲۰/۴/۱ھ

س: عورت کی عدت عورت کو طلاق ملنے کے بعد شروع ہوگی یا کہ جب مرد نے طلاق دی اس وقت سے شروع ہو

---

[1] البقرة ۲۲۹ پ ۲ [2] البقرة ۲۳۲ پ ۲ [3] البقرة ۲۲۸ پ ۲ [4] البقرة ۲۲۸ پ ۲ [5] البقرة ۲۳۲ پ ۲

گی؟ عبدالغفور ولد عبدالحق شاہدرہ لاہور

ج: عدت کا آغاز خاوند کے بیوی کو طلاق دینے سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ﴾ واللہ اعلم ۱۴۱۷/۵/۲۳ھ

س: متوفی عنہا زوج ہے تو وہ اپنے والد کے ہاں عدت گذار سکتی ہے جب کہ ایک حدیث اس کے مخالف ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر حال میں خاوند کے گھر عدت گزارنے کو کہا ہے؟ حافظ عبدالرحمٰن کراچی 20/10/91

ج: اگر عدت وفات خاوند کی ہے تو پھر وہ اپنے خاوند کے گھر گزارے اور بأمر مجبوری حسب حال اپنے مکان الخ

۱۴۱۲/۴/۲۴ھ

س: (۱) بیوی کو حاملہ ہوئے چار ماہ گذر چکے ہوں اور خاوند بیوی کو طلاق دینا چاہے تو کیا طلاق ہو جائے گی؟
(۲) دوسری صورت: خاوند بیوی کو کہہ دیتا ہے کہ میں نے تجھ کو طلاق دی تو کیا طلاق ہو جائے گی اگر طلاق ہو گئی ہے تو کیا بچہ پیدا ہونے سے قبل دونوں میاں بیوی رجوع کر سکتے ہیں کہ نہیں؟ عبدالرؤف یزدانی خطیب مسجد مکی 18/11/97

ج: (۱) حالت حمل میں میاں بیوی کو ناگزیر وجوہ کی بنا پر طلاق دینا چاہے تو طلاق دے سکتا ہے اور اگر اس حالت میں طلاق دے گا تو طلاق واقع ہو جائے گی نسائی اور صحیح مسلم میں ہے: ﴿عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ طَلَّقَ اِمْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ ، فَذَكَرَ [عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ] ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ،فَقَالَ [لَهُ]: مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا ، ثُمَّ لِيُطَلِّقْهَا وَهِيَ طَاهِرٌ أَوْ حَامِلٌ﴾ [1] [ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی پس یہ بات حضرت عمر نے نبی ﷺ کو بتائی تو رسول اللہ ﷺ نے عمر کو فرمایا کہ اسے حکم دیں کہ وہ رجوع کرے پھر حالت طہر یا حمل میں طلاق دے]

(۲) حالت حمل میں میاں نے بیوی کو کہہ دیا ''میں نے تجھ کو طلاق دی'' تو طلاق ہو جائے گی جیسا کہ نمبر ۱ میں لکھا جا چکا ہے اس صورت میں چونکہ عدت وضع حمل ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَأُوْلاَتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ [اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل (بچہ جننے) تک ہے] [2] اس لیے میاں گواہوں کی موجودگی میں وضع حمل سے قبل بیوی کے ساتھ رجوع کر سکتا ہے بشرطیکہ یہ طلاق تیسری نہ ہو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَبُعُوْلَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ إِنْ أَرَادُوْآ إِصْلاَحًا﴾ [ان کے خاوند اگر موافقت چاہیں تو اس (مدت) میں وہ ان کو

---

[1] صحیح نسائی ج۲ ص ۷۱۶ [2] سورۃ الطلاق

اپنی زوجیت میں لینے کے زیادہ حقدار ہیں] [1] اگر عدت ختم ہو جائے وضع حمل ہو جائے تو ان دونوں میاں بیوی کا آپس میں نیا نکاح درست ہے بشرطیکہ دونوں باہم راضی ہوں اور طلاق تیسری نہ ہو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلاَ تَعْضُلُوْهُنَّ أَنْ يَّنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ [جب تم نے اپنی عورتوں کو طلاق دے دی پھر وہ اپنی عدت پوری کر چکیں تو انہیں اپنے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو۔ جب وہ آپس میں راضی ہوں ساتھ اچھے طریقے سے] [2] واللہ اعلم ١٤١٨/٧/١٧ھ

---

[1] البقرة ٢٢٨ [2] البقرة ٢٣٢

کتاب البیوع ....خرید وفروخت کے مسائل

س: (۱) سود کی تعریف اور اقسام؟ (۲) سو نقد ۱/۲ سو ادھار کی حیثیت کیا ہے؟ (۳) قسطوں پر لی چیز کی حیثیت کیا جائز ہے یا نہیں؟ (۴) سرکاری ملازمین کو جو تنخواہ ملتی ہے وہ بنکوں کے ذریعے ملتی ہے اور بنک میں اکاؤنٹ کے بغیر نہیں رقم ملتی آیا وہ جائز ہے یا نہیں؟ ابوعبدالقدوس فیصل آباد

ج: (۱) سود وربا کی تعریف تو مجھے کتاب وسنت میں کہیں نہیں ملی البتہ اس کے ناجائز اور حرام ہونے پر دلالت کرنے والی نصوص کتاب وسنت میں بکثرت موجود ہیں۔ ہاں اس کی اقسام کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا فرمان ﴿ثَلاَ ثَةٌ وَّسَبْعُوْنَ بَابًا﴾ [سود کے تہتر (۷۳) درجے ہیں ان کا معمولی یہ ہے کہ انسان اپنی ماں سے نکاح کرے اور سب سے بڑا سود مسلمان کی عزت تباہ کرنا ہے]❶

(۲) ایک چیز کی بیع نقد سو میں اور ادھار سوا سو میں ہو تو نقد سو درست اور ادھار سوا سو سود ہے ابوداود میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْ كَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا﴾ [جو شخص ایک بیع میں دو سودے کرے تو اس کے لیے کم تر قیمت والا سودا ہے یا سود ہے]❷

(۳) قسطوں پر خریدی ہوئی چیز کی قیمت جو قسطوں میں ادا کرنی ہے نقد والی ہے تو درست اور جائز۔ اور اگر قسطوں میں ادا کی جانے والی قیمت نقد قیمت سے زائد ہو تو سود وحرام ہے دلیل پہلے لکھ چکا ہوں ابوداود والی حدیث: ﴿مَن بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْ كَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا﴾ [جو ایک بیع میں دو بیع کرتا ہے پس اس کے لیے دونوں سے کم ہے یا پھر سود ہے]

(۴) سرکاری یا غیر سرکاری ملازمین جس کام پر ملازمت کر رہے ہیں اگر وہ کام شرعاً درست اور جائز ہے تو ان کی ملازمت وتنخواہ بھی جائز اور درست ہے اور اگر وہ کام شرعاً درست اور جائز نہیں تو ان کی ملازمت وتنخواہ بھی جائز اور درست نہیں۔

رہا سودی بنکوں میں اکاؤنٹ تو وہ جائز نہیں خواہ سیونگ ہو خواہ کرنٹ۔ سیونگ کا ناجائز ہونا تو واضح ہے کہ وہ سود

❶[سنن ابن ماجہ ابواب التجارات ـ باب التغليظ في الربو] ❷[سنن ابی داود كتاب البيوع ـ باب في من باع بيعتين في بيعة]

لینے دینے پر مشتمل ہے اور سود لینا دینا حرام ہے اور کرنٹ اس لیے ناجائز ہے کہ اس میں رقم جمع کرانے والا سودی کاروبار میں زبردست تعاون کر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [اور مددگاری کرو اوپر بھلائی کے اور پرہیزگاری کے اور مت مددگاری کرو اوپر گناہ کے اور ظلم کے] [1] کرنٹ والے کی رقم بنک والے دوسروں کو دے کر ان سے سود وصول کریں گے لہٰذا یہ کرنٹ والا ان کا معاون ٹھہرا جبکہ گناہ کے کاموں میں تعاون کرنے سے اللہ تعالیٰ منع فرما رہے ہیں۔ ۲/۷/۱۴۲۰ھ

س: سود کی تعریف کریں حدیث مبارکہ میں تو بار بار سونا چاندی گندم جو کھجور نمک ان چھ چیزوں کی کمی بیشی نقد یا ادھار منع ہے لیکن کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کا تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے مثلاً مویشی کے بدلے مویشی لینا دینا اونٹ کے بدلے دو اونٹ لیے دیے گئے لیکن کچھ لوگ ان ہی چھ چیزوں کو سود کی تعریف میں لاتے ہیں باقی سب چیزیں مستثنیٰ ہیں۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ حکم سونا چاندی اور کھانے کی ان چیزوں کے لیے ہے جن کا لین دین وزن اور پیمانہ سے ہوتا ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے یہ حکم مخصوص ہے ان چیزوں کے ساتھ جو غذا کے کام آتی ہیں اور ذخیرہ کر کے رکھی جاتی ہیں ان میں علت تحریم درہم دینار کا وزن ہے یہ امام مالک کا مذہب ہے اور بعض کہتے ہیں کہ قیمت اس کی علت ہے علت کے اس اختلاف کی وجہ سے معاملات کے اندر اہل علم کا اختلاف ہو گیا ہے۔

موطا کی ایک حدیث ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک اونٹ کے بدلے ۲۰ بیس اونٹ لیے اور ایک مدت کے بعد لیے۔ جانوروں کے تبادلہ میں کمی بیشی خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کی اور بعد میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے کی کیونکہ جانوروں کی قدر و قیمت میں بڑا فرق ہوتا ہے محترم حافظ صاحب ان تمام چیزوں کی وضاحت فرما دیں؟ ڈاکٹر منظور احمد گوجرانوالہ

ج: آپ نے سود کی تعریف پوچھی ہے تو محترم مجھے سود کی تعریف کتاب وسنت میں نہیں ملی جیسے زنا ہے اس کی تعریف بھی کتاب وسنت میں مجھے کہیں نہیں ملی البتہ دونوں کی حرمت کتاب وسنت میں جا بجا مذکور ہے چھ چیزوں میں جو علل اہل علم نے بیان فرمائی ہیں ان میں سے جو علت بھی موجود ہو سود بن جائے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان علل میں سے کسی ایک کی تخصیص نہیں فرمائی جو صورتیں آپ کو سود میں شامل نظر آتی ہیں مگر حدیث میں ان کی حلت ثابت ہو چکی ہے وہ سود میں شامل نہیں یا حکم سود سے مستثنیٰ ہیں۔ واللہ اعلم ۱۲/۹/۱۴۱۴ھ

[1] [المائدۃ ۲ پ۶]

س: سود قرآن کریم کی آخری آیتیں ہیں جن کے نازل ہونے کے کچھ ہی دن بعد نبی ﷺ کی وفات ہوگئی تو آپ ﷺ نے اس کے متعلق وضاحت نہ فرمائی یا یہ سمجھئے کہ وضاحت کی ضرورت ہی نہ تھی کیونکہ دین نبوی مکمل ہو چکا ہے حدیث شریف میں اس کی وضاحت کچھ یوں ہے کہ سونے کے بدلے سونا چاندی کے بدلے چاندی گندم کے بدلے گندم جو کے بدلے جو نمک کے بدلے نمک کھجور کے بدلے کھجور کی بیشی کے ساتھ لینا دینا جائز نہیں بلکہ سود ہے تو رہا حال مویشیوں کا اس میں اجازت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کسی کو ایک اونٹ دیا اور کچھ عرصہ کے بعد اس کے بدلے ۲۰ چھوٹے اونٹ لیے [1] کچھ لوگ کہتے ہیں کہ چند اجناس ہی سود ہیں باقی سب چیزیں مستثنیٰ ہیں تو کیا ہمارے ملک کا نظام اجناس بینک کاری جس کا تعلق ملکی معیشت پر ہے روپے کے بدلے مدت کے بعد زیادہ لیا جاتا ہے اس کو اسلامی کہیں گے یا سودی کیونکہ صرف سود چھ مذکورہ چیزوں میں ہے؟ ڈاکٹر منظور احمد

ج: آپ کی ساری تحریر میں اصل سوال موجودہ بینکاری نظام کے متعلق دریافت کرنا ہے آیا یہ سود ہے یا نہیں؟ تو جواب بتوفیق اللہ تعالیٰ مندرجہ ذیل ہے۔

موجودہ رائج بینکاری نظام سراسر ربوی سودی نظام ہے جو حرام ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰو﴾ [اللہ نے تجارت کو جائز کیا ہے اور سود کو حرام] [2] نیز فرمایا: ﴿وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُؤُسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ﴾ [3] [اور اگر باز آ ؤ تو اصل مال تم کو مل جائیں گے نہ ظلم کرو نہ تم پر ظلم ہوگا] اللہ تعالیٰ ہم سب کو کتاب وسنت پر صحیح معنوں میں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ۱۴۱۴/۶/۲۶ھ

س: مَا الْفَرْقُ بَيْنَ رِبَا الْفَضْلِ وَبَيْنَ حُسْنِ الْقَضَاءِ وَهٰذَا الْبَابُ مَوْجُوْدٌ فِيْ صَحِيْحِ الْبُخَارِي وَهَلْ يُشْتَرَطُ اَنْ يَكُوْنَ طَلَبُ الْفَضْلِ مَشْرُوْطاً عِنْدَ الْمُعَامَلَةِ ؟ [سودی اضافہ اور اچھی ادائیگی میں کیا فرق ہے اور یہ باب صحیح بخاری میں ہے اور کیا معاملہ کے وقت اضافہ کے مطالبہ کا شرط ہونا ضروری ہے؟] عبدالرحمٰن ضیاء لاہور

ج: فَاعْلَمْ أَنَّ الْفَرْقَ بَيْنَ رِبَا الْفَضْلِ وَحُسْنِ الْقَضَاءِ أَنَّ رِبَا الْفَضْلِ لَا يَكُوْنُ إِلَّا رِبًا ، وَحُسْنَ الْقَضَاءِ قَدْ يَكُوْنُ رِبًا ، وَقَدْ لَا يَكُوْنُ رِبًا ، وَإِنَّمَا هٰذَا إِذَا لَمْ يُشْتَرَطْ فِيْ حُسْنِ الْقَضَاءِ أَنْ يَكُوْنَ غَيْرَ رِبًا ، وَإِنِ اشْتُرِطَ فَالْفَرْقُ أَنَّ رِبَا الْفَضْلِ رِبًا ، وَحُسْنَ الْقَضَاءِ لَيْسَ بِرِبًا . أَمَّا سُؤَالُكَ : هَلْ يُشْتَرَطُ أَنْ يَكُوْنَ طَلَبُ الْفَضْلِ مَشْرُوْطًا عِنْدَ الْمُعَامَلَةِ ؟ فَجَوَابُهُ أَنَّهُ لَا يُشْتَرَطُ . والله اعلم ۱۴۱۶/۶/۹ھ

---

[1] [مؤطا إمام مالك ـ كتاب البيوع باب ما يجوز من بيع الحيوان بعضه ببعض والسلف فيه نوث ـ اس روایت کی تمام اسناد موقوف ومنقطع ہیں کیونکہ حسن بن محمد کی حضرت علی سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔ یہ تحقیق الشیخ حافظ عمران عریف صاحب کی ہے]

[2] [البقرة ۲۷۵ پ۳] [3] [البقرة ۲۷۹ پ۳]

[سودی اضافے اور اچھی ادائیگی میں فرق یہ ہے کہ سودی اضافہ تو سود ہی ہوتا ہے اور اچھی ادائیگی کبھی سود ہوتی ہے اور کبھی نہیں اور یہ فرق اس وقت ہے جب اچھی ادائیگی میں سود نہ ہونے کی شرط نہ ہو اور جب شرط ہو تو اس وقت فرق یہ ہوگا کہ سودی اضافہ سود ہوگا اور اچھی ادائیگی سود نہ ہوگا۔ اور آپ کا یہ سوال کیا یہ شرط ہے کہ اضافہ کا مطالبہ معاملہ کے وقت مشروط ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ شرط نہیں ہے]

س: روپے کی قیمت میں کمی واقع ہو رہی ہے اگر کوئی آدمی کسی سے قرض مانگے اور دائن مدیون سے اضافہ کا مطالبہ بھی نہ کرے لیکن کچھ مدت کے بعد وہی رقم واپس لے تو رقم میں کمی واقع ہو جائے گی اور دائن کو نقصان ہوگا کیونکہ کرنسی کا معیار گر گیا دنیا میں معیار دولت سونا ہی گنا جاتا ہے مثال کے طور پر آج کوئی آدمی دوسرے کو/۵۰۰۰ روپے دیتا ہے جو آج کا ریٹ ایک تولہ سونا تصور کریں تو دس یا بیس سال بعد اس ایک تولہ کی قیمت اگر/۱۰۰۰۰ روپیہ ہو جائے تو مدیون سے اگر اس ایک ہی تولہ کے برابر قیمت کے لحاظ سے/۵۰۰۰ کی بجائے/۱۰۰۰۰ لے لیں تو کیا اس میں کوئی حرج ہے کیونکہ اگر آج وہ ایک تولہ سونا خریدے گا تو اسے/۵۰۰۰ کا نقصان ہوگا اس لیے کہ آج اسے/۱۰۰۰۰ میں تولہ سونا ملے گا۔ اس مسئلہ کی تفصیل سے وضاحت فرما دیں؟ منظور احمد سندھو

ج: کرنسی نوٹ جتنے دائن نے مدیون کو دیئے اتنے ہی وصول کرے یا کچھ معاف کر کے کم وصول کرے خواہ کرنسی نوٹ کی قیمت میں کمی ہی واقع ہو چکی ہو یا بیشی اور اگر مدیون کو دیئے ہوئے کرنسی نوٹ سے زیادہ وصول کیے جائیں تو یہ سود ہوگا جو حرام ہے۔ دیکھئے ایک شخص ایک آدمی کو ایک تولہ سونا بطور قرض دیتا ہے سال بعد اس سے وصول کرتا ہے تو ایک تولہ ہی وصول کرے گا خواہ اس کی قیمت میں کمی ہو چکی ہو یا بیشی اور اگر ایک تولہ سے زیادہ سونا وصول کرے گا تو یہ سود ہوگا حسن قضاء کی بعض صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔

ایک آدمی ایک سو کرنسی نوٹ اپنے گھر محفوظ رکھتا ہے کسی کو بطور قرض نہیں دیتا سال بعد ۶ فیصد کمی ہو جاتی ہے اب وہ کیا کرے گا؟ اب وہ ۱۰۶ کس سے لے گا؟ ظاہر بات ہے وہ صبر و شکر ہی کرے گا اسی طرح کسی نے اپنے گھر پانچ ہزار روپیہ رکھا ہوا ہے تو سال بعد ۶ فیصد کمی کی صورت میں وہ ۵۳۰۰ روپیہ کس سے لے گا؟

ضروری نہیں کہ کرنسی نوٹ کی قیمت میں ہمیشہ کمی ہی واقع ہو کسی وقت بیشی بھی ہو سکتی ہے تو پھر آپ کے اصول کے تحت ۶ فیصد بیشی کی صورت میں دائن کو مدیون سے ۵۰۰۰ کی بجائے ۴۷۰۰ روپے وصول کرنے چاہییں اسی طرح آج کوئی ایک تولہ سونا کسی کو بطور قرض دیتا ہے جبکہ اس کی قیمت ۵۰۰۰ فی تولہ ہے کچھ عرصہ بعد سونے کی قیمت ۱۰۰۰۰ فی تولہ ہو جاتی ہے اب مدیون دائن کو ½ تولہ دے کیونکہ اس کی قیمت اب ۵۰۰۰ ہے جو قرض لینے کے وقت ایک تولہ

کی تھی تو آیا دائن اس قیمت میں بیشی والے چکر کی بنا پر ½ تولہ قبول کر لے گا؟

کرنسی نوٹوں کی قیمت میں کمی کے خمیازہ سے دائن بچنا چاہتا ہے تو اس کی ایک صحیح اور جائز صورت بھی ہے وہ یہ کہ دائن قرض دیتے وقت مدیون کو کرنسی نوٹ نہ دے بلکہ ان کرنسی نوٹوں کا سونا خرید کر مدیون کو دے دے اور جتنا سونا اس کو دے اتنا سونا ہی اس سے وصول کرے تو اس صورت میں وہ کرنسی نوٹوں کی قیمت میں کمی والے خسارے سے تو بچ جائے گا اور اگر سونے کی قیمت میں کمی واقع ہوگئی تو پھر وہ اس سے تو نہیں بچ سکتا۔ ۱٤۱٦/۱۱/۲۰ھ

س: مرتھن ارض مرہونہ سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے یا کہ نہیں؟ غلام اللہ ضیاء جھنگ

ج: سواری اور لویری مرہون ہوں تو ان سے سواری اور دودھ والا فائدہ اٹھانا بعوض خرچہ کا تو نص میں ذکر موجود ہے [رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گروی جانور پر اس کے خرچ کے بدل سواری کی جائے اسی طرح دودھ والے جانور کا جب وہ گروی ہو تو خرچ کے بدل اس کا دودھ پیا جائے اور جو کوئی سواری کرے یا دودھ پیے وہی اس کا خرچ اُٹھائے۔][1] ان کے علاوہ اشیاء مرہونہ سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے بشرطیکہ وہ فائدہ سود نہ بنے زمین مرہون ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ واللہ اعلم ۱٤۱۳/۹/۲۰ھ

س: (۱) اگر مکان کا کرایہ لیا جا سکتا ہے تو سرمایہ (نقدی) کا کرایہ کیوں نہیں لیا جا سکتا؟

(۲) افراط زر (روپے کی قیمت میں کمی) کی وجہ سے قرض دینے والے کو نقصان ہوتا ہے مثلاً اگر زید بکر کو مبلغ -/۱۰۰۰ روپے ایک سال کے لیے قرض دے اور ایک سال میں افراط زر ۲۰٪ بڑھ جائے تو اب سابقہ -/۱۰۰۰ روپے کی قوت خرید اب صرف -/۸۰۰ روپے رہ جائے گی جس کی وجہ سے زید کو -/۲۰۰ روپے کا نقصان ہوگا جبکہ قرآن مجید میں ہے: ﴿لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ﴾

(۳) اگر بینک کسی نفع ونقصان میں شرکت کی بنا پر قرض دے اور یہ شرط رکھے کہ نقصان ہونے کی صورت میں وہ اپنا باقی سرمایہ واپس لے گا تو کیا جائز ہے؟ اس کی ضرورت اس لیے پیش آتی ہے کہ قرض لینے والے کو فائدہ ہو تب بھی وہ کہہ سکتا ہے کہ مجھے فائدہ نہیں ہوا۔ عبدالحی مدنی مدینہ منورہ

ج: (۱) اس لیے کہ مکان کا کرایہ شرعاً درست اور سرمایہ یعنی نقدی کا کرایہ شرعاً درست نہیں ہے دیکھئے کچھ لوگوں نے کہا ﴿إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا﴾ [سوداگری بھی سود کی طرح ہے] تو اللہ تعالیٰ نے یہی جواب دیا: ﴿وَأَحَلَّ اللهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَنْ جَآءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهِ﴾ الآیۃ [حالانکہ اللہ نے حلال کیا ہے سوداگری کو اور حرام کیا ہے

[1] [بخاری۔ کتاب الرھن۔ باب الرھن مرکوب و محلوب]

سود کو پھر جس کو پہنچی نصیحت اپنے رب کی طرف سے] [1]

(۲) روپے کی قیمت میں کمی کوئی لازمی وضروری امر نہیں کبھی اس کی قیمت میں اضافہ بھی تو ہوسکتا ہے سعودی عرب کو ہی لے لیجئے اس کے سکہ کی قیمت آج سے کوئی تیس سال قبل کیا تھی اور آج کیا ہے؟ پھر افراط زر کی وجہ سے جو ایک ہزار زید نے بکر کو قرض دیا ہے صرف اس ایک ہزار میں ہی کمی نہیں آئی بلکہ جو زید نے اپنے پاس پیسے رکھے ہوئے ہیں ان میں بھی تو کمی آ گئی ہے تو جو ایک ہزار اس نے بکر کو دیا ہے اگر وہ اس کو نہ دیتا اپنے پاس ہی رکھتا تو بھی اس میں کمی آ جانا تھی۔

(۳) مضاربت میں اعتماد مضارب کی امانت، دیانت اور ثقاہت پر ہوتا ہے اس شرط میں یہ خدشہ ہے کہ مضارب خسارہ ونقصان کی صورت میں بھی ربح ونفع ہی ظاہر کرے اور رب المال کے پیسے اپنے پاس رکھنے کے لیے یہ بوجھ اپنے سر لیتا جائے تو معاملہ آ جا کر ربا تک ہی پہنچ جائے۔ واللہ اعلم ۱٤۱۳/٦/۲۸ھ

س: کیا کرایہ پر مکان لینا یا دینا جائز ہے؟ محمد سلیم ڈار نارووال 19/4/93

ج: مکان کرایہ پر لینا دینا درست ہے رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں زمین کرایہ پر لی دی جاتی تھی جیسا کہ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ وغیرہ کی حدیث میں بیان ہوا ہے دیکھیں بخاری ومسلم۔ ۱٤۱٤/۱/٥ھ

س: ٹیلی فون کرنے کے لیے یہاں سکے اور کارڈ استعمال ہوتے ہیں حکومتی اداروں سے سکے اور کارڈ پورے پورے پیسوں سے دستیاب ہوتے ہیں جبکہ عمومی دوکاندار دس ریال کے نو سکے اور ایک سو دس ریال کا سو ریال والا کارڈ دیتے ہیں نو سکوں کا معاملہ تو واضح ہے کہ سود ہے آیا کارڈ جو سو میں ملتا ہے اور اس سے سو ریال کا ہی فون ہوتا ہے ایک سو دس کا لینا سود ہوگا جبکہ وہ عین ریال (ورقی) نہیں نہ ہی سکے ہیں؟ خالد جاوید الریاض

ج: سو ریال والے بطاقہ فون کو ایک سو دس ریال میں خریدنے کا حکم وہی ہے جو نو سکوں کو دس ریال میں خریدنے کا حکم ہے مقصد ہے کہ دونوں سود ہی کی صورتیں ہیں دلیل حکومتی اداروں کا سو ریال والے بطاقہ کو سو ریال ہی میں دینا ہے بچنے کی تدبیر یہ ہے کہ حکومتی اداروں ہی سے خریدیں نجی اداروں اور دکانداروں سے نہ خریدیں۔

۱٤۱۷/۱۱/۲۱ھ

---

[1] [البقرۃ ۲۷٥ پ۳]

س :رَجُلٌ اَخَذَ مِنْ شَخْصٍ آخَرَ رِيَالاً قَرْضًا اِذْ كَانَ قِيمَةُ رِيَالٍ وَاحِدٍ عَشَرَ رُوْبِيَّاتٍ بَاكِسْتَانِيَّةٍ وَعِنْدَ مَا يُؤَدِّيْ هٰذَا الْقَرْضَ اِلَى الْمَأْخُوْذِ مِنْهُ . صَارَ قِيْمَتُهُ خَمْسَ عَشَرَةَ رُوْبِيَّةً فَهَلْ يُؤَدِّيْ اِلَيْهِ عَشَرَ رُوْبِيَّاتٍ اَوْ خَمْسَ عَشَرَةَ رُوْبِيَّةً حَسْبَ اخْتِلَافِ الْقِيْمَةِ وَالزَّمَنِ اُكْتُبُوْا اِلَيَّ جَوَابًا عَاجِلاً . [ایک آدمی دوسرے سے بطور قرض ایک ریال لیتا ہے جبکہ ریال کی قیمت دس روپے پاکستانی ہے اور جب قرض واپس کرتا ہے تو ریال کی قیمت پندرہ روپے ہے کیا وہ دس روپے واپس کرے گا یا پندرہ قیمت اور وقت کے اختلاف کے مطابق ۔ میری طرف جلدی جواب لکھو ۔] عبدالرحمٰن ضیاء موڑ سمن آباد لاہور

ج :يَسْتَدْعِي اتِّقَاءُ الشُّبُهَاتِ ، وَالْاِسْتِبْرَاءُ لِلدِّيْنِ وَالْحُرُمَاتِ اَنْ يُؤَدِّيَ مَا اَخَذَ اَيْ رِيَالاً ، وَيَأْمَنَ خَبَالاً وَّوَبَالاً . [شبہات سے بچنے اور دین اور حرمات کو بچانے کا تقاضا ہے کہ وہ ریال ہی واپس کرے ۔ اور شرمندگی اور وبال سے بچا رہے]

س : ہمارے ملک میں کاروبار بیمہ زندگی عام ہے اس کے متعلق وضاحت چاہوں گا کچھ علماء کی رائے ملی ہے آپ بھی اس بارے میں اپنی رائے لکھ کر بھیجیں (شکریہ) اس بارے میں ایک دو مثالیں پیش کروں گا ان کو مدنظر رکھیے گا بیمہ میں تحفظ آدمی حاصل کرتا ہے تحفظ کے بدل ایک قیمت ادا کرنی ہوتی ہے بیمہ دار آدمی رقم ادا کرتا جاتا ہے اور حکومت اس کے بدل انسانی جان کا تحفظ فراہم کرتی ہے ۔

(۱) جیسے کوئی آدمی گاڑی خریدتا ہے تو اس میں وہ محسوس کرتا ہے کہ اگر دوران سفر پنکچر ہوگئی تو وقت بہت ضائع ہوگا تو آدمی اس وقت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس میں ایک اضافی ٹائر رکھ لیتا ہے گویا کہ اس نے مسافروں کے وقت کے ضائع ہونے کو بچا لیا جیسا کہ گاڑی تو ۴ یا ۵ لاکھ کی ہوتی ہے لیکن اگر معمولی قیمت کا اضافی ٹائر نہ ہو تو تھوڑی سی قیمت کے بدلے کتنا نقصان اٹھانا پڑے گا ۔ یا گاڑی میں آگ بھڑک اٹھنے کا اندیشہ بھی ہر دم ہوتا ہے تو اکثر دیکھا گیا ہے کہ ایک آلہ آگ بجھانے والا بھی ساتھ رکھا ہوتا ہے کہیں آگ بھڑک اٹھے تو اس پر قابو پایا جا سکے ۔

(۲) کچھ بہت اونچی منزلیں ہوتی ہیں جن میں کچھ لوگوں نے آسمانی بجلی سے بچاؤ کی کچھ تدابیر بذریعہ آلات کی ہوئی ہوتی ہیں کہ کہیں آسمانی بجلی کے گرنے سے بلڈنگ کو نقصان نہ ہو جائے وغیرہ وغیرہ ہمارے روزمرہ کے معمول کے مطابق ہم کئی کام بذریعہ انشورنش کرتے رہتے ہیں مثلاً کارخانہ میں یا گھر میں بجلی کے چلے جانے کی وجہ سے اس کے مقابل کچھ انتظام کیا ہوا ہوتا ہے مثلاً موم بتی یا کارخانوں میں جنریٹر کا انتظام اکثر کیا ہوا ہوتا ہے یہ سب ایک انشورنش

کی قسمیں ہیں ایسے ہی گاڑیوں کی انشورنش وغیرہ ہوتی ہے کہ آگ لگ گئی یا کوئی نقصان ہو گیا تو معاہدہ کے مطابق اس کا نقصان پورا کیا جاتا ہے ایک قیمت کے بدلے۔

بہرحال یہ مندرجہ بالا مثالیں اگر غور سے دیکھی جائیں تو ان میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ تمام لوگوں نے ایک آنے والے نقصان کا بندوبست کیا ہوا ہوتا ہے تو اس میں کوئی قباحت نظر نہیں آرہی خواہ نقصان ونفع کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ ہی ہوتا ہے لیکن آدمی کچھ نہ کچھ کرتا ہے اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ بجلی کے بچاؤ کے لیے کچھ لوگوں نے گھروں میں کچھ قیمتی آلات نصب کر رکھے ہیں کہ اگر بجلی کا جھٹکا لگ جائے تو بجلی بند ہو جاتی ہے جس سے آدمی کو نقصان تو ہو جاتا ہے لیکن انسانی جان بچ جاتی ہے تو ایسے ہی بیمہ زندگی کی مثال لیجئے گا اس میں تحفظ ہوتا ہے کہ اگر آدمی بیمہ والے کی موت واقع ہو جائے تو اس کے بیمہ کے بدل اس کے بیوی بچوں کی مدد کی جائے گی اور اگر موت واقع نہ ہو تو اس کا بدل ادا کیا جائے گا موت وحیات تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے جب کہ دوسرے نقصانات جن کی مثالیں عرض کی ہیں وہ بھی تو اللہ تعالیٰ کے ہی اختیار میں ہیں وہ سب ذہن قبول کر لیتا ہے اور بیمہ زندگی کے متعلق نہیں حالانکہ دونوں میں مقصد ایک ہی ہے وہ بھی ایک نقصان کی تلافی کچھ قیمتاً وصول کی ہے اور یہ بھی انسانی جان اگر ضائع ہو جائے تو اس کا تحفظ جو قیمتاً وصول کیا گیا ہوتا ہے اس میں کوئی قباحت معلوم نہیں ہو رہی۔ آگے آپ اپنی مدبرانہ رائے سے نوازیں۔ شکریہ؟ ملکی دفاع اور تحفظ کے لیے ہم نے کیا کیا نہیں کیا ہوتا مالی اور انسانی تحفظ کے لیے کتنی قیمتی مشینریاں۔ ایٹم بم اور کئی طرح کے آلات اور ملکی انتظام کیے ہوئے ہوتے ہیں۔ لیکن سب کچھ ہوتا تو مالک کی طرف سے کسی کے بس میں نہیں کہ نفع یا نقصان کا مالک بنے۔ ماسٹر محمد انور 7/4/94

ج: آپ لکھتے ہیں ''بیمہ میں تحفظ آدمی حاصل کرتا ہے تحفظ کے بدل ایک قیمت ادا کرنی ہوتی ہے بیمہ دار آدمی رقم ادا کرتا جاتا ہے اور حکومت اس کے بدل انسانی جان کا تحفظ فراہم کرتی ہے'' اب سوال یہ ہے کہ انسانی جان کا تحفظ حکومت کے ملک میں ہے؟ ظاہر بات ہے کہ وہ حکومت کے ملک میں نہیں اس لیے وہ مجاز نہیں کہ وہ اسے بیچ کر اس کا بدل ایک قیمت وصول کرے نہ ہی بیمہ دار اس کا مجاز ہے کہ جو چیز حکومت کے ملک میں نہیں اس کا بدل ایک قیمت دے کر اسے خریدے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہر اس چیز کی بیع خرید وفروخت سے منع فرمایا ہے جو ملک میں نہ ہو رہیں آپ کی پیش کردہ مثالیں تو وہ انتہائی بے موقع ومحل ہیں کیونکہ ان میں اضافی ٹائر، آگ بجھانے والے آلہ، آسمانی بجلی کی روک تھام کرنے والے آلہ اور بجلی پیدا کرنے والے آلہ کی بیع کا ذکر ہے اور واضح ترین بات ہے کہ

اضافی ٹائر اور مذکورہ بالا تینوں آلے بیع سے پہلے بائع کے ملک میں اور بیع کے بعد مشتری کے ملک میں ہوتے ہیں جبکہ انسانی جان کا تحفظ نہ تو بائع (حکومت یا کمپنی) کے ملک میں ہے اور نہ ہی مشتری (بیمہ دار) کے ملک میں۔ کم از کم مجھے تو آپ جیسے داناؤں سے یہ توقع نہ تھی کہ وہ بھی انسانی جان کے تحفظ کی بیع کو اضافی ٹائر اور مذکورہ بالا تین آلوں کی بیع کی مثل قرار دے سکتے ہیں بہرحال بیمہ ناجائز ہے اس کے جواز پر کوئی آیت یا کوئی حدیث آپ کو معلوم ہے تو پیش فرمائیں ادھر ادھر کی بے موقع و محل مثالوں سے بیمہ کا جواز ثابت نہیں ہوسکتا۔ واللہ اعلم ۱۴۱۴/۱۰/۳۰ھ

س : ہم لوگ ایک مسئلہ سے دو چار ہیں میں اور میرا دوست اسٹیٹ لائف کے نمائندے ہیں اور بعض علماء کہتے ہیں اسٹیٹ لائف میں کام کرنا گناہ ہے اور یہ سراسر سود ہے اور بعض علماء نے خود پالیسیاں خریدی ہوتی ہیں ہمیں کچھ سمجھ نہیں آتی کہ ہم کیا کریں اس لیے ہم نے سوچا کہ ہم آپ کو خط لکھ کر تسلی کر لیں کہ آپ اسٹیٹ لائف کے بارے میں قرآن اور حدیث کی روشنی میں ہمیں جواب دیں؟

ہمارا جہاں تک خیال ہے کہ اسٹیٹ لائف میں کوئی سود نہیں اور کوئی گناہ نہیں کیونکہ اسٹیٹ لائف میں تمام کام کاروبار کے سلسلے میں ہوتے ہیں اور جتنا کاروبار میں فائدہ ہوتا ہے اتنا ہی فائدہ لوگوں کو پہنچایا جاتا ہے اور اگر نقصان ہو جائے تو اس سلسلے میں لوگوں کو یعنی پالیسیاں خریدنے والے کو بھی نقصان میں شامل کیا جاتا ہے اس کا ثبوت ہم ۱۹۷۷ سے لگا سکتے ہیں کیونکہ ۱۹۷۷ میں اسٹیٹ لائف کو سخت نقصان ہوا تھا اس سے لوگوں کو ان کی اپنی رقم بھی نہ ملی اور ہمارے پاس اسٹیٹ لائف کے کاروبار کے کئی ثبوت ہیں اور ہم یہ ثبوت پیش بھی کر سکتے ہیں اسٹیٹ لائف بغیر سود کے قرضے بھی فراہم کرتی ہے۔ بہرحال آپ اسٹیٹ لائف انشورنش کارپوریشن آف پاکستان کے بارے میں باخوبی جانتے ہوں گے لہٰذا برائے مہربانی آپ قرآن اور حدیث کی روشنی میں اسٹیٹ لائف کے بارے میں یہ ثابت کر کے دیں کہ اسٹیٹ لائف میں سودی کاروبار ہوتا ہے اور اگر سود ہے تو کس طرح اگر نہیں تو کس طرح؟ محمد وحید ضلع ایبٹ آباد

ج : ہماری معلومات کے مطابق ملک میں جتنی بھی انشورنش کمپنیاں ہیں بشمول اسٹیٹ لائف سب سودی کاروبار کرتی ہیں اس لیے ان کا کاروبار حرام، ان کمپنیوں میں ملازمت حرام نیز زندگی وغیرہ کا بیمہ کرنا کروانا حرام ہے۔ واللہ اعلم ۱۴۱۶/۸/۵ھ

س : بندہ سے اسٹیٹ لائف انشورنش کارپوریشن آف پاکستان (بیمہ زندگی) والوں کا واسطہ پڑا۔ بہرکیف انہوں نے بیمہ زندگی کے بارے مجھے کئی دلائل دیئے:

(۱) یہ کرانے والا کچھ رقم دیتا ہے اور مقررہ مدت کے درمیان فوت ہو جائے تو مقررہ رقم ورثا کو ملتی ہے۔ پسماندگان میت کی فائدہ رسانی مقصود ہے جو نیت نیک ہے سودخوری اور سودخورانی مقصود نہیں ہوتی۔ حدیث شریف میں ہے کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے جو کہ اللہ تعالیٰ مفسد اور مصلح کو خوب جانتا ہے۔

(۲) چونکہ لگائی گئی رقم سے ادارہ کاروبار کرتا ہے اور کاروبار کا منافع یا بونس بیمہ دار کو ملتا ہے جیسے ایک آدمی کچھ رقم کسی کو دے دیتا ہے اور کاروبار میں حصہ ڈال دیتا ہے اور مناسب منافع لیتا ہے۔

(۳) چونکہ رقم اقساط کی صورت میں دے کر بمنافع مدت گذرنے پر وصول کر لی جاتی ہے۔

(۴) موجودہ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے بیمہ انسان کی ضرورت کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔

(۵) بچت کر کے رقم۔ بچوں کے لیے مستقبل حالات کے لیے رکھی جاتی ہے اور اسی قسم کو ادارہ استعمال کر کے منافع کی صورت میں لوٹا دیتا ہے۔ جس کی شرح فکس (لازم) نہیں ہے۔

(۶) چونکہ بنکاری نظام میں نفع ونقصان کی شراکت سے کاروبار ہوتا ہے۔ جبکہ اس ادارے نے بھی یہ کاروبار کر رکھا ہے مگر بنک کی شرح فیصد فکس ہے۔ جبکہ اسٹیٹ لائف انشورنش (بیمہ زندگی) کے کاروبار میں شرح فکس نہیں ہے۔

(۷) یہ جوا نہیں ہے نہ پرائز بانڈ سسٹم ہے۔ نہ لاٹری ہے۔

یہ سب دلائل محکمہ انشورنش کی جانب سے دیئے گئے۔ بیمہ زندگی کا کاروبار ناجائز ہونے کی صورت میں عقلی دلائل اور فقہی رو سے مفصّل تحریر فرما کر جواب سے مستفیض فرمائیں؟ اطہر منیر ضلع اوکاڑہ

ج: آپ کا مکتوب موصول ہوا جناب کے نقل کردہ دلائل کے جواب ترتیب وار مندرجہ ذیل ہیں بتوفیق اللہ تبارک وتعالیٰ وعونہ (۱) کسی عمل کے حق ودرست ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ کتاب وسنت کے موافق، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری پر مشتمل ہو قرآن مجید میں ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ﴾ [اے مسلمانو! تم اللہ کی اور اس کے رسول کی تابعداری کرو اور اپنے اعمال ضائع نہ کیا کرو] [1] رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ﴾ [2] [جس نے کوئی ایسا کام کیا جو ہمارے امر (شریعت) میں موجود نہیں وہ مردود ہے] صرف نیت کے نیک ہونے سے عمل حق ودرست نہیں بنتا مثلاً کوئی آدمی کسی بیوہ کی جنسی خواہش پوری کرنے کی نیت سے اس کے مطالبہ پر اس کے ساتھ وطی

---

[1] [محمد ۳۳ پ ۲۶] [2] صحیح مسلم [صحیح بخاری کتاب البیوع - ج ۱ ص ۲۸۷]

کرتا ہے تو اس نیک نیتی کی بنا پر اس کی یہ وطی حق ودرست نہیں بنے گی بلکہ زنا کی زنا ہی رہے گی بالکل اسی طرح بیمہ کی صورت میں ''پسماندگان میت کی فائدہ رسانی مقصود نیت نیک ہونے اور سود خوری وسود خورانی مقصود نہ ہونے'' سے سود حق ودرست نہیں بنے گا بلکہ حرام کا حرام ہی رہے گا قرآن مجید میں ہے: ﴿وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا ہے] حدیث میں ہے: ﴿دِرْهَمُ رِبًا يَأْكُلُهُ الرَّجُلُ وَهُوَ يَعْلَمُ أَشَدُّ مِنْ سِتَّةٍ وَثَلاثِيْنَ زِنْيَةً﴾ [سود کا ایک درہم جس کو کوئی آدمی کھاتا ہے جبکہ وہ جانتا ہے چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ سخت ہے] [1]

حدیث: ﴿إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ﴾ کے آخری حصہ میں رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کا ذکر فرمایا ہے جس سے پتہ چلتا ہے ''اعمال کا دارومدار نیت پر ہے'' میں مراد اعمال صالحہ ہیں اور معلوم ہے کہ سود اعمال صالحہ میں شامل نہیں اعمال سیئہ میں شامل ہے لہٰذا نیک نیتی والی بات اس اثناء میں پیش کرنی بے محل ہے۔ اللہ تعالیٰ واقعی مفسد اور مصلح کو خوب جانتا ہے اسی لیے اس نے فرمایا ﴿وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ نیز فرمایا ﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا﴾ مزید فرمایا ﴿وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ﴾ [2] تو اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ سود نہ چھوڑنے والے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ ولڑائی کر رہے ہیں اور واضح ہے ایسے لوگ مفسد ہی ہو سکتے ہیں مصلح نہیں ہو سکتے نیت خواہ وہ کتنی ہی نیک بنا لیں۔

پھر بیمہ کمپنیوں کے بیمہ نہ کرانے والوں کے مرنے کے بعد ان کے وارثوں کو کچھ نہ دینے سے ان کی ''پسماندگان میت کی فائدہ رسانی مقصود ہے جو نیک نیت ہے سود خوری اور سود خورانی مقصود نہیں'' والی بات کا بھرم بھی کھل جاتا ہے۔

(۲) ادارہ سودی کاروبار ہی کرتا ہے ادارے نے سود ہی کا نام منافع یا بونس رکھا ہوا ہے پھر کسی کاروبار کے حق درست ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ کاروبار شرعاً حلال ہو کوئی بھی کاروبار اس وجہ سے حق ودرست نہیں بن پاتا کہ وہ کاروبار ہے دیکھئے خمر وخنزیر کی تجارت بھی کاروبار ہے مگر وہ کاروبار ہونے کی وجہ سے جائز ودرست نہیں ہو پاتی کیونکہ خمر وخنزیر کی تجارت شرعاً حرام ہے۔

(۳) چونکہ یہ منافع سود کے زمرہ میں شامل ہے اس لیے ناجائز ہے۔

(۴) موجودہ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے خمر وخنزیر کی تجارت انسان کی ضرورت کا ذریعہ ہو سکتا ہے پھر کاروبار عصمت

---

[1] مشکوۃ باب الربا [2] [البقرۃ ۲۷۸۔۲۷۹ پ۳]

فروشی بھی انسان کی ضرورت کا ذریعہ ہوسکتا ہے تو کیا ضرورت کا ذریعہ ہونے یا ہوسکنے کی بنا پر خمر وخنزیر کی تجارت اور کاروبار عصمت فروشی جائز ودرست ہوں گے؟ نہیں ہرگز نہیں تو بالکل اسی طرح کاروبار سود بیمہ یا غیر بیمہ ضرورت کا ذریعہ ہونے کی بنا پر جائز ودرست نہیں ہوگا کیونکہ شریعت نے خمر وخنزیر کی تجارت، کاروبار عصمت فروشی اور کاروبار سود (خواہ وہ سود بیمہ ہو یا سود غیر بیمہ) کو حرام قرار دے دیا ہے۔

(۵) ادارہ جو رقم بطور منافع دیتا ہے وہ سود ہی ہے اس کی شرح فکس ہو خواہ فکس نہ ہو سود کے فکس نہ ہونے سے نہ اس کی حقیقت بدلتی ہے اور نہ ہی اس کا حکم بدلتا ہے دونوں صورتوں میں وہ سود کا سود اور حرام کا حرام ہی رہتا ہے کیونکہ فکس ہونا نہ تو سود کا جزء ہے، نہ ہی اس کی شرط ہے اور نہ اس کا لازم ہے۔

(۶) جہاں تک مجھے معلوم ہے پاکستان میں موجود بینکاری نظام میں شرعی مضاربت نام کی کوئی چیز نہیں جس کو بینک والے نفع ونقصان کی شراکت والا کاروبار کہتے ہیں وہ بھی سود ہی ہے آگے شرح فکس ہو خواہ فکس نہ ہو وہ سود ہی رہتا ہے لہٰذا اسٹیٹ لائف انشورنش والوں کا سود کی شرح فیصد یا غیر فیصد کو مقرر دمتعین نہ کرنا ان کے اس کاروبار کو سود ہونے سے نہیں نکالتا بلکہ وہ جوں کا توں سود ہی رہتا ہے اور سود حرام ہے۔

(۷) زبانی کلامی نہیں یا نہ کہہ دینے سے واقع میں نہ ہونا لازم نہیں آتا پھر ان تینوں کے نہ ہونے کو تسلیم کر لینے سے بھی بیمہ کے سود ہونے کی نفی نہیں ہوتی تو بیمہ سود اور جوا ہونے کی وجہ سے حرام ہے اگر کوئی اس کے جوا نہ ہونے پہ بضد ہو جائے تو بھی بیمہ سود ہونے کی وجہ سے حرام ہی ہوگا جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

نوٹ: آپ کا فرمان "علم سے استفادہ حاصل کرنا نوع انسان کا حق ہے" بجا مگر جس علم سے فائدہ حاصل کرنے کو شریعت نے گناہ قرار دیا ہو اس سے فائدہ حاصل کرنا نوع انسان کا حق نہیں مثلاً علم سحر آپ علم سحر سے استفادہ نہیں کر سکتے کیونکہ شریعت نے اس کو کفر وگناہ قرار دیا ہے ﴿وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلٰكِنَّ الشَّيَاطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ﴾۔ ﴿وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ [1]﴾ [اور سلیمان نے کفر نہیں کیا ہاں شیاطین نے کفر کیا لوگوں کو جادو سکھاتے تھے حالانکہ یقیناً جان چکے تھے کہ جو شخص اس کو لے گا قیامت میں اس کے لیے حصہ نہیں] رسول اللہ ﷺ نے بھی سحر کو السبع الموبقات (سات ہلاک کر دینے والے گناہوں) میں شمار فرمایا ہے تو جس طرح علم سحر سے فائدہ اٹھانا نوع انسان کا حق نہیں بالکل اسی طرح علم ریاضی کے شعبہ سود سے فائدہ

[1] البقرة ۱۰۲ پ ۱

اٹھانا بھی نوع انسان کا حق نہیں کیونکہ شریعت نے سحر اور سود دونوں سے منع فرمایا ہے پھر اگر اسی دلیل کو لے کر دو چار چور یا ڈاکو کہہ دیں کہ ہمارے کاروبار چوری اور ڈاکے کی بنیاد علم ریاضی پر ہے آخر وہ بھی چوری یا ڈاکے کے ذریعہ ہتھیائے ہوئے مال کو ریاضی کے اصول کے تحت ہی تقسیم کریں گے تو کیا اس سے ان کا چوری یا ڈاکے والا کاروبار حق ودرست بن جائے گا نہیں ہرگز نہیں تو بالکل اسی طرح سود بیمہ یا غیر بیمہ کی بنیاد علم ریاضی پر ہونے سے وہ جائز وحلال نہیں ہوگا بلکہ حرام کا حرام ہی رہے گا۔

جناب کا فرمان ''کائنات کے مادی وسائل کو استعمال کرنا بھی اس کا حق ہے'' بھی بجا مگر جن مادی وسائل سے شریعت نے منع فرما دیا ان کو استعمال کرنا اس (بنی نوع انسان) کا حق نہیں مثلاً خمر وخنزیر کی تجارت، کاروبار عصمت فروشی چوری اور ڈکیتی مادی وسائل میں شامل ہیں مگر ان کو استعمال کرنا نوع انسانی کا حق نہیں کیونکہ اسلام نے ان سے منع فرمادیا ہے بالکل اسی طرح سود بیمہ اور سود غیر بیمہ مادی وسائل میں شامل ہیں مگر ان کو استعمال کرنا نوع انسان کا حق نہیں کیونکہ اسلام نے ان سے بھی منع فرمادیا ہے۔

دیکھئے اگر کوئی اباحی ذہن رکھنے والا کہے ''ماں، بہن، بیٹی، بھتیجی، بھانجی، خالہ، پھوپھی، مملوکہ لونڈی اور بیوی تمام جنسی خواہش پورا کرنے کے وسائل ہیں اور جنسی خواہش کو پورا کرنے کے وسائل استعمال کرنا نوع انسان کا حق ہے'' تو آپ کا جواب کیا ہوگا؟ یہی نا کہ بیوی اور مملوکہ لونڈی کے علاوہ کو استعمال کرنا نوع انسان کا حق نہیں کیونکہ دین فطرت اسلام نے بیوی اور مملوکہ لونڈی کے علاوہ کو استعمال کرنے سے منع فرمادیا ہے چنانچہ قرآن مجید میں ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ ۞ اِلَّا عَلٰٓى أَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۞ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَأُوْلٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ﴾ [1] [اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں حتی کہ اپنی عورتوں اور باندیوں کے سوا کسی سے نہیں ملتے ان پر کوئی ملامت نہیں ہاں جو لوگ اس کے سوا اور طریق اختیار کرتے ہیں وہی حدود سے بڑھنے والے ہیں]

رہا آپ کا قول ''کیا اس سے (بیمہ سے) صرف ترقی یافتہ ممالک ہی فائدہ لیں یا ہم بھی اس کاروبار سے فائدہ لے لیں؟'' تو اس کے جواب میں یہی عرض کروں گا آپ ہی فرمائیں ''کیا خمر وخنزیر کی تجارت، کاروبار عصمت فروشی، چوری، ڈکیتی، کاروبار سحر اور دیگر حرام اشیاء سے صرف ترقی یافتہ ممالک ہی فائدہ لیں یا ہم بھی؟ تو واضح ہے چونکہ آپ

---

[1] [المومنون ۵۔۶۔۷ پ۱۸]

اباحی ذہن نہیں رکھتے نیز پکے سچے مسلم ہیں اس لیے یہی فرمائیں گے ہم ان چیزوں سے فائدہ نہیں لیں گے کیونکہ دین فطرت اسلام نے ان چیزوں سے منع فرمادیا ہے باقی رہا ترقی یافتہ یا غیر ترقی یافتہ ممالک یا کسی ایک ملک کا ان سے فائدہ لینا سو وہ ہمارے لیے سند جواز نہیں ہمارے لیے سند و دلیل صرف اور صرف کتاب وسنت ہے ﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ الآیۃ [پھر اگر کسی معاملے میں تم میں جھگڑا پڑے تو اس کو اللہ اور رسول ﷺ کی طرف پھیرو] [1]

تو بات بالکل واضح ہے کہ سود بیمہ یا سود غیر بیمہ سے ترقی یافتہ ممالک یا غیر ترقی یافتہ ممالک فائدہ لیں خواہ نہ لیں ہم اس کاروبار سے فائدہ نہیں لے سکتے کیونکہ کتاب وسنت نے اس کاروبار کو حرام قرار دیا ہے جیسا کہ خمر وخنزیر کی تجارت سے کوئی ترقی یافتہ ملک فائدہ لے یا نہ لے ہم خمر وخنزیر کی تجارت والا کاروبار نہیں کر سکتے اس لیے کہ کتاب وسنت نے اس کاروبار کو حرام قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم ۱۴۱۷/۸/۲۱ھ

س: ۲۸ مارچ ۱۹۹۲ء بروز ہفتہ روز نامہ جنگ کراچی کی خبر ہے کہ انشورنش کا کاروبار اور پریمیم حرام نہیں مسلم اسکالروں کے بورڈ کا فتویٰ بورڈ سعودی عرب، مصر، سوڈان اور دیگر ممالک کے اسکالروں پر مشتمل ہے اس کی وضاحت فرمائیں؟ سید راشد

ج: آپ کا مکتوب گرامی موصول ہوا جس میں جنگ اخبار کا ایک تراشہ ہے اس تراشے میں ایک سرخی ہے ''انشورنش کا کاروبار اور پریمیم حرام نہیں۔ مسلم اسکالروں کے بورڈ کا فتویٰ'' مگر نیچے اس بورڈ کے فتویٰ کا متن نقل نہیں کیا گیا اس لیے جب تک اس کا متن اپنی اصلی حالت میں سامنے نہ آئے اس وقت تک اس فتویٰ کے درست یا نا درست ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا باقی اخبار کی سرخی کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ اخبار والے عام طور پر سرخیوں میں اصل بات کو خراب کرتے رہتے ہیں۔

رہا انشورنش کا کاروبار اور پریمیم تو وہ حرام ہے اس کے حرام ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں کیونکہ اس میں سود یا جوا پایا جاتا ہے جبکہ سود اور جوا دونوں شریعت میں حرام ہیں۔ واللہ اعلم ۱۴۱۹/۵/۲۸ھ

س: آپ کا مضمون نما مکمل اور مدلل جواب مارچ ۹۷ کے مجلّہ میں پڑھا جو کہ اسٹیٹ لائف انشورنش کمپنی کے بارے میں تھا۔ آج سے کوئی سات آٹھ سال قبل میں بھی اسی طرح کے دلائل اور کئی ایک مولانا کے بیانات سے بھرا ہوا

---

[1] [النساء ۵۹ پ ۵]

کتابچہ پڑھ کر اور متاثر ہو کر بیمہ کرا کر پھنس گیا تھا مگر گذشتہ سال ۱۹۹۶ء کے مجلّہ میں سے ایک مجلّہ میں سوال و جواب کے کالم میں بیمہ کے بارے میں جواب ملا پھر اس کے بعد میں نے اس کمپنی کو چھوڑ دیا اور الحمد للہ کافی سے زیادہ مطمئن ہوں۔

جناب حافظ صاحب آپ بنی نوع انسان کی بہتری کے لیے کوشاں ہیں اللہ آپ کو مزید توفیق دے (آمین)

ایک اسی نوعیت کے مسئلہ کے حل کے بارے میں آپ کو زحمت دینی تھی میں امید کرتا ہوں کہ آپ اس طرح کا مکمل جواب عنایت فرما کر مزید زیادہ شاکر ہونے کا موقع دیں گے۔

(۱) ہمارے علاقہ کے آڑھتی صاحب اور بڑے زمیندار لوگ چھوٹے اور غریب کسانوں کو کھاد اور زرعی ادویات فصل کے قرضہ پر دیتے ہیں ان کا طریقہ کار کچھ اس طرح ہوتا ہے کہ مثلاً اگر ایک گٹو کھاد کا نقد روپے دے کر خریدا جائے تو اس کے وہ ۳۰۰/ روپے وصول کریں گے اور اگر ادھار یعنی موجودہ فصل کاٹ کر آپ کو رقم لوٹا دیں گے جو کہ پانچ چھ ماہ کا عرصہ ہوتا ہے تو وہ اس کسان کے کھاتہ میں ۳۵۰/ روپے وصول کرتے ہیں اسی طرح زرعی ادویہ کا ہے کہ اگر ایک لیٹر کی دوا ۵۰۰/ روپے نقد ہے تو ادھار میں وہی دوا ۶۵۰/ روپے کی ملتی ہے آپ سے پوچھنا یہ تھا کہ آیا کہ یہ جو اضافی رقم ادھار کے ساتھ وصول کرتے ہیں کیا یہ مجبوری سے فائدہ اٹھا کر (سود) میں شامل نہیں ہو جاتی۔ جبکہ ان سے بحث کرنے پر وہ کہتے ہیں کہ (سود) پیسے کے لین دین میں ہوتا ہے اس میں ایک طرف جنس ہے اور دوسری طرف روپے۔ اس کی مثال وہ ایک پلاٹ کی دیتے ہیں کہ آپ نے ایک پلاٹ لاکھ میں خریدا ایک سال بعد آپ کا وہی پلاٹ سوا لاکھ میں فروخت ہوتا ہے آیا وہ اوپر والی رقم کیا سود ہوگی۔ جو یقیناً نہیں ہے اس طرح وہ اس کو کاروباری منافع سمجھتے ہیں اور جائز قرار دیتے ہیں ہمارے امام مسجد صاحب سے معلوم کیا انہوں نے اس کو جائز قرار دیتے ہوئے کہا کہ زیادتی منافع ہے سود نہیں ہے اسلام میں بیع جائز ہے نہ کہ سود۔ آپ سے گذارش ہے کہ آپ اس معاملہ میں میری ضرور رہنمائی فرمائیں گے؟ اللہ آپ کو جزائے خیر کثیر عطا فرمائے (آمین)

(۲) قسطوں والے کاروبار کی اسلام میں کیا نوعیت ہے وہ بھی اسی طرح ایک ہزار کی چیز قسط وار کچھ عرصہ بعد چودہ سو میں واپسی ہوتی ہے۔

بشیر رزاق 25/4/97

ج: آپ کا مکتوب موصول ہوا جس میں دو سوال اور دو شبہے مذکور ہیں ان دونوں کا جواب مجلّہ الدعوۃ ۶/۷ مورخہ صفر ۱۴۱۷ھ میں حافظ عبدالسلام صاحب بھٹوی حفظہ اللہ تبارک وتعالیٰ دے چکے ہیں چنانچہ وہ مذکور بالا شمارہ کے ص ۲۲ پر لکھتے ہیں۔

''رسول اللہ ﷺ نے خرید وفروخت کی وہ سب صورتیں حرام فرما دی ہیں جن میں سود کی آمیزش ہے ان میں سے ایک صورت وہ ہے جو ترمذی کی صحیح حدیث میں مذکور ہے کہ ﴿نَهٰى عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ﴾ نبی ﷺ نے ایک بیع میں دو بیعوں سے منع فرمایا ۔اس کی تشریح اہل علم یہ فرماتے ہیں کہ اگر تم نقد لو تو اتنی قیمت ہے اور اگر ادھار لو تو اور قیمت ہے۔ مثلاً نقد دس روپے کی ہے اور ادھار پندرہ روپے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے یہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے مگر اس کے منع ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس بات کا تعین نہیں کیا گیا کہ وہ نقد لے گا یا ادھار۔ اگر پہلے طے کر لے کہ میں تمہیں نقد دوں گا یا ادھار دوں گا تو جائز ہے اصل سبب ایک قیمت کا معلوم اور متعین نہ ہونا ہے۔ اگر معلوم ہو جائے کہ نقد لینا ہے اسے دس روپے میں دے تو ٹھیک ہے یا طے ہو جائے کہ ادھار لینا ہے اور پندرہ روپے میں دے تب بھی ٹھیک ہے یہ رائے کئی جید علماء بھی دیتے ہیں انہوں نے اسے جائز قرار دیا ہے قسطوں پر چیز زیادہ قیمت کے ساتھ فروخت کرنے کو بھی انہوں نے جائز قرار دیا ہے مثلاً ایک چیز نقد لاکھ روپے کی اور قسطوں پر سوا لاکھ کی بشرطیکہ پہلے طے ہو جائے نقد لینی ہے یا ادھار لینی ہے۔

میرے بھائیو! جہاں تک میں نے احادیث کا مطالعہ کیا ہے اور پڑھا ہے ان علماء کی بات درست نہیں کیونکہ ابوداود شریف میں یہی حدیث تفصیل کے ساتھ آئی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْ كَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا﴾ جو شخص ایک بیع میں دو بیع کرتا ہے یا تو کم قیمت لے یا پھر وہ سود ہو گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس بیع کی حرمت کا اصل سبب سود ہے قیمت کا غیر متعین ہونا نہیں ہے آپ غور کریں اور دانائی سے سمجھنے کی کوشش کریں کسی شخص کو اگر آج قیمت ملے تو دس روپے کی چیز دیتا ہے اور اگر ایک ماہ بعد قیمت ملتی ہے تو وہ پندرہ روپے کی دیتا ہے وہ پانچ روپے زائد کس چیز کے لے رہا ہے صاف ظاہر ہے اس نے وہ پانچ روپے مدت کے عوض لیے ہیں اور یہی سود ہے'' حافظ صاحب کا کلام ختم ہوا۔

رہے دو شبہے تو ان سے پہلا شبہ ہے: ''سود پیسے کے لین دین میں ہوتا ہے اس میں ایک طرف جنس ہے اور دوسری طرف روپے'' یہ شبہ بالکل بے بنیاد ہے کیونکہ سود پیسے کے لین دین میں بھی ہوتا ہے، جنس کے لین دین میں بھی اور جنس و پیسے کے لین دین میں بھی۔ قرآن مجید کی کسی آیت اور رسول کریم ﷺ کی کسی حدیث میں یہ بات نہیں آئی کہ سود صرف پیسے کے لین دین میں ہوتا ہے جنس کے لین دین اور جنس و پیسے کے لین دین میں سود نہیں ہوتا۔

بلکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ رِبًا إِلَّا هَآءَ وَهَآءَ ، وَالشَّعِيْرُ

بِالشَّعِيْرِ رِبًا إِلَّا هَآءَ وَهَآءَ ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ رِبًا إِلَّا هَآءَ وَهَآءَ﴾ [1] گندم گندم کے بدلے سود ہے مگر برابر برابر نقد بنقد اور جو جو کے بدلے سود ہے مگر برابر برابر نقد بنقد اور کھجور کھجور کے بدلے سود ہے مگر برابر برابر نقد بنقد۔ تو آپ ﷺ کا یہ فرمان اس بات کی دلیل ہے کہ جنس کے لین دین میں بھی سود ہوتا ہے۔

پھر رسول اللہ ﷺ کا پہلے مذکور فرمان "جس نے ایک بیع میں دو بیعیں کیں تو اس کے لیے ان دونوں میں سے کم ہے یا سود" اس امر کی دلیل ہے کہ پیسے اور جنس کے لین دین میں بھی سود ہوتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس فرمان میں نہ تو پیسے کی تخصیص فرمائی ہے اور نہ ہی جنس کی تو آپ ﷺ کا یہ فرمان تینوں صورتوں کو شامل ہے۔

اور دوسرا شبہ ہے "آپ نے ایک پلاٹ لاکھ روپے میں خریدا ایک سال بعد آپ کا وہی پلاٹ سوا لاکھ میں فروخت ہوتا ہے آیا وہ اوپر والی رقم کیا سود ہوگی؟ جو یقیناً نہیں ہے اسی طرح وہ اس کو کاروباری منافع سمجھتے ہیں اور جائز قرار دیتے ہیں" اس شبہ میں "ایک سال بعد" والی بات بالکل بے معنی ہے کیونکہ بسا اوقات آدمی ایک پلاٹ لاکھ میں خریدتا ہے اور خرید لینے کے فوراً بعد اس کو اسی پلاٹ کا سوا لاکھ دینے والے موجود ہوتے ہیں۔ دراصل یہ شبہ وہی ہے جس کا قرآن مجید نے رد کر دیا ہے: ﴿ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوْٓا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [یہ اس لیے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ تجارت اور سود ایک سے ہیں حالانکہ اللہ نے تجارت کو جائز کیا ہے اور سود کو حرام] [2]

رہی کاروباری منافع والی بات تو معلوم ہونا چاہیے کہ ہر کاروباری نفع شریعت میں جائز نہیں کیونکہ سود بھی کاروباری نفع ہے مگر شریعت نے اس کو حرام اور ناجائز قرار دیا ہے تو پلاٹ لاکھ میں خرید کر اسی وقت یا سال بعد سوا لاکھ میں بیچنا سود نہیں جس طرح کوئی چیز دس روپے میں خرید کر اسی وقت یا سال بعد بارہ روپے میں فروخت کرنا سود نہیں بلکہ یہ حلال اور جائز بیع ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ﴾ جبکہ ادھار کی وجہ سے زائد قیمت کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرمان: ﴿مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ فَلَهٗ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا﴾ میں سود قرار دیا ہے اس لیے یہ نفع محض اس لیے کہ کاروباری ہے جائز نہیں ہوگا کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق سود کے زمرہ میں آتا ہے تو سود والے حرام نفع کو حلال بیع سے حاصل شدہ حلال نفع پر قیاس کرنا درست نہیں اس کی مثال ایسے سمجھیں جیسے کوئی خمر وشراب کی تجارت یا خنزیر کی تجارت سے حاصل شدہ نفع کو شربت بزوری شربت بنفشہ یا گائے بیل کی تجارت سے

---

[1] [صحیح بخاری ج۱ ص ۲۹۰ باب بیع التمر بالتمر] [2] البقرة ۲۷۵ پ ۳

حاصل شدہ نفع پر قیاس کرنا شروع کر دے تو جس طرح یہ قیاس درست نہیں بالکل اسی طرح پہلا ادھار زائد قیمت اور پلاٹ والا قیاس بھی درست نہیں فرق صرف بیع میں ہے۔

مزید وضاحت کے لیے دیکھیئے اگر کوئی یہ کہے کہ انسان کا اپنے باپ کی بیٹی کے ساتھ نکاح جائز ہے کیونکہ اس کا اپنے چچا کی بیٹی سے نکاح جائز ہے آخر دونوں عورتیں ہی تو ہیں تو یہ قیاس درست نہیں ہوگا کیونکہ باپ کی بیٹی کے ساتھ نکاح شریعت میں حرام ہے اور چچا کی بیٹی کے ساتھ نکاح شریعت میں حلال ہے بالکل اسی طرح سود بھی کاروباری نفع ہے اور حلال تجارت سے حاصل شدہ نفع بھی کاروباری نفع ہے مگر سود والا نفع حرام ہے اور حلال تجارت سے حاصل شدہ نفع حلال ہے اور حرام کو حلال پر قیاس کر کے حرام کو حلال نہیں بنایا جا سکتا واللہ اعلم تمام احباب واخوان کی خدمت میں ہدیہ سلام پیش فرما دیں۔ بشیر رزاق کی بجائے بشیر عبدالرزاق لکھا لکھوایا اور کہلوایا کریں۔ ۱۴۱۸/۱/۱ھ

س: گذارش ہے کہ تجارت میں کیا تاجر کو یہ اختیار ہے کہ اس کا ایک مال ہے کیا وہ نقد اور ادھار کے ریٹ میں فرق رکھ سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک چیز وہ گاہک کو کہتا ہے کہ یہ دس روپے کی ہے، اور وہ کہتا ہے اگر نقد رقم دے کر لو گے تو دس روپے کی ہے اور اگر ادھار لو گے تو بارہ روپے کی ہے؟ محمد اکرم

ج: صورت مسئولہ میں چیز دس روپے میں فروخت کی جائے تو درست و جائز ہے اور اگر بارہ روپے میں فروخت کی جائے تو بوجہ سود ہونے کے نادرست، ناجائز اور حرام ہے سنن ابی داود میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا﴾ [1] جو شخص ایک بیع میں دو سودے کرے تو اس کے لیے کم تر قیمت والا سودا ہے یا ربا ہے واللہ اعلم ۱۴۱۸/۶/۲۴ھ

س: (۱) ہمارے ہاں ایک ڈاکٹر حکیم امیروں سے /۲۰ روپے وصول کرتا ہے اور غریبوں کو وہی دوائی نسخہ /۱۰ روپے کی دے دیتا ہے کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۲) نقد شہد کی قیمت /۱۰۰ روپے ہے ہمارے ایک دوست ادھار /۱۵۰ کا بیچتے ہیں اس کا کیا حکم ہے اگر ان سے کہا جائے تو فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے ادھار پر زیادہ اونٹ دینے کا وعدہ کیا تھا۔

(۳) ہمارے ہاں آڑھتی حضرات آڑھت کمیشن بھی لیتے ہیں اور زمین پر بکھری ہوئی جنس بھی رکھ لیتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟ سید عبدالغفور

---

[1] [کتاب البیوع باب فی من باع بیعتین فی بیعة ج۲]

ج :(ا) کسی کا کوئی چیز امیروں کو پوری قیمت پہ دینا اور غریبوں کو آدھی قیمت پہ دینا درست ہے بلکہ وہ غریبوں کو مفت بھی دے سکتا ہے۔

(۲) سوال میں مذکور صورت سود کی صورتوں سے ایک صورت ہے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿مَنْ بَاعَ بَیْعَتَیْنِ فِیْ بَیْعَةٍ فَلَهُ أَوْکَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا﴾ [جو ایک بیع میں دو بیع کرتا ہے پس اس کے لیے ان دونوں سے تھوڑا ہے یا سود ہے] [1] رہا ''نبی کریم ﷺ کا ادھار پر زیادہ اونٹ دینے کا وعدہ'' تو وہ ثابت نہیں عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ والی ابوداود کی روایت: ﴿فَکَانَ یَأْخُذُ الْبَعِیْرَ بِالْبَعِیْرَیْنِ إِلَی إِبِلِ الصَّدَقَةِ﴾ [پس آپ دو اونٹوں کے بدلے ایک اونٹ لیتے صدقہ کے اونٹوں تک] کے متعلق محدث وقت شیخ البانی حفظہ اللہ تعالیٰ تحقیق مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں ''وَإِسْنَادُهُ ضَعِیْفٌ'' کہ اس کی سند ضعیف کمزور ہے جبکہ ابن ماجہ میں ہے ''عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ : لاَ بَأْسَ بِالْحَیَوانِ وَاحِدًا بِاثْنَیْنِ یَدًا بِیَدٍ وَکَرِهَهُ نَسِیْئَةً'' [ایک جانور کے بدلہ میں دو نقد کوئی حرج نہیں اور ادھار آپ نے مکروہ کیا]

(۳) اگر سود یا اکل مال بالباطل کی کسی شق وصورت میں شامل نہیں تو جائز ورنہ ناجائز ہے۔ ۱۴۱۹/۸/۱۸ھ

س : نَهٰی عَنْ بَیْعَتَیْنِ فِی بَیْعَةٍ اس کی کتنی صورتیں بن سکتی ہیں جو چیز قسطوں پر خریدی جاتی ہے اس پر یہ کیسے چسپاں ہوگی۔ صلاح الدین غوری میرپور خاص سندھ

ج : رسول اللہ ﷺ کی بَیْعَتَیْنِ فِی بَیْعَةٍ کے سلسلہ میں حدیثیں دو ہیں ایک جو آپ نے نقل فرمائی ﴿نَهٰی عَنْ بَیْعَتَیْنِ فِیْ بَیْعَةٍ﴾ دوسری ابوداود ہی میں ہے ﴿مَنْ بَاعَ بَیْعَتَیْنِ فِیْ بَیْعَةٍ فَلَهُ أَوْکَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا﴾ [جو شخص ایک بیع میں دو سودے کرلے تو اس کے لیے کم تر قیمت والا سودا ہے یا سود ہے [2]] قسطوں والی بیع پر دوسری حدیث صراحۃً چسپاں ہوتی ہے جب کہ قسطوں والی رقم نقد رقم سے زائد ہو۔ واللہ اعلم ۱۴۲۰/۶/۵ھ

س : استاذی المحترم! ہمارے ہاں ادھر ملیسی ان دنوں یہ مسئلہ بڑا بحث تمحیص کا باعث بنا ہوا ہے کہ کیا ایک چیز کی نقد اور ادھار قیمت میں کمی بیشی جائز ہے یا ناجائز آئے دن یہ بحث ہوتی ہے اور مسئلہ کسی نتیجہ خیز مرحلے پر نہیں پہنچتا، اور اس مسئلے کے حل کے لیے ہم نے مختلف علماء سے رابطے کا پروگرام بنایا ہے تو اس سلسلے میں آپ قرآن وسنت کی روشنی میں اس کے بارے میں وضاحت کریں آیا یہ جائز ہے کہ ایک چیز کی نقد قیمت کچھ اور ادھار کچھ یا ناجائز۔

---

[1] [سنن ابی داود کتاب البیوع باب فی من باع بیعتین فی بیعة واحدة] [2] [کتاب البیوع باب فی من باع بیعتین فی بیعة]

اور اس بارے میں ۹۴ نومبر کے اہل حدیث میں عبدالرحمٰن چیمہ صاحب کا مضمون شائع ہوا اس کو بھی ممکن ہو تو مدنظر رکھیں۔ ۱۳ نومبر ۹۴ کو میری ملاقات مفتی عبدالرحمان صاحب سے ہوئی ان سے میں نے یہ مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے بڑے ہی جزم کے ساتھ اس کے جواز کا فتویٰ دیا اور سب سے بڑی دلیل ان کی یہ تھی کہ نقد اور ادھار کی شکل میں ایک چیز میں دو قیمتیں بنتی ہی نہیں اس لیے کہ آپ تو خریدار سے طے کر رہے ہیں کہ نقد اس ریٹ پر اور ادھار اس ریٹ پر اب جب ادھار پر یا نقد پر بات طے ہوگئی تو بیع تو ایک ہی ہوئی۔

اور ایک چیز میں دو قیمتوں کی شکل اس طرح سے بنتی ہے کہ بائع مشتری سے کہتا ہے یہ چیز نقد اس قیمت پر اور ادھار اس قیمت پر اب مشتری بغیر قیمت تہہ (طے) کیے چیز اٹھا کر لے جاتا ہے تو یہ ایک چیز میں دو قیمتیں ہوئیں۔

اور اسی طرح انعامی بانڈز کا مسئلہ بھی درپیش ہے اس کی نوعیت کچھ اس طرح ہے کہ ایک آدمی دس ہزار کے بانڈ خرید لیتا ہے اور قرعہ اندازی میں اس پر انعامات دئے جاتے ہیں اور یہ بانڈ جو آپ نے خرید کیے ہیں اس قیمت پر جب آپ چاہیں واپس بھی کر سکتے ہیں اور ان کی چینجنگ [تبدیلی] بھی کروا سکتے ہیں کہ وہ دس ہزار کے بانڈز آپ بینک میں دیں اور روپے حاصل کر لیں کسی صورت میں بھی مشتری کو نقصان نہیں ہوگا اور اس میں منافع وغیرہ کے تعین کا مسئلہ بھی نہیں ہوتا جیسے بینک میں ہوتا ہے اس کی بھی وضاحت فرما دیں۔

محمد شعیب مجیب ابن القاسم ہال ریلوے روڈ میلسی ضلع وہاڑی

ج: (۱) نقد قیمت کم اور ادھار قیمت زیادہ والی بیع ناجائز ہے اس کی تفصیل مولانا ابوالبرکات احمد صاحب رحمہ اللہ اور حافظ عبدالسلام صاحب بھٹوی حفظہ اللہ کا اس موضوع پر مکالمہ پڑھ لیں نیز اس موضوع پر مولانا ابو جابر دامانوی صاحب حفظہ اللہ کا مضمون پڑھیں پھر شیخ البانی حفظہ اللہ کی ارواء الغلیل سے متعلقہ مقام کا مطالعہ فرمائیں۔

(۲) انعامی بانڈ والا کاروبار بھی ناجائز ہے۔ ۱۴۱۵/۷/۱۰ھ

س: میری عمر تقریباً ۱۶ سال ہے اور میں میٹرک کا طالب علم ہوں ہم چار بھائی ہیں والد صاحب واپڈا میں ملازمت کرتے ہیں بڑے دو بھائیوں نے آسان اقساط پر خرید وفروخت کا کاروبار شروع کیا ہوا ہے والد صاحب رات کو سرکاری ڈیوٹی پر جاتے ہیں اور دن کو دوکان پر ہوتے ہیں مجھے یہ قرآن وحدیث کی روشنی میں پوچھنا ہے کہ ان حالات میں مجھے کیا کرنا چاہیے کیونکہ اقساط والے کاروبار کی روزی حرام ہے، اور اس بارے میں میرا ردعمل کیا ہونا چاہیے؟ کیونکہ وہ یہ کاروبار کسی صورت میں بھی چھوڑنا نہیں چاہتے؟ ابوعمر لاہور

ج: چیز کی قیمت جو نقد ہے اتنی ہی ادھار یکمشت یا قسطوں میں وصول کی جائے تو پھر کاروبار شرعاً درست ہے بشرطیکہ اس میں کوئی اور خلاف شرع امر موجود نہ ہو اور اگر چیز کی قیمت جتنی نقد ہے ادھار یکمشت یا قسطوں میں اس سے زیادہ وصول کی جائے تو کاروبار سود کے زمرے میں آنے کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہے آپ والد صاحب کو سمجھائیں ان شاء اللہ وہ سمجھ جائیں گے اور اول الذکر صورت اختیار کر لیں تو گناہ سے بھی بچ جائیں گے اور کاروبار بھی چلے گا اور مال بھی زیادہ حاصل ہو گا اور وہ بھی حلال طریقہ سے کیونکہ اس طرح خریدار بڑھ جائیں گے مال زیادہ فروخت ہو گا اور نفع بھی اسی مقدار سے زیادہ حاصل ہو گا۔ ۱۴۱۵/۱۲/۴ھ

س: کیا جمعہ کے دن روزی کمانا حرام ہے یا پھر اس وقت روزی کمانا حرام ہے جب خطبہ ہو رہا ہو یعنی ایک یا دو گھنٹے کیا ان دو یا تین گھنٹوں کے علاوہ باقی سارا دن روزی کمانا حلال ہے یا کہ سارا دن ہی روزی کمانا حرام ہے؟

بندہ ضعیف محمد محسن عابد

ج: اذان جمعہ سے لے کر نماز جمعہ کے سلام پھیرنے تک فقط کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ﴾ [1] [جب اذان ہو نماز کی جمعہ کے دن] الخ نیز فرمایا ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوْا﴾ [پھر جب تمام ہو چکے نماز تو پھیل پڑو] [2] الخ واللہ اعلم ۱۴۱۵/۱۲/۸ھ

س: جائداد کی خرید وفروخت میں درمیان میں دلالی کرنے والا یعنی سودا کروانے والا آدمی مشتری اور بائع یا دونوں میں سے کسی سے بطور فیس کوئی رقم لے آیا یہ شرعاً جائز ہے یا کہ نہیں؟ آج کل یہ کام اکثر لوگ کرتے ہیں اور بہت سے لوگوں نے یہ مسئلہ دریافت کیا ہے۔ حبیب الرحمٰن ہری پور 10/10/96

ج: صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿لَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِّبَادٍ﴾ حضری (شہری) بدوی کے لیے بیع نہ کرے۔ تو آپ کے اس فرمان سے ثابت ہوا کہ حضری آدمی بدوی کے مال کی بدوی کی خاطر بیع خرید وفروخت نہیں کر سکتا باقی تین صورتیں (۱۔ حضری حضری کے مال کی بیع کرے۔ ۲۔ بدوی بدوی کے مال کی بیع کرے۔ ۳۔ بدوی حضری کے مال کی بیع کرے) درست ہیں ان میں کوئی حرج نہیں معلوم ہو کہ قروی بھی حضری میں شامل ہے۔ رہا دلال کا مشتری سے بائع کی چیز کے زیادہ پیسے وصول کرنا اور بائع کو کم دینا اور اس سلسلہ میں دلال کا دونوں کو یا ایک کو دھوکا میں رکھنا تو یہ ہرگز درست نہیں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا﴾ [3]

[1] [الجمعة ۹ پ۲۸] [2] الجمعة ۱۰ پ۲۸ [3] [مشکوة ـ کتاب القصاص ـ باب ما لا یضمن من الجنایات ـ فصل اول]

[جس نے دھوکا کیا وہ ہم میں سے نہیں] اسی طرح دلالی کی اجرت کے علاوہ بیع اور سودے میں کوئی اور خرابی ہو مثلاً سود یا بیع کا منہی عنہ ہونا تو بیع نہیں ہوگی درست، نہ ہی دلالی اور نہ ہی دلالی کی اجرت۔ اللہ تعالیٰ عطا فرمائے ہمیں بس حلال کمانے کی توفیق وقدرت، دور فرمائے ہم سے اقتصاد ومعیشت کی عسرت اور لائے ملک میں فقط مؤمن نیکوں کی سلطنت، تمام احباب واخوان کی میرے ہدیہ سلام سے کرنا خوب خوب خدمت۔ ۱۴۱۹/۷/۱۴ھ

س: کیا حیثیت ہے دلال کی، جو دلالی کر کے رقم یا کمیشن وغیرہ وصول کرتا ہے۔ کیا درست ہے کہ نہیں؟

غلام مصطفیٰ شیخوپورہ

ج: صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿لَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِّبَادٍ﴾ حضری بدوی کی خاطر بیع نہ کرے آپ ﷺ کے اس فرمان سے مفہوم ہے کہ حضری حضری کے مال کی بیع، بدوی بدوی کے مال کی بیع، اور بدوی حضری کے مال کی بیع (دلالی) کر سکتا ہے تو حضری کا بدوی کی دلالی کرنا ممنوع ہے اور باقی دلالی کی مذکورہ بالا تینوں صورتیں درست ہیں بشرطیکہ ان میں کوئی اور خلاف شرع چیز نہ پائی جاتی ہو۔ ۱۴۱۹/۱۱/۲۵ھ

س: شاید آپ کو معلوم ہے کہ میرے والد بھائی وغیرہ آڑھت کا کام کرتے ہیں اور چاول کے موسم میں بینک سے سرمایہ لیتے ہیں جس کا وہ سود ادا کرتے ہیں۔ میں نے اپنی کوشش کے مطابق ان کو بہت سمجھایا لیکن جب وہ باز نہ آئے تو میں نے اپنا نان ونفقہ ان سے علیحدہ کر لیا حتیٰ کہ رہائش بھی علیحدہ اختیار کر لی۔ اور قطعی طور پر ان کے گھر کا کھانا پینا بند کر دیا۔ قربانی کے موقع پر اصرار کے باوجود میں اور میری بیوی نے شرکت نہیں کی جبکہ اس وقت سارا خاندان اکٹھا تھا۔

یہ سب کچھ حرام غذا سے بچنے کے لیے اور اللہ کی ناراضگی سے بچنے کے لیے کیا اب تقریباً دو سال سے زائد عرصہ ہو چکا ہے۔ میری بھتیجی کی شادی ہے۔ بھائی نے وہ بیٹی بہن سے لے کر پالی ہے شادی میں شرکت کا مسئلہ ہے نیز رمضان المبارک میں وہ مسجد میں افطاری کا سامان بھی بھیجتے ہیں اور بعض اوقات جب ان کے گھر جانا پڑتا ہے تو وہ مہمان نوازی کے طور پر کوئی چیز پیش کرتے ہیں۔ اور پھر کھانے کا اصرار کرتے ہیں۔

اب میں نے بعض اہل علم سے دریافت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ان کا کاروبار نا جائز اور حرام ہے لیکن آپ کھا سکتے ہیں۔ اور تحفتاً ان سے اشیاء یا کھانا لے سکتے ہیں۔ اور بعض بزرگوں نے کہا ہے جب حلال اور حرام روزی مکس ہو جائے تو دوسرے کے لیے استعمال کی اجازت ملتی ہے بعض دوست کہتے ہیں کہ قطع رحمی اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔ بعض اہل علم دوست حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں۔ بعض یہود ونصاریٰ کے کھانے سے

استدلال کرتے ہیں کہ اگرچہ ان کا کاروبار شریعت کے خلاف تھا اور یہودی سود کا کام کرتے تھے لیکن قرآن نے مطلق ان کے کھانے کو حلال قرار دیا ہے۔ (یاد رہے میں نے اس جائیداد کو چھوڑ دیا ہے جس میں سودی کاروبار کا پیسہ لگا ہوا تھا)

محترم شیخ! میں اس مسئلہ میں کافی پریشان رہتا ہوں مسجد میں آئی ہوئی افطاری کو نہ کھانا یا واپس کر دینا ایک بہت بڑے فتنہ کو دعوت دینا ہے۔ اس طرح شادی میں عدم شرکت بھی پریشانی کو دعوت دے رہی ہے براہ مہربانی مذکورہ مسائل کو قرآن وسنت کی روشنی میں واضح فرمائیں اور بندہ ناچیز کے لیے راہ راست متعین فرمائیں جس سے آخرت کی پریشانیوں سے محفوظ رہ سکوں۔

میری بیوی مجھ سے بھی زیادہ اس مسئلے میں سخت ہے والدین کو بارہا مرتبہ کہا ہے کہ حرام مال سے بچ جاؤ اور میرے ساتھ ہو جاؤ لیکن کلی طور پر میرا ساتھ نہیں دیتے ان کے ساتھ ہی رہتے ہیں کبھی کبھار میرے پاس بھی آجاتے ہیں۔ امید ہے مذکورہ پریشانی کو حل فرما کر عنداللہ ماجور ہوں گے۔ 13/2/94

ج: جناب کا مکتوب گرامی موصول ہوا تو محترم پریشانی والی کوئی بات نہیں آپ اپنے بہن بھائیوں اور والدین وغیرہم کے ساتھ صلہ رحمی والی پالیسی اپنالیں قطع رحمی نہ کریں کیونکہ شریعت میں صلہ رحمی کا حکم ہے اور قطع رحمی منع ہے ہاں جہاں صلہ رحمی کے صلہ میں اپنے ایمان ودین کا خطرہ ہو کہ اپنا دین وایمان جاتا رہے گا وہاں دین وایمان کو ترجیح دی جائے گی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلاَ تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا[1]﴾ الآیۃ [اور اگر وہ دونوں تجھ سے اڑیں اس بات پر کہ شریک مان میرا اس چیز کو جو تجھ کو معلوم نہیں تو ان کا کہنا مت مان اور ساتھ دے ان کا دنیا میں دستور کے موافق] ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لاَ تَتَّخِذُوْا اٰبَآءَ كُمْ وَإِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ إِنِ اسْتَحَبُّوْا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيْمَانِ[2]﴾ الآیۃ [اے ایمان والو مت پکڑو اپنے باپوں کو اور بھائیوں کو دوست اگر وہ پسند کریں کفر کو ایمان سے] ﴿قُلْ إِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُم وَإِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا......[3]﴾ الآیۃ [تو کہہ دے اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور برادری اور مال جو تم نے کمائے ہیں......] جو صورت آپ نے اپنے مکتوب میں تحریر فرمائی ہے اس سے آپ کے بھائی مجرم تو ضرور ہیں مگر ان کے پاس جو مال ہے وہ حرام نہیں بنتا بشرطیکہ سود دینے کے علاوہ تجارت میں کہیں کسی حرام بیع کا ارتکاب نہ کرتے ہوں۔

---

[1] [لقمان ١٥ پ ٢١] [2] [التوبة ٢٣ پ ١٠] [3] [التوبة ٢٤ پ ١٠]

مجھے بڑا تعجب ہوا کہ آپ کے بھائی پکے مسلمان ومومن اوراہلحدیث ہیں مگر وہ سود لینے دینے کے متعلق قرآن مجید کی آیات ﴿وَمَنْ عَادَ فَأُوْلَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُوْنَ ❶﴾ [اور جو کوئی پھر سود لیوے تو وہی لوگ ہیں دوزخ والے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے] ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ☆ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ❷﴾ الآیۃ [اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو کچھ باقی رہ گیا ہے سود اگر تم مومن ہو پھر اگر نہیں چھوڑتے تو تیار ہو جاؤ لڑنے کو اللہ سے اور اس کے رسول ﷺ سے] اور رسول کریم ﷺ کی صحیح وثابت احادیث ﴿لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ آكِلَ الرِّبَا وَمُوْكِلَهٗ وَكَاتِبَهٗ وَشَاهِدَيْهِ وَقَالَ هُمْ سَوَاءٌ ❸﴾ [رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے کھلانے والے اس کے لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا گناہ میں یہ سب برابر ہیں] ﴿قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ دِرْهَمُ رِبًا يَأْكُلُهُ الرَّجُلُ وَهُوَ يَعْلَمُ أَشَدُّ مِنْ سِتَّةٍ وَّثَلاَثِيْنَ زِنْيَةً ❹﴾ [رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سود کا ایک درہم جس کو کوئی آدمی کھاتا ہے جبکہ وہ جانتا ہے چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ سخت ہے] ﴿قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلرِّبَا سَبْعُوْنَ جُزْءً أَيْسَرُهَا أَنْ يَّنْكِحَ الرَّجُلُ أُمَّهٗ ❺﴾ [رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سود کے ستر جزء ہیں سب سے کم درجہ کے جزء کا گناہ اس قدر ہے جیسے آدمی اپنی ماں سے زنا کرے] سن اور سمجھ کر آج تک اس کاروبار پر ڈٹے ہوئے ہیں وہ دیکھتے نہیں سالہا سال سے وہ یہ سود دینے والا کام کر رہے ہیں مگر اب تک وہ اس لعنت سے نجات نہیں پا رہے اگر وہ آئندہ آپ سے اور اپنے دیگر اصحاب ثروت اقارب سے بلا سود قرض یا مضاربت لے کر یہ کاروبار کریں تو ان شاء اللہ مجھے یقین ہے دو چار سال تک ان کو کسی سے قرض لینے کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔ بلکہ وہ دوسروں کو قرض دیں گے ان شاء اللہ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا اسلامی اصولوں کے مطابق تجارت کے متعلق فرمان ہے: ﴿فَإِنْ بَيَّنَا وَصَدَقَا بُوْرِكَ لَهُمَا فِيْ بَيْعِهِمَا ❻﴾ [اگر وہ سچ بولیں گے بیان کر دیں گے ان کی بیع میں برکت ڈالی جائے گی] اور سود کے متعلق آپ ﷺ فرماتے ہیں ﴿إِنَّ الرِّبٰوا وَإِنْ كَثُرَ فَإِنَّ عَاقِبَتَهٗ تَصِيْرُ إِلٰى قُلٍّ ❼﴾ [سود اگرچہ کس قدر بڑھ جائے اس کا انجام کمی کی طرف رجوع کرتا ہے] اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کے

---

❶ [البقرة ٢٧٥ پ٣] ❷ [البقرة ٢٧٨-٢٧٩ پ٣] ❸ [رواه مسلم بحواله مشكوة كتاب البيوع باب الربوا الفصل الاول] ❹ [رواه احمد والدارقطني ـ بحواله مشكوة كتاب البيوع باب الربوا الفصل الثالث] ❺ [رواه ابن ماجه والبيهقي بحواله مشكوة باب الربوا] ❻ [بخاري شريف كتاب البيوع باب ما يمحق الكذب والكتمان في البيع] ❼ [رواه احمد وابن ماجه والبيهقي بحواله مشكوة باب الربوا]

بھائیوں کو توفیق دے کہ وہ فوراً اس جرم سے توبہ کر لیں ۔ کیونکہ عمداً یہ جرم انتہائی سنگین ہے خدشہ ہے کہیں آدمی اس جرم کی پاداش میں دین وایمان سے ہی خارج نہ ہو جائے جیسا کہ ﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ اور ﴿فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ سے واضح ہو رہا ہے۔

آپ کے مکتوب میں دوسری بات جو میرے لیے باعث تعجب ہوئی وہ یہ ہے کہ آپ لکھتے ہیں ''میری بھتیجی کی شادی ہے'' اور ساتھ ہی لکھتے ہیں ''بھائی نے وہ بیٹی بہن سے لے کر پالی ہے'' تو محترم یہ لڑکی نہ تو آپ کے بھائی کی بیٹی ہے اور نہ ہی آپ کی بھتیجی بلکہ وہ آپ کی اور آپ کے بھائیوں کی بھانجی ہے نہ آپ کا بھائی اس کا باپ ہے نہ وہ اپنے آپ کو اس کا باپ، ابا اور ابو لکھ لکھوا سکتا ہے نہ کہلا سکتا ہے اور نہ ہی آپ اس لڑکی کے چچا ہیں نہ ہی چچا لکھ لکھوا سکتے ہیں نہ کہلا سکتے ہیں وہ لڑکی آپ کو اور آپ کے بھائیوں کو صرف ماموں جان کہے اور جو آپ کا بہنوئی اس کا باپ ہے صرف اسی کو باپ، ابا اور ابو جی کہے اور دوسرے رشتے بھی اس پر قیاس کر لیں مثلاً وہ آپ کے بھائی۔ جو پالنے والا ہے۔ کی بیوی کو اماں، امی اور ماں نہیں کہہ سکتی اور نہ وہ کہلا سکتی ہے اس کو صرف مامی جی کہے اور وہ بھی صرف یہی کہلائے۔ سورۃ احزاب میں متبنّٰی کے متعلق آیات پڑھ لیں آپ کو معلوم ہے کہ زید رضی اللہ عنہ کو زید بن محمد کہا جاتا تھا مگر جب آیات نازل ہوئیں تو انہیں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کہا جانے لگا آپ لوگ اس مسئلہ میں اور پچھلے سود والے مسئلہ میں اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾ [1] الآیۃ [اور کام نہیں کسی ایمان دار مرد کا اور نہ ایمان دار عورت کا جب کہ مقرر کر دے اللہ اور اس کا رسول کوئی کام کہ ان کو رہے اختیار اپنے کام کا] کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی فوراً اصلاح فرما لیں زندگی کا کوئی پتہ نہیں کب ختم ہو جائے اللہ تعالیٰ ہم سب کو سعادت دارین عطا فرمائے آمین یارب العالمین میری طرف سے اپنے والدین مکرمین، اخوان کرام اور تمام احباب عظام کی خدمت میں ہدیہ سلام پیش فرما دیں۔ ١٤١٤/٩/٥ھ

س: کیا ٹی وی۔ وی سی آر اور فلموں کا کاروبار درست ہے؟

ج: ٹی وی، وی سی آر اور فلموں کا کاروبار شرعاً درست نہیں کیونکہ ان میں جاندار چیزوں کی تصویر بنتی ہے اور تصویر کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بالکل واضح ہیں کہ تصویروں والے روز قیامت عذاب دیئے جائیں گے رہا یہ سوال کہ جاندار چیزوں کی تصویر کے بغیر ہو تو پھر؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ واقع میں یہ تصور ہے ہی نہیں۔ لہٰذا یہ

---

[1] [الاحزاب ٣٦ پ ٢٢]

[دھوکہ کی مشتری اور حسرت انگیز] چیزیں ناجائز ہیں ان کا کاروبار ناجائز ہے اور ان کی مرمت بھی ناجائز ہے۔ واللہ اعلم

۱۴۱۸/۱۰/۲۱ھ

س: مسئلہ احتکار کی تفہیم کے لیے آپ کی رہنمائی مطلوب ہے۔ وضاحت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں:

(ا) احتکار کسے کہتے ہیں اور کیا احتکار ہر قسم کا ہر قسم کے حالات میں ناجائز ہے؟

براہ کرم دلائل کے ساتھ وضاحت فرمائیں۔ ایک مفتی صاحب سے اسی سلسلہ میں رابطہ ہوا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ اموال تجارت کو روک رکھنا اس غرض سے کہ جب اور مہنگائی ہوگی تو بیچیں گے جبکہ قحط کی صورت پیدا ہو چکی ہو انہوں نے مزید صراحت فرمائی کہ اگر قحط کی کیفیت پیدا نہ ہوئی ہو تو پھر احتکار نا جائز نہ ہوگا یعنی انہوں نے قحط برپا ہونے سے پہلے پہلے احتکار کو جائز قرار دیا ہے ممانعت احتکار کا اطلاق بصورت قحط ہوگا۔ اور قحط کی تعریف یہ بیان کی کسی چیز کا بازار میں ناپید ہونا قحط ہے نہ کہ ایسی حالت پر قحط کا اطلاق ہوگا کہ چیز بازار میں کھلے عام مل تو رہی ہے اگرچہ نرخ نہایت بڑھتے جا رہے ہوں ان صاحب سے دلیل طلب کی کہ احادیث مبارکہ سے ممانعت احتکار اپنے عموم پر ثابت ہوتی ہے آپ اس عموم کی تخصیص قحط کے زمانہ کے ساتھ کس قرینہ سے اخذ کرتے ہیں۔ تو انہوں نے اپنے موقف کے حق میں عقلی دلائل دیئے اور شارحین کے قول بیان فرمائیے۔ یہ ساری باتیں اپنی جگہ پر بجا۔ لیکن ہمیں تو اتنا علم ہے کہ آپ ﷺ کے امر یا نہی سے وجوب ثابت ہوتا ہے تاوقتیکہ کوئی قرینہ صارفہ خارجی یا داخلی آپ ﷺ کے فرمان کو وجوب سے نہ نکال دیوے یا وجوب کی تخصیص ثابت نہ ہو جائے ورنہ آپ ﷺ کے فرمان سے جو وجوب ثابت ہوگا وہ اپنے عموم پر ہی محمول کیا جائے گا چاہے ہماری عقل مانے یا نہ مانے۔ دوسرا مسئلہ یہ کہ فرمان نبوی ﷺ ہے چیزیں جہاں سے خریدی جائیں وہیں نہ بیچی جائیں یعنی خرید کردہ جگہ سے مال ہٹا دینا ضروری ہے۔ اس مسئلہ کی وضاحت بھی درکار ہے۔

مثلاً ایک شخص کی منڈی میں دوکان ہے باہر سے مال فروخت کے لیے اس کی دوکان پر آتا ہے دو صورتیں ہوتی ہیں یا تو مالک دوکان مذکورہ مال خود خرید لیتا ہے آگے بیچنے کے لیے یا کوئی دوسرا سوداگر مال خرید لیتا ہے آگے بیچنے کے لیے اب دوکان دار یا آڑھتی اگر خود خریدتا ہے تو بیچنے کے لیے کہاں منتقل کرے یا پھر اگر کوئی دوسرا سوداگر خریدتا ہے دوکان ہذا سے تو کیا بیچنے سے پہلے اپنے گھر لے کر جائے؟ یا دوکان ہذا کے ساتھ والی دوکان پر لیجا کر فروخت کر سکتا ہے؟ نیز یہ بھی بتائیں کہ کیا دوکان ہذا پر ہی دو چار فٹ آگے پیچھے کر لینے سے مذکورہ فرمان نبوی ﷺ پر عمل ہو جائے گا؟ ایک مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ خرید کردہ مال اپنے مقام سے ہٹا دینے کی اصل وجہ یہ ہے کہ مال پر اچھی طرح قبضہ

ثابت ہو جائے۔ اگر مقصود یہی ہے تو یہ مقصد تو اسی جگہ پڑے رہنے سے بھی حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ بائع تو مال فروخت کرنے کے بعد پیسے وصول کر کے مال کو مشتری کے حوالے کر کے گھر چلا گیا۔ اب بھی اس مال پر مشتری کا قبضہ ہونے کی کوئی شرط باقی رہ جاتی ہے؟ جب کہ مشتری یا بائع یا دونوں عرف عام کے مطابق آڑھت کی ادائیگی سے بھی فارغ ہو جائیں۔ مہربانی فرما کر دونوں مسائل بادلائل بین فرمائیں۔ حوالہ کے طور پر عربی عبارت درج کرنے کی ضرورت نہیں محض حوالہ اور حدیث پاک یا آیت قرآنی کا مفہوم جس سے استدلال کیا گیا نقل کر دینا کافی ہوگا۔ نیز پتہ چلا کہ کچھ ان صحابہ کے عمل سے احتکار منقول ہے جو حدیث احتکار کے راوی بھی ہیں۔ اس واقعہ کی بھی صراحت فرما دیویں۔ محمد اشرف وہاڑی 5/4/94

ج: (۱) ذخیرہ اندوزی کی کئی صورتیں ہیں ان میں سے ایک صورت ہے کہ کسی چیز کو ذخیرہ کرنا اس غرض سے کہ یہ مہنگی ہو جائے یا مہنگی کر دی جائے عربی زبان میں احتکار ذخیرہ اندوزی کی اس ایک مذکورہ بالا صورت کو کہتے ہیں چنانچہ لغت کی مستند کتاب قاموس میں ہے ''وَبِالتَّحْرِيْكِ مَا احْتُكِرَ اَیْ احْتُبِسَ اِنْتِظَارًا لِغَلَائِهِ'' [احتکار یہ ہے کہ کسی چیز کو روک کر رکھنا تاکہ مہنگی ہو جائے] اور حدیث میں احتکار کی ممانعت آئی ہے احتکار کی صورتوں میں سے کسی صورت کی تخصیص وارد نہیں ہوئی البتہ بعض احادیث میں طعام کا لفظ موجود ہے جبکہ دوسری کئی احادیث میں طعام کی قید نہیں آئی بلکہ مطلق احتکار کی ممانعت وارد ہوئی ہے امام شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لفظ طعام والی حدیث تنصیص علیٰ فرد واحد پر محمول ہے نہ کہ تخصیص وتقیید بفرد واحد پر۔

(۲) جو حدیث آپ نے نقل فرمائی صحیح ہے منقولہ اشیاء خرید کر انہیں ان کی پہلی جگہ (جس جگہ وہ بائع کے پاس پڑی تھیں) پر بیچنا درست نہیں۔ انہیں اگر بیچنا ہے تو بیچنے سے قبل ان کا منتقل کرنا ضروری ہے چاہے وہ انہیں اپنے گھر لے جائے یا اپنی دکان پر یا کسی کی دکان پر۔ مقصد یہ ہے کہ مبیع کو خرید کی جگہ پر نہ بیچے۔ واللہ اعلم ۱۴۱۴/۱۱/۶ھ

س: (۱) زید نے کچھ مال ناجائز ذرائع سے حاصل کیا۔ عمرو نے زید سے وہی مال خرید کر جائز نفع پر آگے تجارت کی عمرو کی تجارت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ (۲) پتنگ بازی کے لیے جو دھاگہ استعمال ہوتا ہے اس کی تجارت کے متعلق کیا حکم ہے؟ عبدالقیوم انصاری 24 جولائی 1989

ج: (۱) عمرو کی تجارت شرعی لحاظ سے درست ہے بشرطیکہ وہ زید کے ناجائز ذرائع والے کاروبار میں شریک ومعاون نہ رہا ہو۔

(۲) پتنگ بازی جائز نہیں اس لیے محض پتنگ بازی کے لیے استعمال ہونے والا دھاگہ تیار کرنا دھاگہ کی تجارت کرنا درست نہیں۔ واللہ اعلم ﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [1] [اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کا تعاون نہ کرو]

۱۴۱۰/۱/۴ھ

س: میرا پرنٹنگ پریس کا کاروبار ہے جس میں مجھ سے لوگ لیٹر پیڈ اشتہارات وغیرہم چھپواتے ہیں جن میں سے بعض پر ''یارسول اللہ'' یا اس قسم کے دوسرے کلمے درج ہوتے ہیں میرا ان کا چھاپنا جائز ہے یا ناجائز؟ عرف عام میں لوگ اس سے رسول اکرم ﷺ کو حاضر وناظر سمجھتے ہیں اور میں ایسا عقیدہ رکھنے والے کو مسلم نہیں سمجھتا۔ محمد طارق شاہد 19/3/86

ج: سوال کا جواب تو آپ کے قول ''میں ایسا عقیدہ رکھنے والے کو مسلم نہیں سمجھتا'' میں آ چکا کیونکہ جن دلائل کی بناء پر آپ ایسا عقیدہ رکھنے والے کو مسلم نہیں سمجھتے وہی دلائل ایسے عقیدہ کو چھاپنے کی ممانعت پر بھی دلالت کرتے ہیں خواہ وہ چھاپنا باجرت ہی کیوں نہ ہو۔ ۱۵ رجب ۱۴۰۶ھ

س: کتے لڑانے والوں کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے ان کی کمائی کیسی ہے؟ ابوعبدالقدوس

ج: فاسق ہے اس کام سے حاصل کردہ مال حرام ہے نیز یہ کسب حرام ہے۔ ۱۴۱۷/۱۰/۱۸ھ

س: (۱) زید کے والد ایک سرکاری ملازم ہیں وہ دفتری اوقات کی پابندی نہیں کرتے اور اپنے دفتری وقت کا تقریباً ۴۰ فیصد حصہ اپنے ذاتی کاموں پر خرچ کرتے ہیں۔ نیز کئی سال پہلے ایک کلرک کی غلطی سے ان کی ایک انکریمنٹ زائد لگ گئی تھی جس کی وجہ سے ان کو ہر ماہ تقریباً ۴ یا ۵ سو روپے اپنی اصل تنخواہ سے زائد ملتے ہیں زید جو کہ بالغ ہے ابھی طالب علم ہے اور اپنے اخراجات کے لیے ہر ماہ اپنے والد سے ۱۰۰۰ روپے لیتا ہے کیا قرآن وحدیث کی رو سے یہ پیسے زید کے لیے حلال ہیں یا حرام؟ نیز اپنے گھر سے یعنی اپنے والد کی آمدنی سے کھانا پینا اور کپڑے وغیرہ سلوانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) بکر کا بھائی بیرون ملک ملازمت کرتا ہے۔ پاکستان سے بیرون ملک جاتے ہوئے بکر کے بھائی نے حکومت پاکستان سے غلط بیانی کی تھی کہ وہ پڑھائی کے لیے باہر جا رہا ہے تاکہ اسے پاکستان کی ملازمت سے چھٹی مل سکے پھر دوسرے ملک کے ائرپورٹ پر بھی غلط بیانی کی تھی کہ وہ یہاں سیر وسیاحت کے لیے آیا ہے بعد میں اسے وہاں ملازمت مل گئی اور وہ وہاں ایک ہسپتال میں بطور ڈاکٹر کام کر رہا ہے اب بکر کا بھائی بیرون ملک سے جو پیسے اپنی تنخواہ

[1] [المائدۃ ۲ پ ٦]

میں سے بکر کو یا اپنے والدین کو بھیجتا ہے کیا وہ پیسے بکر اور اس کے والدین کے لیے حلال ہیں یا حرام؟ (اس بات کا علم نہیں ہے کہ بکر کا بھائی اپنی ملازمت احسن طریقے سے انجام دے رہا ہے یا نہیں اگر چہ گمان یہی ہے کہ وہ ملازمت ذمہ داری سے انجام دیتا ہے)

(۳) بنک میں غیر سودی اکاؤنٹ میں پیسہ رکھوانا جائز ہے یا نہیں جبکہ گھر میں پیسہ رکھنے سے چوری ہونے کا کوئی خاص خطرہ نہ ہو۔

(۴) زید بیرون ملک سے بنک کے ذریعے بکر کے اکاؤنٹ میں کچھ رقم بھیجتا ہے کیا یہ جائز ہے نیز یہ رقم بکر کے لیے حلال ہے یا بنک کے ذریعہ ٹرانسفر ہونے کی وجہ سے حرام ہے؟

(۵) زید کے پاس کچھ روپے رزق حلال کے ہیں ۔ ان میں اس نے کچھ روپے حرام کمائی کے بھی ملا دیئے اب تمام روپے باہم مل گئے کیا کسی طریقہ سے یہ ممکن ہے کہ حلال روپوں کو حرام روپوں سے الگ کیا جا سکے؟

(۶) زید کے بنک اکاونٹ میں ۵۰۰ روپے تھے جو کہ حرام کی کمائی سے تھے بکر نے بیرون ملک سے کچھ پیسے بنک کے ذریعے اس کے اکاونٹ میں بھجوا دیئے یہ پیسے حلال کی کمائی سے تھے ۔ اب زید اپنے اکاونٹ سے یہ نیت کر کے پیسے نکلواتا ہے کہ وہ حلال کمائی والے پیسے نکلوا رہا ہے کیا یہ پیسے حلال ہوں گے یا اکاونٹ میں حرام پیسوں کی وجہ سے ساری رقم حرام ہو جائے گی؟ محمد شہباز

ج: (۱) اگر اصل تنخواہ دینے والوں کو تنخواہ دار کی ان کوتاہیوں کا علم ہے اس کے باوجود بلا رشوت دیئے اور بلا کسی ساز باز کے وہ اس کو تنخواہ پوری دے رہے ہیں کسی قسم کی کٹوتی نہیں کرتے تو بلاشبہ وہ تنخواہ اس کے لیے حلال ہے ورنہ چالیس فیصد حرام باقی حلال۔

(۲) غلط بیانی اپنی جگہ جرم ہے اس سے وہ توبہ کرے باقی وہاں ملازمت کی تنخواہ حلال ہے بشرطیکہ اس کو حرام بنانے والی کوئی وجہ موجود نہ ہو۔

(۳) جائز نہیں کیونکہ یہ سراسر اثم وعدوان میں تعاون ہے: ﴿وَلاَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾

(۴) بکر کے لیے بیرون ملک سے بھیجی ہوئی رقم حلال ہے بشرطیکہ وہ بیرون ملک میں کسب حلال ہو البتہ بکر بنک میں اکاونٹ رکھنے کی وجہ سے مجرم وگناہگار رہے۔

(۵) جتنے روپے حرام کے ملائے ہیں اتنے الگ کر دیں اور وہ جس کے ہیں اس کے حوالے کر دیں۔

(٦) زید پانچ سو روپے میں دوہرا گناہگار ہے ایک تو وہ کمائی حرام دوسرے بنک اکاونٹ باقی بکر کے بیرون ملک سے حلال کمائی سے بھیجی ہوئی رقم حلال ہے۔ واللہ اعلم ١٤١٧/١/٥ھ

س: کاشت کے مقصد کے لیے زمین ٹھیکہ پر لینا دینا کیسا ہے جبکہ زمین کا مالک ہر صورت میں ٹھیکہ وصول کرتا ہے چاہے فصل تباہ ہو جائے؟ ڈاکٹر عبدالستار وڑائچ ضلع سیالکوٹ

ج: زمین کو بٹائی اور ٹھیکہ پر لینا دینا شرعاً درست ہے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی احادیث سے ان دونوں کا جواز ثابت ہوتا ہے ہاں بٹائی کی وہ صورت ضرور ممنوع ہے جس میں خارج شدہ پیداوار کی بجائے زمین کے قطعات تقسیم کر لیے گئے ہوں مثلاً کھیت کے فلاں کیارے میں جو فصل ہو وہ مالک کا اور فلاں کیارے میں جو فصل ہو وہ مزارع کا یہ درست نہیں۔ واللہ اعلم ١٤١٤/٧/١٦ھ

س: ایک آدمی نے زمین رہن (گہنے) پر لی ہے اسکو $\frac{1}{8}$ حصہ مالک زمین کو دینا ہے کیا فصل پر جو خرچہ آتا ہے وہ نکال کر $\frac{1}{8}$ حصہ ادا کرنا ہے یا بغیر خرچہ نکالے؟ خرچہ: بل، کھاد، ہل چلائی، سپرے، معاملہ وغیرہ۔ عبدالرحمٰن ضیاء

ج: زمین رہن لینا دینا اس وقت جائز ہے جب یہ معاملہ سود نہ بنے آپ نے $\frac{1}{8}$ حصہ مالک زمین کو دینے والی جو رہن کی صورت لکھی ہے وہ سراسر سود ہے کیونکہ بٹائی پر زمین لینے دینے کی صورت میں کوئی مالک زمین $\frac{1}{8}$ حصہ پر کبھی زمین کاشت کے لیے کسی کو نہیں دیتا مالک زمین سے $\frac{1}{8}$ سے زائد جتنا حصہ کاشتکار مزارع رہن پر لینے والے نے اپنے پاس رکھا وہ سود ہے جو ناجائز اور حرام ہے باقی رہا خرچہ نکال کر آٹھواں حصہ مالک زمین کو دینا تو وہ زیادہ سود وصول کرنے کے مترادف ہے۔ بہر حال یہ $\frac{1}{8}$ والا معاملہ صورت مسئولہ میں خرچہ نکال کر ہو خواہ خرچہ نکالے بغیر ہو سراسر سودی معاملہ ہے جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ [اور حرام کیا سود] ١٤١٩/٣/٢٤ھ

س: اگر کسی آدمی کو کچھ روپوں کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ اپنی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کسی شخص سے ایک یا دو ایکڑ زمین بطور رہن رکھ کر رقم وصول کر لیتا ہے اور جونہی رقم ہاتھ آئی اپنی زمین واپس لے لی اور رقم دے دی تو اس کے بدلے جو آدمی زمین بطور (رہن گروی) لے لیتا ہے وہ اس زمین میں پیسہ لگا کر محنت اور وقت لگا کر اس کی کاشت کرتا ہے اور اس سے جو کچھ نفع خرچہ لگانے کے بعد لیتا ہے جائز ہے یا کہ ناجائز ہے؟ منظور احمد

ج: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے دودھ اور سواری کا جانور جب مرہون (گروی رکھا ہوا) ہو تو خرچہ کے عوض اس کا

دودھ پیا جاسکتا ہے اور اس پر سواری کی جاسکتی ہے۔ [1] اس کے علاوہ زمین وغیرہ گروی رکھنے کی ہر وہ صورت ناجائز ہے جس میں سود یا اکل مال بالباطل کی کوئی اور صورت ہو۔ واللہ اعلم ۱۴۱۴/۷/۲۰ھ

س: کیا گروی کا لین دین درست ہے جبکہ اس کی صورت یہ ہو: میں نے اپنے دوست سے اس کا مکان لیا ہے ایک سال کے لیے اور میں نے ۶۰۰۰۰ اسے دیا ہے ہمارا معاہدہ یہ ہے کہ اگر میں نے اس کے مکان کی مکمل رقم جو کہ ۲۰۰۰۰۰ ہے ایک سال کے اندر دے دیئے تو وہ مکان میرے نام کر دے گا اگر میں اسے رقم نہ لوٹا سکا تو وہ میرے ۶۰۰۰۰ روپے ایک سال بعد مجھے واپس دے دے گا کیا یہ لین دین جسے عام اصطلاح میں گروی کہتے ہیں درست ہے؟

حافظ محمد فاروق تبسم

ج: صحیح بخاری میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿الظَّهْرُ يُرْكَبُ بِنَفَقَتِهِ إِذَا كَانَ مَرْهُوْنًا ، وَلَبَنُ الدَّرِ يُشْرَبُ بِنَفَقَتِهِ إِذَا كَانَ مَرْهُوْنًا ، وَعَلَى الَّذِيْ يَرْكَبُ وَيَشْرَبُ النَّفَقَةُ﴾ [2] [پیٹھ پر سوار ہوا جائے اس کے خرچہ کے بدلے جب وہ گروی ہو اور دودھ والی کا دودھ پیا جائے گا اس کے خرچہ کے بدلے جب وہ گروی ہو اور جو سواری کرتا ہے اور دودھ پیتا ہے اس پر خرچہ ہے] گروی کی یہ دو صورتیں تو نص میں آ چکی ہیں ان دو صورتوں کے علاوہ گروی کی کوئی بھی صورت ہو دیکھا جائے گا اگر وہ شریعت کے خلاف کسی چیز پر مشتمل ہو تو ناجائز ورنہ جائز۔

☆ آپ کے سوال سے سمجھ آتی ہے کہ آپ نے اپنے ایک دوست کو ساٹھ ہزار روپیہ قرض دیا اور اس دوست کا مکان گروی لیا اور ساتھ ہی بیع بھی کر لی اگر ایک سال کے اندر مکان کی قیمت دو لاکھ ادا کر دوں تو مکان میرا ورنہ وہ ایک سال بعد ساٹھ ہزار واپس کرے گا تو یہ صورت ناجائز ہے اولاً اس لیے کہ گروی کی یہ صورت سود پر مشتمل ہے کیونکہ آپ نے اپنی قرض دی ہوئی رقم مبلغ ساٹھ ہزار پوری کی پوری اس دوست سے وصول کرنی ہے اور اس کے آپ کے پاس گروی مکان سے فائدہ بھی اٹھانا ہے ثانیاً اس لیے کہ آپ کا یہ معاملہ سلف اور بیع پر مشتمل ہے ادھر رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ﴿لاَ يَحِلُّ سَلَفٌ وَبَيْعٌ﴾ [3] [نہیں ہے حلال قرض اور بیع] ثالثاً اس لیے کہ ساٹھ ہزار قرض دے کر مکان کی قیمت جتنی کم لگائی گئی وہ سود کے زمرہ میں آتی ہے۔

س: ایک آدمی اپنی دولت جو کہ پیسے روپے کی شکل میں ہے بنک میں رکھتا ہے اور سال ختم ہونے سے پہلے رقم نکلوا لیتا ہے زکوٰۃ سے بچنے کے لیے کیونکہ زکوٰۃ کی رقم معینہ مدت جو کہ ایک سال ہے کے بعد گورنمنٹ خود کاٹ لے گی اور

---

[1] بخاری شریف کتاب الرهن [2] [کتاب الرهن باب الرهن مركوب ومحلوب ج ۱] [3] ترمذی ، ابوداود ، نسائی

نامعلوم مقامات پر صرف کرلے گی جس سے زکوٰۃ رکھنے والا پریشان ہوگا کیونکہ اس کے خاندان والے جوکہ غریب ہیں محروم ہوگئے۔ یہ چیز رکھنے والے پر بھاری اور شاق ہے۔ اس چیز سے بچنے کے لیے اگر وہ آدمی گورنمنٹ کے سامنے خود کو شیعہ ثابت کرتا ہے (ان کی کاغذی کاروائی مکمل کرنے کے لیے) تو کیا اس صورت میں وہ گناہگار ہوگا جبکہ ذہنی اور خیالی اور عقیدہ کے لحاظ سے وہ بالکل صحیح ہو۔ مقررہ مدت ہونے پر وہ زکوٰۃ کی رقم بنک سے نکلوا کر خود اپنے رشتہ داروں اور مساکین میں تقسیم کرتا ہے کیونکہ اگر وہ رقم گورنمنٹ نے لے لی تو نہ جانے وہ کہاں خرچ کرے۔ حافظ محمد فاروق تبسم

ج: بنک چونکہ سود لینے دینے کا کام کرتا ہے اس لیے اس میں پیسہ جمع کروانا گناہ ہے۔ رہا زکاۃ والا مسئلہ تو معلوم ہونا چاہیے کہ بنک والے زکاۃ وصول نہیں کرتے جوانہوں نے لوگوں کو سود دینا ہوتا ہے اس سے کچھ رقم زکاۃ کے نام پر رکھ لیتے ہیں دلیل یہ ہے کہ پیسے والے کو زکاۃ کی کٹوتی کے بعد بھی اس کی اصل رقم سے زائد پیسے ملتے ہیں۔ اس چیز کو سامنے رکھ کر غور فرمائیں بنک والے زکاۃ نامی سود کو وصول کرنے کی خاطر اپنے آپ کو شیعہ ظاہر کرنے والا انسان کتنا بڑا مجرم ہے کیونکہ ایسا انسان بیک وقت کئی ایک جرائم کا ارتکاب کرتا ہے۔ ۱۴۱۹/۱۲/۳ھ

س: موجودہ حکومت ونظام حکومت غیر اسلامی ہے کیا ہم اس غیر اسلامی حکومت [جس نے ہمارے اوپر بے شمار ٹیکس عائد کر رکھے ہیں] کی چوری کر سکتے ہیں۔ مثلاً ریلوے میں دوران سفر ٹکٹ نہ لینا۔ بجلی چوری کرنا وغیرہ۔

محمد فاروق

ج: موجودہ حکومت اور نظام حکومت کچھ اسلامی اور کچھ غیر اسلامی ہے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ابوداود، ترمذی اور مستدرک حاکم میں موجود ہے: ﴿أَدِّ الْأَمَانَةَ إِلٰى مَنِ ائْتَمَنَكَ ، وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ﴾ [جو تیرے ساتھ امانت داری کا سلوک کرے تو بھی اس سے ایسا ہی کر اور جو تیرے ساتھ خیانت کرے تو اس سے خیانت نہ کر[1]]

۱۴۲۰/٦/۲۴ھ

س: موجودہ ہماری حکومت کی چوری جوکہ اسلامی نہیں ہے بندہ کرسکتا ہے کہ نہیں جبکہ سرکار اس سے طرح طرح کے سرچارج وصول کرتی ہے اور اتنے ٹیکس لگاتی ہے جو انسان برداشت نہیں کرسکتا؟ حافظ محمد فاروق تبسم

ج: نہیں کرسکتا کیونکہ چوری آخر چوری ہے ہاں مسلمان قیدیوں کو جو جہاد کرتے کفار نے گرفتار کر لیے ہوں۔ ان کی قید سے خفیہ بھی نکالا جاسکتا ہے۔ [ایک صحابی رضی اللہ عنہ جن کا نام مرثد بن ابو مرثد تھا یہ مکہ سے مسلمان قیدیوں کو اٹھا لایا

---

[1] [ترمذی ابواب البیوع جلد اول ص ۲۳۹ ابوداود ۔ کتاب البیوع ۔ باب فی الرجل یاخذ حقہ من تحت یدہ]

کرتے اور مدینے پہنچا دیا کرتے تھے [1]]

۱۴۱۹/۱۲/۳ھ

س: جناب میرا گاؤں میرے دفتر سے ۳۰ کلو میٹر دور ہے۔ جہاں پہنچنے تک میرا کرایہ بیس روپے لگتا ہے آپ کو بتایا ہے میں طالب علم بھی ہوں۔ ایک بجے تک ملازمت کرتا ہوں۔ اور پھر وہیں پر ٹیوشن پڑھتا ہوں۔ دونوں کام کرتا ہوں اگر میں کرایہ بھی دوں تو ساری تنخواہ کرایوں میں نکل جاتی ہے میں طالب بھی ہوں۔ اگر کنڈیکٹر کو Student کہوں تو کیا یہ میرا جھوٹ تو نہیں ہے۔ اس کے متعلق میری رہنمائی کریں۔

ج: (۱) آپ نے لکھا ہے ''جہاں پہنچنے تک میرا کرایہ بیس روپے لگتا ہے'' یہ کرایہ یکطرفہ ہو تو ماہانہ چھ سو روپے یکطرفہ اور بارہ سو روپے ماہانہ دوطرفہ بنتے ہیں اگر یہ کرایہ دوطرفہ ہے تو چھ سو روپے ماہانہ دوطرف بنتے ہیں صورت کوئی بھی ہو آپ کا لکھنا ''تو ساری تنخواہ کرایوں میں نکل جاتی ہے'' بات قرین قیاس معلوم نہیں ہوتی کیونکہ آپ کی تنخواہ بہرحال بارہ سو روپے سے تو زائد ہی ہے۔ اگر آپ واقعی وہ سٹوڈنٹ ہیں جس کو گورنمنٹ نے بذریعہ کارڈ تخفیف کرایہ والی رعایت دے رکھی ہے تو آپ کا کنڈیکٹر کو سٹوڈنٹ کہنا اور اس کا ثبوت مہیا کرنا جھوٹ نہیں ورنہ جھوٹ ہے۔

۱۴۲۰/۶/۲۶ھ

س: عرض خدمت ہے کہ جب سے طاغوت کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بصیرت سے نوازا ہے اپنے کام کے بارے میں دل مطمئن نہیں ہوتا۔

ہمارے کام (کاروبار) وثیقہ نویسی اور اسٹام فروشی کی تفصیل یہ ہے کہ وثیقہ نویسی سے مراد تو ان دوفریقین کے درمیان جو معاملہ خرید وفروخت، شراکت، کرایہ داری یا ٹھیکہ داری میں طے پایا اس کو عدل کے ساتھ تحریر کر دینا ہے۔ مگر دوسری طرف اسٹام فروشی کا معاملہ ہے جس میں حکومت (ضلع کے ڈپٹی کمشنر) کی طرف سے ہمیں ایک لائسنس جاری ہوتا ہے جس کے تحت ہم ان کے لائسنس دار اسٹام فروش بن جاتے ہیں۔ اور گورنمنٹ ہمیں اپنا ملازم سمجھتی ہے۔ ہمارا کام یہ ہے کہ اس لائسنس اسٹام فروشی کے تحت ہم سٹمپ پیپرز خریدتے ہیں۔ جس پر ہمیں ۴ فیصد کے حساب سے کمیشن ملتا ہے۔ یہ سٹمپ پیپرز زیادہ تر جائیداد کی خرید وفروخت کے کام آتے ہیں۔ یعنی مذکورہ سٹمپ پیپرز جائیداد اور زمینوں کی خرید وفروخت پر موجودہ (طاغوت) حکومت کا ٹیکس ہے۔ جس کو جمع کروا کے ہم اس طاغوتی حکومت کے اس ٹیکس

[1] [سنن ابی داود ۔ کتاب النکاح ۔ باب فی قوله الزانی لا ینکح الا زانیة ۔ جامع ترمذی ۔ ابواب التفسیر من سورة النور تفسیر ابن کثیر ۔ ج۳ ص۵۱۶]

کی وصولیابی کے لیے تعاون کر رہے ہیں۔ نیز ہمارے کاروبار کی ایک اور شکل یہ ہے کہ کوئی شخص جب کوئی جائیداد خریدتا ہے تو اس وقت تک اس جائیداد کی رجسٹری نہیں ہوتی (یعنی خریدار اس جائیداد کا مالک نہیں بنتا) جب تک حکومت کو مقرر کردہ ٹیکس ادا نہیں کر دیتا۔ ہمارا کاروبار جائیداد کے خریدار سے حکومت کا مقرر کردہ ٹیکس معہ سروس (مزدوری) لے کر گورنمنٹ سے رجسٹری (SALE DEED) لے کر گورنمنٹ کے مروجہ طریقے کے مطابق دستاویزات کی تکمیل کروا دیتے ہیں۔

ایک مسئلہ یہ ہے کہ اس طرح ٹیکس لینے کا جواز اسلام میں موجود ہے۔ یا ہمارے لیے اس کو بطور کاروبار اختیار کرنا جائز ہے۔ مہربانی کر کے قرآن کریم، نبی ﷺ کی سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع کی روشنی میں ہماری رہنمائی فرمائیں تا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دین کے مطابق اپنے کاروبار اور عام زندگی سنوار سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسلام میں پورا پورا داخل ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ محمد شفیع: توصیف انٹر پرائز ز ٹاؤن شپ لاہور

ج: حکومت مسلمان ہو خود اسلام کی پابند رعیت کو اسلام کی پابند بنانے والی ہو طاغوت نہ ہو حکومت و رعیت باہمی رضامندی سے کوئی ٹیکس طے کر لیں جس کے لگانے وصول کرنے اور مصارف پر صرف کرنے میں کوئی چیز خلاف شرع نہ ہو تو ایسے ٹیکس میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں اور نہ ہی اس کی وصولی پر موظف بننے میں کوئی حرج ہے بشرطیکہ اپنی ذمہ داری عدل انصاف کے ساتھ ادا کرے اور رشوت وغیرہ ناجائز امور سے اجتناب کرے۔

یاد رہے زکاۃ اسلام کا ایک بنیادی رکن ہے ٹیکس نہیں نہ ہی ٹیکس زکاۃ ہے بعض لوگ اس سلسلہ میں غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ واللہ اعلم ۲۹/۷/۱۴۲۰ھ

س: جیسا کہ معلوم ہے اگر کسی چیز کو کسی چیز جبکہ جنس ایک ہو سے بیع کرنی ہو تو اس میں یداً بید اور مثلاً بمثل کی شرط ہے تو عام رواج ہے کہ آپس میں گھروں میں اور محلوں میں جب کوئی کسی سے آٹا یا کوئی بھی چیز ادھار لی جاتی ہے پھر اس کے بعد ادا کی جاتی ہے تو ایک طرف سے تو یہ یداً بید ہے اور دوسری طرف سے نسیئۃ ہے کیا یہ جائز ہے؟

نیز اگر واپس کرنے والا شخص پیسے دینا چاہے وہ چیز واپس نہ کرے تو وہ پیسے ادا کرتے وقت کی قیمت سے لیے جائیں گے یا اس وقت کی قیمت جس وقت اس نے چیز لی تھی؟ عبدالرحمن ضیاء

ج: یداً بید مثلاً بمثل بیع کی صورت میں ہے آپ نے جو صورت ذکر کی ہے وہ عاریہ اور ادھار کی صورت ہے اور ظاہر ہے کہ عاریہ اور ادھار میں یداً بید والا قاعدہ نہیں چلتا ورنہ عاریہ اور ادھار کا حرام ہونا لازم آئے گا۔ ہاں سود عاریہ

اور ادھار کی صورت میں بھی آ جائے تو وہ ناجائز ہے۔ ایک چیز عاریہ اور ادھار دے کر واپسی کے وقت اس کی قیمت وصول کرنا اگر سود کے لیے حیلہ یا سود نہ بنے تو جائز ہے۔ واللہ اعلم ۱/۴/۱۴۱۰ھ

س: اسلام میں شرط لگانا حرام ہے بعض لوگ کہتے ہیں اسی چیز کو ہم انعام قرار دیتے ہیں کیونکہ جیتنے والوں کو تو یہ انعام ملتا ہے جبکہ شرط وہ ہوتی ہے ہارنے والے اور جیتنے والے دونوں فریق پر چٹی پڑے۔ حافظ محمد فاروق

ج: ناجائز اور حرام شرط کا نام انعام رکھ لینے سے وہ شرط جائز نہیں بن جائے گی۔ اس کی مثال اس طرح سمجھ لیں کہ خمر و شراب کا نام طلاء رکھ لینے سے وہ جائز تو نہیں ہو جائے گی۔ ۳/۱۲/۱۴۱۹ھ

س: بیع امہات الاولاد میں راجح قول کون سا ہے علی، جابر اور عمر بن عبدالعزیز وغیرہ کا یا عمر رضی اللہ عنہ اور جمہور کا؟

عبدالرحمٰن ضیاء

ج: بیع امہات الاولاد کے سلسلہ میں علی بن ابی طالب، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول راجح ہے اور اماء امہات الاولاد کی بیع درست ہے بشرطیکہ ان کی بیع کتاب وسنت میں آمدہ اصول وشروط کے موافق ہو۔ ۱۷/۶/۱۴۲۰ھ

س: ایک شخص نے ۵۰ روپے میں انعامی بانڈز کا ایک نمبر خریدا جس پر اسے ۵ لاکھ روپے انعام ملا۔ یہ ۵ لاکھ اس کے لیے حلال ہے یا حرام؟ ایک سائل

ج: صورت مسئولہ میں ۵ لاکھ روپے حرام ہیں۔ ۴/۸/۱۴۱۸ھ

س: (۱) گھی بیچنے والوں کی طرف سے ایک ٹوکن گھی کے ڈبے سے نکلتا ہے جس میں کچھ انعام رکھا ہوتا ہے جس خریدار کے ڈبے یا بالٹی سے وہ ٹوکن نکل آتا ہے وہ اسے انعام دے دیتے ہیں بعض دفعہ کسی کا کوئی پلاٹ بھی نکل آتا ہے یاد رہے کہ اس میں ان کی طرف سے کوئی شرط نہیں ہوتی کہ اتنا گھی خریدو تو پھر یہ انعام ہے ورنہ نہیں بس جس کے پیکٹ سے وہ پرچی نکلے اسے دے دیتے ہیں۔

(۲) اسی طرح بریلوی فرقہ میں رواج ہے جو ان کی محفل نعت میں شرکاء ہوتے ہیں یعنی سامعین تو وہ آپس میں قرعہ ڈالتے ہیں جس کے نام پر قرعہ نکل آئے وہ اسے عمرہ کا ٹکٹ دیتے ہیں (یعنی اختتام محفل کے وقت) اب ان دونوں فریقوں میں سے پہلے کا مقصد تو بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا گھی زیادہ فروخت ہو اور دوسرے کا یہ کہ ہماری تعداد زیادہ ہو اگر کسی کا انعام یا عمرے کا ٹکٹ نکل آئے تو وہ لے لے یا رد کر دے شرعی حکم کیا ہے؟

حافظ یحییٰ اور شفیق الرحمٰن فرخ

ج: (۱) آپ کا ذکر فرمودہ ٹوکن والی صورت اور اس قسم کی اور صورتیں جو بائع لوگوں نے اختیار کر رکھی ہیں قمار، میسر اور جوا ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ﴾ الآیۃ [اور سوال کرتے ہیں آپ سے شراب اور جوا کے بارے] [1] نیز اللہ تعالیٰ کا ہی فرمان ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ﴾ [2] [اے ایمان والو یہ جو ہے شراب اور جوا ہے]

(۲) یہ صورت قمار و میسر میں شامل نہیں صرف تحریض وترغیب کی ایک صورت ہے لَشَهِدَ الْعِشَآءَ اور چقندر والی اماں کی دعوت والی صورت ہے البتہ اس میں انسان کے دین وعقیدہ کے کتاب وسنت کے منافی ہونے کا خدشہ ہو تو ٹکٹ لینے والے کو اس کا خاص خیال رکھنا ہوگا۔ ۱۷/۶/۱٤۲۰ھ

س: ہمارے علاقے میں ایک بیع ہے جس کی صورت یہ ہے کہ زید کے پاس ۱۰ بکریاں ہیں اور ان کی صحیح قیمت (۱۰۰۰۰) دس ہزار ہے تو زید یہ بکریاں عمرو کو دیتا ہے اور ان کی رقم (۱۰۰۰۰) دس ہزار عمرو زید کو ان کے نر بکرے جو ہوں گے ان کو بیچ کر ادا کرے گا۔ اس کے بعد ان تمام بکریوں اور ان کے بچوں میں آدھا حصہ زید کا اور آدھا حصہ عمرو کا ٹھہرے گا یعنی دس سے بڑھ کر ۲۰ ہوئی ہوں تو دس بکریاں زید کی ہوں گی اور دس بکریاں عمرو کی ہوں گی۔ اس مسئلہ کا حل قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح کریں۔ شکریہ عبداللہ سلیم میر پور خاص سنترہ

ج: آپ نے بیع کی جس صورت کے متعلق سوال فرمایا بیع کی وہ صورت ناجائز ہے۔

اولاً: اس لیے کہ اس میں طے کر لیا گیا ہے ''ان کی رقم (۱۰۰۰۰) دس ہزار عمرو زید کو ان کے نر بکرے جو ہوں گے ان کو بیچ کر ادا کرے گا'' اور یہ جاہلیت کی بیع حبل الحبلۃ سے ملتی جلتی شکل ہے جبکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے ''رسول اللہ ﷺ نے بیع حبل الحبلۃ سے منع فرمایا ہے''۔

ثانیاً: اس لیے کہ اس میں دو شرطیں پائی جاتی ہیں ایک نر بکرے جو ہوں گے الخ دوسری آدھے حصے والی ادھر ابوداود، ترمذی اور نسائی میں ہے ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک بیع میں دو شرطیں حلال نہیں''۔

ثالثاً: اس لیے کہ یہ ایک بیع دو بیعوں پر مشتمل ہے ایک نقد دس ہزار اور دوسری ادھار دس ہزار مع بکریوں کا آدھا حصہ جبکہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بیع میں دو بیعوں سے منع فرمایا ہے۔ [3]

رابعاً: اس لیے کہ یہ سود پر مشتمل ہے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا

---

[1] [البقرة ۲۱۹ پ۲] [2] [المائدة ۹۰ پ۷] [3] ابوداود، ترمذی اور نسائی

أَوِ الرِّبَا﴾ [1] [جو ایک بیع میں دو بیعیں کرتا ہے پس اس کے لیے دونوں سے کم ہے یا سود ہے] اب ظاہر ہے کہ دس ہزار تو بکریوں کی قیمت ہے اور کچھ مدت کے بعد دس ہزار مع نصف بکریاں وصول کرنے میں نصف بکریاں سود کے زمرہ میں ہی شامل ہوں گی اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیکی کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین ۔ تو ان چار وجوہ کی بنا پر بیع ناجائز اور حرام ہے ۔ واللہ اعلم ٦/١١/١٤١٩ھ

س : کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارہ میں کہ ایک شخص زرعی بنک میں ملازم ہے جو کہ سود کا کاتب ہونے کی وجہ سے لعنتی ہے کیا حکم ہے اس کے رشتہ داروں کے بارہ میں اس سے میل جول اور کھانا پینا کر سکتے ہیں؟

شبیر احمد ساجد

ج : اس کے رشتہ دار اس سے میل جول رکھیں ، اسے کوئی چیز اپنی طرف سے دے بھی دیں البتہ اس سے کوئی چیز نہ لیں اور نہ ہی اس کے گھر کا کھانا کھائیں کیونکہ اس کی کمائی حرام ہے نیز اسے سمجھاتے بھی رہیں تاوقتیکہ وہ توبہ کرے ۔

٩/٦/١٤١٤ھ

س : (١) میں یونائیٹڈ بینک میں منیجر ہوں کیا میری نوکری شرعاً جائز ہے اور خاندان کی کفالت بھی میرے ذمہ ہے؟

(٢) آیا آج کل بلاسودی شراکتی کھاتہ کی بینکاری جائز ہے؟ اورنگ زیب

ج : (١) آپ کی نوکری بالکل ناجائز اور حرام ہے اس کو آپ پہلی فرصت میں چھوڑ دیں اور کوئی حلال کاروبار اختیار فرمائیں اللہ پر توکل کریں یقیناً وہ آپ کی مدد فرمائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ کیونکہ آپ نے محض اسی کی رضا کے لیے اس ملازمت کو چھوڑنا ہے ۔

(٢) بلاسود بینکاری کی کوئی صورت آپ لکھ بھیجیں ان شاء اللہ تعالیٰ کتاب وسنت کی روشنی میں اس کا حکم واضح کیا جائے گا ۔ ٣/٨/١٤١١ھ

س : آج کل بولی والی کمیٹی کا بڑا زور شور اور بڑے بڑے لوگ اس میں حصہ لیتے ہیں اس کی کیا حیثیت ہے کیا یہ سودی کاروبار کے زمرہ میں آتی ہے یا نہیں؟ غلام مصطفیٰ شیخوپورہ

ج : بولی والی کمیٹی سود ہے کیونکہ اس میں زیادہ پیسے کی کم پیسے کے ساتھ بیع پائی جاتی ہے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿لاَ تَبِيْعُوْا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ إِلاَّ مِثْلاً بِمِثْلٍ ، وَلاَ تُشِفُّوْا بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ ،

---

[1] ابو داود

وَلاَ تَبِيْعُوْا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ اِلاَّ مِثْلاً بِمِثْلٍ وَلاَ تُشِفُّوْا بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ، وَلاَ تَبِيْعُوْا مِنْهَا غَائِبًا بِنَاجِزٍ﴾ [سونا سونے کے بدل نہ بیچو مگر برابر برابر اور زیادہ کم مت بیچو اور چاندی کو چاندی کے بدل نہ بیچو مگر برابر برابر اور ایک طرف زیادہ دوسری طرف کم نہ ہو اور نہ ایک طرف ادھار دوسری طرف نقد] صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ ، وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ الحديث وفي آخره : "فَمَنْ زَادَ أَوِ اسْتَزَادَ فَقَدْ أَرْبٰى الْآخِذُ وَالْمُعْطِيْ فِيْهِ سَوَاءٌ﴾ [سونا سونے کے بدلے اور چاندی چاندی کے بدلے الحدیث اور اس کے آخر میں ہے کہ جس نے زیادہ دیا یا زیادہ کا مطالبہ کیا پس وہ سود میں پڑ گیا لینے والا اور دینے والا اس میں برابر ہیں] نیز صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ رِبًا اِلاَّ هَاءَ وَهَاءَ ، وَالْوَرِقُ بِالْوَرِقِ رِبًا اِلاَّ هَاءَ وَهَاءَ﴾ الحدیث [سونا سونے کے بدلے سود ہے مگر نقد و نقد اور چاندی چاندی کے بدلے سود ہے مگر نقد و نقد] اور معلوم ہی ہے کہ سود حرام ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ [اور حلال کیا اللہ نے بیع کو اور حرام کیا سود کو] ١٤١٩/١١/٢٥ھ

س: ایک آدمی بائیس لاکھ کی دوکان خریدتا ہے نصف جس کے ۱۱ لاکھ ہوتے ہیں پانچ لاکھ بیعانہ دے دیتا ہے اور کچھ مدت کے بعد باقی دے دینے کا وعدہ کرتا ہے پوری کوشش کے باوجود باقی پیسے نہ دے سکا اس کے بعد دوکان والا اس کے پانچ لاکھ نہیں دے رہا اور کہتا ہے کہ اب دکان کی قیمت کم ہوگئی اس لیے میں آپ کے پانچ لاکھ دینے کا پابند نہ ہوں تمہارے پیسے ختم ہوگئے کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں۔ شکریہ سعید ولد بشیر احمد 11/4/98

ج: مندرجہ بالا سوال کے صحیح ہونے کی صورت میں جواب حسب ذیل ہے بتوفیق اللہ سبحانہ وتعالیٰ وعونہ بیعانہ کی رقم مبلغ پانچ لاکھ مشتری کو واپس کرے شرعاً اس کو ضبط کرنے کا کوئی جواز نہیں باقی دوکان کی قیمت کا اب کم ہو جانا بیعانہ کی رقم کو ضبط کرنے کی شریعت میں کوئی وجہ جواز نہیں۔ واللہ اعلم ١٤١٨/١٢/١١ھ

س: (۱) انتظامیہ مسجد کے لیے جو فنڈ اکٹھا کرتی ہے کیا اس میں سے خادم، امام اور خطیب کو تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں؟
(۲) امام مسجد اپنے مقتدیوں سے چرمہائے قربانی اکٹھے کر کے اپنی بیوی کا علاج کرواسکتا ہے جبکہ پہلے علاج کرواتے کرواتے مقروض ہوگیا ہے۔ عبدالغفور

ج: (۱) انتظامیہ نے اگر دو کھاتے بنا رکھے ہیں مسجد کے لیے الگ اور خادم، امام اور خطیب کی تنخواہ کے لیے الگ تو پھر مسجد کے کھاتے سے خادم، امام اور خطیب کو تنخواہ نہیں دے سکتے اور اگر انتظامیہ نے دو الگ الگ کھاتے نہیں بنائے

مسجد، خادم، امام اور خطیب کے لیے ایک ہی مشترکہ کھاتہ بنا رکھا ہے تو پھر مسجد کے لیے جو فنڈ اکٹھا کیا جاتا ہے اس سے خادم، امام اور خطیب کو تنخواہ دینا درست ہے۔

(۲) امام مسجد اپنے مقتدیوں سے چرمہائے قربانی لے سکتا ہے بشرطیکہ چرمہائے قربانی امامت، خطابت، تعلیم قرآن وحدیث یا کسی اور چیز کی اجرت نہ بنیں اگر وہ اجرت بن جائیں تو پھر نہیں لے سکتا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے چرمہائے قربانی یا گوشتہائے قربانی کو اجرت میں دینے سے منع فرمایا ہے۔ ۱۴۱۹/۸/۱ھ

س: کیا امامت اور نکاح پڑھانے کی اجرت لینا حدیث سے ثابت ہے؟ ابو سعد منصور ضلع ایبٹ آباد

ج: صحیح بخاری میں موجود رسول اللہ ﷺ کے فرمان ﴿إِنَّ اَحَقَّ مَا اَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ﴾ [1] [سب سے زیادہ جس چیز پر تم اجرت لینے کا حق رکھتے ہو وہ اللہ کی کتاب ہے] سے ثابت ہوتا ہے۔ ۱۴۱۹/۱۱/۲۷ھ

س: تقریر کے لیے وظیفہ لینا اور ضد سے لینا کیسا ہے تفصیل سے بیان کریں؟ محمد یوسف شاہ

ج: درست ہے شرعاً اس میں کوئی گناہ نہیں۔ ۱۴۱۸/۴/۲۸ھ

س: کیا خطیب اور واعظ جمعہ کے خطبے اور درس وغیرہ کی مقرر کر کے تنخواہ لے سکتا ہے؟ حافظ محمد طیب لاہور

ج: لے سکتا ہے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ اَحَقَّ مَا اَخَذْتُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ﴾ [سب سے زیادہ جس چیز پر تم اجرت لینے کا حق رکھتے ہو وہ اللہ کی کتاب ہے] ۱۴۱۲/۱۰/۱۹ھ

س: مسئلہ یہ ہے کہ کیا امامت، خطابت، تدریس قرآن، نماز تراویح میں قرآن سنانا، قرآنی دم اور قرآنی تعویذ کی اجرت متعین کر کے لینا اس کا شرع میں کیا حکم ہے بالدلائل جواب دیں؟ محمد اکرم عربی ٹیچر ضلع اوکاڑہ 19/3/86

ج: **صحیح بخاری جلد دوم کتاب الطب باب الشرط فی الرقیة بقطیع من الغنم صفحہ ۸۵۴** میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کے آخر میں ہے: ﴿فَانْطَلَقَ رَجُلٌ مِنْهُمْ فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ عَلٰى شَاءٍ فَبَرَأَ فَجَاءَ بِالشَّاءِ إِلٰى اَصْحَابِهِ فَكَرِهُوْا ذٰلِكَ وَقَالُوْا أَخَذْتَ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ أَجْرًا حَتّٰى قَدِمُوْا الْمَدِيْنَةَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَخَذَ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ أَجْرًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِنَّ اَحَقَّ مَا اَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ﴾ [صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک آدمی گیا تو اس نے چند بکریوں کے عوض سورۃ الحمد پڑھ کر دم کیا وہ آدمی تندرست ہو گیا وہ بکریاں لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس آیا انہوں نے اس کو برا سمجھا اور کہا تو نے

[1] [صحیح بخاری کتاب الطب باب الشرط فی الرقیة ص ۸۵۴ ج ۲]

اللہ کی کتاب پر مزدوری لی ہے یہاں تک کہ وہ مدینہ آئے اور انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ اس نے اللہ کی کتاب پر مزدوری لی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس پر مزدوری لینے کے تم سب سے زیادہ حق دار ہو وہ اللہ کی کتاب ہے] اس حدیث سے ثابت ہوا اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید پر اجرت لینا درست ہے خواہ دم کی صورت ہو خواہ تعلیم کی خواہ نماز وغیرہ میں سنانے کی ایسی صورت نہ ہو جہاں ویسے بھی قرآن پڑھنا شرع سے ثابت نہ ہو جیسے قبر پر قرآن پڑھنا درست نہیں کیونکہ آپ ﷺ کے لفظ اِنَّ اَحَقَّ الخ کلام مستقل اور عام ہیں ''وَالْعِبْرَةُ بِعُمُوْمِ اللَّفْظِ لاَ بِخُصُوْصِ السَّبَبِ اِلاَّ اَنْ يَمْنَعَ مِنَ الْعُمُوْمِ مَانِعٌ'' [اعتبار لفظوں کے عموم کا ہوگا نہ کہ سبب کے خصوص کا مگر یہ کہ عموم سے کوئی چیز مانع ہو]

رہے قرآنی اور غیر قرآنی تعویذ تو وہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہی نہیں۔ ١٦ رجب ١٤٠٦ھ

س : میں ایک جگہ پڑھانے کے لیے جاتا تھا پھر مصروفیت کی بنا پر چھوڑ دیا اور اپنی جگہ اپنے دوست کو پڑھانے کے لیے لگا دیا۔ میں نے اپنے دوست کو کہا کہ آپ مجھے پہلی تنخواہ دے دیں تو مہربانی ہوگی۔ اس نے یہ بات بخوشی مان لی۔ اب وہ تنخواہ میرے لیے جائز ہے یا نہیں؟ حافظ محمد فاروق

ج : بہتر ہے آپ ان سے پیسے نہ لیں اور اگر لیے ہیں تو واپس کر دیں۔ ٢٤/٦/١٤٢٠ھ

س : محترم میں نے آپ سے مسئلہ پوچھا تھا کہ بال و داڑھی کاٹنے والا کام جائز ہے یا اس کام کو کرنے والوں کے ہاتھوں کچھ کھا لینا چاہیے یا کہ نہیں تو آپ نے فرمایا تھا کہ کام کرنا بھی حرام ہے اور کھانا بھی حرام ہے تو الحمد للہ میں نے پہلے بھی سعودیہ چھوڑا اور اس وقت ٦ لاکھ کا نقصان ہوا اب دوسری دفعہ جھگڑا ہوا ہے کہ آپ لوگ کویت جائیں پہلے کویت کا ویزہ آیا تو میں نے انکار کیا پھر ان دنوں دوبارہ بھائی نے ویزہ بھیجا ہے اور میں مکمل طور پر انکار کیے بیٹھا ہوں اس وقت ماں باپ دلی طور پر سخت ناراض ہیں۔ میں پریشان ہو جاتا ہوں کہ اگر میں نے ماں باپ کی نافرمانی کی تو اللہ ناراض ہوگا مجھے بتائیں اگر میں وقتی طور پر چلا جاؤں وہاں جا کر کچھ وقت کام کر کے معاوضہ نہ لوں اور ساتھ کسی جائز کام کی تلاش کروں جب مجھے کام مل جائے اور وہ چھوڑ کر میں کسی جائز کام کو اپنا لوں کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

عبداللہ سیالکوٹ

ج : داڑھی مونڈنا، منڈانا، کاٹنا اور کٹوانا حرام ہے ناجائز ہے یہ پیشہ اختیار کرنا بھی ناجائز ہے اس کام کی کمائی بھی ناجائز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ﴿أَعْفُوْا اللُّحٰی﴾ داڑھیوں کو بڑھاؤ یہ کام اور پیشہ مفت کرنا بھی ناجائز ہے وقتی

طور پر کرنا بھی ناجائز ہے رہا والدین کا مسئلہ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ احسان کا حکم دیا ہے ﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ رسول اللہ ﷺ نے والدین کے عقوق کو کبائر میں شمار فرمایا ہے لیکن آپ کا یہ فرمان بھی موجود ہے ﴿لا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ﴾ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں۔ ۱۴۱۸/۸/۲۱ھ

س :ایک آدمی اپنے حق کے لیے رشوت دیتا ہے کیونکہ رشوت کے بغیر اس کا کام نہیں بنتا اس کو حق نہیں ملتا۔ اس صورت میں کیا رشوت دینا ٹھیک ہے مجھے نوکری کی ضرورت ہے آسامیاں بھی خالی ہیں اس ملک کا شہری ہونے کے ناطے حق بھی بنتا ہے لیکن بغیر رشوت کے کوئی پرسان حال نہیں؟ حافظ محمد فاروق تبسم

ج : رشوت بہر حال رشوت ہے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے اپنا حق لینے کے لیے رشوت کسی کا حق غصب کرنے کے لیے رشوت کی طرح نہیں۔ ۱۴۱۹/۱۲/۳ھ

س :بعض اوقات ہمیں اپنا حق لینے کے لیے رشوت دینا پڑتی ہے اس کا کیا حکم ہے؟ ایم رحمت علی انصاری 21/9/93

ج : رشوت بہر حال رشوت ہے البتہ اپنا حق وصول کرنے کے لیے مال دینا مال دے کر ظلم کروانے یا مال لے کر ظلم کرنے والی رشوت میں شامل نہیں۔ ۱۴۱۴/۴/۱۳ھ

س :اگر رشوت دے کر جائز کام کروالیا جائے تو کیسا ہے؟ محمد امجد میر پور آزاد کشمیر 16 اگست 1999

ج :رشوت بہر حال رشوت ہے جس سے اجتناب ضروری ہے البتہ جس رشوت پر آگ کی وعید سنائی گئی ہے وہ جائز کام والی نہیں۔ ۱۴۲۰/۶/۱۹ھ

س : جو آدمی رشوت دے کر نوکری حاصل کرتا ہے اس کی کمائی حلال رہے گی یا حرام؟ ابو عبد القدوس

ج :اگر نوکری والا کام شرعاً حلال و درست ہے تو کمائی حلال و درست ہے ورنہ حرام و ناجائز باقی رشوت لینا دینا درست نہیں۔ واللہ اعلم ۱۴۱۷/۱۰/۱۸ھ

کتاب المیراث ....وراثت کے مسائل

س :ایک شخص مثلاً زید ہے جس کی نہ کوئی اولاد ہے اور نہ بیوی بہن بھائی وغیرہ زید کہتا ہے کہ میں اپنی تمام منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد اپنی زندگی میں تندرستی کی حالت میں اپنے نواسے کے نام کرتا ہوں کیا یہ جائز ہے؟ عبدالرحمٰن کراچی

ج :زید ایسا نہیں کر سکتا زیادہ سے زیادہ غیر وارث کے حق میں ⅓ کی وصیت کر سکتا ہے جب وہ فوت ہو گا تو وصیت اور قرضہ کی ادائیگی کے بعد اس کی جائیداد کو اس کے قریبی یا بعیدی وارثوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ ۱۴۱۲/۲/۱۰ھ

س :اگر زید اپنا تمام مال نواسے کے نام ہبہ کرتا ہے کیا یہ صورت جائز ہے کیا وصیت اور ہبہ میں فرق ہے ہبہ جائز ہو اور وصیت ناجائز نواسے کے علاوہ نرینہ اولاد نہ ہو؟ عبدالرحمٰن کراچی

ج : آپ کے پچھلے سوال کا جواب بڑے محتاط طریق سے لکھا تھا کیونکہ سوال میں وارثوں کی وضاحت کما حقہ موجود نہ تھی اب کے آپ کے سوال سے پتہ چلتا ہے کہ زید کے ہاں نواسے کے علاوہ نرینہ اولاد نہیں جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ اس کے ہاں غیر نرینہ اولاد موجود ہے ایسی صورت میں تمام جائیداد نواسے کو ہبہ کرنا وارثوں کو محروم کرنا ہے جس کی شرعاً کوئی گنجائش نہیں باقی وصیت اور ہبہ میں فرق ضرور ہے مگر اس فرق کو وارثوں کے محروم کرنے کا حیلہ بنانا درست نہیں۔ ۱۴۱۲/۴/۲۴ھ

س :ایک مسئلہ کی وضاحت مطلوب ہے قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ کی وضاحت فرمائیں؟

میرے والد محترم پاکستان بننے سے پہلے فوت ہوئے تھے میرے والد کی وفات کے وقت ملکی قانون اور شریعت کے قانون دونوں کے مطابق وراثت تقسیم کی جا سکتی تھی لیکن میری والدہ محترمہ نے تمام جائیداد میرے چھوٹے بھائی کے نام لگوا دی جبکہ میں اور میری بڑی بہن اور میرا بھائی تینوں اس وقت نابالغ تھے اب اس واقعہ کو پچاس سال سے اوپر گزر چکے ہیں اس عرصہ میں میں نے اور میری بڑی بہن نے اپنے حصہ کا مطالبہ نہیں کیا ہے اور نہ ہی میں نے اور میری بہن نے اپنا حصہ معاف کیا ہے اور نہ ہی ہبہ کیا ہے کیا اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد اور جائیداد اپنے بھائی کے نام ہو جانے کے بعد ہم اپنے بھائی سے اپنے حصے کا مطالبہ کر سکتے ہیں یا نہیں اور کیا جن لوگوں نے شریعت کے قانون کے ہوتے ہوئے ملکی قانون کے مطابق جائیداد میرے بھائی کے نام لگوا دی تھی وہ گناہگار ہیں اگر وہ گناہگار ہیں تو اب ان

کے فوت ہو جانے کے بعد ان کے اس گناہ کا بوجھ ان سے اتارنے کا کوئی طریقہ ہے یا نہیں؟ حمیداں بیگم

ج: صورت مسئولہ میں آپ اور آپ کی بڑی بہن دونوں اپنے بھائی سے اپنا حصہ طلب کر سکتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ [1] [حکم کرتا ہے تم کو اللہ تمہاری اولاد کے حق میں کہ ایک مرد کا حصہ ہے برابر دو عورتوں کے] الآیۃ پھر آپ نے اور آپ کی بہن نے اپنا حصہ اپنے بھائی کو نہ ہبہ کیا ہے اور نہ ہی معاف کیا ہے اس لیے آپ کا اور آپ کی بہن کا اپنے حصہ کا مطالبہ درست ہے اور کتاب وسنت کے مطابق ہے اور آپ کے بھائی کا فرض ہے کہ وہ آپ کو اور آپ کی بہن کو دونوں کا حصہ واپس کر دے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ، وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا﴾ [2] [مردوں کا بھی حصہ ہے اس میں جو چھوڑ مریں ماں باپ اور قرابت والے اور عورتوں کا بھی حصہ ہے اس میں جو چھوڑ مریں ماں باپ اور قرابت والے تھوڑا ہو یا زیادہ ہو حصہ مقرر کیا ہوا ہے] اس طرح بھائی بھی گناہ سے بچ جائے گا اور والدہ بھی بھائی کے نام لگوانے کے گناہ سے بچ جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ﴾ [3] [پھر جو کوئی خوف کرے وصیت کرنے والے سے طرف داری کا یا گناہ کا پھر ان میں باہم صلح کرا دے تو اس پر کچھ گناہ نہیں] تو تقسیم میراث میں تو بطریق اولیٰ اصلاح میں کوئی گناہ نہیں بلکہ گناہ سے بچاؤ ہے۔

ہاں بھائی اور والدہ گناہ سے اس صورت میں بھی بچ سکتے ہیں کہ دونوں بہنیں اپنا حصہ اب کے اپنے بھائی کو ہبہ یا معاف کر دیں وہ بھی اپنی رضا و رغبت سے بلا کسی جبر و اکراہ اور بغیر کسی معاشرتی دباؤ کے تو بھی والدہ اور بھائی گناہ سے بچ جائیں گے۔ ان شاء اللہ سبحانہ وتعالیٰ

رہی ابن ماجہ کی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث: ﴿إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ : مَا كَانَ مِنْ مِيْرَاثٍ قُسِمَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَهُوَ عَلٰى قِسْمَةِ الْجَاهِلِيَّةِ ، وَمَا كَانَ مِنْ مِيْرَاثٍ أَدْرَكَهُ الْإِسْلَامُ فَهُوَ عَلٰى قِسْمَةِ الْإِسْلَامِ﴾ [4] [رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو میراث جاہلیت میں تقسیم کی گئی تو وہ جاہلیت کے طریقہ پر تقسیم ہو گئی اور جس میراث نے اسلام کو پا لیا وہ اسلام کے طریقہ پر تقسیم ہو گی] تو وہ بھائی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی اولاً تو اس لیے کہ اس کی سند میں ابن لہیعہ نامی راوی ضعیف ہے کما فی الترمذی۔ ثانیاً اگر دیگر شواہد کی بنیاد پر حدیث کو حسن لغیرہ تسلیم کر

[1] [النساء ۱۱ پ ٤] [2] [النساء ۷ پ ٤] [3] [البقرة ۱۸۲ پ ۲] [4] [مشکوة باب الفرائض ۔ الفصل الثالث]

بھی لیا جائے تو اس لیے کہ صورت مسئولہ میں میراث رسول اللہ ﷺ کے فرمان: ﴿وَمَا كَانَ مِنْ مِيْرَاثٍ أَدْرَكَهُ الْإِسْلَامُ فَهُوَ عَلٰى قِسْمَةِ الْإِسْلَامِ﴾ کے مطابق اسلام کے میراث کے اصول پر تقسیم ہوگی آپ ﷺ کے فرمان: ﴿مَا كَانَ مِنْ مِيْرَاثٍ قُسِمَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ﴾ الخ کے مطابق جاہلیت کے قانون پر تقسیم نہیں ہوگی کیونکہ جاہلیت عامہ تو رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ہی ختم ہو چکی ہے اور جاہلیت خاصہ بھی صورت مسئولہ میں ختم ہے کیونکہ مورث اور وارث سب مسلمان ہیں لہٰذا والدہ کا بہنوں کے حصہ کو بھائی کے نام لگوانا خواہ کسی ملکی قانون کے تحت ہی کیوں نہ ہو سراسر غلط اور گناہ ہے جس کی اصلاح ضروری ہے بہنوں کو واپس دینے کی صورت میں ہو خواہ بہنوں کے ہبہ یا معاف کر دینے کی صورت میں ہو۔ واللہ اعلم ١٤١٩/٦/١٢ھ

س: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں قرآن وسنت کی روشنی میں۔

(۱) کیا باپ اپنی زندگی میں اپنی جائیداد کو اپنی اولاد میں ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ﴾ کے مطابق تقسیم کر کے خود محروم ہو سکتا ہے؟

(۲) اگر جائیداد تقسیم کر سکتا ہے اور باپ کی زندگی میں بیٹا فوت ہو جائے تو کیا اب جائیداد واپس باپ کو منتقل ہوگی یا میت کا بیٹا وصول کرے گا جبکہ پوتا دادے کے ہوتے ہوئے جائیداد کا وارث نہیں ہے۔

(۳) کیا اولاد باپ کو مجبور کر سکتی ہے کہ وہ اپنی جائیداد بیچ کر رقم کو اولاد میں تقسیم کر دے؟ ابو طلحہ بہاولنگر

ج: (۱) ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ﴾ والے رکوع میں ﴿مَا تَرَكَ﴾ اور ﴿مِمَّا تَرَكَ﴾ کے الفاظ موجود ہیں نیز ترکہ کی حقیقت میں موت کے بعد چھوڑے ہوئے مال کی قید موجود ہے پھر میراث اور وراثت کے الفاظ بھی زندگی کے ختم ہونے کے بعد پر دلالت کر رہے ہیں تو ان دلائل کی بنا پر انسان اپنے مال کو اپنی اولاد یا دیگر وارثوں میں ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ الخ﴾ کے مطابق تقسیم نہیں کر سکتا۔

ہاں صحیح بخاری میں مروی نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ والی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان اپنی جائیداد کا کچھ حصہ اپنی زندگی میں اپنی اولاد کو بطور عطیہ یا ہبہ دے سکتا ہے[1] یاد رہے اس عطیہ اور ہبہ میں ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ والا اصول پیش نظر نہیں رکھا جائے گا کیونکہ یہ موت کے بعد میراث وترکہ میں ہے بلکہ زندگی میں اولاد کو عطیہ یا ہبہ کرتے وقت لڑکے اور لڑکی کو برابر برابر دیا جائے گا۔

(۲) زندگی میں جائیداد تقسیم کا حکم جواب نمبر ۱ میں بیان ہو چکا ہے تو اب دیکھا جائے گا زندگی میں جو جائیداد تقسیم کی گئی ہے اگر شریعت کے مطابق ہے تو فبہا اور اگر مطابق نہیں تو اب اس کو شریعت کے مطابق بنا لیا جائے گا تو دونوں

[1] [بخاری۔ كتاب الهبة وفضلها والتحريض عليها۔ باب الهبة للولد]

صورتوں میں جوفوت ہونے والے بیٹے کا حصہ بنے گا وہ اس بیٹے کے فوت ہونے کے بعد اس کے ترکہ میں شامل ہوگا اور ترکہ ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ﴾ کے مطابق تقسیم ہوگا اور اس سے اس بیٹے کی بیوی اور اولاد کو بھی حصہ ملے گا اور اس کے والدین کو بھی حصہ ملے گا۔

رہا ''پوتے کا دادے کے ہوتے ہوئے وارث نہ ہونا'' تو وہ شریعت کا کوئی اصول نہیں البتہ ''میت کے پوتے کا میت کے بیٹے (خواہ پوتے کا باپ ہو خواہ چچا یا تایا) کی موجودگی میں پوتا میت کا وارث نہیں ہوتا'' شریعت کا اصول ہے ایسی صورت میں دادا اپنے پوتے کے لیے وصیت کرے قرآن مجید میں ہے ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۨالْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ﴾ [1] [فرض کر دیا گیا ہے تم پر جب حاضر ہو کسی کو تم میں موت بشرطیکہ چھوڑے کچھ مال وصیت کرنا ماں باپ اور رشتہ داروں کے لیے]

(۳) نہیں۔ ہاں اگر باپ مناسب سمجھے تو شریعت کے اصول کے مطابق ایسا کر سکتا ہے اولاد باپ کو تقسیم پر مجبور نہیں کر سکتی۔

یاد رہے باپ کو بھی اولاد کے سلسلہ میں کتاب وسنت کی پابندی ضروری ہے اور اولاد کو بھی باپ کے سلسلہ میں کتاب وسنت کی پابندی ضروری ہے۔ واللہ اعلم ۱۴۱۹/۱/۲۶ھ

س: تقریباً 1954 سے میں بطور پارٹنرز ستارہ فیکٹری کھیالی گیٹ گوجرانوالہ میں شامل تھا۔ اس پارٹنرشپ میں عبدالستار، عبدالغفار، محمد امین، محمد یونس صاحبان برابر کے حصہ دار تھے۔ بندہ کی 1983 میں ان سے علیحدگی ہوگئی۔ اس ضمن میں میرے حصہ میں اس علیحدگی پر مجھے سمال اسٹیٹ میں ایک فیکٹری جس کا رقبہ دو کنال تھا۔ بمع بلڈنگ اور مشینری وغیرہ حصہ میں ملی جس کی مالیت تقریباً سولہ لاکھ روپے بنتی تھی۔ اور ایک عدد رہائشی مکان تعمیر شدہ وغیر تعمیر شدہ جس کے ساتھ سات عدد دکانیں بھی ہیں جس کی مالیت تقریباً دس لاکھ روپے تھی ملیں۔ فیکٹری میں میں اور میرے بیٹے اکٹھے کام کرتے ہیں اور اسی طرح رہائش بھی ایک ہی مکان میں رکھتے ہیں اب میری علماء کرام سے گزارش ہے کہ کتاب وسنت کی روشنی میں میری رہنمائی فرمائی جائے۔ کہ بندہ اب 1983 کی بنیاد پر تقسیم کرے یا موجودہ مارکیٹ کے حساب سے قیمت کے لحاظ سے تقسیم کی جائے؟ عبدالستار 19/2/91

ج: جناب کا مکتوب گرامی موصول ہوا۔ کتاب وسنت سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ انسان کی جائیداد کو

---

[1] البقرة ۱۸۰ پ ۲

اس کی وفات کے بعد وصیت وقرض ادا کرنے کے بعد اس کے وارثوں میں تقسیم کر دیا جائے چنانچہ قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کی سنت وحدیث میں میت کے ورثہ اور ان کے حصوں کی تفصیل موجود ہے اس لیے آپ اپنی جائیداد کو فی الحال تقسیم نہ فرمائیں ہاں آپ اپنی جائیداد میں سے کچھ اپنی اولاد کو دینا چاہیں تو بڑی خوشی سے دے سکتے ہیں پھر اولاد کو دیتے وقت عدل وانصاف کرنا آپ پر فرض ہے۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم ۱۴۱۱/۸/۱۹ھ

س: ایک آدمی نے مرنے سے پہلے اپنے بیٹوں کو نصیحت کی تھی۔ کہ میں جب مر جاؤں۔ اور میری جائیداد کا حصہ میری بیٹیوں کو بھی دینا۔ باپ کے فوت ہو جانے کے بعد اس کے بیٹے اپنی بہنوں کو ان کا حصہ نہیں دے رہے قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائیں ان کے اوپر کیا قانون نافذ ہوگا؟ محمد یٰسین

ج: قرآن مجید میں ہے ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا﴾ [مردوں کا بھی حصہ ہے اس میں جو چھوڑ مریں ماں باپ اور قرابت والے اور عورتوں کا بھی حصہ ہے اس میں جو چھوڑ مریں ماں باپ اور قرابت والے تھوڑا ہو یا زیادہ ہو حصہ مقرر کیا ہوا ہے] [1] اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾ [2] [اور جو کوئی نافرمانی کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی اور نکل جاوے اللہ کی حدوں سے ڈالے گا اس کو آگ میں ہمیشہ رہے گا اس میں اور اس کے لیے ذلت کا عذاب ہے] یہ آیتیں اور ان جیسی دوسری آیتیں ان کو پڑھاؤ سمجھاؤ۔ ۱۴۱۹/۵/۱ھ

س: کیا فرماتے ہیں علماء دین حق؟ کہ دو بھائی اور ایک بہن کی کچھ زمین تھی جو وراثت میں ان کے حصہ میں آتی تھی۔ تو بہن نے آج سے تیس سال پہلے اپنا حصہ دونوں بھائیوں کے نام لگوا دیا تھا۔ اپنی رضامندی سے۔ اب ان دو بھائیوں میں سے ایک بھائی فوت ہو گیا ہے تو اس فوت شدہ بھائی کی اولاد ہے اب مذکورہ بہن اپنا حصہ جو دونوں بھائیوں کے نام لگوایا تھا۔ وہ واپس لینے کا مطالبہ کر رہی ہے یہ مطالبہ اس بہن نے فوت شدہ بھائی سے اس کی موت سے قبل بیماری کے دنوں میں بھی کیا تھا۔ اور اس کے بعد اس کی اولاد سے اور دوسرے بھائی سے جو ابھی زندہ ہے۔ ان سے مطالبہ کر رہی ہے کیا بھائی اور دوسرے فوت شدہ بھائی کی اولاد پر ضروری ہے کہ وہ جو بہن نے آج سے تیس سال پہلے دونوں بھائیوں کے نام اپنا حصہ ان کے نام لگوایا تھا۔ وہ حصہ اپنی بہن کو واپس کریں۔ اور اگر وہ واپس نہ کریں تو

---

[1] [النساء ۷ پ ۴] [2] [النساء ۱۴ پ ۴]

کیا وہ گناہ گار ہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت کریں۔ شکریہ حافظ عبدالمنان رنگ پورہ سیالکوٹ

ج: آپ نے تحریر فرمایا ہے: ''بہن نے آج سے تیس سال پہلے اپنا حصہ دونوں بھائیوں کے نام لگوا دیا تھا۔ اپنی رضامندی سے'' آپ کا کلام ختم ہوا۔

اس کے بعد آپ خود ہی تحریر فرماتے ہیں ''اب مذکورہ بہن اپنا حصہ جو دونوں بھائیوں کے نام لگوا دیا تھا وہ واپس لینے کا مطالبہ کر رہی ہے'' آپ کا کلام ختم ہوا۔

بہن کے اب اپنا حصہ واپس لینے کا مطالبہ کرنے سے واضح ہو رہا ہے کہ آج سے تیس سال قبل بہن نے اپنا حصہ برضا ورغبت بھائیوں کے نام نہیں لگوایا تھا صرف معاشرہ کے دباؤ کے تحت وہ خاموش ہوگئی تھیں بھائیوں اور دیگر رشتہ داروں نے اسے اس کی رضامندی سمجھ لیا ورنہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ پہلے تو وہ اپنی رضامندی سے بھائیوں کے نام لگوائے اور اب تیس سال بعد واپس لینے کا مطالبہ شروع کر دے؟ ان حالات میں زندہ بھائی اور فوت شدہ بھائی کی اولاد پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ بہن کا حصہ واپس کریں ورنہ وہ فرض کے تارک اور گناہ گار ہوں گے اللہ تعالیٰ نے سورۃ نساء میں میراث کے مسائل بیان کرنے کے بعد فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ[1]﴾ [جو کوئی نافرمانی کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی اور نکل جاوے اس کی حدوں سے ڈالے گا اس کو آگ میں ہمیشہ رہے گا اس میں اور اس کے لیے ذلت کا عذاب ہے]

ہاں اگر بہن نے واقعی اپنی رضا ورغبت کے ساتھ بلا کسی جبر واکراہ اور بغیر کسی معاشرتی دباؤ کے اپنا حصہ اپنے بھائیوں کو ہبہ کر دیا تھا اور ان کے نام بھی لگوایا تھا تو پھر وہ بہن اپنا حصہ نہ واپس لے سکتی ہے اور نہ ہی واپس لینے کا مطالبہ کر سکتی ہے بلکہ اگر بھائی اور بھتیجے اس کا حصہ اس کو واپس دیں تو بھی وہ نہیں لے سکتی کیونکہ وہ اپنا حصہ برضا ورغبت اپنے بھائیوں کو دے چکی ہے انہیں ہبہ کر چکی ہے ان کے نام لگوا چکی ہے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿لَيْسَ لَنَا مَثَلُ السَّوْءِ الَّذِيْ يَعُوْدُ فِيْ هِبَتِهٖ كَالْكَلْبِ يَرْجِعُ فِيْ قَيْئِهٖ[2]﴾ [ہم کو یہ بری مثال اپنے اوپر لانا پسند نہیں جو شخص ہبہ کر کے پھیر لے وہ کتے کی طرح ہے جو قے کر کے پھر اس کو چاٹے جاتا ہے] واللہ اعلم ۱۴۱۹/۶/۷ھ

س: ایک والد جو ابھی تک حیات ہے۔ اس نے اپنا مکان اپنی دو بیٹیوں کے نام کروا دیا ہے۔ اور بیٹوں کو کچھ نہیں دیا اور کہتا ہے کہ اگر تم نہیں لو گی تو میں کسی اور کو دے دوں گا اور کبھی بیٹوں کو نہیں دوں گا کیا اس صورت حال میں بیٹیاں وہ

[1] [النساء ۱۴ پ ۴] [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۵۷

مکان لے سکتی ہیں جبکہ بیٹے اور بیٹیاں سب شادی شدہ ہیں۔

ج: والد کا فرض ہے کہ وہ اپنے بیٹے اور بیٹیوں کے درمیان اپنی زندگی میں عدل وانصاف سے کام لے صحیح بخاری کی نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ والی حدیث اور دیگر احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کو اپنی اولاد خواہ بیٹے ہوں خواہ بیٹیاں خواہ ملے جلے میں عدل ومساوات سے کام لینا ضروری ہے اگر والد صاحب کسی وجہ سے اپنے فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی سے کام لے رہے ہیں تو اولاد خواہ بیٹے ہیں خواہ بیٹیاں کی ذمہ داری ہے کہ ان کی خلاف شرع تقسیم کو نہ قبول کریں اور نہ خلاف شرع تقسیم میں ان کا ساتھ دیں۔ واللہ اعلم ۱۴۲۰/۳/۷ھ

س: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص جس کی بیوی اور بچہ نہیں ہے اس کی جائیداد اڑھائی ایکڑ ہے اس نے عرصہ آٹھ سال سے اپنے ایک بھانجے اور دو بھانجیاں اپنی رونق اور گھر کی آبادی کے لیے اپنے پاس رکھے اب بھانجا مطالبہ کرتا ہے کہ اڑھائی ایکڑ زمین میرے نام لکھوا دو کیا یہ شخص زمین بطور ہبہ بھانجے کے نام لگوا سکتا ہے یا نہیں جب کہ اس شخص کے دو بھائی بھی زندہ ہیں جن میں سے ایک کی اولاد بھی ہے اور ایک بے اولاد۔

(۲) کیا یہ شخص زمین فروخت کر کے مکمل رقم راہ للہ خرچ کر سکتا ہے۔

(۳) کیا زمین فروخت کر کے کچھ رقم سے فریضہ حج ادا کر کے اور کچھ رقم کا اور کوئی کاروبار کر سکتا ہے؟

(۴) کیا عینی بہن کے نام لکھوا سکتا ہے قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔

محمد بشیر آف بورے پیارے ضلع گوجرانوالہ

ج: الجواب بعون اللہ الوہاب۔ (۱) صورت مسئولہ میں سائل محمد بشیر کلالہ ہیں اور ان کے دو بھائی عینی اور ایک بہن عینی زندہ ہیں اللہ تعالیٰ نے سورۃ نساء کی آخری آیت میں فرمایا: ﴿وَإِنْ كَانُوْا إِخْوَةً رِّجَالاً وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ [اور اگر کئی شخص ہوں اس رشتہ کے کچھ مرد اور کچھ عورتیں تو ایک مرد کا حصہ ہے برابر دو عورتوں کے] موجودہ صورت حال میں محمد بشیر کے بھانجے اور بھانجیاں اس کے وارث نہیں کیونکہ یہ ذوی الارحام میں شامل ہیں اور ذوی الارحام عصبات کی موجودگی میں وارث نہیں ہوتے اس لیے سائل اپنی جائیداد زمین وغیرہ بھانجے اور بھانجیوں کے نام منتقل نہیں کر سکتا ہاں ان کے لیے وصیت کر سکتا ہے وہ بھی اپنی کل جائیداد کے تیسرے حصے تک۔

(۲) سارے مال کو فروخت کر کے راہ اللہ میں خرچ کرنے سے وارث محروم ہوتے ہیں اور شریعت میں وارثوں کو محروم

کرنے سے منع فرمایا گیا ہے اس لیے ساری جائیداد فروخت کر کے راہ اللہ میں خرچ نہیں کر سکتا رہا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اپنے گھر میں موجود مال رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جہاد کے لیے پیش کر دینا تو وہ اپنی کل جائیداد نہیں لائے تھے۔

(۳) یہ شرعاً درست ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(۴) عینی بہن کا سائل کی جائیداد میں اللہ تعالیٰ نے ہی حصہ رکھ دیا ہے اس لیے جتنا حصہ اس کا بنتا ہے اتنا اس کے نام لکھا سکتا ہے مگر اس کا حصہ سائل کی وفات سے پہلے متعین نہیں ہوسکتا کیونکہ جائیداد بڑھتی گھٹتی رہتی ہے اور زندگی میں انسان اپنی جائیداد میں تصرف بھی کرتا رہتا ہے اس لیے بہن کے نام بھی نہ لکھوائے وفات کے بعد جو حصہ جس وارث کا بنے گا وہ لے گا۔ واللہ اعلم ۱۴۱۶/۱۲/۶ھ

س: دو آدمی ہیں ایک کا باپ فوت ہو گیا اور دوسرے کی ماں فوت ہو گئی۔ جس کا باپ فوت ہوا تھا تو اس کی ماں نے اس کے باپ کے ساتھ نکاح کر لیا جس کی ماں فوت ہوئی تھی۔

اب جن دونوں کا نکاح ہوا تھا ان سے اولاد پیدا نہیں ہوئی تھی کہ خاوند فوت ہو گیا۔ اب جو عورت زندہ ہے اس کی وراثت سے اس آدمی کو کتنا حصہ ملے جس کی پہلے ماں فوت ہوئی تھی۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمادیں؟

خالد محمود بشیر شیخوپورہ

ج: آپ کا سوال ہے ''اب جو عورت زندہ ہے اس کی وراثت سے اس آدمی کو کتنا حصہ ملے گا جس کی پہلے ماں فوت ہوئی تھی'' جواب یہ ہے کہ اس کو کچھ بھی نہیں ملے گا کیونکہ وہ زندہ عورت اس کی ماں نہیں صرف اس کے باپ کی بیوی ہے۔

ہاں اس آدمی کو زندہ عورت کے خاوند کی جائیداد سے حصہ ملے گا کیونکہ یہ اس کا بیٹا ہے اور زندہ عورت کا خاوند اس آدمی کا باپ ہے۔ واللہ اعلم ۱۴۱۶/۱۱/۲۱ھ

ج: ایک عورت ہے اس کے دو بیٹے ہیں ان میں سے ایک فوت ہو جاتا ہے متوفی کے ترکہ میں سے جو سدس والدہ کو ملنا تھا اس کے متعلق وہ (والدہ) کہتی ہے کہ میں اس (سدس) کو یتیم بچوں سے نہیں لیتی بلکہ معاف کرتی ہوں۔ یاد رہے کہ اس عورت کے سدس مذکورہ کے علاوہ بھی کافی مال ہیں۔ تو چند سالوں کے بعد اس (عورت) کا انتقال ہو جاتا ہے تو اس کا بیٹا (یتیم بچوں کا چچا) کہے کہ میرے بھائی کے ترکہ میں سے جو سدس میری والدہ کو ملنا تھا اس کو میرے حوالہ کر دو کیونکہ اس (والدہ) کا ترکہ مجھے ملنا ہے تو اس صورت میں کیا دادی کا معاف کردہ سدس کو بچے اپنے چچا کو

واپس کریں گے یا نہیں؟ قرآن وسنت کی رو سے مسئلہ کو واضح کریں؟ عطاء اللہ نورستانی

ج: صورۃ مسئولہ میں اگر یتیم بچوں کا چچا تسلیم کرتا ہے کہ اس کی والدہ سدس مذکور یتیم بچوں کو معاف کر چکی ہے نیز چچا موصوف اگر اعتراف کرتا ہے کہ اس کی والدہ کہہ گئی ہے میں سدس یتیم بچوں سے نہیں لیتی تو چچا موصوف اپنی والدہ کے معاف کردہ سدس کو طلب کرنے کا مجاز نہیں کیونکہ اس کی والدہ کا مذکور بالا تصرف کسی شرعی نص کے خلاف نہیں بلکہ ﴿يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآ أَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾ [1] الآیۃ [تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں تو کہہ دے جو کچھ خرچ کرنا چاہو وہ ماں باپ کو اور قریبیوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کو دو] کا آئینہ دار ہے۔ واللہ اعلم ۱۴۱۳/۱۱/۲۴ھ

س: درج ذیل مسئلہ کے بارے میں قرآن وحدیث کی روشنی میں فتویٰ دے کر شکریہ کا موقع بخشیں۔ میرے برادر نسبتی چوہدری عبدالحفیظ صاحب نے آج سے تقریباً تیرہ چودہ سال قبل جھنگ نیا شہر کی ایک رہائشی سکیم میں پلاٹ بذریعہ قرعہ اندازی میرے نام الاٹ کروایا اور بعد ازاں اس پلاٹ میں دو کمرے باورچی خانہ اور چاردیواری تعمیر کی۔ پلاٹ الاٹ ہونے کے بعد اور تعمیر کے بعد انہوں نے کئی مرتبہ کئی مواقع پر ہمارے سامنے اور اپنے دوسرے رشتہ داروں کے سامنے یہ کہا کہ یہ مکان میں ان کے لیے بنا رہا ہوں جن کے نام پر میں نے آلاٹ کرایا ہے اور یہ مکان انہی کا ہے رشتہ داروں میں اس بات کے گواہ موجود ہیں۔ ۱۵ جنوری 1991 کو حاجی صاحب انتقال فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون اپنی وفات سے پہلے موقع پر موجود اپنی دو بہنوں بھانجے بھانجیوں کے سامنے انہوں نے اپنے بہنوئی چودہری محمد یوسف صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میرا ترکہ تم سب آپس میں بحصہ شرعی تقسیم کر لینا۔ لیکن مکان میں نے جن کے لیے الاٹ کروایا ان کو دے چکا ہوں۔ تم تمام وارثان اس بارے میں ہرگز جھگڑا نہ کرنا۔ اور انہوں نے یہ بات ہوش وحواس کے ساتھ دو دفعہ تاکیدی طور پر فرمائی۔ ان کے قریبی ورثا میں ایک بیوہ اور چار بہنیں موجود ہیں مرحوم کی کوئی اولاد نہیں۔ مرحوم کے ترکے میں زرعی زمین، گاؤں میں بائیس مرلے کا مکان اور قیمتی گھریلو سامان ہے مرحوم سرکاری پنشنر تھے ان کی پنشن بھی بیوہ کو مل جاتی ہے اب ان کی بیوہ اور دیگر ورثا اس مکان کے بارے میں جھگڑا کر رہے ہیں جو مرحوم نے اپنے بہنوئی یعنی راقم کے نام الاٹ کروایا ہے از روئے قرآن وحدیث فتویٰ دیا جائے کہ اس مکان میں بیوہ اور دیگر ورثاء کا حصہ بنتا ہے یا نہیں۔ محمد حسین شفیق

[1] [البقرۃ ۲۱۵ پ ۲]

س: (ا) صورت مسئولہ میں متوفی چوہدری حاجی عبدالحفیظ صاحب مرحوم اپنی زندگی میں اپنی منقولہ وغیر منقولہ جائیداد کے مالک تھے اوراس میں تصرف کا حق تھا۔ چونکہ انہوں نے اپنی زندگی میں وفات سے بارہ تیرہ سال قبل اپنے بہنوئی کے نام پلاٹ الاٹ کرایا اوراس پر تعمیر کی یہ وصیت کے زمرہ میں نہیں بلکہ اپنے بہنوئی کے ساتھ اعانت ہے اور یہ شرعاً درست ہے جس بہنوئی کے نام پلاٹ الاٹ کیا گیا ہے وہ اس کا مالک ہے اس میں متوفی کے دوسرے ورثا کا کوئی حق نہیں نیز بہنوئی متوفی کے وارث نہیں اور یہ ﴿لاَ وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ﴾ کے تحت نہیں آتے۔

العبد عبدالحمید مدرس جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ 22/4/92

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جو تفصیل سوال میں درج کی گئی ہے اگر وہ صحیح ہے تو مکان مذکور حاجی عبدالحفیظ صاحب مرحوم کی طرف سے ان کے بہنوئی کو ہبہ ہے اور مفتی صاحب حفظہ اللہ کا جواب درست ہے۔

عبدالمنان بن عبدالحق۔ جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ ۱۸/۱۰/۱۴۱۲ھ

س: (ا) اگر میت $\frac{1}{3}$ سے زائد مال کی وصیت کر دے تو شرعاً نافذ العمل ہو سکتی ہے اور اس کے ورثا شریعت کی رو سے اسے تبدیل کر سکتے ہیں یا نہیں جبکہ بہت سے ورثا کی حالت بھی ناگفتہ بہ ہے اور ضرورت مند ہیں۔

(۲) منسلک وصیت پر تمام ورثاء اپنے جائز حصہ سے دست بردار ہو گئے تھے لیکن اب تمام ورثا یہ سمجھتے ہیں کہ یہ وصیت غلط ہے اور میت پر سے بوجھ ختم کرنے کی خاطر تمام لوگ اس وصیت کو ختم کرنا چاہتے ہیں لہٰذا قرآن وسنت کی روشنی میں اس بارے میں فیصلہ دیں کہ آیا ورثا ایسا کر سکتے ہیں؟ محمد یحییٰ کراچی 8/1/90

ج: جناب کا گرامی نامہ موصول ہوا جس میں آپ نے وصیت کا مسئلہ دریافت فرمایا۔ تو گزارش ہے کہ صحیحین میں حدیث ہے کہ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا اے اللہ کے رسول (ﷺ) میرے پاس مال ہے اور صرف ایک بیٹی میری وارث ہے تو کیا میں اپنے مال سے دو تہائی ($\frac{2}{3}$) کی وصیت کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا تو پھر ایک تہائی ($\frac{1}{3}$) کی وصیت کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ایک تہائی ($\frac{1}{3}$) کی وصیت کر لو اور ایک تہائی ($\frac{1}{3}$) زیادہ ہے۔ الحدیث [1]

اس حدیث سے ثابت ہوا مرنے والا اپنے ترکہ میں سے زیادہ سے زیادہ ایک تہائی ($\frac{1}{3}$) کی وصیت کر سکتا ہے ایک تہائی ($\frac{1}{3}$) سے زائد وصیت کرنے کی اجازت نہیں جب اجازت نہیں تو اگر کسی نے کسی وجہ سے ایک تہائی

[1] بخاری شریف ۔ کتاب الفرائض باب میراث البنات

($\frac{1}{3}$) سے زائد وصیت کر دی ہو تو اسے ایک تہائی ($\frac{1}{3}$) کی طرف رد کر کے اصلاح کی جا سکتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ [1] [جو کوئی وصیت کنندہ سے کجروی یا گناہ معلوم کر کے اصلاح کر دے تو اس پر گناہ نہیں بے شک اللہ بڑی بخشش والا نہایت مہربان ہے]

١٥/٦/١٤١٠ھ

س: اڑھائی ماہ گزر گئے ہیں میرا لڑکا قضائے الٰہی سے فوت ہو گیا تھا انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ جس نے اپنے پیچھے گیارہ وارث چھوڑے ہیں جن کی تفصیل نیچے لکھی جا رہی ہے۔

اگر مرحوم کی کل جائیداد مع نقد کیش وغیرہ مثال کے طور پر ایک لاکھ کی ہو تو والدین کو ایک لاکھ روپیہ میں سے کیا حصہ ملے گا۔ بیوہ کو کیا ملے گا اور ۳ لڑکوں کو کیا حصہ ملے گا ۵ لڑکیوں کو کیا حصہ ملے گا؟

برائے نوازش قرآن وحدیث میں جو خدا کی اور رسول کریم ﷺ کی حدوں کو قائم کرتے ہیں ان کا اجر بھی لکھیں اور جو لوگ ترکہ کے بارہ میں خدا رسول ﷺ کی حدوں کو توڑتے ہیں ان کی سزا بھی لکھیں؟ گیارہ ورثاء کی تفصیل درج ذیل ہے۔ والد والدہ بیوہ لڑکے ۳ لڑکیاں ۵ = کل افراد ۱۱۔ زیڈ ۔ ای عبدالستار ریلوے اسٹیشن گوجرانوالہ 10/6/87

ج: آپ کی مسئولہ صورت میں میت کے والدین میں سے ہر ایک کو چھٹا چھٹا حصہ ملے گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ﴾ اگر میت کی اولاد ہو تو ماں باپ میں سے ہر ایک کو میت کے ترکہ سے چھٹا چھٹا حصہ دیا جائے صورت مسئولہ میں میت کی اولاد ہے لہٰذا والدین میں سے ہر ایک کو چھٹا چھٹا حصہ ملتا ہے۔ میت کی بیوہ کو آٹھواں حصہ دیا جائے گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾ [اور اگر تمہاری اولاد ہے تو ان کے لیے آٹھواں حصہ ہے اس میں سے کہ جو کچھ تم نے چھوڑا بعد وصیت کے جو تم کر مرو یا قرض کے]

میت کی وصیت اور اس کا قرضہ (اگر ہوں) ادا کرنے کے بعد باقی ترکہ سے اس کے والدین اور اس کی بیوی کو مندرجہ بالا حصص دینے کے بعد جو ترکہ باقی بچے وہ میت کے تین لڑکوں اور پانچ لڑکیوں میں تقسیم کر دیا جائے بایں طور پر ہر لڑکے کو ہر لڑکی سے دگنا ملے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ [حکم کرتا ہے تم کو اللہ تمہاری اولاد میں کہ ایک مرد کا حصہ ہے برابر دو عورتوں کے]

---

[1] [البقرة / ١٨٢]

اصل مسئلہ ۲۴ تصحیح ۲۴×۱۱=۲۶۴

ماں	باپ	بیوہ	۳ لڑکے	۵ لڑکیاں
۴	۴	۳	۱۳	
۴۴	۴۴	۳۳	۱۴۳	

میت کے ترکہ سے اس کی وصیت اور اس کا قرضہ ادا کر دینے کے بعد جو باقی بچے اس کے ۲۶۴ حصے بنا لیے جائیں جن میں سے ماں کو ۴۴، باپ کو بھی ۴۴، بیوہ ۳۳، ہر لڑکے کو ۲۶ اور ہر لڑکی کو ۱۳ حصے دیئے جائیں گے۔ ٥/١١/١٤٠٧ھ

س: میرا ایک عزیز وفات پا گیا ہے جس نے اپنے پیچھے ۳ لڑکے اور ایک لڑکی ایک بیوہ ایک والد اور ایک بھائی چھوڑا ہے اس کی سگی ماں بچپن میں ہی وفات پا گئی تھی البتہ سوتیلی ماں ابھی بھی ہے میری اس عزیز کی درخواست کے مطابق آپ مرحوم کے لواحقین کا الگ الگ ترکہ نکال دیں۔

جائیداد میں اس نے ایک پلاٹ چھوڑا ہے جس کو اب فروخت کر دیا گیا ہے جس کی قیمت ۲۷۰۰۰۰۰ وصول ہوئی ہے آپ شرعی حیثیت کے مطابق مسئلہ حل بھی کریں اور نیز یہ بھی بتا دیں کہ وراثت سے سب سے پہلے حصہ کس کا نکلتا ہے بچوں کی عمریں یکے بعد دیگرے یہ ہیں لڑکی کی عمر ۳۶ سال لڑکا عمر ۳۴ سال لڑکا عمر ۳۰ سال لڑکا عمر ۲۶ سال۔

ج: بشرط صحت صورت مسئولہ فوت ہونے والے کے باپ کو قرض و وصیت کے بعد ترکہ کا $\frac{1}{6}$ چھٹا حصہ ﴿وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ﴾ [1] [اور میت کے ماں باپ کو ہر ایک کے لیے دونوں میں سے چھٹا حصہ ہے اس مال سے جو کہ چھوڑ مرا اگر میت کی اولاد ہے] اس کی بیوی کو $\frac{1}{8}$ آٹھواں حصہ ﴿فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ﴾ [2] [اور اگر تمہاری اولاد ہے تو ان کے لیے آٹھواں حصہ ہے اس میں سے کہ جو کچھ تم نے چھوڑا] الآیۃ اور اس کے تین لڑکوں اور ایک لڑکی کو والد اور بیوی کے حصے ادا کرنے کے بعد باقی ترکہ للذکر مثل حظ الانثیین کے حساب سے تقسیم ہوگا کیونکہ وہ عصبہ ہیں جبکہ فوت ہونے والے کی سوتیلی ماں اور اس کے بھائی کو کچھ نہیں ملے گا تقسیم ترکہ مبلغ (۲۷۰۰۰۰۰) ستائیس لاکھ کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

---

[1] [النساء ١١ پ٤] [2] [النساء ١٢ پ٤]

اصل مسئلہ=۲۴×۷ تصحیح=۱۶۸ ترکہ ٢٧٠٠٠٠٠

	باپ	بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	سوتیلی ماں	بھائی
	سدس	ثمن	عصبہ للذکر مثل حظ الانثیین				×	×
	١/٦	١/٨	باقی				×	×
ازمسئلہ:	٤×٧	٣×٧	١٧×٧=١١٩				×	×
ازتصحیح:	٢٨	٢١	٣٤	٣٤	٣٤	١٧	×	×

ازترکہ: ٤٥٠٠٠٠ ٣٣٧٥٠٠ ۔اور ہرلڑکے کو ٥٤٦٤٢٨ ٤/٧ ۔اور ہرلڑکی کو ٢٧٣٢١٤ ٢/٧

واللہ اعلم ١٤١٩/١/٦ھ

س: سائل عرض گزار ہے کہ زید فوت ہوتا ہے ورثاء میں سے ایک بیوہ دو ہمشیرگان ماں کی طرف سے اور چار چچا زاد بھائی (غیر حقیقی) چھوڑے ہیں ان میں جائیداد کس طرح تقسیم ہوگی اوران کے کتنے کتنے حصے ہیں کیا ماں کی طرف سے بہنوں کو کل ترکہ سے حصہ ملے گا۔ یا زید نے جو اپنی بیوہ چھوڑی اس کو دے کر مابقی سے دیا جائے گا۔ متوفی کی کل جائیداد ۲۷ (ستائیس) ایکڑ ہے وصیت اور قرضہ نہیں ہے۔ قاضی عبدالرزاق جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ 10/6/89

ج: صورت مسئولہ میں متوفی کی بیوی کو کل جائیداد کا ١/٤ چوتھا حصہ ملے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ﴾ [1] [اور عورتوں کے لیے چوتھائی مال ہے اس میں سے جو چھوڑ مرو تم اگر نہ ہو تمہاری اولاد] اور ماں کی طرف سے دو بہنوں کو کل جائیداد کا ١/٣ تیسرا حصہ ملے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَّلَهٗٓ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَإِنْ كَانُوْٓا أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ أَوْ دَيْنٍ﴾ [اور اگر وہ مرد کی جس کی میراث ہے باپ بیٹا کچھ نہیں رکھتا یا عورت ہو ایسی ہی اور اس میت کے ایک بھائی ہے یا بہن ہے تو دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اور اگر زیادہ ہوں اس سے تو سب شریک ہیں ایک تہائی میں بعد وصیت کے جو ہو چکی ہے یا قرض کے]

یاد رہے اس آیت مبارکہ میں مذکور بہن بھائی وہ ہیں جو اخیافی ہوں یعنی ماں کی طرف سے ہوں اور ان کے باپ

[1] [النساء ١٢ پ ٤]

الگ ہوں چنانچہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں ’’﴿وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ﴾ أَيْ مِنْ أُمٍّ كَمَا هُوَ فِيْ قِرَاءَةِ بَعْضِ السَّلَفِ مِنْهُمْ سَعْدُ بْنُ أَبِيْ وَقَّاصٍ وَكَذَا فَسَّرَهَا أَبُوْبَكْرٍ الصِّدِّيْقُ فِيْمَا رَوَاهُ قَتَادَةُ عَنْهُ . اھ‘‘

بیوی اور دونوں بہنوں کو کل جائیداد سے ان کے حصے دینے کے بعد جو باقی بچے گا وہ متوفی کے چار چچا زاد بھائیوں میں برابر تقسیم کیا جائے گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ﴿أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَلِأَوْلٰى رَجُلٍ ذَكَرٍ﴾

یاد رہے اوپر ذکر شدہ کل جائیداد سے مراد وصیت اور قرض کی ادائیگی کے بعد کل جائیداد بشرطیکہ وصیت اور قرض ہو۔ صورت مسئلہ اس طرح ہے۔

اصل مسئلہ: ۱۲×۴ تصحیح = ۴۸ ترکہ ۱۲۷ ایکڑ

بیوی	دو بہنیں ماں کی طرف سے	چار چچا زاد بھائی
$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{3}$	باقی
۳	٤	٥
۱۲	۱٦	۲۰
۶ $\frac{3}{4}$ ایکڑ	۱۹ ایکڑ	۱۱ $\frac{1}{3}$ ایکڑ

۱٤۰۹/۱۱/٥ھ

س: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ میرے تایا جان لاولد مولانا حکیم عبدالقیوم ولد مولانا حکیم علی محمد تھے مولانا علی محمد کا انتقال ہندوستان میں ہی ہو گیا تھا مولانا عبدالقیوم قیام پاکستان سے قبل بیوی کو طلاق دے چکے تھے یہاں ان کو پچھلے یونٹوں کے حساب سے ترتالیس کنال دو مرلہ زمین ملی تھی ان کی تین بہنیں امۃ اللہ، صغریٰ، زبیدہ تھیں اور ایک ہی بھتیجا جس کا نام شفیق الرحمٰن تھا اب بتایا جائے اس زمین سے مزید بہنوں کا کیا کیا حصہ بنتا ہے اور بھتیجے کو کیا حصہ آتا ہے جبکہ وہ اپنی زندگی میں تینوں بہنوں کے نام ایک، ایک، ایک ایکڑ اور کچھ مرلے زمین لگوا چکے تھے۔

29 نومبر 1993 کو مولانا عبدالقیوم کا انتقال ہو گیا یہ واضح کیا جائے باقی زمین میں اب پھر بہنوں کو کیا مزید حصہ بھی ملے گا یا نہیں کتاب وسنت کی روشنی میں مدلل طور پر واضح کیا جائے۔

شفیق الرحمٰن بن حافظ عبیدالرحمٰن (ضلع خانیوال) یکم جنوری 1994

ج: بشرط صحت صورت مسئولہ جواب مندرجہ ذیل ہے بتوفیق اللہ تبارک وتعالیٰ وعونہ

متوفی مولانا عبدالقیوم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی متروکہ زمین تتالیس کنال دو مرلہ کا (۲/۳) دو تہائی ان کی تینوں بہنوں کو ملے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ﴾ [1] [پس اگر بہنیں دو ہوں تو ان کے لیے ہے دو تہائی اس مال سے جو چھوڑ مرا] اور باقی (۱/۳) ایک تہائی ان کے بھتیجے کو ملے گا کیونکہ وہ عصبہ ہے صحیحین میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَلِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ﴾ [اصحاب الفرائض کو ان کا حق دو جو باقی بچے وہ قریبی مرد کا حق ہے]

مذکورہ بالا زمین متوفی کے وارثوں میں اس طرح تقسیم کی جائے گی کہ تینوں بہنوں کو ۲۸ ۱۱/۱۵ کنال ہر بہن کو ۹ کنال ۱۱ ۵/۹ مرلہ اور بھتیجے کو ۱۴ کنال ۷ ۱/۳ مرلہ۔ نقشہ مندرجہ ذیل ہے۔

اصل مسئلہ ۳۔ تصحیح ۳×۳=۹۔ ترکہ ۴۳ ۱/۱۰ کنال زمین

وارث:	تین بہنیں	ایک بھتیجا
سہام:	ثلثان (۲/۳)	عصبہ باقی لے گا
از اصل مسئلہ:	۲	۱
از تصحیح:	۶	۳
از ترکہ:	۲۸ ۱۱/۱۵ کنال ہر ایک بہن کو ۹ ۲۶/۴۵ کنال	۱۴ ۱۱/۳۰ کنال

اب چونکہ امۃ اللہ ۸ کنال ۷ مرلے پہلے لے چکی ہے اس لیے ایک کنال ۴ ۵/۹ مرلے زمین اس کو اور دی جائے گی تاکہ اس کا حصہ ۹ کنال ۹ ۲۶/۴۵ مرلہ پورا ہو جائے اسی طرح صغری کو بھی ایک کنال ۴ ۵/۹ مرلے زمین اور دی جائے گی کیونکہ وہ بھی ۸ کنال ۷ مرلے پہلے لے چکی ہے اور زبیدہ کو ایک کنال ۵ ۵/۹ مرلے زمین اور دی جائے گی کیونکہ پہلے اسے ۸ کنال ۶ مرلے دیئے گئے ہیں اس لیے اب اسے امۃ اللہ اور صغری کی بنسبت ایک مرلہ زیادہ دیا جائے گا کیونکہ پہلے اسے ان دونوں کی بنسبت ایک مرلہ کم دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم ۱۴۱۴/۸/۱۰ھ

س: ایک عورت فوت ہوگئی ہے ورثا میں اس کا شوہر اور تین بہنیں ہیں ترکہ کیسے تقسیم ہوگا جبکہ بعض حضرات شوہر کو نصف دے کر باقی نصف بہنوں کو عصبہ بنا کر دیتے ہیں۔ محمد شیخ

[1] [النساء ۱۷۶ پ ٦]

ج: صورت مسئولہ میں بیوی متوفاۃ کے شوہر کو نصف ملے گا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ﴾ [1] [اور تمہارا ہے آدھا مال جو کہ چھوڑ مریں تمہاری عورتیں اگر نہ ہو ان کی اولاد] اور تین بہنوں کو دو تہائی ملے گا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ﴾ [2] [پھر اگر بہنیں دو ہوں تو ان کو پہنچے دو تہائی اس مال کا جو چھوڑ مرا] اور معلوم ہے کہ تین بہنوں کا حکم وہی ہے جو دو بہنوں کا حکم ہے رہا اس صورت مسئولہ میں بہنوں کو عصبہ بنانا تو اس کی کتاب و سنت میں کوئی دلیل نہیں مسئلہ کی صورت مندرجہ ذیل ہے۔

اصل: ۶ عائلہ = ۷ × ۳ تصحیح = ۲۱

	خاوند	تین بہنیں
	$\frac{1}{2}$ نصف	$\frac{2}{3}$ (دو تہائی) ثلثان
از اصل:	۳	۴
از تصحیح:	۹	۱۲

اگر کوئی صاحب فرمائیں کہ خاوند کے بارے نصف کی نص قرآنی موجود ہے لہٰذا اسے نصف دے کر باقی بہنوں کو دیا جائے گا تو انہیں یہ بھی غور کرنا چاہیے کہ بہنوں کے بارے بھی دو تہائی کی نص قرآنی موجود ہے تو پھر وہ بہنوں کو ان کا حصہ دو تہائی دے کر باقی خاوند کو کیوں نہیں دیتے؟ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ رہا یہ مسئلہ کہ ۲۱ کا نصف ۱۰ $\frac{1}{2}$ ہوتا ہے نہ کہ ۹ تو غور فرمائیں ۲۱ کا دو تہائی بھی ۱۴ ہوتا ہے نہ کہ ۱۲۔ واللہ اعلم ۱۴۱۹/۶/۶ھ

چوہدری حبیب اللہ پٹواری آف منڈی بہاؤالدین کے علم وراثت پر ۱۶ سوالوں کے جوابات۔ جو 4/6/98 کو بھیجے گئے

(۱)

س: میت کے ورثاء میں والدین اور ایک بیٹی ہے باپ کو کتنا ملے گا اور دلیل کیا ہے؟

[1] [النساء ۱۲ پ ۴] [2] [النساء ۱۷۶ پ ۶]

ج:

٦

اب	ام	بنت
سدس	سدس	نصف
١	١	٣
باقی: ١		
٢	١	٣

بیٹی کے حصے کی دلیل

﴿وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ﴾ [اور اگر ایک ہی ہو تو اس کے لیے آدھا ہے]

ماں اور باپ کے حصوں کی دلیل

﴿وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ﴾ [اور میت کے ماں باپ کو ہر ایک کے لیے دونوں میں سے چھٹا حصہ ہے اس مال سے جو کہ چھوڑ مرا اگر میت کی اولاد ہے]

باقی ایک باپ کو ملنے کی دلیل

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَلِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ﴾ [1] [اصحاب الفرائض کو ان کے حصے دے دو جو باقی بچ جائے وہ قریبی مرد کے لیے ہے]

١٤١٩/٥/٤ھ

(٢)

س: میت کے ورثاء میں دادا۔ ماں، بیٹی ہے دادا کو کتنا مال ملے گا اور دلیل کیا ہے؟

ج:

٦

جد	ام	بنت
سدس	سدس	نصف
١	١	٣
باقی: ١		
٢	١	٣

بیٹی اور ماں کے حصوں کی دلیل تو نمبر ا میں لکھی جا چکی ہے اور جد باپ ہے۔ [2]

[1] [کتاب الفرائض باب میراث الولد من ابیه وامه ، بخاری شریف] [2] بخاری کتاب الفرائض باب میراث الجد مع الاب والاخوة

(۳)

س: میت کے ورثاء میں ماں۔دادا۔اخیافی بھائی ہے اخیافی بھائی کو مال ملے گا یا نہیں دلیل کیا ہے؟

ج: ۳

ام	جد	اخ خیفی
ثلث	باقی	محجوب
۱	۲	×

اخ خیفی محجوب ہے بوجہ جد کیونکہ جد باپ ہوتا ہے۔

ام اور جد کے حصوں کی دلیل

﴿وَوَرِثَهٗ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ﴾ [اور وارث ہیں اس کے ماں باپ تو اسکی ماں کا ہے تہائی]

(۴)

س: میت کے ورثاء میں ماں باپ اور اخیافی بھائی ہے اخ خیفی کو مال ملے گا یا نہیں دلیل کیا ہے؟

ج: ۳

ام	اب	اخ خیفی
ثلث	باقی	محجوب
۱	۲	×

ام اور اب کے حصوں کی دلیل

﴿وَوَرِثَهٗ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ﴾ [اور وارث ہیں اس کے ماں باپ تو اس کی ماں کا ہے تہائی]

اخ خیفی میت کلالہ ہونے کی صورت میں وارث ہوتا ہے

﴿وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ یُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ﴾ الآیۃ [اور اگر وہ مرد کہ جس کی میراث ہے باپ بیٹا کچھ نہیں رکھتا یا عورت ہو ایسی ہی اور اس میت کے ایک بھائی ہے یا بہن ہے] چونکہ اس صورت میں میت کا باپ موجود ہے اس لیے وہ کلالہ نہیں لہٰذا اخ خیفی وارث نہیں ہوگا۔

(۵)

س: میت کے ورثاء میں والدین اور پوتی ہے بنت الابن کو کتنا مال ملے گا اور دلیل کیا ہے؟

٦

اب	ام	بنت الابن
سدس	سدس	نصف
۱	۱	۳
باقی: ۱		
۲	۱	۳

دلائل نمبر ا میں گزر چکے ہیں کیونکہ بنت الابن بنت ہے۔

(٦)

س: میت کے ورثاء میں والدین بیٹی اور پوتی ہے بنت الابن کو کتنا مال ملے گا اور دلیل کیا ہے؟

ج:

٦

اب	ام	بنت	بنت الابن
سدس	سدس	نصف	سدس تکملة للثلثين
۱	۱	۳	۱

اب ام اور بنت کے حصوں کے دلائل نمبر ا میں گذر چکے ہیں صحیح بخاری میں ہے رسول اللہ ﷺ نے بنت الابن کو ایک بنت کی موجودگی میں تکملة للثلثين ایک سدس دیا تھا۔[1]

(۷)

س: میت کے ورثاء میں دو بیٹیاں پوتی اور پوتا ہے ابن الابن کو کیا ملے گا اور دلیل کیا ہے؟

---

[1] [كتاب الفرائض باب ميراث ابنة ابن مع ابنة]

﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ [حکم کرتا ہے تم کو اللہ تمہاری اولاد کے حق میں کہ ایک مرد کا حصہ ہے برابر دو عورتوں کے]

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا﴾ [1] [اصحاب الفرائض کو ان کے حصے دے دو جو باقی بچ جائے وہ قریبی مرد کا حق ہے]

(۸)

س: میت کے ورثاء میں ماں بیٹی اور عینی بہن ہے اخت عینی کو کتنا مال ملے گا اور دلیل کیا ہے؟

ج:

۶

ام	بنت	اخت عینی
سدس	نصف	باقی عصبہ
۱	۳	۲

ماں اور بیٹی کے حصوں کے دلائل نمبر ا میں گزر چکے ہیں صحیح بخاری میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے بیٹی کے ساتھ بہن کو باقی دیا تھا۔ [2]

(۹)

س: میت کے ورثاء میں ماں دادا اور عینی بہن ہے اخت عینی کو کتنا مال ملے گا اور دلیل کیا ہے؟

---

[1] صحیح بخاری کتاب الفرائض باب میراث الجد مع الاب والاخوۃ [2] کتاب الفرائض باب میراث ابنۃ ابن مع ابنۃ باب میراث الاخوات مع البنات عصبۃ

ج: ٣

ام	جد	اخت عینی
ثلث	باقی	محجوب
١	٢	×

کیونکہ جداب ہے تو یہ صورت کلالہ کی نہ رہی اور بہن کلالہ کی وارث ہوتی ہے۔

﴿يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ﴾ الآیۃ [حکم پوچھتے ہیں تجھ سے سو کہہ دے اللہ حکم بتاتا ہے تم کو کلالہ کا]

(١٠)

س: میت کے ورثاء میں خاوند اور علاتی بہن ہے علاتی بہن کو کتنا مال ملے گا اور دلیل کیا ہے؟

ج: ٢

زوج	اخت علاتی
نصف	نصف
١	١

دلیل: ﴿إِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ﴾ [اگر کوئی مرد مر گیا اور اس کا بیٹا نہیں اور اس کی ایک بہن ہے تو اس کو آدھا اس کا جو چھوڑ مرا]

(١١)

س: میت کے ورثاء میں عینی بہن اور علاتی بہن ہے علاتی بہن کو کتنا مال ملے گا اور دلیل کیا ہے؟

ج: ٦ ردیہ = ٤

اخت عینی	اخت علاتی
نصف	سدس
٣	ا تکملة للثلثين

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ﴾ [پھر اگر بہنیں دو ہوں تو ان کو

ملے دوتہائی اس مال کا جو چھوڑ مرا]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ﴾ [اور اس کی ایک بہن ہے تو اس کو ملے آدھا اس کا جو چھوڑ مرا]

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿اِنَّ اَعْيَانَ بَنِي الْاُمِّ يَتَوَارَثُوْنَ دُوْنَ بَنِي الْعَلَّاتِ﴾ [1] [بے شک عینی بہن بھائی وارث ہوں گے علاتیوں کے علاوہ] ثلثان سے نصف نکالیں باقی سدس بچتا ہے وہ علاتی بہن کو مل گیا۔

(۱۲)

س: میت کے ورثاء میں دو عینی بہنیں ہیں ایک علاتی بہن ہے اخت علاتی کو کتنا مال ملے گا اور دلیل کیا ہے؟

ج:

۳ ردیہ ۲

اخت عینی	اخت عینی	اخت علاتی
۲		محجوب
۱	۱	×

دلیل: نمبر ۱۱ میں گزر چکی ہے۔

(۱۳)

س: میت کے ورثاء میں دو بیٹیاں اور ایک علاتی بہن ہے علاتی بہن کو کتنا مال ملے گا اور دلیل کیا ہے؟

ج:

۳

بنت	بنت	اخت علاتی
ثلثان		باقی
۲		۱

دلیل: نمبر ۸ میں گزر چکی ہے۔

[1] ترمذی ابن ماجه بحواله مشکوة کتاب الفرائض والوصایا الفصل الثانی حدیث نمبر ۱۷ [ترمذی الجلد الثانی۔ ابواب الفرائض ما جاء فی میراث الاخوة من الاب والام ص۲۹]

(۱۴)

س: میت کے ورثاء میں بیٹی دادا اور علاتی بہن ہے علاتی بہن کو کتنا مال ملے گا اور دلیل کیا ہے؟

ج: ٦

بنت	جد	اخت علاتی
نصف	سدس	محجوب
۳	۱	×
	۲ باقی	
۳	۳	

جد باپ ہے لہٰذا یہ صورت کلالہ نہیں اور بہن کو بصورت کلالہ ملتا ہے ﴿یَسْتَفْتُوْنَکَ قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِی الْکَلٰلَۃِ﴾ الآیۃ [حکم پوچھتے ہیں تجھ سے سو فرما دو اللہ حکم بتاتا ہے تم کو کلالہ کا]

(۱۵)

س: میت کے ورثاء میں خاوند اور والدین ہیں ماں کو کتنا مال ملے گا اور دلیل کیا ہے؟

ج: ٦

زوج	اب	ام
نصف	باقی	ثلث
۳	۱	۲

﴿وَوَرِثَہٗ اَبَوٰہُ فَلِاُمِّہِ الثُّلُثُ﴾ [اور وارث ہوں اس کے والدین تو ماں کے لیے تیسرا حصہ ہے] اس ثلث کو ثلث الباقی بعد فرض احد الزوجین قرار دینے کی کوئی دلیل نہیں۔

(۱۶)

س: میت کے ورثاء میں جدتین ہیں جانب ام کو کتنا مال ملے گا اور جانب اب کو کتنا مال ملے گا اور دلیل کیا ہے؟

ج:
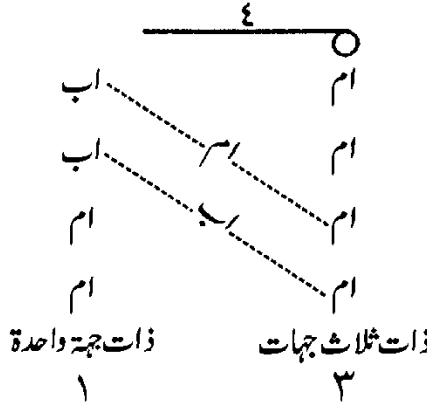
جدہ کا حصہ سدس ہے ایک ہو اکیلی کو مل جائے گا زیادہ ہوں تو وہ سدس ان میں تقسیم ہو جائے گا۔[1]

نوٹ: آیات سورۃ نساء کے رکوع ﴿يُوْصِيْكُمُ اللهُ﴾ اور سورۃ نساء کی آخری آیت میں دیکھ لیں۔ ١٤١٩/٥/٤ھ

س: اِشْتَرَى اَحْمَدُ وَمُحَمَّدٌ وَهُمَا أَخَوَانِ اَرْضًا بِالْمَالِ الْمُشْتَرِكِ . وَبَعْضُ الْاَرْضِ عَامِرَةٌ . (صَالِحَةٌ لِلزِّرَاعَةِ) . وَبَعْضُهَا مَوَاتًا . فَقَسَمَا الْاَرْضَ الْعَامِرَةَ فِيْمَا بَيْنَهُمَا عَلَى السَّوِيَّةِ وَتَرَكَا الْاَرْضَ الْمَوَاتَ مِنْ غَيْرِ تَقْسِيْمٍ . فَكَانَتْ سِلْسِلَةُ هٰذَا التَّقْسِيْمِ يَجْرِيْ فِيْ ثَلاثَةِ أَجْيَالٍ مِنْ أَوْلادِهِمَا . وَقَامَ أَوْلادُهُمَا الآنَ بِإِحْيَاءِ الْقِسْمِ الْمَوَاتِ مِنَ الْاَرْضِ . وَلٰكِنَّهُمُ اخْتَلَفُوْا فِيْ كَيْفِيَّةِ الْقِسْمَةِ . فَقَالَ أَوْلادُ مُحَمَّدٍ (وَهُمْ اَكْثَرُ عَدَدًا مِنْ اَوْلادِ اَحْمَدَ) : نَقْسِمُهَا عَلَى الْأَحْيَاءِ الْمَوْجُوْدِيْنَ ، وَأَمَّا أَوْلادُ اَحْمَدَ فَقَالُوْا نَقْسِمُهَا عَلَى الْمُشْتَرِيَيْنِ (اَحْمَدَ ، وَمُحَمَّدٍ) وَيَقْسِمُهَا أَوْلادُهُمَا فِيْمَا بَيْنَهُمْ كَمَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَلَى الْاَرْضِ الْعَامِرَةِ سَابِقًا . فَأَفْتُوْنَا وَأَجْرُكُمْ عَلَى اللهِ .

عزیز بن محمد نورستانی قریہ چکرام

ج: اَلْحَمْدُ للهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ، وَالصَّلاةُ وَالسَّلامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ ، وَعَلٰى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِيْنَ .

أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ الْاَرْضَ الَّتِيْ كَانَتْ غَيْرَ صَالِحَةٍ لِّلزِّرَاعَةِ قَبْلَ حُكْمُهَا فِيْ هٰذَا الْأَمْرِ حُكْمَ الْأَرْضِ الَّتِيْ كَانَتْ صَالِحَةً لِّلزِّرَاعَةِ فَإِنَّ أَحْمَدَ وَمُحَمَّدًا كَانَا اشْتَرَيَاهُمَا كِلْتَيْهِمَا ، فَهُمَا كَانَا مَالِكَيْنِ لَهُمَا حَيَاتَهُمَا ، وَبَعْدَ أَنْ مَاتَا كَانَتِ الْأَرْضَانِ كِلْتَاهُمَا لِوَرَثَتِهِمَا وَهَلُمَّ جَرًّا .

---

[1] مشکاۃ المصابیح کتاب الفرائض والوصایا الفصل الثانی حدیث نمبر ٢١

وَصُوْرَةُ الْمَسْأَلَةِ مِنْ صُوَرِ الْمُنَاسَخَةِ الَّتِیْ هِیَ مِنْ أَهَمِّ مَسَائِلِ الْمِیْرَاثِ ، وَلاَ أَعْلَمُ فِیْهَا خِلافًا بَیْنَ أَهْلِ الْعِلْمِ الْمُتَقَدِّمِیْنَ مِنْهُمْ ، وَلاَ الْمُتَأَخِّرِیْنَ . واللہ أعلم ٦/٢/١٤١٩هـ

[س: احمد اور محمد دو بھائی ہیں ان دونوں نے مشترک مال سے زمین خریدی کچھ زمین آباد ہے اور کچھ بے آباد ہے دونوں بھائیوں نے قابل زراعت زمین آپس میں تقسیم کر لی برابر برابر۔ اور بے آباد زمین بغیر تقسیم کے چھوڑ دی تین پشتوں تک ان دونوں کی اولادوں میں تقسیم کا یہی سلسلہ جاری رہا اب ان دونوں کی اولاد بے آباد زمین کو تقسیم کرنا چاہتی ہے لیکن انہوں نے کیفیت تقسیم میں اختلاف کیا ہے محمد کی اولاد (جو کہ تعداد میں زیادہ ہے احمد کی اولاد سے) کا کہنا ہے کہ ہم موجودہ زندہ افراد پر تقسیم کریں گے لیکن احمد کی اولاد کا کہنا ہے ہم دونوں خریداروں (احمد، محمد) پر تقسیم کریں گے اور ان کی اولادیں آپس میں تقسیم کریں گی جس طرح انہوں نے آباد زمین تقسیم کی ہے پس ہمیں فتویٰ دو اور تمہارا اجر اللہ پر ہے۔

ج: حمد وصلاۃ کے بعد! بے شک وہ زمین جو قابل زراعت نہ تھی اس معاملہ میں قابل زراعت زمین کا حکم رکھتی ہے پس بے شک احمد اور محمد دونوں نے ان دونوں زمینوں کو خریدا تھا اور وہ دونوں اپنی زندگی میں ان دونوں زمینوں کے مالک تھے اور ان کے مرنے کے بعد وہ دونوں زمینیں ان دونوں کے وارثوں کی ہو گئیں اور اسی طرح نیچے کی اولادیں۔
اور یہ مسئلہ مناسخہ کے مسائل سے ہے اور جو علم میراث کے اہم مسائل سے ہے اور اس مسئلہ میں متقدمین اور متاخرین علماء میں کوئی اختلاف میں نہیں جانتا۔ واللہ اعلم]

س: وراثت: ۱۲۵ ایکڑ
میت مرد، دو بیٹے، دو بیٹیاں، بیوی۔ بھائی میت کی وراثت کی تقسیم سے قبل ہی ایک بیٹا فوت ہو گیا۔ ابھی وراثت تقسیم نہ ہوئی۔ دوسرا بیٹا بھی فوت ہو گیا۔

ج: شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی لاہور۔ موجودہ صورت میں یکے بعد دیگرے فوت ہونے والے لڑکوں کو کالعدم قرار دے کر موجودہ کا مسئلہ بنا لیا جائے۔ بایں صورت لڑکیوں کے لیے دو تہائی اور بیوی کو آٹھواں حصہ ملتا ہے باقی کا حقدار بھائی ہے۔ بصورت نقشہ تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

۲٤

دو بیٹے	دو بیٹیاں	بیوی	بھائی
کالعدم	۱۶	۳	۵
	۸ ۲/۲۵ + ۸ ۳/۲۵ ایکڑ	۳ ۱/۲۵ ایکڑ	۵ ایکڑ

الاعتصام کے ایک فتوائے وراثت پر نظر

ازعبدالمنان نور پوری بطرف جناب الاخ الکریم فضیلۃ الشیخ شیخ الحدیث مولانا حافظ ثناء اللہ صاحب مدنی

حفظهما الله سبحانه وتعالى ـــــــــــ السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

امابعد! خیریت موجود خیریت مطلوب۔ آپ کے فتاویٰ مؤقر جریدہ الاعتصام میں پڑھ کر دلی مسرت ہوتی ہے۔ دل کی گہرائیوں سے دعا نکلتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے علم وعمل اور تبلیغ دین میں برکت فرمائے۔ اس کی آپ کو مزید توفیق عطا کرے اور دنیا وآخرت میں باعث اجر وثواب بنائے۔ آمین یارب العالمین۔

اس دفعہ ۳۰ جمادی الاولیٰ کا شمارہ پڑھا۔ اس میں جناب کا میراث کے متعلق ایک فتویٰ بھی نظر سے گزرا جس میں اس فقیر الی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دو چیزوں کو بڑی شدت سے محسوس کیا۔ رسول اللہ ﷺ کے فرمان ﴿اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ﴾ [1] الخ [دین خیر خواہی کا نام ہے] کے پیش نظر یہ مکتوب آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سعادت دارین سے نوازے۔ آمین یارب العالمین

(۱) فوت شدہ دو بیٹوں کو کالعدم بنا کر ۱۲۵ یکڑ کو مندرجہ ذیل صورت میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۲٤

دو بیٹے	دو بیٹیاں	بیوی	بھائی
کالعدم	۸ ۲/۲۵ + ۸ ۳/۲۵ ایکڑ	۳ ۱/۲۵ ایکڑ	۵ ایکڑ
	۱۶	۳	۵

جب کہ دو بیٹوں کو کالعدم بنا کر ان وارثوں کے حصص مندرجہ ذیل بنتے ہیں۔

[1] [مسلم ـ کتاب الایمان ـ بخاری کتاب الایمان]

دو بیٹے	دو بیٹیاں	بیوی	بھائی
کالعدم	۸ $\frac{1}{3}$ + ۸ $\frac{1}{3}$ ایکڑ	۳ $\frac{1}{8}$ ایکڑ	۵ $\frac{5}{25}$ ایکڑ

(۲) سوال میں تصریح ہے کہ ''میت کی وراثت کی تقسیم سے قبل ہی ایک بیٹا فوت ہو گیا، ابھی وراثت تقسیم نہ ہوئی دوسرا بیٹا بھی فوت ہو گیا۔ سوال والی صورت میں دونوں بیٹے نہ تو واقع میں کالعدم ہوتے ہیں کیونکہ وہ تقسیم میراث سے پہلے فوت ہوئے ہیں نہ کہ میت مورث کی میراث سے پہلے اور نہ ہی مسئلہ مناسخہ میں، کیونکہ میت ثانی اور اور میت اول کے وارثوں اور حصوں میں فرق ہے تو صورت مسئولہ میں میت اول کی بیوی کو ۱۲۵ ایکڑ سے ۳ $\frac{1}{8}$ ایکڑ بحیثیت بیوی اور ۲ $\frac{31}{42}$ ایکڑ بحیثیت دو بیٹوں کی ماں کے ملیں گے اور میت اول کی دو بیٹیوں کو ۷ $\frac{7}{24}$ ایکڑ اور دو بیٹوں کی بہن کی حیثیت سے ۹ $\frac{13}{18}$ ایکڑ ملیں گے اور میت اول کے بھائی کو دو بیٹوں کے چچا کی حیثیت سے ۲ $\frac{31}{42}$ ایکڑ ملیں گے۔ صورت مندرجہ ذیل ہے۔

ترکہ ۱۲۵ ایکڑ

اصل ۸×۶ تصحیح = ------۴۸× وفق تصحیح ثانی ۳ = ---۱۴۴ تصحیح المسئلتین اول

	دو بیٹے	دو بیٹیاں	بیوی	بھائی
	عصبہ للذکر مثل حظ الانثیین		ثمن	مح
از اصل =	۷		۱	×
از تصحیح =	۲۸	۴۲ ۱۴	۶	×
تصحیح مسئلتین =	۸۴	۱۲۶ ۴۲	۱۸	×
از ترکہ =	۱۴ $\frac{7}{13}$ ایکڑ	۷ $\frac{7}{24}$ ایکڑ	۳ $\frac{1}{8}$ ایکڑ	×

دو بیٹے اصل و تصحیح = ٦ ثانی

	ماں	دو بہنیں	چچا
	سدس	ثلثان	عصبہ باقی
از اصل و تصحیح =	١	٤	١
از تصحیح مسئلتین =	١٤	٥٦	١٤
از ترکہ =	٢ ٣١/٤٢ ایکڑ	٩ ١٣/١٨ ایکڑ	٢ ٣١/٤٢ ایکڑ

نیک دعاؤں میں یاد رکھیں۔تمام احباب و اخوان کی خدمت میں ہدیہ سلام پیش فرما دیں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔اخوکم فی اللہ ومحبکم فی دین اللہ

ابن عبدالحق بقلم۔٥/٦/١٤١٨ھ۔ سرفراز کالونی گوجرانوالہ

جوابِ مکتوب از شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی حفظہ اللہ تعالی

محترم فاضل دوست محقق العصر مولانا حافظ عبدالمنان نور پوری حفظہ اللہ تعالی مدرس جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ۔
وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔آپ کی توجہ فرمائی کا شکریہ۔میں سوال میں میت کی وراثت کی تقسیم سے قبل دو بیٹوں کی وفات یا میت سے قبل دو لڑکوں کی وفات کے الفاظ پر توجہ نہ دے سکا۔اس لیے میں نے دونوں لڑکوں کو وراثت سے محروم قرار دے دیا۔حالانکہ وہ وراثت کی تقسیم سے قبل فوت ہوئے ہیں نہ کہ میت سے قبل۔لہٰذا میت کے بعد فوت ہونے کی صورت میں مسئلہ مناسخہ ہی کا بنتا ہے جس کے مطابق آپ کی تقسیم صحیح ہے گویا یہاں اصل مغالطہ الفاظ کا ہوا ہے ورنہ مسئلہ وراثت میں ہمارا آپس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ جزاکم اللہ خیرا .

والسلام طالب الدعوات اخوکم فی اللہ ثناء اللہ بن عیسٰی خاں لاہور

محترمی و مکرمی جناب الشیخ الحدیث مولانا حافظ ثناء اللہ صاحب مدنی زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ!امید ہے کہ مزاج گرامی بخیریت ہوں گے آپ کا موقر جریدہ الاعتصام جلد ٤٩۔ ٢٨ جمادی الثانیہ ١٤١٨ھ۔٣١ اکتوبر ١٩٩٧ میں ایک فتویٰ وراثت نظر سے گزرا جو نظر ثانی کے باوجود قابل توجہ ہے۔ بندہ نے مجیب ثانی حضرت مولانا حافظ عبدالمنان صاحب کے جواب میں قابل توجہ الفاظ کے اوپر سرخ لکیر کھینچ کر ظاہر کیا ہے۔وہ یہ کہ میت اولیٰ کی وراثت کی تقسیم سے قبل جب ایک بیٹا فوت ہو گیا تو اس کا میراث چچا کو نہیں ملتا کیونکہ اس کا اپنا بھائی موجود ہے اور بھائی کی موجودگی میں چچا محجوب ہوتا ہے البتہ دوسرے بیٹے کی وفات کے بعد چچا

کو کچھ مل جائے گا۔

نیز مسئلہ کی وضاحت کے لیے مورث اور ورثاء کے فرضی نام درج کر کے صحیح صورت مسئلہ لکھا ہے اور ﴿اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَةُ﴾ [1] کے پیش نظر آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ خط ملنے کے بعد بندہ کو اطلاع دے کر شکریہ کا موقعہ دیں گے۔

نوٹ: اگر ممکن ہو تو مولانا حافظ عبدالمنان صاحب کو بھی اطلاع دیں۔

طالب دعا عبداللہ شاہ مدرس دار العلوم اسلامیہ چارسدہ خطیب جامع مسجد باباجی محلہ عزیز میل چارسدہ

زید مسئلہ ۸×۶ = ۴۸×۱۲ = ۵۷۶×۳ = ۱۷۲۸

بیوہ زید	پسر زید	پسر زید	دختر زید	دختر زید	برادر زید
زینب	جعفر	اصغر	ہندہ	فاطمہ	اکبر
۶	۱۴	۱۴	۷	۷	محجوب
۷۲		۱۶۸	۸۴	۸۴	×
۲۱۶			۲۵۲	۲۵۲	×

جعفر مرحوم مسئلہ ۶×۴=۲۴ توافق بالنصف ما فی الید ۱۴

ماں	بھائی	بہن	بہن	چچا	وفق تصحیح میت ثانی × کل تصحیح میت اول
زینب	اصغر	ہندہ	فاطمہ	اکبر	۱۲×۴۸=۵۷۶
۴	۱۰	۵	۵	محجوب	نصف ما فی الید × ما فی الید من المیت الثانی
۲۸	۷۰	۳۵	۳۵	×	
۸۴		۱۰۵	۱۰۵	×	

[1] [مسلم۔ کتاب الایمان۔ بخاری کتاب الایمان]

از پدر + از برادر ۲

اصغر مسئلہ ۶ توافق بالنصف ما فی الید ۱۶۸ + ۷۰ = ۲۳۸

بہن	بہن	ماں	چچا	وفق تصحیح میت ثانی × کل تصحیح میت اول
ہندہ	فاطمہ	زینب	اکبر	۱۷۲۸ = ۵۷۶ × ۳
۲	۲	۱	۱	نصف ما فی الید × ما فی الید من المیت الثانی
۲۳۸	۲۳۸	۱۱۹	۱۱۹	

الاحیاء

(۱) ماں (زینب)

۴۱۹ = ۱۱۹ + ۸۴ + ۲۱۶

$\frac{٤١٩ \times ٢٥}{١٧٢٨}$ = ۰۶ء ۶ ایکڑ

(۲) بہن (ہندہ)

۵۹۵ = ۲۳۸ + ۱۰۵ + ۲۵۲

$\frac{٥٩٥ \times ٢٥}{١٧٢٨}$ = ۶۰ء ۸ ایکڑ

(۳) بہن (فاطمہ)

۵۹۵ حصے = ۶۰ء ۸ ایکڑ

(۴) چچا (اکبر)

۱۱۹

$\frac{١١٩ \times ٢٥}{١٧٢٨}$ = ۷۲ء ۱ ایکڑ

مجموعہ حصص: ۴۱۹ + ۵۹۵ + ۵۹۵ + ۱۱۹ = ۱۷۲۸۔ مجموعہ رقبہ = ۹۸ء ۲۴ ایکڑ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از عبدالمنان نور پوری بطرف جناب مفتی عبداللہ شاہ صاحب مدرس دار العلوم الاسلامیہ

خطیب جامع مسجد بابا جی چار سدہ حفظہما اللہ سبحانہ وتعالیٰ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اما بعد! خیریت موجود عافیت مطلوب۔ آپ نے جو مکتوب جناب المکرّم شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ صاحب مدنی حفظہ اللہ تبارك وتعالی کو ارسال فرمایا وہ انہوں نے مجھے بھیجا تو جناب کا مکتوب گرامی پڑھ کر پتہ چلا کہ واقعی ہم دونوں سے سوال میں درج عبارت ''میت کی وراثت کی تقسیم سے قبل ہی ایک بیٹا فوت ہو گیا ابھی وراثت تقسیم نہ ہوئی دوسرا بیٹا بھی فوت ہو گیا'' پر توجہ دینے میں فروگذاشت ہوئی جس کی بنا پر جواب صحیح نہ رہا آپ کے توجہ دلانے پر ہم نے جواب کی اصلاح کر دی ہے اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا وآخرت میں جزائے خیر عطا فرمائے ہم آپ کے تہہ دل سے شکر گزار

ہیں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ''جس نے لوگوں کا شکر نہ کیا اس نے اللہ کا شکر نہ کیا'' **اللھم وفقنا لما تحب وترضی** نیک دعاؤں میں یاد رکھیں۔ ٤/١٢/١٤١٨ھ

تصحیح مسئلہ وراثت

فاروق اصغر صارم مدرس جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ

وراثت: ۱۲۵ ایکڑ (= ۴۰۰۰ مرلہ یا ۲۰۰ کنال)

میت مرد، دو بیٹے، دو بیٹیاں، بیوی، بھائی۔

میت کی وراثت کی تقسیم سے قبل ہی ایک بیٹا فوت ہو گیا۔ ابھی وراثت تقسیم نہ ہوئی کہ دوسرا بیٹا بھی فوت ہو گیا۔

محترم المقام فضیلۃ الشیخ حافظ ثناء اللہ مدنی حفظہ اللہ کی طرف سے ہفت روزہ الاعتصام کے شمارہ ۳۸ (بتاریخ ۳۰ جمادی الاولی ١٤١٨ھ بمطابق ۳ تا ۹ اکتوبر 1997ء) میں جو غیر درست جواب شائع ہوا تھا وہ یوں تھا:

جواب: موجودہ صورت میں یکے بعد دیگرے فوت ہونے والے لڑکوں کو کالعدم قرار دے کر موجود کا مسئلہ بنا لیا جائے۔ بایں صورت لڑکیوں کے لیے دو تہائی اور بیوی کو آٹھواں حصہ ملتا ہے۔ باقی کا حق دار بھائی ہے بصورت نقشہ تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

۲٤

دو بیٹے	دو بیٹیاں	بیوی	بھائی
کالعدم	۱۶	۳	۵
	$۸\frac{۲}{۲۵} + ۸\frac{۲}{۲۵}$ ایکڑ	$۳\frac{۱}{۲۵}$ ایکڑ	۱۵ ایکڑ

☆ محترم المقام جناب حافظ عبدالمنان صاحب مدرس جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ نے فتویٰ کے جواب میں غلطی کی طرف توجہ دلائی نیز اسی مسئلہ کو حل کر کے ہمیں ارسال کیا جسے ہم نے ہفت روزہ ''الاعتصام'' کے شمارہ نمبر ۴۲ (بتاریخ ۲۸ جمادی الثانیہ بمطابق ۳۱ اکتوبر تا ٦ نومبر 1997ء) میں ''الاعتصام کے ایک فتوائے وراثت پر نظر'' کے عنوان سے شکریہ کے ساتھ شائع کروا دیا۔

موصوف کی علمی اور عملی مقام و مرتبہ کے پیش نظر ہم نے یہ فتویٰ بغیر غور و تدبر کیے اشاعت کے لیے روانہ کر دیا۔

شائع ہو جانے کے بعد معلوم ہوا کہ محترم حافظ عبدالمنان صاحب سے بھی نسیان و تسامح ہو گیا ہے۔

جو تقسیم انہوں نے فرمائی اس میں میت اول کے بعد فوت ہو جانے والے دو بیٹوں کا ایک ہی مسئلہ بنا دیا (حالانکہ یکے بعد دیگرے فوت ہوئے تھے) جس سے طریقہ تقسیم میں خرابی آ گئی اور ورثا کے سہام میں بھی کمی بیشی واقع ہوگئی ۔الغرض ورثاء کی تعیین اور تقسیم درست نہ رہی۔

☆محترم پروفیسر محمد شریف شاکر صاحب نے بھی اسی مسئلہ کو حل کر کے ''وراثت کے ایک فتویٰ کا تعاقب'' کے عنوان سے ہمیں ارسال فرمایا۔ موصوف نے خوب محنت سے ورثاء میں سہام تقسیم کیے۔ لیکن متعدد مقامات کے علاوہ جواب کے آخر میں ورثاء کے مجموعی سہام کے اندراج اور میزان میں بھول چوک کا شکار ہو گئے۔

☆اب پھر ایک مرتبہ اس مسئلہ مناسخہ کی صحیح تقسیم کر کے ''الاعتصام'' میں شائع کر رہے ہیں تا کہ ریکارڈ درست رہے اور متعلقین مسئلہ شریعت کے مطابق اپنے حصص کی تقسیم درست کر لیں۔

فرضی ناموں سے ورثا میں ترکہ کی صحیح تقسیم درج ذیل ہے۔

میت اول (مرد)

اصل مسئلہ: ۸ تصحیح: ۸ × ٦ = ٤٨ ترکہ ۲۰۰ کنال (۱۲۵ ایکڑ)

وارث	حصہ	۸	٤٨	کنال — مرلہ — سرساہی
بیوی (مریم)	ثمن (آٹھواں)	۱	٦	۲۵ — ۰ — ۰
بیٹی (عائشہ)	عصبہ	۷	۷	۲۹ — ۳ — ۳
بیٹی (حفصہ)			۷	۲۹ — ۳ — ۳
بیٹا (خالد)			۱٤	۵۸ — ٦ — ٦
بیٹا (بکر)			۱٤	۵۸ — ٦ — ٦
بھائی (بشیر)	محروم	×	×	×
				میزان ۲۰۰ — ۰ — ۰ کنال مجموعہ

میت ثانی (خالد)

اصل مسئلہ: ٦ تصحیح: ٦×٤ = ٢٤ ما بالید: ٦ — ٦ — ٥٨ کنال

وارث	حصہ	٦	٢٤	ما بالید
والدہ (مریم)	چھٹا	١	٤	٤ — ١٤ — ٩
بہن (عائشہ)	عصبہ	٥	٥	١/٢ — ٣ — ١٢
بہن (حفصہ)			٥	١/٢ — ٣ — ١٢
بھائی (بکر)			١٠	١ — ٦ — ٢٤
چچا (بشیر)	محروم	x	x	x
				میزان ٦ — ٦ — ٥٨ کنال

میت ثالث (بکر)

ما بالید:

	سرساہی	مرلہ	کنال
میت اول سے:	٦	٦	٥٨
میت ثانی سے:	١	٦	٢٤
کل ترکہ:	٧	١٢	٨٢

اصل مسئلہ: ٦

وارث	حصہ	٦	
والدہ (مریم)	چھٹا	١	٤ — ١٥ — ١٣
بہن (عائشہ)	تہائی	٢	٨ — ١٠ — ٢٧
بہن (حفصہ)	تہائی	٢	٨ — ١٠ — ٢٧
چچا (بشیر)	عصبہ	١	(٤+١=)٥ — ١٥ — ١٣
			میزان ٧ — ١٢ — ٨٢ کنال

نوٹ
ایک سرساہی باقی بچ گئی جو چچا کو زائد دے دی گئی

المبلغ ٢٠٠ کنال الاحیاء

حصہ	میت	سرساہی	مرلہ	کنال
مریم کا حصہ مجموعی	میت اول سے بحیثیت بیوی:	۰	۰	۲۵
	میت ثانی سے بحیثیت والدہ:	٤	١٤	٩
	میت ثالث سے بحیثیت والدہ:	٤	١٥	١٣
	مجموعی	٨	٩	٤٨
عائشہ کا حصہ مجموعی	میت اول سے بحیثیت بیٹی:	٣	٣	٢٩
	میت ثانی سے بحیثیت بہن:	½	٣	١٢
	میت ثالث سے بحیثیت بہن:	٨	١٠	٢٧
	مجموعی	٢½	١٧	٦٨
حفصہ کا حصہ مجموعی	میت اول سے بحیثیت بیٹی:	٣	٣	٢٩
	میت ثانی سے بحیثیت بہن:	½	٣	١٢
	میت ثالث سے بحیثیت بہن:	٨	١٠	٢٧
	مجموعی	٢½	١٧	٦٨
بشیر کا حصہ	میت ثالث سے بحیثیت چچا:	٥	١٥	١٣
کل ترکہ جو تقسیم ہوگیا		۰	۰	٢٠٠ کنال (یعنی ١٢٥ ایکڑ)

س: ایک آدمی ہے حاجی حبیب اللہ فوت ہو چکا ہے وہ تقریباً ستر، اسی ایکڑ زمین کا مالک تھا اس کی اولاد ہے۔ اولاد: ایک لڑکا ہے سیف اللہ۔ دولڑکیاں ایک خورشیدہ دوسری ہاجراں۔ تینوں شادی شدہ ہیں۔ خورشید زندہ ہے یہ عورت لاولد ہے یعنی اولاد کوئی نہیں ہاجراں خود فوت ہو چکی ہے خاوند موجود ہے اس کے دولڑکے ہیں عبداللہ۔ شکیل، ہاجراں کے لڑکے عبداللہ اور شکیل کو سیف اللہ اور خورشیدہ کی موجودگی میں وراثت ملتی ہے یا نہیں کیونکہ سیف اللہ لڑکا خورشیدہ دونوں زندہ ہیں یہ بہن بھائی دوسری بہن ہاجراں فوت ہو چکی ہے اس کے دولڑکے عبداللہ، شکیل موجود ہیں

عنایت اللہ امین ضلع قصور

ج: امابعد خیریت موجود خیریت مطلوب۔ جناب کا گرامی نامہ موصول ہوا اسے بغور پڑھا آپ نے جو صورت پیش کی وہ یہ ہے حاجی حبیب اللہ صاحب فوت ہو چکے ہیں ان کا ایک لڑکا ہے سیف اللہ دولڑکیاں ہیں ایک ہاجراں جو فوت ہو چکی ہے اس کے دولڑکے ہیں عبداللہ اور شکیل اور دوسری لڑکی خورشیدہ ہے جو زندہ اور لاولد ہے۔

آپ نے وضاحت نہیں فرمائی ہاجراں اپنے والد حاجی حبیب اللہ صاحب کی وفات سے پہلے فوت ہوئی یا بعد اگر وہ پہلے فوت ہوئی ہے تو حاجی حبیب اللہ صاحب کے ترکہ میں اس کا کوئی حصہ نہیں اور نہ ہی اس کے دونوں لڑکوں کا اپنے نانا حبیب اللہ کی جائیداد میں کوئی حصہ ہے کیونکہ حاجی حبیب اللہ صاحب کا لڑکا سیف اللہ اور لڑکی خورشیدہ حاجی صاحب کے عصبہ ہیں صحیح بخاری ۲/ ۹۹۷ میں ہے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿اَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِاَهْلِهَا فَمَا بَقِیَ فَهُوَ لِاَوْلٰی رَجُلٍ ذَکَرٍ﴾ [اصحاب الفرائض کو ان کا حق دو جو باقی بچے

وہ قریبی مرد کا حصہ ہے] اور قرآن مجید ۴/۱۱ میں ہے ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ [وصیت کرتا ہے تم کو اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے بارے کہ مرد کے لیے دو عورتوں کا حصہ ہے] لہٰذا حاجی حبیب اللہ صاحب کے ترکہ سے ان کی وصیت جائزہ اور قرضے ادا کرنے کے بعد جو ترکہ بچے وہ ان کے لڑکے سیف اللہ اور ان کی لڑکی خورشیدہ کے درمیان اصحاب الفرائض کو دینے کے بعد ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ کے حساب سے تقسیم کیا جائے گا۔ پھر آگے سیف اللہ اور خورشیدہ اپنے اپنے حصوں سے برضا ورغبت اپنے بھانجوں عبداللہ اور شکیل کو کچھ دینا چاہیں تو شرعاً دے سکتے ہیں۔

اور اگر حاجی حبیب اللہ صاحب کی لڑکی ہاجراں حاجی صاحب موصوف کی وفات کے وقت زندہ تھی تو پھر حاجی صاحب کے ترکہ کو مذکورہ بالا طریقہ سے تقسیم کرنے کے بعد جو بچے وہ سیف اللہ خورشیدہ اور ہاجراں تینوں کے درمیان ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ کے حساب سے تقسیم ہو گا پھر جو ہاجراں کو حصہ ملے وہ کتاب وسنت کی روشنی میں اس کے وارثوں کے درمیان تقسیم ہو گا اس صورت میں عبداللہ اور شکیل کو ان کی والدہ ہاجراں کے حصہ سے حصہ ملے گا۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم ۱۰/۸/۱۴۱۰ھ

س : مؤدبانہ گزارش ہے کہ بندہ ہذا کا وراثت کی تقسیم کا مسئلہ ہے کہ چوہدری محمد ابراہیم مرحوم کا کل رقبہ ۲۹۴ کنال یعنی ۱۳۶ ایکڑ ۶ کنال ہے جبکہ محمد ابراہیم مرحوم کی اولاد میں سے صرف ۲ بیٹیاں ہیں مسئلہ یہ ہے کہ باقی وارثوں کو اس زمین میں سے کتنا کتنا حصہ ملے گا؟

زمین کے وارثوں کا شجرہ

چوہدری پیر بخش

|

چوہدری محمد ابراہیم مرحوم وفات (۱۹۶۴)

|

بھائی

مرحوم محمد یوسف۔ محمد سلیمان مرحوم

|

بہنیں

فاطمہ بی بی مرحومہ۔ مریم بی بی مرحومہ

|

بیویاں

حشمت بی بی مرحومہ۔ کریم بی بی مرحومہ

|

(حل طلب فریق جو کہ زندہ ہیں) بیٹیاں

بشیراں بی بی۔ نسیم بی بی
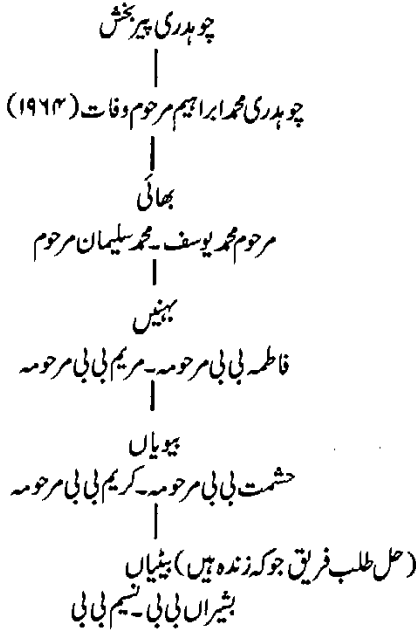
چوہدری محمد رشید رحیم یار خان

ج: سوال میں چوہدری ابراہیم کے وارثوں کے متعلق یہ وضاحت نہیں ہے وہ کب فوت ہوئے؟ ابراہیم کی وفات سے قبل یا بعد؟ صرف بیٹیوں کے زندہ ہونے کی صراحت موجود ہے۔

چوہدری ابراہیم کے چاروں بہن بھائی اور اس کی دونوں بیویاں اگر ابراہیم کی وفات کے وقت زندہ تھے تو ابراہیم کی کل جائیداد متروکہ بعد از ادائے دیون و وصایا کا $\frac{1}{8}$ آٹھواں حصہ دونوں بیویوں کو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ﴾ [1] [پھر اگر تمہاری اولاد ہے تو ان کا آٹھواں حصہ ہوگا تمہاری وصیت اور قرض کے بعد] اور $\frac{2}{3}$ دو تہائی دونوں بیٹیوں کو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ﴿فَإِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ﴾ [2] پھر اگر لڑکیاں (دو) یا دو سے زیادہ ہوں تو ان سب کے لیے دو تہائی چھوڑے ہوئے مال سے] اور باقی چار بہن بھائیوں کو ہر بھائی کو بہن سے دوگنا کیونکہ قرآن مجید میں ہے: ﴿وَإِنْ كَانُوْآ إِخْوَةً رِّجَالاً وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَيَيْنِ﴾ [3] [اور اگر بہن بھائی مرد و عورت وارث ہوں تو مرد کو عورت سے دگنا حصہ ملے گا]

---

[1] [النساء ۱۲ پ ٤] [2] [النساء ١١ پ ٤] [3] [النساء ١٧٦ پ ٦]

دو بیویوں اور چار بہن بھائیوں کو ابراہیم کی جائیداد سے جو ملا وہ ان کی دیگر جائیداد میں ملا کر ان بیویوں اور چار بہن بھائیوں کی وفات کے وقت ان کے زندہ وارثوں میں تقسیم ہوگا یہ جواب ابراہیم کی وفات کے وقت اس کی بیویوں اور بہن بھائیوں کے زندہ ہونے کی صورت میں ہے بصورت دیگر بہن بھائیوں اور بیویوں کی وفات کا وقت اوران کی اولاد کی تفصیل لکھ کر پوچھ لیں۔ واللہ اعلم ۱۴۱۷/۱/۹ھ

س: ایک آدمی وفات پا گیا ہے اس کی ایک بیوی ہے اور تین بیٹے اور سات بیٹیاں ہیں اور اس آدمی کا ترکہ (500000) پانچ لاکھ روپے ہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت کریں کہ ان کو کتنا کتنا حصہ ملتا ہے؟

یاسر عرفان چک اگو

ج: بشرط صحت سوال مندرج بالا میت کی بیوی کو آٹھواں حصہ (۱/۸) ملے گا کیونکہ میت کی اولاد ہے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ﴾ -الیٰ آخرہ- اور باقی تین بیٹوں اور سات بیٹیوں کے مابین ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ کے حساب سے تقسیم ہوگا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ [1] [اللہ تم کو اولاد کے حصوں کی بابت حکم فرماتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے] صورت مسئولہ مندرجہ ذیل ہے۔

---

[1] [النساء ۱۱ پ ۴]

اصل = ۸ تصحیح ۸×۱۳=۱۰۴ ترکہ ۵ لاکھ

	بیوی	تین بیٹے	سات بیٹیاں
	ثمن	عصبہ	لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ
ازاصل:	۱	۷	
ازتصحیح:	۱۳	ہر بیٹے کو ۱۴ (۹۱)	ہر بیٹی کو ۷
ازترکہ:	۶۲۵۰۰ ساڑھے باسٹھ ہزار	ہر بیٹے کو ۶۷۳۰۷ $\frac{9}{13}$ سڑسٹھ ہزار تین سو سات صحیح نو بٹہ تیرہ	ہر بیٹی کو ۳۳۶۵۳ $\frac{11}{13}$ تینتیس ہزار چھ سو ترپن صحیح گیارہ بٹہ تیرہ

۱۴۱۷/۴/۲۷ھ

كتاب الاضحية ....قربانی اور عقیقہ کے مسائل

س: قربانی کی فضیلت میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے اور اس کا کوئی ثبوت کہ اس کا اتنا اجر ملے گا اجر کی کوئی صحیح حدیث نہیں حالانکہ مؤلفین کتب قربانی نے بہت کچھ لکھ دیا ہے اور علماء کرام ان کے بیان میں محراب ومنبر میں خوب زور دیتے ہیں؟ محمد بشیر طیب کویت

ج: یہ بات درست ہے کہ قربانی (اضحیة) کی فضیلت میں جتنی مرفوع روایات پیش کی جاتی ہیں ان میں سے کوئی ایک روایت بھی صحیح نہیں۔ ۱/۷/۱٤۲۰ھ

س: آپ نے لکھا ہے کہ قربانی کی فضیلت کی تمام احادیث ضعیف ہیں یہ بات ٹھیک ہے لیکن اس دن خون کا بہانا اور نبی اکرم ﷺ کا ہر سال قربانی کرنا کس زمرہ میں جائے گا اس کا کیا ثواب ہوگا؟ محمد بشیر طیب کویت

ج: آپ نے لکھا ہے ''قربانی کی فضیلت کی تمام احادیث ضعیف ہیں یہ بات ٹھیک ہے لیکن اس دن خون بہانا اور نبی اکرم ﷺ کا ہر سال قربانی کرنا کس زمرہ میں جائے گا اس کا کیا ثواب ہوگا کیا اجر ہوگا''؟

تو محترم توجہ فرمائیں قربانی کی فضیلت والی احادیث کے ضعیف ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ قربانی بے اجر وثواب کام ہو گیا ہے قربانی کا اجر وثواب تو اپنی جگہ محقق وثابت شدہ امر ہے جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں حدیث میں ہے: ﴿اَلْحَسَنَةُ بِعَشَرَةِ أَمْثَالِهَا إِلٰى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ﴾ [1] [نیکی کا اجر دس گنا سے لے کر سات سو تک ہے] ہاں فضیلت قربانی والی احادیث کے ضعیف ہونے سے یہ لازم آتا ہے کہ جو فضیلت ان میں بیان ہوئی وہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔ ۱۳/۸/۱٤۲۰ھ

س: حافظ نے اپنی کیسٹ میں کہا کہ قربانی کے جو لوگ یا علماء چار دن کہتے ہیں وہ غلط ہیں صحیح تین دن ہی ہیں۔ چار دنوں کا کوئی ثبوت نہیں۔ مہربانی فرما کر اس کی بھی وضاحت فرما دینا۔ تاکہ ہم بھی کچھ دلائل کی دنیا میں زندگی بسر کر سکیں؟ محمد بشیر طیب کویت

ج: ''ایام التشریق ذبح کے دن ہیں'' [2] مرفوع حدیث دار قطنی وغیرہ میں موجود ہے اور معلوم ہے کہ تشریق یوم نحر

[1] [تفسير ابن كثير المجلد الثانى پ۸ ص۲٦۳۔۲٦٤] [2] [سلسلة الاحاديث الصحيحة للألبانى الجزء الخامس۔ حديث نمبر ۲٤۷٦]

کے بعد تین دن ۱۱،۱۲ اور ۱۳ ذوالحجہ ہیں ان تین دن میں یوم نحر کو جمع کر لیں تو چار دن ہی ہیں ۔ باقی جو لوگ تین دن کے قائل ہیں ان سے قرآن مجید کی کوئی آیت یا رسول اللہ ﷺ کی کوئی مرفوع حدیث طلب فرمائیں تو جو آیت یا مرفوع حدیث وہ پیش فرمائیں گے ۔ اسی سے چار دن بھی نکل آئیں گے ان شاء اللہ الرحمان ۱/۷/۱۴۲۰ھ

س : قربانی کوئی ضروری نہیں کہ ہر سال دی جائے اور طاقت ہوتے بھی اگر ایک انسان مسلمان نہیں کرتا تو اس کو کوئی گناہ نہیں ہوگا ۔ اور نہ ہی صحابہ سے یہ عمل ثابت ہے قربانی اگر ضروری نہیں تو پھر یہ بات تو پرویز بھی کہتا ہے اس کو کافر کہہ دیتے ہیں ۔ اور پھر رسول اللہ ﷺ تو ہر سال دو قربانی کیا کرتے تھے اور اس صحابی کا واقعہ جس نے قربانی نماز سے پہلے کی تو آپ نے فرمایا یہ تو صرف گوشت ہوا قربانی نہیں تو اس کو بعد میں کرنے کا حکم دیا تو اس نے کہا کہ میرے پاس تو بس جذع ہے تو آپ نے جذع کرنے کا حکم دیا ۔ محمد بشیر طیب کویت

ج : صاحب استطاعت کے لیے اضحیہ قربانی ضروری ہے ایک دلیل تو آپ نے خود ہی لکھ دی ہے دوسری دلیل ہے : ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ ۱/۷/۱۴۲۰ھ

س : کیا رسول اللہ ﷺ نے حج کے مواقع کے علاوہ عید الاضحیٰ پہ قربانی دی ہے؟ محمد صفدر تحصیل کا مونکی 20/3/98

ج : رسول اللہ ﷺ نے حج کے مواقع کے علاوہ عید الاضحیٰ پہ قربانی دی ہے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے ﴿عَنْ أَنَسٍ قَالَ : ضَحّٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ أَقْرَنَيْنِ ذَبَحَهُمَا بِيَدِهِ وَسَمّٰى وَكَبَّرَ﴾ [حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے دو مینڈھے سیاہ وسفید رنگ کے سینگوں والے قربانی کیے آپ ﷺ نے ان کو اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور اللہ کا نام لیا اور اللہ اکبر کہا] ۲۵/۱۱/۱۴۱۸ھ

س : ایک حدیث آتی ہے کہ جو قربانی کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ بھی چاند نظر آنے کے بعد ناخن اور بال وغیرہ نہ کاٹے اور عید کی نماز پڑھ کر کاٹے تو اسے بھی قربانی جتنا ثواب ملے گا کیا یہ حدیث صحیح ہے اور کیا قربانی والے کو ناخن اور بال نہیں کاٹنے چاہئیں؟ محمد امجد آزاد کشمیر

ج : آپ نے لکھا ” ایک حدیث آتی ہے کہ جو قربانی کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ بھی چاند نظر آنے کے بعد ناخن اور بال وغیرہ نہ کاٹے اور عید کی نماز پڑھ کر کاٹے تو اسے بھی قربانی جتنا ثواب ملے گا “ حدیث صحیح ہے مگر ” وہ بھی چاند نظر آنے کے بعد ناخن اور بال وغیرہ نہ کاٹے “ والا جملہ اس میں نہیں ہے کسی نے اپنی طرف سے بڑھا لیا ہے ہاں قربانی کرنے والے چاند طلوع کے بعد ناخن اور بال نہ کٹوائیں نہ مونڈوائیں ۔ ۱۵/۱/۱۴۲۰ھ

س : کیا بھینس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ دونوں صورتوں میں کتاب وسنت کے دلائل سے وضاحت فرما دیں۔

جزاکم اللہ خیراً احسان اللہ

ج : جو لوگ بھینس کی قربانی کے جواز کے قائل ہیں ان کے ہاں دلیل بس یہی ہے کہ لفظ بقر اس کو بھی شامل ہے یا پھر اس کو بقر پر قیاس کرتے ہیں اور معلوم ہے کہ گائے کی قربانی رسول اللہ ﷺ کے قول، عمل اور تقریر سے ثابت ہے لہٰذا گائے کی قربانی کی جائے جو رسول اللہ ﷺ سے تینوں طریقوں سے ثابت ہے۔ واللہ اعلم ١٤١٩/١/١٢ھ

س : (۱) جاموس (بھینسا، کٹا) کی قربانی کے بارے میں حدیث نبوی ﷺ میں کیا حکم ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں کیا حکم ہے؟

(۲) قَرَّبَ دَجَاجَةً[1] کا کیا مطلب ہے کیا یہاں سے قربانی کا استدلال پکڑا جا سکتا ہے؟

(۳) نبی اکرم ﷺ نے کس کس چوپائے کی قربانی کی ہے؟ محمد عاصم ضلع قصور

ج : (۱) رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں جاموس کی قربانی کا ذکر نہیں ہے۔

(۲) ''قَرَّبَ دَجَاجَةً'' سے عید الاضحیٰ کے موقع پر کی جانے والی قربانی پر استدلال درست نہیں۔

(۳) جنس اونٹ، جنس گائے، جنس بھیڑ اور جنس بکری کی قربانی رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے ثابت ہے۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم ١٤٠٨/١٢/٤ھ

س : (۱) زید نے ایک گائے پال رکھی ہے جو کہ زرخرید نہیں بلکہ گھریلو ہے گائے خوبصورت بے عیب اور قربانی کے لائق ترین ہے کچھ لوگوں نے زید سے مذکورہ گائے قربانی کے لیے خریدنے کو کہا اور اس کی قیمت ثالثی پانچ ہزار متعین ہوگئی پھر 5000 کو سات حصوں میں تقسیم کیا گیا اب زید کہتا ہے کہ میں بھی اس گائے میں اپنا حصہ بصورت قربانی کرنا چاہتا ہوں لہٰذا تم مجھے چھ حصوں کے پیسے دے دو جبکہ زید کی اس گائے میں پہلے سے قربانی کے لیے کوئی نیت نہ تھی وقتی طور پر تیار ہوا ہے ہمیں تو بظاہر اس میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی تاہم شرعی فیصلہ مطلوب ہے زید کی پہلے سے نیت ہو یا نہ ہو۔ جبکہ اس تقسیم وعمل کو حافظ عبداللہ محدث روپڑی رحمہ اللہ نے اپنے فتویٰ میں غیر درست ومشکوک کہا ہے۔

(۲) زید نے ایک گائے خرید کی ہے اب اس میں بغیر منافع کے اصل رقم پر اپنا حصہ شامل کر کے قربانی کر سکتا ہے یعنی دی ہوئی رقم کے سات حصے ہوئے اپنا حصہ چھوڑ کر باقی اپنی اصل رقم سے چھ حصے وصول کرتا ہے کیا یہ درست ہے؟

عنایت اللہ امین قصور

---

[1] [بخاری شریف کتاب الجمعة]

ج: (۱) چونکہ خریدنے والوں نے قیمت کو بغرض قربانی سات حصوں میں تقسیم کرلیا ہے اس لیے زید اب کے ان سات آدمیوں سے کسی کو راضی کیے بغیر اپنی فروخت کردہ گائے میں قربانی کے لیے اپنا حصہ نہیں رکھ سکتا کیونکہ یہ سلسلہ اس نے بیع منعقد ہو جانے اور اپنا خیار ختم ہو جانے کے بعد شروع کیا ہے۔

(۲) بالکل درست اور صحیح ہے۔ واللہ اعلم ۱۴۱۷/۱۲/۵ھ

س: گائے میں سات حصہ دار ہوتے ہیں اگر چھ آدمی مل جائیں اور ساتواں آدمی نہ ملے۔ ان چھ میں سے دو اس حصہ کو نصف نصف کرلیں تو کیا یہ درست ہے؟ ظاہر عزیز جھراں

ج: درست ہے۔ ۱۴۱۷/۲/۱ھ

س: قربانی کا بکرا خصی کروا سکتے ہیں یا نہیں؟ صابر علی شاکر 8 مئی 1997

ج: خصی کرنا کروانا جائز نہیں دیکھیں تفسیر ابن کثیر آیت ﴿فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ﴾ [1] [اور وہ خدائی ساخت میں ردّوبدل کریں گے] ہاں خصی جانور کی قربانی درست ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے خصی کی قربانی کی ہے۔ واللہ اعلم

۱۴۱۸/۳/۱۱ھ

س: منڈی میں جتنے بکرے تھے ان سب کے خصیے نہیں تھے کیا خصی بکرا قربانی کیا جاسکتا ہے نیز خصی افضل ہے یا کہ غیر خصی؟ محمد امجد میرپور آزاد کشمیر 16 اگست 1999

ج: یہ بکرا خصی کے زمرہ میں آتا ہے اور خصی کی قربانی رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے [2] آپ نے پوچھا خصی افضل ہے یا کہ غیر خصی؟ اس کا مجھے علم نہیں۔ ۱۴۲۰/۶/۱۹ھ

س: ایک قربانی کا جانور ہے اس کی گردن پر رسولی نکل آئی ہے تین چار دن گزر چکے ہمیں معلوم ہوا ہے۔ کیا یہ جانور قربانی کے قابل ہے جس وقت ہم نے یہ جانور خریدا تھا تو اس وقت یہ صحیح سلامت تھا۔ عبدالمجید درزی سرگودھا

ج: رسول اللہ ﷺ نے اس بیمار جانور کی قربانی سے منع فرمایا ہے جس کی بیماری واضح ﴿وَالْمَرِيْضَةُ الْبَيِّنُ مَرَضُهَا﴾ [3] واللہ اعلم ۱۴۱۷/۱۲/۲۳ھ

س: اگر ایک بکرا 14 یا 15 ماہ کا ہو گیا ہے لیکن مسنہ نہیں بنا تو کیا عمر پوری ہونے کی بنا پر قربانی کیا جاسکتا ہے؟
محمد امجد آزاد کشمیر

---

[1] [النساء ۱۱۹ پ۵] [2] [مشکوۃ ۔ کتاب الصلوۃ ۔ باب فی الاضحیۃ ۔ الفصل الثانی] [3] ابوداود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ

ج: قربانی کے جانور کا مسنہ ہونا ضروری ہے ہاں حالت عسر میں جنس بھیڑ کا جذعہ درست ہے جذعہ بھیڑ صحیح ترین قول کے مطابق سال یا سال سے اوپر والے کو کہتے ہیں بشرطیکہ ابھی مسنہ نہ ہوا ہو لہٰذا آپ کا موصوف بکرا قربانی نہیں کیا جاسکتا۔ ١٤٢٠/١/١٥ھ

س: براہ کرم درج ذیل حدیث کی وضاحت فرمائیں؟

﴿عَنْ جَابِرٍ ﷛ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لاَ تَذْبَحُوْا اِلَّا مُسِنَّةً اِلَّا اَنْ يَعْسُرَ عَلَيْكُمْ فَتَذْبَحُوْا جَذَعَةً مِنَ الضَّأْنِ﴾[1] جناب عالی! کتاب وسنت کی روشنی میں درج ذیل مسائل کا حل تحریر فرمادیں؟

(۱) کیا شرعاً قربانی صرف مسنہ یعنی دو دانت والے گائے۔ اونٹ۔ بھیڑ۔ بکری (نر و مادہ) ہی کی کرنی لازمی ہے اور ضروری ہے؟ (۲) کیا قربانی ۳۔۴۔۵۔۶۔۷ اور ۸ دانت والی گائے۔ اونٹ۔ بھیڑ۔ بکری (نر و مادہ) کی شرعاً ممنوع ہے؟ (۳) بھیڑیں دو قسم کی ہیں۔ پتلی دم والی بھیڑ (Thin Tailed Sheep) اور چکی والی بھیڑ (Fat Tailed Sheep) کیا قربانی ہر دو قسم کی بھیڑوں کی یکساں جائز ہے؟ (۴) ''مینڈھا'' کونسی قسم کی بھیڑ ہے؟ پتلی دم والی یا چکی والی؟ کیا مینڈھے کی قربانی افضل ہے؟ (۵) اگر مسنہ اور جذعہ بالکل دستیاب نہ ہوں اور ان کے علاوہ قربانی شرعاً کسی اور جانور کی نہ ہوسکتی ہو تو کیا ایک صاحب نصاب سے قربانی ساقط ہو جائے گی؟ آپ سے مزید گزارش ہے کہ سورۃ المائدۃ آیت نمبر ا سورۃ الانعام آیت ۱۴۳۔۱۴۴ اور سورۃ الحج آیت ۲۸ کی روشنی میں اور مزید کتاب وسنت کے حوالے سے یہ بتلائیں کہ بھینس، ہرن، اڑیال (نر و مادہ) بھیمة ہیں اور ان کی قربانی شرعاً جائز ہے؟ مختار احمد 25/8/86

ج: جناب نے جابر بن عبداللہ ﷛ کی ایک مرفوع حدیث متعدد کتب کے حوالہ سے نقل فرمائی ہے جس کا مطلب ومفہوم بڑا واضح ہے۔

(۱) مسنہ میسر ہوتے ہوئے غیر مسنہ کو ذبح نہ کرو۔

(۲) مسنہ میسر نہ ہونے کی حالت میں ضأن (جنس بھیڑ) کا جذعہ ذبح کرو۔

اس حدیث سے ثابت ہوا ابل (اونٹ اونٹنی) بقر (گائے بیل) اور معز (بکری بکرا) کا جذعہ مسنہ میسر آنے نہ آنے دونوں صورتوں میں درست نہیں جبکہ ضأن (بھیڑ مینڈھا) کا جذعہ مسنہ میسر ہونے کی صورت میں نادرست اور مسنہ

[1] رواہ مسلم، ابوداود، النسائی، ابن ماجہ، ابن الجارود البیہقی وغیرہ

میسر نہ ہونے کی صورت میں درست ہے۔

یاد رہے مسنہ میسر نہ ہونے کی دو حالتیں ہیں۔(i)۔مسنہ کا منڈی بازار وغیرہ میں نایاب ہونا۔

(ii)۔مسنہ کا منڈی بازار وغیرہ میں دستیاب ہوتے ہوئے بوجہ قلت مال اسے خریدنے کی سکت نہ رکھنا۔

مسنہ کا معنی: صاحب نیل الاوطار ص۲۰۲ ج۵ لکھتے ہیں ''قال العلماء : المسنة هي الثنية من كل شيء من الابل والبقر والغنم فما فوقها . ١هـ''

اہل علم کہتے ہیں دو دانتا یا اس سے بڑا مسنہ ہوتا ہے خواہ وہ اونٹ اونٹنی ہو خواہ گائے بیل اور خواہ بھیڑ مینڈھا بکری بکرا۔یہی بات علامہ احمد عبدالرحمٰن البنا نے الفتح الربانی کی شرح بلوغ الامانی ص۷۱ ج۱۳ میں لکھی ہے۔

صاحب قاموس ص۲۳۸ ج۲ لکھتے ہیں:اسن كبرت سنه كاستسن ونبت سنه . ١هـ

جذعہ کا معنی: مشہور لغت دان علامہ فیروز آبادی تحریر فرماتے ہیں ''الجذع محركة قبل الثني وهي بهاء اسم له في زمن ليس بسن تنبت او تسقط والشاب الحدث . ١هـ'' کتب کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ بھیڑ بکری کی جنس میں پورے ایک برس کا جانور بالاتفاق جذعہ ہے البتہ ان دونوں جنسوں میں چھ،سات،آٹھ،نو اور دس گیارہ ماہ کے بچے کے جذعہ ہونے میں اہل علم ولغت کا اختلاف ہے کچھ تو اس کو جذعہ قرار دیتے ہیں اور کچھ دوسرے اس کو جذعہ نہیں کہتے لہٰذا ٹھوس اور وزنی بات یہی ہے کہ قربانی میں مسنہ میسر نہ آنے کی صورت میں صرف ایک سالہ بھیڑ یا مینڈھا ہی ذبح کیا جائے۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد اپنے سوالات کے ترتیب وار جوابات بھی ملاحظہ فرمائیں۔

(۲،۱) دو دانتے یا چار دانتے یا چھ دانتے یا اس سے بھی زیادہ عمر والے جانور اونٹ یا گائے یا بھیڑ یا بکری نر یا مادہ کی قربانی اس کے میسر آنے کی صورت میں ضروری ہے بشرطیکہ وہ ایسا عیب دار نہ ہو جس کی قربانی سے شریعت نے منع فرما دیا ہے اور ایسے جانوروں سے کوئی سا جانور میسر نہ آنے کی صورت میں یک سالہ بھیڑ یا مینڈھا ہی کی قربانی ہوگی۔

(۳) ہر دو قسم کی بھیڑوں کی قربانی درست ہے کیونکہ ضأن (بھیڑ) کا لفظ دونوں پر بولا جاتا ہے۔

(۴) بھیڑ کی جنس میں نر کو مینڈھا کہتے ہیں خواہ پتلی دم والا ہو یا چکی والا ہو۔احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ میں اکثر مینڈھے کی قربانی دیا کرتے تھے امام مالک رحمہ اللہ اس جنس کی قربانی کو افضل قرار دیتے ہیں یاد رہے مسئلہ منیٰ کے علاوہ اپنے اپنے علاقوں میں کی جانے والی قربانیوں سے متعلق ہے۔

(۵) جب یہ صورت واقع میں رونما ہوگی اس وقت اس کا حکم پوچھنے والے پوچھ لیں گے اور جن سے پوچھا جائے گا وہ جواب بھی دے دیں گے ان شاء اللہ المنان ہمارے سامنے تو ابھی تک ایسی کوئی صورت واقع نہیں ہوئی۔

(۶) بھیمۃ الانعام کی تفصیل قرآن مجید میں موجود ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْأَنْعَامِ ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ﴾ ❶ اور اس نے تمہارے لیے انعام سے آٹھ جوڑے اتارے، آٹھ جوڑوں کی تفسیر اللہ تعالیٰ نے یوں فرمائی: ﴿ثَمَانِيَةَ اَزْوَاجٍ مِنَ الضَّأْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ﴾ الآية ، ﴿ وَمِنَ الاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ﴾ الآية ❷ آٹھ جوڑے بھیڑ سے دو اور بکری سے دو (پوری آیت قرآن مجید سے دیکھ لیں) اور اونٹ سے دو اور گائے سے دو (پوری آیت قرآن مجید سے دیکھ لیں) بھینس، ہرن اور اڑیال (نر و مادہ) کی قربانی کتاب وسنت سے ثابت نہیں۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم ۲۹/۱۲/۱۴۰۶ھ

س: کیا میت کی طرف سے قربانی کی جا سکتی ہے؟ اس سلسلے میں مسلم شریف کی ایک حدیث پیش کی جاتی ہے کہ آپ نے اپنے اہل اور آل اور امت محمدیہ کی طرف سے قربانی کی۔ اور اس کے علاوہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا عمل ظاہر کیا جاتا ہے کہ آپ نے دو دنبے ذبح کیے۔ صحابی یا تابعی کے پوچھنے پر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایک میری طرف سے اور دوسرا رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہے۔ اس حدیث سے میت کی طرف سے قربانی کا جواز نکالنا کیسا ہے؟ اس کے علاوہ خطبہ حجۃ الوداع سے اقتباس بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری اگلی اور پچھلی امت کی طرف سے یہ قربانی پیش کر رہا ہوں۔ کیا حجۃ الوداع میں ایسے اقتباس ہیں؟ اب مندرجہ بالا باتوں میں سائل کو کون سی راہ اختیار کرنی چاہیے؟ کیا آپ ﷺ نے امت مسلمہ کو اس عمل کو جاری رکھنے کا حکم دیا؟ کیا صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت کا یہ عمل رہا ہے؟ کیا یہ آپ ﷺ کے لیے خاص ہے یا ہم بھی اس قربانی سے مستفید ہو سکتے ہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیجیے؟ جزاکم اللہ خیراً عبدالقادر عبدالواحد کراچی

ج: صحیح مسلم والی حدیث سے زندہ مراد ہیں پھر صحیح مسلم کے لفظ ہیں: ﴿وَأَخَذَ الْكَبْشَ فَأَضْجَعَهُ ، ثُمَّ ذَبَحَهُ ، ثُمَّ قَالَ: بِسْمِ اللهِ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ ، وَّآلِ مُحَمَّدٍ وَّمِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ ، ثُمَّ ضَحّٰى بِهٖ﴾ [اور آپ ﷺ نے مینڈھا پکڑا اور اس کو لٹایا پھر اس کو ذبح کیا پھر فرمایا اللہ کے نام کے ساتھ اے اللہ قبول فرما محمد ﷺ کی طرف سے اور آل محمد ﷺ کی طرف سے اور امۃ محمدیہ ﷺ کی طرف سے پھر قربانی کی ساتھ اس کے] اس میں یہ

---

❶ سورۃ زمر آیت نمبر ٦ ❷ سورۃ الانعام آیت ١٤٤ـ١٤٥

نہیں آیا'' کہ آپ نے اپنے اہل اور آل اور امت محمدیہ کی طرف سے قربانی کی'' اس میں تو ذبح کے بعد اپنی، آل محمد اور امت محمد ﷺ کی طرف سے قبولیت کی دعا کا تذکرہ ہے۔

علی رضی اللہ عنہ کی اپنی اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے دو دنبے قربانی کرنے والی روایات ثابت نہیں کیونکہ اس کی سند میں شریک نامی راوی کثرت خطا اور سوء حفظ کے باعث ضعیف ہیں اور ان کے شیخ ابوالحسناء مجہول ہیں۔

رہا خطبہ حجۃ الوداع کا اقتباس ''آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری اگلی اور پچھلی امت کی طرف سے یہ قربانی پیش کر رہا ہوں'' تو وہ مجھے ابھی تک نہیں ملا۔

رہے لفظ ''اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَّأُمَّتِهِ'' الخ اور لفظ ''اَللّٰهُمَّ هٰذَا عَنِّي وَعَمَّنْ لَمْ يُضَحِّ مِنْ أُمَّتِيْ'' تو وہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔

آپ کے باقی تین چار سوال میت کی طرف سے قربانی کے ثبوت پر مبنی ہیں تو جب ثبوت کا حال معلوم ہو گیا تو یہ تین چار سوال خود بخود ختم ہو گئے۔ واللہ اعلم ١٤١٩/١/١٤ھ

س : میت کی طرف سے وارث قربانی کر سکتے ہیں یا نہیں جو کہتے ہیں کر سکتے ہیں تو دلیل دیتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کی ہے دوسری دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے امت کی طرف سے بھی کی ہے۔

جو کہتے ہیں کہ نہیں کر سکتے تو وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب انسان مر جائے تو اس کے عمل منقطع ہو جاتے ہیں ان احادیث کی تطبیق تحریر فرما دیں؟ شبیر احمد خطیب نگری بالا ٤ ذوالقعدہ ١٤١٦ھ

ج : زندہ کی طرف سے قربانی کر سکتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے حج کے موقع پر اپنی بیویوں کی طرف سے گائے ذبح فرمائی تھی میت کی طرف سے قربانی کرنے کے متعلق مجھے کوئی خاص صحیح حدیث معلوم نہیں۔ علی رضی اللہ عنہ کی روایت ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں شریک کثیر الغلط ہیں اور ان کے شیخ ابوالحسناء مجہول ہیں حدیث ﴿إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ﴾ [1] [جب آدمی مر جاتا ہے اس کے عمل کا ثواب موقوف ہو جاتا ہے مگر تین عملوں کا ثواب باقی رہتا ہے] سے میت کی طرف سے اس کے وارثوں کے قربانی نہ کرنے یا نہ ہونے پر استدلال درست نہیں کیونکہ اس حدیث میں فوت ہونے والے کے اپنے عمل کے منقطع ہونے کا ذکر ہے۔ ١٤١٦/١٢/٥ھ

س : ہمارے علاقہ میں میت کی طرف سے قربانی کے مسئلہ پر کافی لے دے ہو رہی ہے اس مسئلہ کی شرعی حیثیت

---

[1] [کتاب العلم ۔ مشکوۃ ۔ جلد اول ۔ پہلی فصل]

واضح کریں اور وصیت غیر وصیت کا فرق بھی واضح کریں؟ جزاک اللہ

حافظ عبدالقیوم انصاری ایبٹ آباد (سرحد) 30 اپریل 1994

ج: کافی جستجو کی مگر اس موضوع پر کوئی واضح نص صریح قرآن وحدیث سے مجھے نہیں ملی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی وصیت والی روایت کمزور ہے باقی دور کے استدلال واستنباط ہیں البتہ زندہ کی طرف سے قربانی کرنا ثابت ہے اگر یہ قاعدہ ثابت ہو جائے کہ جو چیز زندہ کی طرف سے کی جا سکتی ہے مثلاً صدقہ اور قرض وہ میت کی طرف سے بھی کی جا سکتی ہے تو پھر بات بن سکتی ہے مگر اس قاعدہ کے متعلق بھی مجھے ابھی انشراح صدر نہیں مزید غور فرمالیں۔ واللہ اعلم

۱۴۱۴/۱۱/۲۷ھ

س: قربانی کا گوشت غیر مسلموں کو دینا جائز ہے یا نہیں؟ ظاہر عزیز جہراں

ج: قربانی کے گوشت میں کچھ صدقہ ہوتا ہے صدقہ والے حصے سے غیر مسلم کو نہیں دے سکتے۔ ۱۴۱۷/۲/۱ھ

س: ہم ہر سال قربانی کی کھالیں لائبریری کی توسیع میں لگاتے ہیں بعض بھائی اعتراض کرتے ہیں کہ قربانی کی کھالیں صرف خوراک فنڈ غرباء مساکین کی اعانت کے لیے استعمال ہو سکتی ہیں کیا ہم کھالیں کتاب وسنت اور مسلک حق کی ترویج کے لیے قائم لائبریری میں لگا سکتے ہیں؟ عبدالقیوم ساہیوال

ج: صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ آپ کی قربانیوں کی کھالوں کو صدقہ کر دوں اور قرآن مجید میں ہے: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾[1] تو ان آٹھ مصارف کے علاوہ صدقہ وزکوٰۃ کو صرف نہیں کیا جا سکتا تو اگر جناب کی لائبریری ان آٹھ مصارف میں سے کسی ایک مصرف کا مصداق ہے تو قربانی کی کھالیں یا کوئی دیگر صدقہ اس پر صرف ہو سکتے ہیں۔ واللہ اعلم ۱۴۱۹/۷/۲۰ھ

س: کیا قربانی کی کھالیں مدارس کے طلباء، اور دوسرے ہسپتالوں اور سکولوں اور رفاہ عامہ یا دینی کتب کی نشر واشاعت پر صرف ہو سکتی ہیں؟ اور ایسے ہی زکوٰۃ؟ عبدالرحمٰن ضیاء

ج: صدقہ وزکاۃ کے مصرف ہیں آٹھ۔ سورۃ توبہ کی آیت نمبر ہے ساٹھ۔ دینی مدارس کے طلباء، سکولوں کالجوں یونیورسٹیوں کے طلباء اور ہسپتالوں کے مریضوں میں سے جو ان مصارف ہشتگانہ میں سے کسی ایک مصرف میں

---

[1] [توبہ ۶۰ پ ۱۰]

مندرج ہوں ان کے لیے صدقہ وزکاۃ درست اور دیگر طلباء اور مریضوں کے لیے صدقہ وزکاۃ نادرست کما ہو مدلول کلمۃ ﴿إِنَّمَا الَّتِيْ هِيَ لِلْحَصْرِ وَالْقَصْرِ ، فَرَحِمَكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ قَالَ : إِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ﴾

رہا قربانی کی کھالوں والا معاملہ تو افضل اور بہتر ہے کہ انہیں صدقہ کر دیا جائے کیونکہ حدیث میں ہے علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ﴿أَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ أَتَصَدَّقَ بِجِلاَلِ الْبُدْنِ الَّتِيْ نَحَرْتُ وَبِجُلُوْدِهَا﴾ [1] [حکم دیا مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نے جو قربانیاں کی ہیں ان کی جلیں اور کھالیں صدقہ کروں] اور صدقے کے مصارف پہلے بیان ہو گئے ہیں ویسے قربانی کی کھالیں قربانی کا حصہ ہیں اس اعتبار سے ان کے مصارف قربانی والے بنتے ہیں۔ ۱۷/۶/۱۴۲۰ھ

س: فقراء مساکین کی موجودگی میں قربانی کی کھالوں کو عیدگاہ میں مٹی ڈلوانے اور چاردیواری کرانے پر صرف کرنا قرآن وحدیث کی روشنی میں کیسا ہے؟ خالد جاوید کوٹلی دلباغ رائے ضلع گوجرانوالہ

ج: صحیح مسلم ص ۴۲۴ ج ۱ میں ہے: ﴿أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِيْ طَالِبٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَمَرَهُ أَنْ يَقُوْمَ عَلَى بُدْنِهِ وَأَمَرَهُ أَنْ يَقْسِمَ بُدْنَهُ كُلَّهَا لُحُوْمَهَا وَجُلُوْدَهَا وَجِلاَلَهَا فِي الْمَسَاكِيْنِ ، وَلاَ يُعْطِيْ فِيْ جِزَارَتِهَا مِنْهَا شَيْئًا﴾ [2] اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قربانی کے اونٹوں کی دیکھ بھال فرمائیں، انہیں حکم دیا کہ ان قربانیوں کے گوشتوں، کھالوں اور جلوں کو مساکین میں تقسیم فرما دیں اور ان کی جزارت (ذبح کرنے) کی اجرت میں ان قربانیوں سے کوئی چیز نہ دیں۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم ۲۶/۱۰/۱۴۱۹ھ

س: کیا عقیقہ کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کیونکہ مجھے کسی نے بتایا کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور کیا چھ سات لڑکے لڑکیوں کا عقیقہ ایک ہی گائے یا کوئی بڑا جانور لے کر کیا جا سکتا ہے کہ نہیں اور کیا عقیقہ کے لیے مُسِنّہ لازمی ہے کہ نہیں؟

محمد امجد آزاد کشمیر

ج: صحیح بخاری ص ۸۲۲ ج ۲ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ﴿مَعَ الْغُلاَمِ عَقِيْقَةٌ فَأَهْرِيْقُوْا عَنْهُ دَمًا ، وَأَمِيْطُوْا عَنْهُ الْأَذٰى﴾ [ہر پیدا ہونے والے لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے اس کی طرف سے جانور ذبح کرو اور اس سے ایذا کو دور کرو] گائے، اونٹ اور بھینس کا عقیقہ درست نہیں کیونکہ ترمذی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ﴿عَنِ الْغُلاَمِ شَاتَانِ ، وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ﴾ [3] [لڑکے کی طرف سے دو بکریاں ذبح کرو عقیقہ میں اور لڑکی کی طرف سے ایک] اور شاۃ میں صرف بھیڑ اور بکری کی جنس آتی ہے گائے اور اونٹ شاۃ میں شامل نہیں تو بڑے جانور کو ایک لڑکے یا لڑکی کے عقیقہ میں بھی ذبح نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی چھ سات لڑکے لڑکیوں کے عقیقہ میں ذبح کیا جا سکتا ہے اونٹ اور گائے کے عقیقہ کے متعلق ایک روایت پیش کی جاتی ہے مگر وہ کمزور ہے عقیقہ کے جانور کے لیے مسنہ (دودانتا یا اس کے اوپر

---

[1] صحیح بخاری باب الجلال للبدن ۔ کتاب الحج [2] [صحیح مسلم۔ کتاب الحج۔ باب الصدقۃ بلحوم الھدایا وجلودھا وجلالھا وان لا یعطی الجزار منھا شیئا وجواز الاستنابۃ فی القیام علیھا] [3] [ترمذی الجلد الاول ۔ ابواب الاضاحی ۔ باب ما جاء فی العقیقۃ]

والا) ہونا کوئی لازمی نہیں بعض اہل علم اضحیہ قربانی پر قیاس کرتے ہیں اور مسنہ کو لازمی قرار دیتے ہیں لیکن نص میں شاتان اور شاۃ عام ہیں مسنہ اور غیر مسنہ دونوں کو شامل ہیں تو نص مقدم ہے لہٰذا عقیقہ میں مسنہ لازمی نہیں۔ ۱۴۱۹/۷/۱۸ھ

س: (۱) اگر کوئی آدمی عقیقہ کرتا ہے تو کیا وہ گوشت صرف غریبوں کو ہی تقسیم کرے یا ایسے رشتہ داروں کو جو کہ پہلے ہی مالدار ہیں پکا کر ان کو ہی کھلا دے اور محلے کے غریب محروم رہ جائیں کیا اس صورت میں عقیقہ کا حق ادا ہو جائے گا یا دوبارہ عقیقہ کرنا پڑے گا؟

(۲) اگر عقیقہ کے لیے جانور خریدنے کی بجائے ان جانوروں کی قیمتیں حسب بھاؤ یا حسب توفیق کسی غریب آدمی، بیوہ عورت یا یتیم بچوں کو دے دے جو اپنی گزران سے تنگ ہوں اور وہ ان پیسوں سے اپنا نان ونفقہ یا لباس وغیرہ کا انتظام کر سکیں تو کیا اس صورت میں عقیقہ ہو جائے گا یا جانور ہی ذبح کرنا پڑے گا؟ حافظ عبدالرشید سیالکوٹ

ج: (۱) عقیقہ کا گوشت رشتہ داروں کو کھلا سکتا ہے خواہ وہ مالدار ہی ہوں کچھ غرباء مساکین اہل محلّہ کو بھی ضرور کھلائے۔

(۲) یہ طریقہ درست نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ﴾ [1] [لڑکے کی طرف سے دو بکریاں عقیقہ میں ذبح کرو اور لڑکی کی طرف سے ایک] اور مذکورہ طریقہ اختیار کرنے سے آپ ﷺ کے فرمان پر عمل نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم ۱۴۱۴/۷/۲۵ھ

س: عرض خدمت ہے کہ میری عمر تقریباً 30 سال ہے۔ میرا عقیقہ نہیں ہو سکا مجھے ایک عالم صاحب نے بتایا ہے کہ جس کا عقیقہ نہ ہوا ہو وہ بچہ گروی رہتا ہے لہٰذا میں آپ سے التماس کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے لکھیں کہ کیا میں گروی ہوں جب تک عقیقہ نہ کروں۔ محمد صدیق 17/8/97

ج: عالم صاحب کی بات درست ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿اَلْغُلَامُ مُرْتَهَنٌ بِعَقِيْقَتِهٖ تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ السَّابِعِ ، وَيُسَمّٰى ، وَيُحْلَقُ رَأْسُهٗ . رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ لٰكِنَّ فِيْ رِوَايَتِهِمَا رَهِيْنَةٌ بَدَلَ مُرْتَهَنٍ﴾ [2] [لڑکا اپنے عقیقہ کے ساتھ گروی ہے اس کی طرف سے ساتویں دن ذبح کیا جائے اس کا نام رکھا جائے اور اس کا سر مونڈھا جائے۔ روایت کیا اس کو احمد ترمذی ابوداود اور نسائی نے لیکن ان دونوں کی روایت میں مُرْتَهَنٌ کی بجائے رهينةٌ کا لفظ ہے] الخ ۱۴۱۸/۴/۱۲ھ

س: بچے کے کان میں اذان کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ (مولانا) محمد صفدر عثمانی

---

[1] [ابو داود المجلد الثانی ۔ کتاب الضحایا باب فی العقیقۃ]

[2] مشکوۃ المصابیح ج۲ ص۱۲۰۸ ح۴۱۵۳

ج : بچے کے کان میں اذان کا مسنون طریقہ بس یہی ہے کہ اس کے کان میں اذان کہہ دے [1] یحب التیامن کے پیش نظر دائیں کان میں اذان کہے۔ ۲۱/۱۱/۱۴۱۶ھ

س : عرب اور افریقہ میں عورتوں کا ختنہ کیا جاتا ہے کیا اسلام میں اس کا کوئی تصور ہے؟ محمد امجد آزاد کشمیر

ج : صاحب عون المعبود ۴/۵۴۳ نے عورت کے ختنہ پر احادیث کو جمع کیا ہے آخر میں لکھا ہے: ''وَحَدِيْثُ خِتَانِ الْمَرْأَةِ رُوِيَ مِنْ أَوْجُهٍ كَثِيْرَةٍ ، وَكُلُّهَا ضَعِيْفَةٌ مَعْلُوْلَةٌ مَخْدُوْشَةٌ لاَ يَصِحُّ الْإِحْتِجَاجُ بِهَا كَمَآ عَرَفْتَ، وَقَالَ ابْنُ الْمُنْذِرِ : لَيْسَ فِي الْخِتَانِ خَبَرٌ يُرْجَعُ إِلَيْهِ وَلاَ سُنَّةٌ يُتَّبَعُ . وَقَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ فِي التَّمْهِيْدِ: وَالَّذِيْ أَجْمَعَ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُوْنَ أَنَّ الْخِتَانَ لِلرِّجَالِ'' [اور عورت کے ختنہ کی حدیث کئی سندوں سے مروی ہے جو سب ضعیف معلول اور مخدوش ہیں ان سے حجت پکڑنا صحیح نہیں جس طرح آپ پہچان گئے اور ابن منذر نے کہا ختان میں کوئی حدیث نہیں جس کی طرف رجوع کیا جائے اور نہ کوئی سنت ہے جس کی پیروی کی جائے اور ابن عبدالبر نے تمہید میں کہا وہ چیز جس پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ ختنہ مردوں کے لیے ہے]۔ انتھی و اللّٰہ اعلم

روایت ﴿الخِتَانُ سُنَّةٌ لِلرِّجَالِ ، وَمَكْرُمَةٌ لِلنِّسَاءِ﴾ [ختنہ سنت ہے واسطے مردوں کے اور کریمانہ فعل ہے واسطے عورتوں کے] کی بعض اسانید کو امام سیوطی نے حسن قرار دیا ہے مگر اکثر اہل علم اس کو ضعیف ہی قرار دیتے ہیں حتی کہ محدث وقت شیخ البانی حفظہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسے ضعیف جامع صغیر اور سلسلہ ضعیفہ ہی میں ذکر فرمایا ہے رسول اللہ ﷺ نے ختان کو خصال فطرت میں ذکر فرمایا ہے وہاں مرد کی تخصیص نہیں فرمائی صحیح بخاری کتاب المغازی باب قتل حمزۃ ۲/۵۸۳ میں ہے غزوۂ احد میں جب قتال کے لیے لوگ صف بستہ ہو گئے تو سباع نامی کافر نے نکل کر للکارا: ﴿هَلْ مِنْ مُبَارِزٍ قَالَ : فَخَرَجَ إِلَيْهِ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبِ ، فَقَالَ : يَا سِبَاعُ يَا ابْنَ أُمِّ أَنْمَارٍ مُقَطِّعَةِ الْبُظُوْرِ أَتُحَادُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ . قَالَ : ثُمَّ شَدَّ عَلَيْهِ فَكَانَ كَأَمْسِ الذَّاهِبِ﴾ [کیا کوئی ہے جو مجھ سے لڑے یہ سنتے ہی حمزہ بن عبدالمطلب اس کے مقابلہ کے لیے نکلے اور کہنے لگے ارے سباع ارے ام انمار (حجامنی) کے بیٹے تیری ماں تو عورتوں کے ٹنے تراشا کرتی تھی کمبخت نائن تھی اور تو اللہ و رسول سے مقابلہ کرتا ہے یہ کہہ کر حمزہ نے اس پر حملہ کیا اور جیسے کل کا دن گزر جاتا ہے اس طرح صفحہ ہستی سے اس کو نابود کر دیا] اس سے ثابت ہوتا ہے نزول شریعت کے زمانہ میں عربوں میں عورت کا ختنہ کیا جاتا تھا مگر کتاب و سنت میں کہیں اس کی تردید وارد نہیں ہوئی تو پتہ چلا کہ اسلام میں بھی عورت کے ختنہ کا بھی تصور ہے۔

---

[1] [سنن ترمذی۔ابواب الاضاحی۔باب الاذان فی اذن المولود]

كتاب الاطعمة والاشربة

کھانے پینے کے احکام

س: کیا کھڑے ہوکر پانی پینا اور چلتے پھرتے کھانا جائز ہے؟ محمد رمضان بہاولنگر

ج: سنت کے خلاف ہے ایسا کرنے والا اجروثواب سے محروم ہے۔ ۱۴۱۹/۳/۲۵ھ

س: کھڑے ہوکر کھانا کھایا جاسکتا ہے؟ ریاست اللہ قلعہ دیدار سنگھ 8/3/86

ج: کھانے کا حکم وہی ہے جو پینے کا ہے اور پینے کے متعلق احادیث صحیح مسلم میں دیکھ لیں ان میں کھڑے ہوکر پینے سے منع کیا گیا ہے۔ ۵ رجب ۱۴۰۶ھ

س: کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ شادی کے موقع پر ہار مالا اور کھڑے ہوکر کھانا جائز ہے یا نہیں اگر جگہ یا کوئی اور مجبوری پر کوئی کھڑے ہوکر اہتمام کرے تو کیا فتویٰ ہے اور اس میں شمولیت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ حافظ نذیر احمد

ج: شادی کے موقع پر یا کسی اور موقع پر کھڑے ہوکر کھانا پینا رسول اللہ ﷺ کی سنت کے خلاف ہے کھڑے ہوکر کھانے پینے والا رسول اللہ ﷺ کی سنت کا تارک ہے جگہ وغیرہ والی مجبوری والی بات فضول ہے کھڑے ہوکر کھلانے پلانے والوں کے پروگرام میں شمولیت تارک سنت کی حوصلہ افزائی کے مترادف ہے۔ شادی وغیرہ مواقع پر گلے میں مالا یا روپوں والا یا کوئی ہار پہننا گانا یا سہرا باندھنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں غیر مسلموں کی رسم ہے اللہ تعالیٰ کتاب وسنت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔ ۱۴۱۸/۱۱/۸ھ

س: کھڑے ہوکر کھانے میں مثلاً الائچی، پان، مونگ پھلی، یا دانے، ٹافی وغیرہ کے کھانے کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ عبدالواحد

ج: ان چیزوں کو بھی بیٹھ کر کھانا ہی بہتر ہے۔ ۱۴۰۷/۶/۱ھ

س: ہر کھانا اپنے سامنے سے کھانا چاہیے لیکن میرے دوست کہتے ہیں کہ یہ درست ہے لیکن کھجور دوسرے کے آگے سے اٹھا کر کھانی چاہیے کیا یہ درست ہے؟ محمد امجد آزاد کشمیر

ج: نہیں۔ یہ درست نہیں۔ ۱۴۲۰/۱/۱۵ھ

س: کیا آب زم زم کھڑے ہوکر پینا چاہیے ایک حدیث بیان کی جاتی ہے کہ آب زم زم جس مقصد کی نیت سے پیا

جائے وہ مقصد پورا ہوتا ہے کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ محمد امجد میرپور آزاد کشمیر

ج: بیٹھ کر پینا افضل وثواب ہے حدیث ﴿مَاءُ زَمْزَمَ لِمَا شُرِبَ لَهُ﴾ [زم زم کا پانی جس مقصد کے لیے پیا جائے (وہ پورا ہوتا ہے)] صحیح ہے۔ ❶ ۱۹/۶/۱۴۲۰ھ

س: بے نماز کے متعلق اکثر کہا جاتا ہے کہ وہ کافر ہے اگر یہ بات درست ہے تو کیا بے نماز کا ذبیحہ حلال ہے یا حرام؟

عبدالغفور عابد

ج: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اَلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوْتُوْا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ﴾ ❷ [آج حلال ہوئیں تم کو سب پاک چیزیں اور اہل کتاب کا کھانا تم کو حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کو حلال ہے] عام مفسرین نے اس مقام پر طعام کی تفسیر ذبیحہ فرمائی ہے تو جب اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے تو کلمہ پڑھنے والوں کا ذبیحہ بھی حلال ہے خواہ وہ نماز نہ پڑھتے ہوں کیونکہ وہ اہل کتاب تو ہیں ہی۔ ہاں اگر بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو تو وہ ذبیحہ حرام ہے خواہ ذبح کرنے والا پکا نمازی ہی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلاَ تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ﴾ ❸ [اور اس میں سے نہ کھاؤ جس پر نام نہیں لیا گیا اللہ کا اور یہ کھانا گناہ ہے] نیز فرمایا: ﴿وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهِ﴾ ❹ [اور جس جانور پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا]

۱/۴/۱۴۱۸ھ

س: بازاری گوشت کیسا ہے حلال یا حرام؟ جیسا کہ پاکستان کے اکثر قصاب نماز اور دین کے بارہ میں بالکل صفر ہیں اور انکا عقیدہ تو ماشاء اللہ اور بھی نگفتہ بہ ہوتا ہے کیا ان کا ذبح مشرک کے زمرہ میں آتا ہے؟ صفدر معاویہ 15/9/96

ج: حلال ہے کیونکہ اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے اور معلوم ہے کہ اہل کتاب کافر بھی ہیں اور مشرک بھی۔ پاکستان کے قصاب بہرحال اہل کتاب سے اچھے ہی ہیں پھر یہ کلمہ بھی پڑھتے ہیں مگر ایک شرط ہے کہ بوقت ذبح وہ بسم اللہ واللہ اکبر پڑھتے ہوں غیر اللہ کے نام پر ذبح نہ کرتے ہوں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿وَلاَ تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ﴾ ❺ [اور اس میں سے نہ کھاؤ جس پر نام نہیں لیا گیا اللہ کا] ۲۱/۵/۱۴۱۷ھ

س: آج کل میرے تایازاد بھائی آئے ہوئے ہیں وہ سنگاپور کام کرتے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے چند ایک سوالات پوچھے لیکن میں ان کو مطمئن نہیں کر سکا لہٰذا اب آپ سے پوچھنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

---

❶ [فتح الباری۔شرح صحیح البخاری۔ کتاب الحج۔باب ما جاء فی زمزم] ❷ [المائدۃ ۵ پ۶] ❸ [انعام ۱۲۱ پ۸] ❹ [المائدۃ ۳ پ۶] ❺ [انعام ۱۲۱ پ۸]

(۱) غیر مسلموں کے ملک میں رہتے ہوں ان کا ذبیحہ کھانا کیسا ہے؟ اب وہاں رہتے ہوئے گوشت کھانے کی ضرورت پڑ ہی جاتی ہے وہ لوگ جانور کو جھٹکے کے ساتھ بغیر تکبیر پڑھے حلال کرتے ہیں ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟

(۲) ایک مسئلہ یہ پوچھا کہ سمندری جانوروں میں سے کون کون سے حلال ہیں۔ میں نے جواب میں کہا کہ ''مچھلی''۔ اب وہ یہ بات بتاتے ہیں جو کہ میرے لیے حیرانگی کا باعث ہے۔''سمندری مچھلی دو طرح کی ہوتی ہے ایک وہ جو دودھ دے، دوسری وہ جو دودھ نہ دے۔ دودھ نہ دینے والی حلال ہے دوسری حرام ہے''۔ کیا یہ درست ہے؟

حافظ محمد فاروق 20/10/99

ج: (۱) غیر مسلموں سے اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ حلال ہے بشرطیکہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام پر ذبح کریں اور اگر مسیح علیہ السلام یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کریں تو وہ حرام ہے خواہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے والا اپنے آپ کو مسلم ہی کہتا کہلاتا ہو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اَلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ أُوْتُوْا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ﴾ ❶ الآیۃ [آج کے دن حلال کی گئیں واسطے تمہارے پاکیزہ چیزیں اور کھانا ان لوگوں کا کہ دیئے گئے ہیں کتاب حلال ہے واسطے تمہارے] نیز اللہ تعالیٰ کا ہی فرمان ہے: ﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللهِ﴾ ❷ [اس نے تو تم پر صرف مردار اور خون (جو بہتا ہو) اور سور کا گوشت اور وہ جانور جس پر اللہ کے سوا اور کسی کا نام پکارا جائے حرام کیا ہے] پھر اللہ تعالیٰ کا ہی فرمان ہے: ﴿وَلاَ تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهٗ لَفِسْقٌ﴾ ❸ [اور مت کھاؤ اس چیز سے کہ نہیں یاد کیا گیا نام اللہ کا اوپر اس کے اور تحقیق وہ البتہ گناہ ہے]

جھٹکا ذبیحہ میں شامل نہیں خواہ تکبیر پڑھ کر ہی جھٹکا کیا گیا ہو حرام ہے غیر مسلموں کے ملک میں رہنا کتاب وسنت میں حرام کردہ چیز کو حلال نہیں کرتا کتاب وسنت پر عمل کرنا مسلموں کے نزدیک مقدم ہے غیر مسلموں کے ملک میں رہنا کتاب وسنت پر عمل کرنے پر مقدم نہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيٓ أَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ قَالُوْا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا﴾ ❹ الآیۃ [وہ لوگ کہ جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے اس حالت میں کہ وہ برا کر رہے ہیں اپنا کہتے ہیں ان سے فرشتے تم کس حال میں تھے وہ کہتے ہیں ہم تھے بے بس اس ملک میں کہتے ہیں فرشتے کیا نہ تھی زمین اللہ کی کشادہ جو چلے جاتے

❶[المائدة ٥ پ٦] ❷[البقرة ١٧٣ پ٢] ❸[انعام ١٢١ پ٨] ❹[النساء ٩٧ پ٥]

وطن چھوڑ کر وہاں]

(۲) سمک، حوت اور مچھلی حلال ہے مچھلی کی تمام اقسام وانواع حلال ہیں خواہ دودھ دینے والی مچھلیاں ہوں خواہ دودھ نہ دینے والی مچھلیاں سب حلال ہیں کسی جانور کا دودھ دینا اس کے حرام ہونے کی دلیل نہیں ورنہ گائے، بکری، بھیڑ اور اونٹنی کا حرام ہونا لازم آئے گا کیونکہ یہ بھی دودھ دیتی ہیں واللازم کما تری۔ جو بری جانور حلال ہیں وہ بحری بھی حلال ہیں مثلاً بحری گائے حلال ہے اسی طرح جو بری جانور حرام ہیں وہ بحری بھی حرام ہیں مثلاً خنزیر بحری حرام ہے دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ﴾ اس میں بری کی تخصیص نہیں یہ بری وبحری دونوں کو متناول ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ﴾[1] [چارپائے چرنے والے جانور تمہارے لیے حلال ہیں مگر جو (آگے) تم کو پڑھ کر سنائے جائیں گے] بحری وبری انعام دونوں کو شامل ہے۔

۱۴۲۰/۷/۱۶ھ

س: اگر کوئی شکار کے دوران تکبیر پڑھ کر فائر کرے اور شکار تک پہنچنے سے قبل وہ مر جائے تو کیا شکار حلال ہوگا؟

محمد امجد آزاد کشمیر

ج: نہیں۔ حرام ہوگا۔ ۱۴۲۰/۱/۱۵ھ

س: بعض لوگ عاشورہ کے دن خصوصیت سے کھانے کا اہتمام کرتے ہیں اور ایک حدیث کھانے کی توسیع والی پیش کرتے ہیں درست بات کیا ہے؟ عبدالرحمٰن کراچی

ج: یوم عاشوراء توسیع طعام والی روایت کمزور ہے بعض اہل علم نے اپنا تجربہ بھی پیش کیا ہے مگر آپ کو بخوبی علم ہے کہ تجربوں سے شریعت ثابت نہیں ہوا کرتی۔ ۱۴۱۲/۲/۱۵ھ

س: ''مَنْ وَسَّعَ عَلٰى عِيَالِهِ فِي النَّفَقَةِ يَوْمَ عَاشُوْرَآءَ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ سَائِرَ السَّنَةِ''[2] یعنی جو شخص عاشوراء کے روز یعنی دسویں تاریخ کو اپنے اہل وعیال بال بچوں پر کھلانے پلانے میں وسعت وفراخی کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ اس پر پورا سال فراخی کرے گا حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ حضرت سفیان ثوری کہتے ہیں: ''اِنَّا قَدْ جَرَّبْنَاهُ فَوَجَدْنَاهُ كَذَالِكَ''[3] ہم نے تجربہ کیا ہے بے شک اس کو ایسا ہی پایا جیسا کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا۔

(۲) دسویں محرم کے روز جو لوگ چاول وغیرہ پکاتے ہیں اور خدا واسطے دیتے ہیں ان کے بارے میں حضور کا فرمان کیا

[1] [المائدة ۱ پ ٦] [2] مشکوۃ شریف [3] مشکوۃ شریف

ہے؟ سید عبدالصمد شاہ کوٹ پریاں گوجرانوالہ

ج : (۱) روایت ''مَنْ وَسَّعَ عَلٰی عِيَالِهٖ فِی النَّفَقَةِ يَوْمَ عَاشُوْرَآءَ'' الخ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں محدث وقت شیخ البانی حفظہ اللہ حاشیہ مشکوۃ کتاب الزکاۃ باب فضل الصدقۃ الفصل الثالث میں لکھتے ہیں ''هُوَ حَدِيْثٌ ضَعِيْفٌ مِنْ جَمِيْعِ طُرُقِهٖ وَحَكَمَ عَلَيْهِ شَيْخُ الْاِسْلَامِ ابْنُ تَيْمِيَةَ بِالْوَضْعِ فَمَا اَبْعَدَ ، وَالشَّرِيْعَةُ لاَ تَثْبُتُ بِالتَّجْرِبَةِ'' [یہ حدیث اپنے تمام طرق سے ضعیف ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس پر گھڑی ہوئی کا حکم لگایا ہے پس کتنی دوری ہے اور شریعت تجربہ سے ثابت نہیں ہوتی]

(۲) محرم کی دس تاریخ کو چاول وغیرہ پکانے پھر فی سبیل اللہ تقسیم کرنے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی چیز ثابت نہیں۔ ۱۴۰۷/۴/۲۰ھ

س : اگر کسی آدمی کا کاروبار سودی ہو یا ناجائز یعنی حرام تو کیا ایسے آدمی کی دعوت کھانے پینے کی قبول کرنا چاہیے کیونکہ ان کی کمائی حرام ہے۔ تنویر احمد

ج : نہیں۔ کیونکہ سود حرام ہے ﴿وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ ۱۴۱۶/۴/۲۰ھ

س : ایک مرزائی رمضان المبارک میں افطاری کا اہتمام کرتا ہے۔ اس کے ہاں اس کے گھر جا کر روزہ افطار کرنا جائز ہے؟ جن لوگوں نے روزہ افطار کیا کیا ان کا روزہ ہو گیا یا وہ دوبارہ روزہ رکھیں۔ جبکہ روزہ کھولنے والے لوگ مرزا صاحب اور مرزائیت سے پوری طرح واقف بھی ہوں۔ ڈاکٹر حفیظ اللہ وساویوالہ 20/3/94

ج : یہ ان لوگوں کی خطا ہے وہ اس سے توبہ کریں اور آئندہ کے لیے ایسا نہ کریں پھر وہ غور کریں اگر کوئی نصرانی عیسائی انہیں اپنے گھر بلا کر روزہ افطار کروائے تو وہ ایسا کرنے کو تیار ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ﴾ [1] الآیۃ [آج حلال ہوئیں تم کو سب پاک چیزیں اور اہل کتاب کا کھانا تم کو حلال ہے] اور مرزائی عیسائیوں سے بھی بدتر ہیں۔ ۱۴۱۴/۱۰/۱۱ھ

س : گدھی کا دودھ حلال ہے یا حرام؟ صابر علی شاکر 8 مئی 1997

ج : گدھوں کی طرح ان کا دودھ بھی حرام ہے البتہ حمر وحشی (جنگلی گدھے) حلال ہیں۔ ۱۴۱۸/۳/۱۱ھ

س : کراچی میں کچھوے کے انڈے فروخت ہوتے ہیں کیا کچھوا حلال ہے؟ محمد امجد آزاد کشمیر

---

[1] [المائدۃ ۵ پ ۶]

ج: اس کا مجھے علم نہیں۔ ۱۴۲۰/۱/۱۵ھ

س: ہمارے ایک دوست کی گائے کا مدت پوری ہونے سے دو ماہ قبل حمل گر گیا کیا اب اس کا دودھ پی سکتے ہیں؟

محمد امجد آزاد کشمیر

ج: ہاں! پی سکتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُّسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشَّارِبِينَ﴾ [1] [اور تمہارے واسطے چوپاؤں میں سوچنے کی جگہ ہے پلاتے ہیں تم کو اس کے پیٹ کی چیزوں میں سے گوبر اور خون کے درمیان سے دودھ خالص خوشگوار پینے والوں کے لیے]

س: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جس طرح سگریٹ کا نشہ ہوتا ہے اسی طرح چائے کا بھی نشہ ہوتا ہے برائے مہربانی وضاحت فرمادیں؟ ابو سعد منصور ضلع ایبٹ آباد صوبہ سرحد

ج: سگریٹ حقہ اور تمباکو میں تو نشہ ہے چائے میں کوئی نشہ نہیں دلیل یہ ہے کہ اول الذکر تینوں چیزیں انسان کے حواس اور اس کی عقل پر اثر انداز ہوتی ہیں صحیح بخاری میں ہے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ﴿وَالْخَمْرُ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ﴾ [2] [نشہ آور شے وہ ہے جو عقل پر اثر انداز ہو] ۱۴۱۹/۱۱/۲۷ھ

س: ا۔ کیا سگریٹ اور نسوار حلال ہیں یا حرام؟ ۲۔ اگر حرام ہیں تو کیا سگریٹ نوشی کرنے والے فرد اور نسوار ڈالنے والے فرد کی نماز قبول ہوتی ہے یا نہیں قرآن اور حدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں؟ محمد یوسف احرار ضلع ایبٹ آباد

ج: (۱) سگریٹ اور نسوار دونوں حرام ہیں دلائل کے لیے سعودی عرب کے مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز ابن باز حفظہ اللہ تعالیٰ کا اس سلسلے میں فتویٰ با تقویٰ ملاحظہ فرمائیں۔ [**سگریٹ پینے، اس کی بیع اور اس کی تجارت کے متعلق شیخ ابن باز کا فتویٰ**: سگریٹ نوشی حرام ہے کیونکہ یہ گندی چیز ہے اور بہت سے نقصانات پر مشتمل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے تو اپنے بندوں کے لئے کھانے پینے کی چیزوں میں سے پاکیزہ چیزیں ہی ان پر مباح کی ہیں اور گندی چیزوں کو حرام کیا ہے چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يَسْئَلُونَكَ مَاذَآ أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ﴾ [3] لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا ان کے لئے حلال کیا گیا ہے آپ کہہ دیجئے کہ پاکیزہ چیزیں تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں نیز اللہ تعالیٰ نے سورہ اعراف میں اپنے نبی محمد ﷺ کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ﴾ [4] وہ پیغمبر لوگوں کو بھلی باتوں کا حکم دیتا ہے اور

[1] [النحل ٦٦ پ ١٤] [2] [بخاری ـ کتاب الاشربة ـ بَابَ مَا جَاءَ اَنَّ الْخَمْرَ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ مِنَ الشَّرَابِ] [3] المائدة
[4] الاعراف ١٥٧

بری باتوں سے روکتا ہے اور وہ ان کے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کرتا ہے اور گندی چیزیں حرام کرتا ہے۔ اور تمباکو نوشی اپنی تمام قسموں سمیت پاکیزہ چیزوں سے نہیں بلکہ گندی چیزوں سے ہے اسی طرح تمام نشہ آور چیزیں بھی گندی چیزوں سے ہیں تمباکو نہ پینا جائز ہے نہ اس کی بیع جائز اور نہ ہی اس کی تجارت جائز ہے جیسا کہ شراب کی صورت ہے لہٰذا جو شخص سگریٹ پیتا ہے یا اس کی تجارت کرتا ہے اسے جلد ہی اللہ تعالیٰ کے حضور رجوع اور توبہ کرنا گزشتہ فعل پر نادم ہونا اور آئندہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرنا چاہئے اور جو شخص سچے دل سے توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: ﴿وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [1] اور اے ایمان والو! سب کے سب اللہ کے حضور توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ]

(۲) نماز ہو جاتی ہے قبول ہونے کا اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے البتہ سگریٹ نوش اور نسوار خوار انسان کو مستقل امام نہیں بنا سکتے۔ واللہ اعلم ۱۴۱۹/۵/۲۶ھ

---

[1] النور ۳۱

کتاب الجهاد والامارة .... جہاد وامارت کے مسائل

س: احوال آنکہ چندروز قبل ڈاکٹر عبدالجبار صاحب کراچی والے سے ملاقات ہوئی انہوں نے بتایا کہ نورستان میں اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آچکا ہے چنانچہ ہم تمام مسلمانوں پر لازم ہے اسلامی ریاست کے امیر الشیخ مولانا محمد افضل صاحب کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ ورنہ ہماری زندگی جاہلیت کی زندگی ہوگی اور اگر بغیر بیعت کیے مرگئے تو یہ موت بھی جاہلیت کی موت ہوگی۔ ڈاکٹر صاحب نے آپ کا اسم گرامی پیش فرمایا کہ اس سلسلے میں آپ سے تصدیق کی جاسکتی ہے۔ آپ برائے مہربانی اس سلسلہ میں وضاحت فرمائیں؟ کہ

(۱) کیا واقعی نورستان میں اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آچکا ہے؟

(۲) وہ کون سی بنیادی خصوصیات ہیں جن کی بناء پر کوئی ریاست اسلامی ریاست قرار پاتی ہے اور جن کی عدم موجودگی کی بناء پر کسی ریاست کو اسلامی ریاست تسلیم نہیں کیا جاسکتا؟

(۳) کیا دنیا میں کسی خطہ پر اگر اسلامی ریاست قائم ہو جائے۔ پھر بھی اس بات کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ کسی دوسری جگہ الگ اسلامی ریاست کے قیام کے جداگانہ کوششیں جاری رکھی جاسکیں؟ یا پہلے بن جانے والی اسلامی ریاست کے ساتھ ملنا ضروری ہو جائے گا؟

(۴) کیا اس وقت پوری دنیا میں اسلامی ریاست کا وجود بالفعل موجود ہے برائے مہربانی جواب میں دلائل کا حوالہ ضرور تحریر فرمائیں تا کہ گفتگو آگے بڑھائی جاسکے۔ محمد اشرف خالد میڈیکل ہال ضلع وہاڑی 15/3/95

ج: آپ کے تمام سوالوں کے جواب میں صرف ایک ہی متفق علیہ مرفوع حدیث کافی ہے کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: ''اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت نہ ہو اور نہ ہی ان کا کوئی امام وامیر ہو'' تو آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا﴾ [1] پھر ان تمام گروہوں سے الگ تھلگ رہو۔

رہا نورستان والوں کا معاملہ تو پشاور میں ان کا دفتر موجود ہے رابطہ کر کے ان کی ریاست کے متعلق براہ راست ان سے معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں مجھے آج سے تقریباً ۱۲ برس قبل نورستان جانے کا اتفاق ہوا تھا مگر آج کل حالات اس وقت کے حالات سے بہت مختلف ہیں۔

---

[1] [مسلم ، کتاب الامارات باب وجوب ملازمة جماعة المسلمين عند ظهور الفتن وفي كل حال]

رہی امیر کی بیعت کی تاکید والی احادیث اور ترک بیعت امیر پر وعید والی احادیث تو ان پر امیر ہونے کی صورت میں ہی عمل ہو سکتا ہے اور امیر نہ ہونے کی صورت میں مندرجہ بالا حدیث ﴿فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا﴾ پر ہی عمل ہوگا۔ ۱٤۱٥/۱۰/۲۲ھ

س: حدیث شریف میں مذکور ہے کہ جو بھی جماعت سے علیحدہ ہو کر وفات پاتا ہے اس کی موت جہالت پر ہے۔ جماعت کے لیے امیر ہونا ضروری ہے۔ اور بغیر امیر کے جماعت ہی نہیں آپ کو معلوم ہی ہے کہ ہماری جماعت اہل حدیث میں مختلف امیر ہیں مختلف جماعتیں ہیں۔ آپ ہم کو بتائیں کہ ہم کون سی جماعت اور امیر کے ماتحت چلیں۔ آپ کسی امیر اور جماعت کے ساتھ چل رہے ہیں ہمارے اکثر علمائے کرام کہتے ہیں کہ جماعت اہل حدیث حق پر ہے کیونکہ جماعت صرف قرآن وحدیث کی دعوت دیتی اور چلتی ہے پھر مختلف جماعتیں اور امیر کیونکر بنے ہوئے ہیں۔ ایک امیر اور ایک ہی جماعت ہونی چاہیے ورنہ ہم کو ان امیروں اور جماعتوں سے کنارہ کش ہو جانا چاہیے۔ اللہ کے لیے ہماری صحیح رہنمائی فرمائیں؟ محمد یعقوب ہری پور 26/6/95

ج: جاہلیت پر موت والی حدیث تو تب چسپاں ہو سکتی ہے جب جماعت و امیر ہو جب جماعت و امیر نہ ہو تو پھر تمام گروہوں سے علیحدہ رہنے کا حکم ہے اتنی بات میں آپ کے پہلے سوال کی تمام شقوں کا جواب آ گیا۔ آپ غور فرما لیں کتاب وسنت پر عمل کرتے رہیں۔ ۱٤۱٦/۲/۱٥ھ

س: (۱) امیر جس سے چاہے مشورہ کرے یا ارکان شوریٰ کی تعیین ثابت ہے اور کیا یہ تعیین انتخاب عام سے ہوگی یا امیر کی طرف سے نامزدگی کی صورت میں ہوگی۔

(۲) مجلس شوریٰ میں اختلاف رائے کی صورت میں فیصلہ کیسے ہوگا: (۱) اتفاق رائے سے (۲) کثرت رائے سے یا فیصلہ کا حق امیر کو ہوگا۔ قرآن وسنت اور خلفائے راشدین کے عمل کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ سلیم اللہ کبیر پوری مصطفیٰ ٹاؤن بھلوال

ج: (۱) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ [1] [اور معاملہ میں ان سے مشورہ لے] نیز اللہ جل وعلا کا قول ہے: ﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ [2] [اور ان کا کام آپس کی صلاح سے چلتا ہے]

فی زمانہ اصطلاحی ''مجلس شوریٰ'' کا کتاب وسنت میں کہیں اتہ پتہ نہیں ملتا ارکان شوریٰ، ان کی تعیین پھر تعیین

---

[1] [آل عمران ۱٥۹] [2] [الشوریٰ ۳۸]

انتخاب عام سے یا انتخاب خاص سے یا نامزدگی امیر سے تو بعد کی باتیں ہیں۔

(۲) کتاب وسنت پر فیصلہ ہو گا امیر صاحب جن کی رائے کو کتاب وسنت کے موافق یا اقرب سمجھتے ہیں ان کی رائے کو لے لیا جائے گا خواہ اکثر ہوں خواہ اقل۔ واللہ اعلم واجل ۱۴۱۹/۵/۲۹ھ

س: (۱) پاکستان آرمی یعنی افواج پاکستان میں شمولیت کے بعد اگر کوئی آدمی مارا جائے تو کیا وہ شہید کہلائے گا اور اس کے لیے انعامات کا کیا حکم ہے اس آدمی کی موت ٹریننگ کے دوران بھی ہو سکتی ہے اور دشمن کی گولی سے بھی۔

(۲) ایک آدمی پاکستان آرمی میں آفیسر ہے اور اس کی ڈیوٹی سیاچن کے محاذ پر لگ گئی ہو اور وہ دشمن کی گولی سے مارا جائے تو کیا یہ شہید ہے اور دشمن بھی ہندو ہو۔ سیاچن کے بارے میں معلوم کریں یہ ۲۶ ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے اور اس کا درجہ حرارت صفر ڈگری سے بھی کم ہوتا ہے۔ براہ کرم اس سوال کا جواب مفصل اور قرآن وحدیث کی روشنی میں دیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ وہاں سردی کی وجہ سے مر جائے؟ عتیق الرحمن بن محمد رفیق ظفروال 7/3/99

ج: (۱) معاملہ نیت پر منحصر ہے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ﴾ [1]

(۲) اس کا جواب نمبر ۱ میں بیان ہو گیا ہے کہ معاملہ نیت پر منحصر ہے۔ ۱۴۲۰/۱/۲۱ھ

س: شہادت کی تعریف کیا ہے؟ دین اسلام کن لوگوں کو شہید کہتا ہے۔ شہادت کی کتنی اقسام ہیں اور ان میں سے افضل شہادت کون سی ہے؟ عتیق الرحمن بن محمد رفیق ظفروال 7/3/99

ج: ﴿مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ﴾ [2] [جو آدمی اللہ کے کلمہ کی بلندی کے لیے لڑتا ہے پس وہ اللہ کی راہ میں (شہید) ہے] اس کے علاوہ کئی ایک شہید ہیں۔ مثلاً طاعون کی بیماری سے فوت ہونے والا اور پیٹ کی بیماری سے وفات پانے والا۔ افضل پہلا ہی ہے ﴿أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ الشُّهَدَاءُ خَمْسَةٌ الْمَطْعُوْنُ وَالْمَبْطُوْنُ وَالْغَرِقُ وَصَاحِبُ الْهَدْمِ وَالشَّهِيْدُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ﴾ [3]

۱۴۲۰/۱/۲۱ھ

س: قرآن مجید کی ایک آیت کے بارے میں چند سوال پوچھنا چاہتا ہوں امید ہے جواب عنایت فرمائیں گے۔ آیت ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ﴾ [4]

(۱) کیا اس آیت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب تک اسلامی ریاست قائم نہیں ہوتی اس وقت تک قتال فی سبیل اللہ نہ

---

[1] متفق علیه [2] [کتاب الجهاد والسیر صحیح بخاری باب من قاتل لتکون کلمة الله هی العلیا] [3] [باب الشهادة سبع سوی القتل صحیح بخاری کتاب الجهاد والسیر] [4] سورة النساء ۷۷ پ ۵

کیا جائے یعنی کیا قتال خلافت و امارت سے مشروط ہے کہ ''امام'' یا خلیفہ کی قیادت میں ہی ہوگا؟

(۲) اگر روئے زمین پر خلافت قائم نہ ہو تو کیا مسلمان دعوت و تبلیغ ہی کرتے رہیں گے یا کہ بوقت ضرورت قتال بھی کیا جائے گا؟ صہیب زبیر 19/B غلہ منڈی وہاڑی 20/11/98

ج : (۱) آپ نے قرآن مجید کی آیت کریمہ ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْآ أَيْدِيَكُمْ﴾ [کیا نہ دیکھا تو نے طرف ان لوگوں کی کہ کہا گیا واسطے ان کے بند رکھو ہاتھوں اپنوں کو] لکھنے کے بعد سوال کیا ہے ''کیا اس آیت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب تک اسلامی ریاست قائم نہیں ہوتی اس وقت تک قتال فی سبیل اللہ نہ کیا جائے'' الخ ؟ نہیں ! اس آیۃ میں یہ حکم نہیں دیا گیا اور نہ ہی اس میں قتال کو خلافت و امارت سے مشروط بنایا گیا ہے۔

(۲) دعوت و تبلیغ اور جہاد و قتال والی آیات کریمہ اور احادیث شریفہ عام ہیں قیام خلافت اور عدم قیام خلافت والی دونوں صورتوں اور حالتوں کو شامل ہیں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ﴿مَنْ رَأى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ﴾ [1] الحدیث [جو شخص تم میں سے کوئی خلاف شرع امر دیکھے اس کو ہاتھ سے روکے اگر اس کی طاقت نہ ہو زبان سے روکے اگر اس کی طاقت بھی نہ رکھتا ہو دل سے برا جانے] اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ﴾ [2] الآیۃ [مسلمانو تم آس پاس کے کافروں سے لڑو] ۱۴۱۹/۸/۱۷ھ

س : کشمیر اور دوسرے ممالک میں جو جہاد شروع ہے کیا یہ درست ہے اور اس جہاد میں بالعموم اور ہندو کے ساتھ یعنی کشمیر میں جہاد کے لیے والدین کی اجازت ضروری ہے؟ اگر والدین اجازت نہ دیں تو پھر جہاد میں شرکت کیسی ہے اگر کوئی والدین کی اجازت کے بغیر کشمیر میں شہید ہو جائے تو اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

عتیق الرحمٰن بن محمد رفیق ظفر وال 7/3/99

ج : درست ہے ان جہادوں میں جانے کے لیے والدین سے اجازت حاصل کرنا ضروری ہے صحیح بخاری اور ابوداود میں حدیثیں دیکھ لیں اور اس سلسلہ میں مجلۃ الدعوۃ میں حافظ عبدالسلام بھٹوی حفظہ اللہ تعالیٰ کا ایک مضمون چھپا تھا وہ مطالعہ فرمالیں اگر والدین سے اجازت لیے بغیر جہاد میں چلا گیا تو کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے عقوق الوالدین کو کبائر میں شمار فرمایا ہے۔ دین و قرض کے علاوہ شہید فی سبیل اللہ کے تمام گناہ شہادت کے ساتھ

---

[1] [رواہ مسلم ۔ مشکوۃ ۔ باب الامر بالمعروف الفصل الاول] [2] [التوبۃ ۱۲۳ پ ۱۱]

معاف ہوجاتے ہیں۔ ۱۴۲۰/۱/۲۱ھ

س: کئی کہتے ہیں کہ کشمیر میں قتال کرنا فرض ہو چکا ہے۔ اور ہر مسلمان کو کشمیر میں جا کر قتال کرنا چاہیے اور کئی لوگ کہتے ہیں نہیں فرض نہیں ہوا۔ ضیاءاللہ 17/6/99

ج: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ﴾ ❶ الآیۃ [فرض ہوئی تم پر لڑائی اور وہ بری لگتی ہے تم کو] جہاد و قتال فرض ہے مکان کی کوئی تخصیص نہیں البتہ استطاعت کے ساتھ مشروط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہی فرمان ہے: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ ❷ [اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی کو مگر جس قدر اس کی طاقت ہے] ۱۴۲۰/۳/۷ھ

س: فارغ اوقات میں انسان مختلف قسم کے کھیل کھیلتا ہے اور ایسے تمام کھیل درست ہیں یا نہیں جن میں شرط وغیرہ نہ لگائی جائے مثلاً لڈو وغیرہ محمد امین گرجاکھ گوجرانوالہ

ج: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿لَا سَبَقَ إِلَّا فِيْ نَصْلٍ أَوْ خُفٍّ أَوْ حَافِرٍ﴾ ❸ [آگے بڑھنے کی شرط لگانا جائز نہیں مگر تیر چلانے یا اونٹ یا گھوڑا دوڑانے میں] رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿كُلُّ شَيْءٍ يَلْهُوْ بِهِ الرَّجُلُ بَاطِلٌ إِلَّا رَمْيَهُ بِقَوْسِهِ ، وَتَأْدِيْبَهُ فَرَسَهُ ، وَمُلَاعَبَتَهُ امْرَأَتَهُ فَإِنَّهُنَّ مِنَ الْحَقِّ﴾ ❹ [جس چیز کے ساتھ آدمی کھیلے وہ باطل ہے مگر اپنی کمان کے ساتھ تیراندازی کرنا اپنے گھوڑے کو ادب سکھانا اور اپنی بیوی سے کھیلنا یہ چیزیں حق ہیں] تو شریعت نے جن کھیلوں کی اجازت دی ہے لڈو، فٹ بال والی بال، کرکٹ اور گلی ڈنڈا وغیرہ ان میں شامل نہیں۔ واللہ اعلم ۱۴۱۹/۶/۵ھ

س: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شطرنج جو عام ہوگئی ہے اس کا کیا حکم ہے؟ شرعی دلائل سے مفصل جواب ہوتا کہ ہر قسم کا تردد ختم ہو جائے جو کہ ان وجوہ کی بناء پر پیدا ہو گیا ہے یا کہ عام مدرسین میں سے بعض سے جب یہ پوچھا گیا کہ شطرنج کا کیا حکم ہے تو انہوں نے یہ بتایا کہ اگر شرط لگا کر کھیلا جائے تو حرام ہے اگر ویسے وقت گزارنے کے لیے کھیلا جائے تو ہم زیادہ شدت کرتے ہوئے یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ مکروہ ہے پھر جب ان کے بتانے پر شرح صحیح مسلم اور عون معبود اور مشکوٰۃ کے حاشیہ بحوالہ مرقاۃ پڑھا تو اس میں بھی علماء کے مذاہب پڑھ کر تردد اسی طرح برقرار رہا تو اس تردد کو ختم کرنے کے لیے آپ کی طرف رجوع کر رہا ہوں۔ عبدالرشید تونسوی

---

❶ [البقرة ۲۱۶ پ۲] ❷ [البقرة ۲۸۶ پ۳] ❸ [مشكوة حديث نمبر ۳۸۷٤۔ كتاب الجهاد۔ باب اعداد آلة الجهاد۔ الفصل الثانی] ❹ [مشكوة حديث نمبر ۳۸۷۲۔ كتاب الجهاد۔ باب اعداء آلة الجهاد۔ الفصل الثانی]

ج: شطرنج ناجائز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ﴿كُلُّ شَيْءٍ يَلْهُوْ بِهِ الرَّجُلُ بَاطِلٌ اِلَّا رَمْيَ الرَّجُلِ بِقَوْسِهِ وَتَأْدِيْبَهُ فَرَسَهُ وَمُلَاعَبَتَهُ اَهْلَهُ فَاِنَّهُنَّ مِنَ الْحَقِّ﴾ [1] [ہر وہ چیز جس کے ساتھ آدمی کھیلے وہ باطل ہے مگر اپنی کمان کے ساتھ تیر اندازی کرنا اپنے گھوڑے کو ادب سکھانا اور اپنی بیوی سے کھیلنا یہ چیزیں حق ہیں] محشی سید عبداللہ ہاشم یمانی لکھتے ہیں" رواه ایضا احمد والاربعة وابن الجارود وابن حبان والحاکم وصححه واقره الذهبی ۲/۱۲٤۔"

نیز رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ﴿كُلُّ شَيْءٍ لَيْسَ مِنْ ذِكْرِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ فَهُوَ (لَغْوٌ) لَهْوٌ وَسَهْوٌ اِلَّا اَرْبَعَ خِصَالٍ مَشْيَ الرَّجُلِ بَيْنَ الْغَرَضَيْنِ وَتَادِيْبَهُ فَرَسَهُ وَمُلَاعَبَتَهُ اَهْلَهُ وَتَعَلُّمَ السَّبَاحَةِ﴾ [ہر وہ چیز جو اللہ عزوجل کے ذکر کے علاوہ ہے وہ لغو اور لہو اور سہو ہے مگر چار چیزیں دو نشانوں کے درمیان آدمی کا چلنا اور اپنے گھوڑے کو ادب سکھانا اور اپنی بیوی سے کھیلنا اور تیرا کی سیکھنا] اخرجه النسائی فی کتاب عشرة النساء (ق ۲/۷٤) والزیادة له والطبرانی فی المعجم الکبیر (۲/۸۹/۱) وابو نعیم فی احادیث ابی القاسم الاصم (ق ۱۸/۱۷) من طریقین عن محمد بن سلمة عن ابی عبدالرحیم عن عبدالوهاب بن بخت عن عطاء بن ابی رباح قال رایت جابر بن عَبْدِ اللهِ وَجَابِرَ بْنَ عُمَيْرِ الْاَنْصَارِيَّيْنِ يَرْمِيَانِ فَمَلَّ اَحَدُهُمَا فَجَلَسَ فَقَالَ لَهُ الْآخَرُ كَسِلْتَ ؟ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فَذَكَرَهُ [عطاء سے ہے انہوں نے کہا کہ میں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما اور جابر بن عمیر ؓ انصاری کو دیکھا کہ وہ دونوں تیر اندازی کر رہے ہیں پس ان میں سے ایک تھک گیا اور بیٹھ گیا تو دوسرے نے کہا کہ تو سست پڑ گیا ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا اور پھر گزشتہ حدیث ذکر کی]

قلت وهذا سند صحیح رجاله ثقات رجال مسلم غیر عبدالوهاب بن بخت وهو ثقه اتفاقا الخ [2] حافظ ابن حزم نے ان احادیث پر چند اعتراضات کیے ہیں جو نا قابل التفات ہیں۔

تو ان احادیث سے ثابت ہوا شطرنج بھی جائز نہیں کیونکہ نہ تو یہ ذکر اللہ ہے اور نہ ہی اس کی اباحت کسی آیت یا حدیث سے ثابت ہے اور مذکورہ بالا احادیث کے عموم سے اس شطرنج کا ناجائز ہونا ہویدا ہے یاد رہے دوسری روایت میں لغو ولہو وسہو سے مراد باطل ہے جیسا کہ پہلی حدیث سے واضح ہے۔ هذا ما عندی واللہ اعلم ۱٤۱۱/۷/۵ھ

س: محترمی ومکرمی جناب حافظ عبدالمنان نور پوری صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

[1] [سنن دارمی ج۲ ص ۱۲٤ حدیث نمبر ۲٤۱۰] [2] [سلسلة الاحادیث الصحیحة ج٤ /۱۷/ ۳۱۵]

امابعد! گزارش ہے کہ روزنامہ جنگ مورخہ ۱۱ دسمبر ۱۹۸۸ء میں ایک خبر شائع ہوئی عبدالعزیز الدالی کے حوالے سے جس کا عنوان تھا۔ اسلام میں خاتون کے سربراہ مملکت بننے پر کوئی پابندی نہیں۔ جو کہ مندرجہ ذیل ہے:

اسلام میں خاتون کے سربراہ مملکت بننے پر کوئی پابندی نہیں۔ عبدالعزیز الدالی

''نئی دہلی (نمائندہ جنگ) کسی مسلمان ملک کی خاتون سربراہ بننے میں اسلام کوئی پابندی عائد نہیں کرتا۔ یہ بات جنوبی یمن کے وزیر خارجہ عبدالعزیز الدالی نے کہی ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ ہمیں عوام کی رائے کا احترام کرنا چاہیے جنہوں نے بینظیر بھٹو کو وزیراعظم بنایا ہے انہوں نے مزید کہا ہے کہ وہ ملکہ سبا پر فخر کرتے ہیں جو اسلام کے دور میں یمن کی ملکہ تھیں اور آج بھی یمن میں انہیں قدر و منزلت سے دیکھا جاتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے یمن کی ترقی کے لیے بہت کارنامے نمایاں سرانجام دیئے تھے۔''

مذکورہ عبارت پڑھ کر غور کیا۔ انہوں نے کہا کہ کسی مسلمان ملک کی خاتون سربراہ بننے میں اسلام کوئی پابندی عائد نہیں کرتا۔ اگر واقعی عبدالعزیز الدالی کے مطابق اسلام عورت کی حکمرانی پر پابندی عائد نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ﴾ [1] اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس کو اس کے مالک کی آیتیں سنائی جائیں۔ پھر وہ ان پر خیال نہ کرے۔ بے شک ہم گناہ گاروں سے بدلہ لیں گے۔

اسلام اللہ تعالیٰ کو بھی پسند ہے اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ [2] ترجمہ: آج کے دن میں نے مکمل کر دیا تمہارے لیے تمہارے دین کو اور مکمل کر دیا تم پر اپنی نعمت کو اور پسند کیا میں نے تمہارے لیے اسلام کو دین اسلام میں داخل ہونا اللہ تعالیٰ کو بہت ہی پسند ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ [3] جو دین خدا تعالیٰ کو پسند ہے وہ اسلام ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ [4] اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی تابعداری نہ کرو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور اس کے بعد عبدالعزیز الدالی نے مزید یہ کہا کہ (ہمیں عوام کی رائے کا احترام کرنا چاہیے) اب دیکھنا یہ ہے کہ عوام کے بارے میں ارشاد ربانی کیا ہے؟ ﴿وَمَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ [5] اگرچہ آپ حرص کریں، اکثر لوگ مومن نہیں ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

---

[1] [پ ۲۱ ، السجدة ۲۲] [2] سورة المائدة پاره نمبر ٦ آیت نمبر ٣ [3] پ٣ آل عمران آیت ١٩ [4] سورة بقرة پ٢ آیت ٢٠٨ [5] سورة یوسف پ١٣ آیت ١٠٣

﴿وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ﴾ ❶ اور اگر تو ان لوگوں کے کہنے پر چلے جو دنیا میں زیادہ ہیں تو وہ تجھ کو خدا کی راہ سے بہکا دیں گے، یہ لوگ صرف اپنے خیال پر چلتے ہیں اور کچھ نہیں مگر اٹکلیں دوڑاتے ہیں۔ اور دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ ❷ اور البتہ تحقیق گمراہ ہوئے ان کے پہلے بہت زیادہ پہلوں میں سے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ﴾ ❸ اور تھوڑے ہیں میرے بندوں میں سے شکر گزار۔ اس کے بعد عبدالعزیز الدالی نے مزید کہا جو کہ مندرجہ ذیل ہے:

> ''کہ وہ ملکہ سبا پر فخر کرتے ہیں جو اسلام کے دور میں یمن کی ملکہ تھیں اور آج بھی یمن میں انہیں قدر ومنزلت سے دیکھا جاتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے یمن کی ترقی کے لیے بہت کارنامے نمایاں سرانجام دیئے تھے۔''

قوم سبا کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بھی ذکر کیا ہے: ﴿اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ﴾ میں نے دیکھا کہ ان کی بادشاہت ایک عورت کر رہی ہے جسے ہر قسم کی چیز سے کچھ نہ کچھ دیا گیا ہے اور اس کا تخت بھی بڑی عظمت والا ہے۔

﴿وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ﴾ ❹ میں نے اسے اور اس کی قوم کو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہوئے پایا شیطان نے ان کے کام انہیں بھلے کر کے دکھلا کر صحیح راہ سے روک دیا ہے پس وہ ہدایت پر نہیں آتے۔ قرآن اجتماعی زندگی میں یہ مقام کس کو دیتا ہے اور کسے نہیں دیتا سورۃ نساء آیت ۳۴ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ، فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ﴾ مرد عورتوں پر حاکم ہیں بوجہ اس فضیلت کے جو اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر دی ہے اور بوجہ اس کے کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ پس صالح عورتیں اطاعت شعار اور غیب کی حفاظت کرنے والیاں ہوتی ہیں اللہ کی حفاظت کے تحت۔

اس کے بعد حدیث کی طرف آیئے۔ یہاں ہم کو نبی ﷺ کے یہ واضح ارشادات ملتے ہیں: ﴿اِذَا كَانَ اُمَرَآئُكُمْ شِرَارَكُمْ اَغْنِيَائُكُمْ بُخَلَائُكُمْ وَاُمُوْرُكُمْ اِلٰى نِسَآئِكُمْ فَبَطْنُ الْاَرْضِ خَيْرٌ مِنْ ظَهْرِهَا﴾ ❺ جب

---

❶ پ۸ سورۃ انعام آیت ۱۱۷ ❷ پ۲۳ سورۃ صافات آیت ۷۱ ❸ پ۲۲ سورۃ سبا آیت ۱۴ ❹ پ۱۹ سورۃ نمل آیت ۲۴ ❺ ترمذی کتاب الفتن جلد ثانی

تمہارے امراء تمہارے بدترین لوگ ہوں، اور جب تمہارے دولت مند بخیل ہوں اور جب تمہارے معاملات تمہاری عورتوں کے ہاتھ میں ہوں تو زمین کا پیٹ تمہارے لیے اس کی پیٹھ سے بہتر ہے۔ ﴿عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ لَمَّا بَلَغَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اَنَّ اَھْلَ فَارِسَ مَلَّکُوْا عَلَیْھِمْ بِنْتَ کِسْرٰی قَالَ لَنْ یُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا اَمْرَھُمْ اِمْرَاَۃً﴾ [1]

ابوبکرہ سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ کو خبر پہنچی کہ ایران والوں نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا بادشاہ بنالیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی جس نے اپنے معاملات ایک عورت کے سپرد کیے ہوں۔

(نوٹ) روزنامہ جنگ لاہور میں مورخہ ۸۸۔۱۲۔۱۱ کو ایک خبر شائع ہوئی تھی عبدالعزیز الدالی کے حوالے سے بندہ نے پڑھ کر غور کیا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان یاد آیا۔ ﴿فَتَبَیَّنُوْا﴾ [2] پس تحقیق کرلو۔ بندہ نے آیات اور احادیث جمع کی ہیں اب بندہ تمام اہل علم حضرات سے درخواست کرتا ہے کہ جو آیات اور احادیث جمع کی ہیں ان کی وضاحت مطلوب ہے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اور اجر وثواب کے لیے وضاحت کریں۔

تائید کنندہ: جناب حکیم مولانا محمود صاحب خطیب جامع مسجد مکرم ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ فرماتے ہیں کہ علماء کرام اس تحریر کی وضاحت کریں: محمود مورخہ 19/12/88

محمد اکبر خطیب جامع مسجد ناصر خان اہل حدیث ناصر روڈ محلہ بختے والا گوجرانوالہ 21/12/88

عبدالرشید انصاری سرفراز کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

ج: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم شیخنا المکرّم مولانا محمد اسماعیل صاحب سلفی رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ کے صاحبزادے جامع مسجد مکرم ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ کے خطیب مشہور ومعروف حکیم وطبیب جناب مولانا محمود صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ نے جنوبی یمن کے وزیر خارجہ کے ایک بیان کی طرف توجہ دلائی ہے جس میں وزیر موصوف نے کہا ''کسی مسلمان ملک کی خاتون سربراہ بننے میں اسلام پابندی عائد نہیں کرتا۔ وہ ملکہ سبا پر فخر کرتے ہیں جو اسلام کے دور میں یمن کی ملکہ تھیں۔ ہمیں عوام کی رائے کا احترام کرنا چاہیے جنہوں نے بینظیر بھٹو کو وزیراعظم بنایا ہے''۔ وزیر موصوف کا بیان ختم ہوا۔

(۱) تمام اہل خرد جانتے ہیں کہ مسلمان جب بحیثیت مسلمان کوئی قیادت یا امارت والا نظام قائم کرتے ہیں تو ان کی غرض وغایت اور مراد صرف اور صرف یہی ہوتی ہے کہ ہمیں فلاح وبہبود حاصل ہو اور ہم کامیابی وکامرانی سے ہمکنار ہوں ہم چونکہ مسلمان ہیں اور بحیثیت مسلمان ہی سوچ بچار کررہے ہیں اس لیے ہم نے دیکھنا ہے جس غرض وغایت

---

[1] بخاری، احمد، نسائی، ترمذی [2] پ ۲٦ س الحجرات

اور مقصود ومراد یعنی فلاح و بہبود کی خاطر ہم قیادت وامارت والا نظام بنا رہے ہیں اس فلاح و بہبود کا طریقہ وذریعہ ازروئے اسلام کیا ہے اور ظاہر ہے کہ اسلام کی ترجمانی صرف دو ہی چیزیں کرتی ہیں ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب اور دوسری رسول اللہ ﷺ کی سنت وحدیث۔ اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ فلاح و بہبود کا طریقہ وذریعہ ازروئے کتاب وسنت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری ہی ہے چنانچہ اس سلسلہ میں متعدد آیات کریمہ اور احادیث شریفہ موجود ہیں جنہیں طوالت سے بچتے ہوئے اس جگہ نقل نہیں کیا جا رہا ہے قرآن مجید اور کتب احادیث سے انہیں دیکھا جا سکتا ہے۔ اب ہم نے دیکھنا ہے کہ ایک خاتون کو ملک یا جماعت کا سربراہ بنانے کی اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ نے اجازت دی ہے یا نہیں؟ اور ہر کوئی جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول اللہ ﷺ نے خاتون کو سربراہ بنانے کی اجازت نہیں دی بلکہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ نساء میں فرمایا: ﴿اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ﴾ الخ مرد عورتوں پر قوام وحاکم ہیں اور صحیح بخاری [کتاب المغازی . باب کتاب النبی ﷺ إلی کسری وقیصر] میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿لَنْ يُّفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا اَمْرَهُمْ اِمْرَاَةً﴾ جن لوگوں نے اپنے امر کا والی کسی عورت کو بنالیا وہ لوگ ہرگز فلاح و بہبود سے ہمکنار نہیں ہوں گے تو ان نصوص صریحہ کے ہوتے ہوئے وزیر موصوف یا کسی اور کا کہنا ''کسی مسلمان ملک کی خاتون سربراہ بننے میں اسلام پابندی عائد نہیں کرتا'' شدید قسم کی خطا ہے۔

کسی خاتون کے سربراہ نہ بن سکنے کا یہ مطلب نہیں کہ کسی مرد کو خواہ وہ کیسا ہی ہو سربراہ بنالیا جائے بلکہ اسلام نے مرد کے سربراہ بننے کے لیے پابندیاں عائد کی ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں البتہ ان تمام پابندیوں کا خلاصہ ذکر کیے دیتا ہوں کہ ہر وہ مرد جو دینی ودنیاوی نظام کو بہ سے بہتر اور بہتر سے بہترین طرز پر چلانے کی صلاحیت وقابلیت سے مالا مال ہو اس مرد کو سربراہ بنایا جائے۔

(۲) ملکہ سبا پر وزیر موصوف یا کوئی اور فخر کرتا ہے تو کرے انہیں اس فخر کرنے سے کوئی نہیں روکتا مگر اس فخر کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انہیں یہ کہنے کا حق حاصل ہو گیا کہ ''وہ اسلام کے دور میں یمن کی ملکہ تھیں'' قرآن مجید نے ملکہ سبا کا قصہ ذکر کیا ہے اس میں ملکہ سبا کے سلیمان علیہ السلام پر ایمان لانے سے پہلے ملکہ سبا ہونے کا تذکرہ ہے سلیمان علیہ السلام پر ایمان لانے کے بعد بھی وہ سبا کی ملکہ رہیں یا نہ اس سلسلہ میں کتاب وسنت خاموش ہیں اگر بالفرض ان کے سلیمان علیہ السلام پر ایمان لانے کے بعد بھی سبا کی ملکہ رہنے کا ثبوت مل جائے تو اس کو بطور حجت ودلیل پیش نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ سلیمان علیہ السلام کی شریعت ہے اور ہم سیدنا خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کی شریعت کے پابند ہیں جس کی اوپر

وضاحت کردی گئی ہے کہ از روئے کتاب وسنت عورت سربراہ نہیں بن سکتی۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے بعد اگر کوئی خاتون کسی ملک یا جماعت کی سربراہ بنی تو اس خاتون نے خطا کی اور اس کو سربراہ بنانے اور ماننے والوں نے بھی خطا کی کیونکہ خاتون کی سربراہی کی اسلام نے اجازت نہیں دی اور معلوم ہے کسی مرد یا عورت کے درست قول یا فعل کو حجت ودلیل کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا چہ جائیکہ کسی مرد یا عورت کے نادرست قول یا فعل کو حجت ودلیل کے طور پر پیش کیا جائے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اثبات اسلام کی خاطر حجت ودلیل صرف اور صرف کتاب وسنت ہی ہے نہ کہ امتیوں کے اقوال وافعال۔

(۳) رہا عوام کی رائے کے احترام والا معاملہ تو اس سلسلہ میں معلوم ہونا چاہیے کہ بے نظیر کی سربراہی عوام کی رائے نہیں یہ تو اس مروجہ جمہوریت کا کرشمہ ہے جس جمہوریت کے ذریعہ اقلیت کو اکثریت پر مسلط کیا جاتا ہے چند منٹ کے لیے ہم تسلیم کرلیتے ہیں کہ یہ عوام کی رائے ہے مگر یہ رائے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے احکام کے برعکس جا رہی ہے اب وزیر موصوف یا ان کا کوئی اور ہمنوا مسلمان ہونے کے ناطے سے بتائے احترام اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے احکام کا کیا جائے یا پھر ان عوام کی رائے کا کیا جائے جن عوام کو وزیر موصوف ایسے لوگ کالانعام گردانتے ہیں؟ پھر پاکستانی قوم کو عوام کی رائے کا احترام کرانے کا سبق اپنے ملک میں بھی تو عوام کی رائے کا احترام کرنا چاہیے جب کہ ان کا اپنا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے ملک کے اندر یا باہر تو اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے احکام کا احترام کرتے ہیں اور نہ ہی عوام کی رائے کا ﴿أَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ﴾

صرف عورت کی سربراہی والا مسئلہ ہی نہیں جتنے بھی امور ملک کے اندر یا باہر کتاب وسنت اور اسلام کے منافی چل رہے ہیں ہم ان سب کو غلط سمجھتے ہیں اور مقدور بھر ان کی اصلاح کی کوشش کرتے ہیں اگر ہم کسی وجہ سے ان کی اصلاح نہیں کرسکتے تو اس کا یہ معنی نہیں کہ ان کے جواز پر مہر تصدیق وتائید ثبت کردی جائے یا انہیں برضا ورغبت برداشت کرلینے کا سبق دینا شروع کردیا جائے جو حلقے اس ڈگر پر چل رہے ہیں دراصل وہ بھی اسلامی نظام کے نفاذ میں ایک قسم کی رکاوٹ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح معنوں میں کتاب وسنت پر چلنے والے مومن بنائے اور پوری دنیا میں اسلام کا علم بلند کرنے کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین یارب العالمین

س: ایک حدیث میں ہے کہ جو مشرک کے ساتھ جمع ہوا اور اس کے ساتھ سکونت اختیار کی وہ اسی کے مثل ہے اس کی وضاحت فرمادیں؟ ملک محمد یعقوب ہری پور

ج : مشرکین وکفار کے علاقہ پر مسلمان حملہ کرتے رہتے ہوں نیز مشرکین وکفار کے علاقہ میں رہنے والے مسلمان مستضعفین میں شامل نہیں تو پھر وہ آپ کی ذکر کردہ حدیث کا مصداق ہیں بشرطیکہ امیر المومنین نے انہیں کسی خاص غرض کے لیے وہاں سکونت کی اجازت نہ دے رکھی ہو۔ ١٤١٦/٢/١٥ھ

س : پاکستان کے حامی ومخالف علماء کون کون تھے کیونکہ بریلوی اپنی کتابوں میں کہتے ہیں کہ وہابی انگریزوں کے حامی اور پاکستان کے مخالف تھے اور ہم انگریزوں کے مخالف اور پاکستان کے حامی تھے۔ محمد سلیم بٹ

ج : ہر فرقے میں کچھ علماء پاکستان کے حامی اور کچھ مخالف تھے اہل حدیث علماء کی اکثریت پاکستان کے حامیوں میں شامل تھی۔ ١٤١٦/٢/١٥ھ

کتاب الطب والرقی..........تعویذ اور دم کے مسائل

س: اسلام میں تعویذ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ حدیث شریف میں تمیمہ لگانے کو شرک کہا گیا ہے اس تمیمہ سے کیا مراد ہے؟ کیا تعویذ بدعت کے زمرے میں تو نہیں آتا؟

ج: تعویذ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔ رہا تمیمہ کا معنی تو اس سلسلہ میں صاحب قاموس لکھتے ہیں: ''وَالتَّمِيْمُ التَّامُ الْخَلْقِ وَالشَّدِيْدُ وَجَمْعُ تَمِيْمَةٍ كَالتَّمَائِمِ لِخَرَزَةٍ رَقْطَاءِ تُنْظَمُ فِي السَّيْرِ ثُمَّ يُعْقَدُ فِي الْعُنُقِ'' [اور تمیم کا معنی ہے پورے قد وقامت والا اور مضبوط اور تمیمہ کی جمع ہے تمائم کی طرح اور تمیمہ اس دھاری دار منکے کو کہا جاتا ہے جس کو تسمہ میں پرویا جاتا ہے پھر گردن میں باندھا جاتا ہے] واللہ اعلم ۱۴۱۶/۲/۸ھ

س: کئی لوگ تعویذ دیتے ہیں ان کے پاس غیر محرم عورتوں کا ہجوم ہوتا ہے اور وہ امام مسجد بھی ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن شفا ہے جیسے ڈاکٹر مریضوں کو ادویات دیتا ہے وہ قرآن مجید کی آیات برائے علاج لکھ دیتے ہیں۔ (۱) کیا تعویذ جائز ہے؟ (۲) غیر محرم عورتوں کا ہجوم جائز ہے؟ (۳) تعویذ دینے والا مستقل امام یا خطیب رکھ سکتے ہیں؟

ڈاکٹر محمد حسین پرانی چیچہ وطنی 13/6/98

ج: تعویذ میں خواہ قرآن وحدیث لکھے ہوں رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں غیر محرم عورتوں کو دیکھنا، ان کو چھونا اور ان پر ہاتھ پھیرنا تعویذ کے ساتھ ہو خواہ تعویذ کے بغیر ہو جائز نہیں اضطراری حالت اس سے مستثنیٰ ہے۔ (۱) رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔ (۲) غیر محرم عورتوں کو دیکھنا، ان کو چھونا اور ان پر ہاتھ پھیرنا الخ ہجوم میں ہو خواہ بلا ہجوم جائز نہیں۔ (۳) تعویذ دینے والے کا عقیدہ کیسا ہے؟ تعویذ کے متعلق اس کا نظریہ کیا ہے؟ تعویذات شرکیہ اور غیر شرکیہ نیز کفریہ اور غیر کفریہ میں وہ امتیاز کرتا ہے یا نہیں؟ یہ معلومات مہیا ہونے پر اس سوال کا جواب دیا جا سکتا ہے۔ ۱۴۱۹/۳/۲۷ھ

س: تعویذ کے بارے میں قرآن وحدیث کیا کہتے ہیں کیا قرآنی تعویذ بھی غلط ہے؟ محمد امجد آزاد کشمیر

ج: تعویذ خواہ قرآن وحدیث کے کلمات کا ہی لکھا ہوا ہو رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔ ۱۴۲۰/۱/۱۴ھ

س: کسی بزرگ عالم دین کے معمولات یعنی وظائف انسانی فوائد کے لیے انسان کر سکتا ہے اور قرآن کی آیت لکھ کر تعویذ بنا کر ڈالنا کیسا ہے؟ اور اس سے کس حد تک فائدہ حاصل ہوتا ہے؟ عتیق الرحمٰن ظفروال

ج : کسی بزرگ عالم دین کے وظائف و معمولات کتاب و سنت سے ٹکراتے نہ ہوں تو انہیں عمل میں لایا جا سکتا ہے پھر بھی کتاب و سنت والے وظائف ان سے کہیں بہتر ہیں۔ تعویذ خواہ قرآن و حدیث کا ہی ہو۔ بنانا بنوانا ڈالنا یا ڈلوانا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔ واللہ اعلم ۱۴۱۹/۵/۲۶ھ

س : تعویذ کی کیا شرعی حیثیت ہے؟ بعض اہل حدیث علماء اس کو جائز قرار دیتے ہیں اور بعض ناجائز قرار دیتے ہیں؟

حافظ محمد فاروق

ج : تعویذ خواہ قرآنی ہو خواہ حدیثی ہو خواہ غیر قرآنی و حدیثی ہو رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔ ہاں جو تعویذات کفریہ یا شرکیہ مواد پہ مشتمل ہیں وہ کفر و شرک کے زمرہ میں شامل ہیں۔ ۱۴۲۰/۶/۲۴ھ

س : کلائی میں ڈالنے والی ایک چوڑی ہے جو اندر سے مقناطیس ہے باہر سے لوہا اور تقریباً ایک انگلی عرضاً چوڑی ہے یعنی کنگن کی شکل میں ہے اس مقناطیس میں جو قوت ہے وہ بلڈ پریشر (خون) کے لیے مفید ہے بعض نے بتایا ہے کہ ڈاکٹر بھی ایسے مریض کو اس کی وصیت کرتے ہیں اور کئی مریضوں سے سنا ہے کہ اس کے اثر سے خون کا جوش درست ہوتا ہے کیا یہ کنگن تمیمہ یا تولہ یا وتر کے حکم میں داخل تو نہیں ہوتا؟ یہ چوڑی سعودیہ میں عام بکتی ہے مجھ سے بھی کسی نے منگوائی تھی۔ عبدالرحمن ضیاء

ج : مقناطیسی کنگن جو خون کے جوش کو اور دباؤ کو کم کرنے کی غرض سے پہنے جاتے ہیں تمیمہ یا تولہ یا وتر میں سے کسی میں بھی شامل نہیں البتہ ان کو حلیہ اہل نار سے خارج نہیں کیا جا سکتا اس لیے ان کا استعمال درست نہیں حلیہ اہل نار کی تحقیق کے لیے آپ شیخ البانی حفظہ اللہ کی کتاب ''غایۃ المرام'' حدیث نمبر ۸۲ صفحہ نمبر ۶۸ اور ان کی کتاب ''آداب الزفاف'' صفحہ ۱۳۴ کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔ لہٰذا آپ خون کے جوش کو کم کرنے کی خاطر کوئی اور شرعاً درست علاج کروا لیں اللہ تعالیٰ آپ کو شفاء کامل و عاجل عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین ۱۴۱۰/۴/۱ھ

س : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ ایک ڈاکٹر یہ کہتا ہے کہ اگر کسی عورت کے ہاں مسلسل لڑکیاں پیدا ہوں اور لڑکا پیدا نہ ہو تو یہ اٹھرا بیماری کی ایک قسم ہے وہ اس کا علاج کرتا ہے اور دوائی دیتے وقت مریضوں کو بتاتا ہے کہ بیٹے اور بیٹیاں دینا اللہ کے اختیار میں ہے میں ایک فی صد بھی دعویٰ نہیں کرتا کہ ضرور لڑکا ہو گا بلکہ اگر اللہ چاہے تو لڑکا عطا کر دے۔ میں تو صرف علاج کرتا ہوں شفا دینا اور لڑکا دینا اللہ کے اختیار میں ہے۔ کیا یہ علاج کرنا غلط ہے یا درست ہے قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں؟ ڈاکٹر نذیر حماد گوندلانوالہ

ج: حدیث میں آیا ہے کہ ایک یہودی نے آپ سے ایک سوال کیا تھا جس کے جواب میں آپ نے فرمایا تھا ﴿مَآءُ الرَّجُلِ اَبْیَضُ وَمَآءُ الْمَرْاَۃِ اَصْفَرُ فَاِذَا اجْتَمَعَا فَعَلاَ مَنِیُّ الرَّجُلِ مَنِیَّ الْمَرْاَۃِ اَذْکَرَا بِاِذْنِ اللّٰہِ وَاِذَا عَلاَ مَنِیُّ الْمَرْاَۃِ مَنِیَّ الرَّجُلِ آنَثَا بِاِذْنِ اللّٰہِ﴾[1] کہ آدمی کا مادہ تولید سفید اور عورت کا زرد ہوتا ہے اور جب یہ دونوں جمع ہوتے ہیں تو جب آدمی کا مادہ تولید غالب آتا ہے یعنی زیادہ ہوتا ہے تو وہ اللہ کے حکم سے بچہ پیدا ہوتا ہے اور جب عورت کا مادہ تولید غالب آتا ہے تو اللہ کے حکم سے بچی پیدا ہوتی ہے تو اس یہودی نے تصدیق کی کہ یہ بات ٹھیک ہے (ہماری کتابوں میں ایسا ہی ہے) اس حدیث کی روشنی میں اگر دوائی کے ذریعہ مرد کا مادہ تولید بڑھا دیا جائے کہ وہ غالب آ جائے تو یہ کوئی شرک نہیں ہے اور نہ ہی خدائی اختیارات میں کوئی دخل ہے جس طرح دوسرے علاج کیے جاتے ہیں اور علاج کرانے والا اور کرنے والا دونوں سمجھتے ہیں کہ یہ ایک ذریعہ ہے اصل مسبب الاسباب اور موثر خدا تعالیٰ ہے وہی شفاء دینے والا ہے تو یہ شرک نہیں ہے۔ ٹھیک اسی طرح یہاں بھی یہی عقیدہ رکھتے ہوئے علاج کیا جائے تو کوئی گناہ اور حرج نہیں ہے اور اسباب کی طرف نسبت کرنے سے کفر لازم نہیں آتا جبکہ آدمی کا عقیدہ کتاب وسنت کے عین مطابق ہو۔ واللہ اعلم — الراقم: محمد الیاس اثری

اس فتویٰ کی تصدیق کرتے ہوئے مولانا محمد اعظم صاحب نے فرمایا ''اَلْجَوَابُ صَحِیْحٌ'' اور شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ صاحب نے فرمایا: ''لَقَدْ اَصَابَ مَنْ اَجَابَ'' اور حافظ عبدالمنان صاحب نور پوری نے فرمایا: استاذی المکرّم مولانا محمد عبداللہ صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ کے جواب کا ترجمہ ہے جواب دینے والوں نے یقیناً درست جواب دیا ہے یہ فقیر الی اللہ بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ — ٢٧ ربیع الثانی ١٤١٦ھ

س: ایک اشتہار ہے۔ بیٹی خدا کی رحمت اور بیٹا انعام الٰہی لوگ زیادہ بیٹیوں کی وجہ سے پریشان ہیں اور اولاد نرینہ چاہتے ہیں وہ ہماری دوا اولاد نرینہ کورس دوا استعمال کریں ان شاء اللہ بیٹا پیدا ہوگا تفصیل سے بیان کریں ٹھیک ہے یا کہ نہیں؟ — محمد یوسف

ج: دواء اگر شرعاً درست ہو کوئی حرام چیز اس میں شامل نہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ — ١٤١٨/٤/٢٨ھ

س: جناب محترم! گزارش یہ ہے کہ میں ہومیو پیتھک ۴ سالہ کورس کر رہا ہوں میرے چند دوست اور بھائی وغیرہ ایسا کرنے سے منع کرتے ہیں کہ یہ علاج الکوحل کی وجہ سے حرام ہے کیونکہ ہومیو پیتھک میں 90% الکوحل استعمال ہوتی

[1] [صحیح مسلم کتاب الحیض باب بیان صفة منی الرجل والمراة]

ہے جس کی وجہ سے دوا بااثر ہوتی ہے۔ براہ کرم اصل مسئلے سے آگاہ کریں کہ کیا یہ جائز ہے یا ناجائز میں جواب کا منتظر رہوں گا اور مجھے اس کے ٹھوس ثبوت اور دلائل درکار ہیں شکریہ شجاع الرحمٰن خاں راولپنڈی 19/8/99

ج: آپ کے ''چند دوستوں، بھائیوں اور دیگر مخلص ساتھیوں'' کی بات درست ہے کیونکہ الکوحل مسکر ہے اور ہر مسکر خمر ہے اور ہر مسکر و خمر حرام ہے صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ﴾❶ [ہر نشہ کرنے والا شراب خمر ہے اور نشہ کرنے والا شراب حرام ہے] قرآن مجید میں ہے: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾❷ [اے لوگو! جو ایمان لائے ہو سوائے اس کے نہیں کہ شراب اور جوا اور تھان بتوں کے اور تیر فال کے ناپاک ہیں کام شیطان کے سے پس بچو اس سے تاکہ تم فلاح پاؤ] صحیح بخاری میں ہے رسول اللہ ﷺ نے خمر میں تجارت کو حرام قرار دیا ہے۔❸ لہٰذا اس کاروبار اور علاج سے اجتناب بے حد ضروری ہے۔ واللہ اعلم ۱۴۲۰/۶/۵ھ

س: مروجہ طریقہ علاج ہومیو پیتھک کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ اس سلسلہ میں مفصل جواب چاہیے کیونکہ اس سلسلہ میں بڑی پریشانی ہے ایک عدد پرچہ ارسال خدمت ہے اس کے مطالعہ کے بعد جواب تحریر کر دیں اللہ حق کہنے، لکھنے اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ عتیق الرحمٰن ظفروال

ہومیو پیتھک طریقۂ علاج

کچھ دنوں قبل الاعتصام کے صفحات میں ہومیو پیتھک طریقہ علاج سے متعلق مفتی الاعتصام نے جو اس کے عدم جواز کا فتویٰ دیا تھا اور پھر بعض ڈاکٹروں نے اس پر ہومیو پیتھک طریقہ علاج سے متعلق اپنی اپنی معلومات سے اظہار خیال فرمایا، ان سب کو میں نے غور و فکر سے پڑھا اور کچھ فیصلے لکھنے کا ارادہ کیا۔ لیکن عدیم الفرصتی مانع ہوئی اور اس وقت سے تادم تحریر مختلف اور گوناگوں معاملات سے سابقہ رہا۔ آخر اس وقت کچھ کاموں کو پس پشت ڈال کر لکھنے بیٹھا ہوں۔

واللہ ھو ولی التوفیق

اس وقت روئے زمین پر علاج کا سب سے زیادہ مشہور طریقہ علاج جو رائج ہے اسے انگریزی طریقہ سے ہم جانتے ہیں۔ اس طریقہ علاج نے اتنی ترقی کی کہ دنیا کے سارے طریقہ علاج اس کے سامنے ماند پڑ گئے۔ بہر حال میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ سب سے بہتر طریقہ اور علاج طب یونانی ہے اور دوسرے نمبر پر طب ہومیو پیتھک اور تیسرے

❶[کتاب الاشربة باب بیان ان کل مسکر خمر وان کل خمر حرام] ❷[المائدة ۹۰] ❸[ص ۲۹۷ ج ۱ کتاب البیوع باب تحریم التجارة فی الخمر]

نمبر پر طب انگریزی۔

ہومیو پیتھک طریقہ علاج پر اسلامی نقطہ نظر سے جو سب سے اہم اعتراض ہے وہ یہ کہ اس کے اندر الکوحل ''اسپرٹ'' شامل ہے اور بفرمان رسول ﴿مَا اَسْكَرَ كَثِيْرُهُ فَقَلِيْلُهُ حَرَامٌ﴾ [1] اس کا جواز مشکل اور یہ بالکل حق۔

لیکن افسوس یہ کہ طب انگریزی کے اندر اکثر دواؤں میں الکوحل بطور جزء استعمال ہوتا ہے جب کہ ہومیو پیتھک طریقہ علاج میں بطور جزء استعمال نہیں ہوتا۔ نیز انگریزی دواؤں کے استعمال کرنے والے لاشعوری طور پر الکوحل ملی دواؤں کو بلا کراہت استعمال کرتے ہیں کیونکہ ان کو اس کا علم نہیں۔ جب کہ ہومیو پیتھک دواؤں کے استعمال کرنے سے پرہیز کرتے ہیں کیونکہ ان دواؤں کو الکوحل کی مدد سے تیار کیا جاتا ہے اور پھر جب ان کو گولیوں میں ڈال کر کچھ دیر رکھ دیا جاتا ہے تو پھر الکوحل ہواؤں کے ذریعہ اڑ جاتا ہے اور اس کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہتا۔ البتہ وہ دوائیں، جو قطرے کی شکل میں یا فوری طور سے گولیوں میں ڈال کر استعمال میں لائی جاتی ہیں ان میں الکوحل موجود ہوتا ہے۔

ہومیو پیتھک دواؤں کی تیاری اور بناتے وقت الکوحل کا استعمال ہوتا ہے لیکن یہ دواؤں کا جزء ضروری نہیں بلکہ اکثر دواؤں کو الکوحل کے بغیر دوسرے طریقہ سے بھی مثلاً ڈسٹلڈ واٹر وغیرہ بلکہ آب زمزم سے حل کیا جا سکتا ہے اور بنایا جا سکتا ہے البتہ بعض ایسی دوائیں ہیں جن کو الکوحل کے ذریعہ سے ہی بنایا جانا ضروری ہے کیونکہ ان دواؤں کے مضر اثرات کو الکوحل کے ذریعہ دور کیا جا سکتا ہے۔ دراں حالے کہ ان دواؤں کے بدل دوسری دوائیں موجود ہیں۔ کیونکہ ہومیو پیتھک ادویات میں ایک مرض کے لیے کئی کئی دوائیں ہیں۔ مسلمان ڈاکٹر ان میں سے ان دواؤں کا انتخاب کر سکتا ہے جو کہ الکوحل کے بغیر تیار کی جا سکتی ہیں میرے پاس ایک شخص آیا اور اس نے اپنی ایک شکایت بیان کی۔ میں نے ہومیو پیتھک کی ایک دوا لکھ دی اور ساتھ ہی ساتھ اس کو کہا کہ فلاں صاحب کے پاس جاؤ اور ان سے میرا نام لے کر کہنا یہ دوا تم کو بنا کر دے دیں۔ جب وہ شخص چلا گیا تو میری بیوی نے مجھے کہا کہ اس کو یہ دوا کیوں لکھ کر دی۔ اللہ کے پاس پکڑ ہوگی میں نے کہا خاموش رہو میں جانتا ہوں کہ تم جانتی ہو وہ کہنے لگی جو دوا آپ نے اسے لکھ کر دی ہے وہ فلاں چیز سے بنی ہے اور وہ گندی چیز ہے۔ میں نے کہا صحیح بخاری میں اس سے مشابہ شی کا ذکر ہے کتاب الطب میں دیکھ لو۔ نیز میں نے اس کو فلاں کے پاس بھیجا۔ اس کے پاس کمپیوٹر ہے اس سے دوا بنا کر دے گا۔ اس میں وہ چیز نہیں ڈالے گا بلکہ ہواؤں کے ذریعہ اس کے وہ اجزاء کمپیوٹر کھینچ کر وہ دوا تیار کر دیتا ہے۔ وہ اصل شے کو نہیں لیتا۔ میری بیوی

---

[1] [ترمذی ۔ کتاب الاشربة]

تو نہ سمجھ سکی۔ البتہ خاموش ہوگئی۔ اس واقعہ کو ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اب ہومیو طریقہ علاج نے کچھ اور طریقہ کر لیا ہے اس کی دوائیں بذریعہ کمپیوٹر تیار ہو رہی ہیں۔ برطانیہ وغیرہ نے یہ کمپیوٹر تیار کیا ہے اس کے اندر ایک خانہ ہوتا ہے جس میں گولیاں یا پانی وغیرہ رکھ کر دواؤں کے نمبروں سے جس دوا کی ضرورت ہو نمبر فٹ کر کے مشین چالو کر دیں، دوا تیار نہ اس میں الکوحل ہے نہ وہ اصل جزء بلکہ ان کے اندر جو قوت شفاء اللہ نے رکھی ہے اسے کھینچ کر اس میں بھر دیتا ہے اور آپ اس کا استعمال بغیر کسی کراہت کے کر سکتے ہیں۔ ہاں اس میں بعض خلل ایسے ہیں جو عنقریب دور ہو سکتے ہیں۔ ویسے ۸۰ فیصد کامیاب ہے اور نت نئی ترقی ہوتی رہتی ہے مستقبل قریب یا بعید میں اس سے بھی زیادہ صحیح طریقہ ایجاد ہو سکتا ہے۔ البتہ ہومیو پیتھک طریقہ علاج کا میں موید ہوں اس کو پڑھا بھی ہوں البتہ پریکٹس سے دور ہوں کیونکہ میں نے اسے پیشہ نہیں بنایا اس لیے ڈاکٹر صاحبان کو ہو سکتا ہے میری باتوں کو سمجھنے میں تھوڑی دقت محسوس ہو۔ کیونکہ میں ان کی اصطلاحوں سے ہٹ کر عوام کو مدنظر رکھتے ہوئے لکھ رہا ہوں تا کہ الاعتصام کے قارئین بآسانی سمجھ سکیں۔

چونکہ مفتی صاحب حفظہ اللہ کو ان دواؤں اور اس طریقہ علاج سے متعلق سائل نے پورے شرح وبسط سے آگاہ نہیں کیا۔ اور وہ کر بھی نہیں سکتا کیونکہ اسے کیا معلوم لہٰذا مفتی صاحب نے سائل کے سوال کے مطابق جواب باصواب لکھ دیا لیکن میرے خیال میں اس پر کامل دراسہ کی ضرورت ہے۔ یہ چند سطریں بطور افادۂ عام سپرد قلم ہیں۔

س : مولانا ابوالاشبال صاحب شاغف حفظہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کے ارسال کردہ ورقہ میں لکھا ہے: ''کچھ دنوں قبل الاعتصام کے صفحات میں ہومیو پیتھک طریقہ علاج سے متعلق مفتی الاعتصام نے جو اس کے عدم جواز کا فتویٰ دیا تھا'' الخ اس کے بعد فرماتے ہیں ''ہومیو پیتھک طریقہ علاج پر اسلامی نقطہ نظر سے جو سب سے اہم اعتراض ہے وہ یہ کہ اس کے اندر الکوحل ''اسپرٹ'' شامل ہے اور بفرمان رسول ﴿مَا اَسْكَرَ كَثِيْرُهٗ فَقَلِيْلُهٗ حَرَامٌ﴾ [1] [جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ کرے تو اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے] اس کا جواز مشکل اور یہ بالکل حق''۔

شاغف صاحب کو چاہیے تھا کہ ''اس کا جواز مشکل'' کی بجائے فرماتے ''اس کا جواز ختم'' جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے لفظ ''حرام'' اور اس کی تصدیق وتائید میں شاغف صاحب کے لفظ ''یہ بالکل حق'' سے واضح ہے پھر رسول اللہ ﷺ کا خمر ومسکر کی بیع خرید وفروخت سے منع فرمانا بھی اس طریقہ علاج کے عدم جواز پر ہی دلالت کرتا ہے باقی ایلو پیتھی بعض ادویہ میں الکوحل کا ہونا اور بعض لوگوں کا شعوری یا غیر شعوری طور پر انہیں استعمال کرنا بجائے خود ناجائز ہے تو وہ

[1] [جامع ترمذی ـ ابواب الاشربة ـ باب ما جاء ما اسكر كثيره فقليله حرام جلد ثانی]

ہومیو پیتھک طریقہ علاج کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتا اس کی مثال اس طرح سمجھ لیں کوئی انسان کسی یہودیہ کے ساتھ زنا کرتا ہے اسے سمجھایا جائے کہ یہ کام ناجائز ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لاَ تَقْرَبُوْا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِيْلاً﴾ [زنا کے قریب نہ جائے بے شک وہ بے حیائی اور برا راستہ ہے] تو وہ آگے سے جواب دے کہ میں یہودیہ کے ساتھ زنا کرتا ہوں تو کیا ہوا فلاں بھی تو نصرانیہ کے ساتھ زنا کرتا ہے تو اب زنا چونکہ بجائے خود ناجائز ہے یہودیہ کے ساتھ ہو خواہ نصرانیہ کے ساتھ اس کے اس کہنے سے یہودیہ کے ساتھ زنا کا جواز نہیں نکلے گا اور نہ ہی فلاں کے نصرانیہ کے ساتھ زنا کرنے سے۔ ہاں الکوحل یا کسی اور ناجائز چیز کو شامل کیے بغیر دوائی تیار کی گئی ہے تو وہ جائز و درست ہے خواہ ایلوپیتھی سے تعلق رکھتی ہو خواہ ہومیو پیتھی سے خواہ طب یونانی سے۔ ۱۴۱۹/۸/۲۰ھ

س : یہ کہ ایلو پیتھک ڈاکٹر بننا جس میں واضح طور پر کچھ غیر شرعی عوامل موجود ہوتے ہیں مثلاً ابتدائی مراحل میں مینڈک کا اپریشن اور یا کسی اور جانور کا اپریشن کیا جاتا ہے حالانکہ مینڈک کو اذیت دینا غیر شرعی سنتے ہیں یا دیگر۔ انسانی لاشے کا اپریشن یا مردوں کے ہاتھوں عورتوں کا اپریشن یا عورتوں کے ہاتھوں مردوں کا اپریشن یا چیک اپ شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دیں۔ نیز انتقال خون واعضاء، کس حد تک ٹھیک ہے؟ ندیم اللہ ضلع ہری پور

ج : آپ نے جن چیزوں کے حکم شرعی پوچھے ہیں وہ سب چیزیں غیر شرعی ہیں اس لیے ان سے اجتناب چاہیے چنانچہ آپ کے سوال میں بھی ان کے غیر شرعی ہونے کا ذکر موجود ہے آپ لکھتے ہیں ''ایلو پیتھک ڈاکٹر بننا جس میں واضح طور پر کچھ غیر شرعی عوامل موجود ہوتے ہیں'' تو صحیح صورت یہی ہے کہ ڈاکٹر یا طبیب بنے مگر غیر شرعی اعمال کا ارتکاب نہ کرے۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم ۱۴۱۲/۲/۱۳ھ

س : کیا دین اسلام ڈاکٹر یا حکیم کو یہ اجازت دیتا ہے کہ وہ کسی غیر محرم عورت کی نبض عورت کا بازو اپنے ہاتھ میں پکڑ کر چیک کرے؟ یا اپنی ذاتی آنکھوں (نہ کہ کسی مشینری کے ذریعے) سے غیر محرم عورت کی آنکھیں، گلا، ناک، کان یا کلائی اور اعضاء چیک کرے؟ محمد محسن عابد

ج : جس قسم کی آیت اور حدیث کا آپ نے مطالبہ فرمایا ہے وہ میرے علم میں نہیں۔ ۱۴۱۰/۱۲/۸ھ

س : (۱) کوئی آدمی بطور دوائی افیون چرس بھنگ ہیروئن یا شراب استعمال کر سکتا ہے؟

(۲) مریض لاغر بھی نہیں ہے قریب المرگ بھی نہیں ہے مریض مسافر بھی نہیں ہے مریض نشے کا عادی نہیں ہے۔

(۳) مریض لاغر ہے مریض قریب المرگ ہے؟ محمد یونس۔ رضاء اللہ۔ محمد رمضان۔ منڈی کاموکی

ج: (۱) استعمال نہیں کرسکتا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿إِنَّهَا لَيْسَتْ بِدَوَاءٍ وَلٰكِنَّهَا دَاءٌ﴾ ❶ [وہ دوا نہیں بلکہ بیماری ہے] (۲) استعمال نہیں کرسکتا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ❷ [ہاں جو کوئی مجبور ہو نہ تلاش کرنے والا اور نہ حد سے گزرنے والا ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں اللہ بڑی بخشش والا مہربان ہے] ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ❸ [پس جو شخص بغیر رغبت گناہ کے بھوک سے تنگ ہو اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے] نیز فرمایا: ﴿وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ﴾ ❹ [اللہ نے حرام چیزیں تم کو مفصل بتلا دی ہیں پھر مجبوری کی حالت میں معاف بھی ہے]

۱۴۱۶/۱۱/۲۱ھ

س: فوت شدہ عورت کے پیٹ سے بذریعہ آپریشن بچہ نکالنا جائز ہے؟ مولانا صفدر عثمانی

ج: درست ہے بشرطیکہ بچے کے زندہ نکلنے کا یقین ہو یا کم از کم ظن غالب ہی ہو۔ ۱۴۱۶/۱۱/۲۱ھ

---

❶ [صحیح مسلم کتاب الاشربة باب تحریم التداوی بالخمر وبیان انها لیست بدواء] ❷ [البقرة ۱۷۳ پ۲]
❸ [المائدة ۳ پ۶] ❹ [الانعام ۱۱۹ پ۸]

کتاب المناقب والفضائل

خصائل وفضائل کا بیان

س : سرکار دو عالم ﷺ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کتنے سال اور اصحاب الفیل کے واقعہ کے کتنے سال بعد تشریف لائے؟ محمد خالد سیف اللہ گجرات

ج : ولادت مسیح علیہ السلام سے تقریباً ۶۱۱ سال بعد اور واقعہ فیل کے تقریباً چالیسویں سال محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے رسالت ونبوت عطا فرمائی۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم ۱۴۱۲/۵/۱۴ھ

س : یہ حدیث مبارکہ بخاری شریف میں کہاں ہے کہ حضرت جناب سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے آخری نبی بنا دیں فرمایا نہیں کہا مجھے آخری امت عطا کر دے یا یہ جس طرح حدیث مبارکہ ہے؟ محمد خالد سیف اللہ گجرات

ج : یہ حدیث مجھے بخاری شریف میں نہیں ملی اور نہ مجھے کسی اور کتاب سے مستحضر ہے ہاں بخاری شریف میں معراج والی حدیث میں یہ لفظ موجود ہیں ﴿فَلَمَّا تَجَاوَزْتُ بَکٰی قِیلَ لَهٗ مَا یُبْکِیکَ قَالَ اَبْکِیْ لِاَنَّ غُلَامًا بُعِثَ بَعْدِیْ یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِهٖ اَکْثَرُ مِمَّنْ یَدْخُلُهَا مِنْ اُمَّتِیْ﴾[1] [جب میں آگے بڑھا موسیٰ علیہ السلام رو پڑے موسیٰ علیہ السلام کو کہا تجھ کو کس چیز نے رلایا موسیٰ علیہ السلام نے کہا میں اس لیے رویا کہ میرے بعد ایک نوجوان لڑکا نبی بنا کر بھیجا گیا اس کی امت میری امت سے زیادہ جنت میں داخل ہوگی]

س : صحابی رسول کے سامنے رسول اللہ کی غیر موجودگی میں جب کوئی رسول اللہ کا نام مبارک لیتا تو سننے والا اصحابی رسول اکرم ﴿صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا﴾ والی آیت پر عمل کرتے ہوئے کیا کہتے اور پڑھتے تھے؟

محمد افضل قلعہ دیدار سنگھ گوجرانوالہ 2/11/85

ج : رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی عدم موجودگی میں آپ کا نام نامی اسم گرامی ذکر فرماتے تو صلی اللہ علیہ وسلم کہتے یہ چیز حدیث کی ہر کتاب میں بکثرت موجود ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کے قول: ﴿صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا﴾ میں رسول اللہ ﷺ کا اسم گرامی لے کر یا سن کر درود وسلام پڑھنے کا حکم نہیں دیا گیا جیسا کہ کئی لوگ سمجھے بیٹھے ہیں۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم ۱۹ صفر ۱۴۰۶ھ

---

[1] بخاری مع فتح الباری ج۷ ص ۲۰۲

س: بخاری شریف کی روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ قریش میں سے بارہ (12) سردار ہوں گے وہ سردار کون سے ہیں وضاحت فرمائیں؟ ایم رحمت علی رسولنگر یکم فروری 1993

ج: ابوبکر صدیق، عمر بن خطاب، عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم، عبدالملک بن مروان، ولید بن عبدالملک، سلیمان بن عبدالملک، عمر بن عبدالعزیز، یزید بن عبدالملک، ہشام بن عبدالملک اور ولید بن یزید بن عبدالملک۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔ ❶ ١٤١٣/٨/١١ھ

س: حضرت امام علی رضی اللہ عنہ کو کرم اللہ وجہہ کہنا کہاں تک صحیح ہے؟ خاکپائے صحابہ میاں محمد صدیق مغل قادری رضوی

ج: علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو کرم اللہ وجہہ کے الفاظ سے دعا دینا درست ہے البتہ یہ دعائیہ الفاظ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نیز تابعین اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ بلکہ اہل ایمان کے لیے ان الفاظ کے ساتھ دعا کی جاسکتی ہے۔ ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ﴾ ❷ [اور ہم نے عزت دی ہے آدم کی اولاد کو] ﴿فَيَقُوْلُ رَبِّيٓ اَكْرَمَنِ﴾ ❸ [تو کہتا ہے میرے رب نے مجھ کو عزت دی] آپ نے اپنے آپ کو خاکپائے صحابہ رضی اللہ عنہم لکھا ہے اس کی کوئی دلیل ہو تو ہمیں اطلاع دیں؟ ١٤١٢/٨/١٥ھ

س: حدیث میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے اور دروازے سے کیا مراد ہے؟ محمد داود گوجرہ

ج: یہ روایت ترمذی میں ہے جس کی سند میں شریک بن عبداللہ نخعی صاحب ہیں جو ضعیف ہیں پھر یہ روایت مستدرک حاکم میں بھی ہے جس کی سند میں عبدالسلام صاحب ہروی ہیں وہ بھی ضعیف ہیں لہٰذا یہ روایت قابل اعتماد واحتجاج نہیں۔ واللہ اعلم ١٤١٥/١/٥ھ

س: ذکر صاحبي حديثا

عن عمران بن حصين قال بعث رسول الله ﷺ جيشا وفيه ﴿ ..... ما تريدون من علي ان عليا مني وانا منه وهو ولي كل مومن من بعدي ﴾ الترمذي حسن غريب وقال قوله (من بعدي) يدل على الوصية بالخلافة . لانه لو كان المراد به محبته فلا محل لقوله (بعدي) لان حبه مطلوب في حياة النبي ﷺ وبعد وفاته

فيه جعفر بن سليمان الضبعي صدوق زاهد وكان يتشيع

---

❶ [فتح الباری ١٣/٢١٤] ❷ [بنی اسرائیل ٧٠ پ ١٥] ❸ [الفجر ١٥ پ ٣٠]

وتابعه أجلح بن عبد الله الكندى صدوق شيعى

وتابعه أيضا أبوبلج يحيى الفزارى صدوق ربما أخطأ

اجتمع فيه ثلاثة في درجة (صدوق) فالحديث صحيح لغيره

ولذلك صححه الالبانى فى صحيح الترمذى . قال المباركفورى : زيادة (بعدى) وهم الشيعيين ولكن ابوبلج ليس بشيعي وجعفر روى له مسلم فى صحيحه

فللشيعة أن يقولوا . لماذا تردون روايته فى فضل على وتقبلون روايته فى الأحاديث الاخرى ؟

عبدالوهاب عبدالستير خان٤/٦/١٤١٢هـ

7 :أن عليا ﷺ كان وصيا بالخلافة بعد وفاة النبى ﷺ من غير فصل بدليل أن رسول الله ﷺ قال : إن عليا منى ، وأنا منه ، وهو ولى كل مؤمن من بعدى .

أقول أولا وبالله التوفيق : إنه لا ريب أن بعض الناس من الشيعة قد ادعوا ما ذكره صاحبك هذا لكن ادعاء هم هذا مجرد ادعاء لم يثبت بدليل ما

أما حديث : إن عليا منى وأنا منه ، وهو ولى كل مؤمن من بعدى . ففيه أن زيادة بعدى او من بعدى مردودة . قال المباركفورى رحمه الله تعالى فى شرح الترمذى : والظاهر أن زيادة بعدى فى هذا الحديث من وهم هذين الشيعيين . يعنى جعفر بن سليمان وأجلح الكندى . ويؤيده أن الإمام أحمد روى فى مسنده هذا الحديث من عدة طرق ليست فى واحدة منها هذه الزيادة .

فمنها ما رواه من طريق الفضل بن دكين ثنا ابن عيينة عن الحسن عن سعيد بن جبير عن ابن عباس عن بريدة قال : غزوت مع على اليمن ، فرأيت منه جفوة . الحديث . وفى أخره : فقال : يا بريدة ألست أولى بالمؤمنين من أنفسهم . قلت : بلى يا رسول الله . قال : من كنت مولاه فعلى مولاه .

ومنها ما رواه من طريق أبى معاوية ثنا الأعمش عن سعد بن عبيدة عن ابن بريدة عن أبيه أنه مر على مجلس وهم يتناولون من على . الحديث ، وفى آخره من كنت وليه فعلى وليه .

فظهر بهذا كله أن زيادة لفظ بعدى فى هذا الحديث ليست بمحفوظة ، بل هى مردودة فاستدلال الشيعة بها على أن عليا ﷺ كان خليفة بعد رسول الله ﷺ من غير فصل باطل جدا .

هذا ما عندى والله أعلم

وقال الحافظ ابن تيميه رحمه الله تعالى فى منهاج السنة : وكذلك قوله : هو ولى كل مؤمن بعدى . كذب على رسول الله ﷺ ، بل هو فى حياته وبعد مماته ولى كل مؤمن، وكل مؤمن وليه فى المحيا والممات ، فالولاية التى هى ضد العداوة لا تختص بزمان ، وأما الولاية التى هى الإمارة فيقال فيها : والى كل مؤمن بعدى . كما يقال فى صلاة الجنازة : إذا اجتمع الولى والوالى قدم الوالى فى قول الأكثر . وقيل : يقدم الولى .

وقول القائل : على ولى كل مؤمن بعدى . كلام يمتنع نسبته إلى النبى ﷺ فإنه إن أراد الموالاة لم يحتج أن يقول : بعدى . وإن أراد الإمارة كان ينبغى أن يقول : وال على كل مؤمن . انتهى [ج٤ ص٣٢٦]

واعتراض صاحبك هذا على المباركفورى فى قوله : إن زيادة بعدى من وهم هذين الشيعيين . باعتراضين الأول أن أبابلج ليس بشيعى وقد أتى بهذه الزيادة والثانى أن جعفرا روى له مسلم فى صحيحه ، فللشيعة أن يقولوا : لماذا تردون روايته فى فضل على ، وتقبلون روايته فى الأحاديث الأخرى . لكنهما اعتراضان ساقطان .

أما الأول فلأ نه ما الدليل على أن أبابلج ليس بشيعى ؟ ولأن البخارى رحمه الله تعالى قال: فيه نظر . كما فى الميزان وتهذيب التهذيب ، وقال الذهبى فى مقدمة الميزان: وأردى عبارات الجرح : دجال كذاب ، أو وضاع يضع الحديث . ثم متهم بالكذب ومتفق على تركه . ثم متروك ليس بثقة ، وسكتوا عنه ، وذاهب الحديث ، وفيه نظر ، وهالك ، وساقط . ثم واه بمرة، وليس بشىء ، وضعيف جدا الخ

فلفظ : فيه نظر . جرح شديد أردى من ألفاظ : واه بمرة ، وليس بشىء ، وضعيف جدا، وأمثالها ، ويساوى ألفاظ : ذاهب الحديث ، وهالك ، وساقط ، وأمثالها على ما يظهر من كلام الذهبى المذكور .

وقال المباركفورى فى شرح الترمذى : وقال الشيخ ابن الهمام فى التحرير : إذا قال

البخاري للرجل : فيه نظر . فحديثه لا يحتج به ، ولا يستشهد به ، ولا يصلح للاعتبار انتهى [ج١ ص٢١٥] فحديث أبي بلج ولو لم يكن شيعيا كما زعم صاحبك لا يحتج به ولا يستشهد به ، ولا يصلح للاعتبار .

وقال الذهبي في ترجمة أبي بلج من الميزان : ومن مناكيره يعني من مناكير أبي بلج : عن عمرو بن ميمون عن ابن عباس أن النبي ﷺ أمر بسد الأبواب إلا باب علي ﷺ. رواه أبو عوانة عنه ويروى شعبة عنه ـ اهـ [ج٤ ص٣٨٤] وحديث أبي بلج أن عليا وليي في كل مؤمن بعدى هو هذا الحديث الذى أدخله الذهبي في مناكيره ، وإن شئت أن تعرف حقيقة ما قلنا فراجع حديث أبي بلج في مسند أحمد [ج١ ص٣٣١] وهذا الموضع هو الذى ذكره صاحبك في إحالته لحديث أبي بلج على المسند .

وأما الثاني فلأن جعفر هذا مبتدع شيعي ، ولا يقبل رواية المبتدع فيما يقوى بدعته وأما في غير ما يقويها فتقبل إذا كان ثقة ، وتوجد فيها شروط القبول كلها ، ولم يرو عنه مسلم في صحيحه ما يقوى بدعته فيما أعلم .

قال المباركفورى في شرح الترمذى : قال في التقريب : جعفر بن سليمان الضبعي أبو سليمان البصرى صدوق زاهد لكنه كان يتشيع . انتهى ، وكذا في الميزان وغيره ، وظاهر أن قوله : بعدى . في هذا الحديث مما يقوى معتقد الشيعة ، وقد تقرر في مقره أن المبتدع إذا روى شيئا يقوى به بدعته فهو مردود قال الشيخ عبدالحق الدهلوى في مقدمته : والمختار أنه إذا كان داعيا إلي بدعته ومروجا لها رد ، وإن لم يكن كذلك قبل إلا أن يروى شيئا يقوى به بدعته فهو مردود قطعا . انتهى [ج٤ ص٣٢٦]

ثم جعفر هذا صدوق زاهد على ما قال الحافظ وغيره ، وبين كون الرجل صدوقا زاهدا ، وبين كونه ثقة فرق كما لا يخفى على من له مراس بفن الحديث وأصوله ، وكذا بين كون رواة الحديث ثقات ، وبين كون الحديث صحيحا أو حسنا بون لا يستلزم الأول الثاني في الفصلين وقس على الفرقين فرق ما بين أن يكون إسناد الحديث صحيحا أو حسنا ، وبين أن يكون

الحديث صحيحا أو حسنا .

ثانياً : سلمنا لعدة ثواني أن زيادة بعدى محفوظة قابلة للاحتجاج لكن نقول : إن معناها في حياتي بعد ذهابي إلى السفر ، وليس معناها بعد مماتي ، والدليل على هذا المعنى رواية أبي بلج عند أحمد في مسنده في الموضع المذكور فإن فيها : قال . يعني ابن عباس . قال : وخرج . يعني النبي ﷺ . بالناس في غزوة تبوك قال : فقال له علي : أخرج معك . قال : فقاله له نبي الله : لا . فبكى علي ، فقال له : أما ترضى أن تكون مني بمنزلة هارون من موسى إلا أنك لست بنبي إنه لا ينبغي أن أذهب إلا وأنت خليفتي قال : وقال له رسول الله : أنت وليي في كل مؤمن بعدى . الحديث . فإن سياق الحديث هذا يدل صريحا على أن المعنى أنت وليي وخليفتي في كل مؤمن بعد أن أذهب إلى غزوة تبوك ، وهذا المعنى هو الذى يشير إليه قول النبي ﷺ لعلي حينذاك خارجا إلى تبوك : أما ترضى أن تكون مني بمنزلة هارون من موسى إلا أنك لست بنبي . فإن موسى ﷺ كان ذهب إلى الطور لميقات ربه ، وقال لأخيه هارون ﷺ اخلفني في قومي وأصلح ولا تتبع سبيل المفسدين . فكانت تلك خلافة هارون في حياة موسى عليهما السلام بعد ما ذهب إلى الطور ، وكانت هذه خلافة علي ﷺ في حياة النبي ﷺ بعد ما ذهب إلى غزوة تبوك .

ثالثا : سلمنا أن معنى هذه الزيادة بعد وفاة النبي ﷺ لكن نقول : إن الخلافة بعد خلافة أبي بكر ، وعمر ، وعثمان ﷺ خلافة بعد وفاة النبي ﷺ لأن خلافة هؤلاء الثلاثة بعد وفاته ﷺ ، وبعد البعد بعد ، وليس في الحديث : بعدى من غير فصل او ما يفيد إفادته وإنما فيه : بعدى . وهو يصدق بفصل ، وبوصل ، فبين الواقع أن المراد : بعدى بفصل. لأن خلافة علي ﷺ كانت في الواقع بعده ﷺ بفصل دون وصل ، والنبي ﷺ لا يخبر إلا بما يوافق الواقع لأنه لا ينطق عن الهوى إن هو إلا وحي يوحى .

رابعاً : سلمنا لطرفة عين أن المعنى بعدى بوصل دون فصل لكن نقول : يلزم حينئذ أن يكون إخبار النبي ﷺ هذا غير موافق لعالم الواقع لأن الواقع أن خلافة علي ﷺ بعد رسول الله ﷺ

بفصل دون وصل واللازم باطل لأن ما أخبر به النبي ﷺ أنه سيكون كذا فيكون هو في الواقع كذلك لأنه ﷺ مخبر صادق في كل ما أخبر ، فالملزوم وهو أن المعنى بعدى بوصل دون فصل باطل لأن بطلان اللازم يستدعى بطلان الملزوم كما تقرر في موضعه ، فالقول بأن المعنى بعدى بوصل دون فصل على تقدير ثبوت الحديث ، وقد عرفت أنه لم يثبت باطل وتكذيب للنبي ﷺ ، فنعوذ بالله من ذلك ، وبالله التوفيق ١٤١٢/٦/٢٩هـ

س: (۱) حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی کتاب وسنت کے مطابق کیا ہیں؟

(۲) واقعہ کربلا کی اصل حقیقت کیا ہے؟ (۳) محرم کے فضائل بیان کریں؟ عبدالمجید سرگودھا

ج: (۱) حسین بن علی رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کے نواسے، علی بن ابی طالب اور فاطمہ رضی اللہ عنہما بنت رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے ہیں زینب، رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہن بنات رسول اللہ ﷺ کے بھانجے ہیں عثمان بن عفان اور ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہما حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے خالو تھے اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے بہنوئی اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے داماد تھے نیز حسین بن علی اور حسن بن علی رضی اللہ عنہ نوجوانان جنت کے سردار اور دنیا میں رسول اللہ ﷺ کے خوشبودار پھول تھے۔

(۲) واقعہ کربلا کے سلسلہ میں مولانا محمد عطاء اللہ صاحب حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ کا رسالہ ''کربلا کی کہانی امام جعفر صادق کی زبانی'' کا مطالعہ فرمائیں۔

(۳) محرم حرمت والے چار مہینوں میں سے ایک ہے اس کے نفلی روزے فضیلت والے ہیں پھر اس میں عاشورے کا ایک ہی روزہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہے محرم کے یہ فضائل حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی شہادت سے پہلے بھی موجود تھے۔ واللہ اعلم ١٤١٨/٣/١١هـ

س: ﴿حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اُتِيَ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ زِيَادٍ بِرَأْسِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ فَجُعِلَ فِيْ طَسْتٍ فَجَعَلَ يَنْكُتُ وَقَالَ فِيْ حُسْنِهٖ شَيْئًا فَقَالَ اَنَسٌ كَانَ اَشْبَهَهُمْ بِرَسُوْلِ اللهِ وَكَانَ مَخْضُوْبًا بِالْوَسْمَةِ﴾ [1] [حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ عبیداللہ بن زیاد کے پاس حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما

[1] [باب فضیلت حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کتاب بخاری شریف مترجم ، وحید الزمان فضیلت حضرت حسین حدیث نمبر ۹۳۵]

کا سر مبارک لایا گیا اور ایک برتن میں رکھا گیا اور وہ سر مبارک کو چھڑی لگانے لگا اور آپ رضی اللہ عنہما نے حسن کے متعلق کچھ کہا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ تو رسول اللہ ﷺ کے سب سے زیادہ مشابہ ہیں اور آپ رضی اللہ عنہ کو وسمہ کا خضاب لگا ہوا تھا] جناب محترم اس حدیث سے تو یہ بات معلوم ہوئی کہ یزید رحمہ اللہ نے حضرت حسن کو قتل کیا ہے

(۲) اور وہاں حضرت انس بن مالک کی موجودگی بھی اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ وہ بھی اس میں شامل ہیں ورنہ وہ اس حکومت کو چھوڑ کر چلے جاتے اس سے آگے حدیث نمبر ۹۳۹ وہاں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت آتی ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام سے مشابہت رکھتے ہیں یہاں پر دو حدیثوں کا آپس میں تضاد آ رہا ہے حدیث نمبر ۹۳۵ کے راوی پر گفتگو ہے۔ جریر بن حازم کے متعلق بھی کلام ہے۔ باقی جریر بن حازم کے متعلق کچھ بتائیں کہ وہ کس طبقہ کے راوی ہیں؟

سیف اللہ گجر پورہ لاہور

ج: آپ نے لکھا ہے ''اس حدیث سے تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یزید نے حضرت حسین کو قتل کیا ہے'' محترم اس حدیث سے یہ بات معلوم نہیں ہوتی بغور پڑھیں نیز یہ بات کسی بھی صحیح مرفوع حدیث سے معلوم نہیں ہوتی۔

پھر آپ نے لکھا ہے ''وہاں حضرت انس بن مالک کی موجودگی بھی اسی طرف اشارہ کرتی ہے کہ وہ بھی اس میں شامل ہیں الخ'' اس روایت میں سے عبیداللہ بن زیاد کی اس مجلس میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی موجودگی تو نکلتی ہے البتہ اس موجودگی سے جو اشارہ آپ نکال رہے ہیں وہ بالکل نہیں نکلتا ذرا توجہ فرمائیں۔

ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض وتضاد نہیں کیونکہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حسین رضی اللہ عنہ کو وجہ (چہرہ) میں اشبہ قرار دیا ہے چنانچہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں انس کی یہی روایت زہری بحوالہ اسماعیلی نقل کی ہے جس کے لفظ ہیں ''وَكَانَ اَشْبَهَهُمْ وَجْهًا بِالنَّبِيِّ ﷺ'' جبکہ حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق ان کی روایت میں وجہ (چہرے) کا ذکر نہیں تطبیق اور جمع کی اور بھی دو صورتیں فتح الباری میں ذکر کی گئی ہیں۔ وہاں سے دیکھ لیں۔ جریر بن حازم ثقہ ہیں طبقہ سادسہ سے ہیں حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے سر مبارک کو چھڑی لگانے والا عبیداللہ ہے نہ کہ یزید پھر انس بن مالک خاموش نہیں رہے بلکہ ''كَانَ اَشْبَهَهُمْ بِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ'' کہہ کر ابن زیاد کے اس فعل کی مذمت کی ہے۔ ۱۴۱۵/۱۱/۱۹ھ

س: یزید بن معاویہ کے متعلق اہل حدیث کا کیا موقف اور نظریہ ہے اور کیا ہونا چاہیے کیونکہ دوسری طرف امام حسین رضی اللہ عنہ ہیں۔

محمد سلیم بٹ

ج: یزید بن معاویہ مؤمن ہیں دوسری طرف حسین بن علی ہونے کو یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ یزید ایمان سے خارج

ہو گئے دیکھئے معاویہ بن ابی سفیان مومن ہیں صحابی رسول ﷺ ہیں جب کہ دوسری طرف علی بن ابی طالب ہیں تو کیا اس سے معاویہ کا ایمان سے خارج ہونا لازم آیا؟ نہیں ہرگز نہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَأَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا﴾ ❶ الآیۃ [اور اگر دو مسلمان گروہوں میں لڑائی ہو جائے تو تم لوگ ان دونوں میں صلح کرا دیا کرو] رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿اِبْنِيْ هٰذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يُّصْلِحَ بِهٖ بَيْنَ فِئَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ ❷ او کما قال ﷺ [میرا یہ بیٹا سردار ہے اور امید ہے مسلمانوں کی دو جماعتوں میں یہ صلح کرادے گا]

۱۴۱۶/۲/۱۵ھ

س: یزید کے متعلق اہل حدیث کا کیا موقف اور نظریہ ہے کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ کیونکہ کہتے ہیں کہ جتنا پیار آپ ﷺ نے حسن رضی اللہ عنہ وحسین رضی اللہ عنہ سے کیا اور ان کی فضیلت بیان کی ہے یزید اور اس کے خاندان کی نہیں کی گئی کہتے ہیں کہ یزید شراب پیتا تھا اور اچھے کام نہیں کرتا تھا۔ محمد سلیم بٹ

ج: مومن اور مومنوں کا حکمران کئی صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی ان کی بیعت کی ہوئی تھی۔ ۱۴۱۶/۱۱/۲۲ھ

س: یزید پر لعنت کرنا کیسا ہے؟ ابوعبدالقدوس

ج: جیسا کسی مسلمان پر۔ ۱۴۱۷/۱۰/۱۸ھ

س: مروان بن حکم صحابی ہے یا نہیں؟ ابوعبدالقدوس

ج: تقریب میں لکھا ہے: ''لَا يَثْبُتُ لَهٗ صُحْبَةٌ مِنَ الثَّانِيَةِ'' ۱۴۱۷/۱۰/۱۸ھ

س: کیا صحابی ہونے کے لیے بلوغت شرط ہے یا نہیں؟ طلبہ دار العلوم محمدیہ شیخوپورہ

ج: نہیں۔ ۱۴۲۰/۸/۸ھ

---

❶ [الحجرات ۹ پ ۲٦] ❷ [بخاری شریف کتاب فضائل اصحاب النبی باب مناقب الحسن والحسین رضی اللہ عنہما]

کتاب التفسیر .... تفسیر کا بیان

س: ملکہ بلقیس کا تخت لانے والے کے متعلق ایک عالم کا عقیدہ ہے کہ وہ نبی تھے وہ قرآن مجید کی آیت ﴿قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ﴾ کی یہ تفسیر کرتے ہیں کیا یہ بات اجماع امت سے ثابت ہے؟

عبدالغفار سلفی مدرسہ دارالحدیث اوکاڑہ

ج: آپ نے آیت ﴿قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ﴾ ❶ [بولا وہ شخص جس کے پاس تھا کتاب کا علم] کی تفسیر بعض اہل علم سے نقل فرمانے کے بعد سوال کیا ہے "کیا یہ بات اجماع امت سے ثابت ہے"۔

تو جواباً عرض ہے وباللہ التوفیق کہ یہ بات نہ تو قرآن مجید سے ثابت ہے نہ ہی رسول اللہ ﷺ کی کسی صحیح یا حسن حدیث سے ثابت ہے اور نہ ہی اجماع امت سے ثابت ہے بس اہل علم کے متعدد اقوال میں سے ایک قول ہے۔

اس بات کو طول دینے کی بھی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ﴿الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ﴾ کے نام بتانے جاننے کا مکلف نہیں بنایا تو خواہ مخواہ اس بات میں وقت صرف کرنے کا فائدہ؟ ١٤١٨/٧/٢٩ھ

س: فارغ وقت میں قرآن مجید کا مطالعہ کر رہا تھا۔ ایک مقام پر نظر اٹک کے رہ گئی۔ اپنے ذہن کو مطمئن نہیں کر سکا راہنمائی کا طالب ہوں ﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَیْمٰنَ وَاَلْقَیْنَا عَلٰی كُرْسِیِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ﴾ ❷ [اور سلیمان کو بھی ہم نے آزمائش میں ڈالا اور اس کی کرسی پر ایک جسم لا کر ڈال دیا پھر اس نے رجوع کیا] اس آیت کی صحیح تفسیر کے لیے کس کتاب کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے خصوصاً عربی تفاسیر سے قرآن فہمی میں کونسی تفسیر زیادہ مناسب رہے گی۔ خیال تھا کہ شیخ آج کل فارغ ہوں گے موقعہ سے فائدہ اٹھا لیں۔ راقم کے لیے دنیا و آخرت میں بہتری کے لیے ضرور دعا فرما دیا کریں۔

خالد سیف اللہ 7/3/95

ج: صاحب اضواء البیان نے جلد چہارم سورہ کہف کی آیت کریمہ ﴿وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ☆ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ الآیۃ کی تفسیر میں سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیویوں کے پاس جانے والے واقعہ کو جس میں انہوں نے ان شاء اللہ نہیں کہا تھا بحوالہ بخاری مسلم نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: "فَإِذَا عَلِمْتَ هٰذَا فَاعْلَمْ

---

❶ [النمل ٤٠ پ ١٩] ❷ [ص آیت ٣٤ پ ٢٣]

أَنَّ هٰذَا الْحَدِيْثَ الصَّحِيْحَ بَيَّنَ مَعْنٰى قَوْلِهٖ تَعَالٰى : ﴿ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَأَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ﴾'' الآية'' وَأَنَّ فِتْنَةَ سُلَيْمَانَ كَانَتْ بِسَبَبِ تَرْكِهٖ قَوْلَ ''إِنْ شاء الله'' وَأَنَّهٗ لَمْ يَلِدْ مِنْ تِلْكَ النِّسَآءِ إِلَّا وَاحِدَةٌ نِصْفَ إِنْسَانٍ وَأَنَّ ذٰلِكَ الْجَسَدَ الَّذِيْ هُوَ نِصْفُ إِنْسَانٍ هُوَ الَّذِيْ أُلْقِيَ عَلٰى كُرْسِيِّهٖ بَعْدَ مَوْتِهٖ فِيْ قَوْلِهٖ : ﴿ وَأَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ﴾ الآية''

فَمَا يَذْكُرُهُ الْمُفَسِّرُوْنَ فِيْ تَفْسِيْرِ قَوْلِهٖ تَعَالٰى : ﴿ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ ﴾[1] الآية مِنْ قِصَّةِ الشَّيْطَانِ الَّذِيْ أَخَذَ الْخَاتَمَ وَجَلَسَ عَلٰى كُرْسِيِّ سُلَيْمَانَ وَطَرَدَ سُلَيْمَانَ عَنْ مُلْكِهٖ حَتّٰى وُجِدَ الْخَاتَمُ فِيْ بَطْنِ السَّمَكَةِ الَّتِيْ أَعْطَاهَا لَهٗ مَنْ كَانَ يَعْمَلُ عِنْدَهٗ بِأَجْرٍ مَطْرُوْدًا عَنْ مُلْكِهٖ . إِلٰى آخِرِ الْقِصَّةِ - لاَ يَخْفٰى أَنَّهٗ بَاطِلٌ لاَ أَصْلَ لَهٗ وَأَنَّهٗ لاَ يَلِيْقُ بِمَقَامِ النُّبُوَّةِ فَهُوَ مِنَ الْإِسْرَائِيْلِيَّاتِ الَّتِيْ لاَ يَخْفٰى أَنَّهَا بَاطِلَةٌ.

تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن کثیر، تفسیر فتح القدیر، تفسیر فتح البیان، تفسیر جمال الدین القاسمی، تفسیر ابن القیم، تفسیر ابن تیمیہ اور تفسیر اضواء البیان اچھی تفاسیر ہیں ہو سکے تو ان کا مطالعہ فرماتے رہا کریں۔

[خلاصہ: سورۃ ص آیت ۳۴ پ ۲۳ کی تفسیر میں حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بیویوں کے پاس جانا اور ان شاء اللہ نہ کہنا یہ واقعہ صحیح ہے اور شیطان کے انگوٹھی پکڑنے والا واقعہ باطل ہے اور بے بنیاد ہے] ۱۴۱۵/۱۰/۲۲ھ

س: اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۞ فَقَالَ اِنِّيْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۞ رُدُّوْهَا عَلَيَّ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ۞ ﴾[2]

جب پچھلے پہر ان کے سامنے عمدہ نسل کے تیز رفتار گھوڑے پیش کیے گیے ☆ تو کہا: میں نے اس مال کو اپنے رب کی یاد کے مقابلہ میں پسند کیا ہے حتی کہ وہ رسالہ سامنے سے اوجھل ہو گیا ☆ (آپ نے کہا) کہ ان کو میرے پاس واپس لاؤ تو آپ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں کو کاٹنے لگے۔ ان آیات میں اختلاف کی نوعیت کو پیش نظر رکھ کر صحیح بات کی کتاب وسنت اور سیاق وسباق کی روشنی میں وضاحت فرما دیں؟ محمد اسماعیل بلوچ

ج: آپ نے آیت ﴿فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ﴾ کی تفسیر منقول اقوال سے راجح قول دریافت فرمایا

[1] [ص ۳٤ پ ۲۳] [2] ص ۳۱ تا ۳۳ پ ۲۳

ہے تو اس سلسلہ میں گزارش کروں گا کہ آپ تھوڑی سی زحمت گوارا فرما کر تفسیر ابن کثیر، تفسیر فتح القدیر اور تفسیر روح المعانی سے اس مقام کا مطالعہ فرمائیں آپ کے تمام اشکال دور ہو جائیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ بالخصوص روح المعانی والے نے اس مقام پر امام رازی کے کلام کو نقل فرما کر اس کا خوب خوب رد فرمایا ہے اور ثابت فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے منقول تفسیر ﴿قَطَعَ سُوْقَهَا وَأَعْنَاقَهَا بِالسَّيْفِ﴾ [کاٹا ان کی پنڈلیوں اور گردنوں کو تلوار کے ساتھ] میں کسی قسم کا کوئی اشکال نہیں۔ ٦/١/١٤١٠ھ

س: ﴿وَمِنْهُمْ مَنْ عَاهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ [1] اور بعض ان میں وہ ہیں کہ عہد کیا تھا اللہ سے اگر دیوے ہم کو اپنے فضل سے تو ہم ضرور خیرات کریں اور ہو جائیں گے نیکوں سے۔ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں واقعہ ثعلبہ بن حاطب بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے مالدار ہونے کی نبی ﷺ سے درخواست کی تھی کیا یہ واقعہ درست ہے؟ محمد حسن عسکری کراچی 6/1/94

ج: یہ واقعہ گو مشہور بہت ہے مگر پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔ واللہ اعلم ٢٥/٧/١٤١٤ھ

س: ﴿مَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾ کے بارے بیان کریں کہ الْقُرْبٰى کا لفظ واحد مونث کے لیے ہے یا کہ جمع ہے قریبیوں کے لیے ایک صاحب شیعہ کہہ رہے تھے کہ الْقُرْبٰى کا لفظ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف اشارہ ہے برائے مہربانی وضاحت فرمائیں؟ ایم رحمت علی انصاری رسولنگر ضلع گوجرانوالہ

ج: لفظ ''الْقُرْبٰى'' مصدر ہے بروزن ''اَلْبُشْرٰى'' پھر یہ لفظ واحد ہے جمع نہیں اس آیت کا مفہوم دوسری آیت ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ [2] [اور اپنے قریبی کنبہ والوں کو سمجھایا کر] کے مفہوم سے ملتا جلتا ہے۔

١٣/٤/١٤١٤ھ

س: اللہ نے سورۃ النجم میں کہا کہ دو کمان یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ اللہ فاصلہ کی مقدار خوب جانتے تھے اس کے باوجود ''یا'' کا لفظ استعمال کیا کیوں؟ اسی طرح جب اللہ نے یونس علیہ السلام کا واقعہ مچھلی کے پیٹ میں جانے والا بیان کرنے کے بعد کہا کہ ہم نے یونس علیہ السلام کو ایک لاکھ یا اس سے زائد کی طرف بھیجا۔ اللہ گنتی کا شمار جانتے تھے اس کے باوجود لفظ ''یا'' استعمال کیا کیا حکمت ہے؟ عبدالغفور شاہدرہ لاہور

ج: لفظ ''اوْ'' جس کا ترجمہ یا کیا جاتا ہے عربی لغت میں کئی معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ (ا) تردّد و شک۔

[1] [التوبة ٧٥ پ ١٠] [2] [الشعراء ٢١٤ پ ١٩]

(۲) عدم تعیین۔(۳) تنویع وتقسیم۔(۴) اضراب۔(۵) تخییر۔(۶) تسویہ وغیرہ۔ یاد رہے لفظ ''اَوْ'' یا سورۃ النجم کی آیت کریمہ ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنٰى﴾ میں تنویع وتقسیم کے لیے ہے تردّد وشک کے لیے نہیں کیونکہ واقع میں کمان کوئی چھوٹی ہوتی ہے تو کوئی دوسری بڑی اگر چھوٹی کمان کا اعتبار ہو تو قوسین دو کمانیں اور اگر بڑی کمان کا اعتبار ہو تو ادنیٰ دو کمانوں سے کم فاصلہ۔ اسی طرح آیت ﴿وَأَرْسَلْنَاهُ إِلٰى مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيْدُوْنَ﴾ [1] [اور بھیجا ہم نے اس کو لاکھ آدمیوں کی طرف بلکہ اس سے زیادہ] میں بھی لفظ ''اَوْ'' یا تردد اور شک کے لیے نہیں بلکہ اضراب کے لیے ہے جس کا معنیٰ ہوتا ہے بلکہ۔ لہٰذا یہ دونوں سوال ختم ہیں۔ ۱۴۱۹/۱۰/۱۵ھ

س: سورۃ الرحمٰن میں ہے: ﴿اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝﴾ رحمان جس نے سکھایا قرآن۔ پیدا کیا انسان کو۔ اس سے ثابت ہوا کہ انسان کو پیدا کرنے سے پہلے کوئی چیز موجود تھی جس کو قرآن سکھایا؟

مختار احمد فاروقی ضلع ایبٹ آباد

ج: ﴿عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ﴾ اور ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ﴾ کے درمیان پہلے اور بعد پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ نہیں محض ﴿عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ﴾ کے ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ﴾ سے پہلے مذکور ہونے سے تعلیم القرآن کے خلق انسان سے پہلے ہونے پر استدلال درست نہیں دیکھئے ﴿اِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى﴾ میں آخرت کا اولیٰ سے پہلے ذکر ہے مگر آخرت اولیٰ سے پہلے ہے نہیں اسی طرح ﴿خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ﴾ میں غور فرمائیں نیز ﴿نَمُوْتُ وَنَحْيَا﴾ پر توجہ فرمائیں۔ ویسے واقع میں ملائکہ اور جنوں کی تخلیق انسان کی تخلیق سے پہلے ہے کَمَا هُوَ مُقَرَّرٌ وَّمُبَيَّنٌ ۱۴۱۵/۲/۱۴ھ

س: ''إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الصَّمْتَ عِنْدَ ثَلَاثٍ عِنْدَ تِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَعِنْدَ الزَّحْفِ وَعِنْدَ الْجَنَازَةِ'' بے شک اللہ تعالیٰ تین کاموں کے وقت خاموشی پسند کرتا ہے تلاوت قرآن پاک اور لڑائی اور جنازہ کے وقت۔ تفسیر ابن کثیر جلد نمبر ۲ بحوالہ طبرانی زید بن ارقم راوی ہے اس کی وضاحت فرمائیں؟ عباس الٰہی ظہیر 29/6/92

ج: حافظ ابن کثیر نے ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [2] کی تفسیر ج ۲ ص ۳۱۶ میں لکھا ہے: ''وقال الحافظ ابو القاسم الطبرانی حدثنا ابراهیم بن هاشم البغوی حدثنا امیة بن بسطام حدثنا معتمر بن سلیمان حدثنا ثابت بن زید عن رجل عن زید بن ارقم عن النبی ﷺ مرفوعا قال: إن الله يحب الصمت عند ثلاث'' الحدیث مگر اس کی سند

---

[1] [الصافات ۱۴۷ پ ۲۳] [2] [انفال ٤٥ پ ۱۰]

ضعیف ہے کیونکہ اس میں ایک راوی عن رجل مجہول ہے۔ ١٤١٢/١٢/٥ھ

س: نَاكِحُ الْيَدِ مَلْعُوْنٌ کی وضاحت فرمائیں؟ عباس الٰہی ظہیر 29/6/92

ج: ان لفظوں ''نَاكِحُ الْيَدِ مَلْعُوْنٌ'' سے مجھے حدیث ابھی تک نہیں ملی البتہ حافظ ابن کثیر نے سورۃ المومنون آیت ﴿فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِكَ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ﴾ کی تفسیر میں لکھا ہے ''وقد استدل الامام الشافعی رحمه الله تعالی ومن وافقه علی تحریم الاستمناء بالید بهذه الآیة الکریمة ﴿ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ اِلَّا عَلٰی أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ ﴾ قال فهذا الصنیع خارج عن هذین القسمین وقد قال الله تعالی ﴿ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِكَ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ ﴾ وقد استانسوا بحدیث رواه الامام الحسن بن عرفة فی جزئه المشهور حیث قال حدثنی علی بن ثابت الجزری عن مسلمة بن جعفر عن حسان بن حمید عن انس بن مالك عن النبی ﷺ قال سبعة لا ینظر الله الیهم یوم القیامة ولا یزکیهم ولا یجمعهم مع العالمین ویدخلهم النار فی اول الداخلین الا ان یتوبوا ومن تاب تاب الله علیه الناکح یدیه الخ . قال ابن کثیر : هذا حدیث غریب واسناده فیه من لا یعرف لجهالته . ج٣ ص٢٣٩ '' تو یہ حدیث ضعیف ہے البتہ امام شافعی وغیرہ کا آیت کریمہ سے استدلال درست ہے۔ ١٤١٢/١٢/٥ھ

کتاب الذکر والدعاء ....ذکرودعا کے مسائل

س: درود وسلام کیا ہے نبی کریم ﷺ کا کیا ارشاد گرامی ہے؟ عبدالمجید سرگودھا

ج: نبی کریم ﷺ کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ سے رحمت وسلامتی کی دعا کرنے کا نام درود وسلام ہے اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ کلمات والفاظ پڑھنا ہی بہتر ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلآئِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ [1] [اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں اے مسلمانو تم بھی اس پر درود وسلام بھیجا کرو] رسول اللہ ﷺ سے صحابہ کرام ﷺ نے پوچھا سلام تو آپ نے ہمیں تعلیم فرما دیا اب فرمائیں ہم آپ پر درود کیسے بھیجیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں درود ابراہیمی (جو نماز میں پڑھا جاتا ہے) تعلیم فرما دیا[2]۔ سنن کی روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس دفعہ درود (رحمتیں) بھیجتا ہے۔[3] ١٤١٩/٣/١١ھ

س: ایک صحابی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے درود شریف کی فضیلت سن کر کہا تھا یا رسول اللہ ﷺ میں اپنی دعا کے چار حصے کروں گا ایک حصے میں آپ ﷺ پر درود پڑھوں گا اور باقی تین حصوں میں اپنے لیے دعا کروں گا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا کہ اگر تم زیادہ کرو تو یہ تمہارے لیے زیادہ ٹھیک ہے چنانچہ اس نے کہا کہ میں اپنی دعا کے دو حصے کروں گا ایک حصہ میں آپ ﷺ پر درود پڑھوں گا اور ایک حصہ میں اپنے لیے دعا کروں گا الخ

کیا مذکورہ حدیث صحیح ہے اور حدیث کی کس کتاب میں موجود ہے۔ کیونکہ ہم بھی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اپنی دعا میں صرف درود ہی پڑھا کریں۔ حافظ محمد فاروق 27/9/99

ج: یہ حدیث صحیح ہے ترمذی صفۃ القیامۃ میں اور مستدرک حاکم جلد دوم صفحہ ۴۲۱ میں موجود ہے ١٤٢٠/٦/٢٤ھ

س: (۱) صلی اللہ علیہ وسلم درود نبی ﷺ کے سامنے پڑھا گیا یا آپ نے پڑھنے کا حکم دیا؟

(۲) علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی پڑھ سکتے ہیں کہ نہیں؟ ابوعبدالقدوس ضلع شیخوپورہ

ج: (۱) صحیح مسلم کتاب الایمان باب نزول عیسیٰ بن مریم میں رسول اللہ ﷺ کا بذات خود لفظ ''صلی اللہ علیہ وسلم''

---

[1] [احزاب ٥٦ پ ٢٢] [2] [بخاری کتاب التفسیر ۔ سورۃ الاحزاب ومسلم] [3] [نسائی وسندہ صحیح۔ بحوالہ مشکوٰۃ۔ کتاب الصلاۃ۔باب الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفضلها۔ الفصل الثانی]

پڑھنا مذکور ہے ملاحظہ فرمالیں۔تمام کتب حدیث اس پر دال ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بھی ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کہا اور پڑھا کرتے تھے تقریری حدیث بننے کے لیے اتنی چیز ہی کافی ہے۔

(۲)اس کا مجھے علم نہیں کہ یہ لفظ کہیں آئے ہیں یا نہیں؟

س : جناب والا ابوداود جلد اول کے باب زیارۃ القبور میں ایک حدیث ہے ﴿عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ مَا مِنْ اَحَدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰہُ عَلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ عَلَیْہِ السَّلَامَ﴾ رسول اللہ نے فرمایا نہیں کوئی کہ سلام بھیجے مجھ پر مگر بھیجتا ہے مجھ پر اللہ تعالیٰ میری روح یہاں تک کہ جواب دیتا ہوں اس پر سلام کا۔ اس کے علاوہ مشکوٰۃ باب الصلوۃ علی النبی ﷺ کی حدیث ﴿مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُہٗ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ نَائِیًا اُبْلِغْتُہٗ﴾ جوکوئی میری قبر پر درود بھیجے میں اس کو سنتا ہوں اور جو دور سے درود بھیجتا ہے پہنچایا جاتا ہوں اس کو اور باب الصلوۃ علی النبی ﷺ وفضلہا حدیث ﴿اِنَّ لِلّٰہِ مَلٰئِکَۃً سَیَّاحِیْنَ فِی الْاَرْضِ یُبَلِّغُوْنِیْ مِنْ اُمَّتِیْ السَّلَامَ﴾ تحقیق اللہ تعالیٰ کے لیے فرشتے ہیں پھرنے والے پہنچاتے ہیں مجھ پر میری امت کی طرف سے سلام

مندرجہ بالا تینوں احادیث کی صحت جرح اوران پر ایمان کے بارے میں تفصیلاً لکھیں؟ احسان اللہ فاروقی سرگودھا

ج : آپ نے تین احادیث لکھ کر سوال کیا ہے: ''تینوں احادیث کی صحت جرح اوران پر ایمان کے بارے میں تفصیلاً لکھیں'' مگر آپ نے اس سوال کا پس منظر نہیں لکھا لہٰذا مؤدبانہ گزارش ہے کہ آپ اس سوال کا پس منظر تحریر فرمائیں نیز لکھیں آپ ''ان پر ایمان'' سے کیا مراد لیتے ہیں آیا سماع موتی یا حیات النبی ﷺ یا کوئی اور بات آپ کے ہاں زیر تحقیق ہے۔

سردست اتنی بات یاد رکھیں کہ حدیث ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ مَا مِنْ اَحَدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ [1] الخ اور حدیث اِنَّ لِلّٰہِ مَلَائِکَۃً سَیَّاحِیْنَ [2] الخ دونوں میرے نزدیک قابل احتجاج واستدلال ہیں مگر ان دونوں سے رسول اللہ ﷺ کی قبر میں دنیاوی زندگی کے ساتھ زندہ ہونے اور آپ کے قبر میں دنیا والوں کے سلام وکلام کو قریب یا بعید سے سننے پر استدلال درست نہیں۔

رہی تیسری حدیث مروی از ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُہٗ [3] الخ تو وہ انتہائی ضعیف ہے چنانچہ مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح ۲/۵۲۶۔۵۲۷ میں لکھا ہے ''ھذا الحدیث واہ جدا

---

[1] [ابوداؤد۔کتاب الحج۔باب زیارۃ القبور۔قال الألبانی اسنادہ حسنٌ] [2] [نسائی۔دارمی۔ بحوالہ مشکوٰۃ۔ کتاب الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔ الفصل الثانی قال الالبانی اسنادہ صحیحٌ] [3] [موضوع۔ سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ۔۲۰۳۔ المجلد الاوّل.]

لا يحتج به فإن العلاء بن عمرو ضعيف لا يجوز الاحتجاج به ، وأبو عبدالرحمن محمد بن مروان السدى الصغير متروك الحديث متهم بالكذب ، وأخرجه أبو الشيخ في كتاب الثواب من رواية أبي معاوية عن الأعمش ، وهو خطأ فاحش ، وإنما هو محمد بن مروان السدى ، وقد تفرد به . قال الحافظ محمد بن عبدالهادى المقدسي في الصارم المنكي : إسناده لا يحتج به فإنه لا يعرف إلا من حديث محمد بن مروان السدى الصغير عن الأعمش كما ظنه البيهقي ، وما ظنه في هذا هو متفق عليه عند أهل المعرفة، وهو عندهم موضوع على الأعمش'' ا ھ هذا ما عندی واللہ اعلم ١٤١٢/٢/١٧ھ

س: کیا جس طرح محمد ﷺ کے نام کے ساتھ ﷺ کہتے ہیں اس طرح ہر نبی کے نام کے ساتھ ﷺ کہنا جائز ہے جبکہ مسلم شریف میں حدیث ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عیسیٰ اور دیگر نبیوں کے نام کے ساتھ ﷺ کہا ہے کیا ہم بھی ایسا کر سکتے ہیں یا ہر امتی کے لیے ایسا کہنا جائز ہے؟ محمود احمد ضلع شیخوپورہ

ج: رسول اللہ ﷺ اور دیگر انبیاء کرام ﷺ کے ناموں سے ہر ایک نام کے ساتھ ہر امتی اور غیر امتی ﷺ کہہ سکتا ہے چنانچہ صحیح مسلم کی حدیث محولہ بالا میں رسول اللہ ﷺ نے عیسیٰ بن مریم ﷺ کے نام کے ساتھ ﷺ کہا ہے اور رسول اللہ ﷺ ہر ایک کے لیے اسوۂ حسنہ ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ ❶ [اور اس کی پیروی کرو تاکہ تم راہ پاؤ] واللہ اعلم ١٤١٨/٧/٩ھ

س: کیا حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کو ﷺ کہہ سکتے ہیں اور ان کے علاوہ دوسرے رسولوں کو بھی قرآن وحدیث کی رو سے واضح کریں؟ حافظ عبدالرحمٰن طاہر خطیب سرگودھا 22/1/94

ج: صحیح مسلم کتاب الایمان نزول مسیح کی احادیث میں ایک حدیث کے اندر رسول اللہ ﷺ نے خود عیسیٰ کے متعلق ﷺ کے لفظ استعمال فرمائے ہیں پھر بخاری اور نووی وغیرہما دوسرے پیغمبروں کے ساتھ ﷺ استعمال کرتے ہیں۔ واللہ اعلم ١٤١٤/٨/١٣ھ

س: اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کا صحیح طریقہ کیا ہے نبی ﷺ دعا کیسے مانگتے تھے کہ دعا میں اثر ہو اور قبول ہو۔

محمد امجد طاہر آزاد کشمیر 30 دسمبر 1998

---

❶ [اعراف ١٥٨ پ٩]

ج: اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کا صحیح طریقہ وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ سے کتب حدیث وتفسیر میں منقول ہے بعض دعاؤں میں رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ اٹھائے ہیں مثلاً بارش کی دعاء، قنوت نازلہ والی دعاء، قبرستان میں دعاء اور کسی کے مطالبہ پر دعاء، اور بعض دعاؤں میں ہاتھ اٹھانے کا ثبوت رسول اللہ ﷺ سے نہیں ملتا مثلاً قنوت نازلہ کے علاوہ نماز میں دعاء قنوت وتر میں دعاء، نمازوں کے بعد دعاء، بیت الخلا میں داخل اور خارج ہوتے وقت دعاء مسجد میں داخل ہوتے اور خارج ہوتے وقت دعاء، گھر میں داخل ہوتے نیز خارج ہوتے وقت دعاء اور اپنی بیوی کے پاس جاتے وقت دعاء۔ پھر دعاء کی قبولیت کے لیے کچھ شرائط ہیں جن کا ذکر کتب حدیث اور بعض کتب ادعیہ میں ملتا ہے مثلاً غذا ولباس کا حلال ہونا، دعاء کا اثم وقطع رحم کا نہ ہونا وقت دعا دل کا غافل نہ ہونا اور دعا کرنے والے کا اللہ تعالیٰ کے قبول کرنے سے مایوس نہ ہونا۔ واللہ اعلم ۱۴۱۹/۱۰/۳ھ

س: ۷۸۶ کی حقیقت کے بارے میں وضاحت فرمائیں جو آج کل بسم اللہ کی جگہ بہت مشہور ہو رہا ہے۔ محمد سلیم بٹ

ج: کتاب وسنت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ ۱۴۱۶/۲/۱۵ھ

س: ہمارے علاقے میں کچھ دنوں سے ایک نیا رواج ہو گیا ہے پہلے تو کبھی کبھی ہوتا تھا لیکن آج کل تو شاید ہی کوئی دن خالی جاتا ہو۔ ہوتا یوں ہے کہ کسی آدمی پر کوئی مصیبت آ جائے تو وہ تمام علاقے کی ۵۰ یا ۶۰ یا زائد عورتیں اکٹھی کرتا ہے یعنی جس پر کوئی مصیبت آتی ہے وہ گھر گھر جا کر کہتا ہے کہ آج آپ نے ہمارے گھر آنا ہے آیت کریمہ پڑھانا ہے۔ پھر عورتیں اس گھر اکٹھی ہوتی ہیں اور ایک چادر یا بڑی سی دری بچھائی جاتی ہے دری کے درمیان میں ارنڈ کے بیج یا کوئی دانے وغیرہ رکھے جاتے ہیں شمار کرنے کے لیے عورتیں تقریباً دائرے کی شکل میں بیٹھ کر وہاں سے دانے اٹھا کر سوا لاکھ بار آیت ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ [1] پڑھتی ہیں پھر اس کے لیے دعا کرتی ہیں کہ اس کی مصیبت دور ہو جائے۔ میرے سوالات اس کے بارے میں درج ذیل ہیں۔

(۱) کیا آیت کریمہ صرف کسی مصیبت سے نجات کے لیے پڑھی جاتی ہے یا آدمی آیت کریمہ پڑھے کہ اللہ میرا فلاں کام کر دیں؟ اس کے لیے بھی پڑھی جا سکتی ہے کہ نہیں؟

(۲) کیا دوسروں سے آیت کریمہ کا پڑھانا درست ہے کہ نہیں؟

(۳) کیا آیت کریمہ پڑھنے کا مذکورہ بالا مروجہ طریقہ درست ہے کہ نہیں؟

---

[1] [الانبیاء ۸۷ پ ۱۷]

(۴) کیا اس کی تعداد کسی حدیث سے ملتی ہے کیا سوا لاکھ بار پڑھنا درست ہے؟ قرآن وحدیث سے کتنی تعداد میں پڑھنا مذکور ہے؟

(۵) کیا یہ بدعت ہے (مروجہ طریقہ)؟ اگر بدعت ہے تو بدعتی کے اعمال کے بارے میں حضور ﷺ کے ارشادات بھی تحریر فرمادیں؟

(۶) آیت کریمہ پڑھنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ محمد امجد آزاد کشمیر دسمبر 1995

ج: (۱) آیت کریمہ ﴿لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ کُنْتُ مِّنَ الظَّالِمِیْنَ﴾ یونس ﷺ نے تو بوقت مصیبت ہی پڑھی تھی قرآن مجید میں ہے ﴿وَذَا النُّوْنِ إِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمَاتِ الخ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ﴾[1] [اور مچھلی والے کا ذکر سنا جب وہ خفا ہوکر چلا گیا اور سمجھا تھا کہ ہم اس پر سخت گیری نہ کریں گے پس اس نے اندھیروں میں پکارا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے بے شک میں ہی ظالموں سے ہوں پس ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسکو غم سے نجات بخشی اور اسی طرح ہم ایمانداروں کو نجات دیتے ہیں]

(۲) یونس ﷺ نے بذات خود پڑھی تھی۔

(۳) یونس ﷺ کا طریقہ تو یہ نہیں اور نہ ہی یہ طریقہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔

(۴) قرآن وحدیث سے آیت کریمہ پڑھنے کی تعداد مجھے نہیں ملی البتہ اس کا ایک مرتبہ پڑھنا یونس ﷺ سے ثابت ہے۔(۵) مروجہ طریقہ (جو آپ نے اوپر درج فرمایا) قرآن وسنت سے ثابت نہیں۔(۶) آیت کریمہ پڑھنے کا صحیح طریقہ وہی ہے جو قرآن مجید نے یونس علیہ السلام کے حوالہ سے ذکر فرمایا۔ واللہ اعلم ۱۴۱۶/۸/۵ھ

س: یہ حدیث سنن ابن ماجہ باب اسماء اللہ تعالیٰ میں ہے اس کی سند کی وضاحت فرمادیں؟

﴿عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ أَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ الطَّاهِرِ الطَّيِّبِ الْمُبَارَكِ الْاَحَبِّ اِلَيْكَ الَّذِیْ اِذَا دُعِيْتَ بِهٖ اَجَبْتَ وَاِذَا سُئِلْتَ بِهٖ اَعْطَيْتَ وَاِذَا اسْتُرْحِمْتَ بِهٖ رَحِمْتَ وَاِذَا اسْتُفْرِجْتَ بِهٖ فَرَّجْتَ قَالَتْ وَقَالَ ذَاتَ يَوْمٍ يَا عَائِشَةُ هَلْ عَلِمْتِ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ دَلَّنِیْ عَلَى الْاِسْمِ الَّذِیْ اِذَا دُعِیَ بِهٖ اَجَابَ قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ فَعَلِّمْنِيْهِ قَالَ اِنَّهٗ لَا يَنْبَغِیْ

[1] الانبیاء ۸۷۔۸۸ پ ۱۷

لَكِ يَا عَائِشَةُ قَالَتْ فَتَنَحَّيْتُ وَجَلَسْتُ سَاعَةً ثُمَّ قُمْتُ فَقَبَّلْتُ رَأْسَهُ ثُمَّ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ عَلِّمْنِيْهِ قَالَ اِنَّهُ لاَ يَنْبَغِيْ لَكِ يَا عَائِشَةُ اَنْ اُعَلِّمَكِ اِنَّهُ لاَ يَنْبَغِيْ لَكِ اَنْ تَسْأَلِيْنَ بِهِ شَيْئًا مِنَ الدُّنْيَا قَالَتْ فَقُمْتُ فَتَوَضَّأْتُ ثُمَّ صَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قُلْتُ (اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَدْعُوْكَ اللهَ وَاَدْعُوْكَ الرَّحْمٰنَ وَاَدْعُوْكَ الْبَرَّ الرَّحِيْمَ وَاَدْعُوْكَ بِاَسْمَآئِكَ الْحُسْنٰى كُلِّهَا مَا عَلِمْتُ مِنْهَا وَمَا لَمْ اَعْلَمْ اَنْ تَغْفِرَ لِيْ وَتَرْحَمَنِيْ) قَالَتْ فَاسْتَضْحَكَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ اِنَّهُ لَفِيْ الْاَسْمَآءِ الَّتِيْ دَعَوْتِ بِهَا﴾

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے اللھم انی اسالك باسمك الطاھر الطیب المبارك الاحب الیك اذا دعیت به اجبت واذا سئلت به اعطیت واذا استرحمت به رحمت واذا استفرجت به فرجت اور ایک روز آپ نے فرمایا اے عائشہ تم جانتی ہو بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اپنا وہ نام بتلا دیا کہ جب وہ نام لے کر دعا کی جاوے تو اللہ تعالیٰ قبول کرے گا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ وہ نام مجھ کو بتلا دیجئے آپ نے فرمایا تیرے لائق نہیں اے عائشہ (یعنی اسم اعظم تجھ کو بتلانا مصلحت نہیں معلوم نہیں تو کیا دعا مانگے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا یہ سن کر میں ہٹ گئی اور ایک ساعت خاموش بیٹھی پھر میں اٹھی اور میں نے آپ کا سر چوما اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ اسم مجھ کو بتلا دیجئے آپ نے فرمایا یہ تیرے لائق نہیں اے عائشہ یعنی اس کا بتلانا تجھ کو مناسب نہیں اور تجھے مناسب نہیں دنیا کی کوئی چیز اس اسم کے وسیلے سے مانگنا حضرت عائشہ نے کہا یہ سن کر میں اٹھی اور میں نے وضو کیا پھر میں نے دو رکعتیں پڑھیں بعد اس کے میں نے دعا کی ''اللھم انی ادعوك اللہ وادعوك الرحمان وادعوك البر الرحیم وادعوك باسمآئك الحسنی کلھا ما علمت منھا وما لم اعلم ان تغفرلی وترحمنی''
یہ سن کر آپ ہنسے اور فرمایا اسم اعظم انہی ناموں میں سے ہے جن سے تو نے دعا مانگی۔ محمد یعقوب احمد

ج: سنن ابن ماجہ سے جو حدیث آپ نے نقل فرمائی اس کی سند میں ابوشیبہ نامی ایک راوی ہے جو مہمل ہے اور اصول حدیث کی رو سے مہمل راوی مجہول ہوتا ہے تاوقتیکہ کسی ثقہ کے ساتھ اس کی تعیین ثابت نہ ہو۔ شیخ البانی حفظہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس حدیث کو ضعیف ابن ماجہ میں شامل کیا ہے۔ واللہ اعلم ١٤١٤/٢/١٤ھ

س: (ا) سورۃ واقعہ کی فضیلت میں ہے کہ جو شخص روزانہ رات کو سونے سے پہلے پڑھے گا وہ کبھی محتاج نہ ہوگا کیا یہ بات درست ہے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹیوں کو روزانہ اس کے پڑھنے کی تلقین کی تھی [1]۔

[1] ترمذی حوالہ کتاب الدعاء از مختار احمد ندوی الدار السلفیۃ ١٣ محمد علی بلڈنگ بھنڈی بازار بمبئی ٣ صفحہ ٤٩

اگر کوئی شخص اس نیت کے ساتھ اس سورۃ کو سورۃ ملک کے ساتھ ملا کر پڑھا کرے تو کیا یہ درست ہے کہ اللہ کے سوا کسی کا محتاج نہ ہوگا؟ اگر یہ روایت درست نہیں ہے تو اپنے علم کی روشنی میں کوئی اور سورۃ بتادیں جس کے بارے میں نبی کائنات محمد ﷺ کا ارشاد ہو کہ یہ سورہ فقر وفاقہ سے نجات دلانے والی ہے۔

(۲) سورہ ملک اور سورہ واقعہ کے علاوہ اور کون سی سورتیں ہیں جو رات کو سونے سے پہلے پڑھنی چاہئیں؟

عتیق الرحمٰن ظفروال 28/11/98

ج: (۱) سورہ واقعہ سے متعلق عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت ﴿مَنْ قَرَأَ سُوْرَةَ الْوَاقِعَةِ فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ لَمْ تُصِبْهُ فَاقَةٌ أَبَدًا وَكَانَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ يَأْمُرُ بَنَاتِهِ يَقْرَأْنَ بِهَا فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ﴾ [جو آدمی ہر رات سورہ واقعہ پڑھے گا اسے کبھی فاقہ نہ پہنچے گا اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنی بیٹیوں کو ہر رات اس سورہ کے پڑھنے کا حکم دیتے تھے] پایہ ثبوت تک نہیں پہنچتی محدث وقت شیخ البانی حفظہ اللہ تعالیٰ تحقیق مشکوٰۃ میں اس کی سند کو ضعیف قرار دے چکے ہیں [1] البتہ صاحب مرعاۃ المفاتیح لکھتے ہیں: ''وقال العزیزی: إسنادہ حسن. وحدیث ابن مسعود أخرجه أیضا ابن السنی ص ۲۱۸ ونسبه السیوطی فی الاتقان ص ۱۶۵ ج۲ للبیهقی والحارث بن ابی اسامة وأبی عبید وإسناد ابن السنی حسن'' مگر اصول کا یہ بھی قاعدہ ہے کہ سند کے صحیح یا حسن ہونے سے حدیث کا صحیح یا حسن ہونا لازم نہیں آتا۔

رہا آپ کا سوال ''اگر کوئی شخص اس نیت کے ساتھ اس سورہ کو سورہ ملک کے ساتھ ملا کر پڑھا کرے تو کیا یہ درست ہے کہ اللہ کے سوا کسی کا محتاج نہ ہوگا؟'' سورہ واقعہ کے ساتھ اس نیت کو ملانے کی بابت تو لکھا جا چکا ہے باقی سورہ واقعہ اور سورہ ملک دونوں کی تلاوت پر جو اثر وفضیلت سوال میں ذکر کیے گئے ہیں مجھے ان کا علم نہیں نہ کوئی ایسی آیت معلوم ہے اور نہ ہی کوئی ایسی حدیث۔

ہاں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِيْ رِزْقِهِ وَيُنْسَأَلَهُ فِيْ أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ﴾ [2] [جو آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے رزق میں فراخی ہو اور اس کی عمر میں برکت ہو تو وہ صلہ رحمی کرے] نیز رسول اللہ ﷺ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے لیے دعاء فرمائی تھی ﴿اَللّٰهُمَّ أَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ وَبَارِكْ لَهُ فِيْمَا أَعْطَيْتَهُ﴾ [3] [اے اللہ اس کے مال اور اولاد میں اضافہ فرما اور اس کے رزق میں برکت ڈال دے] تو انسان کو

[1] [مشکوٰۃ۔ کتاب فضائل القرآن۔ الفصل الثالث۔ اسنادھما ضعیف۔] [2] [بخاری ۔ کتاب الادب ۔ باب من بسط له فی الرزق لصلة الرحم] [3] [بخاری۔ کتاب الدعوات۔ باب الدعاء بکثرة المال والولد مع البرکة]

چاہیے کہ صلہ رحمی کے ساتھ ساتھ دعا ﴿اَللّٰهُمَّ أَكْثِرْ مَالِيْ وَوَلَدِيْ وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا اَعْطَيْتَنِيْ﴾ [اے اللہ میرے مال واولاد میں اضافہ فرما اور میرے رزق میں برکت ڈال] کثرت سے پڑھتا رہے۔

(۲) آخری تین قل بایں صورت کہ تینوں قل تین تین دفعہ پڑھ کر دونوں ہاتھوں میں پھونک لگائے پھر سر سے لے کر پاؤں تک پورے بدن پر جہاں جہاں ہاتھ پہنچ سکتے ہیں دونوں ہاتھ پھیرے یہ عمل تین مرتبہ کرے۔ ۱۴۱۹/۸/۲۰ھ

س : بعض لوگ ہمارے محلّہ کی مسجد میں نماز مغرب کے بعد اکٹھے بیٹھ کر بتیاں (روشنی) بجھا کر بلند آواز سے ذکر ''اللہ ہو'' وغیرہ مخصوص طریقہ سے کرتے ہیں یعنی ذکر کے ساتھ جھولتے ہیں اور آخر میں ٹکیاں وغیرہ بھی تقسیم کرتے ہیں؟

عصمت خاں جھیر والی گوجرانوالہ 3 جولائی 1986

ج : مذکور بالا سوال میں بیان کیے ہوئے طریقہ وکیفیت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا نہ قرآن مجید سے ثابت ہے اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ کی سنت وحدیث سے لہٰذا اس طریقہ وکیفیت کے ساتھ ذکر کرنا درست نہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو ہمارے اس امر میں ایسی چیز نکالے جو اس سے نہ ہو تو وہ ردّ ہے [1]۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی ایسا عمل کرے جس پر ہمارا امر نہ ہو تو وہ ردّ ہے۔[2] واللہ اعلم ۱۴۰۶/۱۰/۲۵ھ

س : مروجہ محافل ذکر کی انعقاد کر کے حلقہ باندھ کر ذکر کرنا آوازِ بلند یا خفیہ جائز ہے اگر نا جائز ہے تو دلائل سے ثابت کریں؟

عبدالمنان خانیوال

ج : جن اذکار میں جہر کتاب وسنت سے ثابت ہے وہ تو جہراً ہی ہوں گے ان کے علاوہ اذکار کے متعلق اصول ہے:

﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِيْنَ﴾[3] [اور یاد کرتا رہ اپنے رب کو اپنے دل میں گڑگڑاتا ہوا اور ڈرتا ہوا اور ایسی آواز سے جو بولنے سے کم ہو صبح کے وقت اور شام کے وقت اور مت رہ بے خبر] ۱۴۲۰/۷/۷ھ

س : ذکر کرنا اور تسبیح استعمال کرنا درست ہے انسان ۱۰۰ مرتبہ کسی کلمہ کا ورد کرنا چاہتا ہے لیکن ہاتھوں پر بھول جاتا ہے اس کے لیے کیا حکم ہے؟

عتیق الرحمٰن

ج : ابوداود میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''انگلیوں کے پوروں پر گنو'' [4] انگلیوں پر گنتی کا عربی طریقہ سیکھ لیں آپ بھولیں گے نہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ۱۴۱۸/۱۰/۶ھ

---

[1] صحیح بخاری ص ۳۷۱ ج۱ ۔ صحیح مسلم ص۷۷ ج۲ [2] حوالہ مذکور [3] [اعراف ۲۰۵ پ۹]
[4] [ابوداؤد۔ المجلد الاوّل۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب التسبیح بالحصی]

س: عموماً تسبیحات وغیرہ ہاتھوں کی انگلیوں پر گنی جاتی ہیں کیا اس سلسلہ میں صرف دائیں ہاتھ پر گننے اور بائیں ہاتھ پر نہ گننے کا کوئی حکم موجود ہے؟ عبدالغفور نارنگ منڈی ۱۴۱۸/۱/۳ھ

ج: سنن ابی داود میں ہے: ﴿حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دَاوُدَ عَنْ هَانِئِ بْنِ عُثْمَانَ عَنْ حُمَيْضَةَ بِنْتِ يَاسِرٍ عَنْ يُسَيْرَةَ أَخْبَرَتْهَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَهُنَّ أَنْ يُرَاعِيْنَ بِالتَّكْبِيْرِ وَالتَّقْدِيْسِ وَالتَّهْلِيْلِ وَأَنْ يَعْقِدْنَ بِالْأَنَامِلِ فَإِنَّهُنَّ مَسْئُوْلَاتٌ مُسْتَنْطَقَاتٌ﴾ [1] [حمیضہ بنت یاسر سے روایت ہے کہ یسیرہ رضی اللہ عنہا نے اس کو خبر دی کہ نبی ﷺ نے عورتوں کو حکم دیا کہ وہ تکبیر وتقدیس وتہلیل کی نگرانی کریں اور انگلیوں پر شمار کریں کیونکہ انہیں پوچھا جائے گا اور بلایا جائے گا]

اس حدیث کے متصل بعد ابوداود میں ہی ہے: ﴿حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ مَيْسَرَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ قُدَامَةَ فِيْ اٰخَرِيْنَ قَالُوْا نَا عَثَّامٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَعْقِدُ التَّسْبِيْحَ قَالَ ابْنُ قُدَامَةَ بِيَمِيْنِهِ﴾ [2] [عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو انگلیوں پر تسبیح کرتے دیکھا ابن قدامہ راوی نے اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ کا لفظ بھی بولا] واللہ اعلم

۱۴۱۸/۳/۷ھ

س: کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے حضرت اویس قرنی سے دعا کرانے کی وصیت کی تھی یا حکم دیا تھا اگر حکم دیا تھا تو کیا اس وقت جلیل القدر صحابہ موجود نہیں تھے جن سے دعا کرائی جا سکتی تھی؟

عبدالمنان ایم اے بی ایڈ خانیوال

ج: اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق صحیح مسلم میں ہے: ﴿عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: إِنَّ رَجُلًا يَّأْتِيْكُمْ مِنَ الْيَمَنِ يُقَالُ لَهُ أُوَيْسٌ لَا يَدَعُ بِالْيَمَنِ غَيْرَ أُمٍّ لَّهُ قَدْ كَانَ بِهِ بَيَاضٌ فَدَعَا اللهَ فَأَذْهَبَهُ إِلَّا مَوْضِعَ الدِّيْنَارِ أَوِ الدِّرْهَمِ فَمَنْ لَقِيَهُ مِنْكُمْ فَلْيَسْتَغْفِرْ لَهُ﴾ [رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے پاس یمن سے ایک شخص آئے گا جس کا نام اویس ہوگا یمن میں اپنی والدہ کے سوا کسی کو نہ چھوڑے گا اس کو برص کی بیماری تھی اس نے اللہ سے دعا کی وہ بیماری ختم ہوگئی ہے صرف ایک دینار یا درہم کی جگہ باقی رہ گئی ہے جو شخص تم میں سے اس کو ملے وہ اپنے لیے بخشش کی اس سے دعا کرائے] [3] ۱۴۲۰/۷/۷ھ

---

[1] مع العون ص۵۵۶ ج۱ [2] [ابوداود المجلد الاول ، کتاب الصلوۃ باب التسبیح بالحصی ص ۲۱۰] [3] [صحیح مسلم۔ کتاب الفضائل۔ باب من فضائل اویس القرنی]

س: صبح وشام کی دعائیں فرض نماز کے بعد پڑھنی ضروری ہیں یا آگے پیچھے بھی پڑھ سکتے ہیں؟ حافظ محمد فاروق 27/9/99

ج: آگے پیچھے بھی پڑھ سکتے ہیں۔ ۱۴۲۰/۶/۲۴ھ

س: صبح یا شام سورہ حشر کی آخری آیات پڑھنا کیسا ہے؟ ابو عبدالقدوس ضلع شیخوپورہ

ج: قرآن مجید کم یا زیادہ صبح پڑھے یا شام یا رات دن میں کسی وقت بھی تلاوت کرے اجر وثواب ہے البتہ سورہ حشر کی آخری آیات کی صبح وشام تلاوت سے ستر ہزار فرشتوں کے استغفار والی روایات صحیح نہیں اور نہ ہی حسن۔ [1]

۱۴۱۷/۷/۹ھ

س: قرآن میں آنے والے سجدے ضرور کرنے ہیں یا کوئی ضروری نہیں؟ ابو عبدالقدوس شیخوپورہ

ج: سجدہ تلاوت فرض نہیں ہے سنت وثواب کو بھی چھوڑنا نہیں چاہیے۔ ۱۴۱۷/۷/۹ھ

س: قرآنی آیت کی چلہ کشی کہاں تک درست ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ درست ہے یہ ہوتا ہے کوئی آیت لے کر اس کو سوا لاکھ بار پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آیت کی زکوٰۃ ادا ہوگئی یہ جس مقصد کے لیے پڑھی اس مقصد کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر قُلْنَا يَا نَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ [2] کو سوا لاکھ مرتبہ پڑھنا۔

ایم اے طاہر آزاد کشمیر

ج: اس طرح کی کوئی چیز کتاب وسنت میں اس بندہ فقیر الی اللہ الغنی کی نظر سے تو نہیں گزری باقی رہا کسی کا تجربہ تو معلوم ہونا چاہیے کہ شریعت تجربوں سے ثابت نہیں ہوتی شریعت تو قرآن وسنت سے ثابت ہوتی ہے۔ واللہ اعلم ۱۴۱۸/۷/۲۲ھ

س: (۱) جو عملیات کیے جاتے ہیں جنوں اور موکلوں کو قابو کرنے کے لیے کیا یہ درست ہے؟ مثلاً ایک بنیادی عمل جنوں کے لیے ہوتا ہے کہ نماز عشاء کے بعد آیۃ الکرسی پڑھی جاتی ہے اکیس دن تک گیارہ تسبیحات ہوتی ہیں اور ہر تسبیح میں ایک سو ایک مرتبہ پڑھنی ہوتی ہے کیا آدمی ایسے عملیات یا یہ عمل کرنا چاہے تو شریعت اجازت دیتی ہے؟

(۲) موکل کن کو کہا جاتا ہے؟ (۳) کوئی عمل جو دین ودنیا کے لیے بہتر ہو اللہ کی محبت دل میں پیدا کرنے والا ہو تحریر کر دیں؟ عتیق الرحمٰن ظفروال 23/2/98

ج: (۱) یہ عمل کتاب وسنت میں سے مجھے معلوم نہیں۔

(۲) موکل ان فرشتوں یا جنوں کو کہا جاتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے کسی کام پر متعین کر رکھا ہو۔

(۳) صبح سو مرتبہ پڑھا کریں ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى

[1] [جامع ترمذی۔ ابواب فضائل القرآن۔ باب فی فضل قراءۃ آخر سورۃ الحشر] [2] [الانبیاء ۶۹ پ ۱۷]

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ [1] [جو شخص ۱۰۰ مرتبہ صبح کے وقت یہ دعا پڑھے گا اسے ۱۰ غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا۔ ایک سو نیکیاں اس کے نام لکھی جائیں گی اور اس کے ۱۰۰ گناہ مٹا دیے جائیں گے اور ان الفاظ کی برکت سے اس دن شام تک وہ شیطان سے محفوظ رہے گا اور کوئی شخص اس سے افضل عمل لے کر نہیں آئے گا تاہم اگر کوئی شخص زیادہ دفعہ کہے۔ (تو وہ اس سے بہتر ہو سکتا ہے)] اور رات سوتے وقت آخری تینوں قل پڑھ کر اپنے آپ کو دم کریں [2] نیز سوتے وقت سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ الحمدللہ ۳۳ مرتبہ اور اللہ اکبر ۳۴ مرتبہ پڑھا کریں [3] اور نماز تہجد حتی الوسع نہ چھوڑیں ان شاء اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپ اپنے تحریر کردہ مطلوب کو پائیں گے۔ ۱۴۱۸/۱۱/۸ھ

س: محترم گزارش یہ ہے کہ میں پانچویں کلاس درس نظامی کا طالب علم ہوں چیچہ وطنی جامعہ اشاعۃ العلوم میں متعلم ہوں ایک بات جسے بلا حجاب پوچھنا چاہوں گا کہ میں پڑھتا ہوں مگر دل جی سے نہیں شوق ہے مگر پڑھنے کے لیے بادل نخواستہ بیٹھ بھی جاؤں تو ہر ملنے والا سبق میری سمجھ سے بالاتر ہوتا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسی قدر اشتیاق قلبی رہ جاتا ہے۔

اب مجھے لکھیں کہ آپ جیسی قابلیت علمی اور عملی کہاں سے ملے گی؟؟؟ میرے پاس وقت بھی ہے اساتذہ بھی ہیں اگر نہیں ہے تو وہ کچھ نہیں ہے جو مذکور بالا ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے علم وعمل میں مزید ترقی دے۔ آمین ابو عبداللہ ابوبکر الخازمی

ج: نماز تہجد باقاعدہ پڑھا کریں، نماز فجر باجماعت پڑھ کر سوئیں نہیں ذکر واذکار تلاوت قرآن میں مشغول رہیں حتی کہ سورج اچھی طرح طلوع ہو جائے پھر دو رکعت نماز پڑھ لیا کریں ہر معاملہ میں تقویٰ اختیار فرمائیں دروس واسباق یاد کرنے میں خوب محنت سے کام لیں، جو سبق پڑھنا ہو پہلے اس کا خوب مطالعہ کیا کریں، بغیر مطالعہ کوئی سبق نہ پڑھیں، اساتذہ کرام اور اصحاب وتلامذہ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں بالخصوص والدین کے حقوق ادا کرنے میں سر مو کمی نہ آنے دیں اور دعا ''اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِيْ بِمَا عَلَّمْتَنِيْ وَعَلِّمْنِيْ مَا يَنْفَعُنِيْ وَزِدْنِيْ عِلْمًا'' [4] کثرت سے پڑھتے رہا کریں رات باوضو ہو کر دائیں جانب لیٹ جائیں، براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی دعاء [''اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِيْ اِلَيْكَ وَوَجَّهْتُ وَجْهِيْ اِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِيْ اِلَيْكَ وَاَلْجَاْتُ ظَهْرِيْ اِلَيْكَ رَغْبَةً وَرَهْبَةً اِلَيْكَ لاَ مَلْجَاَ وَلاَ مَنْجَا مِنْكَ اِلاَّ اِلَيْكَ آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِيْ اَنْزَلْتَ وَنَبِيِّكَ الَّذِيْ اَرْسَلْتَ'' [5] الخ یا الٰہی میں نے اپنے نفس کو تیرے حکم کے مطیع کیا اور اپنے چہرے کو تیری طرف متوجہ کیا اپنے سب

---

[1] [بخاری۔ کتاب الدعوات۔باب فضل التهليل حديث: ٦٤٠٣] [2] [ترمذی۔ابواب الدعوات۔باب الدعاء عند النوم۔بخاری۔ کتاب الدعوات۔باب التعوذ والقراءة عند المنام] [3] [بخاری۔ کتاب الدعوات۔ باب التكبير والتسبيح عند المنام] [4] [ترمذی۔ الدعوات۔باب سبق المفردون ،حديث ٣٥٩٩] [5] [بخاری شریف ۔ باب النوم على الشق الايمن كتاب الدعوات]

کام آپ پر سونپ دیئے اور میں نے تجھ پر اعتماد کیا شوق اور خوف سے تیری رحمت کے بغیر تیرے عذاب سے نجات نہیں جو تو نے کتاب نازل فرمائی میں اس پر ایمان لایا تیرے نبی پر جس کو تو نے مبعوث فرمایا] سونے سے پہلے پڑھا کریں نیز وقتاً فوقتاً دعاء ''رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْلِیْٓ اَمْرِیْ'' [اے میرے پروردگار! میرا سینہ کھول دے اور میرے لیے کام آسان کردے۔]❶ پڑھا کریں، لغویات، فضولیات اور معاصی سے پوری طرح اجتناب کریں۔

۱۴۲۰/۶/۱ھ

س: جناب میری عمر تقریباً چوبیس سال ہے اور میں تقریباً بہت چھوٹی عمر سے کچھ بری عادات میں گر چکا ہوں جن سے چھٹکارا چاہتا ہوں لیکن باوجود کئی بار کوشش کے میں ان بری عادتوں کو چھوڑ نہیں سکا۔ تقریباً سات سال کی عمر میں مجھے جلق اور اغلام کی عادت شروع ہوئی تھی اور بڑھتی ہی گئی اور پچھلے ۶ سال سے میں اس کوشش میں ہوں کہ ان عادتوں کو چھوڑ دوں۔ مجھے بتائیں کہ میں کیا کروں کہ میں ہدایت کے راستے پر آجاؤں اور اپنی توبہ پر قائم رہ سکوں؟

ج: اولاً تو آپ اس جرم کی سزا جو اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کی قوم کو دی اسے ہمیشہ دل دماغ میں متحضر رکھیں۔ ثانیاً اس جرم کی جو سزا رسول اللہ ﷺ نے متعین فرمائی اسے بھی ہمیشہ ذہن میں یاد رکھیں ثالثاً توبہ پر استقامت فرمائیں اور مندرجہ ذیل دعا کثرت سے پڑھتے رہا کریں۔ ''یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ''❷ نیز صبح ہر روز ''لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِیْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ''❸ کم از کم ایک سو مرتبہ ضرور پڑھا کریں آپ اپنی توبہ پر قائم رہیں گے اور اس جرم سے بچ جائیں گے ان شاء اللہ سبحانہ وتعالیٰ

۱۴۱۸/۱۲/۱۱ھ

س: حافظ صاحب کوئی بہتر مشورہ دیں۔ کہ ہماری ایک جوان بہن ہے اس کو جنات کی شکایت ہے۔ کافی جگہ سے دم وغیرہ کروائے ہیں لیکن کچھ آرام نہیں۔ اور جن لوگوں نے ویسے ہی چکر بازیاں بنائی ہوئی ہیں ان کے پاس اب جانے کو جی نہیں چاہتا؟ ۱۴۰۹/۳/۱۸ھ

ج: اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ آپ کی ہمشیرہ کو اس بیماری سے جلد از جلد شفاء کامل عطا فرمائے اَللّٰهُمَّ اِشْفِهَا شِفَاءً كَامِلاً عَاجِلاً لاَ یُغَادِرُ سَقَمًا آپ مندرجہ ذیل دعا پڑھا کریں ''اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِیْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ'' [اے اللہ! ہم کرتے ہیں تجھ ہی کو ان کے مقابلے میں اور تیری پناہ میں آتے ہیں ان کی شرارتوں سے]❹ اپنی ہمشیرہ کو بھی یہ دعا سکھا دیں اور اگر جن آپ سے بولیں تو انہیں میرا بھی پیغام پہنچا دیں کہ وہ

---

❶[طه: ۲۵,۲۶] ❷[ترمذی ۔ ابواب القدر ۔ باب ما جاء ان القلوب بین اصبعی الرحمن ابواب الدعوات ترمذی الجلد الثانی ص ۱۹۲] ❸ [بخاری۔ کتاب الدعوات۔ باب فضل التهلیل] ❹ [ابوداؤد۔ کتاب الصلاۃ۔ باب ما یقول اذا خاف قوما]

برائے مہربانی چلے جائیں کسی کو تنگ کرنا اچھا کام نہیں آخر ہم سب نے اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش ہونا ہے۔

١٤٠٩/٣/٢٤ھ

س: جادو کی حقیقت کیا ہے اور اگر کسی پر چل جائے تو اس کا حل کیا ہے؟ عتیق الرحمٰن ظفروال

ج: جادو کی جامع مانع تعریف تو کتاب اللہ تعالیٰ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں کہیں وارد نہیں ہوئی البتہ آپ آیت ﴿وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوْا الشَّيَاطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمَانَ﴾ ❶ الخ اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جادوگروں کے مقابلہ والے واقعہ ❷ نیز لبید بن اعصم یہودی کے رسول اللہ ﷺ کو جادو کرنے والے واقعہ ❸ سے حقیقت جادو سمجھ سکتے ہیں اس کا علاج معوذتین کی تلاوت ❹ اور رب تعالیٰ سے دعا ہے۔ ١٤١٩/٥/٢٦ھ

س: گزارش ہے کہ ہمارے گھر میں جادو کا اثر ہے جس سے ہم سب پریشان ہیں یہ جادو کا اثر تقریباً دس سال سے ہے۔ کافی عاملوں کے پاس گئے جس میں بروقت افاقہ ہوجاتا ہے چند دنوں بعد پھر ویسے ہی ہوتا ہے بچے اکثر بیمار رہتے ہیں سر درد پیٹ درد کسی کام کو دل نہیں کرتا بات نہیں مانتے ضد کرتے ہیں سکول کا سبق یا قرآنی سبق بالکل نہیں پڑھتے اگر زبردستی کہیں گے کتاب یا سیپارہ لے کر بیٹھے رہیں گے سبق یاد نہیں ہوگا اس کا کوئی حل بتائیں؟

محمد ادریس جنجوعہ نوکھر گوجرانوالہ

ج: اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے بیوی بچوں کو ہمہ قسم کے جادو سے محفوظ و مصون فرمائے آمین یارب العالمین۔ آپ تمام افراد خانہ ہر نماز کے بعد کم از کم ایک دفعہ سورۃ اخلاص، سورۃ فلق اور سورۃ ناس پڑھا کریں ❺ نیز رات کو سوتے وقت تین دفعہ سورہ اخلاص، تین دفعہ سورہ فلق اور تین دفعہ ہی سورہ ناس پڑھ کر دونوں ہاتھوں میں پھونک لگائیں پھر دونوں ہاتھوں کو پورے بدن پر مل لیں۔ ❻

مندرجہ ذیل دعا کثرت کے ساتھ پڑھتے رہا کریں نماز میں پہلے اور دوسرے قعدہ میں پڑھیں سجدوں میں بھی پڑھ سکتے ہیں وہ دعا یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ اكْفِنَاهُمْ بِمَا شِئْتَ ❼ صبح و شام سو سو مرتبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْر ❽ پڑھ لیا کریں زیادہ وقت لینے والے لمبے لمبے اذکار و وظائف کرنے سے

---

❶ [البقرة ١٠٢ پ١] ❷ [طٰه-٦٥ تا ٧٠] ❸ [بخاری-کتاب الطب-هل يستخرج السحر] ❹ [بخاری-کتاب الطب-باب السحر-مسلم-کتاب السلام-باب السحر] ❺ [ابوداؤد-کتاب الوتر-باب فی الاستغفار] ❻ [بخاری-کتاب فضائل القرآن-باب فضل المعوذات] ❼ [مسلم، کتاب الزهد-باب قصة اصحاب الاخدود- ❽ بخاری-کتاب الدعوات-باب فضل التهليل]

طبیعت پر اثر پڑتا ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ اذکار و وظائف میں ہی خیر و عافیت ہے اوقات معینہ پر نبی کریم ﷺ سے منقول اذکار کو روزمرہ کا معمول بنائیں اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے بچوں اور گھر والوں کو ضرور بالضرور شفایاب وصحت یاب فرمائیں گے۔ ان شاء اللہ الحنان ۱۴۲۰/۸/۸ھ

س: کوئی ایسا وظیفہ بتائیں جس سے دماغ اور دل کو تقویت ملے؟ حافظ محمد فاروق تبسم

ج: یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ ❶ ۱۴۱۹/۱۲/۳ھ

س: کوئی دعا بتائیں جو ذہنی اور دماغی پریشانیوں کی دوری کے لیے ہو اور آدمی کی مشکلات میں آسانی کا باعث ہو۔

عتیق الرحمٰن بن محمد رفیق ظفروال

ج: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَالْعَجْزِ وَالْکَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَضَلَعَ الدَّیْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ [اے اللہ! میں پناہ چاہتا ہوں تیرے ذریعے سے پریشانی اور غم سے عاجز ہو جانے اور کاہلی سے اور بزدلی اور بخل سے قرض کے بوجھ اور لوگوں کے تسلط سے] ❷ ۱۴۲۰/۱/۲۱ھ

س: ایک کام شروع کیا تھا ۱۹۹۳ء میں لیکن ابھی تک مکمل نہیں ہو سکا کام کرنے کا ارادہ پورا ہے لیکن جب بھی کوشش کرتا ہوں ناکامی ہوتی ہے بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ کسی نے جادو کیا ہوا ہے اس لیے آپ کامیاب نہیں ہو رہے کام شرعی ہے کوئی غیر شرعی بات نہیں اصل میں ۱۹۹۳ء میں میں نے F.S.C میں کالج میں داخلہ لیا تھا لیکن وہ ابھی تک مکمل نہیں ہو رہی اس بارے میں ایک شخص نے کہا تھا میرے والد صاحب کو کہ جب کرے گا آپ کا بیٹا تو ہم دیکھیں گے اس وقت سے لے کر آج تک ناکام۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کوئی چیز غیر محسوس طریقہ سے منع کرتی ہے اس لیے آپ بتائیں کہ اگر انسان کوئی بھی کام شروع کرے اور وہ ہو بھی درست لیکن ناکامی ہو ہر بار اس کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے کیونکہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اس لیے براہ کرم اس کا بھی کوئی حل بتائیں؟ عتیق الرحمٰن 28/11/98

ج: ہر نماز کے بعد آخری تین قل پڑھا کریں ❸ نیز یہ دعا کثرت سے پڑھتے رہا کریں ''اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ کُلِّ شَیْطَانٍ وَّھَامَّةٍ وَمِنْ کُلِّ عَیْنٍ لاَمَّةٍ'' [میں اللہ تعالیٰ کے مکمل کلمات کے ساتھ پناہ پکڑتا ہوں ہر شیطان سے اور زہریلے جانور سے اور ہر لگ جانے والی نظر سے] ❹ ۱۴۱۹/۸/۲۰ھ

س: اکثر بچے ضد کرتے ہیں ان کے لیے کوئی وظیفہ بتا دیں؟ حافظ محمد فاروق 20/10/99

---

❶ ترمذی ۔ ابواب القدر ۔ باب ما جاء ان القلوب بین اصبعی الرحمن ❷ [بخاری۔کتاب الدعوات۔ باب الاستعاذة من الجبن والکسل] ❸ [ابوداؤد۔ابواب الوتر۔باب فی الاستغفار] ❹ [بخاری۔کتاب احادیث الانبیاء حدیث ۳۳۷۱]

ج: سورۃ فاتحہ، آیۃ الکرسی، آخری تین سورتیں قل ھو اللہ احد ، قل اعوذ برب الفلق ، قل اعوذ برب الناس اور إِنِّیْ أُعِیْذُكَ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَیْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَیْنٍ لاَ مَّةٍ پڑھ کر بچے کو دم کریں ان شاء اللہ المنان شفایاب ہوجائے گا۔ واللہ اعلم ١٤٢٠/٧/١٦ھ۔

س: (۱) کوئی ایسا عمل وظیفہ جس کی برکت سے اللہ ہرلحاظ سے غنی کردیں اور اللہ قناعت پسندی طبیعت میں پیدا فرمادیں؟
(۲) بغیر کسی وجہ کے لوگوں سے ڈرلگتا ہے ٹانگوں سے جان نکل جاتی ہے اکثر منفی سوچ ذہن پر سوار رہتی ہے طبیعت پریشان رہتی ہے ذہن پر خوف سوار رہتا ہے اس کا بھی کوئی حل بتائیں کہ صرف اللہ کا ڈر ہو۔ باقی کائنات سے بے خوف ہوجاؤں۔ کوئی عمل تحریر کریں؟ 31/8/98

ج: (۱) ’’اَللّٰهُمَّ اكْفِنِیْ بِحَلاَلِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَأَغْنِنِیْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ‘‘ [اے اللہ! تو مجھے کافی ہوجا اپنے حلال کے ساتھ اپنی حرام کردہ چیزوں سے اور مجھے بے نیاز کردے اپنے فضل سے اپنے ماسوا سے] ❶
(۲) ’’یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ‘‘ ❷ ١٤١٩/٥/٢٦ھ۔

س: (۱) مجھے اندھیرے میں بہت خوف آتا ہے رات کو جہاں بھی اندھیرا ہوگا کمرے میں بازار میں مسجد میں وغیرہ میں وہاں سے خوف محسوس کرتا ہوں لیکن مجھے کوئی چیز نظر بھی نہیں آتی ۔ میری عمر تقریباً ۲۴ سال ہے۔ ایک جامع مسجد اہل حدیث میں جمعہ پڑھاتا ہوں۔ صبح شام پچاس بچوں کو قرآن مجید پڑھاتا ہوں۔ پانچ وقت نماز پڑھتا ہوں اپنی بساط کے مطابق گناہوں سے پرہیز کرتا ہوں۔ میں نے یہ مسئلہ آج سے پہلے کسی کو نہیں سنایا۔ شرم کے مارے کسی کو نہیں بتایا کہ لوگ کہیں گے کہ اتنے بڑے ہوکر بھی ڈرپوک ہے۔ براہ کرم جلد از جلد اس مسئلہ کا کوئی روحانی، جسمانی علاج بتائیں۔ ویسے میں صبح شام کے وظیفے بھی کرتا ہوں لیکن کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پہلے یہ اندازہ لگائیں کہ یہ ڈر کیوں آتا ہے اور اس کا تدارک کیسے کیا جائے؟
(۲) مجھے پانی سے بھی ڈر لگتا ہے میں نہر، تالاب، کنواں یا گلاس میں پانی پیتے وقت پانی کو نہیں دیکھتا، کیونکہ رات کو خواب میں پانی میں ہر چیز جب الٹی نظر آتی ہے تو اس طرح معلوم ہوتا ہے جیسے پوری دنیا الٹ ہوگئی ہے تو شدید چکر آتے ہیں۔ براہ کرم اس کی وجہ بتائیں اور علاج بھی۔
(۳) کیا جن انسانوں کو تنگ کرسکتے ہیں شریعت اسلامیہ اس بارے میں کیا حکم دیتی ہے عام لوگ کہتے ہیں کہ فلاں عورت یا آدمی پر جن کا سایہ ہے۔ پھر لوگ مشرک اور بدعتی لوگوں کے پاس جاکر عجیب طریقوں سے جن نکالتے ہیں۔ قرآن وحدیث کی رو سے واضح فرمائیں کہ ان مسائل کے بارے میں قرآن وحدیث کیا حکم دیتے ہیں؟ 25/9/97

❶ [ترمذی۔ابواب الدعوات۔ حدیث ٣٥٦٣] ❷ ترمذی ۔ جلد ثانی ۔ ابواب الدعوات

ج: (۱) دل میں پختہ یقین بنائیں کہ اندھیرا ہو خواہ اجالا اللہ تبارک وتعالیٰ کے علاوہ کوئی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا الا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہو رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ❶ کہ تمام انسان، تمام جن، تمام پہلے اور تمام پچھلے تجھے نفع یا نقصان پہنچانے پر جمع ہو جائیں تو بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر تجھے کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکیں گے ہو سکے تو اس موضوع پر کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا الا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مشیت ہو قرآن مجید کی آیات اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی روشنی میں دو چار جمعے پڑھائیں ان شاء اللہ تعالیٰ آہستہ آہستہ آپ کا یہ ڈر ختم ہونا شروع ہو جائے گا پھر اس عقیدہ ویقین کو ہمیشہ اپنے دل ودماغ میں تازہ رکھیں اور تعوذ و لاحول پڑھتے ہوئے اندھیرے میں اکیلے آنے جانے کی مشق کریں ان شاء اللہ العزیز تھوڑی ہی دیر میں آپ کا یہ خوف جاتا رہے گا۔

نیز بھونے ہوئے چنے سیاہ، اخروٹ، پستہ اور بادام کثرت سے استعمال کریں ہو سکے تو بادام چنے اور سونگی ملا کر صبح ناشتہ کر لیا کریں اور کھانا جب اچھی طرح بھوک لگ جائے تو پھر کھایا کریں اور ابھی تھوڑی سی بھوک باقی ہو تو کھانا چھوڑ دیا کریں الغرض پُرخوری سے پرہیز کریں اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث پیٹ کے تیسرے حصہ میں کھانا تیسرے حصہ میں پانی اور تیسرا حصہ سانس کے لیے رہنے دیا کریں۔

(۲) اپنے والدین یا کسی بڑے رشتہ دار سے پوچھیں آپ کو کبھی کسی کتے نے تو نہیں کاٹا اگر کتے نے کاٹا ہو تو سرکاری ہسپتالوں میں اس کے ٹیکے لگائے جاتے ہیں وہ ٹیکے لگوا لیں اور اگر ایسی صورت نہیں تو سوتے وقت آخری تین قل پڑھ کر دونوں ہاتھوں کو ملا کر ان پر پھونک لگائیں پھر منہ سر اور سارے بدن پر وہ پھیر لیا کریں اور سوتے وقت کی دعائیں پڑھ کر سویا کریں نیز سونے سے قبل سورہ ملک اور سورہ سجدہ پڑھا کریں اور صبح ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ❷ کم از کم سو دفعہ ضرور پڑھا کریں ان شاء اللہ العزیز آپ کی یہ ڈر والی کیفیت ختم ہو جائے گی۔

(۳) کتاب وسنت سے جنوں کا انسانوں کو نفع یا نقصان پہنچانا ثابت ہے جیسا کہ انسانوں کا انسانوں کو نفع یا نقصان پہنچانا ثابت ہے مگر جیسا کہ پہلے عرض کر آیا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر کوئی کسی کو کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتا ﴿وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ ❸ جنوں کی شر سے بچنے کے لیے ہمیشہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کرتا رہے اللہ کی پناہ میں آنے کی دعا کرے ''بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي

❶ [ترمذی۔ ابواب صفة القيامة۔ حدیث ۲۵۱۶] ❷ [بخاری۔ کتاب الدعوات۔ باب فضل التهليل] ❸ [البقرة ۱۰۲ پ ۱]

السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ'' [اس اللہ کے نام کے ساتھ جس کے نام کی برکت سے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی زمین کو ہو یا آسمانوں کی اور وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔] جو شخص یہ دعا صبح اور شام تین تین مرتبہ پڑھے گا اس کو کوئی چیز تکلیف نہیں دے گی۔ ❶ کثرت سے پڑھتا رہے ہر نماز کے بعد آخری تین قل پڑھے سورہ بقرہ بالخصوص آیۃ الکرسی کا اکثر وردر کھے ان شاء اللہ سبحانہ وتعالیٰ جنوں وغیرہم کی شر سے محفوظ ومصون رہے گا۔ واللہ اعلم ۱۴۱۸/۵/۲۸ھ

س: محترم میں ایک طالب ہوں دنیا دار ہوں دل پڑھنے کو کرتا ہے لیکن کر نہیں سکتا بہت کوشش کرتا ہوں لیکن کامیاب نہیں ہو سکتا خوف کا طاری ہونا عام بات ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ جادو ہے وغیرہ وغیرہ۔ آپ کوئی ایسا عمل خواہ وہ آیت قرآنیہ کی شکل میں ہو یا محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے ادا کردہ کلمات ہوں جن کی برکت اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ذکر کردہ پریشانیوں سے نجات حاصل کر سکوں؟

ج: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ أَلاَ بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾❷ [وہ لوگ جو ایمان لائے اور چین پاتے ہیں ان کے دل اللہ کی یاد سے خبردار اللہ کی یاد ہی سے چین پاتے ہیں دل] کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہیں خصوصاً رسول اللہ ﷺ کے روزمرہ کے اذکار کو ادا کرنے میں کوتاہی اور غفلت سے کام نہ لیں اور مندرجہ ذیل دعا وقتاً فوقتاً پڑھتے رہیں۔ ''اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسْلِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ''❸ [یا اللہ میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں فکر وغم سے اور آپ کی پناہ چاہتا ہوں ناتوانی اور سستی سے اور بچاؤ چاہتا ہوں آپ کے ساتھ بزدلی اور بخل سے اور پناہ میں آتا ہوں آپ کی قرض کے غلبے سے اور لوگوں کے سخت دباؤ سے]

س: ایک شخص کثرت سے درود ابراہیمی پڑھتا ہے لیکن پریشان رہتا ہے اس کو کیا کرنا چاہیے؟

ج: درود ابراہیمی بھی پڑھتا رہے اور سابقہ جواب میں جو دعا ہے وہ بھی پڑھتا جائے۔ ۱۴۱۸/۱۰/۶ھ

س: ہمارے گھر میں بہت پریشانی ہے اس حالت میں وہ تعویذ جن پر سورہ فاتحہ۔ آیۃ الکرسی کے علاوہ بہت کچھ لکھا ہوا ہے کچھ تعویذ ہندسوں میں خانے بنا کر لکھے گئے ہیں کسی کو دروازے پر لٹکانا ہے اور کسی کو پانی میں ڈال کر پینا ہے کیا یہ شرک تو نہیں جبکہ فتاویٰ برکاتیہ میں تعویذ وغیرہ کرنا جائز لکھا ہے؟ محمد ادریس نوکھر

---

❶ [ترمذی۔ابواب الدعوات۔ باب ما جاء فی الدعاء اذا اصبح واذا اَمسٰی] ❷ [الرعد ۲۸ پ۱۳] ❸ [ابوداود المجلد الاول کتاب الصلوۃ باب فی الاستعاذۃ ص۲۱۷]

ج: اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کی پریشانیوں کو دور فرمائے نیز آپ کے گھریلو احوال کی اصلاح فرمائے۔ تعویذ گنڈے رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں البتہ دم جو شرک وکفر نہ ہو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ آپ گھر میں سورہ بقرہ کی تلاوت کثرت سے کیا کریں نیز نمازوں کے بعد رات اور سوتے وقت سورہ اخلاص اور معوذتین پڑھا کریں ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا آپ کو بہت زیادہ فائدہ ہوگا۔

پھر صبح کم از کم سو دفعہ ''لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ'' پڑھ لیا کریں ان شاء اللہ تعالیٰ آپ شیطانی اثرات سے محفوظ رہیں گے۔ ۱۴۱۷/۳/۸ھ

س: محترم حافظ صاحب میرے گھریلو حالات بہت خراب ہیں اور سسرال والوں سے بھی شدید قسم کا جھگڑا چل رہا ہے میں حق پر ہوں آپ میرے لیے دعا فرمائیں اور کوئی وظیفہ بھی بتائیں؟

ج: اللہ تعالیٰ ہر قسم کی پریشانیاں دور فرمائے بالخصوص آپ کے گھریلو حالات کو جلد از جلد درست فرمائے آپ کے سسرال والوں کو بھی راہ راست پر لائے اب دعا کرتا ہوں آپ کے لیے اصلاح احوال کی رات کو بھی دعا کروں گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ آپ یہ دعا بکثرت پڑھتے رہا کریں ﴿رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا﴾[1] [اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عنایت کر اور ہم کو متقیوں کا امام بنا]

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''جمعہ کے روز ایک گھڑی ہوتی ہے اس گھڑی میں مسلمان جو جائز ضرورت اللہ کے سامنے پیش کرے اللہ تعالیٰ اس کی جائز دعا قبول کرتے ہیں اور وہی چیز اسے عطا فرما دیتے ہیں جو اس نے طلب کی ہو اس لیے جمعہ والے دن آپ اس گھڑی میں مذکورہ بالا دعا پڑھیں اور اس عمل کو جاری رکھیں وہ گھڑی ایک روایت کے مطابق امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر نماز جمعہ سے فارغ ہونے تک ہے اور دوسری روایت کے مطابق نماز عصر کے بعد غروب تک ہے آپ ان دونوں وقتوں میں اصلاحِ احوال کی دعا کرتے رہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کی دعا قبول ہوگی اور آپ کی پریشانی دور ہو جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ ۱۴۱۱/۸/۲۵ھ

س: آج کل نذر و نیاز کا بڑا رواج ہے پوچھنا یہ ہے کہ ایک آدمی کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ میرا کام کر دے تو ۱۰۰ نفل پڑھوں گا ایک کہتا ہے کہ اللہ میرا یہ کام کر دے تو میں اتنی رقم غریبوں میں تقسیم کروں گا ایک کہتا ہے اللہ میری شادی فلاں جگہ کر دے تو میں اپنی اولاد اسلام کے لیے وقف کر دوں گا کیا سب سودے بازی کی شکل نہیں ہے کیا یہ لوگ اللہ

[1] [الفرقان ۷۴ پ ۱۹]

تعالیٰ کو لالچ دے کر کوئی کام کروانا چاہتے ہیں؟ محمد امجد طاہر آزاد کشمیر

ج: تینوں صورتیں جو آپ نے رقم فرمائی ہیں طاعت ونیکی کی نذر کے زمرہ میں آتی ہیں طاعت ونیکی کی نذر بھی شرع میں منع ہے تاہم اگر کوئی طاعت ونیکی کی نذر مان لے تو اسے پورا کرنا فرض اور ضروری ہے ورنہ کفارہ نذر ادا کرنا ہوگا۔ ۱۴۱۹/۱۰/۳ھ

س: مولانا صاحب چند لفظ ہیں جن کا معنی دریافت کرنا ہے۔ لفظ یہ ہیں (۱) أَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ وَاَهْيًا وَاَشْرَاهِيًا اللهُ حَافِظِيْ (۲) يا رَحِيْمُ يَا كَرِيْمُ جَلَّ جَلاَلُهٗ اعراب اسی طرح ہے اور (۳) يا بَدُّوْحُ (۴) فَوْجُلَكَ شِيْرَازَةٌ اور ان کی حقیقت واضح کریں اور ان کا پڑھنا ثواب ہے کہ گناہ ہے حدیث وقرآن سے واضح کریں اور مولانا صاحب ان کے اعراب بالکل اسی طرح ہیں۔ قاری محمد یعقوب گجراتی 30 نومبر 1997

ج: (۱) أَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ اور میں پناہ مانگتا ہوں تیرے ساتھ اے میرے رب کہ وہ (شیطان) میرے پاس حاضر ہوں۔ وَاَهْيًا وَاَشْرَاهِيًا اگر لفظ صحیح لکھے گئے ہیں تو ان کا معنی مجھے معلوم نہیں۔ اللهُ حَافِظِيْ اللہ میری حفاظت کرنے والا ہے۔ پھر اعوذ بلك میں اللہ کو مخاطب بنایا گیا ہے اور اللہ حافظی میں غائب بنایا گیا ہے۔

(۲) صحیح اعراب اس طرح ہے يَا رَحِيْمُ يَا كَرِيْمُ جَلَّ جَلاَلُهٗ مگر اس میں بھی یا رحیم یا کریم خطاب ہے اور جل جلالہ غائب ہے۔

(۳) قاموس والے نے اس مادہ کے جو الفاظ ومعانی لکھے ہیں ان کے اعتبار سے اس کے مندرجہ ذیل معانی ہوسکتے ہیں۔

(i) بہت شق وچاک کرنے والا (ii) زیادہ واضح (iii) بہت ہی زیادہ کھلا اور وسیع۔

(۴) فَوْجُلَكَ شِيْرَازَةٌ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ دراصل ''فوج کا شیرازہ'' تھا صاحب قاموس نے اس کا ذکر ہی نہیں کیا اور نہ ہی مجھے اللہ تعالیٰ کے ناموں میں کہیں ملا ہے۔ اس میں صرف لفظ فوج عربی ہے باقی لفظ ''کا'' اور لفظ ''شیرازہ'' عربی نہیں۔ یہ کسی شَرِبَتْ کو شُرِبَتْ پڑھنے والے کا کارنامہ ہے۔ واللہ اعلم ۱۴۱۹/۸/۲۱ھ

س: صحیفہ اہلحدیث جو کراچی سے شائع ہوتا ہے ۱۴۱۳ھ ربیع الاول میں جو شائع ہوا اس میں ایک حدیث لکھی تھی جس پر میں نے عمل شروع کر دیا لیکن تحقیق نہیں کی اگر ہو سکے تو اپنا قیمتی وقت نکال کر تحقیق کر دیں۔ وہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو دن میں چار مرتبہ یہ دعا پڑھے وہ چار بیماریوں سے محفوظ رہے گا۔ نابینا ہونے سے۔ جزام کی بیماری

سے۔فالج گرنے سے۔دیوانہ پاگل ہونے سے۔دعا یہ ہے ''سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ وَلاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ''

عبدالرحمٰن طاہر سرگودھا

ج: مسند احمد ج۵ ص۶۰ میں ہے ﴿ثَنَا یَزِیْدُ بْنُ ھَارُوْنَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ اَبِیْ کَرِیْمَۃَ حَدَّثَنِیْ رَجُلٌ مِنْ اَھْلِ الْبَصْرَۃِ عَنْ قَبِیْصَۃَ ابْنِ الْمُخَارِقِ قَالَ : اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ الحدیث ، وَفِیْہِ : یَا قَبِیْصَۃُ إِذَا صَلَّیْتَ الْفَجْرَ فَقُلْ ثَلاثًا : سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ تَعَافٰی مِنَ الْعَمٰی وَالْجُذَامِ وَالْفَالِجِ ۔ ا ھـ﴾ [میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا لمبی حدیث اور اس میں ہے اے قبیصہ جب تو فجر کی نماز پڑھے تو تین مرتبہ یہ پڑھ۔سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ تو نابینا ہونے سے جزام کی بیماری سے اور فالج سے محفوظ رہے گا]

اس میں ایک راوی ''رجل من أھل البصرۃ'' تو مجہول ہے اور اگر حسن سے مراد حسن بصری ہیں تو پھر یزید بن ہارون اور حسن کے درمیان انقطاع بھی ہے۔ ۱۳/۸/۱۴۱۴ھ

کتاب اللباس ....لباس کے مسائل

پگڑی کا بیان

س: آپ ﷺ کے عمامے کا کون سا رنگ تھا عمامہ باندھنا سنت نبوی ﷺ ہے تو عالم حضرات اس حدیث پر عمل کیوں نہیں کرتے سیاہ عمامہ کے متعلق احادیث لکھیں؟ محمد سلیم بٹ

ج: رسول اللہ ﷺ نے سفید کپڑوں کو افضل قرار دیا ہے اس لیے سفید لباس افضل ہے حدیث مشہور ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو آپ پر سیاہ عمامہ تھا۔ [1] اس سے سیاہ عمامہ کا جواز نکلتا ہے۔ فضیلت سفید عمامہ میں ہی ہے کیونکہ آپ ﷺ نے ہمیں سفید کپڑے پہننے کا امر فرمایا ہے۔ واللہ اعلم ١٤١٦/٢/١٥ھ

س: سبز عمامہ پگڑی کے متعلق فرمائیں کہ سنت ہے یا نہیں اور آپ ﷺ نے کون سے رنگ کا عمامہ پہنا تھا کہتے ہیں کہ عمامہ پہن کر نماز پڑھیں تو زیادہ ثواب ہوتا ہے؟ محمد سلیم بٹ

ج: سفید عمامہ افضل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے سفید لباس و کپڑے کو افضل قرار دیا ہے عمامہ پہننے میں اجر وثواب ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ بھی عمامہ پہنتے تھے [رسول اللہ ﷺ کی پگڑی مبارک کالے رنگ کی تھی] [2]

١٤١٦/١١/٢٢ھ

س: (ا) حضور ﷺ سے عمامہ باندھتے ہوئے ایک شملہ چھوڑنا ثابت ہے یا دونوں۔ نیز اس شملے کے بارے میں کہا جاتا ہے ایک ہاتھ لمبا ہو کیا یہ صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو ہاتھ سے یہاں پر کہنی تک بازو مراد ہے یا آج کل کا معروف گز؟ محمد شہبار حمید لاہور

ج: ایک شملہ اور دو شملہ دونوں قسم کی روایات ملتی ہیں باقی شملے کی مقدار کا مجھے علم نہیں۔ ١٤١٦/٩/١ھ

پینٹ ٹائی اور نکر پہننا

س: پتلون پہننے میں گناہ تو نہیں ٹائی باندھنا کیسا ہے؟ عثمان غنی لاہور

ج: ان دونوں لباسوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔ ١٤١٧/٨/١ھ

---

[1] [مسلم۔ کتاب الحج۔ باب جواز دخول مکة بغیر احرام۔ ترمذی۔ اللباس۔ باب العمامة السوداء۔ ابوداؤد۔ اللباس۔ باب فی العمائم] [2] [ابوداود المجلد الثانی کتاب اللباس باب فی العمائم]

س: پینٹ پہننا جائز ہے یا نہیں؟ محمد احمد ظہیر قصور

ج: لباس کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کے فرمان ﴿مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ﴾ [1] [جو کسی قوم کی مشابہت کرے گا وہ انہی سے ہوگا] کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہیے اگر پینٹ میں کسی غیر مسلم قوم کی نقالی ہے تو اس سے احتراز برتنا ہو گا۔ ۱۴۱۲/۷/۱۲ھ

س: کیا آدمی گھٹنوں تک شلوار پہن سکتا ہے لاہور میں اکثر طالب علم گھٹنوں تک (نکریں) پہنتے ہیں اسلامی لباس کتنا لمبا ہوتا ہے؟ عثمان عبداللہ اسلامیہ کالج لاہور

ج: رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے ثابت ہے کہ مرد مومن کا لباس نصف پنڈلی سے لے کر ٹخنے سے اوپر تک ہوتا ہے۔ ۱۴۱۷/۲/۸ھ

جوتے کا بیان

س: حدیث شریف میں ہے جوتا کھڑے ہوکر نہیں پہننا چاہیے بعض حضرات تاویلیں کرتے ہیں کہ کھڑے ہوکر بھی پہنا جاسکتا ہے کیا کھڑے ہوکر بھی پہننے کی دلیل ہے؟ محمد یعقوب ہری پور

ج: سنن ابن ماجہ میں ابوہریرہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے حدیثیں موجود ہیں رسول اللہ ﷺ نے کھڑا ہوکر جوتا پہننے سے منع فرمایا ہے رہی تاویلوں والی بات تو جس تاویل کی کوئی دلیل موجود ہو تو وہ درست سمجھ لیں تاحال مجھے تو ان تاویلات میں سے کسی تاویل کی کوئی دلیل نہیں ملی۔ واللہ اعلم ۱۴۱۶/۸/۵ھ

س: جوتا بیٹھ کر پہننا چاہیے یا کھڑے ہوکر پہننا چاہیے جوتا کس قسم کا ہو پھر بیٹھ کر پہننا چاہیے اور کس قسم کا ہو کھڑا ہو کر پہننا چاہیے؟ محمد قاسم

ج: سنن ابن ماجہ کتاب اللباس باب الانتعال قائما ح۳۶۱۸ ، ح۳۶۱۹ میں لکھا ہے: ﴿عن أبی هريرة قال : نَهٰی رسول الله ﷺ أَنْ يَنْتَعِلَ الرَّجُلُ قَائِمًا عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ : نَهَی النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَنْتَعِلَ الرَّجُلُ قَائِمًا﴾ رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہوکر جوتا پہننے سے منع فرمایا ہے بیٹھ کر یا جھک کر یا لیٹ کر جوتا پہنے پھر حدیث میں کسی جوتے کی کہیں کوئی تخصیص نہیں آئی حدیث اور اس کے الفاظ آپ کے سامنے ہیں غور فرمالیں اس حدیث کو محدث وقت شیخ البانی حفظہ اللہ تعالیٰ نے صحیح ابن ماجہ میں درج فرمایا اور تعلیق مشکوٰۃ میں بھی صحیح قرار دیا ہے نیز مشہور محدث محب اللہ شاہ صاحب راشدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے الاعتصام میں شائع شدہ اپنے ایک مضمون میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

---

[1] [رواه احمد وابو داؤد۔ مشکوٰۃ۔ کتاب اللباس۔ الفصل الثانی۔]

س: اس سے قبل جماعت المسلمین والوں سے سنا تھا کہ نبی ﷺ نے کھڑے ہو کر جوتا پہننے سے منع فرمایا ہے آج مشکوٰۃ باب النعال میں یہ حدیث پڑھی۔

﴿عَنْ جَابِرٍ ؓ قَالَ نَهٰى رسول الله ﷺ أَنْ يَنْتَعِلَ الرَّجُلُ قَائِمًا﴾[1] وضاحت فرمائیں کہ کیا یہ حدیث صحیح ہے۔ اور کیا اس کے مخالف کوئی حدیث ہے جس میں کھڑے ہو کر جوتا پہننے کی اجازت ہو۔ اور کیا یہ حکم واجب العمل ہے کیونکہ بیٹھ کر جوتا پہننا بہت مشکل ہے جبکہ جوتا بند ہو اور اگر چپل ہو تو وہ تو چلتے چلتے ہی پہنا جا سکتا ہے۔ مہربانی فرما کر اس مسئلہ میں وضاحت فرمائیں؟ محمد حسین قصوری او۔ٹی ٹیچر تحصیل و ضلع قصور 16/12/88

ج: آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا جس میں جناب نے حدیث ﴿نَهٰى رسول الله ﷺ أَنْ يَنْتَعِلَ الرَّجُلُ قَائِمًا﴾ کی بابت دریافت فرمایا آیا یہ حدیث صحیح ہے؟ پھر صحیح ہونے کی صورت میں کھڑے ہو کر جوتے پہننا منع ہے؟

(۱) تو جواباً گزارش ہے کہ مذکور بالا حدیث صحیح ہے چنانچہ محدث وقت شیخ البانی حفظہ اللہ تعالیٰ نے بھی تعلیق مشکوٰۃ میں اس کو صحیح قرار دیا ہے امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر کردہ سند پر کلام فرمایا ہے مگر ابن ماجہ میں اس حدیث کی اور سندیں موجود ہیں جن میں کوئی کلام نہیں ہاں ابوداود والی سند میں کچھ کلام کی گنجائش ہے جبکہ ابن ماجہ والی سندیں اس سے بھی مبرا ہیں الغرض حدیث صحیح ہے کیونکہ اصول ہے کہ ایک حدیث کی کئی اسانید ہوں کچھ صحیح اور کچھ غیر صحیح تو حدیث صحیح ہوگی بشرطیکہ وہ حدیث کسی شذوذ یا علت قادحہ پر مشتمل نہ ہو بحمد اللہ مذکور بالا حدیث کسی شذوذ و علت قادحہ پر مشتمل نہیں ہے۔ لہٰذا وہ صحیح ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: ﴿وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾[2] اللہ کے رسول ﷺ جس چیز سے تمہیں منع کریں تم اس سے منع ہو جاؤ تو اصول یہی ہے کہ جس چیز سے اللہ یا اس کے رسول ﷺ منع فرمادیں وہ چیز ممنوع اور ناجائز ہو جاتی ہے اور جس چیز کے کرنے کا حکم اور امر فرمادیں وہ چیز فرض و واجب ہو جاتی ہے۔ الا یہ کہ اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ پہلی نہی والی صورت میں کرنے اور دوسری امر والی صورت میں نہ کرنے کی گنجائش رہنے دیں۔

تو اس وقت درپیش مسئلہ میں دلائل تو کھڑے ہو کر جوتے پہننے کے ممنوع ہونے پر ہی دلالت کرتے ہیں کیونکہ کھڑے ہو کر جوتے پہننے کی گنجائش قرآن وسنت میں کہیں وارد نہیں ہوئی البتہ طبقات ابن سعد میں ایک حدیث آتی ہے کہ جس میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق بیان ہوا ہے کہ آپ کھڑے ہو کر بھی اور بیٹھ کر بھی جوتا پہن لیا کرتے تھے مگر

---

[1] [رواہ ابوداود و رواہ الترمذی وابن ماجہ عن ابی ھریرہ] [2] [الحشر ۷ پ ۲۸]

اس کی سند میں ایک دو راوی مجہول ہیں اس لیے اس روایت سے کھڑے ہو کر جوتے پہننے کی گنجائش پر استدلال درست نہیں ۔بعض اہل علم کا خیال ہے کہ مذکور بالا حدیث میں وارد شدہ حکم تسمے والے جوتوں کے ساتھ مخصوص ہے ہمہ قسم کے جوتوں کو متناول نہیں مگر مجھے ابھی تک کتاب وسنت سے تخصیص کی کوئی دلیل نہیں ملی ۔ ١٤٠٩/٥/١١ھ

س : بات یہ ہے کہ میں نے جو سوال آپ کو کیا اس کے جواب میں کچھ اشکال ہے مہربانی فرما کر دور فرمائیں؟ آپ نے لکھا کہ ''بعض اہل علم کا کہنا ہے یہ مخصوص جوتے ہیں یا تسمے والے جوتے ہیں'' اس کے بعد آپ نے لکھا ہے کہ ''ان حضرات کے پاس ان کے کہنے کی کوئی دلیل نہیں'' تو اس کے متعلق عرض ہے کہ ایک ''اہل علم'' سے بات ہوئی اس نے ''دلیل'' دی جو کہ درج ذیل ہے۔

(۱) نبی ﷺ نے فرمایا صدقہ فطر کا ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو ہر غلام اور آزاد اور چھوٹے بڑے پر ہے [1]۔

اگر کوئی یہ کہے کہ جی آج جو صاع ہے وہی صدقہ دے دو چاہے اس صاع سے زیادہ ہو یا کم جو نبی ﷺ کے دور مبارک میں صاع تھا۔ چاہیے تو ایسے کہ جو صاع نبی ﷺ کے دور مبارکہ میں تھا اس کے برابر صدقہ دیا جائے۔

بالکل اسی طرح لفظ ''نعل'' جس چیز پر نبی ﷺ نے بولا ہے وہ کیا ہے؟ کیسے ہے؟ یہ کیسے پتہ چلے گا؟ یہ پتہ چلے گا حدیث کے ذریعے۔

(۱) ﴿حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ نَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ اَنَّ نَعَلَ النَّبِيِّ ﷺ كَانَ لَهَا قِبَالاَنِ﴾

(۲)﴿حدثنا ابو الوليد الطيالسى نازهير نا ابو الزبير عن جابر قال رسول الله ﷺ إِذَا انْقَطَعَ شِسْعُ اَحَدِكُمْ فَلاَ يَمْشِىْ فِىْ نَعْلٍ وَاحِدَةٍ حَتّٰى يُصْلِحَ شِسْعَهُ ..... الخ﴾ [2] احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ لفظ ''نعل'' بند جوتے تسمے والے کو کہا جاتا ہے اور بولا گیا ہے جیسا کہ عربی زبان میں جوتے کی ایک قسم ''سلیپر Sleeper کو مَدَاسَةٌ'' کہا گیا ہے اور رومی بوٹ کو ''کندرۃ'' کہا گیا ہے۔سو ان دلائل سے واضح ہوا کہ یہ جوتے تسمے والے ہیں۔جن کو نبی ﷺ نے منع فرمایا کھڑے ہو کر پہننے سے؟

محمد افضل قلعہ دیدار سنگھ گوجرانوالہ 19/9/85

ج : جناب کا دوسرا مکتوب گرامی موصول ہوا جس میں آپ نے دو حدیثیں درج فرمائیں ہیں ۔(۱) ﴿اَنَّ نَعَلَ النَّبِيِّ ﷺ كَانَ لَهَا قِبَالاَنِ﴾ (۲) ﴿إِذَا انْقَطَعَ شِسْعُ اَحَدِكُمْ﴾ اس کے بعد آپ لکھتے ہیں ''احادیث سے

---

[1] مسلم الزکاۃ ۔ باب زکاۃ الفطر [2] حوالہ نمبر ۱ نمبر ۲ ابوداود کتاب اللباس باب الانتعال

ثابت ہوتا ہے کہ لفظ ''نعل'' بند جوتے تسمے والے کو کہا جاتا ہے'' اس سے آپ کا مقصود یہ ہے کہ بلا تسمہ کھلے جوتے پر لفظ ''نعل'' نہیں بولا جاتا۔ صاع والی بات بھی آپ نے لکھی۔

اولاً : تو محترم آپ تحقیق فرمائیں کہ لفظ ''قبال'' اور لفظ ''شسع'' کا معنی تسمہ ہے بھی؟ جہاں تک مجھے معلوم ہے ان لفظوں کا معنی تسمہ نہیں۔

ثانیاً : بصورت تسلیم غور کریں ان دو حدیثوں میں لفظ ''نعل'' کے خاص جوتے پر بولے جانے سے نکالنا کہ یہ لفظ لغت عرب میں یا رسول کریم ﷺ کے عہد مبارک میں تسمے والے جوتے پر بولا جاتا ہے کہاں تک درست ہے؟

ثالثاً: سوچیں ان دو حدیثوں سے لفظ ''نعل'' کے بلا تسمہ کھلے جوتے پر بولے جانے کی نفی کیسے نکلی؟

رابعاً : غور فرمائیں صاع ایک مکیال ہے رسول کریم ﷺ نے اس کے ساتھ صدقۃ الفطر کی مقدار معین فرمائی واضح ترین بات ہے کہ اس مقام پر سب چھوٹے بڑے صاع مراد لینے سے صدقۃ الفطر کی مقدار کا تعین تو بالکل ہی ختم ہو کر رہ جاتا ہے جبکہ لفظ ''نعل'' کا معاملہ ایسا نہیں کیونکہ حدیث ﴿نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ یَّنْتَعِلَ الرَّجُلُ قَائِمًا﴾ میں کسی نعل (جوتے) کی تخصیص و تعیین نہیں ہو رہی لہٰذا لفظ نعل کو لفظ ''صاع'' پر قیاس کرنا صحیح نہیں پھر لفظ ''صاع'' کے ہر چھوٹے بڑے صاع پر بولنے اور لفظ ''نعل'' کے ہر چھوٹے بڑے جوتے نیز باتسمہ اور بلا تسمہ جوتے پر بولنے میں کوئی فرق نہیں۔ اگر آپ نے اس طرح غور و فکر سے کام لیا تو ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کا اشکال رفع ہو جائے گا۔

خامساً: مزید وضاحت کے لیے سنن ابی داود کا وہی باب دیکھیں جس سے آپ نے دو حدیثیں نقل فرمائی ہیں اس میں مندرجہ ذیل احادیث بھی موجود ہیں۔

(i) ﴿عَنْ جَابِرٍ قَالَ : کُنَّا مَعَ النَّبِیِّ ﷺ فِیْ سَفَرٍ ، فَقَالَ : اَکْثِرُوْا مِنَ النِّعَالِ ، فَاِنَّ الرَّجُلَ لاَ یَزَالُ رَاکِبًا مَا انْتَعَلَ﴾ [جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک سفر میں ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جوتے اکثر پہنا کرو کیونکہ جوتے پہننے والا آدمی برابر سوار رہتا ہے]

(ii) ﴿عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : لاَ یَمْشِیْ اَحَدُکُمْ فِی النَّعْلِ الْوَاحِدَةِ لِیُنْعِلْهُمَا جَمِیْعًا اَوْ لِیَخْلَعْهُمَا جَمِیْعًا﴾ [ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک جوتے سے منع فرمایا دونوں پہنے یا دونوں کو اتار دے]

(iii) ﴿عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : اِذَا انْتَعَلَ اَحَدُکُمْ فَلْیَبْدَاْ بِالْیَمِیْنِ ، وَاِذَا نَزَعَ فَلْیَبْدَاْ

بِالشِّمَالِ ، لِتَكُنِ الْيُمْنٰى اَوَّلَهُمَا تُنْعَلُ وَآخِرَهُمَا تُنْزَعُ﴾ [ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی جوتا پہنے تو دائیں پاؤں سے شروع کرے اور جب اتارے تو بائیں طرف سے اتارے دایاں پاؤں پہننے میں اول اور اتارے میں آخر ہونا چاہیے]

تو کیا آپ ان احادیث میں بیان شدہ احکام کو بند جوتے تسمے والے کے ساتھ ہی مخصوص سمجھتے ہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ آخر لفظ تو ان میں بھی ''نعل'' اور ''انتعال'' والے ہی ہیں پھر حدیث ﴿نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَنْ يَّنْتَعِلَ الرَّجُلُ قَائِمًا﴾ میں لفظ ''انتعال'' کے پیش نظر تسمے والے بند جوتے کے ساتھ تخصیص کا کیا معنیٰ؟

۷ محرم الحرام ۱۴۰۶ھ

س: اس سے پہلے آپ کو خط لکھا تھا ''نعل، صاع، القبال، شسع'' کے متعلق آپ نے جواب نہیں دیا واللہ ہمارا مقصد آپ کی دل آزاری یا آپ کا وقت ضائع کرنا نہیں اور نہ ہی میں دماغی عیاشی کے لیے آپ سے سوال پوچھتا ہوں۔ میرا مقصد صرف اور صرف تحقیق ہے تاکہ اللہ کی رضا کے لیے ان مسائل پر عمل کیا جاسکے اگر ہم سے کوئی گستاخی ہوگئی ہے تو معافی چاہتے ہیں امید ہے کہ آپ ہمارے مسائل کا حل فرمائیں گے۔ ان شاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم دیں گے۔ باقی مسئلہ: نعل، صاع، القبال، شسع کا جواب دیں یا نہ دیں آپ کی مرضی ہے۔ محمد افضل

ج: جناب کا مکتوب موصول ہوا یاد فرمائی کا شکریہ۔ ناراضگی والی کوئی بات نہیں نعل صاع قبال اور شسع والی باتوں کا جواب صرف اس لیے نہیں دیا گیا کہ جن سوالات کا بندہ کی طرف سے آپ کو جواب مل گیا آپ نے انہی کو دوہرا دیا اور ان کے جوابات میں تدبر نہ فرمایا پھر قبال اور شسع کے معانی کی تحقیق کے سلسلہ میں آپ کوئی اردو عربی لغت لے کر بیٹھ گئے جبکہ اصل مستند عربی کتب لغت مثلاً قاموس، لسان العرب اور تاج العروس وغیرہ میں ان الفاظ کے وہ معانی نہیں جو آپ کوئی اردو عربی لغت دیکھ کر سمجھے بیٹھے ہیں۔ ۸ صفر ۱۴۰۶ھ

س: وضو کی بعض جگہیں لیٹرین کے ساتھ ہوتی ہیں جس طرح جامعہ محمدیہ میں بھی کھڑے ہو کر وضو کرنے کی جگہیں بنی ہیں ایسی جگہ پر چپل بیٹھ کر پہنی جائے تو کراہت سی لگتی ہے اور ''الدین یسر'' کے خلاف بھی۔ پروفیسر عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ سے ادھر کسی نے جوتے کا مسئلہ پوچھا تھا تو انہوں نے جواباً کہا کہ نسائی میں حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے بیٹھ کر جوتا پہنا میں ابھی تک اس حدیث پر مطلع نہیں ہوسکا۔

ڈاکٹر فضل الٰہی حفظہ اللہ کے گھر ہم چار ساتھی گئے تھے واپسی پر میں نے جوتا بیٹھ کر پہنا اور ڈاکٹر صاحب نے

چپل بیٹھ کر پہنی تو ایک ساتھی نے سوال کیا تو جواباً فرمایا کہ مسئلہ ٹھیک لیکن میں شخصیاً چپل بیٹھ کر پہنتا ہوں ۔ براہ کرم توضیح فرمادیں کہ چپل کے بارے میں کیا مسئلہ ہے۔ خالد جاوید الریاض ۱۷/۱۱/۵

ج : کسی وقت یا کسی جگہ جوتا بیٹھ کر نہ پہنا جا سکے تو جھک کر پہن لے جو نسائی شریف کا حوالہ آپ نے دریافت فرمایا وہ مجھے یاد نہیں ڈاکٹر فضل الٰہی صاحب حفظہ اللہ نے بحث سے بچنے کے لیے شخصیاً فرمادیا ورنہ وہ اشارہ فرما گئے ہیں کہ چپل بھی نعل کا مصداق وفرد ہے لہٰذا ﴿نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَنْ يَّنْتَعِلَ الرَّجُلُ قَائِمًا﴾ [رسول اللہ ﷺ نے جوتا کھڑے ہو کر پہننے سے منع فرمایا] حدیث کے پیش نظر چپل بھی بیٹھ کر پہنی جائے۔

طبقات ابن سعد جلد اول صفحہ ۴۸۱ پر ایک حدیث ہے: ﴿اخبرنا عبيد الله بن موسى العبسى قال: اخبرنا إسرائيل عن عبد الله بن عيسى عن محمد بن سعيد بن عبد الله بن عطاء عن عائشة قالت: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَنْتَعِلُ قَائِمًا وَقَاعِدًا﴾ [نبی ﷺ کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر جوتا پہنتے تھے] الحدیث۔ اگر اس حدیث کا صحیح ہونا ثابت ہو جائے تو یہ نہی کے تنزیہ پر محمول ہونے کا قرینہ بن جائے گی ان شاء اللہ تبارک وتعالیٰ

۱۴۱۷/۱۱/۲۱ھ

مردوں عورتوں کا بناؤ سنگھار

س: کیا عورت سونے کا زیور پہن سکتی ہے؟ ریاست اللہ قلعہ دیدار سنگھ 8/3/86

ج: عورت سونے کا زیور پہن سکتی ہے۔ ۵ رجب ۱۴۰۶ھ

س: شیخ ناصر الدین البانی صاحب کی تحقیق سے قطع نظر بتائیں کہ ''ذهب مقطع'' والی حدیث: ﴿نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ عَنْ لُبْسِ الذَّهَبِ اِلَّا مُقَطَّعًا﴾[1] سے تو مردوں کے لیے بھی ''ذهب مقطع'' جائز معلوم ہوتا ہے کیونکہ حدیث مطلق ہے اس کا کیا جواب ہے بمطابق نبوی ﷺ؟ ریاست علی قلعہ دیدار سنگھ

ج: حدیث: ﴿نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ عَنْ لُبْسِ الذَّهَبِ اِلَّا مُقَطَّعًا﴾ [منع کیا رسول اللہ نے سونا پہننے سے مگر ٹکڑے ٹکڑے کیا ہوا] کے الفاظ ہی بتا رہے ہیں کہ اس حدیث میں ان کو منع کیا جا رہا ہے جن کے لیے سونا پہننے کی اجازت ہے اور مردوں کے لیے تو سونا پہننے کی اجازت ہی نہیں اس جواب کی بنیاد البانی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق ہے آپ ان کی کتاب آداب الزفاف بغور پڑھیں آپ کے اس قسم کے سوالات واشکالات دور ہو جائیں گے ان

[1] ابو داود ، نسائی ، مسند احمد وغیرہ

ثناءاللہ تعالیٰ ۱۴۰۷/۱۲/۲۴ھ

س: مرد کا کریم یا پاؤڈر استعمال کرنا کیسا ہے؟ مختار احمد

ج: رنگ دار خوشبو سے مرد پرہیز کرے۔ ۱۴۱۵/۲/۱۴ھ

س: حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے گوندنے اور گندوانے والی پر لعنت فرمائی ہے گوندنے گندوانے سے کیا مراد ہے وضاحت فرمائیں؟ محمد سلیم بٹ

ج: بازو ٹانگ چہرے یا مسوڑھوں میں یا بدن کے کسی اور حصہ میں سرمہ بھروانے یا بھرنے کو وشم گوندنا کہتے ہیں یہ منع ہے۔ ۱۴۱۵/۱۰/۱۸ھ

س: عورتیں کون سی خوشبو استعمال کر سکتی ہیں پرفیوم استعمال کر سکتی ہیں یا نہیں؟ حافظ محمد عارف قریشی سرگودھا

ج: پرفیوم استعمال کرنا جائز نہیں کیونکہ اس میں الکحل ڈالی جاتی ہے۔ واللہ اعلم ۱۴۱۶/۷/۸ھ

س: کیا عورت میک اپ کر سکتی ہے؟ عباس الٰہی ظہیر

ج: عورت اپنے خاوند کے لیے ایسا کر سکتی ہے مسجد یا بازار یا کہیں جانے کے لیے ایسا کرنا درست نہیں۔

۱۴۱۴/۷/۲۳ھ

س: کیا عورت اپنے خاوند کے لیے فیشن کر سکتی ہے یا نہیں پردے کے اندر نیز ایسے تمام لباس جن سے نہ عریانیت ظاہر ہوتی ہو اور نہ فیشن۔ پہن سکتی ہے یا نہیں مثلاً لہنگا یا گھاگھرہ وغیرہ۔ محمد امین گرجاکھ

ج: عورت اپنے خاوند کے لیے خوشبو زینت وغیرہ لگا سکتی ہے بشرطیکہ اس میں کوئی حرام چیز شامل نہ ہو پھر ایسی حالت میں وہ خاوند کے علاوہ دوسروں سے الگ تھلگ رہے۔ عورت کے لباس میں شریعت نے جو جو شرائط عائد کی ہیں وہ تمام شرائط کسی لباس میں موجود ہوں تو عورت اس کو زیب تن کر سکتی ہے۔ ۱۴۱۹/۶/۵ھ

س: عورتیں اپنے خاوندوں کے لیے سنگھار کر سکتی ہیں اس سنگھار کا کیا مطلب ہے نیل پالش پاؤڈر پرفیوم سرخی لوشن کریم وغیرہ لگا سکتی ہیں اور اکثر والدین اپنے بچوں کو نیل پالش سرخی پاؤڈر کریم وغیرہ لگاتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ یہ ابھی بچے ہیں اور بعض منع کرتے ہیں درست کیا ہے؟ محمد سلیم بٹ

ج: جن چیزوں سے وضوء یا غسل میں خلل آئے وہ استعمال نہیں کی جا سکتیں اور وضوء یا غسل میں مانع چیزیں نہیں لگا سکتے نر بچوں کو رنگدار خوشبو لگانے سے پرہیز ضروری ہے۔ ۱۴۱۶/۲/۱۵ھ

س: کیا عورت انگوٹھی جوڑی ہار پہن سکتی ہے؟ شفیق الرحمٰن لاہور

ج: پہن سکتی ہے کوئی حرج نہیں۔ ١٤٢٠/٦/١٧ھ

تصویر، ٹی وی، ویڈیو کا بیان

س: کس قسم کی تصویر چھاپنا جائز ہے یا ناجائز؟ محمد طارق شاہد حافظ آباد 19/3/86

ج: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَاللهِ الْمُصَوِّرُوْنَ﴾ [1] [بے شک اللہ کے ہاں لوگوں میں شدید ترین عذاب والے تصویریں بنانے والے ہوں گے] لہٰذا کسی جاندار ذی روح چیز کی تصویر بنانا یا طبع کرنا درست نہیں۔ ١٥ رجب ١٤٠٦ھ

س: کیا تصویر جائز ہے اور ویڈیو فلم کا کیا حکم ہے بعض علماء کیمرہ والی تصویر کے جواز کے قائل ہیں؟

محمد بشیر طیب کویت

ج: تصویر کے ناجائز ہونے کے دلائل متحرک، ساکن، ہاتھ والی، کیمرے والی، عکسی، غیر عکسی، وڈیو والی، غیر وڈیو والی، ورق نقدی والی، بطاقۃ المعرفۃ والی، جواز والی، رخصہ والی تذکرات البرید وغیرہ والی، کتب وصحائف والی، اختبارات وامتحانات والی، معاہدات و وظائف والی تصویروں پر اور بچوں کے کھلونوں والی تصاویر کے علاوہ سب تصویروں پر صادق آتے ہیں پھر وہ دلائل عرب وعجم سب کے لیے ہیں صرف عجم کے ساتھ مخصوص نہیں اور نہ ہی صرف عرب کے ساتھ ہی مخصوص ہیں بلکہ دونوں کو شامل ہیں۔ واللہ اعلم ١٤٢٠/٨/١٣ھ

س: (١) کئی لوگ اپنے بچوں کی تصاویر بنوا کر رکھتے ہیں کہ بڑے ہوں گے تو دکھائیں گے یا اپنی فیملی کی تصاویر رکھ لیتے ہیں کہ یادگار ہے ان تصاویر کے بارے میں کیا حکم ہے؟ (٢) کیا تصویر بنوا کر بریف کیس یا اٹیچی کیس میں رکھ سکتے ہیں؟ (٣) تصویر جس کمرہ میں ہو اس کمرہ میں نماز ادا ہو سکتی ہے یا نہیں؟ ڈاکٹر محمد حسین پرانی چیچہ وطنی 13/06/98

ج: (١) یہ سب ناجائز ہے رسول اللہ ﷺ گھر میں کوئی تصویر دیکھتے تو اسے توڑ ڈالتے آپ ﷺ کا فرمان ہے ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَصْنَعُوْنَ هٰذِهِ الصُّوَرَ يُعَذَّبُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ [2] [بے شک یہ تصویروں والے عذاب دیئے جائیں گے قیامت کے دن]

---

[1] صحیح بخاری جلد دوم کتاب اللباس باب عذاب المصورین یوم القیامۃ صفحہ ٨٨٠ [2] [بخاری ۔ کتاب اللباس ۔ باب عذاب المصورین یوم القیامۃ]

(۲) نہیں رکھ سکتے۔ (۳) اگر تصویر کی عبادت کا خیال نہ ہو تو نماز درست ہے البتہ تصویر کو کمرہ سے نکالنا یا توڑنا پھوڑنا ضروری ہے۔ واللہ اعلم ۱۴۱۹/۳/۲۷ھ

س: کیا ٹیلی ویژن دیکھنا جائز ہے اگر جائز نہیں تو وجوہات بیان کریں اور کیا تصویر بنوانا بنانا جائز ہے شوق سے بنائی جائے یا مجبوری سے اگر ناجائز ہے تو اس کی وجہ بیان کریں اس وقت لوگ مورتی اور بت بنا کر پوجا کرتے تھے جبکہ ہم کلمہ گو ہیں ہم تصویروں کی پوجا نہیں کرتے۔ عبدالحنان ایم اے بی ایڈ خانیوال

ج: تصویر بنانا اور بنوانا ناجائز ہے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ''تصویروں والوں کو قیامت کے روز عذاب ہوگا'' ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے تصویروں والا کپڑا لگایا ہوا تھا تو رسول اللہ ﷺ اندر داخل نہیں ہوئے پھر رسول اللہ ﷺ تصالیب وتصاویر دیکھتے تو انہیں توڑ ڈالتے تھے زمانہ قدیم میں مورتیاں بنائی جاتی تھیں اور کپڑوں اور دیواروں پر بھی تصویریں بنائی جاتی تھیں دونوں ہی ناجائز ہیں ترمذی وغیرہ میں ان کی اصلاح کی صورت آئی ہے کہ ان کا سر اور چہرہ کاٹ کر ختم کر دیا جائے تصویر عکس اور بت دونوں پر بولا جاتا ہے۔ ٹیلی ویژن میں بھی تصویر ناجائز ہے ہاں غیر ذی روح مثلاً مسجد، درخت کی تصویر ہو تو کوئی مضائقہ نہیں جیسا کہ صحیح بخاری کی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما والی حدیث میں مذکور ہے۔ ۱۴۲۰/۷/۷ھ

س: ہم نے اپنی مسجد میں اسلامی کتب کی لائبریری بنائی ہوئی ہے اور اس میں آڈیو اور ویڈیو کیسٹیں بھی ہیں جس میں جید علمائے کرام علامہ احسان الٰہی۔ مولانا یزدانی اور عبدالرشید ارشد وغیرہ کے مناظروں کی کیسٹیں ہیں جس کو بعض سلفی بھائی بت فروشی کے نام سے تعبیر کرتے ہیں بیان فرمائیں کیا وہ علمائے کرام جنہوں نے اپنی ویڈیو کیسٹیں بنوائی ہیں جبکہ وہ بھی صاحب علم وفضل ہیں اگر یہ شرعی طور پر جائز یا ناجائز ہیں تو کتاب وسنت کی روشنی میں دلائل کے ساتھ جواب ارسال فرمائیں؟ عبدالقیوم ساہیوال

ج: ویڈیو کیسٹ تصویر کی بناء پر شرعاً درست نہیں صحیح بخاری ص ۸۸۱ ج ۲ میں ہے: ﴿عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا اشْتَرَتْ نُمْرُقَةً فِيهَا تَصَاوِيْرُ ، فَلَمَّا رآهَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ قَامَ عَلَى الْبَابِ ، فَلَمْ يَدْخُلْ، فَعَرَفَتْ فِيْ وَجْهِهِ الْكَرَاهِيَةَ ، وَقَالَتْ : يَا رَسُوْلَ اللهِ أَتُوْبُ إِلَى اللهِ وَإِلٰى رَسُوْلِهِ مَاذَا أَذْنَبْتُ؟ قَالَ : مَا بَالُ هٰذِهِ النُّمْرُقَةِ قَالَتْ : اِشْتَرَيْتُهَا لِتَقْعُدَ عَلَيْهَا وَتَوَسَّدَهَا . فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ : إِنَّ أَصْحَابَ هٰذِهِ الصُّوَرِ يُعَذَّبُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، وَيُقَالُ لَهُمْ : أَحْيُوْا مَا خَلَقْتُمْ . وَقَالَ : إِنَّ الْبَيْتَ

الَّذِیْ فِیْهِ الصُّوَرُ لاَ تَدْخُلُهُ الْمَلاَئِكَةُ﴾ [عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اس نے ایک تکیہ خریدا جس میں تصویریں تھیں جب رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو دروازے کے پاس کھڑے ہوئے اور داخل نہ ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے چہرہ پر ناگواری کے آثار دیکھے اس نے کہا میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف توبہ کرتی ہوں میں نے کیا گناہ کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس تکیہ کا کیا حال ہے میں نے کہا میں نے آپ ﷺ کے لیے خریدا ہے تاکہ آپ ﷺ اس پر بیٹھیں اور تکیہ لگائیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان تصویروں کو بنانے والے کو قیامت کے دن عذاب کیا جائے گا اور ان کو کہا جائے گا جو تم نے بنایا تھا اس کو زندہ کرو اور آپ ﷺ نے فرمایا جس گھر میں تصویریں ہوں اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے]

رہی یہ بات کہ فلاں صاحب بڑے عالم فاضل تھے اور یہ کام کرتے یا کرواتے تھے تو معلوم ہونا چاہیے کہ دین میں حجت ودلیل کتاب وسنت ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی کا قول یا عمل یا تقریر دین میں حجت ودلیل نہیں اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو کتاب وسنت پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ ۱۴۱۹/۷/۲۰ھ

داڑھی اور مونچھوں کا بیان

س: (۱) داڑھی رکھنا فرض ہے یا کہ نہیں؟ اگر فرض ہے تو قرآن وحدیث سے دلیل لکھیں؟

(۲) کیا داڑھی کا تارک کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے یا کہ نہیں اگر کبیرہ گناہ کرتا ہے تو اس کی بھی دلیل قرآن وحدیث سے لکھیں؟ محمد اسحاق جی ٹی روڈ گوجرانوالہ 25/11/85

ج: بخاری ومسلم میں داڑھی رکھنے کا حکم نبوی ﴿اَعْفُوْا اللُّحٰی﴾ [1] موجود ہے اور اللہ تعالیٰ یا نبی کریم ﷺ کے حکم پر عمل کرنا فرض ہوتا ہے قرآن مجید میں ہے ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلاَ مُؤْمِنَةٍ﴾ الخ لہٰذا داڑھی رکھنا فرض ہے اور داڑھی رکھنے کے حکم نبوی کے ندب پر محمول ہونے کی کوئی دلیل کتاب وسنت میں موجود نہیں۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۴۰۶ھ

س: (۱) قرآن وسنت کی روشنی میں داڑھی کی اہمیت کیا ہے؟ (۲) چھوٹی داڑھی کے متعلق وضاحت فرمائیں؟ (۳) اور جو کہتے ہیں کہ داڑھی اسلام میں ہے اسلام داڑھی میں نہیں ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟ نوید احمد اوکاڑہ

ج: (۱) قرآن وسنت کی روشنی میں داڑھی رکھنا بڑھانا فرض ہے اسے کاٹنا کتانا مونڈنا منڈانا ناجائز، گناہ اور حرام ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا

[1] [بخاری ۔ کتاب اللباس ۔ باب إعفاء اللحی]

وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۔ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ ❶ [اور جو کوئی اللہ کے اور اس کے رسول کے حکم پر چلے اس کو داخل کرے گا جنتوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں ہمیشہ رہیں گے ان میں اور یہی ہے بڑی کامیابی اور جو کوئی نافرمانی کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی اور نکل جاوے اس کی حدوں سے ڈالے گا اس کو آگ میں ہمیشہ رہے گا اس میں اور اس کے لیے ذلت کا عذاب ہے] نیز اللہ تعالیٰ کا ہی فرمان ہے: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ ❷ [اور کام نہیں ایماندار مرد کا اور نہ ایماندار عورت کا جبکہ مقرر کر دے اللہ اور اس کا رسول کوئی کام کہ ان کو رہے اختیار اپنے کام کا اور جس نے نافرمانی کی اللہ کی اور اس کے رسول کی سو وہ گمراہ ہوا صریح گمراہ ہونا]

صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے: ﴿اَعْفُوْا اللِّحٰى﴾ داڑھیوں کو بڑھاؤ اور صحیح مسلم میں ہے: ﴿وَخَالِفُوْا الْمُشْرِكِيْنَ وَالْمَجُوْسَ﴾ مشرکوں اور مجوسیوں کی مخالفت کرو۔ کیونکہ ان میں سے کچھ منڈاتے اور کچھ کتاتے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان کی مخالفت کرو اور داڑھیوں کو بڑھاؤ مقصد واضح ہے کہ نہ کتاؤ اور نہ منڈاؤ۔

ہر مسلم جانتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ نیز اللہ تعالیٰ ہی فرماتے ہیں: ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ☆ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ ❸ [اور نہیں بولتا اپنے نفس کی خواہش سے یہ تو حکم ہے بھیجا ہوا] نیز قرآن مجید میں ہے: ﴿اِنَّمَا اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ﴾ پھر قرآن مجید میں ہے: ﴿اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَيَّ﴾ اس اصول وقاعدہ سے کچھ صورتیں مستثنیٰ ہیں جن کا کتاب وسنت میں ذکر موجود ہے البتہ داڑھی والا حکم اس عام اصول وقاعدہ کے تحت مندرج ہے کیونکہ کتاب وسنت میں کہیں اس کو عام اصول وقاعدہ سے مستثنیٰ نہیں کیا گیا لہٰذا بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ''اللہ کا حکم تو فرض پر دلالت کرتا ہے رسول اللہ ﷺ کا حکم فرض پر دلالت نہیں کرتا'' بے بنیاد اور غلط ہے کیونکہ یہ غمازی کر رہا ہے کہ ایسا عقیدہ رکھنے والے لوگ رسول اللہ ﷺ کے حکم کو اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں سمجھتے اور یہ عقیدہ رکھنا رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور نبوت کے انکار پر منتج ہے ہاں اگر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے امر وحکم کو وجوب وفرض سے ندب واستحباب کی طرف پھیرنے والا

---

❶ [النساء ١٣۔١٤ پ٤] ❷ [الاحزاب ٣٦ پ٢٢] ❸ [النجم ٣۔٤ پ٢٧]

کوئی قرینہ کتاب وسنت میں مل جائے تو ندب واستحباب پر محمول ہوگا مگر داڑھی کے سلسلہ میں کتاب وسنت میں کوئی قرینہ صارفہ نہیں ہے۔

(۲) چھوٹی داڑھی اگر قدرتی اور فطرتی ہے تو درست ہے البتہ کٹوا کر یا کسی اور طریقہ سے اسے چھوٹی کرنا رسول اللہ ﷺ کے فرمان: ﴿أَعْفُوْا اللِّحٰی﴾ کے منافی ہونے کی بنا پر نا جائز گناہ اور حرام ہے اگر کسی صحابی ؓ سے یہ چیز سرزد ہوئی تو یہ ان کی خطا ہے اور اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام ؓ کی تمام خطائیں معاف کردی ہیں فرمایا: ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾❶ [اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی] ﴿وَأَعَدَّلَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا أَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾❷ [اور تیار کر رکھے ہیں واسطے ان کے باغ کہ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں رہیں گے ہمیشہ اس میں یہی ہے بڑی کامیابی] ایک مقام پر فرمایا: ﴿وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ﴾❸ [اور البتہ تحقیق اس نے درگزر کی تم سے]

(۳) ''داڑھی اسلام میں ہے اسلام داڑھی میں نہیں ہے'' سوال نمبر ۳ میں آپ نے یہ الفاظ لکھے ہیں جبکہ پہلے آپ لکھ آئے ہیں ''داڑھی اسلام میں ہے سارا اسلام داڑھی میں نہیں ہے'' دوسرے الفاظ قدرے درست ہیں مگر ان سے داڑھی کٹانے کٹوانے یا کاٹنے کترنے کا جواز نہیں نکلتا دیکھئے اس وزن پر کوئی صاحب اگر کہیں ''نماز اسلام میں ہے سارا اسلام نماز میں نہیں ہے، زکاۃ اسلام میں ہے سارا اسلام زکاۃ میں نہیں ہے، روزہ رمضان اسلام میں ہے سارا اسلام روزہ رمضان میں نہیں ہے، حج اسلام میں ہے سارا اسلام حج میں نہیں ہے'' حتی کہ یہ بھی کہہ دے ''توحید باری تعالیٰ اسلام میں ہے سارا اسلام توحید باری تعالیٰ میں نہیں ہے'' تو آپ غور فرمائیں ان الفاظ وکلمات سے نماز، زکاۃ، روزہ رمضان، حج اور توحید کے ترک کا جواز نکلے گا یا ان ارکان خمسہ کے اندر نقص وکمی کا جواز نکلے گا یا ان کا فرض نہ ہونا نکلے گا؟؟؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ اس میں اسلام کی ایک چیز کو اپنانے اور اسلام کی دوسری چیزوں کو نہ اپنانے پر قدغن ہے اور اسلام کی تمام چیزوں کو اپنانے کی تلقین وتاکید ہے۔ واللہ اعلم ۱۴۲۰/۶/۷ھ

س: آپ نے ایک تحریر دی تھی جس میں لکھا تھا کہ داڑھی رکھنا فرض ہے مجھے اس سے کوئی اختلاف نہیں۔ لیکن کسی ایک عالم نے سوال کیا ہے کہ نماز پڑھنی بھی فرض ہے اور داڑھی رکھنا بھی فرض ہے اب بتائیں کہ ان دونوں فرضوں میں کوئی فرق ہے یا کہ نہیں الگ الگ بیان کریں تاکہ مسئلہ سمجھنے میں آسانی ہو جائے۔

---

❶ [البینہ ۸ پ ۳۰] ❷ [التوبۃ ۱۰۰ پ ۱۱] ❸ [آل عمران ۱۵۲ پ ۴]

ج : داڑھی رکھنا فرض ہے جو شخص اپنی یا کسی کی داڑھی منڈانے یا کٹانے پر خوش ہو اس کو دل سے برا نہ جانے وہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں اَضْعَفُ الْإِيْمَانِ بھی نہیں ہاں نماز اسلام کے ارکان میں شامل ہے اس کا تارک ایماندار نہیں ﴿بَيْنَ الْعَبْدِ وَالْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ﴾ ۱۴۰۵/۸/۹ھ

س : الشیخ البانی رحمہ اللہ نے قبضہ کا مسئلہ بیان کیا کہ ایک مٹھی سے زیادہ داڑھی نہیں رکھنا چاہیے بلکہ یا وہ سنت نہیں اس کی وضاحت فرمائیں؟ محمد بشیر طیب کویت

ج : آپ نے لکھا ہے کہ ''الشیخ البانی رحمہ اللہ نے قبضہ کا مسئلہ بیان کیا کہ ایک مٹھی سے زیادہ نہیں رکھنا چاہیے بلکہ زیادہ سنت نہیں'' شیخ البانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا لکھا؟ کیا فرمایا؟ تو ان کے الفاظ سامنے آنے سے ہی پتہ چل سکتا ہے برائے مہربانی ان کے وہ الفاظ لکھ بھیجیں جن سے آپ نے مندرجہ بالا باتیں اخذ کی ہیں البتہ اتنی بات معلوم ہونی چاہیے کہ داڑھی بڑھانا فرض ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ﴿أَعْفُوْا اللُّحٰى﴾ بعض احادیث و روایات میں ﴿وَفِّرُوْا﴾ اور ﴿أَرْخُوْا﴾ کے لفظ بھی وارد ہوئے ہیں اور کوئی قرینہ کتاب وسنت میں موجود نہیں جو رسول اللہ ﷺ کے اس امر کو اس کی حقیقت وجوب سے مجاز ندب واستحباب کی طرف پھیر لے اور ظاہر ہے رسول اللہ ﷺ کے مندرجہ بالا الفاظ کٹانے اور منڈانے کے منافی ہیں رہی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی قبضہ والی روایت تو وہ موقوف ہے اور معلوم ہے موقوف سے شریعت ثابت نہیں ہوتی تاوقتیکہ وہ حکماً مرفوع نہ ہو اور یہ قبضہ والی حدیث موقوف حکماً مرفوع نہیں۔ ۱۴۲۰/۸/۱۳ھ

س : داڑھی کے بارے میں اسلام میں کیا حکم ہے اس کا کٹوانا اور منڈھوانا کس حد تک جائز ہے اس کے نہ رکھنے سے گناہ تو نہیں ہوتا۔ اور اگر کوئی مجبوری کے تحت داڑھی نہ رکھ سکے تو اسے کیا کرنا چاہیے۔ اور یہ کہ داڑھی کی لمبائی یعنی سائز کتنا ہونا چاہیے؟ عثمان غنی لاہور

ج : مٹھی والی حدیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں داڑھی کٹوانا منڈوانا کاٹنا اور مونڈنا جرم اور گناہ ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اعفاء ، ارخاء اور توفیر لحیہ کا حکم دیا ہے اور وجوب سے ندب کی طرف پھیرنے والا کوئی قرینہ نہیں۔ ۱۴۱۷/۸/۱ھ

س : (۱) کیا ایک مشت سے زیادہ داڑھی کٹوانے والا گناہگار ہے؟ (۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک مشت سے زائد داڑھی کے بالوں کو کٹوا دیا کرتے تھے۔ اس کی وضاحت بھی کر دیں؟ (۳) کیا کسی صحابی کا قول وفعل

حجت ہے کہ نہیں؟ (۴) کیا داڑھی کا بڑھانا فرض ہے کہ نہیں؟ عبدالغفور شاہدرہ

ج: (۱) ایک مشت سے زائد یا کم داڑھی کٹوانا گناہ ہے۔ (۲) ان کے اس کام کا حکم نمبر ۱ میں بیان ہو گیا ہے۔ (۳) حقیقتاً یا حکماً مرفوع روایت یا مرفوع کے حکم میں نہ ہو تو دین میں حجت و دلیل نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ ❶ الآیۃ [تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف پھیرو] (۴) ہاں داڑھی بڑھانا فرض ہے۔ نمبر ۳ کے علاوہ کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا داڑھی بڑھانے کا امر ہے کیونکہ اس امر کو اس کی حقیقت (وجوب) سے پھیرنے والا کوئی قرینہ موجود نہیں۔ ﴿يَأْخُذُ مِنْ طُوْلِهَا وَعَرْضِهَا﴾ والی روایت کمزور ہے بے اصل ہے۔

رہا بعض صحابہ ؓ کا معاملہ تو اس سلسلہ میں معلوم ہونا چاہیے کہ صحابہ ؓ کا مقام یہ نہیں ہے کہ وہ معصوم ہیں ان سے گناہ سرزد نہیں ہوتا ورنہ ان سے بعض کو سنگسار نہ کیا جاتا، بعض کے ہاتھ نہ کاٹے جاتے اور بعض کو کوڑے نہ لگائے جاتے صحابہ کا مقام یہ ہے کہ ان کے گناہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیئے ہیں ﴿وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ﴾ اور انہیں اپنی رضا کی سند دے دی ہے: ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا أَبَدًا﴾ ❷ [اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں اور اللہ نے ان کے لیے بہشت تیار کیا ہے جن کے تلے نہریں جاری ہوں گی ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے] واللہ اعلم ۱۴۱۷/۹/۱۷ھ

س: عبداللہ بن عمر کا قول کہ داڑھی ایک مٹھ سے زائد کٹوانی جائز ہے کیا یہ صحیح ہے یا نہیں اگر صحیح ہے تو پھر کٹوانی صحیح اور داڑھی کے متعلق روایات بھی انہیں سے آتی ہیں؟ محمد یعقوب طاہر

ج: میری دانست میں تو یہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل ہے قول نہیں حجت راوی کی حدیث ہوتی ہے نہ کہ اس کا قول یا عمل۔ دیکھیے عبداللہ بن مسعود ؓ آیت ﴿فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾ کے نقل کرنے والے ہیں اور فتویٰ دیتے ہیں جنبی پانی نہ ملنے کی صورت میں نماز نہ پڑھے حتی کہ اسے پانی مل جائے غسل کرے اور نماز پڑھے اب ہم عمل آیت پر کرتے ہیں عبداللہ بن مسعود ؓ کے فتویٰ پر نہیں کرتے یہی معاملہ حدیث کا بھی ہے عمل حدیث پر ہو گا نہ کہ حدیث کے راوی کے قول یا عمل پر۔ ۱۴۱۴/۸/۴ھ

س: داڑھی کتنی لمبی ہونی چاہیے؟ اور حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما جس میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما قبضہ سے زیادہ داڑھی کٹوا دیتے تھے اس کے بارے میں آپ وضاحت فرمائیں کیا یہ حدیث صحیح بھی ہے یا نہیں؟

---

❶ [النساء ۵۹ پ ۵] ❷ [التوبة ۱۰۰ پ ۱۱]

ج: رسول اللہ ﷺ کی احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ داڑھی رکھنا فرض وضروری ہے اسے منڈانا مونڈنا اور کاٹنا کٹانا درست نہیں۔ قبضہ والی تحدید کسی مرفوع صحیح حدیث میں وارد نہیں ہوئی رہا کسی امتی کا قول یا عمل خواہ وہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ کا ہی قول یا عمل ہو تو رسول اللہ ﷺ کے قول یا عمل کے سامنے پیش نہیں کیا جا سکتا دیکھئے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ، رسول اللہ ﷺ کے جلیل القدر صحابی اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں فضیلت وشرف میں دوسرے نمبر پر ہیں فیصلہ فرماتے ہیں کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی ہوں گی مگر ان کے اس فیصلہ کو صرف اور صرف اس لیے نہیں اپنایا جاتا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایسی طلاقیں ایک ہی طلاق ہوتی تھی۔ حج تمتع سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منع فرمایا تو کسی نے ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا رسول اللہ ﷺ نے حج تمتع کیا ہے تو سائل نے کہا آپ کے والد صاحب تو اس سے منع کرتے ہیں تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا آیا میرے باپ کے امر کا اتباع کیا جائے گا یا رسول اللہ ﷺ کے امر کا؟ مسند امام احمد رحمہ اللہ میں ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کی کہ عورتوں کو مساجد میں جانے سے نہ روکو تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک بیٹا کہنے لگا ہم تو انہیں ضرور روکیں گے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمانے لگے میں تجھے رسول اللہ ﷺ کی حدیث سنا رہا ہوں اور تو کہتا ہے ہم انہیں ضرور روکیں گے "فَمَا كَلَّمَهُ عَبْدُاللهِ حَتّٰى مَاتَ" تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے اس بیٹے سے کلام نہیں کیا حتی کہ وہ فوت ہو گئے صحابی رضی اللہ عنہ کا قول یا عمل رسول اللہ ﷺ کی تقریر اس وقت بنتا ہے جب وہ کسی آیت مبارکہ یا رسول اللہ ﷺ کی کسی ثابت شدہ حدیث سے نہ ٹکرائے پھر وہ اس صحابی رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں سرزد ہوا اور اس مقام پر قبضہ والے عمل میں ان دونوں شرطوں سے کوئی ایک بھی موجود نہیں لہٰذا قبضہ والے عمل کو رسول اللہ ﷺ کی تقریر قرار دینا یا سمجھنا صحیح نہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان یہ نہیں کہ وہ معصوم تھے ان سے کوئی خطا سرزد نہیں ہوتی تھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان یہ ہے کہ ان سے جو بھی چھوٹی موٹی خطا سرزد ہوئی اللہ تعالیٰ نے وہ انہیں معاف کر دی ﴿وَلَقَدْ عَفَا عَنكُمْ﴾ اس لیے کسی صحابی رضی اللہ عنہ وغیر صحابی کے قول یا عمل کی آڑ لے کر رسول اللہ ﷺ کے فرامین، اقوال اعمال اور تقاریر کو پس پشت ڈالنا درست نہیں۔

راوی کے عمل یا قول کے اس کی بیان کردہ روایت کے خلاف ہونے کی صورت میں راوی کے عمل یا قول کو لینا اس

کی روایت کو نہ لینا اہل تحقیق کا نہیں اہل تقلید کا شیوہ ہے محدثین نے اصول حدیث میں اس قاعدہ بے فائدہ کا ردّ فرمایا ہے اس موضوع پر حافظ عبدالسلام بھٹوی حفظہ اللہ ایک تفصیلی اور جامع مضمون لکھ رہے ہیں وہ عنقریب ہی منظر عام پر آ جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ ۱۴۰۸/۲/۱۳ھ

س :(۱) داڑھی کی مقدار شرعی کیا ہے؟(۲) داڑھی منڈانے والے کا ایمان کامل ہے یا ناقص؟ ابوعبدالقدوس

ج :(۱) داڑھی کی مقدار مشت یا اس سے کم وبیش قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں کہیں وارد نہیں ہوئی بس ''اَعْفُوا اللِّحٰی'' ہی آیا ہے باقی موقوف دین میں حجت ودلیل نہیں تاوقتیکہ وہ حکماً مرفوع نہ ہو۔

(۲) ناقص ہے اور بسا اوقات ختم ہو جاتا ہے جب داڑھی منڈانے کے بعد شیشہ دیکھ کر خوش ہونے لگے ﴿کَمَا یَدُلُّ عَلَیْهِ حَدِیْثُ : وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِیْمَانِ وَحَدِیْثُ : وَلَیْسَ وَرَآءَ ذٰلِكَ مِنَ الْایمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ﴾[1] [جیسا کہ یہ حدیث بتاتی ہے کہ یہ سب سے کم درجہ کا ایمان ہے اور اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں] ۱۴۱۷/۱۰/۱۸ھ

س :کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں جو امام حد شرعی یعنی مشت سے کم داڑھی رکھتا ہو اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں ؟ خواہ فرض ہو یا سنت؟ حافظ غلام رسول فیضی تحصیل وضلع بھکر

ج :اس سوال میں مشت برابر داڑھی کو مقدار شرعی قرار دیا گیا ہے حالانکہ شرع میں داڑھی کی کوئی سی تحدید بھی وارد نہیں بس حکم ہے ﴿اَعْفُوا اللِّحٰی﴾ داڑھی کٹانے یا منڈانے والے کو نمازوں کا امام بنانے یا نہ بنانے کے متعلق قرآن مجید کی کوئی آیت یا رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث فی الوقت مجھے معلوم نہیں۔ ۲۳ رمضان المبارك ۱۴۰۸ھ

س :ایک آدمی نے کہا کہ اگر داڑھی کی کانٹ چھانٹ منع ہے یا کانٹ چھانٹ کرنے والا گناہگار رہوتا ہے یا اس کا مرتبہ متشرع سے کچھ کم ہے تو جماعت اہل حدیث ایک بہترین باعمل جماعت ہے اس میں بہترین سے بہترین آدمی موجود ہیں وہ سب اپنا قائد ایک بالکل ہی دشمن داڑھی احسان الٰہی کو نہ بناتے اور حکیم محمد صادق سیالکوٹی رحمہ اللہ اپنے جنازہ کی وصیت کہ احسان الٰہی پڑھائے ہرگز نہ کرتے حکیم صاحب نے بھی احسان الٰہی کو دوسرے جماعت کے علماء وفضلاء کے زہد وتقویٰ سے بہتر سمجھا جو کہ سب کے سب متشرع ہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ داڑھی کی کانٹ چھانٹ کا مسئلہ بالکل فضول ہے؟ چوہدری عبدالرحمٰن مہار ستراہ سیالکوٹ 4/1/87

---

[1] [کتاب الایمان ـ صحیح مسلم ج۱ باب کون النهی عن المنکر من الایمان]

ج: اہلحدیث کلمہ رسول اللہ ﷺ کا پڑھتے ہیں وہ کسی اور کا کلمہ نہیں پڑھتے۔ رسول اللہ ﷺ نے مونچھیں کٹانے اور داڑھیاں بڑھانے نیز مجوسیوں اور مشرکوں کی مخالفت کرنے کا حکم دیا ہے داڑھی کے طول وعرض یا اس کے کسی حصہ سے بال کاٹنا تراشنا نیز داڑھی کا خط بنانا پھر داڑھی کو ٹھپ دلوانا ان سے کوئی کام بھی رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں کسی کا لیڈر امیر یا امام ہونا اور بات ہے اور اس کے قول فعل کا شرعی حجت ہونا اور بات ہے۔ ۱۴۰۷/۵/۹ھ

س: داڑھی کے متعلق مسئلہ صادر فرمائیں کیونکہ ہمارے بعض حضرات داڑھی رکھ کر کتراتے ہیں اور اوپر و نیچے سے (ٹھپ) استرے سے صاف کرتے ہیں برائے مہربانی سنت کے بارے وضاحت فرمائیں؟

ایم رحمت علی رسولنگر یکم فروری 1993

ج: داڑھی رکھنا بڑھانا فرض ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس چیز کا (امر) حکم دیا ہے اور کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں جو اسکو ندب پر محمول کر سکے اس لیے یہ نظریہ کہ ''داڑھی رکھنا بڑھانا سنت ہے یا کوئی رکھ لے تو ثواب ہے نہ رکھے تو گناہ نہیں'' سراسر خطا ہے پھر اس سے آپ یہ بھی بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ داڑھی کترانا، منڈانا، خط یا لفافہ بنانا اور اوپر نیچے سامنے کسی طرف سے استرے یا قینچی وغیرہ کے ساتھ ٹھپ درست نہیں کیونکہ ان سب چیزوں میں داڑھی بڑھانے والے نبوی امر وحکم کی خلاف ورزی ہے۔ واللہ اعلم ۱۴۱۳/۸/۱۱ھ

س: وہ کون سی کتاب حدیث کی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مجھے میرے اللہ نے حکم دیا ہے کہ میں داڑھی بڑھاؤں اور مونچھیں کٹواؤں؟ محمد سلیم بٹ

ج: یہ لفظ قرطبی ۳: ۱۲۴ پر موجود ہیں ویسے رسول اللہ ﷺ کا حکم اللہ تعالیٰ کا ہی حکم ہے۔ ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ [1] [جس نے رسول اللہ ﷺ کی فرماں برداری کی اس نے اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کی]

س: داڑھی کو نیچے کرنا درست نہیں دلائل سے اس کی وضاحت فرمائیں؟ عبدالرؤف مدینہ منورہ

ج: آپ کا سوال ''داڑھی کو نیچے اکٹھا کرنا'' کیسا ہے؟ تو محترم آپ ﷺ کے الفاظ متعدد روایات میں متعدد آئے ہیں کسی میں ہے ''أَعْفُوْا'' کسی میں ''وَفِّرُوْا'' کسی میں ہے ''أَوْفُوْا'' کسی میں ہے ''أَرْخُوْا'' اور کسی میں ہے ''أَرْجُوْا'' ان تمام الفاظ سے داڑھی کو نیچے اکٹھا کرنے کا نادرست ہونا ہی نکلتا ہے امام شوکانی رحمہ اللہ نیل الأوطار ۱/ ۱۱۶ پر لکھتے ہیں: ''قَوْلُهٗ : وَفِّرُوْا اللُّحٰى . وَهِيَ إِحْدَى الرِّوَايَاتِ ، وَقَدْ حَصَلَ مِنْ مَّجْمُوْعِ الْأَحَادِيْثِ

---

[1] پارہ ۵ رکوع ۸

خَمْسُ رِوَايَاتٍ أَعْفُوْا ، وَأَوْفُوْا ، وَأَرْخُوْا ، وَأَرْجُوْا ، وَوَفِّرُوْا ، وَمَعْنَاهَا كُلِّهَا تَرْكُهَا عَلٰى حَالِهَا .١هـ'' [آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ داڑھیاں بڑھاؤ اور یہ روایات سے ایک ہے اور احادیث کو جمع کرنے سے پانچ روایات ملتی ہیں داڑھیاں چھوڑ دو۔ داڑھیاں بڑھاؤ۔ داڑھیوں کو دراز کرو۔ داڑھیوں کو لمبا کرو۔ داڑھیاں پوری رکھو۔ ان سب کا معنی یہی ہے کہ ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو]

امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سنن کتاب الزینة باب عقد اللحیة میں رویفع ابن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے: ''يَقُوْلُ : إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ : يَا رُوَيْفِعُ لَعَلَّ الْحَيَاةَ سَتَطُوْلُ بِكَ بَعْدِيْ ، فَأَخْبِرِ النَّاسَ أَنَّهُ مَنْ عَقَدَ لِحْيَتَهُ ، أَوْ تَقَلَّدَ وَتَرًا ، أَوِ اسْتَنْجٰى بِرَجِيْعِ دَآبَّةٍ أَوْ عَظْمٍ فَإِنَّ مُحَمَّدًا بَرِیْٓءٌ مِنْهُ'' [رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے رویفع شاید میرے بعد تیری زندگی دراز ہو لوگوں کو بتلانا جس نے داڑھی میں گرہ لگائی یا تانت کا ہار ڈالا یا جانور کی نجاست یا ہڈی سے استنجاء کیا تحقیق محمد ﷺ اس سے بیزار ہیں] تو ثابت ہوا کہ داڑھی کو پیچھے یا اوپر اکٹھا کرنا درست نہیں بلکہ گناہ ہے۔ ١٤١٩/١٠/١٥ھ

س: کیا فرماتے ہیں علمائے دین دریں مسئلہ کہ ایک مسلمان بچہ داڑھی رکھ کر تین چار سال بعد استرے سے منڈا دیتا ہے از روئے قرآن وحدیث کتنے بڑے گناہ کا مرتکب ہوا اس کے بارے میں شریعت محمدی کیا کہتی ہے؟

عبدالرشید رشدی

ج: داڑھی کٹانا، کاٹنا، منڈانا اور مونڈنا ناجائز ہے خواہ رکھنے کے بعد ہو خواہ پہلے دونوں صورتوں میں گناہ ہے کیونکہ یہ کام رسول اللہ ﷺ کے فرمان ﴿أَعْفُوْا اللُّحٰى﴾ کے مخالف ومنافی ہے قرآن مجید میں ہے ﴿وَمَنْ يَّعْصِ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ [1] [اور جو نافرمانی کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی اور پار کرے اس کی حدوں کو داخل کرے گا اس کو آگ میں ہمیشہ رہے گا اس میں اور واسطے اس کے عذاب ہے ذلت والا] واللہ اعلم ١٤١٨/٥/١٢ھ

س: مونچھوں کے کتروانے کی شرعی لحاظ سے کوئی حد مقرر ہے یا نہیں؟ محمد یعقوب مرالی والا 1/3/94

ج: احادیث کے بعض الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ بالوں کے نیچے کی کھال ننگی ہو جائے مگر قص کے ذریعہ نہ کہ حلق کے ذریعہ۔ ١٤١٤/٩/١٩ھ

---

[1] [النساء ١٤ پ ٤]

بالوں کو کاٹنے اور رنگنے کا بیان

س: سر منڈانا منع ہے اور خارجیوں سے مشابہت ہے حدیث شریف کی وضاحت فرمادیں ﴿قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سِیْمَاهُمْ (ای الْخَوَارِج) اَلتَّحْلِیْقُ﴾ ❶ ان کی علامت (یعنی خارجیوں کی) سر منڈانا ہے۔

محمد یعقوب ہری پور 3/2/94

ج: سر منڈانا درست ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ﴿اِحْلِقُوْهُ كُلَّهُ اَوِ اتْرُكُوْهُ كُلَّهُ﴾ ❷ [سارے سر کا حلق کرو یا سارے کو چھوڑ دو] نیز قرآن مجید میں ہے: ﴿لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِیْنَ لَا تَخَافُوْنَ﴾ ❸ الآیۃ [تم لوگ مسجد حرام میں ضرور داخل ہوگے ان شاء اللہ اس حال میں کہ تم سر منڈائے اور بال ترشوائے ہوئے ہوگے کسی کا خوف تم کو نہ ہوگا] رسول اللہ ﷺ نے احرام کھولنے پر سر منڈایا تھا نیز آپ ﷺ نے دعا فرمادی ﴿اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِیْنَ قَالُوْا وَالْمُقَصِّرِیْنَ﴾ ❹ الحدیث [اے اللہ رحمت کر سر منڈانے والوں پر صحابہ ﷺ نے عرض کی اور بال ترشوانے والوں پر] ہاں افضل وسنت یہی ہے کہ وفرہ ، جمہ اور لمہ بال رکھے جائیں کیونکہ احرام کھولنے کی حالت کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کے بالوں کی یہی کیفیت احادیث میں بیان ہوئی ہے تو افضل یہی ہے کہ احرام کھولتے وقت سر منڈایا جائے اور آگے پیچھے وفرہ ، جمہ اور لمہ بال رکھے جائیں رہی حدیث ''سِیْمَاهُمْ اَلتَّحْلِیْقُ'' تو اس کا مقصود یہ ہے کہ جو خارجی ہے وہ سر منڈاتا ہے یہ مقصود نہیں کہ جو سر منڈاتا ہے وہ خارجی ہے۔

س: رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے کہ سفید بالوں کو رنگو مگر سیاہ نہ کرو اکثر لوگ اور خاص کر علمائے کرام حدیث کے مخالف عمل کرتے ہیں اور سر اور داڑھی کو نہیں رنگتے نہ رنگنے کے بارے بھی کوئی حدیث ہے؟ ملک محمد یعقوب ہری پور

ج: احادیث میں رسول اللہ ﷺ کے بالوں کو رنگنے کا بھی ذکر ہے اور نہ رنگنے کا بھی جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا رنگنے سے متعلق امر ندب پر محمول ہے البتہ کل کے کل بال سفید ہو جائیں کوئی ایک بال بھی سیاہ نہ رہے تو پھر رنگنے کی مزید تاکید ہے جیسا کہ ابو قحافہ والد ابی بکر رضی اللہ عنہما والی حدیث سے عیاں ہے۔ ❺ ١٤١٦/٢/١٥ھ

س: حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہود و نصاریٰ سفید بالوں کو نہیں رنگتے۔ تم ان کی

---

❶ بخاری ❷ [ابوداود المجلد الثانی کتاب الترجل باب فی الصبی له ذوابة] ❸ [الفتح ٢٧ پ٢٦] ❹ [بخاری شریف کتاب الحج باب الحلق والتقصیر عند الحلال] ❺ [مسلم۔ کتاب اللباس۔ باب استحباب خضاب الشیب بصفرة وحمرة وتحریمه بالسواد]

مخالفت کرو سفید بالوں کو رنگو مگر سیاہ نہ کرو۔ اس کی وضاحت فرمائیں پہلے بھی آپ نے فرمایا کہ جب تمام بال سفید ہو جائیں اور ایک بال بھی سیاہ نہ ہو تو پھر اس پر عمل ہو سکتا ہے۔ مگر میں مطمئن نہیں ہوا کیونکہ مندرجہ بالا حکم کے مقابلے میں مجھے ایسی کوئی دلیل نہیں ملی جس سے یہ ثابت ہو جائے کہ تمام بال سفید ہو جائیں اور ایک بھی سیاہ نہ ہو۔ بلکہ یہ ایک حدیث ہے رسول اللہ ﷺ کے سفید بال گنے جا سکتے تھے یعنی سفید کم تھے اور سیاہ زیادہ تھے اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سفید کم اور سیاہ زیادہ ہوں تو نہ رنگنے کی گنجائش ہے مگر یہ دلیل نہیں مل رہی کہ تمام کے تمام بال سفید ہو جائیں تو رنگنے چاہیں مگر اب حال تو یہ ہے کہ جو حضرات رنگنے کے قائل نہیں وہ تو تمام کے تمام بال سفید ہونے پر بھی نہیں رنگتے۔

محمد یعقوب ہری پور

ج: صحیح مسلم کتاب اللباس میں ہے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد گرامی ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا تو اس کا سر اور اس کی داڑھی ثغامہ بوٹی کی طرح بالکل سفید تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کے سفید بالوں کو بدلو اور اسے سیاہ رنگ سے بچاؤ۔ ١٤١٦/٨/٥ھ

س: کیا مرد عورتوں والا بال صفاء استعمال کر سکتا ہے کیونکہ کتابوں میں پڑھا ہے کہ صحابہ کرام نورہ وغیرہ استعمال کرتے تھے وہ نورہ کیا تھا اس مسئلہ کو میرے دوست نے پوچھا ہے۔ محمد سلیم بٹ

ج: مرد اور عورت دونوں کے لیے درست ہے البتہ لوہا استعمال کرنا دونوں کے لیے بہتر ہے۔ ١٤١٦/٢/١٥ھ

س: ایک مسلمان شادی شدہ بچی اپنے سر کے بال اپنی مرضی سے کٹواتی ہے۔ دوسری صورت کہ ایک شادی شدہ عورت خاوند کے کہنے پر بناؤ سنگھار کے لیے سر کے بال کٹواتی ہے۔ ان دونوں صورتوں میں احکام الٰہی اور رسول مقبول ﷺ کے کیا احکامات ہیں اور کتنا بڑا گناہ ہے؟ عبدالرشید رشدی

ج: عورت کے لیے سر کے بال کٹانا، کاٹنا، منڈانا اور مونڈنا درست نہیں جیسا کہ وصل شعر پر لعنت اور غسل جنابت میں شعر مضفور میں رعایت والی احادیث سے ثابت ہوتا ہے دونوں صورتوں میں درست نہیں بچی اپنی مرضی سے یہ کام کرے یا خاوند وغیرہ کے کہنے پر یہ کام کرے البتہ احرام کھولتے وقت عورت پر تقصیر ہے۔ واللہ اعلم ١٤١٨/٥/١٢ھ

س: کیا عورت سر کے بال کاٹ سکتی ہے؟ عباس الٰہی ظہیر

ج: حالت اختیار میں عورت کا احرام کھولتے وقت سر کے بال کٹانا ثابت ہے اس کے علاوہ ثابت نہیں۔

١٤١٤/٧/٢٣ھ

س: کیا عورتیں اپنے بال کٹا سکتی ہیں بالغ یا نابالغ کی صورت میں کیا دلیل ہے؟ حافظ محمد عارف قریشی سرگودھا

ج: حج یا عمرہ کے علاوہ بالغ عورت کے بال کٹانے کا کوئی ثبوت نہیں۔ ١٤١٦/٧/٨ھ

س: کیا عورتیں بال کاٹ سکتی ہیں مسلم کی ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بال کندھوں تک تھے۔ محمد امجد آزاد کشمیر

ج: رسول اللہ ﷺ کے واصلہ ومستوصلہ کو لعنت کرنے والی احادیث سے پتہ چلتا ہے اس وقت عورتیں بال کٹوایا نہیں کرتی تھیں صرف حج یا عمرہ سے احرام کھولتے وقت عورتیں بال کٹواتی تھیں آپ کی پیش کردہ روایت مرفوع نہیں کیونکہ اس میں رسول اللہ ﷺ کی وفات سے قبل کا ذکر نہیں نہ صراحۃً نہ اشارۃً۔ ١٤٢٠/١/١٥ھ

س: نابالغ بچیوں کے بال کاٹنے کی کیا دلیل ہے؟ محمد مالک بھنڈر

ج: صحیح مسلم میں حدیث ہے: ﴿عَنِ ابْنِ عُمَرَ ﷺ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ نَهٰى عَنِ الْقَزَعِ قَالَ قُلْتُ لِنَافِعٍ وَمَا الْقَزَعُ قَالَ يُحْلَقُ بَعْضُ رَأْسِ الصَّبِيِّ وَيُتْرَكُ بَعْضٌ﴾[1] [رسول اللہ ﷺ نے منع کیا قزع سے عبداللہ نے کہا میں نے نافع سے پوچھا قزع کیا ہے انہوں نے کہا بچے کا سر مونڈنا کچھ چھوڑ دینا] اس سے ثابت ہوا کہ نابالغ بچوں کے سر کے بال مونڈنا بھی درست ہے خواہ نابالغ بچے لڑکے ہوں خواہ لڑکیاں کیونکہ اصول ہے۔ ''العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب'' تو جب مونڈنا درست ٹھہرا تو کاٹنا بطریق اولی درست ہوگا احرام کھولنے پر حلق وتقصیر والی آیات واحادیث بھی تقصیر کے جواز پر دلالت کر رہی ہیں اور حلق پر بھی البتہ بالغ عورت کے لیے حلق راس علی الاطلاق ممنوع ہے احرام کھولنے پر تقصیر راس درست ہے آگے پیچھے وہ بھی درست نہیں جیسا کہ واصلہ ومستوصلہ پر لعنت والی احادیث سے پتہ چلتا ہے ہاں اتنی بات یاد رکھنی چاہیے کہ تقصیر راس میں بڑے چھوٹے سب غیر مسلم لوگوں کی طرز تقصیر کو نہ اپنائیں۔ ١٤٢١/٥/٥ھ

پردے کا بیان

س: ماموں کی بیوی یعنی ممانی اگر پردہ نہ کرے تو کیا اس سے پردہ کرنا چاہیے یا اس کے سامنے جانے سے احتیاط کرنی چاہیے؟ محمد رمضان بہاولنگر

ج: پردہ کروائے ورنہ اس کے سامنے نہ ہو نہ اس کی طرف دیکھے احتیاط کرے۔ ١٤١٩/٣/٢٥ھ

---

[1] [مسلم شریف کتاب اللباس والزینة ـ باب كراهة القزع]

کتاب الآداب ....آداب کا بیان

س: ایک بھائی دیندار ہو دوسرا بے دین ہو اس کے ساتھ کیسے تعلقات جوڑنے چاہئیں۔ اس کی بیوی بھی اس کی ہم خیال ہے۔ ان دونوں سے کیسا برتاؤ کیا جائے قرآن کی روشنی میں وضاحت کریں؟

ج: ایسے تعلقات رکھے کہ وہ بھی دیندار بن جائے۔ ١٤١٩/٥/١ھ

س: ہم تین بھائی ہیں۔ والد صاحب فوت ہو چکے ہیں (اللهم اغفر له) والدہ صاحبہ زندہ ہیں دوسرے دو بھائی والدہ صاحبہ کو مجھ سے ملنے نہیں دیتے۔ والدہ صاحبہ کو بڑے بھائی نے زبردستی اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔ اس سلسلہ میں والدہ صاحبہ انتہائی پریشان رہتی ہیں۔ نہ ہی ان حالات میں راقم والدہ صاحبہ کی خدمت کر سکتا ہے جبکہ والدہ صاحبہ کا مجھے اور میرے بچوں کو ملنے کو از حد دل چاہتا رہتا ہے۔ کبھی کبھار والدہ صاحبہ چھپ چھپا کر مل جاتی ہیں ان کے اس کردار پر (ملنے نہ دینا) زار زار روتی ہیں۔

قرآن وسنت کی روشنی میں بتائیں کہ ان حالات میں راقم ان کی خدمت کس طرح کر سکتا ہے؟ تاکہ کل قیامت کے دن اللہ کریم کے سامنے سرخرو ہو سکوں؟ والدہ صاحبہ مجھ پر راضی ہیں۔ 22/8/97

ج: اپنے دونوں بھائیوں کو راضی کر لیں بڑے بھائی کو خوش کر لیں اپنی غلطی کی ان سے معافی مانگ لیں ان شاء اللہ المنان درست ہو جائے گا آپ کی اور آپ کی والدہ کی پریشانی دور ہو جائے گی ان شاء اللہ الحنان سبحانہ وتعالیٰ

١٤١٨/٤/٢٧ھ

س: حافظ صاحب ہمارے ایک عزیز ہیں۔ وہ ہم کو اپنی نیت سے تنگ کرتے ہیں لیکن ہم بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں ان کے لیے لیکن ہم اللہ سے ڈرتے ہیں۔ تو اس کی کوئی وضاحت کریں ہمیں کوئی وظیفہ لکھ دیں؟ یا کوئی دھاگہ کے اوپر اللہ کا کلام لکھ دیں جس سے ان کا دل پھر جائے۔ جب ہم نہیں انہیں تنگ کرتے تو وہ ہمیں کیوں تنگ کرتے ہیں اس مسئلے کی بہت بہت اچھی طرح مکمل طور پر وضاحت کریں؟

ج: ان کو کھلاؤ پلاؤ ان کی خوب دعوتیں کرو ﴿صِلْ مَنْ قَطَعَكَ﴾ [جو آدمی تجھ سے رشتہ توڑے تو اس سے جوڑ] پر خوب عمل کرو اور ''اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْهِ بِمَا شِئْتَ'' پڑھتے رہو نیز ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ﴾ کا نمونہ بنے

رہوان شاء اللہ وہ ﴿كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ﴾ ❶ [جواب میں وہ کہہ جو اس سے بہتر ہو پھر تو دیکھ لے کہ تجھ میں اور جس میں دشمنی تھی گویا دوست ہے قرابت والا] کا مصداق بنے گا۔ ١٤١٩/٥/١ھ

س: ﴿لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ﴾ حدیث بخاری میں ہے کوئی تم میں سے اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ جو اپنے لیے چاہتا ہے وہی اپنے بھائی کے لیے چاہے اس حدیث کا کیا مطلب ہے اکثر ہمارے دوست کہتے ہیں اگر ایک مسلمان بھائی کا کارخانہ ہے یا دوکان ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند کرے کیا یہ صحیح ہے اس میں دین پسند کرنا ہے یا دنیا کے مال واسباب؟ محمد سلیم بٹ

ج: ایک روایت میں مِنَ الْخَيْرِ کے لفظ بھی ہیں۔ اور خیر دنیا وآخرت کی خیر دونوں کو شامل ہے۔

١٤١٦/١١/٢٢ھ

س: استاد محترم، بزرگ، عالم دین اور کسی واقعی درویش مسلمان کی خدمت میں کوئی شاگرد مرید یا دوست کسی نوع کا ہدیہ یا تحفہ پیش کرسکتا ہے؟ اگر شاگرد یا دوست کا پیش کیا ہوا تحفہ بزرگ قوم کی ''بارگاہ'' میں باریاب نہ ہوسکے تو اس شدید دل شکنی کا جرم کس شخصیت پر عائد ہوگا؟ اگر میرا دل مجھے مجبور کرے کہ محترم حافظ صاحب کی خدمت میں بطور ہدیہ (تهادو تهابو) کچھ پیش کروں مگر آپ کمال شفقت کے ساتھ اس تحفے کو رد کرفرمادیں تو آپ کا ایسا کرنا سنت کے مطابق ہوگا کہ نہیں؟ محمد صدیق مان گورنمنٹ کالج لالہ موسیٰ

ج: ہدیہ پیش کرنا پھر اسے قبول کرنا درست ہے بشرطیکہ ہدیہ رشوت کی صورت اختیار نہ کرے اور اس سے انسان کے دین وایمان میں کوئی نقص نہ آتا ہو۔ ١٤١١/٤/٧ھ

س: مَا قَوْلُكُمْ اَيُّهَا الْعُلَمَآءُ فِيْ طَائِفَتَيْنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَقَامَتْ طَّائِفَةٌ مِنْهُمَا وَحَرَّقَتْ بُيُوْتَ الطَّآئِفَةِ الْاُخْرٰى وَحَرَّقَتْ مَسْجِدَهَا عَمَدًا لاَ سَهْوًا؟

[محترم علماء کرام اگر مسلمانوں کے دو فریق آپس میں لڑ پڑیں اور ایک فریق جان بوجھ کر دوسرے فریق کے مکان جلائے اور مسجدیں بھی جلائے تو کیا حکم ہوگا؟] منیب اللہ حامدی جہلم علوم اثریہ

ج: وَالْجَوَابُ عَلٰى سُؤَالِكُمْ مَذْكُوْرٌ فِيْ قَوْلِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: ﴿ وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ﴾ . الآية ❷

---

❶ [حم السجدة ٣٤ پ ٢٤] ❷ [الحجرات ٩ پ ٢٦]

[آپ کے سوال کا جواب اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس قول میں مذکور ہے اور اگر دو فریق مسلمانوں کے لڑ پڑیں تو ان میں ملاپ کرا دو] ۱۴۱۹/۵/۱ھ

س: اگر کوئی آدمی کسی مرزائی، قادیانی یا عیسائی سے دوستی کرتا ہے تو کیا یہ درست ہے؟ اور آدمی مسلمان ہے لیکن اگر مسلمان اس نیت سے دوستی کرے تاکہ اس مرزائی، عیسائی یا قادیانی کی اصلاح ہو جائے تو کیا یہ درست ہے؟

عثمان غنی لاہور

ج: کفار اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں مومن اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں اللہ تعالیٰ کا دوست اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے دوستی کیونکر کر سکتا ہے؟ کفار کی دوستی سے ممانعت کی آیات کئی ہیں ان میں سے ایک مندرجہ ذیل ہے: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لاَ تَتَّخِذُوْا الْكَافِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾[1] الآیۃ [مسلمانو مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ] دوست کے بغیر ان کی اصلاح کرے ان کو تبلیغ کرے۔ ۱۴۱۷/۱/۴ھ

س: میں نے سنا ہے کہ ہمارے رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ مسلمان بے غیرت نہیں ہو سکتا اور نہ بے حیا ہو سکتا ہے۔ ہمارے گھر میں ٹیلی ویژن ہے میری والدہ اور بہنیں ٹیلی ویژن دیکھتی ہیں میں منع بھی کرتا ہوں لیکن وہ پھر بھی باز نہیں آتے کیا یہ بے غیرتی اور بے حیائی نہیں ہے میں کہتا ہوں کہ اس ٹیلی ویژن کو گھر سے نکال دو میری والدہ کہتی ہیں کہ میں نے ٹیلی ویژن گھر سے نہیں نکالنا اگر تو گھر سے جانا چاہتا ہے تو چلا جا۔ مجھے بتائیں کہ اگر میں گھر میں ہی رہوں اور ٹیلی ویژن بھی گھر میں لگے تو کیا میں ان احادیث کی زد میں تو نہیں آتا؟ یعنی بے غیرت اور بے حیا تو نہیں بن جاتا؟ یا کہ مجھے گھر سے علیحدہ ہو جانا چاہیے؟

ج: سمجھاتے رہیں اللہ بہتر کرے گا ان شاء اللہ تعالیٰ ۱۴۱۶/۴/۲۰ھ

س: (۱) میں نمازی ہوں ہر ایک اچھا کام کرتا ہوں کبھی کبھار مجھے شیطان ورغلا لیتا ہے۔ اور برائی کر لیتا ہوں آیا کہ میری ان برائیوں کا اثر میری نیکیوں پر تو نہیں۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آیا اللہ کے ہاں برائیوں اور نیکیوں کے علیحدہ علیحدہ رجسٹر ہیں کہ برائیاں نیکیوں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ یا نیکیاں برائیوں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اس کے متعلق وضاحت کریں؟

(۲) کبھی کبھی میں گانے بھی سن لیتا ہوں کسی کو آواز کے ذریعے تنگ نہیں کرتا بلکہ بالکل آہستہ آواز سے سنتا ہوں کیونکہ

---

[1] نساء/۱۴۴

تنہائی میں بالکل تھوڑے وقت کے لیے سنتا ہوں اور ایسا کافی بار کرتا ہوں۔ میری نیت میں کوئی برائی نہیں ہوتی؟

ج: (۱) کچھ نیکیاں ایسی ہیں جن سے انسان کی تمام برائیاں ختم ہو جاتی ہیں مثلاً ایمان و اسلام لانا، ہجرت کرنا اور حج مبرور کر لینا۔ نیز کچھ برائیاں ایسی ہیں جن سے انسان کی تمام نیکیاں حبط و باطل ہو جاتی ہیں مثلاً کفر، شرک اور صلاۃ عصر کا ترک۔ اب آپ والی برائی کا پتہ چلے کہ وہ کون سی ہے تب بتایا جا سکتا ہے وہ نیکیوں پر اثر انداز ہوتی ہے یا نہیں؟
(۲) معازف، مزامیر، ساز اور گانے سننا بذات خود ایک ناجائز اور گناہ کا کام ہے خواہ اس سے انسان برائی کی طرف مائل ہو خواہ مائل نہ ہو اس کے ذریعہ کسی کو تنگ کرے خواہ نہ کرے تنہائی میں سنے خواہ مجلس میں سنے آہستہ آواز میں سنے خواہ بلند آواز میں سنے بہر صورت یہ کام جرم، گناہ، حرام اور ناجائز ہے جس سے اجتناب لازمی و ضروری ہے۔ واللہ اعلم

۱۴۲۰/۶/۲۶ھ

س: گانا بجانا اور ساز سننا شریعت کی رو سے کیسا ہے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دیں نیز آخرت میں اس کی کیا سزا مقرر ہے؟ محمد سلیم ڈار نارووال

ج: ساز خواہ ہاتھ سے بجے یا منہ سے ناجائز ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے کچھ لوگ معازف کو حلال سمجھیں گے جس سے واضح ہے معازف اسلام میں حلال نہیں حرام ہیں۔ [1] [لَيَكُوْنَنَّ مِنْ اُمَّتِيْ اَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّوْنَ الْحِرَ وَالْحَرِيْرَ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ میری امت میں ایسی قومیں ہوں گی جو زنا ریشم شراب اور باجے گاجے حلال سمجھیں گے]۔ واللہ اعلم ۱۴۱۴/۱/۵ھ

س: ایک ارشاد رسول ﷺ اکثر مطالعے میں آتا ہے کہ میں آلات موسیقی توڑنے کے لیے مبعوث فرمایا گیا ہوں۔ اس حدیث کا حوالہ مطلوب ہے۔ محمد صدیق مان 11 فروری 1997

ج: یہ حدیث مشکوۃ المصابیح کتاب الحدود . باب بیان الخمر ووعید شاربها . الفصل الثالث۔ حدیث رقم ۳۶۵۴ - (۲۱) پر موجود ہے نیز مسند امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ المجلد الخامس الصفحہ ۲۵۷-۲۶۸ میں پائی جاتی ہے شیخ البانی حفظہ اللہ تعالیٰ حاشیہ مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں ''وإسناده ضعيف'' البتہ صحیح بخاری کتاب الاشربہ۔ باب نمبر۶ میں حدیث موجود ہے جس سے آلات موسیقی کا حرام ہونا ثابت ہے۔

۱۴۱۲/۸/۱۱ھ

---

[1] [بخاری ۔ کتاب الاشربة ۔ باب ما جاء فی ان الخمر ما خامر العقل من الشراب]

س: گانا بجانا سننا سنانا وغیرہ اس کے علاوہ قوالی نعت شعر گوئی وغیرہ کے بارے میں بتائیں؟ محمد احمد ظہیر قصور

ج: ساز بجانا، سننا سنانا اور ایسی مجالس میں شمولیت کرنا ناجائز ہے کتاب وسنت کے موافق اشعار درست ہیں البتہ اشعار کو اوڑھنا بچھونا بنانا جو کتاب وسنت سے غفلت کا باعث ہو درست نہیں۔ ۱۴۱۲/۷/۱۲ھ

س: کیا رسومات (گانا بجانا وغیرہ) شرک وبدعت کے مترادف عمل ہے؟ وضاحت فرمائیں؟

سیف اللہ خالد اوکاڑہ 24/10/97

ج: گانا بجانا ساز موسیقی حرام ہے۔ واللہ اعلم ۱۴۱۸/۷/۵ھ

س: ترمذی میں ایک حدیث ہے کہ آقا کائنات محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہود ونصاریٰ کی مخالفت کرو وہ ایک انگلی سے سلام کے لیے اشارہ کرتے ہیں اور کوئی ہتھیلی سے اشارہ کرتے ہیں اس حدیث کی وضاحت فرمائیں؟

عباس الٰہی ظہیر

ج: ترمذی والی حدیث بوجہ ابن لہیعہ ضعیف ہے باقی زبان سے سلام کہہ کر ہاتھ سے اشارہ کرنا درست ہے صرف اشارہ کرنا اور زبان سے سلام نہ کہنا درست نہیں تفصیل تحفۃ الاحوذی جلد نمبر ۳ صفحہ ۳۸۶ میں دیکھ لیں۔

۱۴۱۲/۱۲/۵ھ

س: اہل کتاب کو تو سلام سے منع کیا گیا ہے اب ایک مقلد کو سلام کیا جا سکتا ہے چونکہ تقلید شخصی شرک ہے؟

ریاست علی باجوہ قلعہ دیدار سنگھ 6/8/86

ج: کتاب وسنت کے منافی قول ورائے کو ماننا تقلید ہے یہ کام کرنے والا شخص اگر اپنے آپ کو ایمان والا ظاہر کرتا ہے تو وہ اہل کتاب کا سا حکم رکھتا ہے بشرطیکہ محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد وہ کسی کو نبی یا رسول نہ سمجھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾[1] [انہوں نے اپنے علماء اور پیروں کو اللہ کے علاوہ معبود بنا رکھا ہے]

س: بغیر سفر کے آدمی سے معانقہ کر سکتا ہے (گلے ملنا)؟ ریاست اللہ

ج: معانقہ بغیر سفر درست ہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا والی حدیث ترمذی وغیرہ میں دیکھیں۔ ۵ رجب ۱۴۰۶ھ

س: کسی کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونا منع ہے لیکن جب کبھی ہمارے بزرگ یا استاد آئیں تو احتراماً کھڑے ہو کر

[1] [التوبة ۳۱ پ ۱۰]

ملتے ہیں اور اپنی جگہ دے دیتے ہیں ایسا بھی منع ہے کہ نہیں؟ محمد امجد میر پور آزاد کشمیر

ج: کھڑے ہو کر گلے ملنا یا اٹھ کر دوسرے کو جگہ دینا درست ہے۔ ١٤٢٠/٦/١٩ھ

س: دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا کیسا ہے؟

ج: دونوں ہاتھوں کے ساتھ مصافحہ سلام ملاقات والا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔ واللہ اعلم ١٤٢٠/٤/١٩ھ

س: مصافحہ ایک ہاتھ سے ثابت ہے یا دونوں ہاتھوں سے؟ محمد یعقوب ہری پور 12/12/95

ج: ایک ہاتھ سے۔ اس سلسلہ میں شارح ترمذی مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپور کے رسالہ ''المقالة الحسنى فى سنية المصافحة باليد اليمنى'' کا مطالعہ فرمائیں۔ ١٤١٦/٨/٥ھ

س: اگر بدعتی آدمی سلام کہے تو کیا اس کے سلام کا جواب دینا چاہیے یا بدعتی آدمی کو سلام کہنا چاہیے؟ تنویر احمد

ج: اگر ایسا بدعتی کافر یا مشرک ہے تو جواب میں عليك یا عليكم ورنہ وعليك السلام یا وعليكم السلام کہا جائے اسی طرح اگر بدعتی کافر یا مشرک ہے تو سلام کہنے میں ابتداء نہ کرے۔ ١٤١٦/٤/٢٠ھ

س: (۱) آج کا بریلوی جس کا عقیدہ آپ پر بھی واضح ہے۔ کسی اہلحدیث کو السلام علیکم کہے تو جواباً وعلیکم السلام کہیں یا وعلیکم یا جواب ہی نہ دیں؟ کہ اہلحدیث اسے مشرک بدعتی جانتا ہے۔

(۲) بریلوی کو اہلحدیث السلام کہنے میں پہل کرے یا نہ کرے؟

(۳) اہلحدیث دیوبندی کو السلام علیکم کہے یا نہ کیونکہ اہلحدیث علماء ''محقق'' ان کو بھی بریلوی قادیانی عقیدہ کے حامل سمجھتے ہیں۔ جیسے کتاب ہے حنفیت اور مرزائیت تین خونی رشتے بریلوی شیعہ قادیانی۔ ڈاکٹر محمد حسین پرانی چیچہ وطنی 13/6/98

ج: (۱) وعلیکم السلام کہیں کیونکہ وہ کلمہ پڑھتے ہیں اللہ تعالیٰ، اس کے رسولوں، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، یوم آخرت اور تقدیر پر ایمان رکھتے ہیں نیز ان میں بہت سے ارکان اسلام کے پابند ہیں۔

(۲) ہاں پہل کرے کیونکہ وہ کلمہ پڑھتے ہیں اللہ تعالیٰ، اس کے رسولوں الخ

(۳) ہاں کہے کیونکہ وہ بھی کلمہ پڑھتے ہیں اللہ تعالیٰ، اس کے رسولوں الخ مرزائی غلام احمد قادیانی کو نبی یا مجدد ماننے کی وجہ سے امت ہی الگ ہیں اس لیے ان کا حکم بھی الگ ہے۔ ١٤١٩/٣/٢٧ھ

س: میں ایک درخواست ارسال کر رہا ہوں اس میں جو عزت و ادب کے لفظ ہیں کیا یہ جائز ہیں؟ عبداللہ سیالکوٹ

ج: ''نہایت ادب و عزت'' کے لفظ کھٹکتے ہیں نیز ''حضور'' کا لفظ بھی نامناسب ہے کیونکہ کوئی اہل ہوی اس کو حاضر

وناظر کی طرف کھینچ سکتا ہے۔ ﴿لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوْا انْظُرْنَا﴾ ❶ [تم نہ کہو راعنا اور کہو انظرنا]

۱۴۱۸/۸/۲۱ھ

س: لفظ عشق اردو شاعری میں اکثر استعمال ہوتا ہے علامہ اقبال کے اشعار میں بھی ہے اس کا مطلب ومعنی اور قرآن وحدیث کی روشنی میں اس لفظ کی وضاحت فرمائیں؟ محمد سلیم بٹ

ج: عام طور پر یہ لفظ نکمی اور بے کار محبت پر بولا جاتا ہے اس لیے اس سے اجتناب کرنا چاہیے اگر شک ہو تو کسی کی ماں کی بنسبت یہ لفظ کہہ کر تجربہ کر لیں وہ ہرگز اس کو اچھا نہیں سمجھے گا حالانکہ ہر انسان کو اپنی ماں سے طبعی محبت ہوتی ہے۔ ۱۴۱۶/۲/۵ھ

س: ایک صحابی نے پکا مکان تعمیر کرایا جس سے آپ ﷺ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا یہ حدیث کس کتاب میں ہے یہ پوری حدیث اردو ترجمہ میں تحریر فرمائیں؟ ملک محمد یعقوب ہری پور 18/2/90

ج: یہ حدیث سنن ابی داود کتاب الادب باب فی البناء ۴/ ۵۳۰ مع العون سنن ابن ماجہ کتاب الزھد باب فی البناء والخراب ۳۱۶ اور مسند احمد ۳/ ۲۲۰ میں موجود ہے ابوداود والی روایت چونکہ قدرے مفصل ہے اس لیے نیچے اس کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

''انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نکلے تو آپ نے ایک اونچا قبہ دیکھا تو آپ نے یہ پوچھا یہ کیا ہے؟ تو آپ کو آپ کے اصحاب نے بتایا یہ انصار کے فلاں آدمی کا ہے تو آپ خاموش رہے اور اس بات کو اپنے جی میں اٹھائے رکھا حتی کہ جب اس قبے کا مالک رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا لوگوں میں آپ پر سلام کہتے ہوئے تو آپ نے اس سے منہ موڑ لیا اس نے چار مرتبہ ایسا کیا حتی کہ اس آدمی نے آپ میں غضب، غصہ اور اس سے منہ موڑنے کو محسوس کر لیا تو اس نے اس چیز کا آپ کے اصحاب کے پاس شکوہ کیا تو کہا اللہ کی قسم میں تو رسول اللہ ﷺ کو اجنبی سا پاتا ہوں تو انہوں نے کہا آپ نکلے تو آپ نے تیرا قبہ دیکھا تو وہ آدمی اپنے قبے کی طرف لوٹا اور اسے گرا دیا حتی کہ زمین کے ساتھ ہموار کر دیا پھر ایک دن رسول اللہ ﷺ نکلے تو آپ نے اسے نہ دیکھا تو آپ نے پوچھا اس قبے کو کیا ہوا؟ انہوں نے کہا اس کے مالک نے ہمارے پاس آپ کے اس سے منہ موڑ لینے کا شکوہ کیا تو ہم نے اسے بتایا تو اس نے قبے کو گرا دیا تو آپ نے فرمایا توجہ سے سن لو ہر عمارت اس کے مالک پر وبال ہے مگر وہ جس سے نہ ہو مگر وہ

❶ [البقرۃ ۱۰۴ پ ۱]

جس سے نہ ہو یعنی جس سے کوئی چارہ نہ ہو"۔

یاد رہے یہ روایت ضعیف ہے اس کی سند میں ابوطلحہ اسدی نامی ایک راوی ہیں جو مجہول الحال ہیں ابن ماجہ کی سند میں اسحاق بن ابی طلحہ ہے جو راوی کا وہم ہے درست ابوطلحہ ہی ہے اس روایت کے ضعف کی تفصیل معلوم کرنے کا شوق ہو تو محدث وقت شیخ البانی حفظہ اللہ تعالیٰ کی کتاب سلسلہ "الاحادیث الضعیفة" ۱/۲۱۲/۱۷۶۔ ملاحظہ فرمالیں

س: فجر کی نماز کے بعد سونا کیسا ہے؟ مختار احمد ایبٹ آباد

ج: ممانعت کی ایک روایت ہے مگر کمزور ہے البتہ قرآن مجید کی تلاوت اور اللہ کا ذکر اس وقت سوئے رہنے سے بہتر ہے۔ ۱٤۱۰/۲/۱٤ھ

س: عرض یہ ہے کہ قومی تقریبات کے اختتام پر یا شروع میں قومی ترانہ پڑھا جاتا ہے جس کا احترام قومی فریضہ سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح ہمارے سکول میں بھی پڑھائی کے آغاز میں دعا ہوتی ہے جس کے آخر میں قومی ترانہ پڑھا جاتا ہے اور جس کے ادب واحترام میں ہر فرد کو بے حس وحرکت کھڑا ہونا پڑتا ہے یعنی قومی قانون کے تحت مذکورہ طریقے کے ساتھ احترام بجالانا فرض ہے۔

بندہ ناچیز اپنی سوچ کے ساتھ ایسا نہیں کرتا۔ جس کی وجہ سے سکول میں کافی گڑبڑ ہو چکی ہے۔ قائلین کہتے ہیں یہ قومی فریضہ ہے اور قومی قانون ہے لہٰذا یہ قرآن وسنت سے متصادم نہیں ہے۔

براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواز یا عدم جواز کی وضاحت فرما کر شکریہ کا موقع دیں اگر مجبوراً ایسا کرنا پڑے تو کیا عقیدہ توحید کے منافی تو نہیں ہوگا؟ محمد ایوب خالد جھبراں 30/10/91

ج: آپ جانتے ہیں تلاوت قرآن مجید کا کیا مقام ومرتبہ ہے پھر خطبہ جمعۃ المبارک کے آداب بھی معلوم ہیں مگر شریعت میں تلاوت اور خطبہ میں یہ ترانے والا طریقہ نہیں واضح ہے دوران ترانہ اس طرح بے حس وحرکت کھڑا ہونا غیر مسلم قوموں کی نقالی ہے اب غیر مسلم اقوام کے اس طریقہ کو قومی فریضہ یا قومی قانون سمجھنا یا قرار دینا سراسر ناجائز ہے۔

پھر محض تعظیم وتوقیر کی غرض سے کھڑا ہونا تو رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کے لیے بھی درست نہیں جیسا کہ احادیث سے معلوم ہے حتی کہ نماز جس میں قیام فرض ہے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ بوجہ عذر بیٹھ کر نماز پڑھنے لگے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی اقتداء میں نماز میں کھڑے ہوگئے تو آپ نے نماز کے اندر ہی اشارہ سے ان کو بٹھا دیا حالانکہ ان کا

قیام ترانے والے قیام کی قسم سے نہ تھا بلکہ نماز میں ایک فرض تھا تو آپ غور فرمائیں ترانے کے دوران ادب واحترام کی غرض سے بے حس وحرکت کھڑا ہونا پھر کیسے درست ہوسکتا ہے؟ ٢٥/٤/١٤١٢ھ

س: مسئلہ یہ ہے کہ کیا ترانہ کے وقت تعظیماً جہاں کہیں سن رہے ہوں کھڑا ہو جانا شریعت میں جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو ﴿قُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ﴾ کا کیا مطلب نیز استاد کی آمد کے وقت طلباء کا تعظیماً کھڑا ہو جانا شرعی اعتبار سے جائز ہے یا نہیں اگر جائز نہیں تو آپ ﷺ کا حضرت فاطمہ کی آمد کے وقت تعظیماً کھڑے ہو جانے کا کیا جواب ہے؟ برائے مہربانی مسئلہ کا جواب ضرور دیں کیونکہ ہمارے سکول میں یہ مسئلہ شدت اختیار کر چکا ہے جس کا حل آپ کے فتویٰ پر ہوگا۔ محمد اکرم عربی ٹیچر گورنمنٹ ہائی سکول اوکاڑہ

ج: آپ نے مندرجہ ذیل سوالات کیے ہیں۔

(١) استاد کی آمد کے وقت طلباء کا تعظیماً کھڑا ہو جانا شرعی اعتبار سے جائز ہے یا نہیں؟

(٢) اگر جائز نہیں تو آپ ﷺ کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی آمد کے وقت تعظیماً کھڑے ہو جانے کا کیا جواب ہے؟

(٣) کیا ترانہ کے وقت تعظیماً جہاں کہیں سن رہے ہوں کھڑا ہو جانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب واللہ الموفق الصواب! رسول اللہ ﷺ کی احادیث شریفہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ تعظیم کی خاطر قیام للانسان (کسی انسان کے لیے کھڑا ہونا) اور قیام علی الانسان (کسی انسان پر کھڑا ہونا) تو جائز نہیں البتہ قیام الی الانسان چند قدم آگے بڑھ کر کسی آنے والے کی ملاقات یا اس کے ساتھ معانقہ کرنے یا اس کو اپنی جگہ پر بٹھانے یا اس کو مریض ومعذور ہونے کی بنا پر سہارا دینے کی غرض سے اس کی طرف اٹھ کر جانا درست ہے بشرطیکہ یہ کھڑا ہونا پہلی دو صورتوں سے کوئی سی صورت اختیار نہ کر پائے۔

قیام للانسان کا مطلب ہے آنے والے کی تعظیم کی غرض سے اپنے مقام پر کھڑے ہو جانا خواہ بعد میں اسی وقت بیٹھ جائے اور قیام علی الانسان سے مراد ہے ایک یا کچھ شخص تو بیٹھے ہوں باقی لوگوں یا کسی ایک انسان کا بیٹھے یا بیٹھوں کی تعظیم کی خاطر کچھ مدت کھڑے رہنا یہ دونوں صورتیں (قیام للانسان اور قیام علی الانسان) جائز نہیں دلائل کے لیے جامع ترمذی اور سنن ابی داود کے متعلقہ ابواب نکال کر احادیث مبارکہ پڑھ لیں بوجہ قلت وقت وفرصت وہ اس مقام پر نقل نہیں کی جا رہی ہیں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی آمد کے وقت رسول اللہ ﷺ کا اٹھ کر ان کی طرف جانا قیام الی الانسان میں شامل

ہے جیسا کہ اس حدیث کے عربی الفاظ سے عیاں ہے چنانچہ ابوداود اور ترمذی میں ہے ﴿قَامَ اِلَیْهَا﴾ ❶ الخ آپ ﷺ اس (فاطمہ) کی طرف کھڑے ہوتے تو اس کو اپنی جگہ پر بٹھاتے الخ مزید تفصیل کے لیے حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب تہذیب السنن کتاب الادب باب القیام حدیث نمبر ۵۰۵۲ ملاحظہ فرمالیں لہٰذا استاد صاحب کی آمد کے وقت طلباء کا تعظیماً کھڑا ہونا یا کھڑا رہنا شرعی اعتبار سے جائز نہیں۔

تیسرے سوال کے جواب میں بھی ان مذکورہ بالا دونوں صورتوں (قیام للانسان اور قیام علی الانسان) کو ہی ملحوظ رکھیں نیز غور فرمائیں قرآن مجید کی تلاوت، اللہ تعالیٰ کے ذکر اور دعا پر مشتمل خطبہ جمعہ بیٹھ کر سنا جاتا ہے ہمارے ترانہ کو اس مبارک خطبہ سے کیا نسبت؟ اس لیے ترانہ کے وقت جہاں کہیں سن رہے ہوں تعظیماً کھڑا ہو جانے یا رہنے کا شریعت میں کوئی جواز نہیں۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم ۱۴۰۶/۶/۱۳ھ

س: بندہ آپ کا بہت شکر گزار ہے کہ آپ نے اپنا قیمتی وقت نکال کر ہمارے سوالات کا جواب دیا جس سے ہمارا اسٹاف مطمئن ہو گیا صرف تیسرے سوال ''کیا ترانہ کے وقت تعظیماً جہاں کہیں سن رہے ہوں کھڑا ہو جانا جائز ہے یا نہیں؟'' کے جواب سے بعض دوست مطمئن نہیں ہوئے۔ اعتراض کرتے ہیں کہ ترانہ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جانا یہ شرعی مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ تو قانون ہے اور قانون کا احترام کرنا ہم پر لازم ہے۔ اسی طرح پرچم کشائی کے وقت کھڑا ہونا یہ بھی قانون ہے۔ برائے مہربانی مذکورہ اعتراض کا تسلی بخش جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔

محمد اکرم عربی ٹیچر ضلع اوکاڑہ 3/3/86

ج: اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اسلام میں امیر اور خلیفہ کی اطاعت فرض ہے لیکن امیر یا خلیفہ کی اطاعت کرنے سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی معصیت ونافرمانی ہوتی ہو تو پھر امیر یا خلیفہ کی ایسے امور میں اسلام کے اندر اطاعت نہیں صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث میں واقعہ موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو فوج کے ایک دستہ کا امیر بنایا اس نے آگ جلا کر ماتحت لوگوں کو حکم دیا اس میں چھلانگیں لگاؤ بعض تو اطاعت امیر کے پیش نظر تیار ہو گئے اور بعض نے کہا آگ سے بچنے کے لیے تو ہم مسلمان ہوئے ہیں تو پھر آگ میں کیونکر کود یں؟ اتنے میں امیر صاحب کا غصہ کافور ہو گیا انہوں نے اپنا حکم واپس لے لیا رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا:

---

❶ [ترمذی ـ ابواب المناقب ـ المجلد الثانی ـ ما جاء فی فضل فاطمة]

﴿لَوْ دَخَلُوْهَا مَا خَرَجُوْا مِنْهَا اِلٰی يَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ [1] اگر وہ لوگ آگ میں داخل ہو جاتے تو اس سے کبھی نہ نکلتے نیز آپ نے فرمایا ﴿لاَ طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ اللهِ﴾ اللہ کی نافرمانی کے کام میں کسی مخلوق کی کوئی طاعت نہیں۔

دیکھئے محترم! اگر بالفرض حکومت قانون بنادے کہ ترانہ کے وقت تمام سامعین اس کی تعظیم کی خاطر جھک جائیں یا ماتھا زمین پر رکھ دیں تو کیا اہل اسلام اس قانون کا احترام کرتے ہوئے یہ کام کرنے کو تیار ہیں ؟ نہیں ہرگز نہیں کیونکہ اسلام، دین اور اللہ تعالیٰ کا قانون مقدم ہے انسانوں کے بنے ہوئے قانون اللہ تعالیٰ کے بنے ہوئے قانون کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے مثال کے طور پر ربا اور سود ہی کو لے لیجئے شریعت اسلامیہ میں تو یہ قطعاً حرام ہے ملکی قانون کے لحاظ سے ملک میں چل رہا ہے تو اب احترام ہم قانون الٰہی کا کریں یا قانون ملکی کا؟ ظاہر ہے ہر مسلمان یہی کہے گا کہ ہم تو ایسے ملکی قانون کا احترام کرنے سے رہے جس سے قانون الٰہی ہی کا دامن چھوٹ جائے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں آپ کو کئی مثالیں ملیں گی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کئی ایک ملکی قوانین کی صرف اس لیے مخالفت کی کہ ان قوانین ملکیہ سے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت ہوتی تھی مثلاً حج تمتع نہ کرنا، مرتدین کو جلانا اور خطبہ نماز عید سے پہلے دینا تو جب زمانہ خیر القرون میں انسانوں کا بنا ہوا قانون صرف اس لیے قابل احترام واتباع نہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے بنے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے قانون کی مخالفت ہوتی ہے تو پھر موجودہ دور کی حکومتوں کے بنے ہوئے قانون کس باغ کی مولی ہیں؟ کہ ہم ان کے احترام میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت شروع کردیں ترمذی شریف میں موجود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول: ﴿أَأَمْرُ أَبِيْ يُتَّبَعُ اَمْ اَمْرُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ﴾ [2] [کیا میرے باپ کے امر کی پیروی ہوگی یا رسول اللہ ﷺ کے امر کی] سنہری حروف میں لکھنے کے قابل ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو کتاب وسنت کا صحیح فہم اور ان پر صحیح معنوں میں خالصۃً لوجہ اللہ عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین ۲۷/۶/۱۴۰۶ھ

س: کسی خاص تقریب میں جس میں افسران حضرات بھی موجود ہوں ترانہ کے وقت افسران کے ساتھ کھڑا ہو جانا جبکہ دل میں اس کے شرعی جواز کی نیت نہ ہو کیا کفر تو لازم نہیں ہو جاتا یا افسران کی آمد کے وقت کھڑا ہو جانا۔ ان مذکورہ

---

[1] [بخاری ۔ کتاب المغازی ۔ باب سریة عبد اللہ بن حذافة السهمی و کتاب اخبار الآحاد ۔ باب ما جاء فی إجازة خبر الواحد الصدوق فی الاذان والصلاة والصوم والفرائض والاحكام] [2] [ترمذی ابواب الحج ۔ باب ما جاء فی التمتع]

صورتوں میں ہم لوگ مجبور ہو جاتے ہیں کہ اس قسم کا فعل ادا کریں ہماری مجبوری کو دیکھتے ہوئے مذکورہ مسئلہ کے جواز یا عدم جواز کی وضاحت فرمائیں؟ محمد اکرم عربی ٹیچر اوکاڑہ

ج: کفر لازم ہونے کا تو مجھے علم نہیں ترانہ کے وقت افسران کے ساتھ یا افسران کے بغیر کھڑا ہونا کتاب وسنت میں کہیں نہیں آیا۔ بلکہ خطبہ جمعہ جس میں اللہ تعالیٰ کا کلام بھی پڑھا جاتا ہے بیٹھ کر سنا جاتا ہے تفصیل پہلے لکھی جا چکی ہے۔

هذا ما عندي والله اعلم ١٤٠٦/١٠/١١ھ

س: میرے دو بھائی بیرون ملک ملازمت کرتے ہیں ہمارے ایک قریبی رشتہ داران کو اپنا بیٹا بنا کر لے گئے ہیں ان کے پاسپورٹ اور دیگر کاغذات میں ولدیت کے خانے میں اس آدمی کا نام لکھا ہے جو انہیں لے گیا ہے وہاں کی گورنمنٹ اور دیگر تمام ریکارڈ میں وہ اسی آدمی کے بیٹے ظاہر کیے گئے ہیں پہلے معلومات نہ تھیں لیکن بخاری شریف کی حدیث پڑھی کہ ''جس نے جان بوجھ کر اپنے باپ کے علاوہ دوسرے کو باپ بنایا تو اس پر جنت حرام ہے'' تو بڑی پریشانی ہوئی۔ میرے بھائیوں کی اور جو لوگ اس بات کے حق میں ہیں کہ یہ کام کوئی جرم نہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ (۱) ہم حقیقت میں تو اس آدمی کو اپنا باپ نہ ہی کہتے ہیں نہ سمجھتے ہیں۔ (۲) یہ کہ صرف وہاں کی غیر مسلم گورنمنٹ کے سامنے ہی ان کا باپ وہ آدمی ظاہر کیا گیا ہے جو انہیں لے گیا۔ ایک مفتی صاحب نے ان کو کہا ہے (چونکہ وہ حقیقتاً اس کو اپنا نہ سمجھتے اور نہ کہتے ہیں۔ اس لیے یہ حدیث یہاں فٹ نہیں آتی کیونکہ انہوں نے حقیقتاً اپنا نسب تبدیل نہیں کیا بلکہ صرف کاغذات میں تبدیلی ہے) اس بات سے دل مطمئن نہیں تھا۔ اس لیے مزید تحقیق چاہیے؟

(۱) یہ حدیث اس معاملے میں فٹ آتی ہے یا نہیں اور جنت کیا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی ہے؟

(۲) کیا میرے بھائیوں کا واپس آنا ضروری ہے؟ جبکہ وہ وہاں اسی آدمی کے بیٹے بن کر رہ سکتے ہیں دوسری صورت کوئی نہیں۔

(۳) ایسی کمائی کیا حلال ہے یا حرام؟ کیا جس کمائی کی بنیاد ہی جھوٹی بات پر ہے کہ اگر وہ آدمی انہیں بیٹا بنا کر نہ لے جاتا تو وہ وہاں کمائی ہی نہ کر سکتے تھے اس لحاظ سے یہ کمائی کیسی ہے؟

(۴) میرے والد صاحب جو کہ اب فوت ہو چکے ہیں انہوں نے ہی میرے بھائیوں کو اس طرح بھیجا کیونکہ اس آدمی کو اس ملک کی شہریت حاصل تھی جو کہ میرے والد صاحب کو نہیں حاصل تھی۔ اب اگر یہ کام جرم ہے تو ہم اپنے والد صاحب کی تلافی جرم کے لیے کیا کریں؟

ج: آپ نے فرمایا: ''ہم حقیقت میں تو اس آدمی کو اپنا باپ نہ ہی کہتے ہیں نہ ہی سمجھتے ہیں'' اس سے پہلے آپ لکھ آئے ہیں ''ان کے پاسپورٹ اور دیگر کاغذات میں ولدیت کے خانے میں اس آدمی کا نام لکھا ہے جو انہیں لے گیا ہے'' اب یہ ''ولدیت کے خانے میں نام لکھنا'' کہنے اور سمجھنے کے مترادف ہے۔ مثلاً بوقت تفتیش کوئی افسران سے سوال کرے آپ لوگوں کا باپ کون ہے تو وہ کیا جواب دیں گے یہی نا کہ جو کاغذات میں لکھا ہوا ہے اسی کو اپنا باپ کہیں گے نا اسی طرح اگر تفتیشی افسران سے پوچھے ان کاغذوں میں جس کا نام آپ لوگوں نے لکھا اور میرے سامنے اپنی زبان سے اسے باپ کہا آیا واقعتاً اس کو اپنا باپ سمجھتے بھی ہو؟ کیا جواب دیں گے یہی نا کہ ہم اس کو واقعتاً اپنا باپ سمجھتے بھی ہیں ورنہ جو چکر انہوں نے چلایا ہرگز نہ چلے گا جو لوگ اپنی ولدیت بدلتے ہیں وہ جانتے ہیں سمجھتے ہیں کہ جس کو ہم باپ لکھ یا کہہ رہے ہیں وہ ہمارا باپ نہیں کسی خاص مفاد کے تحت وہ اسے باپ کہتے یا لکھتے ہیں ورنہ وہ بھی اس کو باپ نہیں سمجھتے متبنّیٰ (منہ بولے بیٹے) کو ابن بیٹا کہنے لکھنے والے بھی اسے بیٹا نہیں سمجھتے اسی طرح متبنّیٰ بھی منہ بولے باپ کو باپ نہیں سمجھتا اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ اللّٰٓئِیْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ وَمَا جَعَلَ اَدْعِیَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ وَاللّٰهُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ یَهْدِی السَّبِیْلَ . اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾[1] الآیۃ [اور نہ تمہاری ان بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو تمہاری مائیں بنایا اور نہ تمہارے لے پالکوں کو تمہارے بیٹے بنایا یہ باتیں تم اپنے منہ سے بکتے ہو اور اللہ تعالیٰ سچ فرماتا ہے اور سیدھی راہ بتاتا ہے لے پالکوں کو ان کے باپوں کی طرف نسبت کر کے پکارو اللہ کے نزدیک یہ بات زیادہ انصاف کی ہے] تو محترم مسئلہ سمجھنے نہ سمجھنے کا نہیں دیکھئے اپنی بیوی کو ماں کہنے یا لکھنے والا بیوی ماں کو سمجھتا تو نہیں اس کے باوصف یہ گناہ اور جرم ہے جس میں کفارہ لازم ہے بالکل اسی طرح کسی کو باپ کہنے یا لکھنے والا (جو اس کا باپ ہے نہیں) مجرم ہے گناہگار ہے اس کو باپ سمجھے خواہ نہ سمجھے۔

(۲) ''صرف وہاں کی غیر مسلم گورنمنٹ کے سامنے ہی ان کا باپ وہ آدمی ظاہر ہے جو انہیں لے گیا ہے'' آپ کی اتنی بات سے یہ چیز جائز نہیں بنتی کیونکہ غیر باپ کو باپ لکھنا یا کہنا جرم و گناہ ہے خواہ وہاں کی گورنمنٹ کے سامنے ہو خواہ یہاں کی گورنمنٹ کے سامنے ہو خواہ کسی بھی گورنمنٹ کے سامنے نہ ہو پھر خواہ مسلم گورنمنٹ کے سامنے ہو خواہ غیر مسلم گورنمنٹ کے سامنے نیز کسی فرد واحد مسلم یا غیر مسلم کے سامنے ہو خواہ افراد کثیرہ مسلمین یا غیر مسلمین کے سامنے خواہ

---

[1] سورة الاحزاب آیت نمبر ٤، ٥

کسی کے بھی سامنے نہ ہو تو کسی فرد یا گورنمنٹ کے سامنے ہونے یا سامنے نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا بہر صورت غیر باپ کو باپ لکھنا یا کہنا جرم و گناہ ہے۔

(ا) صحیح بخاری کتاب المناقب باب نمبر۵ حدیث نمبر ۳۵۰۸ میں ہے: ﴿عَنْ أَبِیْ ذَرٍّ ﷺ : أَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ : لَیْسَ مِنْ رَّجُلٍ ادَّعٰی لِغَیْرِ أَبِیْهِ وَهُوَ یَعْلَمُهٗ إِلَّا کَفَرَ بِاللّٰهِ وَمَنْ ادَّعٰی قَوْمًا لَّیْسَ لَهٗ فِیْهِمْ نَسَبٌ فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ﴾ [حضرت ابوذر ﷺ سے روایت ہے انہوں نے نبی ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا نہیں ہے کوئی آدمی جو اپنے اصلی باپ کے سوا اور کسی کو اپنا باپ بنائے حالانکہ وہ جانتا بھی ہو مگر وہ اللہ کے ساتھ کفر کرتا ہے اور جو آدمی کسی ایسی قوم کی طرف نسبت کرے جن میں سے وہ نہیں ہے پس وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے] پھر صحیح بخاری کتاب الفرائض باب نمبر ۲۹ مَنِ ادَّعٰی لِغَیْرِ أَبِیْهِ حدیث نمبر ۶۷۶۶ میں ہے ﴿عَنْ سَعْدٍ ﷺ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ : مَنِ ادَّعٰی إِلٰی غَیْرِ أَبِیْهِ وَهُوَ یَعْلَمُ أَنَّهٗ غَیْرُ أَبِیْهِ فَالْجَنَّةُ عَلَیْهِ حَرَامٌ . فَذَکَرْتُهٗ لِأَبِیْ بَکْرَةَ فَقَالَ : وَأَنَا سَمِعَتْهُ أُذُنَایَ ، وَوَعَاهُ قَلْبِیْ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ﴾ [حضرت سعد ﷺ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا آپ ﷺ فرماتے تھے جو کوئی اپنے اصلی باپ کے سوا اور کسی کو اپنا باپ بنائے حالانکہ جانتا ہے کہ وہ اس کا باپ نہیں ہے تو اس پر بہشت حرام ہوگی ابوعثمان نہدی نے کہا میں نے یہ حدیث ابوبکرۃ ﷺ سے بیان کی تو انہوں نے کہا میرے کانوں نے بھی یہ حدیث آنحضرت ﷺ سے سنی اور اس کو میرے دل نے یاد رکھا] اور حدیث نمبر ۶۷۶۸ میں ہے ﴿عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ : لَا تَرْغَبُوْا عَنْ آبَآءِکُمْ ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ أَبِیْهِ فَهُوَ کُفْرٌ﴾ [حضرت ابوہریرہ ﷺ سے روایت ہے انہوں نے نبی ﷺ سے روایت کی آپ ﷺ نے فرمایا تم اپنے باپ دادا سے منحرف نہ ہو جو شخص اپنے باپ کو چھوڑ کر دوسرے کو باپ بنائے اس نے ناشکری کی] سعد اور ابوبکرہ رضی اللہ عنہما والی حدیث صحیح بخاری کتاب المغازی باب نمبر ۵۷ غزوة الطائف فی شوال سنة ثمان حدیث نمبر ٤٣٢٦-٤٣٢٧ میں بھی موجود ہے۔

اور معلوم ہے کہ ادعاء الی غیر الأب اور باپ سے بے رغبتی عام لکھ کر ہو یا زبان سے بول کر ہو پھر سمجھ کر ہو خواہ کسی اور طرح سے ہو بلکہ رسول اللہ ﷺ کے لفظ ''وَهُوَ یَعْلَمُ أَنَّهٗ غَیْرُ أَبِیْهِ'' اس کو باپ نہ سمجھتے ہوئے اسے باپ کہنے یا لکھنے کو شامل ہونے میں نص صریح ہے اس لیے آپ کے بھائیوں کا یہ کہنا ''ہم اس کو باپ نہیں سمجھتے نہ کہتے ہیں'' نیز کسی مفتی صاحب کا فرمانا ''چونکہ وہ حقیقتاً اس کو اپنا باپ نہیں سمجھتے نہ کہتے ہیں اس لیے یہ حدیث یہاں فٹ نہیں آتی''

دونوں چیزیں بے بنیاد اور فضول عذر ہیں حدیث یہاں فٹ آتی ہے اور آپ کے بھائی حدیث میں مذکور وعید کے مستحق وسزاوار ہیں انہیں فوراً توبہ کرنی چاہیے کیونکہ لکھنا کہنا ہی ہوتا ہے مثلاً کوئی آدمی اپنی بیوی کو طلاق لکھ کر بھیج دیتا ہے زبان سے طلاق یا اس کا ہم معنی کوئی لفظ نہیں بولتا تو طلاق ہو جائے گی اب اس کا کہنا 'میں نے طلاق لکھی ہے زبان سے تو نہیں کہی نہ بولی لہٰذا طلاق نہیں ہوئی' خواہ مخواہ ہے فضول عذر ہے مفتی صاحب سے پوچھیں لکھی ہوئی طلاق کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟

پھر اس میں دوسرے کو باور کرایا اور سمجھایا جا رہا ہے فلاں شخص آپ کے بھائیوں کا باپ ہے حالانکہ واقع اور نفس الامر میں وہ ان کا باپ نہیں تو غش اور دھوکے کے زمرہ میں آتا ہے اور دھوکا بھی جرم وگناہ ہے حالانکہ دھوکا دینے والے کو صحیح اور واقعی صورت حال کا علم ہوتا ہے مشکوۃ کتاب البیوع باب المنهی عنها من البیوع فصل اول کی آخری حدیث نمبر ۲۸۶۰ (۲۷) بحوالہ صحیح مسلم یوں ہے ﴿وَعَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَرَّ عَلٰى صُبْرَةِ طَعَامٍ، فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِيْهَا فَنَالَتْ أَصَابِعُهُ بَلَلاً ، فَقَالَ : مَا هٰذَا يَا صَاحِبَ الطَّعَامِ ؟ قَالَ : أَصَابَتْهُ السَّمَآءُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ : أَفَلاَ جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ حَتّٰى يَرَاهُ النَّاسُ مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّيْ﴾ [اسی (ابوہریرہ رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہا رسول اللہ ﷺ غلہ کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرے آپ نے اپنا ہاتھ اس کے اندر داخل کیا آپ کی انگلیوں کو نمی محسوس ہوئی آپ نے فرمایا اے غلہ والے یہ کیا ہے اس نے کہا اس پر بارش ہوئی تھی اے اللہ کے رسول آپ نے فرمایا تو نے اس کو غلہ کے اوپر کیوں نہ رکھا تا کہ لوگ دیکھیں جو شخص دھوکہ دے وہ مجھ سے نہیں]

اب دیکھئے صاحب صبرہ وڈھیر کو علم تھا وہ جانتا تھا نیچے والے خشک نہیں جس طرح آپ کے بھائی جانتے ہیں جس کا نام لکھا وہ ہمارا باپ نہیں اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے اس ڈھیر والے کو مجرم گردانا اور فرمایا ﴿مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّيْ﴾ تو اس کے نیچے والے دانوں کو خشک نہ سمجھنے سے اس کا جرم ختم نہیں ہوا اور نہ ہی حدیث ﴿مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّيْ﴾ کا اس پر فٹ ہونا ختم ہوا بلکہ رسول اللہ ﷺ نے بذات خود اس حدیث کو اس پر فٹ فرمایا بالکل بعینہٖ اسی طرح آپ کے بھائیوں کے لکھے ہوئے اس شخص کو باپ نہ سمجھنے سے ان کا جرم ختم نہیں ہوتا اور نہ ہی سعد، ابوبکرہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیثوں کے ان پر فٹ ہونے کو ختم کرتا بلکہ ان کا جرم جوں کا توں موجود اور یہ حدیثیں بھی ان پر فٹ ہوتی ہیں خواہ وہ اس کو باپ نہیں سمجھتے نہ کہتے ہیں۔

رہا آپ کا سوال ''اور جنت کیا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی ہے'' تو اس سلسلہ میں آپ کو معلوم ہو گیا ہے کہ

''رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے جنت اس پر حرام ہے'' نیز رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ''کفر باللہ اس نے کفر باللہ کا ارتکاب کیا'' آپ کے یہ دونوں فرمان باحوالہ پہلے بیان ہو چکے ہیں جن میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں آپ کے ان دونوں فرمانوں سے ثابت ہوتا ہے کہ

یہ جرم وگناہ ہے بڑا سنگین
جنت کے ہمیشہ حرام ہونے کو نہیں جانتا یہ مسکین

(۲) مندرجہ بالا آیات واحادیث سے ثابت ہو گیا کہ کاغذات سے اس شخص کا نام نکلوانا اور اپنے باپ کا نام لکھوانا آپ کے بھائیوں پر لازم وضروری ہے ورنہ وہ سنگین جرم وگناہ کے مرتکب قرار پائیں گے نیز ان کا دین وایمان اور عزت وآبرو بھی محفوظ نہ رہیں گے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ فَقَدِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهٖ وَعِرْضِهٖ﴾❶ [پس جو کوئی شبہ والی چیزوں سے بچا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچا لیا] غور فرمائیں جب مشتبہات کے ارتکاب سے آدمی کے دین وایمان اور عزت وآبرو محفوظ نہیں رہتے تو صریح حرام اور سنگین جرم کے ارتکاب سے اس کے دین وایمان اور عزت وآبرو کیسے محفوظ ومصون رہیں گے؟ زیادہ سے زیادہ ان کے خیال میں مالی ودنیاوی نقصان ہو گا جو دین وآخرت کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔ ﴿فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ إِلَّا قَلِيْلٌ﴾❷ [آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کا مزہ بے حقیقت ہے اور کچھ نہیں] ﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّأَبْقٰى﴾❸ [مگر تم لوگ تو دنیا کی زندگی کو مقدم رکھتے ہو حالانکہ آخرت بہتر اور زیادہ پائیدار ہے] ﴿اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ أَمَلًا﴾❹ [مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی رونق ہیں اور رہنے والی نیکیاں ثواب اور امید کے لیے تیرے مالک کے نزدیک بہتر ہیں] ''ان کے خیال میں'' اس لیے لکھا ہے کہ اگر آپ کے بھائی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے مندرجہ بالا فرمانوں کی تعمیل کرتے ہوئے وہاں رہ سکیں تو فبہا ورنہ واپس آ جائیں تو مجھے یقین ہے تعمیل کی صورت میں وہاں رہیں یا واپس آ جائیں اللہ تعالیٰ کسی اور طریقے سے ان پر رزق کے دروازے کھول دے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ إِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ أَمْرِهٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا﴾❺ [اور جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے اللہ (ہر آفت میں) اس کے لیے ایک راستہ نکال دیتا ہے

---

❶ صحیح بخاری کتاب الایمان باب فضل من استبرا لدینہ ❷ [سورۃ التوبۃ آیت ۳۸] ❸ [سورۃ الاعلی آیت ۱۶۔۱۷] ❹ [سورۃ الکھف آیت ۴۶] ❺ [سورۃ الطلاق آیت ۲۔۳]

اور اس کو وہاں سے روزی پہنچاتا ہے جہاں سے اس کو گماں بھی نہیں ہوتا اور جو کوئی اللہ پر بھروسہ رکھے تو وہ اس کو کافی ہے اللہ تو اپنا کام ضرور پورا کرنے والا ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا اندازہ ٹھہرا چکا ہے]

(۳) ان کی کمائی کا حال مندرجہ بالا دلائل سے جتنا کچھ سمجھ آ رہا ہے اس سے زیادہ مجھے معلوم نہیں۔

(۴) آپ اپنے والد گرامی کے لیے دعاء و استغفار کرتے رہا کریں نیز وقتاً فوقتاً حسب توفیق ان کی طرف سے مالی صدقہ کر دیا کریں۔ واللہ اعلم ۱۴۲۰/۶/۲۸ھ

س : محمد یوسف ولد صدر دین ایک مسجد میں پیش امام ہیں اور بچوں کو بھی قرآن پاک پڑھاتے ہیں اور ایک شخص محمد اسلم بن خوشی محمد کے مولوی یوسف کے ساتھ پرانے برادرانہ تعلقات ہیں محمد اسلم ولد خوشی محمد اپنے بیٹے محمد اکرم کو ساتھ لے کر مسجد میں مولوی یوسف کے پاس آتا ہے کہ محمد اکرم کو قرآن وحدیث پڑھائی جائے اور یہ بھی کہتا ہے کہ آج کے بعد محمد اکرم تمہارا بیٹا ہے کبھی ہماری زبان سے یہ نہ سننے پاؤ گے کہ محمد اکرم ہمارا بیٹا ہے بلکہ ہم خود کہیں گے کہ محمد اکرم مولوی یوسف کا بیٹا ہے جبکہ محمد اکرم کی عمر اس وقت چھ سات سال کی ہے مولوی محمد یوسف نے اکرم کے ساتھ اپنے بیٹوں جیسا سلوک کیا کپڑا کھانا وغیرہ اور سکول کی پڑھائی کے اخراجات برداشت کرتا رہا محض اس لیے کہ محمد اکرم میرا بیٹا ہے اور محمد اکرم بھی ان کو اپنا باپ سمجھتا ہے اور ابا جی کہہ کر پکارتا ہے صرف محبت اور ادب کی وجہ سے کہ انہوں نے مجھے پالا ہے اور میری خدمت کی ہے اور محمد اسلم ولد خوشی محمد اپنے بیٹے محمد اکرم کی اس بات پر بڑا خوش ہے کہ جب ہم نے اپنے بیٹے محمد اکرم کو مولوی یوسف کا بیٹا بنا دیا ہے تو مولوی یوسف ہی اس کا باپ ہے محمد اسلم ولد خوشی محمد بخوبی جانتا ہے کہ محمد اکرم میرا لخت جگر ہے اور محمد اکرم بھی حقیقی باپ محمد اسلم ولد خوشی کو مانتا ہے اور اسلم خوشی محمد کے ساتھ باپ جیسا ہی رویہ رکھتا ہے۔ اور محمد اسلم ولد خوشی محمد نے خرچہ کی بنا پر اپنا بیٹا محمد اکرم مولوی یوسف کو نہیں دیا بلکہ محمد اسلم ولد خوشی اپنے تمام اہل وعیال کا خرچہ برداشت کرنے کا اہل ہے اپنی زمین ہے اسکول میں ہیڈ ماسٹر ہیں یہ محض پرانے تعلقات اور استاد کی وجہ سے ہے اور محمد اکرم اب جوان ہے اور مولوی یوسف صاحب کو ابا جی کہہ کر پکارتا ہے کہ مولوی یوسف صاحب کی دل شکنی نہ ہو جنہوں نے میرے ساتھ اپنے فرزندان سے بڑھ کر میری خدمت کی ہے اور مولوی یوسف صاحب کا یہ حال ہے کہ اگر اب محمد اکرم ابا جی کہنا چھوڑ دے تو مولوی یوسف صاحب کو زبردست ٹھیس پہنچتی ہے۔ اسی بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے محمد اسلم ولد خوشی محمد نے اپنے بیٹے محمد اکرم کا شناختی کارڈ خود فارم لا کر خود دفتر شناختی کارڈ پہنچ کر اپنے ہاتھوں سے ولدیت مولوی یوسف صاحب کی لکھی ہے تاکہ مولوی صاحب کو صدمہ نہ پہنچے کہ آخر جن کا تھا وہی

ولدیت لکھی گئی ہے اگر میرا ہوتا تو میری ولدیت لکھی جاتی۔ مذکورہ صورت حال محض ادب واحترام اور محبت پر مبنی ہے حقیقی باپ اور حقیقی بیٹا پر نہیں برائے مہربانی جواب ارشاد فرمائیں؟ کیا یہ درست ہے۔ محمد یوسف سعودی عرب

ج: سورۂ احزاب کے پہلے رکوع میں منہ بولے بیٹے کے متعلق احکام ذکر ہوئے ہیں جن کا خلاصہ یہی ہے کہ محمد اکرم مولوی محمد یوسف کو اباجی نہ کہے اور شناختی کارڈ پر درج شدہ ولدیت بھی تبدیل کروائے محمد اکرم ولد محمد یوسف کی جگہ محمد اکرم ولد محمد اسلم لکھوائے۔ مولوی محمد یوسف بھی محمد اکرم کو اپنا بیٹا کہہ کر نہ بلائے اس کے علاوہ دوستانہ تعلقات، برادرانہ مراسم اور رشتہ داری میں جو رشتہ ان کے درمیان ہے اس کو برقرار رکھیں ایک دوسرے کی خدمت بھی کریں اس میں کوئی مضائقہ نہیں باقی مومن کے لیے اصل مسرت وخوشی تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے حکموں کی پابندی میں ہے۔ واللہ اعلم ١٤١٥/٣/١٦ھ

س: لے پالک کی نسبت آدمی اپنی طرف کرسکتا ہے؟ ابوعبدالقدوس

ج: نہیں کرسکتا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿أُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآءِ هِمْ﴾ ❶ [تم ان کو ان کے والدوں کے نام سے بلایا کرو] نیز بیان ہے ﴿وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَ كُمْ أَبْنَآءَ كُمْ﴾ ❷ الآیۃ [اور تمہارے لے پالک بیٹوں کو تمہارے بیٹے نہیں بنایا]

س: قیامت کے روز انسان ماں کے نام سے اٹھایا جائے گا یا باپ کے نام سے؟ حافظ محمد فاروق

ج: قرآن مجید میں ہے: ﴿يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ فَمَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِيْنِهِ فَأُوْلٰئِكَ يَقْرَأُوْنَ كِتَابَهُمْ وَلاَ يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلاً﴾ ❸ [جس دن ہم بلائیں گے تمام لوگوں کو ان کے عمل نامہ کے ساتھ سو جس کو ملا اس کا اعمال نامہ اس کے داہنے ہاتھ میں سو وہ لوگ پڑھیں گے اپنا اعمال نامہ اور ظلم نہ ہو گا ان پر ایک دھاگے کا] تو لوگ قیامت کے روز اپنے اپنے اعمال ناموں کے ساتھ بلائے جائیں گے۔ [صحیح بخاری میں ہے ﴿عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ الْغَادِرَ يُرْفَعُ لَهُ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُقَالُ هٰذِه غَدْرَةُ فُلاَنِ بْنِ فُلاَنٍ﴾ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ خائن کے لیے قیامت کے دن جھنڈا اٹھایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی خیانت ہے۔ اس حدیث پر امام بخاری نے باب قائم کیا ہے بَابُ مَا يُدْعَى النَّاسُ بِاٰبَائِهِمْ یعنی قیامت کے دن باپ کے نام سے پکارا جائے گا ❹] ١٤٢٠/٦/٢٤ھ

❶[الاحزاب ٥ پ ٢١] ❷[احزاب ٤ پ ٢١] ❸[الاسرآء ٧١ پ ١٥] ❹[کتاب الادب ح ٦١٧٧]

س: میرے بیٹے کا نام کسی نے عبداللہ رکھ دیا میں اسامہ رکھنا چاہتا ہوں عبداللہ نام ختم کر کے اسامہ رکھنے میں گناہ تو نہیں ہوگا؟ انسپکٹر عبدالغفور ولد عبدالحق شاہدرہ لاہور

ج: نہیں البتہ عبداللہ نام اسامہ نام سے افضل و احب ضرور ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿أَحَبُّ الْأَسْمَآءِ إِلَى اللهِ عَبْدُ اللهِ وَعَبْدُ الرَّحْمَانِ﴾ [1] [اللہ کے پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں]

١٤١٩/١٠/١٥ھ

س: حافظ صاحب نام کے متعلق آپ نے لکھا کہ بشیر رزاق کی بجائے بشیر عبدالرزاق لکھا اور کہلوایا کرو اس سلسلہ میں وضاحت طلب ہے۔ دوسرا یہ کہ سکول کے سرٹیفکیٹ سے لے کر شناختی کارڈ تک یہی نام چلا آرہا ہے اس کا کوئی حل ضرور بتائیں تاکہ نام کی غلطی دور ہو سکے۔ ان شاء اللہ آج کے بعد میرا نام بشیر عبدالرزاق ہی ہوگا۔

بشیر عبدالرزاق خانیوال

ج: جہاں تک میں سمجھا ہوں آپ کے والد گرامی کا اسم گرامی ہے عبدالرزاق جس لیے آپ لکھتے، لکھواتے اور کہتے کہلواتے ہیں بشیر رزاق مقصد ہے آپ کا بشیر بن عبدالرزاق۔ تو ماشاء اللہ آپ دانا ہیں غور فرمائیں آپ کے والد صاحب کا نام عبدالرزاق ہے رزاق تو نہیں رزاق تو اللہ تعالیٰ کا نام ہے ﴿إِنَّ اللهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ﴾ آپ عبدالرزاق کے بیٹے ہیں رزاق کے بیٹے تو نہیں بلکہ ﴿إِنَّ اللهَ هُوَ الرَّزَّاقُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾۔ رہا دستاویزات والا مسئلہ تو اس میں کسی وکیل سے مشورہ کر لیں ۔ ١٤١٨/٣/٩ھ

س: لفظ ''اَنَس'' اس کی درستگی کیسی ہوگی۔ حالانکہ میں نے حدیث میں ﴿عَنْ اَنَسٍ﴾ پڑھا ہے جبکہ میرے تایا زاد بھائی کہتے ہیں لفظ ''اَنْس'' اس طرح ہے۔ نون اور سین دونوں ساکن ہیں۔ کیا یہ درست ہے؟ حافظ محمد فاروق

ج: رسول اللہ ﷺ کے جلیل القدر صحابی اور خادم اَنَس بن مالک رضی اللہ عنہ کے نام نامی اور اسم گرامی کو ہمزہ اور نون کے فتحہ کے ساتھ پڑھا جائے گا مشہور و معروف لغت دان صاحب قاموس لکھتے ہیں۔ ''وَالْأَنَسُ مُحَرَّكَةً الْجَمَاعَةُ الْكَثِيْرَةُ ، وَالْحَيُّ الْمُقِيْمُوْنَ وَبِلَالَامٍ خَادِمُ النَّبِيِّ ﷺ'' [اور انس حرکت کے ساتھ بہت زیادہ جماعت اور رہائشی قبیلہ اور بغیر لام کے نبی ﷺ کے خادم ہیں] رہا لفظ انس بسکون نون وبفتحہ یا ضمہ ہمزہ تو وحشت کی ضد کو کہتے ہیں مصدر ہے۔ ١٤٢٠/٧/١٦ھ

---

[1] [ابواب الادب ترمذی الجلد الثانی باب ما جاء ما یستحب من الاسماء]

س: کیا فرماتے ہیں علماء کرام کتاب وسنت کی روشنی میں ان ناموں کے بارے میں کیا یہ رکھنا درست ہیں مثلاً غلام رسول، غلام نبی، نبی بخش، غلام حسین، ولی بخش، غلام فرید یا اسی طرح کے کچھ دوسرے ناموں کے بارے میں کیونکہ کچھ لوگ غلام کے معنی فرمانبردار کے کر کے رکھ لیتے ہیں؟ مجیب الرحمٰن بن عمر دین ضلع بہاولنگر

ج: نبی بخش، ولی بخش جیسے نام درست نہیں کیونکہ اولاد اللہ ہی بخشتا ہے ﴿يَهَبُ لِمَنْ يَشَآءُ إِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَشَآءُ الذُّكُوْرَ﴾ [1] الآية [بخشتا ہے جس کو چاہے بیٹیاں اور بخشتا ہے جس کو چاہے بیٹے] غلام رسول، غلام نبی، غلام حسین، غلام فرید جیسے نام درست ہیں بشرطیکہ غلام بمعنی خادم ہو۔ واللہ اعلم ۱۴۱۹/۴/۲۵ھ

---

[1] [الشوریٰ ۴۹ پ ۲۵]

کتاب العلم ....علم کا بیان

س: ایک حدیث ہے کہ میری امت کے بہترین لوگ علماء ہوں گے اور سب سے برے بھی علماء ہوں گے آپ بتائیں اس کی سند کیسی ہے؟ عباس الٰہی ظہیر

ج: حدیث ﴿اَلاَ اِنَّ شَرَّ الشَّرِّ شِرَارُ الْعُلَمَآءِ﴾ الخ مشکوٰۃ میں بحوالہ دارمی موجود ہے مگر اس کی سند انتہائی کمزور ہے کیونکہ احوص بن حکیم سے نیچے دارمی تک سب راوی ضعیف ہیں پھر یہ ہے بھی مرسل کیونکہ حکیم تابعی ہے صحابی نہیں۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم ۱۴۱۲/۵/۱۲ھ

س: اس حدیث کی وضاحت فرما دیں؟ ﴿عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللهِ ﷺ وِعَآئَيْنِ فَاَمَّا اَحَدُهُمَا فَبَثَثْتُهُ فِيكُمْ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهُ قُطِعَ هٰذَا الْبُلْعُوْمُ يَعْنِیْ مَجْرَى الطَّعَامِ﴾[1] ابو ہریرہ﷛ سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے علم کے دو برتن یاد رکھے ہیں ان میں سے ایک میں نے تم میں پھیلا دیا ہے اور دوسرا اگر پھیلاؤں تو یہ گلا کاٹ دیا جائے یعنی جگہ جاری ہونے طعام کی۔ عبدالرحمٰن یزدانی منظور آباد وزیر آباد

ج: ﴿وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهُ قُطِعَ﴾ الخ سے مراد علم کا وہ حصہ ہے جو ابو ہریرہ﷛ نے رسول اللہ ﷺ سے آنے والے زمانہ کے حکمرانوں کے نقائص سے متعلق سن رکھا تھا اگر حکمرانوں کے نقائص لوگوں کو سنا دیتے تو انہیں حکمرانوں کی طرف سے اپنی جان کا خطرہ تھا اس لیے وہ ایسی چیزوں کے بیان میں احتیاط سے کام لیتے تھے۔ یاد رہے یہ ان کا اشارہ ساٹھ ہجری کے آگے پیچھے کے حالات کی طرف ہے۔ صوفی اور باطنی لوگ جو اس حدیث سے سینہ بسینہ باطن شریعت والی بات نکالتے ہیں وہ درست نہیں۔ تفصیل کے لیے فتح الباری کے اس مقام کا مطالعہ فرمالیں۔ فتح الباری جلد اول صفحہ ۲۱۶-۲۱۷ پر اس حدیث کی شرح موجود ہے۔ واللہ اعلم ۱۴۱۲/۷/۲۳ھ

س: کیا صحاح ستہ کی کتب ہر مسلک کے پاس ایک جیسی ہیں یعنی حدیث کی مستند کتابوں میں احادیث تبدیل تو نہیں کی گئیں؟ عثمان غنی لاہور

ج: بعض نے اپنی مطلب براری کی خاطر بعض کتب میں کچھ تبدیلی کی ہے جس کی اہل حق نے اپنی کتابوں میں نشاندہی فرما دی ہے جزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء ۱۴۱۷/۸/۱ھ

---

[1] بخاری ج۱ کتاب العلم باب حفظ العلم حدیث نمبر ۱۲۵

س: آپ کی کتاب پڑھنے کو ملی جس میں لکھا تھا کہ "اگر امام ترمذی کسی حدیث کو حسن کہہ دیں تو ضروری نہیں کہ وہ حدیث واقعہ میں بلکہ خود ان کے ہاں بھی قابل احتجاج ہو۔ ایسی تین، چار مثالیں بھی دیں کہ جو امام ترمذی نے حسن کہی ہیں ان پر عمل موقوف کرتے ہیں انہیں کالعدم بنا دیا۔ نیز ابن حزم کی حسن یا تصحیح کے بارے میں بھی لکھیں؟ اللہ دتہ اٹک

ج: معلوم ہے کہ محدثین کے نزدیک درجہ احتجاج تک وہی روایت پہنچتی ہے جس کے تمام راوی ثقہ (عادل ضابط) ہوں اس کی سند متصل ہو وہ روایت معلل اور شاذ نہ ہو اس کی سند اور اس کے متن میں کسی قسم کی علت قادحہ نہ ہو اور نہ ہی اس کی سند اور اس کے متن میں کسی قسم کا شذوذ ہو اگر کسی روایت میں مذکورہ شروط قبول و احتجاج سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو جائے تو وہ روایت محدثین کے ہاں درجہ قبول و احتجاج سے گر جاتی ہے جبکہ امام ترمذی رحمہ اللہ کے نزدیک روایت کے حسن بننے کے لیے ان شروط مذکورہ میں سے بعض کا ہونا کوئی ضروری نہیں۔ چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے جو حسن کی تعریف فرمائی اس سے یہ بات عیاں ہے وہ لکھتے ہیں: "وَمَا ذَكَرْنَا فِي هٰذَا الْكِتَابِ حَدِيْثٌ حَسَنٌ فَإِنَّمَا أَرَدْنَا حُسْنَ إِسْنَادِهِ عِنْدَنَا كُلُّ حَدِيْثٍ يُرْوَى لاَ يَكُوْنُ فِي إِسْنَادِهِ مَنْ يُتَّهَمُ بِالْكَذِبِ وَلاَ يَكُوْنُ الْحَدِيْثُ شَاذًا وَّيُرْوَى مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ نَحْوِ ذٰلِكَ فَهُوَ عِنْدَنَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ" [1]

امام ترمذی کی اس تعریف سے واضح ہے کہ کسی روایت کے ان کے ہاں حسن بننے کے لیے اس کا معلل نہ ہونا، اور متن کے اعتبار سے شاذ نہ ہونا کوئی ضروری نہیں پھر ان کے نزدیک اس کا متصل ہونا بھی ضروری نہیں اور راویوں کا متہم بالکذب نہ ہونا ان کے نزدیک روایت کے حسن ہونے کے لیے کافی ہے جبکہ روایت کے درجہ قبول و احتجاج پر پہنچنے کے لیے محدثین بشمول ترمذی رحمہم اللہ کے ہاں پہلے ذکر کردہ شروط کا ہونا ضروری ہے۔

تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی یہ [رفع الیدین نہ کرنے والی] حدیث امام ترمذی رحمہ اللہ کے نزدیک ان کی مذکور بالا تعریف کے مطابق حسن ہے ویسے ان کے نزدیک بھی یہ روایت قابل احتجاج نہیں چنانچہ ان کے عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے قول "لَمْ يَثْبُتْ" [ثابت نہیں] نقل کرنے سے واضح ہے تفصیل میری کتاب میں دیکھ لیں۔

رہا ابن حزم رحمہ اللہ کا اس کو صحیح کہنا تو ہمارے نزدیک یہ ان کی خطا ہے کیونکہ اس روایت میں شروط قبول و احتجاج میں سے بعض موجود نہیں جیسے کہ وضاحت میری کتاب میں موجود ہے۔

س: (۱) بات کیسے ثابت کی جاسکتی ہے کہ جس حدیث کو امام ترمذی حسن کہیں وہ نفس الامر بلکہ خود امام موصوف کے ہاں

---

[1] العلل فی آخر جامع الترمذی

بھی قابل استدلال نہ ہو؟ (۲) قابل استدلال ۔ قابل استشہاد ۔ قابل اعتبار ۔ اصطلاحات کی وضاحت کریں؟

اللہ دتہ اٹک

ج: (۱) جامع ترمذی میں اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں قلت فرصت کے باعث صرف ایک پر اکتفا کرتا ہوں ۔ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ سورہ انفال کی تفسیر کے آخر میں ایک حدیث نقل فرمانے کے بعد لکھتے ہیں: ''هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ، وَأَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ أَبِيْهِ''

دیکھئے امام صاحب موصوف رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کو حسن بھی قرار دیتے ہیں اور ساتھ ہی اس کے منقطع ہونے کی بھی تصریح فرماتے ہیں اور معلوم ہے کہ مرسل و منقطع محدثین کے ہاں قابل احتجاج و استدلال نہیں جیسا کہ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے مقدمہ صحیح میں لکھا ہے۔

(۲) اصطلاح میں قابل احتجاج یا قابل استدلال اس حدیث کو کہا جاتا ہے جو صحیح یا حسن ہو۔

قابل استشہاد اس حدیث کو کہا جاتا ہے جو شواہد میں ذکر کئے جانے کی صلاحیت رکھتی ہو اور قابل اعتبار اس حدیث کو کہا جاتا ہے جو شواہد و متابعات میں ذکر کیے جانے کی صلاحیت رکھتی ہو تفصیل اصول حدیث کی کتابوں میں ملاحظہ فرمائیں۔ ۱٤۱۲/۱/۲۹ھ

س: آپ نے مثالوں کا وعدہ کیا ہے وہ ایفا کر دیں براہ مہربانی ابن ابی زیاد ''ثُمَّ لَمْ يَعُدْ'' کے الفاظ کے ناقل ہیں لیکن ھشیم ، خالد اور تیسرے کا نام میں بھول گیا ہوں وہ تینوں کہاں روایت کرتے ہیں کتاب صفحہ باب وغیرہ لکھ دیں تاکہ ہم دیکھ سکیں کہ وہ ابن ابی زیاد سے برعکس بیان کرتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ سفیان ثوری کے علاوہ ایک جماعت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتی ہے لیکن وہ تو ''ثُمَّ لَمْ يَعُدْ'' کے الفاظ بیان نہیں کرتے کیا آپ اس جماعت کے فرداً فرداً شخص کا نام اور ان کی مروی روایت کی نشاندہی کر سکتے ہیں کہ کون سی کتاب میں وہ روایت کرتے ہیں؟ ابن ادریس کی روایت مجھے معلوم ہے اس کے علاوہ بتائیں مہربانی ہوگی؟

اللہ دتہ اٹک

ج: (۱) ایک مثال تو پہلے لکھ چکا ہوں دوسری مثال حاضر خدمت ہے سلسلة الأحاديث الصحيحة ۵/۲٤۳ میں لکھا ہے ''ثم إن الحديث نقل الشوكاني عن الترمذي أنه قال بعد إخراجه : هذا حديث حسن ليس إسناده بذاك . وليس في نسختنا منه هذا : ليس إسناده بذاك . والله اعلم ثم

رأيتها في نسخة بولاق من السنن (٢/ ١٥١) (١/ ٢٥٧). اهـ"

(۲) ابوداود لکھتے ہیں: "حدثنا عبد الله بن محمد الزهری نا سفيان عن يزيد نحو حديث شريك لم يقل : ثم لا يعود . قال سفيان : قال لنا بالكوفة بعد : ثم لا يعود . قال أبوداود : روى هذا الحديث هشيم ، وخالد ، وابن ادريس عن يزيد لم يذكروا : ثم لا يعود" ❶۔ ھشیم کی روایت مصنف ابن ابی شیبه ١/ ٢٣٣ اور خالد کی روایت سنن دار قطنی ١/ ٢٩٤ پر مذکور ہے جبکہ سفیان کی روایت ابوداود نے خود ذکر کر دی ہے نیز وہ سنن دار قطنی ١/ ٢٩٣ پر مذکور ہے پھر شعبہ کی روایت بھی سنن دار قطنی ١/ ٢٩٣ پر بیان ہوئی ہے اور علی بن عاصم کی روایت بھی سنن دار قطنی ١/ ٢٩٤ پر موجود ہے۔

(۳) تحفة الأحوذی ١/ ٢٢٠ میں لکھا ہے: "قال الحافظ الزيلعي في نصب الراية : قال ابن أبي حاتم في كتاب العلل : سألت أبي عن حديث رواه سفيان الثوری عن عاصم بن كليب عن عبد الرحمن بن الأسود عن علقمة عن عبد الله أن النبي ﷺ قام فكبر فرفع يديه ثم لم يعد فقال أبي : هذا خطأ . يقال : وهم فيه الثوری فقد رواه جماعة عن عاصم ، وقالوا كلهم إن النبي ﷺ افتتح فرفع يديه ثم ركع فطبق وجعلهما بين ركبتيه ولم يقل أحد ما روى الثوری . انتهى ما في نصب الراية. اهـ" اس جماعت سے مجھے بھی ابن ادریس کا نام اور ان کی روایت یاد ہے باقی جماعت کے نام یاد نہ ہی ان کی روایات یاد ہیں۔ ١٤١١/٣/١٢هـ

س: (۱) تلقی علماء بالقبول کیا ہے؟ (۲) جس حدیث کی سند نہ ہو اسے تلقی حاصل ہو سکتا ہے؟ (۳) جس کی سند نہ ہو اسے کیا کہتے ہیں؟ (۴) اجتہادی کی تعریف عربی الفاظ کا اردو ترجمہ کیا تصحیح یا تضعیف اجتہادی امر ہے تھوڑی سی اردو میں وضاحت کر دیں؟ ابھی کچھ مزید سوالات پیدا ہوئے ہیں۔

(i) ضعیف کا درجہ بے سند روایت سے فروتر ہے یا برتر؟ (ii) صاحب مشکوٰۃ نے بھی تو یہی نہج اختیار کی ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا نام لے کر حدیث بیان کر دی ہے۔ کیا مشکوٰۃ کی احادیث اور اس "يَا جَابِرُ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ" والی حدیث میں یہ قدر مشترک نہیں کہ دونوں کی تفصیلی سند نہیں۔ کیا وجہ ہے کہ مشکوٰۃ کی احادیث قبول اور "یا جابر" والی نہیں مانی جا رہی (iii) جس حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے قلم پیدا کیا گیا اس میں اولیت اضافی ہے حقیقی نہیں۔ یہ

---

❶ سنن ابی داود مع عون المعبود ١/ ٢٧٣

اضافی اور حقیقی ذرا آسان مفہوم سے سمجھا دیں۔(iv) جب قلم پیدا کیا گیا تو اسے لکھنے کا حکم دیا گیا جس چیز پر لکھا گیا وہ اول ہوئی یا وہ اول مخلوق ہوئی جس نے لکھا یعنی قلم اول نہ رہی۔(v) اس حدیث کو کسی محدث نے موضوع یا ضعیف بھی کہا ہے یا نہیں؟ اللہ دتہ اٹک

ج: (۱) تلقی علماء بالقبول کا مطلب واضح ہے علماء کا کسی چیز کو قبول کر لینا اور کسی حدیث کو تلقی علماء بالقبول حاصل ہونے کا مقصد یہ ہے کہ علماء اس حدیث کو مقبول صحیح یا حسن کہیں مگر یہ معلوم ہونا چاہیے کہ علماء سے مراد ہر کہ وہ نہیں بلکہ ماہر اور فن میں دسترس رکھنے والے لوگ مراد ہیں مثلاً فن حدیث میں امام مالک ، امام شافعی ، امام احمد ، امام بخاری ، امام مسلم ، امام ابوداود ، امام نسائی ، امام ترمذی ، امام ابن ماجہ ، امام حاکم ، امام دارقطنی ، امام بیہقی ، امام طحاوی اور امام ابوحنیفہ وامثالہم رحمہم اللہ تعالیٰ اب آپ خود ہی غور فرمائیں کیا روایت ''یَا جَابِرُ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الخ'' کو ان مذکور بالا اور ان جیسے علماء کی تلقی بالقبول حاصل ہے؟

(۲) اگر کسی حدیث کی سند نہ ہو تو اسے کہتے ہیں ''لا إسناد له'' او ''لا أصل له'' یہ حدیث بے سند ہے یا بے اصل ہے بے سند اور بے اصل حدیث کو تلقی علماء بالقبول حاصل نہیں ہوتی ہاں بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی بے اصل حدیث میں مذکور بات قرآن مجید کی کسی آیت یا رسول اللہ ﷺ کی کسی صحیح حدیث سے ثابت ہوتی ہے تو ایسی صورت میں علماء کا اس بات کو صحیح قرار دینا اس بے اصل اور بے سند حدیث کو تلقی علماء بالقبول حاصل ہونا نہیں موضوع روایات کو بھی اس سلسلہ میں بے اصل روایات کی طرح ہی سمجھیں اور یہ بھی یاد رکھیں کہ آپ کی ذکر کردہ روایت ''یا جابر'' الخ میں مذکور بات کسی آیت یا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں بلکہ وہ صحیح حدیث ''ان اول شیء خلق اللہ القلم'' ❶ [سب سے پہلے اللہ نے قلم کو پیدا کیا] سے متصادم ہے۔

(۳) امام شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ اجتہاد کی تعریف میں اہل علم کے اقوال نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''وقیل ھو فی الاصطلاح بذل الوسع فی نیل حکم شرعی عملی بطریق الاستنباط'' ❷ بسا اوقات اجتہاد غلط بھی ہو جاتا ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ﴿إذا اجتھد الحاکم فاصاب فله أجران ، وإن أخطأ فله أجر واحد﴾ ❸ غلط اجتہاد کی مثال حدیث کنومة العروس سے قبروں پر عرسوں کے جواز کا استنباط اور آیت ﴿وَلَا يَطَئُوْنَ

---

❶ سلسلہ صحیحہ للالبانی حدیث نمبر ۱۳۳ ❷ ارشاد الفحول ص ۲۳۲ ❸ صحیح بخاری [کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة باب أجر الحاکم إذا اجتھد فاصاب أو أخطأ]

مَوْطِئًا يَغِيظُ الْكُفَّارَ﴾ [اورنہیں قدم رکھتے کہیں جس سے کہ خفا ہوں کافر] [1] سے حربی کفار کی عورتوں کے ساتھ زنا کے جواز کا استنباط۔

(۴) ظاہر بات ہے کہ کسی حدیث کی تصحیح یا تضعیف مندرجہ بالا اجتہاد کی تعریف کی روشنی میں اجتہادی امر نہیں تفصیل کے لیے آپ رسالہ ارشاد النقاد کا مطالعہ فرمائیں۔ھذا ما عندی واللہ اعلم ١٤١٢/٤/١٧ھ

آپ کے تازہ سوالات کے جواب ترتیب وار مندرجہ ذیل ہیں۔

(i) بعض ضعیف روایتوں کا درجہ بے سند روایت سے فروتر اور بعض کا بہتر ہوتا ہے اس کے باوجود ضعیف روایت کیسی بھی ہو حجت نہیں ہوتی تا آنکہ اس کا ضعف ختم نہ ہو جائے۔

(ii) صاحب مشکوٰۃ نے حدیث کے آخر میں ان کتابوں کے حوالے بھی لکھے ہیں جن کتابوں میں حدیث باسند بیان کی جاتی ہے مثلاً بخاری، مسلم، ابوداود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، احمد، مالک، شافعی، بیہقی، شرح السنہ، رزین وغیرہ لہٰذا احادیث مشکوٰۃ کو بے سند کہنا غلط ہے جبکہ آپ کی پیش کردہ روایت ''یا جابر'' الخ کی بابت آپ نے ابھی تک کسی ایسی کتاب کا نام تک نہیں لیا جس میں اس کی سند بیان کی گئی ہو خواہ ضعیف ہی ہو۔

(iii) اضافی اور حقیقی اولیت کے لفظ میں نے استعمال نہیں کیے جن بزرگوں سے آپ نے یہ لفظ سنے ہیں ان سے دریافت فرمالیں اگر کسی کتاب میں پڑھے ہیں جس کے مؤلف اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں تو پھر وہ پوری عبارت ارسال کریں جس میں یہ لفظ استعمال ہوئے ہیں۔

(iv) قلم کے اول مخلوق ہونے کی تصریح تو رسول اللہ ﷺ نے فرمادی ہے لہٰذا جس چیز پر لکھا گیا اسے قلم کے بعد پیدا کیا گیا ہے نہ کہ پہلے لہٰذا قلم اول مخلوق ہی رہا۔

(v) ہاں کہا ہے لیکن اس وقت مجھے ان کے نام مستحضر نہیں الخصائص کبریٰ للسیوطی کا حاشیہ اور قاضی سلیمان منصور پوری کے رسالہ استقامت کا مطالعہ فرمائیں۔ ١٤١٢/٥/٨ھ

س: اگر کسی سے قرآن پاک گر جائے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے کہتے ہیں کہ اگر قرآن ہاتھ سے گر جائے تو اس کے برابر آٹا وغیرہ دیا جائے؟ محمد سلیم بٹ

ج: کتاب وسنت میں اس کا کوئی کفارہ بیان نہیں ہوا اس لیے توبہ واستغفار ہی کافی ہے ہاں صدقہ کا گناہوں کا

---

[1] [التوبة ١٢٠ پ ١١]

کفارہ ہونا کتاب وسنت سے ثابت ہے اگر چاہے تو کچھ صدقہ بھی کر دے برابر کی کوئی قید نہیں۔ ۱۴۱۶/۱۱/۲۲ھ

س: اگر قرآن پاک بہت پرانے ہو چکے ہوں تو ان کے اوراق کو دفن کیا جائے یا کہ شہید کر کے [یعنی جلا کر] پانی میں بہایا جائے؟ مختار احمد فاروقی

ج: مرفوع حدیث میں تو اس بارہ میں کچھ ذکر نہیں ہوا البتہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے جلانے کا حکم دیا تھا۔

۱۴۱۵/۲/۱۴ھ

س: ہم نے کھمبوں پر ڈبے لگا رکھے ہیں کہ مقدس ورق ان میں ڈالیں اور بے حرمتی نہ ہو لوگ پورے پورے قرآن ڈال جاتے ہیں جو بہت پرانے ہوتے ہیں اب ہمارے پاس کافی ذخیرہ ہے ان کو کیا کیا جائے کیا دفن کیا جائے لوگ تو ڈیم میں بہا دیتے ہیں محمد امجد میر پور آزاد کشمیر 16 اگست 1999

ج: اس بارے میں مجھے کوئی آیت یا کوئی حدیث مرفوع معلوم نہیں ظاہر ہے ان کی حفاظت کے لیے وہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے جو ان کے احترام کے منافی نہ ہو کیونکہ قرآن مجید کی تعظیم فرض وضروری اور اس کی توہین ناجائز وحرام بلکہ کفر ہے۔ ۱۴۲۰/۶/۱۹ھ

س: قبلے کے متعلق ٹانگیں کرنے اور قرآن کو پیچھا کرنے کے متعلق کچھ فرمائیں کہ قبلہ کی طرف ٹانگیں کرنا ٹھیک ہے یا نہیں؟ محمد سلیم بٹ

ج: یہ دونوں مسئلے کتاب وسنت میں وارد نہیں ہوئے۔ ۱۴۱۶/۱۱/۲۲ھ

س: (۱) ہم نے ایک دینی مدرسہ قائم کیا ہے نظام تعلیم کے دوران طالب علموں کو چھٹیاں ہوتی ہیں خاص کر گورنمنٹ کے مدارس میں اگر یہ چھٹیاں نہ ہوں تو طالب علم کے ذہن پر بوجھ پڑتا ہے لیکن اسلاف تو ہر وقت دینی تعلیم میں مشغول رہتے تھے۔ آپ کا کیا مشورہ ہے؟ (۲) ابتدائی سالوں کے لیے چند اردو اور آخری سالوں کے لیے چند عربی کتب بتائیں جو کہ نصابی کتب کے علاوہ لڑکوں کو برائے مطالعہ دی جائیں؟ عبدالباری پنڈ گجراں

ج: (۱) تعلیم وتعلم کے سلسلہ میں تعطیلات کا جو نظم رائج الوقت ہے اس پر کتاب وسنت میں کوئی نص مجھے تو یاد نہیں البتہ صحیحین والی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ وعظ کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کا دھیان وخیال رکھتے تھے کہیں وہ اکتا نہ جائیں۔ [عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات لوگوں کو نصیحت کیا کرتے تھے ایک آدمی نے کہا اے ابو عبدالرحمن میں دوست رکھتا ہوں کہ ہر روز ہمیں نصیحت کیا کریں۔ فرمایا خبردار مجھ کو اس سے یہ

بات روکے ہوئے ہے کہ میں مکروہ سمجھتا ہوں کہ تمہیں تنگ کروں اور میں خبر گیری رکھتا ہوں نصیحت کے ساتھ جس طرح نبی ﷺ ہماری خبر گیری رکھتے تھے ہم پر اکتانے کے خوف سے ❶]

(۲)تقویة الایمان ، قرة العیون اردو ، کتاب التوحید اردو ، الظفر المبین ، ارشاد الی سبیل الرشاد ، حسن البیان ، ضرب حدیث ، سبیل رسول ، تحریک آزادی فکر، رسول اکرم ﷺ کی نماز اور محمدیات، اعلام الموقعین، ایقاظ همم اولی الابصار ، القول المفید مختصر المومل فی الرد الی الامر الاول ، هدیة السلطان الی مسلمی الیابان تحفة الانام ، ارشاد النقاد ، صفة صلاة النبی ﷺ التنکیل ، الانوار الکاشفه ، احکام الاحکام ، الاتباع لابن ابی العز ، زبدة البیان ، کتاب الایمان ابن تیمیه ، الصارم المسلول ، ابکار المنن ، نیل الاوطار ، فتح القدیر للشوکانی اور تفسیر ابن کثیر ۔

س: جلسوں میں کانفرنسوں میں نعرہ بازی جائز ہے یا نہیں۔اور پھر نعرہ مارنا زندہ باد پائندہ باد جب تک سورج چاند رہے گا فلانے کا نام رہے گا۔بعض علماء قرآن سے ثبوت پیش کرتے ہیں۔ محمد یوسف شاہ

ج: جلسوں اور کانفرنسوں میں نعرے کتاب وسنت سے ثابت نہیں۔ ۱۴۱۸/۴/۲۸ھ

س: جلسہ میں نعرہ بازی کی حیثیت کیسی ہے؟ ابوعبدالقدوس بن مقبول احمد سمندری فیصل آباد

ج: دعوت دین تبلیغ اور وعظ وتذکیر کے موقع پر مروج نعرہ بازی مجھے تو قرآن وحدیث میں کہیں نہیں ملی۔

۱۴۲۰/۷/۲ھ

س: بغیر عذر کے لیٹ کر یا تکیہ لگا کر ہاتھ میں قرآن کھول کر کسی سے سنا یا پڑھنا قرآن کے ادب کے خلاف ہے یا نہیں زمین پر پاؤں کے سامنے قرآن یا حدیث کی کوئی کتاب رکھ کر پڑھنا ادب کے خلاف ہے یا نہیں؟

ملک محمد یعقوب ہری پور 22/10/89

ج: قرآن مجید اور کتب حدیث ان اشیاء میں شامل ہیں جن کا احترام ضروری ہے اس لیے ان کو پڑھتے اور سنتے وقت بھی کوئی ایسی حالت وکیفیت اختیار نہ کی جائے جس سے ان کی بے ادبی وبے حرمتی والا کوئی پہلو بھی نکلتا ہو۔

۱۴۱۰/۳/۲۷ھ

---

❶ [بحوالہ مشکاۃ کتاب العلم فصل اول متفق علیہ]

س : طالبات کی دینی تعلیم وتدریس کا انتظام اگر مسجد ہی میں ہو تو انہیں تعلیم دینے والی خاتون اپنے "ایام خاص" کے دوران میں مسجد ہی میں بیٹھ کر سلسلہ تدریس جاری رکھ سکتی ہے؟ اگر نہیں تو اس شرعی عذر کی بنا پر ہر ماہ کم وبیش ایک ہفتہ طالبات کو چھٹی کرانا پڑے گی۔ یاد رہے کہ مسجد کی گیلری ہی کو مدرسہ بنا دیا گیا ہو جہاں خواتین جمعہ بھی ادا کرتی ہوں کم وبیش ایک سو طالبات کو مسجد سے باہر کسی اور جگہ لے جانا بھی ناممکن ہو۔ کوئی قابل عمل حل تحریر فرما دیں؟ محمد صدیق

ج :تعلیم دینے والی خاتون بھی اپنے ایام خاص کے دوران مسجد میں بیٹھ کر سلسلہ تدریس جاری نہیں رکھ سکتی کیونکہ ان دنوں اس کا مسجد میں داخلہ ممنوع ہے مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ انتظام کیا جا سکتا ہے۔ ١٤١١/٤/٧هـ

س : کیا رواتب افضل ہیں یا تعلیم حاصل کرنا۔ جبکہ یہاں ظہر کی نماز کے لیے چھٹی اس وقت ہوتی جب جماعت کھڑی ہونے میں پانچ یا سات منٹ باقی ہوتے ہیں حد دس منٹ اگر وضوء پہلے نہ کیا ہوا ہو تو رواتب ایک رکعت بھی ادا نہیں کر سکتا ایک استاد صاحب سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ اختلاف ہے علماء کا کہ رواتب ضروری ہیں یا تعلیم؟

اقبال صدیق مدینہ منورہ

ج : دونوں کو عمل میں لانا افضل ہے رواتب تعلیم کی وجہ سے فرض نماز سے پہلے نہیں پڑھ سکتا تو فرض نماز کے بعد پڑھ لے رسول اللہ ﷺ نے ظہر کے بعد والی دو رکعت کو بوجہ مشغولیت ومکالمہ عصر کے بعد پڑھ لیا تھا۔

١٤١٢/٨/١٥هـ

س :انسان اگر قرآن مجید حفظ کرنا چاہتا ہو یا اس کا مقصد دنیاوی تعلیم ہو تو اس کو کن کلمات کا عمل کرنا چاہیے؟

عتیق الرحمٰن

ج :بس وہ قرآن مجید حفظ کرنا شروع کر دے اور حفظ کرنے میں خوب محنت سے کام لے قرآن مجید کو حفظ کرنے کے لیے ذکر قرآن مجید کا حفظ کرنا ہی ہے۔ ١٤١٨/١٠/٦هـ

س : برصغیر میں سرخ صلیب والے جا بجا دفاعی کام کر رہے ہیں مثلاً اسکول ہسپتال نہر وغیرہ کا کام بڑے زور وشور سے کر رہے ہیں کیا مسلمانوں کے لیے جائز ہے کہ ان کی مدد سے استفادہ کریں اور سرخ صلیب والے صرف اپنے مذہب کو نشر کرنے کے لیے یہ کام کر رہے ہیں؟ خلیل الرحمٰن نورستانی جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

ج :ان مشنری سکولوں اور ہسپتالوں میں جانے سے اگر دینی نقصان ہو تو اس میں جانے سے پرہیز ضروری ہے۔

١٤١٧/١١/٢٢هـ

س: کیا ایک نوجوان (۲۰ سال) کسی نوجوان لڑکی سے بات کرسکتا ہے؟

جہاں لڑکے لڑکیاں اکٹھے پڑھتے ہیں کیا وہاں لڑکوں کی نظر لڑکیوں پر پڑنے سے گناہ ہوگا؟ حالانکہ یہ ایک مجبوری ہے اس سے بچنے کے لیے کیا کیا جائے گا؟ (میڈیکل کالجوں میں) عثمان غنی گورنمنٹ کالج لاہور

ج: یہ کوئی مجبوری نہیں نظر ڈالے تو گناہ ہے ایسے کالج میں داخلہ نہ لے۔ ۱۴۱۷/۸/۱ھ

تعبیر الرؤیا .... خوابوں کی تعبیر

س: اگر آدمی کو خواب کی تعبیر نہ آتی ہو تو کوئی اچھی بات بتا دے؟ مختار احمد فاروقی ضلع ایبٹ آباد

ج: اگر آدمی کو خواب کی تعبیر نہ آتی ہو تو صاف صاف کہہ دے مجھے نہیں آتی۔ ۱۴۱۰/۲/۱۴ھ

س: ایک حاملہ عورت نے یہ خواب دیکھا کہ ''ایک اونٹ جس کی کھال اتار لی گئی ہے اور اس کے پیٹ کے ساتھ ایک چھڑی سے ٹیک لگا کر کھڑا کر دیا گیا ہے۔ اسی دوران اوپر سے چیلیں آئیں اور نوچ نوچ کر تمام گوشت کو کھا گئیں۔ اور اس کی گردن ایک زوردار آواز کے ساتھ ٹوٹ گئی۔ جس کی آواز دور دور تک سنی گئی''۔ مہربانی فرما کر اس سلسلے میں ہماری رہنمائی فرمائیں؟ حافظ محمد ادریس گوہڑوی نوشہرہ ورکاں

ج: اپنے ناقص علم کے مطابق تعبیر کچھ اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اب کے یا پھر کبھی ایک بچہ عطا کرے گا جو دنیاوی اعتبار سے بڑا مشہور ہوگا دنیادار اس سے خوب فائدہ اٹھائیں گے۔ ان شاء اللہ تبارک وتعالیٰ ۱۴۱۷/۸/۱۰ھ

س: میری والدہ جو کہ تقریباً عرصہ تین سال سے وفات پا چکی ہیں ان کی فوتگی کے تقریباً ڈیڑھ سال بعد میرے والد صاحب اس دنیا فانی سے رخصت ہو گئے مجھے مسلسل تین بار وقفے وقفے سے خوابیں آئی ہیں جو کہ یہ ہیں میرے والد صاحب اور والدہ جو کہ ہمارا بڑا کمرہ جس میں والدہ رہتی تھیں اسی کمرے میں ایک طرف والدہ صاحبہ اور دوسری طرف والد مرحوم لیٹے ہیں میں اور میرے گھر والے بھی ان کے قریب بیٹھے ہیں ہم سب ان سے باتیں کرتے ہیں لیکن وہ ہماری ان باتوں کا کوئی جواب نہیں دیتے بس کھانا کھا کر لیٹ جاتے ہیں برائے مہربانی فرما کر اس خواب کی تعبیر کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں دیں تاکہ ہماری تسلی ہو۔ شفیق الرحمٰن غازی آباد لاہور

ج: آپ کے اس خواب میں آپ کو بتایا گیا ہے والدین کی طرف سے صدقہ کرو اور ان کے لیے دعا کرتے رہا کرو ہو سکے تو ان کی طرف سے کوئی صدقہ جاریہ کر دو۔

یہ بھی اشارہ ہے آپ کی بیوی کے والدین اگر زندہ ہیں تو ان کو راضی کرو اور اگر فوت ہو گئے ہیں تو ان کے لیے دعاء واستغفار اور صدقہ کرو۔ واللہ اعلم ۱۴۱۸/۵/۱۸ھ

س: بصد ادب گزارش ہے کہ اس سے قبل آپ سے خواب کی تعبیر پوچھی تھی جو کہ الحمد للہ صحیح ثابت ہوئی ہے۔ اللہ نے بیٹا عطا کیا تھا۔

اور اب حضرت والد محترم کو خواب میں حضرت نوح علیہ السلام کی زیارت ہوئی ہے کہ ''میں اور ہمارے استاد مکرم مولانا عبدالرحمٰن سیکرٹری حافظ آباد والے حافظ آباد میں تشریف فرما ہیں۔ ہمارے پاس ایک خوبصورت طویل جسم والا آدمی آیا ہے۔ اور استاد مکرم نے مجھ سے سوال کیا ہے کہ یہ شخص کون ہے۔ تو میں نے کہا یہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں تو انہوں نے اس بات کی تصدیق کی۔ کہ واقعی یہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں'' اس کی تعبیر کیا ہو سکتی ہے۔ قرآن حدیث کی رو سے واضح فرما کر عنداللہ اور عندنا مشکور رہوں۔ حافظ محمد ادریس گوہڑوی نوشہرہ ورکاں 26/8/98

ج: آپ کے والد گرامی حفظہ اللہ تبارک وتعالیٰ کوئی اہم دینی کام کر رہے ہیں یا کرنے کا پروگرام رکھتے ہیں اس میں کچھ اپنوں اور کچھ بیگانوں کی طرف سے رکاوٹیں ڈالی جا رہی ہیں یا ڈالی جائیں گی آخر کامیابی و کامرانی جناب کے والد گرامی اور ان کے ساتھیوں کو ہی حاصل ہو گی ان شاء اللہ سبحانہ وتعالیٰ۔ واللہ اعلم ١٩/٥/١٤١٩ھ

کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ

کتاب وسنت کی پیروی کا بیان

س: سنت کے لغوی اور اصطلاحی معنی بیان فرمائیں؟ ابوالاحسان امان اللہ بہاولپور

ج: لفظ سنت کے چار اطلاق واستعمال ہیں ایک لغوی اور تین اصطلاحی ۔ لغت میں سنت کا معنی لیا جاتا ہے ''الطریقة المسلوکة'' بعض کہتے ہیں ''الطریقة المعتادة'' اور بعض نے لکھا ہے ''الطریقة المحمودة'' پہلے دونوں معانی تیسرے معنی سے اعم اخص من وجہ ہیں اب اصطلاحی تین معانی سماعت فرمائیں۔

(۱) رسول اللہ ﷺ کے اقوال ، افعال اور تقاریر سنت ہیں سنت کا لفظ جب دلائل کے بیان میں بولا جائے تو اس وقت اس کا یہی معنی لیا جاتا ہے جیسے کہا جاتا ہے ''هٰذَا الْحُکْمُ ثَابِتٌ اَوْ ثَبَتَ بِالسنة''

(۲) مندوب کو سنت کہا جاتا ہے یہ معنی عموماً اس وقت مراد لیا جاتا ہے جب سنت کا لفظ احکام میں استعمال کیا جائے مثلاً ''اَلْاَمْرُ الْفُلَانِي سُنَّةٌ'' بولا جائے تو مقصود یہ معنی ہوگا کہ وہ مندوب ہے نہ واجب وفرض ہے نہ مباح نہ ہی مکروہ ہے اور نہ ہی محظور وحرام۔

(۳) وہ چیز جو بدعت نہ ہو اس کو بھی سنت کہہ دیا جاتا ہے خواہ وہ فرض وواجب ہی کیوں نہ ہو۔ تو اس معنی میں سنت بدعت کا مقابل ہے جیسے پہلے معنی میں قرآن سے اور دوسرے معنی میں فرض ، مباح ، مکروہ اور حرام سے متقابل ہے۔

اب ان تین اصطلاحی معانی سے کسی ایک کا تعین عبارت وکلام کے سیاق ، سباق ، لحاق اور قرائن کو دیکھ کر کیا جائے گا جیسا کہ مشترک الفاظ کا وطیرہ ہے شریعت کتاب وسنت میں ان اصطلاحی تخصیصات کو ملحوظ نہیں رکھا گیا اس لیے قرآن وحدیث کے الفاظ کو مصطلحات علوم وفنون پر محمول کرنا درست نہیں اور اصطلاحی معانی کے اثبات کے لیے اہل اصطلاح سے نقل کافی ہوتی ہے قرآن وحدیث سے دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی مزید معلومات کی خاطر ارشاد الفحول سے سنت کی بحث کا مطالعہ فرمالیں۔ واللہ اعلم ۱۴۱۵/۱/۲۳ھ

س: مؤکدہ اور غیر مؤکدہ سنت کی تقسیم کہیں ہے؟ محمد عادل ملک

ج: سنت کا معنی جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے بعض لوگ اس معنی پر بزاز ور بھی صرف کرتے ہیں یعنی جو چیز نہ فرض ہو نہ واجب نہ حرام ہو نہ مکروہ اور نہ ہی مباح ۔ یہ معنی کتاب وسنت میں کہیں وارد نہیں ہوا محض اہل علم کی اصطلاح ہے اور

فقط ان کا فن ۔ تو اب آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں جب مقسم (سنت) فنی اور اصطلاحی معنی ہی کتاب وسنت میں وارد نہیں تو اس کی اقسام مؤکدہ اور غیر مؤکدہ کیسے وارد ہوں گی ۔ بہرحال حدیث کے مطالعہ سے اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ جن کاموں کو اپنانا اجر وثواب ہے وہ دو طرح کے ہیں ایک فریضہ یا فرض یا واجب یا عزیمت اور دوسرے تطوع یا نافلہ ۔ ویسے علمی اور فنی اصطلاحات اہل علم میں خوب مشہور ومعروف ہیں ان کے کچھ فوائد بھی ہیں اور کچھ نقصانات بھی تفصیل کا یہ وقت ہے نہ موقع ومحل ۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مایہ ناز کتاب اعلام الموقعین میں پہلی جلد کے اندر ان اصطلاحات پر کچھ روشنی ڈالی ہے اس کا مطالعہ فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ ۱۴۱۴/۱۱/۷ھ

س: تارک سنت گناہ گار ہے یا نہیں؟ ملک محمد یعقوب ہری پور

ج: تارک سنت سے بعض صورتوں میں گناہ گار ہے تفصیل کسی قریبی عالم سے دریافت فرمالیں۔ ۱۴۱۶/۲/۱۰ھ

س: شریعت میں واجب کس کو کہتے ہیں کیا یہ لفظ قرآن وحدیث میں موجود ہیں؟ سید عبدالغفور

ج: صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے: ﴿غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ﴾ [جمعہ کے دن غسل ہر بالغ پر واجب ہے] واجب فرض کو کہتے ہیں جس کے ترک کی گنجائش نہ ہو اس کے مقابلہ میں تطوع کا لفظ بولا جاتا ہے۔ ۱۴۱۹/۸/۱۸ھ

س: فرائض ۔ شرائط اور سنن میں کیا فرق ہے؟ محمد حسن عسکری کراچی

ج: (۱) فرض کا معنی: ''فَالْوَاجِبُ فِي الْاِصْطِلَاحِ مَا يُمْدَحُ فَاعِلُهُ وَيُذَمُّ تَارِكُهُ عَلٰى بَعْضِ الْوُجُوْهِ وَيُرَادِفُهُ الْفَرْضُ عِنْدَ الْجُمْهُوْرِ انتهى مقتصراً'' [1] ۔ تو واجب اصطلاح میں اس چیز کو کہتے ہیں جس کو کرنے والا ممدوح (ثواب پانے والا) اور چھوڑنے والا مذموم (گناہ پانے والا) ہو بعض صورتوں میں اور فرض اکثر کے ہاں واجب کا مترادف اور ہم معنی ہے۔

(۲) شرط کا معنی: ''وَحَقِيْقَةُ الشَّرْطِ هُوَ مَا كَانَ عَدَمُهُ يَسْتَلْزِمُ عَدَمَ الْحُكْمِ'' [2] شرط وہ چیز ہے جس کے نہ ہونے سے حکم کا نہ ہونا لازم آئے الخ

(۳) سنت کا معنی: ''وَالْمَنْدُوْبُ مَا يُمْدَحُ فَاعِلُهُ وَلَا يُذَمُّ تَارِكُهُ ، وَيُقَالُ لَهُ : مُرَغَّبٌ فِيْهِ وَمُسْتَحَبٌّ وَنَفْلٌ وَتَطَوُّعٌ وَإِحْسَانٌ وَسُنَّةٌ . انتهى مقتصرا'' [3] اور مندوب وہ ہے جس کو کرنے والا ممدوح (ثواب

[1] ارشاد الفحول الفصل الثانی فی الاحکام [2] ارشاد الفحول الفصل الثانی فی الاحکام [3] ارشاد الفحول

پانے والا) ہواور چھوڑنے والا مذموم (گناہ پانے والا) نہ ہو اس مندوب کو مرغب فیہ، مستحب، نفل، تطوع، احسان اور سنت بھی کہا جاتا ہے۔

نوٹ: فرض، شرط اور سنت کے مذکورہ بالا معانی سے ان تینوں کا باہمی فرق واضح ہے۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم

۲۸/۵/۱٤۰٦ھ

س: السُّنَنُ الْمَهْجُوْرَةُ (وہ سنتیں جو چھوڑ دی گئی ہیں) کون کون سی ہیں اور ان کے دلائل بھی بتادیں؟

محمد یوسف ضیاء مدینہ منورہ

ج: "سنن مھجورہ" ہیں تو بہت زیادہ مگر جس انداز سے آپ پوچھ رہے ہیں انہیں اس انداز میں لکھنے کے لیے کافی وقت درکار ہے لیکن بوجہ مصروفیت اتنا وقت نکالنا مشکل ہے اس لیے نیچے چند ایک سنن مہجورہ کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں۔

(۱) "اَلْمَسْحُ عَلَی النَّعْلَيْنِ" [جوتوں پر مسح] ❶

(۲) "زِيَادَة "وَبَرَكَاتُهُ" فِيْ تَسْلِيْمِ الصَّلَاةِ" [نماز سے سلام پھیرتے ہوئے وبرکاتہ کا اضافہ] ❷

(۳) "جَعْلُ الْقَدَمِ الْيُسْرٰی بَيْنَ الْفَخِذِ وَالسَّاقِ فِی جُلُوْسِ الصَّلَاةِ" [نماز میں بیٹھنے کے دوران بائیں پاؤں کو ران اور پنڈلی کے درمیان کرنا] ❸۔ (۴) "اَلصَّلَاةُ حَالَ الْإِنْتِعَالِ" [جوتا پہن کر نماز پڑھنا] ❹

(۵) "اَلنَّهْیُ عَنِ الْإِنْتِعَالِ قَائِمًا" [کھڑے ہو کر جوتا پہننا منع ہے] ❺ ۱٤۱۲/٤/۷ھ

س: اپنی برادری یا قوم میں سنت کی ترویج کے لیے تبلیغ کے سلسلہ میں احسن طریق اور خوش اخلاقی، نرمی کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ کسی کو قائل کرنا بڑا مشکل مسئلہ ہوتا ہے۔ اور خطرہ یہ ہوتا ہے کہ کہیں دوسروں کو راہ راست پر لاتے لاتے خود نہ بھٹک جائیں۔ بعض اوقات ان کی مسجد میں ان کے امام کے پیچھے نماز پڑھنی پڑتی ہے۔ ان کی کچھ بات مانیں گے تو تب وہ راغب ہوں گے۔ ورنہ اگر صرف ہم اپنی منوانے کی کوشش کریں گے تو وہ قطعاً سننے کو تیار نہیں ہوں گے۔ تو برائے مہربانی تبلیغ کے سلسلہ میں تھوڑی سی بات بتادیں۔ تاکہ ذہنی پریشانی دور ہو جائے۔ اور صرف اپنے تک دین کو محدود نہ رکھیں۔ شکریہ

ایم رحمت علی انصاری رسول نگر ضلع گوجرانوالہ

---

❶ ترمذی، ابوداود، شرح معانی الآثار، ملحق الشیخ الالبانی حفظه الله تعالی بآخر رسالة المسح علی الجوربین للقاسمی ـ رحمه الله تعالی ❷ ابوداود، ارواء الغلیل ❸ صحیح مسلم باب صفة الجلوس فی الصلاة ❹ ابوداود وغیره ❺ ابن ماجه کتاب اللباس باب الانتعال قائما

ج: رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کو اپنایا جائے۔ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ ❶ [رسول اللہ میں تمہارے لیے عمدہ نمونہ ہے] ١٤١٤/٤/١٣ھ

س: شریعت کسے کہتے ہیں؟ ساجد تبسم

ج: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلٰی شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلاَ تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ لاَ یَعْلَمُوْنَ﴾ ❷ [پھر تجھ کو رکھا ہم نے ایک رستہ پر دین کے کام کے سو تو اس پر چل اور مت چل خواہشوں پر نادانوں کی] دوسرا فرمان ہے: ﴿وَاتَّبِعْ مَا یُوْحٰی اِلَیْكَ﴾ ❸ [اور تو چل اسی پر جو حکم پہنچے تیری طرف] تیسرا فرمان ہے: ﴿اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ ❹ [چلو اسی پر جو اترا تم پر تمہارے رب کی طرف سے] چوتھا فرمان: ﴿وَاَنْزَلَ اللهُ عَلَیْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ ❺ [اور اللہ نے اتاری تجھ پر کتاب اور حکمت] ان آیات مبارکہ کو ملانے سے ثابت ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جو کچھ کتاب وحکمت کی صورت میں بذریعہ وحی نازل ہوا وہ شریعت ہے جس کے اتباع کا رسول اللہ ﷺ اور تمام مکلفین کو حکم ہے۔ ١٤١٩/٦/٢ھ

س: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس بحث کے متعلق جو ملک کے طول وعرض میں ہو رہی ہے۔ جو کہ شریعت بل کے بارے میں ہے۔ جیسا کہ اخبارات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شریعت بل حرف آخر نہیں۔ نہ ہی اس کو شریعت کہتے ہیں اس کی مخالفت کرنے والے کو۔ کافر۔ منافق۔ فاسق۔ وغیرہ کہتے ہیں۔ اس کی مخالفت یا حمایت کس طرح کرنی چاہیے۔ جیسا کہ کچھ علمائے کرام کے نام لیے بغیر ان کے بیان مختلف ہیں۔ ایک اہلحدیث عالم کہتے ہیں کہ سو سال انگریز کا قانون برداشت کر لیا تھا کچھ عرصہ کے لیے فقہ حنفی کیوں برداشت نہیں۔

ایک کہتے ہیں ہم نے اس سے فقہ کو نکال دیا ہے ایک اور کہتے ہیں اتنی سی فقہ سے کوئی فرق نہیں پڑے گا ایک دیوبندی عالم کہتا ہے کہ ہم پوری طرح سے قرآن وحدیث پر نہیں چل سکتے اس کی حمایت یا مخالفت کس رنگ میں کرنی چاہیے؟ عبدالواحد گرجاکھ 18 اکتوبر 1987

ج: شریعت بل کے اندر بعض چیزیں شریعت سے متصادم ہیں اس لیے ان چیزوں کی تائید وحمایت درست نہیں۔ انگریز کا قانون انگریز ہی کا قانون تھا اور ہے اس کو کسی حنفی یا جعفری نے بھی آج تک نہ اسلام سمجھا اور نہ ہی آئندہ سمجھے گا ان شاء اللہ اور قانون حنفی یا جعفری کو اسلام سمجھنے والے موجود رہے اور ہیں جبکہ نفس الامر اور واقع میں وہ اسلام نہیں

❶ [احزاب ٢١ پ٢١] ❷ [الجاثیه ١٨ پ٢٥] ❸ [یونس ١٠٩ پ١١] ❹ [اعراف ٣ پ٨] ❺ [النساء ١١٣، پ٥]

ہے البتہ کئی چیزیں اس کے اندر اسلام کی بھی لے لی گئی ہیں پھر انگریزی قانون کو بزور بازو مسلط کیا گیا تھا اور کیا گیا ہے جبکہ شریعت بل یا قانون حنفی یا قانون شیعی کے متعلق آزادانہ رائے لی جارہی ہے اور دی جارہی ہے لہٰذا قانون حنفی یا جعفری کو قانون انگریزی پر قیاس کرنا درست نہیں بعض حضرات کا کہنا کہ ہم نے حنفیت یا جعفریت کو شریعت بل سے نکال دیا ہے۔ صحیح نہیں آپ شریعت بل ایک دفعہ پھر پڑھیں آپ کو پتہ چل جائے گا ان شاء اللہ آپ نے لکھا ''ایک دیوبندی عالم کہتا ہے کہ ہم پوری طرح سے قرآن وحدیث پر نہیں چل سکتے'' ان بزرگوں سے پوچھیں پھر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے ہم کو قرآن وحدیث پر چلنے کو کیوں کہا؟ جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ [1] [اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی کو مگر جس قدر اس کی طاقت ہے] نیز ان سے پوچھیں آیا وہ قانون حنفی پر پوری طرح چل رہے ہیں یا چل سکتے ہیں؟ لامحالہ اس دوسرے سوال کا جواب نفی میں ہے تو پھر انہیں قانون حنفی کا مطالبہ بھی چھوڑ دینا چاہیے۔ ١٤٠٨/٢/١٨ھ

س: شریعت بل کی مخالفت کرنا شرعی طور پر جائز ہے کہ نہیں؟ عبدالواحد گرجاکھ

ج: شریعت کے موافق دفعات کی حمایت شرعاً ضروری ہے۔ ١٤٠٧/٦/١ھ

س: ایک دیوبندی عالم سے ایک حدیث کی تشریح سنی کہ جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائیں گی صرف ایک فرقہ جنت میں جائے گا وہ جس پر میں اور میرے صحابہ ﷺ عمل کرتے ہیں'' اب وہ عالم تشریح کرتے کہتا ہے کہ اب ایمان اللہ تعالیٰ، اس کے رسولوں، کتابوں اور فرشتوں پر سب رکھتے ہیں اس لیے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر فرقے میں سے کچھ لوگ جنہوں نے نبی اور صحابہ ﷺ والا طریقہ اپنایا ہوگا ان کو نکال لے گا اور ایک نیا فرقہ جنت میں جائے گا کیا یہ تشریح درست ہے؟ حافظ محمد فاروق

ج: اہل اسلام وایمان کے تمام فرقوں میں سے وہ اشخاص جو کتاب وسنت کے اعتقاداً، قولاً اور عملاً پابند ہیں سب کے سب ناجی ہیں خواہ وہ اہل حدیث ہوں خواہ دیوبندی خواہ بریلوی خواہ کوئی اور اسی نتیجہ پہ پہنچے گا ہر کوئی جو کرے قرآن وحدیث پہ غور خوب سمجھ لو ذہن نشین کر لو اس کو فی الفور۔ ١٤٢٠/٦/٢٤ھ

س: کیا نبی ﷺ کی اتباع ضروری نہیں؟ جاوید ولد قائم دین غوری ضلع اوکاڑہ

ج: جن امور میں کتاب وسنت سے آپ کا اتباع ترک کرنے کی اجازت وارد ہو چکی ہے ان میں آپ کا اتباع

---

[1] [البقرة ٢٨٦ پ٣]

تطوع اور جن میں آپ کے اتباع کی ممانعت وارد ہو چکی ہے ان میں آپ ﷺ کا اتباع منع مثلاً صیام وصال اور جن امور میں اتباع کی ممانعت نہیں اور نہ ہی ترک اتباع کی اجازت کہیں وارد ہوئی ان امور میں آپ ﷺ کا اتباع فرض وضروری ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ [1] [اور اس کی پیروی کرو تاکہ تم راہ پاؤ]

۱۴۱۹/۱۰/۱۳ھ

س: قرآن کریم کی نصوص کثیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اطاعت رسول ﷺ فرض ہے اور اس کا منکر کافر ہے جب منکرین حدیث نبوی کو ہم قرآنی آیت ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝﴾ (اور نہیں بولتا اپنی خواہش سے یہ تو حکم ہے بھیجا ہوا) پیش کرتے ہیں تو وہ دو آیتیں پیش کرتے ہیں ﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰى ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝﴾ (تیوری چڑھائی اور منہ موڑا اس بات سے کہ آیا اس کے پاس اندھا) ﴿يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ﴾ (اے نبی ﷺ تو کیوں حرام کرتا ہے جو حلال کیا اللہ نے تجھ پر چاہتا ہے تو رضامندی اپنی عورتوں کی) ان سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی ہر بات وحی نہیں ہے وضاحت فرمائیں۔

رانا محمد جمیل خاں سرگودھا مئی 1999

ج: اہل حدیث کا عقیدہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے وہ اقوال اور اعمال جن کا وحی نہ ہونا کتاب وسنت میں آچکا ہے ان کے علاوہ آپ ﷺ کے تمام اقوال اور اعمال وحی پر مبنی ہیں مثلاً ﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰى ۝﴾ [2] الخ [تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا] میں آپ کے ایک عمل کا تذکرہ آیتیں بتارہی ہیں کہ آپ کا یہ عمل وحی سے نہیں تھا ورنہ وحی میں اسے یوں بیان نہ کیا جاتا اسی طرح ﴿لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ﴾ [3] [کیوں حرام کرتا ہے اس چیز کو کہ حلال کی ہے اللہ نے واسطے تیرے] میں آپ کے ایک قول کا تذکرہ ہے آیات بتارہی ہیں وہ قول وحی سے نہیں تھا ورنہ اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتے ﴿لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ﴾ اب اس سے کوئی یہ نکال لے کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک محرم سے فرمانا ''جبہ اتار دے اور خوشبو کو تین بار دھو ڈال'' بھی وحی نہیں غلط ہوگا کیونکہ آپ کے اس قول کا وحی نہ ہونا کتاب وسنت میں کہیں نہیں آیا بلکہ قرآن مجید میں اس کے وحی ہونے کا ذکر موجود ہے۔ ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝﴾ [4] [اس کی جو بات ہے وہ وحی ہے جو بھیجی جاتی ہے] کا مطلب بھی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی جن باتوں کا وحی نہ ہونا کتاب وسنت میں کہیں نہیں آیا وہ سب باتیں آپ ﷺ پر وحی ہیں۔

۱۴۲۰/۱/۲۵ھ

---

[1] [الاعراف ۱۵۸ پ۹] [2] [عبس ۱۰] [3] [التحریم ۱] [4] [النجم ٤]

س: وحی کی کتنی قسمیں ہیں؟ حافظ محمد فاروق تبسم

ج: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَّرَآءِ يْ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلاً فَيُوْحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَآءُ﴾ [1] [اور نہیں طاقت کسی آدمی کو کہ بات کرے اس سے اللہ مگر وحی سے یا پردے کے پیچھے سے یا بھیجے فرشتہ پیغام لانے والا پس جی میں ڈال دیوے ساتھ حکم اس کے کے جو کچھ چاہتا ہے] کتاب وسنت میں وحی کی جتنی بھی صورتیں آئی ہیں وہ تمام کی تمام اس آیت کریمہ میں مذکور تین قسموں کی طرف ہی راجع ہیں۔ ۱۴۱۹/۱۲/۳ھ

س: (۱) کون سی حدیث پر عمل کرنا چاہیے۔ صحیح، حسن، ضعیف یا اور بھی قسمیں جو بتائی جاتی ہیں۔ ان پر کیونکہ جن حدیثوں پر اہل حدیث عمل کرتے ہیں اہل سنت بریلوی کہتے ہیں وہ ضعیف ہیں اور جس پر وہ عمل کرتے ہیں ہم ان کو ضعیف کہہ دیتے ہیں آخر حدیث حدیث ہی ہے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ بس حدیث پر عمل کرو چاہے کوئی صحیح ہو یا ضعیف وضاحت فرمائیں؟

(۲) صحاح ستہ کے علاوہ بہت سی احادیث کی کتابیں ہیں مثلاً طبرانی، طحاوی، نیل الاوطار، بلوغ المرام، کنز العمال وغیرہ وغیرہ کونسی کتابیں ہیں کیونکہ اہل سنت بریلوی طحاوی کا اکثر اور اہل حدیث بلوغ المرام کے حوالے بتاتے ہیں وضاحت فرمائیں؟ محمد سلیم بٹ

ج: (۱) ہر متواتر یا صحیح یا حسن حدیث پر عمل ہوگا بشرطیکہ منسوخ نہ ہو اہل علم کے اختلاف کی صورت میں تعصب کو بالائے طاق رکھ کر دلائل کی روشنی میں تحقیق ہوگی اہل حدیث، دیوبندی اور بریلوی میں سے جس کی پیش کردہ حدیث صحیح یا حسن ہوگی اس پر عمل ہوگا۔ (۲) کتب حدیث سینکڑوں ہیں حدیث کسی کتاب میں ہو اگر صحیح یا حسن ہے تو اس پر عمل ہوگا۔ ۱۴۱۵/۱۰/۱۸ھ

س: حدیث قدسی اور عام حدیث میں کیا فرق ہے اور ان کی تعریفات کیا ہیں حدیث قدسی اور قرآن پاک میں کیا فرق ہے کیا حدیث قدسی کے الفاظ و معانی دونوں اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں جبکہ قرآن پاک کے الفاظ اور معانی تو دونوں اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں کیا ان میں فرق متلو اور غیر متلو کا ہے اس کے علاوہ حدیث قدسی کے مقابلہ میں قرآن پاک کو کون کون سے امتیاز حاصل ہیں؟ حافظ محمد فاروق تبسم تقویۃ الاسلام لاہور

---

[1] [الشوری ۵۱ پ ۲۵]

ج: حدیث میں اگر اس اعتبار کو ملحوظ رکھا جائے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ قائم اور ان سے صادر ہے تو قدسی حدیث بھی نبوی ہے، اگر اس اعتبار کو ملحوظ رکھا جائے کہ وہ من جانب اللہ ہے تو حدیث نبوی بھی قدسی ہے اور اگر اس اعتبار کو ملحوظ رکھا جائے کہ حدیث میں بصراحت ووضاحت رسول اللہ ﷺ کے اللہ تبارک وتعالیٰ سے روایت کرنے کا ذکر ہے یا نہیں تو پہلی صورت میں حدیث قدسی اور دوسری صورت میں حدیث نبوی۔ حدیث قدسی میں الفاظ کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونا ضروری نہیں جبکہ آیت قرآن میں الفاظ کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونا ضروری ہے۔ جمال الدین قاسمی رحمہ اللہ کی کتاب قواعد التحدیث کا مطالعہ فرمائیں؟ ۱۴۱۹/۱۲/۳ھ

س: حافظ صاحب جو لوگ کہتے ہیں کہ ضعیف روایت کے مقابلہ میں صحیح روایت نہ ہو تو ضعیف پر عمل کرنا بھی جائز ہے یہ بات کہنے والوں کا خیال کہاں تک درست ہے تفصیل کے ساتھ وضاحت فرمائیں؟ عبدالرحمن وزیر آباد

ج: ضعیف روایت قابل احتجاج نہیں خواہ کسی صحیح یا حسن کے مقابلہ میں ہو خواہ نہ ہو تفصیل کی اس وقت فرصت نہیں اگر آپ تفصیل معلوم کرنا چاہتے ہیں تو صحیح جامع صغیر اور ضعیف جامع صغیر کے آغاز میں شیخ البانی حفظہ اللہ تعالیٰ کا مقدمہ ملاحظہ فرمالیں۔ ۱۴۱۱/۸/۲۵ھ

س: کتاب الکفایۃ فی علم الروایۃ سے خطیب بغدادی کی عبارت پیش کر رہے ہیں ص ۴۳۲ سے جو خبر واحد کے متعلق ہے جس سے منکرین حدیث استدلال کرتے ہیں مثلاً غامدی وغیرہ وہ خطیب کو بھی اپنی صف میں کھڑا کرتے ہیں۔ خطیب کی اس عبارت کے بارے میں آپ کی کیا تحقیق ہے۔ کیا خطیب خبر واحد کو سنت معلومہ اور عقل کے خلاف تسلیم نہیں کرتے ہیں۔ برائے مہربانی خطیب کی کسی عبارت سے اس کی تشریح یا توضیح بیان کریں؟ وہ عبارت درج ذیل ہے: ''خَبَرُ الْوَاحِدِ لاَ یُقْبَلُ فِیْ شَیْءٍ مِنْ اَبْوَابِ الدِّیْنِ الْمَاخُوْذِ عَلَی الْمُکَلَّفِیْنَ الْعِلْمُ بِهَا وَالْقَطْعُ عَلَیْهَا ، وَالْعِلَّةُ فِیْ ذٰلِكَ اَنَّهُ اِذَا لَمْ یُعْلَم اَنَّ الْخَبَرَ قَوْلُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ کَانَ اَبْعَدَ مِنَ الْعِلْمِ بِمَضْمُوْنِهِ ، فَاَمَّا مَا عَدَا ذٰلِكَ مِنَ الْاَحْکَامِ الَّتِیْ لَمْ یُوْجَبْ عَلَیْنَا الْعِلْمُ بِاَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَرَّرَهَا وَاَخْبَرَ عَنِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ بِهَا فَاِنَّ خَبَرَ الْوَاحِدِ فِیْهَا مَقْبُوْلٌ وَالْعَمَلُ بِهٖ وَاجِبٌ وَلاَ یُقْبَلُ خَبَرُ الْوَاحِدِ فِیْ مُنَافَاةِ حُکْمِ الْعَقْلِ وَحُکْمِ الْقُرْآنِ الثَّابِتِ الْمُحْکَم وَالسُّنَّةِ الْمَعْلُوْمَةِ وَالْفِعْلِ الْجَارِیْ مَجْرَی السُّنَّةِ وَکُلِّ دَلِیْلٍ مَقْطُوْعٍ بِهٖ''

[خبر واحد نہیں قبول ہوگی دین کے ان مسائل میں جن مین مکلفین پہ ان کے علم ویقین کی پابندی لگائی گئی ہے اور اس

کی وجہ یہ ہے کہ جب یہ علم ہی نہ ہو کہ خبر رسول اللہ ﷺ کا قول ہے تو اس خبر کا مضمون علم سے بہت بعید ہو گا لیکن ان کے علاوہ وہ احکام جن میں ہم پر علم واجب نہیں اور بے شک نبی ﷺ نے ان کو بیان کیا اور اللہ عزوجل سے خبر دی پس بے شک ان میں خبر واحد مقبول ہو گی اور اس پر عمل کرنا واجب ہو گا اور خبر واحد جب عقل کے منافی ہو یا قرآن کے منافی ہو جو ثابت محکم ہے یا سنت معلومۃ کے یا ایسے فعل کے جو سنت کے قائم مقام ہے یا قطعی دلیل کے منافی ہو تو قبول نہیں کی جائے گی] زبیر علی زئی حضرو

س: صاحب کفایہ کا جو کلام آپ نے نقل کر کے بھیجا ہے اس کی بنیاد دو مقدمات پر ہے۔

(۱) خبریات علمیہ (عقائد) میں علم ویقین کا فائدہ دینے والی دلیل کا ہونا ضروری ہے جبکہ طلبیات عملیہ (احکام) میں علم ویقین کا فائدہ دینے والی دلیل کا ہونا ضروری نہیں ان میں ظن غالب کا فائدہ دینے والی دلیل بھی کافی ہے۔

(۲) خبر واحد قطع ویقین کا فائدہ نہیں دیتی۔ مگر ان دو مقدمات کے اثبات میں جو دلائل بیان کئے جاتے ہیں وہ ان مقدمات کے اثبات پر دلالت نہیں کرتے لہٰذا صاحب کفایہ کا یہ عندیہ درست نہیں۔ چنانچہ آپ کفایہ ہی سے باب ما جاء فی التسویة بین حکم کتاب اللہ وحکم سنة رسول اللہ ﷺ، باب تخصیص السنن لعموم محکم القرآن اور باب ذکر الدلائل علی صحة العمل بخبر الواحد کا مطالعہ فرمائیں ان بابوں میں آپ کو کئی چیزیں ایسی مل جائیں گی جن سے خبر واحد کا مفید قطع ہونا ثابت ہوتا ہے۔

شیخ محمد عید عباسی شیخ البانی کے رسالہ ''الحدیث حجۃ بنفسہ فی العقائد والاحکام'' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: ''وَالْحَقُّ الَّذِیْ نَرَاهُ وَنَعْتَقِدُهُ اَنَّ کُلَّ حَدِیْثٍ اٰحَادِیٍ صَحِیْحٍ تَلَقَّتْهُ الْاُمَّةُ بِالْقُبُوْلِ مِنْ غَیْرِ نَکِیْرٍ مِنْهَا عَلَیْهِ اَوْ طَعْنٍ فِیْهِ فَاِنَّهُ یُفِیْدُ الْعِلْمَ وَالْیَقِیْنَ سَوَاءٌ کَانَ فِیْ اَحَدِ الصَّحِیْحَیْنِ اَوْ فِیْ غَیْرِهِمَا'' [اور وہ چیز جو حق ہے ہماری رائے اور عقیدہ کے مطابق کہ ہر وہ حدیث صحیح خبر واحد جس کو امت نے بغیر کسی انکار اور طعن کے قبول کیا ہے پس بے شک وہ علم ویقین کا فائدہ دیتی ہے صحیحین میں سے کسی ایک میں ہو یا ان دونوں کے علاوہ کسی کتاب میں ہو] پھر اس پر تعلیق میں لکھتے ہیں: ''ثُمَّ رَاَیْتُ الْخَطِیْبَ الْبَغْدَادِیَ قَدْ جَزَمَ بِذٰلِكَ فِیْ کِتَابِهٖ''[1] [پھر میں نے دیکھا کہ خطیب بغدادی نے اسی چیز کو جزم کے ساتھ بیان کیا ہے]

رہا منکرین حدیث کا معاملہ تو وہ لوگ جن ابواب میں خطیب صاحب نے خبر واحد کے مقبول ہونے کی تصریح فرمائی ہے ان ابواب میں بھی خبر واحد کو بلکہ خبر متواتر کو بھی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس لیے ان کا معاملہ

---

[1] الفقیه والمتفقه، ص ۹۶، مقدمة رساله مذکوره ص ۱۵

خطیب سے جداگانہ ہے۔

باقی خبر واحد کے دلیل قطعی کے بظاہر منافی آ جانے کی صورت میں اگر خبر واحد صحیح ومقبول ہے تو پھر جس کو دلیل قطعی سمجھا جا رہا ہے وہ دلیل قطعی نہیں ہے یا پھر وہاں منافاۃ نہیں۔ واللہ اعلم ۱۴۱۳/۱۱/۲۸ھ

س : اللہ اکبر کے بارے بیان کریں ایک صاحب کا کہنا ہے کہ اکبر تفضیلیۃ ہے ہم جنس کے لیے قرآن میں اکبر بڑائی اور برتری کے لیے استعمال ہوا ہے ہم جنس کے لیے اس کی بجائے علیاً کبیراً کہنا چاہیے یہ صاحب چکڑالوی ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ اکبر کہیں بھی نہیں بیان کیا گیا۔ ایم رحمت علی انصاری 21/9/93

ج : نماز میں اللہ اکبر کہنا سنت وحدیث میں مذکور ہے آپ اس چکڑالوی سے پوچھیں قرآن مجید میں کون سی آیت ہے جس میں یہ آیا ہو نماز کے اذکار صرف قرآن مجید سے ہی لینے ہیں حدیث سے نہیں لیے جا سکتے پھر قرآن مجید میں علیاً کبیراً جو آیا ہے ان سے پوچھیں نماز کے اندر اس لفظ کو کس جگہ پڑھنا ہے جواب صرف قرآن مجید سے لیں کیونکہ وہ صاحب حدیث تو مانتے نہیں پھر تعظیم کے لیے قرآن مجید کے اور الفاظ بھی مثلاً العلی العظیم الکبیر المتعال وغیرہ کافی ہیں۔ پھر قرآن مجید سے وہ علیاً کبیراً کی تخصیص بھی پیش کریں۔ اکبر اسم تفضیل ضرور ہے مگر اس میں چکڑالوی کی تقیید ''ہم جنس'' فضول ہے۔ ۱۴۱۴/۴/۱۳ھ

س : میں نے تو بخاری شریف میں دیکھی نہیں ویسے میرا خیال ہے کہ حدیث ہے اس میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک جنگ میں تقسیم ہونے سے پہلے ہی اپنے لیے ایک لونڈی علیحدہ رکھ لی تو ایک صحابی نے اعتراض کیا کہ علی رضی اللہ عنہ نے ناانصافی کی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی کو ڈانٹ دیا کہ تم علی رضی اللہ عنہ کی شکایت کیوں کرتے ہو معترض اس پر بھی اعتراض کرتا ہے کہ حضرت نے ایسا نہیں کیا ہوگا حدیث ہی غلط ہے۔ چوہدری عبدالرحمٰن مہار ستراہ سیالکوٹ 4/1/87

ج : صحیح بخاری جلد دوم کتاب المغازی باب بعث علی بن ابی طالب ص ۶۲۳ کی زیر بحث حدیث میں صراحت موجود ہے کہ وہ لونڈی خمس (مال غنیمت کے پانچویں حصہ) سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لی اور اعتراض کرنے والے صحابی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''علی سے ناراض نہ ہو کیونکہ علی کا خمس میں حصہ اس (لونڈی) سے کہیں زیادہ ہے'' لہٰذا اس حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔ قرآن مجید کے دسویں پارے کی پہلی آیت مبارکہ میں خمس غنیمت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابتداروں کے حصہ کی تصریح موجود ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابتدار ہیں تو آپ اس حدیث پر خواہ مخواہ نکتہ چینی کرنے والوں سے پوچھیں قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ کے متعلق ان کا کیا

نظریہ ہے؟ آیا اس کو بھی غلط یا جھوٹی کہنے کو تیار ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک ۹/۵/۱۴۰۷ھ

س: (۱) دین میں ہر نئی چیز بدعت ہے تو پھر بتائیں۔ نماز تراویح با جماعت، نماز جمعہ کے لیے دو اذانیں، حضور کی قبر پر گنبد، قرآن پاک کا یک جا کرنا، قرآن پر اعراب اور ترجمہ، مسجدوں پر مینار، وغیرہ یہ باتیں اس لیے تحریر کی ہیں کیونکہ بدعتی اکثر اسی طرح کے سوالات کر کے اپنی بدعت (عید میلاد) وغیرہ کو ترویج دیتے ہیں۔ اور قل، دسواں، چالیسواں کو بدعت حسنہ کا نام دے کر کار ثواب سمجھتے ہیں۔

(۲) قرآن مجید اور حدیث مبارکہ میں مردہ کے لیے دعا کرنا اور مردہ کو دعا کا مستحق ہونا ثابت ہے مردہ کو اپنے پچھلوں (زندوں) کی طرف سے دعا کا یا صدقہ خیرات کا مستحق ہونا مسلمہ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں تو پھر اہتمام سے صدقہ خیرات کرنا یا مردہ کے لیے دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا کون سی بدعت ہے۔ تھوڑی سی وضاحت کریں؟

رحمت علی انصاری 21/9/93

ج: (۱،۲) نماز تراویح با جماعت تین راتیں رسول اللہ ﷺ کے عمل اور پورا رمضان المبارک آپ ﷺ کے قول سے ثابت ہے۔ قرآن مجید کو با اعراب اور باترتیب پڑھنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے تو اس میں اس کو لکھنے اور یکجا کرنے کا ثبوت بھی مہیا ہو جاتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ قرآن مجید خود لکھوایا کرتے تھے۔ قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے عالمگیر ہونے سے ترجمہ کا ثبوت نکل آتا ہے کیونکہ غیر عرب اکثر بغیر ترجمہ سمجھنے سے قاصر ہیں: ﴿وَأُوْحِيَ إِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِأُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ بَلَغَ﴾ [1] [اور یہ قرآن میری طرف اس لیے وحی ہوا ہے کہ میں تم کو اور جسے یہ پہنچے اس کے ذریعے عذاب سے ڈراؤں] ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ [2] [کہہ دو اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں] ﴿بُعِثْتُ اِلَى النَّاسِ عَامَّةً﴾ [3] [مجھے تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے] باقی گنبد کمرہ کی ایک صورت ہے اور رسول اللہ ﷺ کی قبر کمرہ میں بنائی گئی تھی نہ کہ قبر پہلے اور اس پر کمرہ بعد میں باقی آپ کی قبر بدستور کچی ہے۔ باقی مسجدوں پر مینار بنانے والے بھی اس کو دین میں شامل نہیں سمجھتے۔ باقی جمعہ کی دوسری اذان کا حکم وہی ہے جو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے سفر میں پوری نماز پڑھنے اور ان کے حج وعمرہ اکٹھا ایک سفر میں کرنے سے منع کرنے کا حکم ہے یہ بھی تو آخر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ثابت ہیں بریلوی لوگ ان دو چیزوں کو کیوں تسلیم نہیں کرتے؟ میت کے لیے صدقہ ودعا میں تخصیص تاریخ وجگہ واجتماع اور ہیئت کذائی کتاب وسنت

---

[1] [انعام ۱۹ پ۷] [2] [اعراف ۱۵۸ پ۹] [3] [متفق علیہ بحوالہ مشکوۃ کتاب الفضائل والشمائل باب فضائل سید المرسلین ۔ الفصل الاول]

سے ثابت نہیں جن کو اہل بدعت نے اپنا رکھا ہے۔ ١٤١٤/٤/١٣ھ

س: میرے نزدیک تلاوت قرآن کے بعد ''صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْم'' کا کہنا بدعت ہے؟ سید عبدالرؤف کراچی

ج: تلاوت کے اختتام پر صدق الله العظيم کہنا واقعی امر محدث ہے۔ ١٤١٣/٦/١٢ھ

س: (۱) اب جو لوگ محفل نعت کا انعقاد کرواتے ہیں اور ان کا مقصد اور ان کی نیت ثواب کی ہوتی ہے کیا یہ درست ہے؟

(۲) نعت پڑھنا اور خاص طور پر جو لوگ ترنم اور خاص طرز کے ساتھ نعت پڑھتے ہیں اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

(۳) نعت پڑھنا کیا ثواب کا کام ہے؟ نعت کس قسم کی ہونی چاہیے؟

(۴) اگر انسان کوئی کام شروع کرے کسی بھی قسم کا لیکن ہو بھی جائز۔ اگر وہ کوشش کے باوجود انسان سے نہ ہو اور وہ اس میں کامیاب نہ ہو رہا ہو اسے کیا کرنا چاہیے کہ اس کی مشکل دور ہو جائے؟ عتیق الرحمٰن

ج: (۱) نعت میں شرکیہ یا کفریہ کلمات نہ ہوں اور نہ ہی اس میں بدعی عقائد ونظریات کی ترجمانی ہو پھر ساز باجے گاجے کے بغیر ہو نیز کوئی امر شرع کے خلاف موجود نہ ہو تو درست ہے۔

(۲) نعت جواب نمبر ا میں مذکور شرائط پر پوری اترتی ہو اور گانوں کی طرز پر نہ پڑھی جائے تو جائز ہے۔

(۳) نعت میں اگر کتاب وسنت ہی کی باتیں پائی جاتی ہیں اور نمبر ا، نمبر ۲ میں مذکور تمام امور کا اس میں لحاظ رکھا گیا ہو تو اجر وثواب ملے گا ان شاء اللہ سبحانہ وتعالیٰ بشرطیکہ نعت پڑھنے والے میں اجر وثواب کی صلاحیت اور اس کا استحقاق موجود ہوں مثلاً مشرک یا کافر نہ ہو کسی ایسے کام کا مرتکب نہ ہو جس سے تمام اعمال حبط وباطل ہو جاتے ہیں ساتھ ساتھ اخلاص وتقویٰ کے ساتھ متصف ہو ﴿إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ [1] [اللہ قبول کرتا ہے صرف پرہیزگاروں سے]

(۴) اسے اپنی کوتاہیاں دور کرنی چاہئیں، تقویٰ اختیار کرنا چاہیے ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا﴾ [2] [اور جو کوئی ڈرتا ہے اللہ سے کر دے گا وہ اس کے کام میں آسانی] ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتا رہے اور یہ بھی غور کرے کہیں وہ خود تو اس امر کو جائز سمجھتا ہو اور نفس الامر میں وہ ناجائز ہو۔ ١٤١٩/٧/٢٠ھ

[1] [المائدة ٢٧ پ٦] [2] [الطلاق ٤ پ٢٨]

س: امام بخاری اپنی کتاب بخاری شریف میں ''قَالَ بَعْضُ النَّاسِ'' سے کیا مراد لیتے ہیں؟ حافظ محمد فاروق تبسم

ج: ''بعض الناس'' سے امام بخاری رحمہ اللہ الباری بعض الناس ہی مراد لیتے ہیں قال بعض الناس کے بعد مقولہ مذکور ہوتا ہے جو لوگ اور جتنے لوگ اس مقولہ کے قائل ہیں امام بخاری رحمہ اللہ الباری کے نزدیک وہ تمام کے تمام بعض الناس سے مراد ہوتے ہیں۔ ۱۴۱۹/۱۲/۳ھ

س: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق اہلحدیث کا کیا موقف ہونا چاہیے کچھ کہتے ہیں انہوں نے صحابہ کو دیکھا احادیث نقل کیں بہترین زندگی گزاری اور امام اعظم کہلائے اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے صرف چند حدیثیں یاد کیں اور شاگرد امام ابو یوسف کی وجہ سے مشہور ہوئے۔ محمد سلیم بٹ

ج: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی کسی ایک بھی صحابی ﷺ کے ساتھ ملاقات ثابت نہیں۔ تقدمۃ الجرح والتعدیل میں امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا بیان ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید، سنت وحدیث رسول ﷺ اور اقوال وآثار صحابہ وتابعین کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی بنسبت زیادہ جاننے والے ہیں۔ ۱۴۱۶/۱۱/۲۲ھ

س: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کن کن مسائل سے رجوع کیا تھا؟ مولانا صفدر عثمانی

ج: تفصیل کتابوں میں دیکھ لیں سر دست مجھے یاد ہے جرابوں پر مسح والے مسئلہ میں ان کا رجوع ہدایہ میں مذکور ہے اور خلق قرآن والے مسئلہ میں ان کا رجوع تاریخ بغداد اور التنکیل میں لکھا ہے نیز کتاب ماتریدیہ ص ۱۷۲ ج ۱ میں لکھا ہے ''ولکن الامام ابا جعفر الطحاوی الخ'' ۱۴۱۶/۱۱/۲۱ھ

س: آج کچھ بریلوی مولوی غنیۃ الطالبین کے بارے میں بتا رہے ہیں کہ یہ کتاب حضرت عبدالقادر جیلانی کی نہیں ہے بلکہ یہ ان کی طرف منسوب کی گئی ہے کیا یہ صحیح ہے یا غلط؟ محمد سلیم بٹ

ج: غنیۃ الطالبین عبدالقادر جیلانی کی کتاب ہے۔ ۱۴۱۶/۲/۱۵ھ

س: ''محدث'' لاہور کے تازہ شمارہ میں آپ کا مقالہ پڑھا اس کے متعلق چند سوالات ارسال کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ امید ہے جواب سے نوازیں گے۔ مناسب ہو تو محدث ہی میں شائع کروا دیں کیوں کہ ہو سکتا ہے یہ سوال کئی ذہنوں میں پیدا ہوئے ہوں۔

(۱) نصوص قرآن وسنت کی تعبیر کا مدار اکثر اجتہاد پر ہے کیا درست تعبیر بھی شریعت نہیں یا صرف غلط اجتہاد شریعت سے خارج ہوگا۔

(۲) روایت احادیث میں بھی اجتہاد وفہم کا دخل ہے اس لیے بعض روایات میں ایک دوسرے کی تغلیط بھی صحابہ نے کی ہے، روایت بالمعنی بھی بلاشک ایک قسم کا اجتہاد ہی ہے تو کیا اس صورت میں ان روایات کو خارج از شریعت قرار دیا جائے گا؟

(۳) حدیث کی تصحیح کے اصول مستنبط اور اجتہادی ہیں ان کی تطبیق بھی اجتہاد ہے اور وہ غلبہ ظن جس کی پاداش میں ائمہ کے تمام اجتہادات بیک قلم خارج از شریعت قرار دیے جا رہے ہیں ذخیرہ حدیث میں بھی پایا جاتا ہے۔ مقدمہ ابن صلاح کی یہ عبارت آپ کو تو حفظ ہوگی ''وَمَتٰی قَالُوْا هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ فَمَعْنَاهُ اَنَّهُ اتَّصَلَ سَنَدُهُ مَعَ سَائِرِ الْاَوْصَافِ الْمَذْكُوْرَةِ وَلَيْسَ مِنْ شَرْطِهِ اَنْ يَكُوْنَ مَقْطُوْعًا بِهِ فِي نَفْسِ الْاَمْرِ..... ''الخ

(۴) آحاد کی تصحیح وتضعیف ایک اجتہادی امر ہے ''خطا کا پہلو'' اس میں بھی موجود ہے بایں ہمہ اس سے اثبات اصل شریعت کا روا رکھا گیا ہے تو اجتہاد سے حکم شریعت کیوں معلوم نہیں کیا جا سکتا؟ باب قیاس اور باب نقل کا فرق مزید واضح فرمائیں؟

(۵) اگر مختلف فقہائی نسبت سے شریعت حنفی شریعت مالکی کہا جائے گا تو اختلاف محدثین پر بھی یہ پھبتی کی جا سکتی ہے۔ خصوصاً جبکہ محدثین کے اختلاف کا اثر براہ راست ''شریعت'' پر ہوگا۔

(۶) غیر منصوص مسائل شریعت کاملہ میں کوئی حکم رکھتے ہیں یا نہیں۔ اگر ان کا کوئی حکم ہے تو کیا نام دیا جائے؟ (۷) کیا تمام مسائل اجتہادیہ کو بیک قلم خارج از شریعت قرار دینے کی بجائے یہ ممکن نہیں کہ ہم ان کے درجات مقرر کریں۔ اصول شریعت سے مطابقت رکھنے والے احکام شرعی ہوں اور دوسرے سے متامل فیہ۔ آپ کا شاگرد: عبدالحمید ازہر

ج: (۱) آپ کا یہ سوال بتا رہا ہے کہ آپ بھی تعبیر واجتہاد کا دو قسموں کی طرف منقسم ہونا تسلیم کرتے ہیں۔ i۔ صائب تعبیر واجتہاد۔ ii۔ خاطی تعبیر واجتہاد۔ اس دوسری قسم کو تو آپ بھی شریعت نہیں سمجھتے رہی پہلی قسم تو وہ بھی شریعت نہیں کیونکہ شریعت تو وہ چیز ہے جس کے مطابق وموافق ہونے کی وجہ سے اس تعبیر واجتہاد کو صائب قرار دیا گیا۔

(۲) روایت احادیث میں فہم کا دخل تو ضرور ہے جبکہ اجتہاد کا روایت حدیث میں دخل ہونا محل نظر ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بعض روایات میں ایک دوسرے کو تغلیط کرنا تو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ وہ روایات کو شریعت نہیں سمجھتے تھے ورنہ وہ ان کی تردید وتغلیط نہ فرماتے کیونکہ کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان بھی شریعت کی تغلیط نہیں کرتا روایت بالمعنی میں الفاظ شریعت کا معنی بیان کیا جاتا ہے جس کا تعلق فہم کے ساتھ ہے نہ کہ اجتہاد وقیاس کے ساتھ لہٰذا اس کو اجتہاد کا نام دینا

درست نہیں۔

(۳) تصحیح و تحقیق حدیث کے جو اجتہادی اصول نیز جو اجتہادی تطبیقات خطا ہیں وہ تو بالاتفاق شریعت نہیں اور جو صواب و درست ہیں وہ بھی خود شریعت نہیں بلکہ وہ چیز شریعت ہے جس کے موافق ہو کر وہ صواب و درست بنے۔ اور وہ چیز شریعت ہے جس کے ظاہری تعارض کو ان تطبیقات نے رفع کیا۔

(۴) آحاد کی تصحیح و تضعیف علی الاطلاق اجتہادی نہیں پھر یہ تصحیح و تضعیف کوئی شریعت بھی نہیں کیونکہ اس جگہ شریعت تو وہ چیز ہے جس کی تصحیح کی جا رہی ہے اجتہاد کے ذریعہ علم ہونے سے کسی نے انکار نہیں کیا ذرا غور فرمائیں ایک تو ہے شریعت دوسرے ہے ظن بالشریعۃ اور تیسرے ہے ظن بالشریعۃ کا ذریعہ ان تینوں میں سے کوئی بھی کسی دوسرے کا عین نہیں اجتہاد سے حاصل شدہ شیء ظن بالشریعۃ ہے شریعت نہیں ظن بالشریعۃ میں خطا کا پہلو ہے شریعت میں خطا کا پہلو نہیں کیونکہ تمام کی تمام شریعت حق ہی حق اور وحی ہی وحی ہے تو غور کا مقام ہے کہ ظن بالشریعۃ کو شریعت کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے؟ محدثین کے تصحیح و تضعیف والے فیصلہ جات شریعت نہیں نہ ہی شریعت یا اس کے اثبات کا ان پر مدار ہے کیونکہ شریعت تو ان محدثین اور ان کے اس فن مصطلح کے معرض وجود میں آنے سے پہلے بھی موجود تھی۔

(۵) جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ فقہاء کرام کے اجتہاد و قیاس کے ذریعہ استنباط کر کے مدون کیے ہوئے مسائل شریعت ہیں ان کو اگر حنفی شریعت مالکی شریعت ایسا الزام دیا جائے تو یہ کوئی پھبتی نہیں بلکہ یہ تو ان کے اپنے عقیدہ کی بات ہے اسی طرح جو لوگ محدثین کے فیصلہ جات کو شریعت قرار دیتے ہیں اگر ان کو بخاری شریعت وغیرہ الزام دیا جائے تو بجا کوئی پھبتی نہیں ہوگی اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ فقہاء کے اجتہادی و قیاسی اقوال و فتاویٰ کی طرح محدثین کے محدثانہ فیصلہ جات شریعت نہیں گو محدثین کے فیصلہ جات اجتہادی و قیاسی بھی نہیں رہا ان کے ذریعہ شریعت کو سمجھنا تو اس سے ان کا شریعت ہونا لازم نہیں آتا دیکھئے علوم لغویہ و عربیہ کے ذریعہ شریعت کو سمجھا تو جاتا ہے مگر ان کو شریعت قرار نہیں دیا جاتا۔

(۶) غیر منصوص مسائل کا خارج وواقع میں ہونا اگر تسلیم کر لیا جائے تو انہیں منصوص مسائل سے اخذ کیا جائے گا اس اخذ کا نام اجتہاد ہوگا اس اجتہاد کے ذریعہ حاصل کیے ہوئے مسائل کو شریعت پر پرکھا جائے گا مخالف اور منافی ہونے کی صورت میں ان کا شریعت نہ ہونا تو آپ کو بھی تسلیم ہے موافق ہونے کی صورت میں شریعت وہ شی ہے جس کے یہ مسائل اجتہادیہ موافق ہیں۔

(۷) اس سوال کا جواب پہلے کئی جوابات میں آ چکا ہے۔ ۱۴۰۶/۱۱/۳ھ

س: نبی ﷺ کو چھوڑ کر ائمہ اربعہ کی تقلید جائز ہے کہ نہیں نیز کیا ائمہ اربعہ کی تقلید کو بدعت کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟

عبدالغفور شاہدرہ اسٹیشن لاہور 16/8/97

ج: تقلید یعنی کتاب وسنت کے منافی کسی قول وفعل کو قبول کرنا یا اس پر عمل پیرا ہونا ناجائز ہے۔ ۱۴۱۸/۴/۲۸ھ

س: یہ بات تو ہم مانتے ہیں کہ تقلید ناجائز ہے سوال یہ ہے کہ آیا تقلید بدعت ہے یا نہیں؟ عبدالغفور

ج: میرا دعویٰ ہے کہ تقلید (قبول قول ینافی الکتاب اوالسنۃ) ناجائز ہے آپ لکھتے ہیں ''یہ تو ہم بھی جانتے ہیں کہ تقلید ناجائز ہے'' تو جناب نے میرا دعویٰ تسلیم وقبول فرما لیا بات ختم۔ اب جو صاحب تقلید کو بدعت قرار دیتے یا کہتے ہیں ''بدعت ہے یا نہیں'' والا سوال یا تقلید کے بدعت ہونے کی دلیل ان سے پوچھیں یہ فقیر الی اللہ تو تقلید قبول قول ینافی الکتاب اوالسنۃ کو ناجائز کہتا ہے اور قرار دیتا ہے۔ واللہ اعلم ۱۴۱۸/۵/۱۷ھ

س: مولانا سرفراز صفدر الکلام المفید فی اثبات التقلید ص۲۳ پر فرماتے ہیں: تقلید کا مادہ قلادہ ہے جس کا معنی گلے کا ہار اور پٹہ ہے وَلاَ الْقَلاَئِدَ کا جملہ قرآن کریم میں موجود ہے ❶ اور بخاری ص۲۳۰ ج۱ میں باب تقلید الغنم۔ باب القلائد اور باب تقلید النعل مستقل ابواب موجود ہیں جن میں پیش کردہ مرفوع احادیث میں فَیُقَلِّدُ الْغَنَمَ اور فَتَلْتُ قَلاَئِدَهَا کے الفاظ موجود ہیں اور مسلم ص۴۲۵ ج۱ میں بھی فَقَلَّدَهاَ کے الفاظ مرفوع حدیث میں موجود ہیں مگر غیر مقلدین کو یہ لفظ قرآن وحدیث میں بالکل نظر نہیں آتے اور یہ لفظ ہار کے معنی میں بھی آتا ہے جیسا کہ استعارت عائشة من اسماء قلادة یعنی قلادہ جب انسان کے گلے میں ہو تو ہار کہلاتا ہے اور حیوان کے گلے میں ہو تو پٹہ کہلاتا ہے ص۲۹ مقدمہ میں لکھتے ہیں لغوی معنی تقلید کا مادہ قلادۃ ہے (الخ) نیز فرماتے ہیں حدیث میں آتا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے استعارت عائشة من اسماء قلادة الحدیث❷ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے ہار مانگا تھا (اور پہنا) ص۳۰ پر فرماتے ہیں انسان کے لیے بجائے ہار کے حیوانوں کا پٹہ ہی مراد لینا اور اس پر اصرار کرنا نہ صرف یہ کہ عقل کی خامی ہے بلکہ اخلاقی پستی بھی ہے۔ آپ اس کی وضاحت فرما دیں؟ مولانا محمد صفدر عثمانی

ج: اس سلسلہ میں جو الفاظ قرآن وحدیث میں وارد ہوئے ہیں کبھی کسی اہل حدیث نے ان کا انکار نہیں کیا بات دراصل یہ ہے کہ کچھ لوگ اصرار کرتے ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ اور کسی مجتہد کے اتباع کو تقلید کہنا اور قرار دینا درست ہے''

---

❶ پ۶ المائدة ❷ بخاری ص۴۸ ج۱، ص۵۳۲ ج۱ ومسلم ص۱۶۰ ج۱

تو اس پر اہل حدیث سوال کرتے ہیں کہ ہمیں یہ چیز قرآن وحدیث سے دکھاؤ کیونکہ ہمارے علم کے مطابق قرآن مجید کی کسی آیت کریمہ اور رسول اللہ ﷺ کی کسی صحیح یا حسن حدیث میں رسول اللہ ﷺ اور کسی مجتہد کے اتباع کو تقلید نہیں کہا گیا۔ بس بات فقط یہ ہے اور آپ ماشاء اللہ خوب جانتے ہیں کہ آپ کی قرآن وحدیث سے نقل کردہ عبارات میں سے کسی ایک عبارت میں بھی رسول اللہ ﷺ اور کسی مجتہد کے اتباع کو تقلید قرار نہیں دیا گیا۔ واللہ اعلم ۱۰/۱/۱۴۱۵ھ

س: بات یہ ہے کہ ایک پرانی کتاب دیکھی جو کہ آپ کے اور حضرت القاضی شمس الدین کے مابین تحریری گفتگو ہوئی تھی جس کا نام تھا ''کیا تقلید واجب ہے؟'' اس کے علاوہ کئی رسالے ہم نے دیکھے تقلید شخصی کے خلاف اس پر ہمارے ذہن میں ایک سوال آیا امید ہے کہ جواب دیں گے ''کسی عالم پر اعتماد کرتے ہوئے اس کے کہنے پر عمل کرنا اور دلیل کا مطالبہ نہ کرنا'' کیا یہ بھی تقلید ہے؟ اگر تقلید ہے تو کیا یہ تقلید کفر ہے یا بدعت یا شرک یا حرام یا ناجائز ہے؟

عبداللہ گوجرانوالہ 23/12/86

ج: جس چیز کے متعلق آپ نے بالفاظ ''کیا یہ تقلید ہے؟'' سوال کیا وہ تقلید نہیں۔ نیچے تقلید کو ایک مثال سے واضح کرتا ہوں اس پر غور فرمائیں تو تقلید کی حقیقت آپ کے ذہن میں آ جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

صحیح بخاری جلد دوم کتاب الادب باب قول النبی ﷺ ﴿یَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا﴾ الخ ص ۹۰۴ پر ایک حدیث کے آخر میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿کُلُّ مُسْکِرٍ حَرَامٌ﴾ ہر نشہ آور حرام ہے۔ ادھر بعض علماء فقہاء کی رائے میں ہر نشہ آور حرام نہیں اب اگر کوئی ان بعض علماء فقہاء کی اس رائے کو مانتا ہے تو وہ اس مسئلہ میں ان کی تقلید کرتا ہے۔

۲۸/۴/۱۴۰۷ھ

مسئلہ تقلید پر تحریری گفتگو

س: من راشد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی ومحترمی جناب مولانا عبدالمنان صاحب مدظلہ العالی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ! گذارش ہے کہ مسئلہ تقلید کے متعلق کافی مدت سے دل میں خلش سی رہتی ہے امید ہے کہ بحیثیت عالم ہونے کے اور ﴿وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ﴾ کے پیش نظر بندہ کی دلجوئی فرما کر مسئلہ سمجھنے میں تعاون فرمائیں گے مسئلہ تقلید ائمہ مجتہدین رحمہ اللہ کے متعلق اپنا یعنی جو حق سمجھتے ہیں عندیہ تحریر فرمائیں کہ تقلید ائمہ مجتہدین رحمہ اللہ کن وجوہات ودلائل کی وجہ سے حرام ہے یا کہ تقلید کے اقسام مختلف ہیں اور ہر قسم کا حکم جدا جدا قرآن وسنت سے واضح فرمائیں امید واثق ہے کہ آپ محروم نہ فرمائیں گے ہوسکتا

ہے کہ بندہ کے اشکال دور ہو جائیں اور صراط مستقیم کی مکمل شرح سامنے آ جائے؟ اگر جواب نہ ملا تو قیامت میں بندہ آپ پر دعویٰ کرے گا کہ ان بزرگوں نے مجھے مطمئن نہ کیا تھا۔

السائل الاحقر: محمد عبداللہ راشد مدرسہ دار التوحید والسنہ منڈیالہ تیگہ ضلع گوجرانوالہ 5/10/81

ج: جناب راشد صاحب! بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امابعد! ۷ ذوالحجہ ۱۴۰۱ھ نماز عصر کے بعد آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا جس میں آپ نے تقلید سے متعلق سوال کیا ہے تو جواباً گزارش ہے کہ پچھلے دو ماہ شوال اور ذوالقعدہ میں بندہ اور حضرت القاضی شمس الدین صاحب (زادہ اللہ تعالیٰ مجداوشرفا) کے درمیان اس موضوع پر بات چیت ہوتی رہی مناسب معلوم ہوا کہ اس بات چیت کی ایک نقل آپ کو ارسال کر دی جائے کہ آپ بھی اس کا مطالعہ فرمالیں تاکہ مسئلہ کے دونوں پہلو آپ کے سامنے آ جائیں اور ہوسکتا ہے کہ اس کے مطالعہ سے آپ کے اشکال بھی دور ہو جائیں اللہ تعالیٰ ہم سب کے اشکال دور فرمائے۔

آپ کا ارسال کیا ہوا جوابی لفافہ اور حضرت قاضی صاحب مدظلہ اور بندہ کے مابین بات چیت کی ایک نقل حاضر خدمت ہے چنانچہ اسے واپسی رسید لگا کر آپ کی طرف رجسٹری کیا جا رہا ہے۔ فقط والسلام

ابن عبدالحق بقلمہ ۸ ذوالحجہ ۱۴۰۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی ومحترمی جناب مولانا عبدالمنان صاحب مدظلہ العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گزارش ہے کہ بندہ نے مسئلہ تقلید سمجھنے کے لیے عریضہ لکھا تھا آپ نے احسان فرمایا کہ کاغذات متعلقہ بامسئلہ تقلید بندہ کو رجسٹری کر دیئے ان سے کافی فائدہ ہوا مگر جیسا کہ آپ جانتے ہیں ان کاغذات سے خالی الذہن آدمی کو کچھ حاصل نہیں ہوتا یعنی کہ آپ تقلید کو کیا سمجھتے ہیں اور اس کے دلائل کتاب وسنت سے کیا ہیں تاکہ مسئلہ پوری وضاحت سے سامنے آ جائے اور مجھ جیسے کم مایہ کو حقیقت کے سمجھنے میں آسانی ہو سکے بندہ صرف مسئلہ سمجھنا چاہتا ہے تاکہ ذہنی الجھن سے نجات مل جائے آپ کو اس لیے تکلیف دی ہے کہ بندہ کو بعض دوستوں سے پتہ چلا ہے کہ آپ بات سمجھانے میں پوری کوشش فرماتے ہیں بندہ کے بعض قریبی رشتہ دار جماعت اہل حدیث سے تعلق رکھتے ہیں لہٰذا دوبارہ یہی گزارش ہے کہ تقلید ائمہ کا حکم بلکہ اگر بعض لوگوں کے کہنے کے مطابق تقلید کے اقسام کئی ہوں تو ہر ایک کا حکم قرآن وحدیث سے واضح فرمائیں تاکہ بندہ پوری طرح مطمئن ہو سکے اور یہ کہ تقلید کی وہ کون سی صورت ہوگی جو درجہ

حرام تک پہنچے گی یا ہر طرح کی تقلید ایک حکم رکھتی ہیں۔ بندہ کل بروز جمعہ گھر سے واپس آیا تو جناب والا کی طرف سے رجسٹری پہنچی ہوئی تھی دیکھ کر خوشی ہوئی مگر جب پڑھی تو بات ادھوری معلوم ہوئی جس کی وجہ سے دوبارہ گزارش پیش کر دی۔ والسلام: السائل: محمد عبداللہ راشد مدرسہ دارالتوحید والسنہ منڈیالہ تیگہ ضلع گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب راشد صاحب! زادنی اللہ تعالی وایاك علما نافعا وعملا صالحا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امابعد! ۲۱ ذوالحجہ ۱۴۰۱ھ قبل از نماز ظہر آپ کا دوسرا گرامی نامہ موصول ہوا جس میں آپ لکھتے ہیں ''بندہ کے بعض قریبی رشتہ دار جماعت اہلحدیث سے تعلق رکھتے ہیں لہٰذا دوبارہ یہی گزارش ہے کہ تقلید ائمہ کا حکم بلکہ اگر بعض لوگوں کے کہنے کے مطابق تقلید کے اقسام کئی ہوں تو ہر ایک کا حکم قرآن وحدیث سے واضح فرمائیں''۔

جواباً گزارش ہے کہ تقلید کا حکم اس وقت تک نہ واضح ہوسکتا ہے نہ ہی واضح کیا جاسکتا ہے جس وقت تک تقلید کا معنی معلوم نہ ہوجائے آپ کے پاس پہنچی ہوئی تحریری بات چیت میں تقلید کے دو معنی آپ کے سامنے آچکے ہیں جن سے ایک تو حضرت القاضی شمس الدین صاحب مدظلہ کا بیان فرمودہ ہے جبکہ دوسرا ابن ہمام حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ کا بیان فرمودہ پھر حضرت قاضی صاحب زیدمجدہ کے بیان فرمودہ معنی تقلید پر بندہ کے اعتراضات بھی آپ کے پاس پہنچ چکے ہیں تو اب مسئلہ کو سمجھنے کی صورت یہ ہے کہ آپ تقلید کے ان دونوں معنوں اور بندہ کی طرف سے حضرت قاضی صاحب طول عمرہ کے بیان فرمودہ معنی تقلید پر وارد کردہ سوالات پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں اگر آپ بذات خود ان دونوں معنوں سے درست معنی کا فیصلہ نہ کر پائیں تو ماشاء اللہ حضرت قاضی صاحب مدظلہ ابھی بحیات ہیں آپ ان سے دریافت فرمائیں ان دونوں معنوں سے کون سا معنی درست اور کون سا نادرست ہے؟ کیونکہ اس طرح خالی الذہن آدمی کے لیے تقلید کے حکم کو سمجھنے تک بسہولت رسائی حاصل ہوجاتی ہے تو قع کی جاتی ہے کہ آپ اس نہج پر چلیں گے اور ضرور بالضرور تقلید کے ان دونوں معنوں پر گہرے غوروفکر کے بعد بندہ کو اپنی رائے گرامی سے مطلع فرمائیں گے تاکہ ہم تقلید کے حکم کو سمجھنے کی طرف قدم آگے بڑھا سکیں۔ فقط والسلام: اس دوسری تحریر کو بھی واپسی رسید کے ساتھ رجسٹری کیا جارہا ہے۔ ابن عبدالحق ۲۲ ذوالحجہ ۱۴۰۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی ومحترمی جناب مولانا عبدالمنان صاحب مدظلہ العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گزارش ہے کہ آج بروز سوموار ۲۷ ذوالحجہ ۱۴۰۱ مطابق ۲۶ اکتوبر 1981 بوقت دوپہر جناب کی طرف سے نوازش نامہ بندہ تک پہنچا مگر پڑھنے کے بعد دل نے یہی کہا اے بسا آرزو کہ خاک شدہ مکرمی بندہ کا مقصد سوال کرنے سے صرف حقیقت معلوم کرنا ہے مگر آپ لکھتے ہیں کہ تقلید کا حکم اس وقت تک نہ واضح ہوسکتا ہے نہ ہی واضح کیا جاسکتا ہے جس وقت تک تقلید کا معنی معلوم نہ ہو جائے اور آگے دو معنوں کی طرف اشارہ فرمایا پھر سوال وجواب کی طرف اشارہ فرمایا تو اس سے بہتر یہی نہ تھا کہ سائل کو لمبے چکر میں ڈالنے کی بجائے آپ خود اپنا معہود فی الذہن تقلید کا معنی لکھ دیتے اور ساتھ حکم مدلل لکھ دیتے لہٰذا سائل کو اور حضرات کے بیان کی طرف بھیجنے کی بجائے خود آپ اپنے پاس سے تسلی بخش معنی اور حکم مدلل بیان فرمادیں جب ان سے سوال کروں گا تو ان کے بیان فرمودہ معنی اور حکم کو دیکھ لیا جائے گا زیادہ مفید صورت یہی ہے کہ آپ بیان فرمادیں کیونکہ اگر اس طرح دیگر حضرات علماء عظام کے بیان کردہ معنوں کو دیکھنے لگیں تو بات بلاوجہ طول پکڑتی ہے کہ پہلے ان کے معنی دیکھو پھر ان کی تشریحات الخ بندہ نے یہ لفظ دونوں مسلک (حنفی اہل سنت اور اہلحدیث) کے علماء کی کتب میں دیکھا ہے دونوں ہی اس کی بعض صورتوں کو جائز اور بعض کو ناجائز وغیرہ لکھتے ہیں مثلاً فتاویٰ نذیریہ ص ۱۷۹ ج ا یجوز تقلید المفضول مع وجود الافضل الخ تو اس سے معلوم ہوا کہ تقلید کا کوئی معہود معنی مسلک اہلحدیث میں بھی جائز ہے اسی قسم کے اشکالات کی وجہ سے بندہ نے سوال کیا تھا کہ اس تقلید ائمہ کی مکمل تشریح سامنے فرمادیں جس میں لازماً تقلید کا معنی اور مکمل تفصیلی حکم داخل ہے اور آپ نے جو پہلے کاغذات بھیجے تھے ان میں آپ کی طرف سے تقلید کا معنی نظر سے نہیں گزرا بندہ کو مخالف نہ سمجھیں حقیقت سمجھانے کی پوری کوشش فرمائیں شاید اس سے دین کا فائدہ ہو۔ والسلام: محمد عبداللہ راشد مدرسہ دارالتوحید والسنہ منڈیالہ تیگہ ضلع گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب راشد صاحب! زادنی اللہ تعالی وایاك علما نافعا وعملا صالحا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اما بعد! ۳۰ ذوالحجہ ۱۴۰۱ قبل از نماز ظہر آپ کا تیسرا گرامی نامہ موصول ہوا جس میں آپ میری دوسری تحریر پڑھ کر لکھتے ہیں ''مکرمی بندہ کا مقصد سوال کرنے سے صرف مسئلہ کی حقیقت معلوم کرنا ہے مگر آپ لکھتے ہیں کہ تقلید کا حکم اس وقت تک نہ واضح ہوسکتا ہے نہ ہی واضح کیا جاسکتا ہے جس وقت تک تقلید کا معنی معلوم نہ ہو جائے اور آگے دو معنوں کی طرف اشارہ فرمایا پھر سوال وجواب کی طرف اشارہ فرمایا تو اس سے بہتر یہی نہ تھا کہ سائل کو لمبے چکر میں ڈالنے کی بجائے آپ خود اپنا معہود فی الذہن تقلید کا معنی لکھ دیتے اور ساتھ حکم مدلل لکھ دیتے'' الخ

جواباً گزارش ہے کہ بندہ نے یہ طریق سائل کو ''لمبے چکر'' میں ڈالنے کے لیے نہیں صرف اسے مسئلہ کی حقیقت معلوم کروانے کی خاطر اختیار کیا ہے چنانچہ آپ کے پاس پہنچی ہوئی تحریری بات چیت میں موجود ہے ۔ ارشاد الفحول میں بحواله تحریر ابن همام حنفي رحمه الله ص ٢٦٥ لکھا ہے ''اَلتَّقْلِيْدُ الْعَمَلُ بِقَوْلِ مَنْ لَيْسَ قَوْلُهُ إِحْدَى الْحُجَجِ بِلاَ حُجَّةٍ'' یعنی ''تقلید اس شخص کے قول پر بلا دلیل عمل کرنے کا نام ہے جس شخص کا قول حجتوں میں سے کوئی سی حجت نہ ہو'' (تحریری بات چیت ۔ بندہ کی تحریر نمبر۴ ص۱) اب آپ فرمائیں تقلید کا یہ معنی آپ کے نزدیک درست ہے یا نہیں؟ اگر آپ اس معنی کو درست نہ سمجھتے ہوں تو پھر تقلید کا وہ معنی تحریر فرمادیں جس کو آپ درست سمجھتے ہوں کیونکہ تقلید کا معنی متعین کیے بغیر حکم تقلید کو سمجھنا سمجھانا کوئی نتیجہ خیز چیز نہیں امید ہے جناب اس طرف توجہ فرمائیں گے۔

یہ انداز صرف اور صرف آپ کو سمجھانے کی خاطر اختیار کررہا ہوں ورنہ آپ کے سوال کے جواب میں تو صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ حکم تقلید سے متعلق بندہ کا نظریہ آپ کے پاس پہنچی ہوئی تحریری بات چیت میں دلیل سمیت بالفاظ واضحہ درج ہے آپ اسے ہی ملاحظہ فرمالیں اگر حکم تقلید سے متعلق بندہ کا نظریہ آپ کو تحریری بات چیت میں نہ ملے تو مجھے لکھیں ان شاء اللہ تعالیٰ نشاندہی کردی جائے گی ۔ اس تیسری تحریر کو بھی واپسی رسید کے ساتھ رجسٹری کیا جارہا ہے۔

فقط والسلام ابن عبدالحق یکم محرم ۱۴۰۲ھ

محترمی ومکرمی حضرت مولانا عبدالمنان صاحب مدظلہ العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گزارش ہے کہ بندہ نے صرف مسئلہ تقلید سمجھنے کے لیے جناب محترم کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا تھا تاکہ معلوم ہوجائے کہ تقلید کس کو کہتے ہیں اور آپ نے نوازش فرمائی کہ سابقہ گفتگو کے کاغذات روانہ فرمائے ان سے کچھ حاصل نہ ہوتا تھا بندہ نے دوبارہ لکھا آپ نے پھر اسی تحریر کی طرف اشارہ فرمایا بلکہ تیسری بار بھی اسی گفتگو کے کاغذات سے کچھ عبارات نقل فرمادیں مگر آپ میری گزارش پہ خدا جانے کیوں توجہ نہیں فرماتے شاید مجھ سے لکھنے میں غلطی ہوجاتی ہے جس سے مطلب بگڑ جاتا ہے مکرمی! میں نے یہی لکھا تھا کہ تقلید کا لفظ مسلک اہل حدیث اور مسلک حنفی دونوں بزرگوں کی کتب میں موجود ہے بلکہ فتاویٰ نذیریہ سے یہ عبارت بھی لکھی تھی ''يَجُوْزُ تَقْلِيْدُ الْمَفْضُوْلِ مَعَ وُجُوْدِ الْاَفْضَلِ'' جب یہ لفظ دونوں مسلکوں میں موجود ہے تو آپ سے اسی لفظ کی تعریف آپ کے اپنے مسلک کے مطابق پوچھی تھی مزید گزارش ہے کہ ہدیۃ المہدی ص۱۱۰ میں ہے ''لاَ بُدَّ لِلْعَامِيْ مِنْ تَقْلِيْدِ الْعُلَمَاءِ'' نیز کتاب سیدی والی

ص ۳۷۵ میں اسی سے ملتے جلتے تقریباً الفاظ ہیں تو اب میں یہی گزارش کرتا ہوں کہ ان جماعت اہلحدیث کے بزرگوں کی تصریحات کی روشنی میں تقلید کی تعریف اور اقسام مفصل بیان فرما کر عنداللہ ماجور ہوں تاکہ سائل کے اشکالات رفع ہو جائیں اور حقیقت حال اجاگر ہو جائے بندہ کو ادھر ادھر بھیجنے کی بجائے خود ہی مطمئن فرما دیں تاکہ بات آسانی سے سمجھ آ جائے۔ السائل محمد عبداللہ راشد مدرسہ دار التوحید والسنہ منڈیالہ ضلع گوجرانوالہ 10/11/81

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب راشد صاحب! زادنی اللہ تعالی وایاك علما نافعا وعملا صالحا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امابعد! ۱۴ محرم ۱۴۰۲ھ بعداز نماز عصر آپ کا چوتھا گرامی نامہ موصول ہوا۔ آپ نے اپنی تیسری تحریر میں لکھا: ''آپ اپنے پاس سے تسلی بخش معنی اور حکم مدلل بیان فرما دیں'' تو بندہ نے اس کے جواب میں لکھا۔ ''آپ کے پاس پہنچی ہوئی تحریری بات چیت میں موجود ہے ''ارشاد الفحول میں بحوالہ تحریر ابن ہمام حنفی لکھا ہے ''اَلتَّقْلِيْدُ الْعَمَلُ بِقَوْلِ مَنْ لَيْسَ قَوْلُهُ اِحْدَى الْحُجَجِ بِلاَ حُجَّةٍ'' یعنی ''تقلید اس شخص کے قول پر بلا دلیل عمل کرنے کا نام ہے جس شخص کا قول حجتوں میں سے کوئی سی حجت نہ ہو'' (تحریری بات چیت۔ بندہ کی تحریر نمبر ۴ ص ۱) اب آپ فرمائیں تقلید کا یہ معنی آپ کے نزدیک درست ہے یا نہیں؟ اگر آپ اس معنی کو درست نہ سمجھتے ہوں تو پھر تقلید کا وہ معنی تحریر فرما دیں جس کو آپ درست سمجھتے ہوں کیونکہ تقلید کا معنی متعین کیے بغیر حکم تقلید کو سمجھنا سمجھانا کوئی نتیجہ خیز چیز نہیں امید ہے جناب اس طرف توجہ فرمائیں گے''

نیز بندہ ہی نے لکھا ''حکم تقلید سے متعلق بندہ کا نظریہ آپ کے پاس پہنچی ہوئی تحریری بات چیت میں دلیل سمیت بالفاظ واضحہ درج ہے آپ اسے ہی ملاحظہ فرمالیں اگر حکم تقلید سے متعلق بندہ کا نظریہ آپ کو تحریری بات چیت میں نہ ملے تو مجھے لکھیں ان شاء اللہ تعالیٰ نشاندہی کر دی جائے گی''

اب آپ فرمائیں آیا آپ کے معنی تقلید اور حکم تقلید سے متعلق سوال کا جواب اس بندہ کی طرف سے آپ کے پاس پہنچ چکا ہے یا نہیں؟ اگر پہنچ چکا ہے تو یہ بندہ اپنی ذمہ داری (پہنچانے اور بتانے) سے فارغ ہو چکا ہے والحمدللہ علی ذالک باقی بات کو دل میں اتارنا اللہ تعالیٰ جل وعلا کا کام ہے بصورت دیگر آپ لکھیں کہ تو نے معنی تقلید بیان کیا ہے نہ حکم تقلید تاکہ یہ دونوں چیزیں لکھ کر رقعہ آپ کو بھیج دیا جائے۔

حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ اور عقیدہ علم غیب سے متعلق جو کچھ آپ نے کسی بزرگ سے سنا وہ ہمارا مسلک

نہیں اس چوتھی تحریر کو بھی واپسی کے ساتھ رجسٹری کیا جا رہا ہے۔فقط والسلام ابن عبدالحق بقلم ۱۵ محرم ۱۴۰۲ھ

مکرمی حضرت مولانا عبدالمنان صاحب مدظلہ العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ

گزارش ہے کہ بندہ نے جو مسئلہ تقلید سمجھنے کے لیے کوشش کی کافی حد تک اس میں ناکامی نظر آ رہی ہے اور بات کو حل کرنے کی بجائے طول دیا جا رہا ہے البتہ اس دفعہ آپ نے لکھا ہے کہ بندہ کا نظریہ آپ کو تحریری بات چیت میں نہ ملے تو مجھے لکھیں ان شاء اللہ تعالیٰ نشاندہی کر دی جائے گی مکرمی اب بات کو مزید طول نہ دیں اور اپنا نظریہ اور معنی تقلید مع مدلل حکم تحریر فرما دیں آپ سے تقلید کا معنی اسی لیے متعین کروایا ہے کہ یہ لفظ آپ کے مسلک کی کتب میں بھی موجود ہے چنانچہ فتاوی نذیریہ ص ۱۷۹ ج ۱ میں ہے کہ افضل کی موجودگی میں مفضول کی تقلید جائز ہے اور ہدیۃ المہدی ص ۱۱۰ میں ہے کہ عامی کے لیے تقلید علماء ضروری ہے اور کتاب سیدی والی ص ۳۷۵ میں ہے ائمہ اہل سنت میں سے کسی ایک امام کی تقلید کو جو بغیر کسی تعین کے ہو واجب قرار دیتے ہیں اور مولانا ثناء اللہ صاحب فرماتے ہیں اور ان کو (یعنی عوام الناس) تقلید سے چارہ بھی نہیں اجتہاد وتقلید ص ۵۶ علماء اہلحدیث کی ان تصریحات کے پیش نظر اب آپ اپنا نظریہ بیان فرما دیں تاکہ مجھے سمجھنے میں آسانی رہے اور تقلید کا ایسا معنی فرما دیں جس کو فریقین تسلیم کرتے ہوں آگے تفصیل میں گرچہ اختلاف ہو اور یا دوسری صورت یہ ہے کہ آپ کا نظریہ ان علماء اہلحدیث سے ہٹ کر ہو یعنی تقلید کسی صورت بھی جائز نہیں حرام ہے اور تقلید کا میرے نزدیک یہ معنی ہے جس کی وجہ سے یہ ہر حالت میں حرام ہے اب ادھر ادھر مجھے نہ بھیجیں اس دفعہ ضرور تکلیف فرما کر اس عقدہ کو حل فرما دیں تاکہ حق بات کھل کر سامنے آ جائے شاید اس میں دین کی بہتری ہو اور مجھ جیسے ناکارہ کو بات سمجھ آ جائے۔

والسلام: محمد عبداللہ راشد دارالتوحید والسنہ منڈیالہ تیگہ ضلع گوجرانوالہ 21/11/81

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب راشد صاحب زادنی اللہ تعالی وایاك علما نافعا وعملا صالحا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اما بعد! ۲۵ محرم ۱۴۰۲ھ بعد از نماز ظہر آپ کا پانچواں گرامی نامہ موصول ہوا جس میں آپ لکھتے ہیں ''اب ادھر ادھر مجھے نہ بھیجیں'' محترم اپنی کسی سابقہ تحریر کا حوالہ دینا ادھر ادھر بھیجنا نہیں چنانچہ میری چوتھی تحریر کو ایک دفعہ پھر پڑھیں اس میں آپ کو ادھر ادھر نہیں بھیجا گیا صرف اپنی سابقہ تحریروں کا حوالہ دیا گیا ہے آپ کی سہولت کے پیش نظر اپنی چوتھی تحریر کو نیچے درج کر رہا ہوں:

''آپ کے پاس پہنچی ہوئی تحریری بات چیت میں موجود ہے ''ارشاد الفحول میں بحوالہ تحریر ابن ہمام حنفی لکھا ہے ''اَلتَّقْلِيْدُ الْعَمَلُ بِقَوْلِ مَنْ لَيْسَ قَوْلُهُ اِحْدَى الْحُجَجِ بِلاَ حُجَّةٍ'' یعنی ''تقلید اس شخص کے قول پر بلا دلیل عمل کرنے کا نام ہے جس شخص کا قول حجتوں میں سے کوئی سی حجت نہ ہو'' (تحریری بات چیت۔ بندہ کی تحریر نمبر ۴ ص ۱)

اب آپ فرمائیں تقلید کا یہ معنی آپ کے نزدیک درست ہے یا نہیں؟ اگر آپ اس معنی کو درست نہ سمجھتے ہوں تو پھر تقلید کا وہ معنی تحریر فرما دیں جس کو آپ درست سمجھتے ہوں کیونکہ تقلید کا معنی متعین کیے بغیر حکم تقلید کو سمجھنا سمجھانا کوئی نتیجہ خیز چیز نہیں امید ہے جناب اس طرف توجہ فرمائیں گے''

نیز بندہ ہی نے لکھا ''حکم تقلید سے متعلق بندہ کا نظریہ آپ کے پاس پہنچی ہوئی تحریری بات چیت میں دلیل سمیت بالفاظ واضحہ درج ہے آپ اسے ہی ملاحظہ فرما لیں اگر حکم تقلید سے متعلق بندہ کا نظریہ آپ کو تحریری بات چیت میں نہ ملے تو مجھے لکھیں ان شاء اللہ تعالیٰ نشاندہی کر دی جائے گی''

اب آپ فرمائیں آیا آپ کے معنی تقلید اور حکم تقلید سے متعلق سوال کا جواب اس بندہ کی طرف سے آپ کے پاس پہنچ چکا ہے یا نہیں؟ اگر پہنچ چکا ہے تو یہ بندہ اپنی ذمہ داری (پہنچانے اور بتانے) سے فارغ ہو چکا ہے والحمد للہ علی ذالک باقی بات کو دل میں اتارنا اللہ تعالیٰ جل وعلا کا کام ہے بصورت دیگر آپ لکھیں کہ تو نے معنی تقلید بیان کیا ہے نہ حکم تقلید تا کہ یہ دونوں چیزیں لکھ کر رقعہ آپ کو بھیج دیا جائے۔'' اس پانچویں تحریر کو بھی واپسی رسید کے ساتھ رجسٹری کیا جا رہا ہے۔ فقط والسلام ابن عبدالحق بقلم ۲۶ محرم ۱۴۰۲ھ

[مولانا عبداللہ صاحب راشد اور حافظ عبدالمنان صاحب نور پوری کے درمیان تحریری گفتگو میں قاضی شمس الدین صاحب اور حافظ صاحب کی تحریری گفتگو کا حوالہ ہے اس لیے اس تحریر کو یہاں درج کیا جاتا ہے]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب قاضی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بندہ کا سوال ہے امید ہے جناب جواب دے کر اس کی تسلی کریں گے سوال یہ ہے حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید قرآن وحدیث کی رو سے فرض ہے یا واجب ہے یا سنت؟

نیز جو شخص حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید نہیں کرتا وہ قرآن وحدیث کی روشنی میں کیسا ہے؟

ماسٹر محمد خالد ۲۱ شوال ۱۴۰۱ھ سرفراز کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

حضرت القاضی (۱)

۲۲ شوال ۱۴۰۱ھ۔

ایک امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کوئی واجب نہیں کہتا اور نفس تقلید کا وجوب قرآن کریم سے ثابت ﴿وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ﴾ خلاصہ یہ کہ مثالوں پر عمل کرنا تو سب لوگوں پر واجب ہے اوران کو سمجھنا صرف علم والوں کا کام ہے۔ تو دوسروں پر واجب ہے کہ ان سے پوچھ کر ان پر عمل۔ شمس الدین

حضرت الحافظ (۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۲ شوال ۱۴۰۱ھ کی بات ہے کہ جناب محمد خالد صاحب نے وجوب تقلید کے اثبات میں حضرت القاضی شمس الدین صاحب مدظلہ کا ایک فتویٰ بندہ کو دکھایا اور اس پر کچھ لکھنے کا مطالبہ کیا جسے اس نے قبول کرلیا۔

تو حضرت قاضی صاحب اپنے اس فتویٰ میں لکھتے ہیں ''نفس تقلید کا وجوب قرآن کریم سے ثابت [1] ﴿وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ﴾ [2] الخ [اور یہ مثالیں بیان کرتے ہیں ہم لوگوں کے واسطے اوران کو سمجھتے وہی ہیں جن کو سمجھ ہے]

اہل علم کو معلوم ہے کہ جب تک دعویٰ میں مذکور الفاظ کے معانی متعین نہ ہوں اس وقت تک معلوم نہیں ہوسکتا کہ وہ دعویٰ مدعی کی پیش کردہ دلیل سے ثابت ہو بھی رہا ہے یہ نہیں اور الفاظ دعویٰ کے معانی مدعی ہی متعین کیا کرتا ہے یا پھر اس کا کوئی وکیل۔

لہٰذا جناب ماسٹر صاحب سے اپیل ہے کہ وہ حضرت قاضی صاحب سے ان کے اپنے ہی دعوے میں مذکور الفاظ تقلید، نفس تقلید اور وجوب کے معانی متعین کروائیں کہ وہ اس مقام پر تقلید، نفس تقلید اور وجوب سے کیا کیا معانی مراد لے رہے ہیں تاکہ جائزہ لیا جاسکے آیا ان کا دعویٰ ''نفس تقلید کا وجوب'' اللہ تعالیٰ کے قول ﴿وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ﴾ سے ثابت ہوتا بھی ہے یا نہیں؟

ابن عبدالحق بقلمہ سرفراز کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ ۲۳ شوال ۱۴۰۱ھ

[1] اس مقام پر ''ہے'' کا لفظ حضرت قاضی صاحب کی تحریر میں نہیں نیز ان کی تحریر کے آغاز میں تسمیہ نہیں ہے۔ [2] العنکبوت ۴۳ پ ۲۰

حضرت القاضی (۲)

سوال یہ پوچھنا ہے کہ جو آدمی علم نہیں رکھتا وہ ان مثالوں پر عمل کس طرح کرے اہل علم کی تقلید میں یا بلا تقلید؟

شمس الدین

حضرت الحافظ (۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۵ شوال ۱۴۰۱ھ کو جناب ماسٹر محمد خالد صاحب حضرت القاضی شمس الدین صاحب مدظلہ کی دوسری تحریر بندہ کے پاس لائے جس میں حضرت قاضی صاحب فرماتے ہیں ''سوال یہ پوچھنا ہے کہ جو آدمی علم نہیں رکھتا وہ ان مثالوں پر عمل کس طرح کرے کسی اہل علم کی تقلید میں یا بلا تقلید؟''۔

جناب ماسٹر صاحب! آپ کو معلوم ہے کہ حضرت قاضی صاحب اپنی پہلی تحریر میں نفس تقلید کے وجوب کے قرآن کریم سے ثابت ہونے کا نہ صرف دعویٰ فرما چکے ہیں بلکہ وہ اپنے اس دعویٰ پر اپنے ہی خیال کے مطابق قرآن مجید کی آیت مبارکہ ﴿وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ﴾ بھی بطور دلیل لکھ چکے ہیں۔

نیز آپ کے علم میں ہے کہ بندہ نے حضرت قاضی صاحب کی اس پہلی تحریر کے جواب میں لکھا تھا ''اہل علم کو معلوم ہے کہ جب تک دعویٰ میں مذکور الفاظ کے معانی متعین نہ ہوں اس وقت تک معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ دعویٰ مدعی کی پیش کردہ دلیل سے ثابت ہو بھی رہا ہے یا نہیں اور الفاظ دعویٰ کے معنی مدعی ہی متعین کیا کرتا ہے یا پھر اس کا کوئی وکیل''۔

لہٰذا ماسٹر صاحب سے اپیل ہے کہ وہ حضرت قاضی صاحب سے ان کے اپنے ہی دعویٰ میں مذکور الفاظ تقلید، نفس تقلید اور وجوب کے معانی متعین کروائیں کہ وہ اس مقام پر تقلید، نفس تقلید اور وجوب سے کیا کیا معانی مراد لے رہے ہیں تاکہ جائزہ لیا جا سکے آیا ان کا دعویٰ ''نفس تقلید کا وجوب اللہ تعالیٰ کے قول ﴿وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ﴾ سے ثابت ہوتا بھی ہے یا نہیں؟''

تو اب چاہیے تو یہ تھا کہ حضرت قاضی صاحب اپنی اس دوسری تحریر میں بتاتے کہ وہ تقلید، نفس تقلید اور وجوب سے فلاں فلاں معانی مراد لے رہے ہیں تاکہ ہم بھی آپ لوگوں کو ان کے بیان فرمودہ معانی کی روشنی میں بتا سکتے آیا ان کا دعویٰ ''نفس تقلید کا وجوب'' مذکورہ بالا آیت مبارکہ سے ثابت ہو بھی رہا ہے یا نہیں مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا اس

لیے آپ سے اپیل ہے کہ آپ ان سے ان کے دعویٰ میں مذکور الفاظ تقلید نفس تقلید اور وجوب کے معانی متعین کروائیں پھر ہم آپ کو بتاسکیں گے۔ آیا ان کا دعویٰ ''نفس تقلید کا وجوب'' مذکورہ بالا آیت کریمہ یا قرآن حکیم کی کسی دوسری آیت مبارکہ یا رسول کریم ﷺ کی کسی حدیث شریف سے ثابت ہوتا بھی ہے یا نہیں؟

رہا حضرت قاضی صاحب کا اپنی دوسری تحریر میں سوال جو آدمی علم نہیں رکھتا وہ ان مثالوں پر عمل کس طرح کرے کسی اہل علم کی تقلید میں یا بلا تقلید! تو اس کا جواب بھی اس وقت تک نہیں دیا جاسکتا جب تک حضرت قاضی صاحب اپنے اس سوال میں مذکور لفظ تقلید کا معنی متعین نہ فرمادیں۔

اس لئے آپ سے درخواست ہے کہ آپ حضرت قاضی صاحب سے تقلید، نفس تقلید اور وجوب کے معانی متعین کروالیں تو پھر ہم انشاء اللہ العزیز ان کے اس سوال کا جواب دیں گے۔ نیز آپ کو بتائیں گے کہ ان کا دعوی ''نفس تقلید کا وجوب'' آیت مذکورہ یا قرآن حکیم کی کسی دیگر آیت کریمہ یا رسول کریم ﷺ کی کسی حدیث شریف سے ثابت ہوتا بھی ہے یا نہیں؟

۲۵ شوال ۱۴۰۱ھ۔ابن عبدالحق بقلمہ سرفراز کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

حضرت القاضی (۳)

نمبر۱: نفس تقلید سے میری مراد یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ امام شافعی کی تعیین ضروری نہیں البتہ جو علم نہیں رکھتا اس پر واجب ہے کہ اہل علم کی تقلید میں ان سے پوچھ کر اس پر عمل کرے اور یہی اس آیت سے ثابت ہوتا ہے۔

نمبر۲: دوسرا سوال یہ ہے کہ ﴿لاَ صَلٰوۃَ بَعْدَ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ﴾ والی حدیث کسی غیر مقلد کی زبان سے نہیں سنی اور ﴿لاَ صَلٰوۃَ اِلاَّ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ﴾ ہر وقت سناتے ہیں پہلی کو کیوں چھپا رکھا ہے؟

شمس الدین

حضرت الحافظ (۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۹ شوال ۱۴۰۱ھ کو جناب ماسٹر محمد خالد صاحب حضرت قاضی شمس الدین صاحب مدظلہ کی تیسری تحریر بندہ کے پاس لائے جس میں حضرت قاضی صاحب فرماتے ہیں۔

نمبر۱: نفس تقلید سے میری مراد یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ امام شافعی کی تعیین ضروری نہیں البتہ جو علم نہیں رکھتا اس پر واجب ہے کہ اہل علم کی تقلید میں ان سے پوچھ کر اس پر عمل کرے اور یہی اس آیت سے ثابت ہوتا ہے۔

نمبر۲: دوسرا سوال یہ ہے کہ ﴿لاَ صَلٰوۃَ بَعْدَ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ﴾ والی حدیث کسی غیر مقلد کی زبان سے نہیں سنی اور ﴿لاَ

صَلٰوۃَ اِلاَّ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ﴾ ہر وقت سناتے ہیں پہلی کو کیوں چھپا رکھا ہے؟'' ماسٹر صاحب! آپ جانتے ہیں کہ حضرت قاضی صاحب نے اپنی پہلی تحریر میں دعوی کیا تھا ''نفس تقلید کا وجوب قرآن کریم سے ثابت ﴿وَتِلْکَ الاَمْثَالُ نَضْرِبُھَا لِلنَّاسِ وَمَا یَعْقِلُھَا اِلاَّ الْعَالِمُوْنَ﴾ [1] '' نیز آپ جانتے ہیں کہ بندہ نے حضرت قاضی صاحب کی اس پہلی تحریر کے جواب میں اپنی پہلی اور دوسری تحریر میں لکھا تھا۔

''اہل علم کو معلوم ہے کہ جب تک دعویٰ میں مذکور الفاظ کے معانی متعین نہ ہوں اس وقت تک معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ دعویٰ مدعی کی پیش کردہ دلیل سے ثابت ہو بھی رہا ہے یا نہیں الفاظ دعویٰ کے معانی مدعی ہی متعین کیا کرتا ہے یا پھر اس کا کوئی وکیل''۔

لہٰذا ماسٹر صاحب سے اپیل ہے کہ وہ حضرت قاضی صاحب سے ان کے اپنے ہی دعویٰ میں مذکور الفاظ تقلید، نفس تقلید اور وجوب کے معانی متعین کروائیں کہ وہ اس مقام پر تقلید، نفس تقلید اور وجوب سے کیا کیا معانی مراد لے رہے ہیں تاکہ جائزہ لیا جا سکے آیا ان کا دعویٰ ''نفس تقلید کا وجوب'' اللہ تعالیٰ کے قول ﴿وَتِلْکَ الاَمْثَالُ نَضْرِبُھَا لِلنَّاسِ وَمَا یَعْقِلُھَا اِلاَّ الْعَالِمُوْنَ﴾ سے ثابت ہوتا بھی ہے یا نہیں؟''

حضرت قاضی صاحب نے اپنی اس تیسری تحریر میں نفس تقلید سے اپنی مراد تو بیان کر دی ہے۔ البتہ تقلید اور واجب یا وجوب سے اپنی مراد کو انہوں نے ابھی تک بیان نہیں کیا ہاں انہوں نے اپنے دعویٰ ''نفس تقلید کے وجوب'' کو اپنے قول ''جو علم نہیں رکھتا اس پر واجب ہے کہ اہل علم کی تقلید میں'' الخ میں ضرور دہرایا ہے۔

تو جناب ماسٹر صاحب سے پر زور اپیل ہے کہ وہ حضرت قاضی صاحب سے ان کے اپنے ہی دعویٰ میں مذکور الفاظ تقلید اور واجب یا وجوب کے معانی متعین کروائیں تاکہ معلوم کیا جا سکے آیا ان کا دعویٰ ''نفس تقلید کا وجوب'' مذکورہ آیت مبارکہ سے ثابت ہوتا بھی ہے یا نہیں؟

باقی حدیث ﴿لاَ صَلٰوۃَ بَعْدَ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ﴾ الخ کو کسی اہل حدیث نے کبھی بھی نہیں چھپایا وہ تو اس حدیث کو بھی اپنی تحریرات، اپنے درس و تدریس کے حلقوں اور بوقت ضرورت اپنے جلسوں میں بیان کرتے اور عوام الناس کو سناتے رہتے ہیں لہٰذا اہل حدیث کو اس یا کسی اور حدیث کے چھپانے کا الزام دینا بے بنیاد اور واقع کے خلاف ہے۔

رہا کسی مقلد کا اس حدیث کو اہل حدیث کی زبان سے نہ سننا تو یہ اس مقلد کی کوتاہی ہے۔ اگر وہ مقلد اہل حدیث حضرات کی تحریرات پڑھے، ان کے درس و تدریس کے حلقوں میں شامل ہو اور ان سے اس حدیث کی بابت سوال

---

[1] [العنکبوت ۴۳ پ ۲۰]

کرے تو ان شاء اللہ العزیز اس کا اس حدیث کو اہل حدیث کی زبان سے نہ سننے والا شکوہ بھی کافور ہو جائے۔

حضرت قاضی صاحب کے اس دوسرے سوال کے پس منظر میں جو ذہنی شبہات ہیں ان کے ازالہ کی خاطر بندہ اور مفتی جمال احمد صاحب مقلد حنفی کے مابین ۱۰۵ صفحات پر مشتمل تحریری بات چیت کی ایک نقل حاضر خدمت ہے اور درخواست ہے کہ حضرت قاضی صاحب ایک دفعہ ضرور بالضرور اس کا مطالعہ فرمائیں۔

جناب ماسٹر صاحب! حضرت قاضی صاحب کوئی سائل نہیں کہ سوال ہی سوال کرتے چلے جائیں وہ مدعی ہیں ''نفس تقلید کا وجوب'' ان کا دعویٰ ہے اور مدعی ہونے کی حیثیت سے تقلید اور وجوب کے معانی کا متعین کرنا ان کی ذمہ داری ہے اس لیے آپ سے گزارش ہے کہ آپ ان سے ان کے اپنے ہی دعویٰ میں مذکور الفاظ تقلید اور وجوب کے معانی متعین کروائیں تاکہ ان کے بیان کردہ معانی کی روشنی میں دیکھا جاسکے آیا ان کا دعویٰ ''نفس تقلید کا وجوب'' قرآن کریم اور حدیث شریف سے ثابت ہوتا بھی ہے یا نہیں؟

نوٹ: آئندہ اس بات چیت کے موضوع حضرت قاضی صاحب کے دعویٰ ''نفس تقلید کے وجوب'' سے تعلق نہ رکھنے والی کسی بات کا جواب نہیں دیا جائے گا۔ ان شاء اللہ العزیز۔ ہاں اگر حضرت قاضی صاحب کو کسی اور مسئلہ پر بات چیت کرنے کا شوق ہو تو وہ اپنے اس دعویٰ ''نفس تقلید کے وجوب'' پر مکالمہ مکمل ہونے کے بعد اپنا یہ شوق بھی پورا فرما سکتے ہیں۔ ابن عبدالحق بقلمہ سرفراز کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ ۳۰ شوال ۱۴۰۱ھ

حضرت القاضی (۴)

واجب وہ ہے جو دلیل قطعی الثبوت ظنی الدلالۃ یا ظنی الثبوت قطعی الدلالۃ سے ثابت ہو۔

تقلید کے معنی ہیں کسی اہل علم سے قرآن اور احادیث سے مسائل ثابتہ پڑھ سن کر ان پر عمل کرنا۔

ایک اور حدیث جس کو چھپاتے اور اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ ﴿لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ اُمَّتِیْ لَاَخَّرْتُ الْعِشَاءَ اِلٰی ثُلُثِ اللَّیْلِ﴾ شمس الدین

حضرت الحافظ (۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب ماسٹر صاحب! آپ کو معلوم ہے کہ بندہ نے اپنی گذشتہ تین تحریرات میں سے ہر تحریر میں لکھا ''آپ سے گذارش ہے کہ آپ حضرت قاضی صاحب سے ان کے اپنے ہی دعوی میں مذکور الفاظ تقلید اور وجوب کے معانی متعین کروائیں

تا کہ ان کے بیان کردہ معانی کی روشنی میں دیکھا جا سکے آیا ان کا دعویٰ ''نفس تقلید کا وجوب'' قرآن کریم اور حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔

تو اس بار بار کے مطالبہ کے بعد حضرت قاضی صاحب تقلید کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''تقلید کے معنی ہیں کسی اہل علم سے قرآن اور احادیث سے مسائل ثابتہ پڑھ سن کر ان پر عمل کرنا'' حضرت قاضی صاحب کے بیان کردہ تقلید کے اس معنی پر مندرجہ ذیل سوالات وارد ہوتے ہیں امید ہے جناب قاضی صاحب ان کا تسلی بخش جواب دیں گے۔

(۱) ارشاد الفحول میں بحوالہ تحریر ابن ہمام حنفی رحمہ اللہ ص ۲۶۵ لکھا ہے۔ **التقليد العمل بقول من ليس قوله احدى الحجج بلاحجة** یعنی ''تقلید اس شخص کے قول پر بلا دلیل عمل کرنے کا نام ہے جس شخص کا قول حجتوں میں سے کوئی سی حجت نہ ہو'' تو حضرت قاضی صاحب کے بیان کردہ اور ابن ہمام حنفی کے بیان فرمودہ تقلید کے معنی میں کئی ایک فرق ہیں جن سے بڑے دو فرق نیچے لکھے جاتے ہیں۔

پہلا فرق: ابن ہمام حنفی کے بیان فرمودہ معنی کی رو سے کسی کی تقلید میں کئے ہوئے عمل کا بلا دلیل ہونا ضروری ہے جیسا کہ ان کے قول ''**بلا حجة**'' سے واضح ہے جبکہ حضرت قاضی صاحب کے بیان کردہ معنی کے لحاظ سے کسی کی تقلید میں کئے ہوئے عمل کے بلا دلیل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ان کے الفاظ ہیں ''تقلید کے معنی ہیں کسی اہل علم سے قرآن اور احادیث سے مسائل ثابتہ پڑھ سن کر ان پر عمل کرنا''۔ اور یہ بات (اظہر من الشمس ہے) کہ قرآن اور احادیث سے مسائل ثابتہ کی دلیل نہ ہونا ناممکن ہے ورنہ وہ مسائل قرآن اور احادیث سے ثابتہ نہ رہیں گے۔

دوسرا فرق:۔ ابن ہمام حنفی کے بیان فرمودہ معنی کے اعتبار سے نبی کریم ﷺ سے پڑھ سن کر عمل کرنا تقلید نہیں کیونکہ انہوں نے فرمایا ہے۔ **بقول من ليس قوله احدى الحجج** اور ہر مسلمان جانتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے اقوال اور اعمال شرعی دلائل ہیں ادھر حضرت قاضی صاحب کے بیان کردہ معنی کی رو سے نبی کریم ﷺ سے پڑھ سن کر عمل کرنا بھی تقلید ہے کیونکہ ان کا قول ہے ''تقلید کے معنی ہیں کسی اہل علم سے قرآن اور احادیث سے مسائل ثابتہ الخ اور کسی اہل علم میں رسول کریم ﷺ بھی شامل ہیں۔ جیسا کہ آپ ﷺ ''**وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ**'' میں شامل ہیں۔

تو حضرت قاضی صاحب اور ابن ہمام حنفی کے بیان کردہ تقلید کے دونوں معانی درست نہیں ہو سکتے کیونکہ حضرت قاضی صاحب کے معنی میں جس چیز کا اثبات ہے ابن ہمام حنفی کے معنی میں اس کی نفی جیسا کہ مندرجہ بالا بڑے دو فرقوں

سے واضح ہو رہا ہے تو لامحالہ ان دو معنوں سے ایک معنی نادرست ہے تو اب حضرت قاضی صاحب ہی فرمائیں آیا ان کا اپنا معنی درست ہے یا ابن ہمام حنفی کا؟

یاد رہے ابن ہمام حنفی تقلید کا مذکور بالا معنی بیان کرنے میں اکیلے نہیں بلکہ صاحب مسلم الثبوت صاحب تاریخ التشریع الاسلامی اور دیگر بزرگوں نے بھی ان کے معنی سے ملتا جلتا معنی ہی بیان کیا ہے۔

(۲) حضرت قاضی صاحب کے بیان کردہ معنی کے لحاظ سے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام علیہم السلام، حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ، حضرت الامام مالک رحمہ اللہ علیہ، حضرت الامام شافعی رحمہ اللہ علیہ اور حضرت الامام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ سمیت پوری امت مسلمہ کے تمام مجتہدین بھی مقلدین کی فہرست میں شامل ہوتے ہیں کیونکہ وہ سبھی قرآن اور احادیث سے مسائل ثابتہ کو اپنے اساتذہ کرام سے پڑھ سن کر عمل کیا کرتے تھے اور بدیہی بات ہے کہ جو معنی مجتہد پر صادق آ جائے اور پوری امت مسلمہ کو اپنی لپیٹ میں لے لے وہ معنی تقلید کا تو ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ کوئی مجتہد بھی مقلد نہیں ہوتا اور نہ ہی ساری امت مسلمہ مقلد ہے۔

(۳) حضرت قاضی صاحب کا معنی بتا رہا ہے کہ مقلد جن مسائل کو کسی اہل علم سے پڑھ سن کر اپنائے گا ان مسائل کا قرآن اور احادیث سے ثابت ہونا نیز ان مسائل کے قرآن اور احادیث سے ثابت ہونے کا اس کو علم ہونا ضروری ہے ''لان ما یتوقف علیه الواجب واجب'' ورنہ اسے پتہ نہیں چل سکے گا کہ وہ مسائل ثابتہ پڑھ سن رہا ہے یا مسائل غیر ثابتہ اور واضح ہے۔ جب اسے ان مسائل کے قرآن اور احادیث سے ثابت ہونے کا علم ہو گیا تو پھر وہ ان مسائل کو کسی اہل علم سے پڑھے سنے یا نہ پڑھے سنے دونوں صورتوں میں مقلد نہ رہے گا۔

(۴) حضرت قاضی صاحب کے اس معنی سے واضح ہو رہا ہے کہ تقلید کرنے والا شخص جن مسائل میں کسی اہل علم کی تقلید کرتا ہے اس کو ان مسائل کے قرآن اور احادیث سے ثابت ہونے کا لازماً علم ہوتا ہے۔ لان ما یتوقف علیه الواجب واجب حالانکہ ان کی اپنی ہی پہلی تین تحریروں سے واضح ہے کہ تقلید کرنے والا شخص بے علم ہوتا ہے چنانچہ وہ اپنی پہلی تحریر میں فرماتے ہیں۔ ''ان مثالوں پر عمل کرنا تو سب لوگوں پر واجب ہے اور ان کو سمجھنا صرف علم والوں کا کام ہے تو دوسروں پر واجب ہے کہ ان سے پوچھ کر ان پر عمل [1]'' اپنی دوسری تحریر میں لکھتے ہیں سوال یہ پوچھنا ہے کہ جو آدمی علم نہیں رکھتا وہ ان مثالوں پر عمل کس طرح کرے۔ کسی اہل علم کی تقلید میں یا بلا تقلید' اور اپنی تیسری تحریر میں بیان

[1] حضرت قاضی صاحب نے اس مقام پر لفظ ''کریں'' وغیرہ نہیں لکھا۔

کرتے ہیں ''البتہ جو علم نہیں رکھتا اس پر واجب ہے کہ اہل علم کی تقلید میں ان سے پوچھ کر اس پر عمل کرے'' تو حضرت قاضی صاحب دوٹوک فیصلہ دیں مقلد عالم ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ فرمائیں مقلد عالم ہوتا ہے تو اس صورت میں ان کی ان پہلی تینوں تحریروں کی تردید ہو جاتی ہے۔ کیونکہ انہوں نے خود ہی ان میں مقلد کو بے علم قرار دے رکھا ہے اور اگر وہ فرمائیں مقلد عالم نہیں ہوتا تو پھر اس میں ان کے اپنی اس چوتھی تحریر میں بیان کردہ تقلید کے معنی کی تغلیط ہو جاتی ہے کیونکہ اس معنی کی رو سے مقلد کا عالم ہونا ضروری ہے۔ لما تقدم

(۵) حضرت قاضی صاحب نے مذکور بالا بیان کردہ معنی کے اعتبار سے تقلید کرنے والے شخص کا تقلید کرنے سے پہلے قرآن اور احادیث سے مسائل ثابتہ کا عالم ہونا ضروری ہے لما تقدم اور اگر اس کا یہ قبل از تقلید علم بھی تقلیداً ہوا اور ایسے ہی اس سے پہلے الی غیر النہایہ تو تسلسل لازم آئے گا ورنہ تقلید ختم۔

حضرت قاضی صاحب واجب کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''واجب وہ ہے جو دلیل قطعی الثبوت ظنی الدلالۃ یا ظنی الثبوت قطعی الدلالۃ سے ثابت ہو'' تو حضرت قاضی صاحب نے اپنے اس قول میں واجب کی دلیل کی کیفیت وحالت تو بیان فرما دی مگر اس کے فعل (کرنے) اور ترک (نہ کرنے) کی کیفیت وحالت کو انہوں نے بیان نہیں کیا اس لیے ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ اس کے فعل (کرنے) اور ترک (نہ کرنے) کی کیفیت وحالت بھی واضح کریں آیا اس کا فعل (کرنا) ضروری لازمی حتمی اور جزمی ہے یا نہیں پھر اس کا ترک (نہ کرنا) منع ہے یا نہیں تاکہ واجب کا پورا پورا معنی سامنے آ جائے نیز وہ بتائیں کہ وجوب کا درجہ ان کے ہاں شرعی ہے یا اصطلاحی؟

رہا حضرت قاضی صاحب کا قول ''ایک اور حدیث جس کو چھپاتے اور اس کی خلاف ورزی الخ'' تو وہ خلاف واقع ہونے کے ساتھ ساتھ اس بات چیت کے موضوع حضرت قاضی صاحب کے اپنے ہی دعویٰ ''نفس تقلید کے وجوب'' سے بالکل کوئی تعلق نہیں رکھتا اس لیے یہ بندہ حسب وعدہ ''آئندہ اس بات چیت کے موضوع حضرت قاضی صاحب کے دعویٰ ''نفس تقلید کے وجوب'' سے تعلق نہ رکھنے والی کسی بات کا جواب نہیں دیا جائے گا ان شاء اللہ العزیز ہاں اگر قاضی صاحب کو کسی اور مسئلہ پر'' الخ (بندہ کی تحریر نمبر ۳ ص ۳) ان کے اس قول کا جواب لکھنے کو تیار نہیں۔

تو حضرت ماسٹر صاحب کی خدمت میں درخواست ہے کہ وہ حضرت قاضی صاحب کے بیان کردہ تقلید اور وجوب کے معانی پر مندرجہ بالا سوالات کے جوابات ان سے لکھوائیں تاکہ تقلید اور وجوب کے معنی اپنی اصل اور صحیح صورت میں سامنے آئیں جسے سامنے لانے سے حضرت قاضی صاحب ابھی تک گریز فرما رہے ہیں۔ نیز معلوم کیا جا

سکے آیا ان کا دعویٰ ''نفس تقلید کا وجوب'' قرآن کریم اور حدیث شریف سے ثابت ہوتا بھی ہے یا نہیں؟

ابن عبدالحق بقلمہ سرفراز کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ ۳ ذوالقعدہ ۱۴۰۱ھ

حضرت القاضی (۵)

صرف پوچھنا یہ ہے کہ جو آدمی خود ان مثالوں کا علم نہیں رکھتا اس کے لیے مندرجہ ذیل تین شقوں میں حصر عقلی ہے یا نہیں۔ ۱۔عمل واجب نہ ہو۔۲۔خود سمجھ کر عمل کرے۔۳۔کسی اہل علم کی تقلید میں عمل کرے۔ہم تیسری شق کو لیتے ہیں آپ چوتھی شق نکال کر حصر عقلی کو توڑیں یا ان تین شقوں میں سے تیسری کو چھوڑ کر دکھائیں کہ کیا کرے جب تک آپ اس کا جواب نہ دیں میں وقت ضائع نہیں کروں گا۔ شمس الدین

حضرت الحافظ (۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب ماسٹر صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے بار بار مطالبہ کرنے کے بعد حضرت قاضی صاحب نے اپنی چوتھی تحریر میں تقلید اور واجب کے معانی بیان کیے تھے چنانچہ بندہ نے ان کے بیان کردہ تقلید کے معنی پر پانچ اور واجب کے معنی پر دو کل سات سوالات وارد کیے تھے تاکہ حضرت قاضی صاحب ان سات سوالات کا جواب دے کر اپنے بیان کردہ معانی کی تنقیح فرمادیں یا پھر ان سوالات کے لاجواب ہونے کا اعتراف کرتے ہوئے تقلید اور واجب کے صحیح معانی بیان کر دیں کہ بات آگے چل سکے مگر انہوں نے ان دونوں مبنی برانصاف صورتوں سے کوئی سی صورت بھی اختیار نہیں فرمائی بلکہ انہوں نے اپنی اس پانچویں تحریر میں اپنی پہلی تحریر میں لکھی ہوئی بات کو ایک نئے انداز میں پیش کر دیا ہے تو ان کی اس پانچویں تحریر کا جواب لکھنے سے پہلے گذشتہ سات سوالات کو اختصاراً دہرا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے ہوسکتا کہ قاضی صاحب اب ہی ان کا جواب لکھ دیں چنانچہ وہ سات سوالات نیچے دیکھیے۔

(۱) حضرت قاضی صاحب کے معنی میں جس چیز کا اثبات ہے ابن ہمام حنفی کے معنی میں اس کی نفی تو لامحالہ ان دو معنوں سے ایک معنی نادرست ہے۔تو اب حضرت قاضی صاحب ہی فرمائیں آیا ان کا اپنا معنی درست ہے یا ابن ہمام حنفی کا؟

(۲) حضرت قاضی صاحب کا معنی تو تمام مجتہدین سمیت پوری امت مسلمہ کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے حالانکہ کوئی مجتہد مقلد نہیں ہوتا اور نہ ہی ساری امت مسلمہ مقلد ہے اس لیے ان کا یہ معنی کیونکر درست ہوسکتا ہے؟

(۳) حضرت قاضی صاحب کے معنی سے لازم آتا ہے کہ مقلد تقلید کرنے سے پہلے مسائل کے قرآن وحدیث سے ثابت ہونے کا عالم ہوتو واضح ہے پھر وہ ان مسائل کو کسی اہل علم سے پڑھے سنے پوچھے یا نہ پڑھے سنے پوچھے دونوں صورتوں میں وہ مقلد نہ رہے گا۔لہٰذا ان کا یہ معنی کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔

(۴) حضرت قاضی صاحب دوٹوک فیصلہ دیں مقلد عالم ہوتا ہے یا نہیں تو ان کی پہلی تینوں تحریریں نادرست کیونکہ ان میں مقلد کو بے علم قرار دیا گیا ہے اور اگر وہ فرمائیں مقلد عالم نہیں ہوتا تو ان کا بیان کردہ تقلید کا معنی غلط کیونکہ اس کی رو سے مقلد کا عالم ہونا ضروری ہے تو حضرت قاضی صاحب فیصلہ فرمائیں ان کا معنی تقلید درست ہے یا ان کی پہلی تین تحریرات؟

(۵) حضرت قاضی صاحب کے معنی کے لحاظ سے مقلد کا قبل از تقلید قرآن وحدیث سے ثابت شدہ مسائل کا عالم ہونا ضروری ہے تو اگر اس کا یہ قبل از تقلید علم بھی تقلیداً ہو اور ایسے ہی اس سے پہلے الی غیر النہایہ تو تسلسل لازم آئے گا ورنہ تقلید ختم۔

یہ پانچ سوال تو تقلید کے معنی سے متعلق تھے رہے واجب سے متعلق دو سوال تو وہ بھی مندرجہ ذیل ہیں۔

(۶) حضرت قاضی صاحب نے واجب کا معنی بیان کرتے ہوئے صرف اس کی دلیل کی کیفیت لکھی ہے اس لیے ان سے گزارش ہے کہ وہ اس کے فعل وترک کی کیفیت بھی بیان فرمادیں؟

(۷) حضرت قاضی صاحب یہ تحریر کریں کہ وجوب کا درجہ ان کے ہاں شرعی ہے یا اصطلاحی؟

ان سات سوالات کو ذہن نشین کرنے کے بعد حضرت قاضی صاحب کی پانچویں تحریر ملاحظہ فرمائیں وہ لکھتے ہیں ''صرف پوچھنا یہ ہے کہ جو آدمی خود ان مثالوں کا علم نہیں رکھتا اس کے لیے مندرجہ ذیل تین شقوں میں حصر عقلی ہے یا نہیں۔(۱) عمل واجب نہ ہو (۲) خود سمجھ کر عمل کرے (۳) کسی اہل علم کی تقلید میں عمل کرے۔ ہم تیسری شق کو لیتے ہیں آپ چوتھی شق نکال کر حصر عقلی کو توڑیں یا ان تین شقوں میں سے تیسری کو چھوڑ کر دکھائیں کہ کیا کرے''۔

(۱) حضرت قاضی صاحب مدعی ہیں نفس تقلید کے وجوب کا قرآن کریم سے ثابت ہونا ان کا دعویٰ ہے اس لیے ان کا کام تو تھا کہ تقلید کا وجوب قرآن کریم سے ثابت فرماتے مگر وہ تو ابھی تک تقلید اور وجوب کے صحیح معانی بھی بیان نہیں کر پائے بھلا وہ تقلید کے وجوب کو قرآن وحدیث سے کیا ثابت کریں گے؟

(۲) حضرت قاضی صاحب اگر بندہ کے مندرجہ بالا سات سوالات کے جواب دیتے تو ان کے اس حصر عقلی کی حقیقت

کھل کر ان کے سامنے آ جاتی اب بھی وہ ان کے جواب دے کر ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

(۳) حضرت قاضی صاحب اپنے اس مقولہ کے آغاز میں لکھتے ہیں ''جو آدمی خود ان مثالوں کا علم نہیں رکھتا'' الخ اور تیسری شق میں فرماتے ہیں ''کسی اہل علم کی تقلید میں عمل کرے'' اور یہ بات آپ کے علم میں آ چکی ہے کہ حضرت قاضی صاحب کے بیان کردہ تقلید کے معنی کی رو سے تقلید کرنے والے کا قبل از تقلید عالم ہونا ضروری ہے لہٰذا ''کسی اہل علم کی تقلید میں عمل کرے'' کو خود علم نہ رکھنے والے کی شقوں میں شامل کرنا درست نہیں یا پھر تقلید کا حضرت قاضی صاحب کی جانب سے بیان کردہ معنی غلط ہے۔

(۴) قرآن وحدیث کسی اہل علم سے پڑھ یا سن یا پوچھ یا سمجھ کر عمل کرنا حضرت قاضی صاحب کی بیان کردہ تین شقوں کے علاوہ ایک چوتھی شق ہے تو حضرت قاضی صاحب کا قائم کردہ حصر عقلی ٹوٹ گیا اور تیسری شق بھی چھوٹ گئی لہٰذا اپیل کی جاتی ہے کہ حضرت قاضی صاحب جواب تحریر فرمائیں ان کا وقت ضائع نہیں ہو گا کہ ان کی شرط پوری ہو چکی ہے۔

(۵) دوسری شق ''خود سمجھ کر عمل کرے'' میں اگر تقلید ملحوظ ہو تو پھر یہ اور تیسری شق ایک ٹھہریں گی اور اگر اس میں تقلید ملحوظ نہ ہو تو پھر اسے خود علم نہ رکھنے والے کی شقوں میں شمار کرنا غلط ہے تو حضرت قاضی صاحب کا خود علم نہ رکھنے والے کو ان تین شقوں میں محصور سمجھنا ہی نادرست ہے حصر عقلی یا استقرائی تو بعد کی باتیں ہیں پہلے حصر تو ہو۔

(۶) بندہ کی طرف سے حضرت قاضی صاحب کے بیان کردہ تقلید اور واجب کے معانی پر وارد ہونے والے سات سوالات سے یہ بات تو واضح ہو چکی ہے کہ آیت ﴿وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ﴾ سے تقلید کے وجوب پر استدلال بالکل ہی نہ درست ہے تاہم حضرت قاضی صاحب نے تو اپنے خیال کے مطابق یہ استدلال کیا ہوا ہے تو ہم پوچھتے ہیں یہ استدلال انہوں نے از خود کیا ہے یا کسی سے نقل کیا ہے۔ پہلی صورت میں ان کا قول ''ہم تیسری شق (کسی اہل علم کی تقلید میں عمل کرے) کو لیتے ہیں'' نادرست نیز ان کا دعوائے تقلید غلط اور دوسری صورت میں مذکور استدلال کرنے والے کا نام بتانا حضرت قاضی صاحب کے ذمہ بتائیں وہ کون صاحب ہیں؟

(۷) حضرت قاضی صاحب نے مندرجہ بالا آیت سے اپنے استدلال کی تقریر درج ذیل الفاظ میں کی ہے ''ان مثالوں پر عمل کرنا تو سب لوگوں پر واجب ہے اور ان کو سمجھنا صرف علم والوں کا کام ہے تو دوسروں پر واجب ہے کہ ان سے پوچھ کر ان پر عمل'' (حضرت قاضی صاحب کی پہلی تحریر)

اس تقریر استدلال میں تین جملے ہیں ۔ i۔ ان مثالوں پر عمل کرنا تو سب لوگوں پر واجب ہے ۔ ii۔ ان کو سمجھنا صرف علم والوں کا کام ہے ۔ iii۔ دوسروں (بے علم لوگوں) پر واجب ہے کہ ان سے پوچھ کر ان پر عمل کریں جملہ نمبر۲ پر تو اللہ تعالیٰ کا قول ﴿وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ﴾ دلالت کرتا ہے البتہ اس آیت مبارکہ میں کوئی ایک لفظ بھی نہیں جو جملہ نمبر۱ و نمبر۳ پر دلالت کرے لہٰذا قاضی صاحب کا اس آیت سے استدلال سراسر غلط ہے ہاں اس آیت کریمہ میں جس چیز کی خبر دی گئی ہے وہ صرف اور صرف اس قدر ہے کہ ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں اور ان کو صرف جاننے والے سمجھتے ہیں۔

(۸) اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ باعلم تو ان مثالوں کو سمجھتے ہیں اور بے علم ان مثالوں کو نہیں سمجھتے۔ جیسا کہ آیت میں موجود قصر سے واضح ہے تو اب ہم پوچھتے ہیں ۔ بے علم جن کو حضرت قاضی صاحب اور ان کے ہمنوا مقلد بنانے پر تلے ہوئے ہیں کسی باعلم سے پڑھ یا سن یا پوچھ کر ان مثالوں کو سمجھ لیں گے یا نہیں پہلی صورت تو ہو نہیں سکتی ورنہ اللہ تعالیٰ کی خبر ''بے علم ان مثالوں کو نہیں سمجھتے'' کا واقع کے خلاف ہونا لازم آتا ہے جو محال ہے یاد رہے اس خبر میں بے علم کے ان مثالوں کو سمجھنے کی نفی عام ہے جو اس کے خود سمجھنے، کسی سے پڑھ، سن اور پوچھ کر سمجھنے اور کسی اور ذریعہ سے سمجھنے سب کی نفی کو شامل ہے ۔ اور دوسری صورت میں اس کا کسی باعلم سے پڑھنا، سننا اور پوچھنا عبث و بے فائدہ ہو جاتا ہے ۔ تو حضرت قاضی صاحب بتائیں اس آیت سے تقلید کا وجوب کیونکر نکلا ہاں اس آیت سے بے علم کا بے سمجھ ہونا ضرور ثابت ہوتا ہے ﴿وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ﴾

(۹) اہل علم خصوصاً ائمہ اربعہ حضرت الامام ابوحنیفہ، حضرت الامام مالک، حضرت الامام شافعی اور حضرت الامام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کے مابین کافی مسائل میں تنازع اور اختلاف پایا جاتا ہے اور تنازع و اختلاف کی صورت میں اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کی طرف رجوع فرض ہے قرآن مجید میں ہے: ﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ﴾ [1] الآیۃ [پس اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اس کو رجوع کرو طرف اللہ کے اور رسول کے اگر یقین رکھتے ہو] تو کسی امام کی تقلید (جسے حضرت قاضی صاحب واجب قرار دے رہے اور اپنے قول ''ہم تیسری شق کو لیتے ہیں'' میں اختیار فرما رہے ہیں) کی صورت میں مندرجہ بالا حکم ربانی اور نص قرآنی کی مخالفت لازم آتی ہے جو ناجائز ہے لہٰذا کسی امام کی تقلید بھی ناجائز رہا ثقہ رواۃ کی روایت پر اعتبار کرنا تو وہ ان کی مروی حدیث

[1] النساء ۵۹ پ ۵

کی طرف رجوع ہے نہ کہ ان کے قول کی طرف اور تقلید میں کسی امام کی مروی حدیث کی طرف رجوع نہیں ہوتا بلکہ امام کے قول کی طرف رجوع ہوتا ہے چنانچہ حنفی اصول فقہ کی معتبر کتاب مسلم الثبوت میں لکھا ہے ''واما المقلد فمستنده قول مجتهده لا ظنه ولا ظنه''۔

تو بندہ نے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے چوتھی شق نکال کر حضرت قاضی صاحب کے مزعوم حصر عقلی کو توڑ دیا ہے نیز تیسری شق چھوڑ کر ان کو دکھا دی ہے۔لہٰذا ان سے گزارش ہے کہ وہ جواب ضرور لکھیں مطالبہ پورا ہو چکا ہے تو اس وقت جن امور کا جواب دینا حضرت قاضی صاحب کے ذمہ ہے وہ کل سولہ ہیں تقلید اور وجوب کے معانی پر سات سوالات تقلید کے اثبات میں ان کے استدلال پر نو (۹) تعقبات۔

حضرت قاضی صاحب سے مؤدبانہ اپیل ہے کہ پہلے وہ ان سولہ امور کا جواب دیں پھر دیکھیں آیت ﴿وَتِلْكَ الاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ﴾ یا دیگر آیات نیز احادیث سے نفس تقلید کا وجوب ثابت ہوتا ہے یا نہیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتاتے جائیں قرآن وحدیث سے کسی امر کے وجوب پر خود بخود استدلال کرنا اجتہاد ہے یا تقلید؟ پہلی صورت میں آپ کی تقلید ختم دوسری صورت میں آپ کے امام کا اجتہاد ختم۔

ابن عبدالحق بقلمہ سرفراز کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ ۱۳ ذوالقعدہ ۱۴۰۱ھ

س: اہل حدیثوں میں اگر کوئی شخص نئی جماعت بنانا چاہے یا کسی جماعت میں شامل ہو جائے وہ جماعت خالص اللہ کی رضا کی خاطر بنائی گئی ہو تو کیا اس میں شامل ہو جانا چاہیے یا نہیں؟ دوسری طرف قرآن میں آتا ہے کہ فرقہ بازی نہ کرو آپ قرآن وحدیث سے بتائیں؟ مولوی محمد شفیع نوشہرہ روڈ گوجرانوالہ

ج: آپ نے خود ہی لکھا ہے۔''قرآن میں آتا ہے فرقہ بازی نہ کرو'' ادھر حدیث میں آتا ہے ﴿فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا﴾ [1] [پس تم ان تمام گروہوں سے علیحدہ رہو] آپ جانتے ہیں اہل حدیث کا کام ہے قرآن وحدیث پر چلنا۔ ۱۴۱۹/۲۰/۳ھ

س: جماعت میں دھڑے بندی ہوگئی ہے آپ بتائیں کہ کس دھڑے کا موقف قرآن وحدیث کے قریب ہے یعنی جمیعت اہلحدیث، مرکز الدعوۃ والارشاد، مولانا عبدالقادر روپڑی، عبدالرحمٰن جہلمی، مولانا عبدالرحمٰن، تنظیم غرباء؟

محمد خالد ساہیوال

---

[1] [مسلم کتاب الامارت باب وجوب ملازمة جماعة المسلمين عند ظهور الفتن وفی کل حال]

ج: جن جماعتوں کے آپ نے نام لکھے ہیں یہ سب کتاب وسنت کی داعی جماعتیں ہیں البتہ کسی بات میں ان میں سے ہر کوئی جماعت خطا کر جاتی ہے اس لیے ہمیں ان میں سے کسی جماعت کے لیے اس کے ہر کام وقول میں ہمہ قسم کی تائید والی راہ اختیار نہیں کرنی چاہیے بلکہ ان میں سے ہر جماعت کے کتاب وسنت کے موافق ہر کام وقول کی پرزور تائید وحمایت کرنا چاہیے اور ان میں سے ہر جماعت کے کتاب وسنت کے مخالف کسی بھی کام وقول میں ان کا ساتھ نہیں دینا چاہیے بلکہ اصلاح ونصیحت سے کام لیتے ہوئے احسن طریقہ سے انہیں سمجھانا چاہیے۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم

۱۴۱۲/۵/۲۱ھ

جماعت المسلمین کے مسائل

جماعت المسلمین کے ناظم صوبہ پنجاب امان اللہ عبداللہ اور حافظ عبدالمنان صاحب نور پوری کے درمیان تحریری گفتگو کے (16) سولہ خطوط

من امان اللہ عبداللہ الیٰ فضیلۃ الشیخ الحافظ عبدالمنان صاحب سلام علیٰ من اتبع الهدیٰ

امابعد! جناب حافظ صاحب بندہ چونکہ آپ کے ساتھ للہ محبت کرتا تھا اس لیے ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ کو بھی جماعت المسلمین میں شمولیت کی دعوت دوں کیونکہ جماعت المسلمین کو آپ جیسے اہل علم کی سخت ترین ضرورت ہے۔

آپ کے جواب کا منتظر امان اللہ معرفت شاہنواز صاحب دفتر جماعت المسلمین محلہ جیلانی پورہ گلی نمبر ا ستیانہ روڈ فیصل آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ازعبدالمنان نور پوری بخدمت جناب امان اللہ صاحب حفظہما اللہ تعالیٰ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امابعد! خیریت موجود خیریت مطلوب آپ کا مکتوب موصول ہوا جس سے پتہ چلا آپ میرے انتہائی خیرخواہ ہیں اور ہر مسلم کا دوسرے کے لیے خیرخواہ ہونا دینداری ہے صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ﴾ [1] الخ صحیحین میں جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے ﴿وَالنُّصْحُ لِکُلِّ مُسْلِمٍ﴾ لہٰذا آپ کا مکتوب اس اعتبار سے تو انتہائی قابل قدر ہے مگر جو آپ نے اس مکتوب میں دعوت دی اور جس انداز میں پیش کی دونوں ہی مذکور بالا جذبہ خیرخواہی سے لگا نہیں کھاتے۔

(۱) جماعت المسلمین میں شمولیت کی دعوت۔ غور فرمائیں یہ دعوت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت ہے؟

(۲) کیونکہ جماعت المسلمین کو آپ جیسے اہل علم کی سخت ترین ضرورت ہے کیا یہ جملہ اس چیز کی غمازی نہیں کرتا کہ جماعتی ضرورت کے پیش نظر جماعت میں شمولیت کی دعوت دی جا رہی ہے؟ ''اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَہٗ مِنَّا فَاَحْیِہٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّیْتَہٗ مِنَّا فَتَوَفَّہٗ عَلَی الْاِیْمَانِ'' ابن عبدالحق بقلمہ سرفراز کالونی گوجرانوالہ ۱۴۱۳/۲/۲۷ھ

---

[1] [صحیح مسلم۔ کتاب الایمان۔ باب بیان ان الدین النصیحۃ]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من امان اللہ عبداللہ بخدمت جناب حافظ عبدالمنان صاحب سلام علی من اتبع الھدیٰ

امابعد! جناب کا جوابی مکتوب گرامی ملا جناب حافظ صاحب! میرا رب خوب جانتا ہے کہ میرے دل میں آپ کی محبت کتنی ہے اور عرصہ دو سال سے اسی کشمکش میں رہا ہوں کہ آپ جناب کو کس طریق سے جماعت المسلمین کی دعوت دوں کیونکہ اگر جماعتی اصول کے تحت ان کو خط لکھوں تو عین ممکن ہے وہ ناراض ہو جائیں اور اگر جماعتی اصول کو توڑ کر انہیں خط لکھوں تو یہ بھی درست نہیں ہے۔

آخر ایک دن یہ سوچ کر آپ کو خط لکھنے کا پروگرام بنا ہی لیا کہ اگر قیامت کے دن حافظ صاحب نے میرا گریبان پکڑ لیا تو میں عدالت حق میں کون سا جواب دے کر اپنی جان چھڑاؤں گا۔ جناب اگر متبع ہدایت ہیں تو ان شاء اللہ سلامتی کے ضرور بر ضرور مستحق ہیں اور اگر نہیں تو سلام لکھنے سے بھی ان پر سلامتی نہ ہوگی۔

باقی آپ نے جو تحریر فرمایا ہے کہ آپ کو جماعتی ضرورت کے تحت دعوت دی گئی ہے۔ جناب محترم! میں پھر یہی عرض کروں گا کہ آپ جیسے صاحب علم کی سخت ضرورت ہے کیونکہ آپ جیسے لوگ جب جماعت المسلمین کی نصرت کے لیے میدان میں نہیں اتریں گے تو خلافت کیسے قائم ہوگی؟

آپ کو اللہ تعالیٰ نے جن خوبیوں سے نوازا ہے ان کا شکریہ تب ہی ادا ہو سکتا ہے جب آپ کی علمی قوت جماعت المسلمین کی نصرت میں صرف ہو آخر کچھ خوبیاں جناب عمر رضی اللہ عنہ میں تھیں تو ان کے ایمان لانے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بہت خوشیاں ہوئی تھیں۔ جناب محترم! آپ سے جو شدید محبت ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ آپ میں حسن یوسف علیہ السلام ہے یا آپ عزیز مصر ہیں محبت کی وجہ آپ کی علمی اور عملی خوبیاں ہیں اور میری دلی دعا ہے کہ آپ کی وہ خوبیاں جن کی وجہ سے آپ سے محبت ہے وہ جماعت المسلمین کی نصرت کے لیے وقف ہو جائیں۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ آپ کے جواب کا منتظر امان اللہ خادم الاسلام والمسلمین ٤ ربیع الاول ١٤١٣ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از عبدالمنان نور پوری بخدمت جناب امان اللہ صاحب حفظہما اللہ تعالیٰ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امابعد! خیریت مطلوب خیریت موجود آپ نے اپنے اس مکتوب میں میرے دوسرے قول ''کیونکہ جماعت المسلمین'' الخ پر کچھ لکھا ہے جو بے جا ہے جبکہ آپ نے میرے پہلے قول ''جماعت المسلمین میں شمولیت کی دعوت۔ غور فرمائیں یہ دعوت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت ہے؟'' پر کچھ نہیں لکھا تو عرض ہے کہ آپ اس بات کی وضاحت فرمائیں آیا جماعت المسلمین رجسٹرڈ میں شمولیت کی دعوت واقعی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَآ إِلَى اللهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ إِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ ❶ [اور اس سے بہتر کس کی بات ہے جس نے بلایا اللہ کی طرف اور کیا نیک کام اور کہا میں فرمانبرداروں سے ہوں] میرے نام کے ساتھ شیخ الحدیث وغیرہ لقب نہ لکھیں۔

ابن عبدالحق بقلمہ سرفراز کالونی گوجرانولہ ۱۳/۳/۱۴۱۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من امان اللہ عبداللہ الی جناب حافظ عبدالمنان صاحب سلام علی من اتبع الہدی

امابعد! آپ جناب کا مکتوب گرامی موصول ہوا آپ نے ایک دفعہ پھر سوال کیا ہے کہ کیا جماعت المسلمین کی دعوت واقعی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت ہے؟

جواب: میرے پاس کوئی ایسے وسائل اور ذرائع نہیں کہ جن کے تعاون سے میں آپ کو یہ بتا سکوں کہ...... ہاں یہ جانتا ہوں کہ میں نے بریلویت وراثت میں پائی تھی لیکن جب مجھے سنت ابراہیمی کے مطابق فرقہ اہلحدیث بہتر نظر آیا تو میں نے بریلویت کو چھوڑ دیا۔

اہلحدیثوں نے یہ نظریہ پیش کیا کہ حق صرف ان کے پاس ہے ہم نے دل کی گہرائی سے مذہب اہلحدیث کو قبول کیا اس کا جتنا پرچار کر سکتے تھے پرچار کیا۔ لیکن جب ہم پر واضح ہوا کہ جماعت المسلمین اہلحدیثوں سے بہت ہی آگے ہے انکے درمیان انصاف کی ضرورت واہمیت کے مطابق موازنہ کیا تو محسوس ہوا کہ بیس سال بریلویت میں ضائع کیے تھے اب اٹھارہ سال مذہب اہلحدیث میں بھی ضائع گئے۔ بریلویت کو چھوڑ کر مذہب اہلحدیث اختیار کیا تھا تو اپنے تمام دوستوں کو مذہب اہلحدیث کی دعوت دی تھی اب اسے چھوڑ کر جماعت المسلمین میں شامل ہوا ہوں تو اپنے دوستوں کو اس جماعت میں شمولیت کی دعوت دے رہا ہوں آپ کو دعوت دی ہے اگر آپ کو کوئی ایسی بات نظر آ رہی ہے جس کی وجہ سے جماعت المسلمین آپ کو حق پر نظر نہیں آتی تو اس سے ہمیں بھی آگاہ فرما دیں لیکن شرط یہ ہے کہ وہ خاص جماعت اہلحدیث میں موجود نہ ہو۔

اگر آپ کسی ایسی چیز کی نشان دہی فرمائیں جس میں جماعت اہل حدیث خود بھی ملوث ہو تو پھر آپ کا اعتراض قابل تسلیم نہیں ہوگا۔ ہاں جن وجوہات کی بناء پر ہم نے جماعت المسلمین کو اختیار کیا ہے اور اہلحدیثوں کو چھوڑا ہے ان

❶ [حم السجدة ۳۳ پ ۲۴]

میں سے کوئی وجہ غلط ہوتو پھر ہم مجرم ہیں۔ آپ نے کتاب اللہ سے ایک آیت تحریر فرمائی ہے اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ:

(۱) الحمد للہ میں آپ کو ہر قسم کے فرقہ وارانہ مذہب سے ہٹ کر صرف اسلام کی دعوت دے رہا ہوں۔

(۲) صالح عمل کی بھی ان شاء اللہ کوشش جاری ہے۔ (۳) اور من المسلمین کی شرط مکمل طور پر بحمد اللہ موجود ہے۔

راقم السطور: ابوالاحسان امان اللہ ۲۰ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از عبدالمنان نور پوری بخدمت جناب امان اللہ صاحب حفظہما اللہ تعالیٰ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اما بعد! آپ نے اپنے اس تیسرے مکتوب میں میرا سوال اس طرح نقل کیا ہے ''کیا جماعت المسلمین کی دعوت واقعی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت ہے''؟ تو محترم میرا سوال یہ نہیں میرا سوال وہی ہے جو میں اپنے پہلے اور دوسرے مکتوب میں لکھ چکا ہوں چنانچہ ایک دفعہ اسے پھر دہرا دیتا ہوں تو سنیں میرا سوال یہ ہے ''آپ اس بات کی وضاحت فرمائیں آیا جماعت المسلمین رجسٹرڈ میں شمولیت کی دعوت واقعی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت ہے''؟

تو آپ سے گزارش ہے آپ میرے اس سوال کا جواب دیں اور یہ سوال آپ کے مجھے جماعت المسلمین میں شمولیت کی دعوت دینے کی وجہ سے کیا گیا ہے اس لیے آپ محسوس نہ فرمائیں۔

﴿إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ﴾ ❶ ابن عبدالحق بقلمہ سرفراز کالونی گوجرانوالہ ۱۴۱۳/۳/۲۴ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

منجانب امان اللہ عبداللہ بخدمت جناب حافظ عبدالمنان صاحب سلام علی من اتبع الہدیٰ

جناب کا تیسرا مکتوب گرامی موصول ہوا آپ جناب نے لکھا ہے ''آپ اس بات کی وضاحت فرمائیں آیا جماعت المسلمین رجسٹرڈ میں شمولیت کی دعوت واقعی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت ہے؟'' بندہ نے جو سوال درج کیا تھا وہ آپ نے بھی درج فرمایا ہے ''کیا جماعت المسلمین کی دعوت واقعی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت ہے؟'' جناب محترم! آپ محسوس نہ کریں آپ کے سوالات میں تضاد پیدا ہو چکا ہے۔ آپ جناب نے

---

❶ [آل عمران ۱۹ پ۳]

اپنے پہلے خط میں جو سوال درج فرمایا ہے وہ یہ ہے ''جماعت المسلمین میں شمولیت کی دعوت۔ غور فرمائیں یہ دعوت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت ہے؟

لیکن آپ جناب اپنے تیسرے خط میں فرما رہے ہیں کہ ''میرا سوال وہی ہے جو میں اپنے پہلے اور دوسرے مکتوب میں لکھ چکا ہوں محترم آپ کے پہلے خط میں یہ سوال نہیں ہے آپ کیوں تضاد بیانی کا شکار ہو گئے ہیں؟

پھر لطف کی بات یہ ہے کہ آپ نے اپنے دوسرے مکتوب میں اولاً یہی تحریر فرمایا ہے کہ ''جبکہ آپ نے میرے پہلے قول ''جماعت المسلمین میں شمولیت کی دعوت۔ غور فرمائیں یہ دعوت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت ہے؟ محترم آپ نے اپنے تیسرے مکتوب میں یہ فرمایا ہے کہ میرا سوال یہ نہیں۔

تقابل

آپ کا تحریر کردہ سوال

جماعت المسلمین میں شمولیت کی دعوت۔ غور فرمائیں یہ دعوت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت ہے؟

نوٹ: یہ آپ کے پہلے خط میں درج کردہ سوال ہے۔

میرا نقل کردہ سوال

''کیا جماعت المسلمین کی دعوت واقعی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت ہے؟''

محترم حافظ صاحب آپ نے اپنے تیسرے مکتوب میں صاف انکار فرما دیا ہے کہ میرا سوال یہ نہیں۔

بندہ اپنے مبلغ علم سے بخوبی واقف ہے اور آپ کے متعلق میں خوب جانتا ہوں اس لیے مجھے زیادہ علمی مسائل میں الجھا کر منطق و فلسفہ کے راز نہ چھیڑیں یقیناً آپ کا بڑا احسان ہو گا۔

میں نے بطور تقابل آپ کا تحریر کردہ اور اپنا نقل کردہ سوال لکھ دیا ہے۔ میرے علم میں تو اس میں کوئی فرق نہیں ہے مگر آپ ہیں کہ اپنے سوال سے ہی انکاری ہو چکے ہیں۔ گوجرانوالہ علم والوں کا شہر ہے آپ مندرجہ بالا تقابل کو علم والوں پر پیش کریں اگر وہ ثابت کر دیں کہ نقل کردہ سوال حافظ عبدالمنان صاحب کا سوال نہیں بنتا تو آپ کی خدمت میں مبلغ پانچ صد روپے انعام گھر بیٹھے بھیج دوں گا۔ ﴿عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ☆ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً﴾ [1] [محنت کرنے والے تھکے ہوئے گریں گے دہکتی آگ میں]

---

[1] [الغاشيه ٣ـ٤ پ ٣٠]

محترم حافظ صاحب! اگر آپ سوال درج کرنے کے بعد کچھ مزید غور وفکر کر کے اضافہ کرتے ہیں تو اس اضافے یا ترمیم کے جواب کا پابند میں کیسے ہوسکتا ہوں پھر جبکہ آپ اپنے دوسرے مکتوب میں بندہ عاجز سے مندرجہ ذیل الفاظ میں مطالبہ کررہے ہیں۔ ''جبکہ آپ نے میرے پہلے قول.......... پر کچھ نہیں لکھا۔

محترم میں نے جب آپ کے پہلے قول کا جواب تحریر کر کے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے تو آپ فرمارہے ہیں کہ میرا تو یہ سوال ہی نہیں۔ آپ جناب اپنے مخاطب کو جب فیل ہی کرنا چاہتے ہیں تو پھر میں خود ہی اپنے فیل ہونے کا اعلان کر کے آپ کی کیوں نہ مدد کروں؟ نوٹ: براہ کرم آپ جناب اپنے پہلے اور میرے پہلے اور تیسرے مکتوب کی فوٹو اسٹیٹ بھیج کر شکریہ کا موقعہ دیں۔ آپ کا شاگرد :امان اللہ مسلم آئرن سٹور چونیاں روڈ حجرہ شاہ مقیم ضلع اوکاڑہ ۸/۴/۱۴۱۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از عبدالمنان نور پوری بخدمت جناب امان اللہ صاحب حفظہما اللہ تعالیٰ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امابعد! اس فقیر الی اللہ الغنی نے اپنے تیسرے مکتوب میں لکھا ''آپ نے اپنے تیسرے مکتوب میں میرا سوال اس طرح نقل کیا ہے ''کیا جماعت المسلمین کی دعوت واقعی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت ہے؟'' تو محترم میرا سوال یہ نہیں میرا سوال وہی ہے جو میں اپنے پہلے اور دوسرے مکتوب میں لکھ چکا ہوں چنانچہ ایک دفعہ اسے پھر دہرادیتا ہوں تو سنیں میرا سوال یہ ہے ''آپ اس بات کی وضاحت فرمائیں آیا جماعت المسلمین رجسٹرڈ میں شمولیت کی دعوت واقعی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت ہے؟'' تو آپ سے گزارش ہے آپ میرے اس سوال کا جواب دیں اور یہ سوال آپ کے مجھے جماعت المسلمین میں شمولیت کی دعوت دینے کی وجہ سے کیا گیا ہے آپ محسوس نہ فرمائیں۔

إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللهِ الإِسْلَامُ [1]

یہ تو تھا میرا تیسرا مکتوب جس کے جواب میں آپ اپنے چوتھے مکتوب میں لکھتے ہیں ''آپ کے سوالات میں تضاد پیدا ہو چکا ہے'' تو جناب گزارش ہے کہ میرے سوال کی تینوں مکتوبات میں درج شدہ عبارات میں کوئی تضاد نہیں دیکھئے پہلے مکتوب میں سوال کی عبارت ہے ''جماعت المسلمین میں شمولیت کی دعوت۔ غور فرمائیں یہ دعوت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت ہے؟'' دوسرے مکتوب میں سوال کی عبارت ہے ''آپ اس بات کی وضاحت فرمائیں آیا جماعت المسلمین رجسٹرڈ میں شمولیت کی دعوت واقعی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت ہے؟''

[1] [آل عمران ۱۹ پ۳]

ان دونوں عبارتوں میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ پہلے مکتوب میں جماعت المسلمین سے مراد جماعت المسلمین رجسٹرڈ ہی ہے اور سوال بھی واقعی دعوت کے متعلق ہے تو میں نے اپنے پہلے سوال سے انکار نہیں کیا بلکہ شروع سے اب تک اسے دہراتا چلا آ رہا ہوں اور آپ سے اس سوال کے جواب کا مطالبہ کرتے چلا آ رہا ہوں اسی سوال کو ایک دفعہ پھر دہرائے دیتا ہوں ''آیا جماعت المسلمین رجسٹرڈ میں شمولیت کی دعوت واقعی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت ہے؟'' تو محترم آپ اس سوال کا جواب دیں ادھر ادھر کی باتیں بنانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

آپ نے اپنے تیسرے مکتوب میں جب میرا سوال نقل کیا تو اس میں یہ لکھا ''کیا جماعت المسلمین کی دعوت'' الخ جبکہ میرا سوال پہلے مکتوب سے لے کر اس چوتھے مکتوب تک جماعت المسلمین میں شمولیت کی دعوت سے متعلق ہے نہ کہ جماعت المسلمین کی دعوت سے متعلق اور ان دونوں باتوں ''جماعت المسلمین کی دعوت'' اور ''جماعت المسلمین میں شمولیت کی دعوت'' میں فرق بالکل واضح ہے لہٰذا آپ میرے سوال کا جواب دیں کیونکہ آپ نے مجھے جماعت المسلمین رجسٹرڈ میں شمولیت کی دعوت دے رکھی ہے اس لیے یہ سوال میرا حق ہے آپ اس کا جواب دیں۔

ابن عبدالحق بقلمہ سرفراز کالونی گوجرانوالہ ۱۳/۴/۱۴۱۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

منجانب امان اللہ عبداللہ بخدمت جناب حافظ عبدالمنان صاحب سلام علی من اتبع الہدیٰ

امابعد! آپ کا چوتھا خط ملا اس خط میں بھی آپ نے اپنے اضافی الفاظ والے سوال کا تذکرہ فرمایا ہے۔ گزارش ہے کہ

(۱) کیا جب جماعت المسلمین کی دعوت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت ثابت ہو جائے تو اس میں شمولیت کی دعوت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت نہ ہوگی؟

(۲) میرے جوابی خط میں جماعت المسلمین میں شمولیت کی دعوت کے متعلق اچھی طرح وضاحت موجود ہے اس خط میں میں نے پوری وضاحت سے لکھا تھا کہ ہم نے جماعت المسلمین کو حق سمجھ کر قبول کر لیا ہے اور خود اس میں شامل ہیں اور آپ سے چونکہ للہ محبت ہے اس لیے آپ کو بھی اس میں شمولیت کی دعوت دیتے ہیں۔ میرے اور آپ کے علم میں جو تفاوت موجود ہے اس سے میں قطعاً بے خبر نہیں ہوں براہ کرم آپ مجھے ادھر ادھر کے مسائل میں نہ الجھائیں۔ ذہن میں خلوص ہے جس پر میرا رب گواہ ہے اگر آپ کو جماعت المسلمین حق پر نہیں نظر آتی تو سیدھے طریقہ سے اس کی قباحت قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح کر دیں؟ میں نے اپنی اور آپ کی خیر خواہی چاہتے ہوئے آپ کو اس میں

شمولیت کی دعوت دی ہے آپ کو جماعت المسلمین حق پر نظر نہیں آتی تو آپ ان وجوہات کا ذکر فرما دیں یا مجھ سے پوچھ لیں کہ وہ کون سی وجوہات ہیں جن کی بنا پر میں نے مسلک اہلحدیث کو چھوڑ کر دین اسلام کو قبول کر لیا ہے۔ امید ہے آپ بات کو اسی نہج پر شروع کریں گے۔ امان اللہ مسلم آئرن سٹور چونیاں شاہ مقیم روڈ حجرہ ضلع اوکاڑہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از عبدالمنان نورپوری بخدمت جناب امان اللہ صاحب حفظہما اللہ تعالیٰ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اما بعد! میرا سوال تھا ''آیا جماعت المسلمین رجسٹرڈ میں شمولیت کی دعوت واقعی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت ہے؟'' اس کے جواب میں آپ لکھتے ہیں ''کیا جب جماعت المسلمین کی دعوت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت ثابت ہو جائے تو اس میں شمولیت کی دعوت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت نہ ہوگی؟''

تو محترم چونکہ آپ میری خیر خواہی فرما رہے ہیں اور للہ مجھ سے محبت رکھنے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں اس لیے آپ استفہامیہ انداز میں جواب دینے کی بجائے دوٹوک الفاظ میں جواب دیں اور ہاں یا نہ کی صورت میں جواب تحریر فرمائیں کیونکہ آپ نے مجھے مطمئن فرمانا ہے لہٰذا صاف لکھیں جماعت المسلمین رجسٹرڈ میں شمولیت کی دعوت واقعی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت ہے یا نہیں۔ جب آپ اثبات یا نفی میں جواب دیں گے تب اپنا دوسرا سوال پیش کروں گا پھر اس کا جواب اثبات یا نفی کی صورت میں آ جانے کے بعد تیسرا وعلیٰ ہذا القیاس حتی کہ مجھے اطمینان ہو جائے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ابن عبدالحق بقلمہ سرفراز کالونی گوجرانوالہ ٤/٥/١٤١٣ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من امان اللہ عبداللہ بخدمت جناب حافظ عبدالمنان صاحب سلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

اما بعد! استاد محترم! آپ نے مناظرانہ گفتگو شروع کر دی ہے آپ کے سامنے بندہ نے تمام حقیقت واضح کر دی ہے مگر آپ صرف ایک ہی پوائنٹ پر ڈٹے ہوئے ہیں معلوم ایسے ہوتا ہے کہ آپ میری گزارشات مکمل طور پڑھتے ہی نہیں۔ میری آخری اور پہلی ہی گزارش ہے اس سے زیادہ آپ میرے پاس سے کچھ نہیں حاصل کر سکیں گے۔

(ا) یہ کہ فرقہ اہلحدیث جو کہ رجسٹرڈ ہے اسے حق سمجھ کر قبول کیا تھا پھر مجھ پر واضح ہوا کہ یہ لوگ حق پر نہیں ہیں تو انہیں چھوڑ کر جماعت المسلمین میں شامل ہو گیا ہوں۔

جیسے اہلحدیث ہوتے ہوئے دوستوں کو جماعت اہلحدیث (بقول ان کے) میں شامل ہونے کی دعوت دیتا رہا

ہوں اسی طرح اب میرا عمل ہے۔ میرے پاس نہ اتنا علم ہے اور نہ اتنی بلند سوچ ہے کہ آپ جیسے عالم دین کو مطمئن کر سکوں ہاں مجھ پر ایک ذمہ داری تھی الحمدللہ وہ میں نے پوری کردی ہے میرا کام تمام ہو چکا ہے میں آپ کے ساتھ للہ محبت کا دعویدار ہوں۔ خطرہ تھا کہ کل قیامت کے روز آپ میرا گریبان نہ پکڑلیں۔ تو میں نے آپ کو جماعت المسلمین میں شمولیت کی دعوت پہنچادی ہے آپ مطمئن ہوں یا نہ ہوں اس سے مجھے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ ہاں آپ کے پاس جتنا علم ہے اگر میرے پاس بھی ہوتا تو پھر ممکن ہوتا کہ آپ کی یہ تمنا بھی پوری کرنے کی کوشش کرتا۔ بہرحال آپ فرض کریں کہ میں آپ کے ساتھ للہ محبت کرتا ہوں اس بنیاد پر بھی آپ پر ضروری تھا کہ آپ مناظرانہ تحریر سے ہٹ کر جماعت المسلمین میں جو غیر اسلامی اشیاء آپ دیکھ چکے ہیں وہ تحریر کرتے اور اس کے مقابلہ میں جماعت اہلحدیث کی خوبیاں بیان فرما کر میری خیر خواہی فرما دیتے صد افسوس کہ آپ میرے ساتھ کوئی خیر خواہی نہ کر سکے۔

راقم السطور: امان اللہ مسلم آئرن سٹور چونیاں روڈ حجرہ شاہ مقیم ضلع اوکاڑہ ۱۳/۵/۱۳ ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از عبدالمنان نور پوری بخدمت جناب امان اللہ صاحب حفظہما اللہ تعالیٰ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امابعد! آپ اپنے اس مکتوب میں لکھتے ہیں "میں نے آپ کو جماعت المسلمین میں شمولیت کی دعوت پہنچادی ہے آپ مطمئن ہوں یا نہ ہوں اس سے مجھے کوئی واسطہ نہیں ہے"۔

تو محترم یہ بات تسلیم کہ آپ کو میرے مطمئن ہونے یا نہ ہونے سے کوئی واسطہ نہیں تاہم دوٹوک الفاظ میں اتنی بات تو واضح فرما دیں کہ "جماعت المسلمین رجسٹرڈ میں شمولیت کی دعوت واقعی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت ہے یا نہیں؟" آخر خیر خواہی بھی فرما رہے ہیں مجھے مطمئن نہ کریں خود تو مطمئن ہوں اور اگر آپ مطمئن ہیں تو پھر مذکور بالا سوال کا ہاں یا نہ میں جواب دینے میں کون سی رکاوٹ ہے؟

ابن عبدالحق بقلمہ سرفراز کالونی گوجرانوالہ ۲۹/۵/۱۴۱۳ ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من امان اللہ بخدمت جناب حافظ عبدالمنان صاحب سلام علی من اتبع الہدیٰ

آپ کا خط ملا جواب حاضر ہے۔

(۱) جماعت اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے بنائی اور اسی نام سے بنائی جو اللہ تعالیٰ نے رکھا "جماعت المسلمین" اس میں

شمولیت کی دعوت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت میں کوئی شک ہی نہیں ہے۔

(۲) اس وقت دنیا میں اگر کسی جماعت میں شمولیت کی دعوت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی واقعی دعوت ہے تو وہ صرف اور صرف جماعت المسلمین میں شمولیت کی دعوت ہے اس کے علاوہ نہ کسی جماعت کا عملی طور پر دعویٰ ہے اور نہ ہی کوئی دوسری جماعت دنیا میں موجود ہے۔ امان اللہ ۲۶ جمادی الاخری ۱۴۱۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از عبدالمنان نور پوری بخدمت جناب امان اللہ صاحب حفظہما اللہ تعالیٰ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اما بعد! اس فقیر الی اللہ نے لکھا تھا ''دوٹوک الفاظ میں اتنی بات تو واضح فرما دیں کہ ''جماعت المسلمین رجسٹرڈ میں شمولیت کی دعوت واقعی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت ہے یا نہیں''؟

اس کے جواب میں آپ اس حالیہ مکتوب میں لکھتے ہیں ''اس وقت دنیا میں اگر کسی جماعت میں شمولیت کی دعوت'' الخ کافی حد تک آپ قریب ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے مگر آپ کے جواب میں دو چیزیں قابل اصلاح ہیں آپ ان کی اصلاح فرما کر جواب لکھیں پھر ان شاء اللہ العزیز دوسرا سوال جناب کی خدمت میں پیش کر دیا جائے گا۔

(۱) لفظ ''اگر'' جواب سے نکال دیں کیونکہ یہ لفظ شبہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

(۲) ''جماعت المسلمین'' کے ساتھ رجسٹرڈ کا لفظ بھی لکھیں کیونکہ سوال جماعت المسلمین رجسٹرڈ سے تعلق رکھتا ہے چنانچہ اوپر سوال درج کر دیا ہے اسے غور سے پڑھ لیں۔ ابن عبدالحق بقلمہ سرفراز کالونی گوجرانولہ ۱۴۱۳/۷/۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من امان اللہ عبداللہ بخدمت جناب حافظ عبدالمنان صاحب سلام علی من اتبع الہدیٰ

جناب کا مکتوب گرامی ملا جواباً عرض ہے کہ

(۱) آپ چاہتے ہیں کہ میں اپنے جواب سے لفظ اگر نکال دوں۔ تو محترم یہ لفظ آپ کے لیے ہے میرے لیے نہیں کیونکہ میں دل کے پورے اور مکمل یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ حق صرف جماعت المسلمین کے پاس ہے جب حق جماعت المسلمین کے پاس ہے تو اس میں شمولیت کی دعوت.........

(۲) دوسرے نمبر پر آپ کی خواہش ہے کہ ''رجسٹرڈ'' کا لفظ بھی لکھوں۔ جواباً عرض ہے کہ کیوں؟

آپ کا خیر اندیش ابوالاحسان امان اللہ مسلم آئرن سٹور چونیاں روڈ حجرہ شاہ مقیم ضلع اوکاڑہ ۱۴۱۳/۷/۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از عبدالمنان نور پوری بطرف امان اللہ صاحب حفظہما اللہ تعالیٰ   وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اما بعد! آپ لکھتے ہیں ''رجسٹرڈ کا لفظ بھی لکھوں جواباً عرض ہے کہ کیوں؟'' تو محترم آپ کے اس کیوں کا حل میری گزشتہ تحریر میں موجود ہے دیکھئے میرے لفظ ہیں ''جماعت المسلمین کے ساتھ رجسٹرڈ کا لفظ بھی لکھیں کیونکہ سوال جماعت المسلمین رجسٹرڈ سے تعلق رکھتا ہے''۔

تو لیجئے سوال ایک دفعہ پھر لکھ دیتا ہوں ''جماعت المسلمین رجسٹرڈ میں شمولیت کی دعوت واقعی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت ہے یا نہیں''؟

دوٹوک الفاظ میں جواب تحریر فرمائیں پھر دوسرا سوال آپ کی خدمت میں پیش کر دیا جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ابن عبدالحق بقلمہ سرفراز کالونی گوجرانوالہ ۹/۸/۱۴۱۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من امان اللہ عبداللہ بخدمت جناب حافظ عبدالمنان   سلام علی من اتبع الہدیٰ

جناب کا مکتوب ملا جواباً عرض ہے کہ آپ نے جو سوال کرنا ہے وہ آپ ابھی کر لیں۔

جماعت المسلمین جو کہ حکومت پاکستان نے اپنے رجسٹرڈ میں درج کر کے تسلیم کر لیا ہے کہ پاکستان میں جماعت المسلمین وہ ہے جس کا امیر سید مسعود احمد ہے حکومت نے درج کر کے ثابت کر دیا ہے کہ پاکستان میں جماعت المسلمین موجود ہے اب آپ لوگ خود غور کریں کہ حکومت کا یہ فیصلہ درست ہے یا نہیں؟ اب جواب بھی سن لیں وہ جماعت المسلمین جو حکومت نے رجسٹرڈ کر لی ہے اس میں شمولیت کی دعوت............۔ امان اللہ مسلم آئرن سٹور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از عبدالمنان نور پوری بطرف امان اللہ صاحب حفظہما اللہ تعالیٰ   وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اما بعد! میرا سوال تھا ''جماعت المسلمین رجسٹرڈ میں شمولیت کی دعوت واقعی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت ہے یا نہیں؟''

اس کے جواب میں آپ نے اس دفعہ لکھا ہے ''وہ جماعت المسلمین جو حکومت نے رجسٹرڈ کر لی ہے اس میں شمولیت کی دعوت............۔

محترم جواب میں پوری عبارت لکھیں نقطوں یا لکیروں سے اشارے ناکافی ہیں لہٰذا جواب صاف اور دوٹوک الفاظ میں تحریر فرمائیں' جماعت المسلمین رجسٹرڈ میں شمولیت کی دعوت واقعی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت ہے یا نہیں''؟ پھر دوسرا سوال آپ کی خدمت میں پیش کر دیا جائے گا۔ان شاء اللہ تعالیٰ

ابن عبدالحق بقلمہ سرفراز کالونی گوجرانوالہ ۲۷/۷/۱۴۱۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من امان اللہ عبداللہ الی جناب حافظ عبدالمنان صاحب سلام علی من اتبع الہدیٰ

جناب کا مکتوب ملا۔مندرجہ ذیل اسئلہ کا جواب الفاظ تحریر کر دیں تاکہ مجھے آپ کو مطلوبہ الفاظ لکھنے میں تاخیر نہ ہو بصورت دیگر جواب مشکل ہے۔

(۱) جس قرآن مجید کی آپ تلاوت کرتے ہیں وہ رجسٹرڈ ہے یا نہیں؟

(۲) جس مسجد میں آپ خطبہ جمعہ دیتے ہیں وہ بنام......اہلحدیث رجسٹرڈ ہے؟

(۳) جس مدرسہ میں آپ تدریس کرتے ہیں وہ رجسٹرڈ ہے؟

(۴) جس جماعت میں آپ شامل ہیں وہ رجسٹرڈ ہے؟ نوٹ: اگر آپ نے اسئلہ کا جواب نہ لکھا تو میری طرف سے آپ کو کوئی جواب نہیں ملے گا۔ ابوالاحسان امان اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ازعبدالمنان نور پوری بطرف امان اللہ صاحب حفظہما اللہ تعالیٰ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اما بعد! بات چیت کے آغاز سے لے کر اب تک میرا سوال یہی آ رہا ہے''جماعت المسلمین رجسٹرڈ میں شمولیت کی دعوت واقعی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت ہے یا نہیں؟'' میرے اس سوال کا سبب صرف اور صرف یہی ہے کہ آپ نے مجھے جماعت المسلمین رجسٹرڈ میں شامل ہونے کی دعوت دی تھی اور اسی سوال کو دہراتے ہوئے آپ کو یہ دسواں مکتوب لکھ رہا ہوں۔

پچھلے مکتوب میں آپ نے اس سوال کے جواب میں لکھا تھا''وہ جماعت المسلمین جو حکومت نے رجسٹرڈ کر لی ہے اس میں شمولیت کی دعوت ....''اس کے جواب میں اپنے پچھلے مکتوب میں لکھ چکا ہوں۔''محترم جواب میں پوری عبارت لکھیں نقطوں یا لکیروں سے اشارے ناکافی ہیں لہٰذا جواب صاف اور دوٹوک الفاظ میں تحریر فرمائیں

’’جماعت المسلمین رجسٹرڈ میں شمولیت کی دعوت واقعی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت ہے یا نہیں؟ پھر دوسرا سوال آپ کی خدمت میں پیش کر دیا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ‘‘۔ اس کے جواب میں آپ لکھتے ہیں ’’مندرجہ ذیل اسئلہ کا جواب تحریر کر دیں تا کہ مجھے آپ کے مطلوبہ الفاظ لکھنے میں تاخیر نہ ہو بصورت دیگر جواب مشکل ہے‘‘ الخ

تو محترم یہ سوال آپ نے خواہ مخواہ کیے ہیں آپ میرے مندرجہ بالا سوال کا جواب دیں ادھر ادھر کی باتیں بنانے کا کوئی فائدہ نہیں سیدھی سادھی بات ہے میرے سوال ’’جماعت المسلمین رجسٹرڈ میں شمولیت کی دعوت واقعی اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی دعوت ہے یا نہیں؟‘‘ کا پوری، صاف اور دوٹوک عبارت میں جواب دیں ورنہ اس مذکورہ بالا جماعت میں شمولیت کی دعوت دینا چھوڑ دیں۔

پھر آپ کا لکھنا ’’اگر آپ نے اسئلہ کا جواب نہ لکھا تو میری طرف سے آپ کو کوئی جواب نہیں ملے گا‘‘ بالکل نامناسب اور بے جا ہے کیونکہ آپ نے مجھے اپنی ’’جماعت المسلمین رجسٹرڈ‘‘ میں شمولیت کی دعوت دے رکھی ہے اس لیے آپ میرے مذکور بالا سوال کا جواب دینے کے پابند ہیں میں آپ کے سوالوں کا جواب دوں خواہ نہ دوں کیونکہ میں نے آپ کو ابھی تک کسی جماعت میں شامل ہونے کی دعوت نہیں دی البتہ اسلام میں داخل ہونے کی دعوت ضرور دے چکا ہوں۔

ابن عبدالحق بقلمہ سرفراز کالونی گوجرانوالہ ۱۱/۸/۱۴۱۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

منجانب امان اللہ عبداللہ بخدمت جناب حافظ عبدالمنان صاحب سلام علی من اتبع الہدیٰ

میں نے اپنے مکتوب میں لکھا تھا کہ اگر آپ نے میرے اسئلہ کا جواب نہ دیا تو میری طرف سے آپ کو کوئی خط نہیں ملے گا۔

آپ نے میرے خط کا جواب تو دے دیا مگر میرے اسئلہ کا جواب نہیں دیا اصولی طور پر اس موضوع کے متعلق میں آپ کو کچھ نہیں لکھتا جب تک آپ میرے اسئلہ کا جواب نہ دیں۔ آپ نے اپنے حالیہ مکتوب میں ایک نیا باب کھول دیا ہے اس کے متعلق ضرور لکھنا چاہتا ہوں آپ نے لکھا ہے کہ ’’میں نے آپ کو ابھی تک کسی جماعت میں شامل ہونے کی دعوت نہیں دی البتہ اسلام میں داخل ہونے کی دعوت ضرور دے چکا ہوں‘‘ جواباً عرض ہے کہ اولاً: اسلام میں داخل ہونے کی دعوت آپ کے کون سے مکتوب میں ہے اسکی فوٹو اسٹیٹ بھیج دیں۔ ثانیاً: جہاں تک میں سمجھا ہوں اسلام میں داخلے کی دعوت تین صورتوں میں دی جاتی ہے یہ کہ کوئی آدمی اسلام میں داخل ہی نہ ہوا سے اسلام میں

داخل ہونے کی دعوت دی جاتی ہے دوسری صورت یہ کہ کوئی اسلام سے نکل جائے ۔ تیسری صورت ایمان والوں کو اسلام میں مکمل طور پر داخلے کی دعوت دی جاتی ہے۔ آپ نے آخری صورت تو میرے لیے اختیار نہیں کی اب پہلی دو صورتیں ہی رہ جاتی ہیں اب آپ وضاحت فرمائیں کہ آپ کون سے داخلے کی دعوت مجھے دے رہے ہیں؟ ثالثاً: یہ دعوت آپ نے مجھ سے پہلے بھی لوگوں کو دی ہے یا اس کی ابتداء مجھ سے ہی فرمادی ہے؟ رابعاً :اگر مجھ سے پہلے بھی آپ لوگوں کو اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دے چکے ہیں تو کیا کچھ لوگ آپ کی دعوت قبول کر کے حلقہ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں یا کوئی بھی داخل نہیں ہوا۔ اگر داخل ہو چکے ہیں تو وہ جماعتی زندگی گزار رہے ہیں یا انفرادی؟ خامساً: میں نے آپ کو جب دیکھا اس وقت آپ فرقہ اہلحدیث میں شامل تھے۔ کیا ابھی تک آپ فرقہ اہلحدیث میں موجود ہیں یا اسے چھوڑ چکے ہیں۔ اگر ابھی تک آپ فرقہ اہلحدیث میں شامل ہیں تو آپ نے مجھے مذہب اہل حدیث کی دعوت کیوں نہ دی؟ کیا ہر اہلحدیث مسلم اور ہر مسلم اہلحدیث نہیں ہوتا؟ راقم السطور: ابوالاحسان امان اللہ مسلم آئرن سٹور جونیاں روڈ حجرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ازعبدالمنان نورپوری بطرف امان اللہ صاحب حفظہما اللہ تعالیٰ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امابعد! پہلے مکتوب سے لے کر اب تک میرا سوال چلا آ رہا ہے ''جماعت المسلمین رجسٹرڈ میں شمولیت کی دعوت واقعی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت ہے یا نہیں؟'' اور اس کا سبب صرف یہ تھا کہ آپ نے مجھے جماعت المسلمین رجسٹرڈ میں شمولیت کی دعوت دی تھی۔

اس سے پہلے مکتوب میں لکھ چکا ہوں ''محترم جواب میں پوری عبارت لکھیں نقطوں یا لکیروں سے اشارے ناکافی ہیں لہٰذا جواب صاف اور دوٹوک الفاظ میں تحریر فرمائیں' 'جماعت المسلمین رجسٹرڈ میں شمولیت کی دعوت واقعی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت ہے یا نہیں؟'' پھر دوسرا سوال آپ کی خدمت میں پیش کر دیا جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ'' الخ

میرے تیسرے مکتوب میں لکھا ہے ﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ [1] [بے شک دین جو ہے اللہ کے ہاں سو یہی اسلام ہے] یہ میری طرف سے اسلام کی دعوت تھی، ہے اور رہے گی ان شاء اللہ تعالیٰ فوٹو کاپی ارسال کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ میرا تیسرا مکتوب آپ کو موصول ہو چکا ہے اسے ملاحظہ فرمالیں۔

[1] [آل عمران ۱۹ پ۳]

تو محترم ادھر ادھر کی باتیں یا ادھر ادھر کے سوال بنانے کا کوئی فائدہ نہیں آپ اصل سوال ''جماعت المسلمین رجسٹرڈ میں شمولیت کی دعوت واقعی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت ہے یا نہیں؟'' کا جواب دیں اور پوری عبارت لکھیں آخر جس بات کو آپ درست سمجھتے ہیں اس کے اظہار سے ڈرنا چہ معنی دارد؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ [1] [اور جو چاہے سوا دین اسلام کے اور کوئی دین سو اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں خراب ہے]

ابن عبدالحق بقلمہ سرفراز کالونی گوجرانوالہ ۲۹/۸/۱۴۱۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

منجانب امان اللہ عبداللہ ناظم تبلیغ صوبہ پنجاب بخدمت جناب حافظ عبدالمنان صاحب مدرس جامعہ محمدیہ

سلام علی من اتبع الھدیٰ

جناب کا مکتوب موصول ہوا۔

(۱) حافظ صاحب گزارش یہ ہے کہ ایک بات کو بار بار دہرانے سے کیا فائدہ ہے؟ جب آپ میرے سوالات کا جواب دیں گے تو میں آگے قدم اٹھاؤں گا۔

(۲) جناب حافظ صاحب میں نے آپ کو جماعت المسلمین میں شمولیت کی دعوت دے دی ہے آپ کو حق نظر نہیں آتی یہ آپ کی اپنی مرضی ہے میں اس سلسلے میں آپ کی کوئی خدمت نہیں کر سکتا۔

(۳) اگر آپ کے نزدیک جماعت المسلمین کو حکومت پاکستان کے رجسٹر میں درج کروانے سے حق نہیں رہی تو یہ آپ کی مرضی ہے ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا اب اس سلسلے میں آپ کی گفتگو آپ کی شان کے خلاف ہے۔ ہاں اگر جماعت المسلمین کے اندر کوئی اہم چیز ایسی موجود ہے جس کی وجہ سے آپ اسے قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں تو وہ ضرور بتائیں اگر نہیں بتائیں گے تو قیامت کے روز یقیناً آپ سے پوچھا جائے گا جماعت کا رجسٹرڈ ہونا میرے نزدیک کوئی غیر اسلامی کام نہیں ہے آپ کے علم میں اور کوئی اہم نقص یا خرابی ہے تو ضرور بتائیں ورنہ اس سلسلے میں مزید گفتگو فضول ہے اور آپ کی شان کے خلاف بھی ہے۔

آپ نے اپنے تیسرے خط میں قرآن مجید کی ایک آیت لکھی اور اپنے خط نمبر ۱۰ میں یہ لکھا کہ میں آپ کو اسلام

[1] [آل عمران ۸۵ پ۳]

میں داخل ہونے کی دعوت دے چکا ہوں ۔ جناب حافظ صاحب ! میں نے اپنے سابقہ مکتوب میں لکھا تھا کہ آپ اس خط کی فوٹو مجھے بھیج دیں آپ نے اپنے حالیہ خط میں جس بے بسی کا اظہار فرمایا ہے اس پر آپ کو کوئی حیرانگی نہیں آئی ؟

(۱) کسی انسان کو اس طرح غیر مبہم الفاظ میں دعوت دینا کس آیت اور حدیث سے ثابت ہے ؟

(۲) میں نعوذ باللہ فرعون تو نہیں تھا کہ آپ کو اسلام کی واضح الفاظ میں دعوت دینے میں کچھ خوف تھا ؟

(۳) آپ یہ بتائیں کہ اسلام کی دعوت واضح الفاظ میں دینا چاہیے یا ایسے انداز میں کہ مخاطب کو پتہ تک نہ چل سکے ؟

(۴) آپ یہ بتائیں کہ اسلام کو قبول کرنے کے بعد انسان کیا بنتا ہے ؟ (۵) آپ اہل حدیث نہیں کہلواتے ؟

آپ کا خیر اندیش امان اللہ ۳ رمضان ۱۴۱۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از عبدالمنان نور پوری بطرف امان اللہ صاحب حفظہما اللہ تعالیٰ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امابعد ! دیکھئے محترم بات صرف اتنی ہے کہ آپ نے مجھے جماعت المسلمین رجسٹرڈ میں شمولیت کی دعوت دی جس پر تحقیق کی خاطر میں نے سوال کیا ”جماعت المسلمین رجسٹرڈ میں شمولیت کی دعوت واقعی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت ہے یا نہیں“ ؟

مگر جناب نے تا حال اس مبنی بر حقیقت سوال کا جواب نہیں دیا البتہ ادھر ادھر کے سوال آپ نے کافی کیے ادھر ادھر کی باتیں بھی کافی بنائیں اب آپ خود ہی غور فرمائیں طول اور فضول کس کے کلام میں ہے ؟

پھر اس پر طرفہ یہ کہ مذکور بالا مبنی بر حقیقت سوال کا جواب نہ دینا آپ کے ہاں بابسی ہے اور آیت ﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ لکھنے کو اسلام کی دعوت قرار دینا آپ کے نزدیک بے بسی ہے ۔ کسی نے سچ کہا ہے ۔

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

تو محترم طول اور فضول کو چھوڑیں صرف سوال ”جماعت المسلمین رجسٹرڈ میں شمولیت کی دعوت واقعی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت ہے یا نہیں ؟“ کا جواب دوٹوک الفاظ میں پوری عبارت لکھ کر دیں ادھر ادھر کے سوال نہ کریں نہ ادھر ادھر کی باتیں بنائیں ۔ پھر دوسرا سوال کروں گا ان شاء اللہ ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : ﴿وَمَن يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ﴾ [1] [اور جو منکر ہوا ایمان سے تو ضائع ہوئی محنت اس کی]

ابن عبدالحق بقلمہ سرفراز کالونی گوجرانوالہ ۱۴۱۳/۹/۸ھ

---

[1] [المائدۃ ۵ پ ٦]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

منجانب امان اللہ عبداللہ ناظم تبلیغ صوبہ پنجاب بخدمت جناب حافظ عبدالمنان صاحب۔ سلام علی من اتبع الہدیٰ جناب کا مکتوب مل چکا ہے۔ آپ نے اپنے اس مکتوب میں میرے کسی سوال کا جواب نہیں دیا۔ دیکھیے محترم! آپ مجھے اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دے چکے ہیں جب کہ میں نے آپ کو جماعت المسلمین میں شمولیت کی دعوت دی تھی۔

اب سوال یہ ہے کہ جماعت المسلمین کا وجود اسلام میں داخل ہونے کے بعد بنتا ہے۔ آپ نے مجھے اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی ہے اس سے واضح ہوا کہ میرے پاس تو اسلام ہی نہیں۔ جب میں مسلم ہی نہیں تو پھر جماعت المسلمین رجسٹرڈ یا غیر رجسٹرڈ کی دعوت کا مسئلہ ہی ختم ہوا۔

اگر آپ سائل ہی رہتے تو آپ کی بات پر غور وفکر ہو سکتا تھا۔ اب تو آپ سائل کی منزل سے گزر کر داعی الاسلام کی بلند منزل پر پہنچ چکے ہیں اب پیچھے نہ دیکھیں۔ اب آپ اپنے منصب کا خیال کرتے ہوئے صرف میرے سوالات کے جوابات دیں کیونکہ آپ اسلام کی دعوت دے رہے اور میں اسلام قبول کرنے کے لیے بالکل تیار ہوں۔

آپ کو جماعت المسلمین میں شمولیت کی دعوت دی گئی تھی آپ نے اس میں شمولیت کے لیے اپنے شک وشبہ کا اظہار فرمایا کیونکہ آپ نے رجسٹرڈ لفظ کو پکڑ لیا اور اسی لفظ پر مناظرانہ طریق سے ڈٹے رہے حالانکہ آپ کا اس لفظ پر ڈٹ جانا صحیح نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے اپنے ایک مکتوب میں قرآن مجید کی ایک آیت میں لکھ دی ﴿إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللهِ الْإِسْلَامُ﴾ میں آپ کا مناظرانہ رنگ نہ سمجھ سکا پتہ اس وقت چلا جب آپ نے بہت دور پہنچ کر بتایا کہ میں تو آپ کو (امان اللہ) اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دے چکا ہوں میری بلا جانے کہ مناظرانہ چالیں کیا ہوتی ہیں میرے دل میں تو آپ کی محبت تھی اس وجہ سے میں نے جسے حق سمجھا اس کی دعوت آپ کو دے دی آپ کو جس فرقہ میں پایا تھا وہ رجسٹرڈ ہے وہ رجسٹرڈ ہونے کی وجہ سے مشکوک نہ تھا مگر جماعت المسلمین اگر حکومت پاکستان کے ہاں درج ہے تو اس کی دعوت مشکوک ہوگئی آپ کو کسی کی خیر خواہی مقصد نہیں ہے آپ تو جیتنا چاہتے ہیں سو میں تسلیم کرتا ہوں کہ واقعی آپ جیت گئے ہیں اب تو آپ بتا دیں کہ جماعت المسلمین میں کون کون سی شرکیہ باتیں آپ کو نظر آئی ہیں کہ جس کی وجہ سے مجھے آپ نے اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دے دی ہے۔

حافظ صاحب! آپ نے واقعتا اپنا مناظر ہونا ثابت کر دیا ہے کہ ایک طرف تو سائل کی صورت میں کھڑے

ہیں۔ دوسری طرف مسئول کو اسلام سے ہی فارغ کر چکے ہیں جب یہ بات تھی تو اتنے لفافے ضائع کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟

اب آپ اپنے سوال کو اللہ تعالیٰ کے لیے نہ دہرائیں بلکہ اگلی منزل کا فکر کریں اور میرے مندرجہ ذیل سوالات کا جواب دیں۔

(۱) آپ نے مجھے واضح طور پر اسلام میں داخل ہونے کی دعوت کیوں نہ دی؟

(۲) آپ نے آیت مجیدہ ﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ﴾ اپنے تیسرے مکتوب میں لکھی تھی لیکن میں آپ کے باریک اور مناظرانہ رنگ کو نہ سمجھ سکا تو اگر آپ کے دل میں میری رتی بھر بھی خیر خواہی ہوتی تو آپ اپنے چوتھے یا پانچویں مکتوب میں پوچھ لیتے کہ امان اللہ میں نے اپنے مکتوب نمبر۳ میں آپ کو اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی تھی آپ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا آخر کیوں؟

حافظ صاحب! مناظرے جیتنا کوئی بڑا کام نہیں ہے جس کے شوق میں آپ نے انسانیت کی بھلائی ہی کو پس پشت ڈال دیا؟ میرے دل کا حال میرا رب جانتا ہے کہ میں نے جماعت المسلمین کو محض اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے قبول کیا ہے جیسا کہ بریلویت کو چھوڑ کر فرقہ اہلحدیث کو قبول کیا تھا مگر اس میں مجھے وہ چیز نہ مل سکی جس کی خاطر میں نے اپنے کنبے قبیلے کو چھوڑا تھا۔

آپ کو بھی دل کے خلوص سے دعوت دی تھی اور وجہ بھی لکھی تھی مگر آپ کا تقویٰ آپ کے مناظرانہ رنگ پر غالب نہ آسکا۔ آپ سے کئی دفعہ گزارش کی ہے کہ آپ مجھے جماعت المسلمین کی کوئی بڑی خامی بتائیں تاکہ میں اسکی تحقیق کر سکوں مگر آپ نے دریا کو اپنی طغیانیوں سے موج کشتی کسی کی پار رہے یا درمیان۔ والا معاملہ کیا آپ کو تو مناظرہ جیتنا ہے سو آپ جیت گئے۔

حافظ صاحب! میرے نزدیک جماعت المسلمین کا رجسٹرڈ ہونا کوئی شرعی عیب نہیں ہے اگر اس کے علاوہ کوئی اور بڑی خامی آپ کو معلوم ہے تو اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کے خوف کی وجہ سے مجھے بتائیں؟

(۳) آپ نے مجھے اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی ہے۔ میں اس دعوت کو قبول کرتے ہوئے آپ کو گواہ بنا رہا ہوں کہ میں مسلم ہوں۔ اور چونکہ جماعت المسلمین کو حکومت پاکستان تسلیم کر چکی ہے باقی کوئی جماعت ایسی نہیں جس میں ایک مسلم انسان شامل ہو کر رسول اللہ ﷺ کے حکم ﴿تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِیْنَ وَاِمَامَهُمْ﴾ پر عمل کر سکے۔

اگر آپ کے علم میں کوئی اور جماعت موجود ہے تو آپ مجھے بتائیں میں اسے چھوڑ کر اس میں شامل ہونے کے لیے تیار ہوں۔ حافظ صاحب! میں حق کا متلاشی ہوں اللہ تعالیٰ کے نام کا واسطہ دے کر آپ سے کہہ رہا ہوں کہ آپ مناظرہ جیتنے کا شوق کسی اور سے پورا کر لینا۔

مجھے تو صرف اور صرف حق کی تلاش ہے اگر آپ کو معلوم ہے تو مجھے بتائیں اگر یہ نہیں تو پھر جسے میں حق سمجھ چکا ہوں اسے قبول کر لیں۔ امان اللہ ۲۰ رمضان ۱۴۱۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از عبدالمنان نورپوری بطرف امان اللہ صاحب حفظہما اللہ تعالیٰ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اما بعد! میں نے آپ کو اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی جس کو آپ نے قبول فرما لیا چنانچہ آپ لکھتے ہیں ''آپ نے مجھے اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی ہے میں اس دعوت کو قبول کرتے ہوئے آپ کو گواہ بنا رہا ہوں کہ میں مسلم ہوں''

تو جب آپ نے میری اس دعوت کو قبول فرما لیا اور واضح دوٹوک الفاظ میں اس کے قبول کرنے کا اعلان بھی کر دیا تو یہ بات طے ہوگئی لہٰذا اس کو طول دینے کا فائدہ؟ اس لیے میں آپ کے کسی سوال کے جواب دینے کا مکلّف نہیں۔

ہاں اگر آپ یہ سوال کرتے کہ تو نے مجھے اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی ہے آیا یہ دعوت واقعی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت ہے؟ تو پھر میں اس سوال کا جواب دینے کا مکلّف تھا کیونکہ میں نے یہ دعوت دے رکھی ہے تو جب آپ نے یہ سوال نہیں کیا اور میری دی ہوئی دعوت کو آپ نے قبول فرما لیا تو یہ بات ختم ہوگئی۔

البتہ آپ نے مجھے جماعت المسلمین رجسٹرڈ میں شمولیت کی دعوت دی جس کو میں نے قبول نہیں کیا بلکہ اس دعوت پر کئی سوالات میں سے صرف ایک سوال آپ کی خدمت میں بار بار دہرا رہا ہوں جس کا آج تک آپ نے کوئی جواب نہیں دیا حالانکہ میرا سوال ہے بھی معقول اور آپ اس کا جواب دینے کے ہیں بھی مکلّف و پابند۔ الا کہ آپ اپنی دی ہوئی دعوت واپس لے لیں۔

اس لیے اسی سوال کو آپ کی خدمت میں ایک دفعہ پھر پیش کر دیتا ہوں ''جماعت المسلمین رجسٹرڈ میں شمولیت کی دعوت واقعی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت ہے یا نہیں؟'' جواب واضح، دوٹوک الفاظ اور پوری عبارت میں لکھیں اس کے بعد دوسرا سوال جناب کی خدمت میں پیش کر دیا جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ رہا خیر خواہی والا معاملہ تو

اللہ کے فضل سے شروع سے لے کراب تک جتنی باتیں میں نے لکھی ہیں سب آپ کی خیر خواہی ہے حتیٰ کہ یہ سوال جس کو بار بار دہرار ہا ہوں یہ بھی آپ کی خیر خواہی پر مبنی ہے آپ اس کا جواب دے کر آزما سکتے ہیں کہ اس میں آپ کی خیر خواہی ہے یا نہیں؟ ابن عبدالحق بقلمہ سرفراز کالونی گوجرانوالہ ۱٤۱۳/۹/۲۷ھ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من جانب امان اللہ عبداللہ ناظم جماعت المسلمین صوبہ پنجاب بخدمت جناب حافظ عبدالمنان صاحب

سلام علی من اتبع الہدیٰ

امابعد! جناب کا مورخہ ۱۳/۹/۲۷ کا مکتوب ملا۔ پڑھ کر بڑا افسوس ہوا کہ آپ نے میری کسی بھی گزارش کا جواب نہیں دیا۔ آپ نے لکھا ہے۔ جب آپ نے یہ سوال نہیں کیا اور میری دی ہوئی دعوت کو آپ نے قبول فرمالیا تو یہ بات ختم ہو گئی۔

حافظ صاحب! آپ نے یہ جملہ لکھتے وقت دل میں خیال نہیں فرمایا کہ میں کیا لکھ رہا ہوں؟ کیا اسلام کی دی ہوئی دعوت کو قبول کر لینے سے بات ختم ہو جاتی ہے؟ جو آدمی اسلام کی دی ہوئی دعوت کو قبول کر لے۔ اس کی مزید رہنمائی کی ذمہ داری دعوت دینے والے پر کوئی نہیں؟

حافظ صاحب! میں نے تو قرآن وحدیث سے یہ سمجھا ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اجتماعی زندگی گزارنا ضروری ہے آپ کہتے ہیں بات ختم ہوگئی۔ کیا میں نے غلط سمجھا ہے؟ آپ وضاحت سے بتائیں کہ میں نے مسلم ہونے کے بعد جماعت المسلمین میں شمولیت اختیار کی ہوئی ہے جبکہ آپ کی دعوت سے قبل بھی میں اپنے آپ کو مسلم سمجھ کر جماعت المسلمین میں شامل تھا یہ جماعت پاکستان حکومت کے دفتر میں رجسٹرڈ ہے اب آپ بتائیں کہ مجھے یہ جماعت چھوڑ دینی چاہیے یا نہیں؟ اگر چھوڑنے کا مشورہ دیں تو مع ادلہ ہونا چاہیے لیکن اگر اس میں رہنے کا مشورہ ہے تو آپ بھی اس میں آجائیں۔

حافظ صاحب! میں نے آپ کو دعوت دی آپ کو میری دی ہوئی دعوت پر کچھ شک گزرا وہ میں سمجھ گیا۔ میری دعوت بالکل واضح الفاظ میں تھی آپ نے اسے قبول نہیں کیا۔ خط وکتابت کے دوران آپ نے غیر واضح الفاظ میں مجھے اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی میں نے آپ کی دی ہوئی دعوت پر چند سوال کیے حوالہ کے لیے میرا مکتوب نمبر۱۰ص۳ ملاحظہ فرمائیں اس مکتوب میں میں نے اسلام میں داخلے کی تین صورتیں عرض کی تھیں اور آپ سے پوچھا

تھا کہ آپ کون سے داخلے کی دعوت مجھے دے رہے ہیں۔آپ نے میرے اس مکتوب میں درج شدہ کسی بھی سوال کا جواب نہ دیا کیونکہ آپ کے پاس کوئی جواب نہ تھا اب میں نے سوچا کہ الحمدللہ میں مسلم ہوں اور یہ مجھے اسلام کی دعوت دے رہے ہیں ان کے پاس اگر کوئی جواب نہیں تو کیا ہوا۔لہٰذا میں نے آپ کو گواہ بنا کر یہ لکھا کہ میں مسلم ہوں اب آپ کہتے ہیں کہ بس بات ختم۔

جناب حافظ صاحب! یہ آپ کی غلط فہمی ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد بات ختم ہو جاتی ہے۔اب معاملہ بالکل واضح ہے کہ آپ پر میری رہنمائی کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے لہٰذا اپنے فرض کو سمجھتے ہوئے میری رہنمائی فرمائیں کہ میں مسلم ہونے کے بعد جماعت المسلمین کو چھوڑ دوں؟ جبکہ یہ رجسٹرڈ ہے حکومت نے تسلیم کیا ہے کہ مسلمین کی جماعت وہ ہے جس کے امیر سید مسعود احمد ہیں۔میں نے باوجود یہ کہ حکومت غیر اسلامی ہے اس کی اس بات کو سچ سمجھ لیا ہے جیسا کہ آپ نے اور آپ کے رفقاء نے حکومت سے یہ تسلیم کروانے کے لیے تحریک چلائی تھی کہ مرزائی قوم کو غیر مسلم قرار دیا جائے اس میں آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔

لہٰذا اگر کسی کو غیر مسلم قرار دینے کے لیے تحریک میں شمولیت کار ثواب ہے تو اگر بغیر کسی تحریک کے حکومت کسی جماعت کو مسلم قرار دے دے تو کیا یہ غیر اسلامی کام ہے؟

لہٰذا آپ میری رہنمائی فرمائیں اور واضح دوٹوک الفاظ میں جماعت المسلمین کی گمراہی بیان فرمائیں تاکہ میں اور میرے دیگر ساتھی اپنے اسلام کو محفوظ کر سکیں۔جب آپ نے میری دعوت کو قبول ہی نہیں کیا تو آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟

ادھر ادھر کی فضول باتوں سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا اگر آپ کو کوئی اصول کی پابندی پسند ہے تو دو سیدھی سی باتیں ہیں ان کا جواب دے دیں ورنہ یہ فضول بحث کو چھوڑ دیں۔پہلی بات: آپ میرے سوالات کے جوابات لکھ دیں۔ میں ان شاء اللہ آپ کے سوال کا جواب لکھ دوں گا۔

دوسری بات: اگر آپ میرے سوالات کے جوابات نہیں لکھتے تو یہ سوال کرنا چھوڑ دیں۔اور اپنے فرض سے فراریت اختیار نہ کریں کیونکہ میں نے آپ کی دعوت قبول کی ہے اب میری رہنمائی کرنا آپ کا فرض ہے اور آپ نے چونکہ میری دعوت قبول نہیں کی لہٰذا آپ کی رہنمائی کرنا مجھ پر ضروری نہیں رہا اس لیے میں امید کروں گا کہ آپ کا آنے والا لیٹر مجھے یہ بتائے گا کہ میں جماعت المسلمین کو چھوڑ دوں اور چھوڑنے کی وجوہات یہ ہیں اگر آپ نے یہ بات نہ لکھی تو

آپ کے خط کا جواب ضروری نہ ہوگا۔ راقم السطور: امان اللہ ۱۴۱۳/۱۰/۱۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از عبد المنان نور پوری بطرف امان اللہ صاحب حفظہما اللہ تعالیٰ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اما بعد! دیکھئے محترم میں نے پچھلے مکتوب میں لکھا ''تو یہ بات ختم ہوگئی'' چنانچہ آپ نے بھی میری عبارت نقل کرتے وقت یہی لکھا ''تو یہ بات ختم ہوگئی'' مگر اس کے بعد آپ نے یہ کہ لفظ اور معنی دونوں کو ملحوظ نہیں رکھا کچھ تو اللہ سے ڈریں کیا انصاف اسی کا نام ہے؟

بات دراصل یہ تھی کہ آپ نے مجھے جماعت المسلمین رجسٹرڈ میں شمولیت کی دعوت دی میں نے آپ سے سوال کیا ''جماعت المسلمین رجسٹرڈ میں شمولیت کی دعوت واقعی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت ہے یا نہیں''؟ اب آپ پر لازم تھا کہ اس سوال کا اثبات یا نفی میں جواب دیتے مگر آپ نے تاحال اس کا کوئی جواب نہیں دیا الٹا آپ مجھ سے سوال کر رہے ہیں کہ جماعت المسلمین رجسٹرڈ کو چھوڑا جائے یا نہ چھوڑا جائے تو محترم آپ میرے سوال ''جماعت المسلمین رجسٹرڈ میں شمولیت کی دعوت واقعی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت ہے یا نہیں''؟ کا جواب واضح، دوٹوک اور پوری عبارت میں لکھیں تو جماعت المسلمین رجسٹرڈ کو چھوڑنے نہ چھوڑنے والا مسئلہ بھی حل ہو جائیگا انشاء اللہ تعالیٰ کیونکہ اگر آپ جواب دیں جماعت المسلمین رجسٹرڈ میں شمولیت کی دعوت واقعی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت ہے اور اس جواب کو کتاب وسنت کے دلائل سے ثابت فرما دیں تو پھر آپ جماعت المسلمین رجسٹرڈ کو نہ چھوڑیں بلکہ ہم بھی اس صورت میں جماعت المسلمین رجسٹرڈ میں شامل ہو جائیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ اور اگر آپ جواب دیں جماعت المسلمین رجسٹرڈ میں شمولیت کی دعوت واقعی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت نہیں تو پھر آپ کو بھی جماعت المسلمین رجسٹرڈ کو چھوڑنا ہوگا اور دوسروں کو اس میں شمولیت کی دعوت سے بھی باز آنا ہوگا۔

تو محترم آپ ادھر ادھر کی باتیں نہ بنائیں اصل سوال ''جماعت المسلمین رجسٹرڈ میں شمولیت کی دعوت واقعی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت ہے یا نہیں''؟ کا جواب واضح دوٹوک الفاظ اور پوری عبارت میں لکھیں آپ کی قائم کردہ الجھن حل ہو جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ اب آپ اس سوال کا جواب دے لیں گے تو اس کے بعد دوسرا سوال جناب کی خدمت میں پیش کر دیا جائے گا۔ ان شاء اللہ ابن عبد الحق بقلمہ سرفراز کالونی گوجرانوالہ ۱۴۱۳/۱۰/۲۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من جانب امان اللہ عبداللہ ناظم جماعت المسلمین بخدمت جناب حافظ عبدالمنان صاحب سلام علی من اتبع الھدیٰ

امابعد جناب کا مکتوب ملا جواب حاضر ہے۔

جماعت المسلمین کی دعوت واقعی اللہ تعالیٰ کے خالص دین کی دعوت ہے جب یہ بات ہے تو اس میں شمولیت کی دعوت خود بخود دعوت حق ہے باقی رہا حکومت کے ہاں اس کے اندراج کا معاملہ تو وہ میرے نزدیک کوئی ایسا معاملہ نہیں جس کی وجہ سے میں اسے حق نہ سمجھوں۔ امان اللہ ۲۹/۱۰/۱٤۱۳ھ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از عبدالمنان نور پوری بطرف امان اللہ صاحب حفظھما اللہ تعالیٰ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امابعد آپ جب میرے ساتھ ملاقات کے لئے تشریف لائے تو ہماری بیٹھک میں پہنچنے سے پہلے جامعہ محمدیہ میں آپ نے مجھے السلام علیکم کہا میں نے جواب دیا وعلیکم السلام اور آپ سے معانقہ بھی کیا اب آپ ہی یہ عقدہ حل فرما سکتے ہیں لکھنے میں تو آپ مجھے ہر مکتوب میں سلام علی من اتبع الھدی لکھتے ہیں اور السلام علیکم نہیں لکھتے زبانی السلام علیکم کہتے ہیں اور سلام علی من اتبع الھدی نہیں کہتے؟

میں تو ہر مکتوب میں آپ کو وعلیکم السلام الخ ہی لکھ رہا ہوں اور ملاقات میں بھی میں نے آپ کو وعلیکم السلام الخ ہی کہا تھا۔ تو میرا سوال تھا اور ہے "جماعت المسلمین رجسٹرڈ میں شمولیت کی دعوت واقعی اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کی دعوت ہے یا نہیں"؟ آپ کے ذمہ ہے کہ اس کا جواب دوٹوک الفاظ اور پوری عبارت میں دیں اس دفعہ جو جواب آپ نے لکھا ہے وہ ناکافی ہے اس لئے مذکور بالا سوال کا جواب دوٹوک الفاظ اور پوری عبارت میں دیں پھر ان شاء اللہ تعالیٰ دوسرا سوال آپ کی خدمت میں پیش کر دیا جائے گا۔ ابن عبدالحق بقلمہ سرفراز کالونی گوجرانوالہ ۸/۱۱/۱٤۱۳ھ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

منجانب امان اللہ عبداللہ بخدمت جناب حافظ عبدالمنان السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امابعد! "جناب محترم گزارش یہ ہے کہ آپ نے سوال کیا تھا کہ کیا جماعت المسلمین رجسٹرڈ میں شمولیت کی دعوت واقعی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت ہے"؟ جناب حافظ صاحب سچی بات یہ ہے کہ میں قرآن وحدیث سے واقعتاً یہ ثابت نہیں کر سکتا اس لئے آج مورخہ ۲۲ محرم ١٤١٤ھ سے میں نے جماعت المسلمین رجسٹرڈ کی دعوت

دینی بند کر دی ہے لہٰذا آپکو خالص اسلام کی دعوت دیتا ہوں کہ آپ بھی فرقہ اہلحدیث سے مکمل طور پر علیحدہ ہوکر خالص اسلام قبول کریں اور اس راستے میں کوئی پرواہ نہ کریں کیوں؟ اخوا کم فی اللہ: امان اللہ ۲۲ محرم ۱٤۱٤ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ازعبدالمنان نور پوری بطرف امان اللہ صاحب حفظہما اللہ تبارک وتعالیٰ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امابعد آپ کا مکتوب موصول ہوا جس میں جناب لکھتے ہیں ''جناب محترم گزارش یہ ہے کہ آپ نے سوال کیا تھا کہ کیا جماعت المسلمین رجسٹرڈ میں شمولیت کی دعوت واقعی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت ہے''؟ جناب حافظ صاحب سچی بات یہ ہے کہ میں قرآن وحدیث سے واقعتاً یہ ثابت نہیں کر سکتا اس لیے آج مورخہ ۲۲ محرم ۱٤۱٤ھ سے میں نے جماعت المسلمین رجسٹرڈ کی دعوت دینی بند کر دی ہے'' الخ۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح معنوں میں کتاب وسنت کو سمجھنے اور صحیح معنوں میں ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین ابن عبدالحق بقلمہ سرفراز کالونی گوجرانوالہ ٤/۲/۱٤۱٤ھ

س: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترمی ومکرمی استاد المکرّم حافظ عبدالمنان صاحب مدرس جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ یہاں پر ہر طرح کی خیریت ہے امید ہے کہ آپ بھی خدا کی رحمت میں ہوں گے۔

آج خط لکھنے کی پہلی بار جسارت کر رہا ہوں وہ اس لیے کہ چند مسائل پوچھنے کے لیے امید ہے کہ آپ جواب ضرور ارسال فرمائیں گے اس خط میں جماعت المسلمین کے چند سوال ہیں وہ کہہ رہے ہیں کہ ہم کو ان سوالوں کے جواب ابھی تک کسی نے نہیں دیئے آپ کو اس لیے زحمت دے رہا ہوں کہ آپ کا مسلمین کے بارے میں مطالعہ بھی ہے کیا واقعی وہ حق پر ہیں یا نہیں ان کے سوالوں کے جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں تفصیل سے ارسال کریں مجھے انتظار ہوگی کیونکہ وہ کہہ رہے ہیں کہ جواب جلدی ہم کو ارسال کرو۔ اس امید کے ساتھ خط کو بند کر رہا ہوں۔

ممتاز خان تحصیل وضلع ایبٹ آباد جیل روڈ نزد رؤف منزل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تلاش حق اور دین اسلام کی تحقیق کے لیے دین اسلام کی روشنی میں کچھ سوالات

اصول دین: (۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ﴾ [1]
ترجمہ: اس چیز کی پیروی کرو جو تم پر تمہارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے اس کے علاوہ ولیوں کی پیروی نہ کرو۔

(۲) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ﴾ [2] ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور اس چیز پر ایمان لائے جو محمد (ﷺ) پر نازل کی گئی ہے اور وہ چیز ان کے رب کی طرف سے حق ہے اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے گناہ معاف فرمادے گا اور ان کے حالات کی اصلاح فرمائے گا۔

(۳) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [3] ترجمہ: بے شک تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ) کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔

(۴) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ قَدْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَّا اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ فَلَنْ تَضِلُّوْا اَبَدًا كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهٖ﴾ [4] ترجمہ: اے لوگو! میں تم میں ایسی چیز چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوطی سے پکڑ لیا تو کبھی گمراہ نہیں ہوگے (اور وہ ہے) اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت۔

سوالات: (۱) کیا رسول اللہ ﷺ اہلحدیث، حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی تھے؟

(۲) کیا اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے مذہب مجتہدین، اہل حدیث، حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی میں سے کسی ایک مذہب کی پیروی کا حکم دیا ہے؟

(۳) کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں دوبارہ تشریف لانے کے بعد ''منزل من اللہ دین اسلام'' کی پیروی کریں گے یا مذاہب خمسہ میں سے کسی ایک کی؟

(۴) کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں دوبارہ تشریف لانے کے بعد ''مسلم'' کہلائیں گے یا اہلحدیث، حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی، دیوبندی، بریلوی، سنی، شیعہ وغیرہ؟

(۵) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہمارا نام ''مسلمین'' رکھا ہے [5] کیا اللہ تعالیٰ کے نام رکھنے کے بعد کوئی اور فرقہ

---

[1] الاعراف ـ ۳ [2] محمد ـ ۲ [3] الاحزاب ـ ۲۱ [4] مستدرك حاكم وسنده حسن [5] الحج ـ ۷

وارانہ نام رکھا جاسکتا ہے؟ اور اگر رکھا جاسکتا ہے تو کیا یہ شریعت سازی نہیں؟

(٦) ایک نبی کی امت کی حیثیت سے کیا ساری امت کا نام اہلحدیث، حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی، دیوبندی، بریلوی، سنی شیعہ وغیرہ ہو سکتا ہے؟

(٧) کیا مذاہب خمسہ یعنی اہلحدیث، حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی، رسول اللہ ﷺ پر نازل کیے گئے ہیں؟

(٨) کیا مذاہب خمسہ کا مجموعہ اسلام ہے یا ہر مذہب علیحدہ علیحدہ مکمل دین اسلام ہے؟

(٩) کیا مذاہب خمسہ کا مجموعہ اسلام ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے حکم ﴿اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً﴾ [1] (دین اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ) کے تحت ان مذاہب کے پیروکار اپنے متعین مذہب کے علاوہ باقی مذاہب پر عمل کیوں نہیں کرتے صرف ایک حصہ پر کیوں عمل ہو رہا ہے؟

(١٠) اگر ان مذاہب خمسہ میں سے ہر ایک مذہب مکمل دین اسلام ہے تو کیا رسول اللہ ﷺ پر پانچ اسلام نازل ہوئے تھے یا ایک؟

(١١) آج ایک غیر مسلم دین اسلام قبول کرنے کے بعد ''مذاہب خمسہ'' میں سے کون سا مذہب قبول کرے گا اور کس فرقے میں شامل ہو تا کہ ﴿اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً﴾ کے تحت وہ سچا مسلم بن سکے؟

(١٢) جو آدمی ان ''مذاہب خمسہ'' کو تسلیم نہیں کرتا یا ان میں سے کسی ایک مذہب کو تسلیم نہیں کرتا تو کیا وہ کافر ہے؟ یا اس کے دین اسلام میں کوئی نقص رہ جائے گا؟

(١٣) سنن ابوداود کی ایک صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کے تہتر حصوں میں بٹ جانے کی پیشین گوئی کی ہے اور پھر فرمایا ان تہتر میں سے بہتر (٧٢) جہنم میں جائیں گے اور ایک جنت میں اور آگے فرمایا ﴿وَهِيَ الْجَمَاعَةُ﴾ (اور وہ جماعت ہوگی) [2] اس جنت میں جانے والی ''الجماعۃ'' سے مسلمانوں کے موجودہ فرقوں میں سے کون سا فرقہ مراد ہے مثلاً

١۔ جماعت اہلحدیث ٢۔ جمیعت اہلحدیث ٣۔ مرکزی جمیعت اہلحدیث ٤۔ جماعت شبان اہلحدیث ٥۔ جماعت انجمن اہلحدیث ٦۔ جماعت غرباء اہلحدیث ٧۔ اہل سنت والجماعت ٨۔ تبلیغی جماعت ٩۔ جماعت اسلامی ١٠۔ تنظیم اسلامی ١١۔ جماعت اشاعت التوحید والسنہ (پنج پیری) ١٢۔ جمیعت العلمائے اسلام (فضل الرحمٰن گروپ) ١٣۔ جمیعت

---

[1] البقرة ٢٠٨ [2] [ابو داؤد۔ المجلد الثاني۔ كتاب السنة۔ باب شرح السنة]

العلمائے اسلام ۱۴۔ جمیعت العلمائے پاکستان (نورانی گروپ) ۱۵۔ جمیعت العلمائے پاکستان (عبدالستار نیازی گروپ) ۱۶۔ جماعت منہاج القرآن ۱۷۔ جماعت حزب اللہ ۱۸۔ انجمن سپاہ صحابہ ۱۹۔ انجمن سپاہ اہل بیت ۲۰۔ دیوبندیوں کی حیاتی عقیدہ کی حامل جماعت ۲۱۔ دیوبندیوں کی مماتی عقیدہ کی حامل جماعت ۲۲۔ مسعودالدین عثمانی صاحب کی توحیدی جماعت ۲۳۔ سلفیوں کی جماعت ۲۴۔ حنفیوں کی جماعت ۲۵۔ شافعیوں کی جماعت ۲۶۔ حنبلیوں کی جماعت ۲۷۔ مالکیوں کی جماعت ۲۸۔ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ ۲۹۔ مختلف گدی نشینوں کی مختلف جماعتیں وغیرہ وغیرہ۔

(۱۴) کیا مندرجہ بالا ناموں کے فرقے رسول اللہ ﷺ کے دور میں تھے؟

(۱۵) رسول اللہ ﷺ مندرجہ بالا فرقوں میں سے کس فرقے کے ساتھ تعلق رکھتے تھے؟ اگر آپ کسی خاص فرقے سے تعلق رکھتے تھے تو پھر اس آیت کا منشاء کیا ہے؟ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ﴾ ❶ جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا اور ہوگئے فرقے فرقے (اے رسول) آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔

(۱۶) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: (i) ﴿ثَلَاثٌ لَا يَغِلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ مُؤْمِنٍ : اِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ، وَالطَّاعَةُ لِذَوِي الْاَمْرِ، وَلُزُوْمُ جَمَاعَةِ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ ❷ ترجمہ: تین باتیں ایسی ہیں کہ جن کے معاملہ میں مومن کا قلب خیانت نہیں کرتا۔ عمل کو خالص اللہ کے لیے کرنا، امراء کی اطاعت کرنا اور جماعت المسلمین سے چمٹے رہنا۔
(ii) ﴿تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاِمَامَهُمْ ..... فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا﴾ ❸ ترجمہ: جماعت المسلمین اور ان کے امیر کے ساتھ چمٹے رہنا..... تمام فرقوں سے علیحدہ رہنا۔

(۱۷) یہ بتائیے کہ مندرجہ بالا فرقوں میں سے کون سا فرقہ ''جماعت المسلمین'' ہے تاکہ حکم رسول اللہ ﷺ کے مطابق اس سے اور اس کے امیر سے چمٹا جائے اور بقایا جو ''فرقے'' ہیں ان سے حکم رسول ﷺ کے تحت علیحدہ رہا جائے؟

(۱۸) جو لوگ ''جماعت المسلمین'' کے ساتھ وابستہ نہیں ہیں کیا وہ مستدرک حاکم کی مندرجہ بالا حدیث کی روشنی میں مومن ہوں گے؟

(۱۹) جو لوگ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث کے حکم کے بموجب تمام فرقوں سے علیحدہ نہیں، کیا وہ رسول اللہ ﷺ کے

❶ الانعام ـ ۱٦٠ ❷ مستدرك حاكم وسنده صحيح على شرط البخاری والمسلم ❸ صحيح بخاری كتاب الفتن۔ باب كيف الأمر إذا لم تكن جماعة وصحيح مسلم

نافرمان نہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری نافرمانی کی اس نے (جنت میں جانے سے) انکار کر دیا۔ [1]

برائے مہربانی قرآن مجید اور اس کی منزل من اللہ تشریح یعنی احادیث صحیحہ کی روشنی میں جواب سے سرفراز فرمائیں؟

ج: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از عبدالمنان نور پوری بطرف ممتاز صاحب حفظہما اللہ تعالیٰ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اما بعد! آپ نے جو سوالنامہ ارسال فرمایا اس کے اندر سوال نمبر ۵ میں لکھا ہے ''اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہمارا نام ''مسلمین'' رکھا ہے'' اب اہل حدیث نام پر اعتراض کرنے والوں سے پوچھیں کہ انہوں نے اپنا نام ''جماعت المسلمین'' کیوں رکھا ہے قرآن مجید میں تو نام ''مسلمین'' ہے ''جماعت المسلمین'' نہیں ہے۔

رہا حدیث کا معاملہ تو حدیث میں لفظ جماعت المسلمین ضرور وارد ہوا ہے جو موضوع نہیں موضوع ہے ''جماعت المسلمین'' بحیثیت نام وعلم جو نہ قرآن مجید میں ہے اور نہ حدیث میں ہے۔ تو آپ ان سے پوچھیں قرآن مجید کی کوئی آیت اور رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث پیش کرو جس میں ''جماعت المسلمین'' کا لفظ بحیثیت اسم ونام وارد ہوا ہو اگر وہ اس قسم کی کوئی آیت یا حدیث نہ دکھا سکیں تو پھر اہل حدیث نام پر اعتراض کیوں؟ باقی رہے نام حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی وغیرہ تو وہ تقلید کی بنا پر درست نہیں ویسے محض الفاظ نسبت ہونے کے اعتبار سے ان کے منع ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ واللہ اعلم ۲۵/۱/۱۴۱۵ھ

س: (۱) کیا سورہ بقرہ کی آیات ۳۱، ۳۲ سے فرقہ بندی شرک ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟ برائے کرم وضاحت فرمائیں؟ (۲) کیا فرقہ بندی عذاب ہے؟ (۳) صحیح مسلم میں یہ جو حدیث ﴿تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَإِمَامَهُمْ﴾ ہے اس سے کیا مراد ہے؟ اس حدیث کا اصل مطلب ومفہوم واضح کیجئے؟

(۴) کیا سیاسی فرقے جہنم میں لے جانے کا سبب بن سکتے ہیں؟

(۵) کیا امت مسلمہ کا انقطاع ہوسکتا ہے؟ (۶) جماعت بنا کر رہنا ضروری ہے یا نہیں؟

(۷) اگر جماعت بنا کر اس کے ساتھ رہنا ضروری ہے تو کیا جماعت کا امیر مقرر کرنا لازمی ہے یا نہیں؟ (۸) بیعت خلیفہ کی ہے یا امیر کی؟ تفصیلاً جواب دیں؟

(۹) امیر سفر کی بیعت ہوتی ہے یا نہیں؟ وضاحت فرمائیں؟

---

[1] صحیح بخاری [کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة ۔ باب الاقتداء بسنن رسول اللہ]

(۱۰) کیا بیعت نہ کرنا جاہلیت کی موت مرنا ہے؟ (۱۱) کیا جاہلیت سے مراد قبل از اسلام کا زمانہ ہے؟

(۱۲) کیا طائفہ منصورہ ہمیشہ قائم رہے گی؟ (۱۳) کیا طائفہ منصورہ قتال کرے گا ہمیشہ یا نہیں؟

(۱۴) اس پرفتن دور میں کون سی جماعت "جماعت حقہ" ہے؟ کس سے وابستہ رہنا چاہیے؟

(۱۵) ابوداود میں جو تہتر فرقوں کے متعلق حدیث ہے کیا یہ صحیح ہے اگر صحیح ہے تو کیا بہتر فرقوں کے پیچھے نماز ادا کی جا سکتی ہے؟

(۱۶) کیا بہتر فرقے ہمیشہ جہنم میں رہیں گے؟ (۱۷) تہتر فرقوں میں سے جماعت کو کس طرح تلاش کریں گے؟ جماعت کی کیا نشانیاں ہیں؟

(۱۸) کیا بہتر فرقے کافر ہیں؟ (۱۹) کیا بدعتی کافر ہوتا ہے؟ (۲۰) کیا بدعتی کے پیچھے نماز ادا کی جا سکتی ہے؟

(۲۱) کیا تقلید بدعت ہے؟ (۲۲) خلافت کس طرح قائم ہوگی اس کے لیے کس طرح جدوجہد کرنا چاہیے؟ (۲۳) کیا ضعیف حدیث دین کا حصہ ہے؟ (۲۴) کیا صحیح بخاری وصحیح مسلم میں کوئی ضعیف حدیث ہے اگر ہے تو کون سی ہے؟ اور کیوں ضعیف ہے؟ وضاحت فرمائیں؟ (۲۵) کیا البانی صاحب نے بالکل صحیح تصحیح تضعیف کی ہے؟

فقط دلشاد احمد طالب علم 27/8/95

ج: (۱) سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۳۱ اور آیت نمبر ۱۳۲ سے فرقہ بندی کا شرک ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

(۲) اگر فرقہ بندی کتاب وسنت کے رد کی بنیاد پر ہو تو فرقہ بندی موجب عذاب ہے۔

(۳) حدیث ﴿تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَإِمَامَهُمْ﴾ [مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ رہ اور ان کے امام کے ساتھ رہ] سے مراد اور اس کا اصل مطلب ومفہوم سمجھنے کے لیے اسی حدیث کے راوی صحابی رضی اللہ عنہ کے سوال ﴿إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ جَمَاعَةٌ وَلاَ إِمَامٌ﴾ [کہا اگر جماعت اور امام نہ ہوں] اور اس سوال کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ﴿فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا الخ﴾ [1] [سب فرقوں کو چھوڑ دے] کو مدنظر رکھیں تو آپ سمجھ جائیں گے کہ ایسا دور آ سکتا ہے جس میں مسلمین یا امت مسلمہ تو موجود ہوں مگر ان کی جماعت نہ ہو اور نہ ہی ان کا کوئی امام وامیر ہو اور ایسے دور میں مسلمین متعدد فرقوں میں بٹے ہوں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان فرقوں سے علیحدگی کا حکم دیا ہے۔

---

[1] مسلم شریف ـ كتاب الامارت باب وجوب ملازمة جماعة المسلمين عند ظهور الفتن وفي كل حال

(۴) اگر کتاب وسنت سے ہٹانے اور دور کرنے کا سبب بنیں تو جہنم میں لے جانے کا سبب بن سکتے ہیں۔(۵) اس کا جواب نمبر۳ میں بیان ہو چکا ہے۔

(۶) ضروری ہے جب تک جماعت نہ بنے تمام فرقوں سے الگ تھلگ رہے۔

(۷) مقرر کرنا یا ہونا لازمی ہے اور اگر جماعت وامام وامیر نہ ہو تو تمام فرقوں سے علیحدہ رہنا بھی ضروری ہے ﴿فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا﴾

(۹،۸) خلیفہ کی۔عام معنی کے اعتبار سے خلیفہ کو بھی امیر کہہ سکتے ہیں۔

(۱۰) کتاب وسنت کے تسلیم شدہ امام وامیر وخلیفہ کی موجودگی میں اس کی بیعت کیے بغیر مرنا جاہلیت کی موت ہے کیونکہ ﴿فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا﴾ میں آپ ﷺ جاہلیت کی موت مرنے کا حکم تو نہیں دے رہے۔

(۱۱) جاہلیت کا اطلاق پورے اسلام یا اسلام کے کسی جزء یا اسلام کی کسی جزئی کے انتفاء پر ہوتا ہے۔وہ قبل از اسلام ہو یا بعد از اسلام۔

(۱۲) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِيْ ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ﴾[1] او کما قال ﷺ

(۱۳) ایک روایت میں ''يُقَاتِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ'' کے لفظ بھی ہیں۔

(۱۴) اس دور میں مسلمین ہیں ان کی جماعت کوئی نہیں اور نہ ہی ان کا کوئی امام وخلیفہ وامیر ہے ایسی صورت حال میں رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے ﴿فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا﴾ جو آدمی کتاب وسنت کو اعتقاداً وقولاً وعملاً اپنائے ہوئے ہو وہ حق پر ہے خواہ کسی فرقہ وگروہ میں اسے شمار کیا جاتا ہو۔

(۱۵) بہتر فرقوں سے جو لوگ کفر یا شرک میں داخل ہو چکے ہیں ان کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔

(۱۶) جن میں ایمان ہوگا ان کو جہنم سے نکال لیا جائے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ﴿يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيْمَانٍ فَأَخْرِجُوْهُ او کما قال ﷺ﴾[2] [اللہ تعالیٰ فرمائے گا جس کے دل میں رائی کی مقدار ایمان ہے اس کو دوزخ سے نکال لو] یاد رہے ایمان کے تحقق کے لیے ارکان اسلام کا تحقق بھی ضروری ہے۔

---

[1] باب قول النبی لا تزال طائفة من اُمتی ظاهرین علی الحق یقاتلون بخاری شریف ۔ کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة [2] مشکوة باب الحوض والشفاعة الفصل الاول

(۱۷) جب امت فرقوں میں بٹ جائے تو جماعت ختم ہو جاتی ہے جیسا کہ ﴿فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا﴾ والی حدیث سے واضح ہے اس لیے سوال ''تہتر فرقوں سے الخ'' بنتا ہی نہیں۔

(۱۸) ان کے بعض افراد کافر ہیں اور بعض کافر نہیں۔ (۱۹) بعض کافر ہیں بعض کافر نہیں۔

(۲۰) جو کافر یا مشرک ہیں ان کے پیچھے نماز ادا نہیں کی جا سکتی۔ (۲۱) تقلید یعنی کتاب وسنت کے منافی امر کو ماننا ناجائز ہے۔

(۲۲) کتاب وسنت پر عمل کیا جائے جب کتاب وسنت پر عمل کرنے والوں میں قوت آ جائے گی تو خلافت علی منہاج النبوۃ قائم ہو جائے گی ان شاء اللہ تبارک وتعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾[1] الخ [اللہ وعدہ کرتا ہے جو لوگ تم میں سے ایمان لا کر نیک عمل بھی کریں گے ان کو زمین پر حاکم بنا دے گا]

(۲۳) نہیں۔ (۲۴) صحیح بخاری کی تمام احادیث امام بخاری کے نزدیک صحیح ہیں ماسوائے ان کے جن کے ضعف کی طرف بخاری نے خود اشارہ فرما دیا ہے اسی طرح صحیح مسلم کی تمام احادیث امام مسلم کے نزدیک صحیح ہیں ماسوائے ان کے جن کے ضعف کی طرف امام مسلم نے خود اشارہ فرما دیا ہے۔ (۲۵) ان کے اپنے علم کے مطابق صحیح ہے دیگر اہل علم کو ان کے بعض فیصلوں میں کلام ہے۔ واللہ اعلم ۱٤١٦/٤/٤ھ

س: منجانب صدیق حسن احسن عبداللہ وامیر جماعت المسلمین صوبہ پنجاب بخدمت جناب عبدالمنان صاحب نور پوری

سلام علی من اتبع الہدیٰ

آپ کا ارسال کردہ لفافہ آج موصول ہوا سب سے پہلی بات یہ ہے کہ میں آپ کو ذاتی طور پر نہیں جانتا۔ آپ مہربانی فرما کر اپنا تعارف تحریر کر کے ارسال فرما دیں کہ آپ کس فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور آپ کا مسلک کیا ہے؟ پھر ان شاء اللہ سلسلہ خط وخطابت شروع ہو گا۔

علاوہ ازیں جس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے اس کے دلائل بھی اس خط میں موجود ہیں حوالجات ملاحظہ فرمائیں۔ معلوم نہیں آپ کو کون سا خط ملا آپ کی طرف سے جواب موصول ہوتے ہی ان شاء اللہ اصل خط کی نقل بھی ارسال کر دوں گا۔

خادم الاسلام والمسلمین صدیق حسن احسن چٹوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: ﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا

---

[1] النور ٥٥ پ ١٨

يُظْلَمُوْنَ﴾ [1]

امابعد! آج ﴿اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ﴾ [2] کے تحت آپ کی خدمت میں ''دین اسلام'' کے چند مسلمہ حقائق جن پر سب کا اتفاق ہے پیش کر رہا ہوں۔ امید ہے آپ ان کا بغور مطالعہ فرمائیں گے اور عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔

(۱) ''دین اسلام'' مکمل ہو چکا ہے۔ [3] (۲) ''دین اسلام'' رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی میں مکمل ہو گیا تھا [4] (یہ آیت حجۃ الوداع کے موقعہ پر نازل ہوئی) (۳) ''دین اسلام'' صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں مکمل ہوا یعنی قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ قَدْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَا اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ فَلَنْ تَضِلُّوْا اَبَدًا كِتٰبَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهٖ﴾ [5] (۴) ''دین اسلام'' محفوظ ہے اس کی حفاظت کا اعلان اللہ تعالیٰ نے خود کر دیا ہے [6]۔ (۵) شریعت ساز صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے [7]۔ (۶) ''دین اسلام'' میں شریعت سازی شرک ہے [8]۔ (۷) ''دین اسلام میں'' کمی زیادتی اور تبدیلی کرنا کفر ہے [9]۔ (۸) ''دین اسلام'' میں اجتماعیت کا حکم ہے اور اجتماعیت ہی ''اسلام'' کی ''روح'' ہے جس کے بغیر ''اسلام ختم'' [10]۔ (۹) ''دین اسلام'' میں فرقہ بندی کا کوئی جواز نہیں، فرقہ بندی اللہ تعالیٰ کے حکم سے بغاوت ہے [11]۔ (۱۰) رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں موجودہ متشکلہ فرقہ کا وجود نہیں تھا، صرف ''جماعت المسلمین'' تھی [12] (۱۱) فتنوں کے دور میں جماعت المسلمین سے چمٹنے کا حکم دیا گیا اور اگر جماعت المسلمین موجود نہ ہو تو تمام فرقوں سے علیحدگی کا حکم دیا گیا [13]۔ (۱۲) فرقہ بندی شرک ہے [14]۔ (۱۳) فرقوں کے پاس اسلام نہیں [15]۔ (۱۴) فرقہ بندی عذاب ہے [16]۔ (۱۵) فرقہ بندی موجب جہنم ہے [17]

(۱۶) فرقہ بندی قاطع محبت وموجب نار ہے۔ [18]

برادرم! مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں مجھ پر تو یہی حقیقت منکشف ہوئی کہ ''اسلام کی روح اجتماعیت میں ہے، تفریق میں نہیں: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ [19] اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہے جس کا انکار اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مارنے اور اپنی

---

[1] البقرة ۲۸۱ [2] صحیح مسلم [3] المائدة ـ ۳ [4] المائدة ـ ۳ [5] رواه الحاكم فی كتاب العلم ـ المستدرك حاكم جلد اول وسنده حسن ـ التعليقات للالبانی علی مشكوة جزء اول ص ٦٦ [6] الحجر ـ ۹ [7] الشوری ـ ۱۳ [8] الشوری ـ ۲۱ [9] الانعام ـ ۱۱٦ [10] آل عمران ـ ۱۰۳ [11] آل عمران ۱۰۳ [12] صحيح بخاری كتاب العيدين [13] صحيح بخاری كتاب الفتن صحيح مسلم كتاب الامارة ، المستدرك حاكم جزء اول ص ۷۸ [14] الروم ۳۱ـ۳۲ [15] الانعام ـ ۱٦۰ [16] الانعام ـ ٦٥ [17] هود ـ ۱۱۹ [18] آل عمران ـ ۱۰۳ [19] آل عمران ـ ۱۰۲ـ۱۰۳

عاقبت خود خراب کرنے کے مترادف ہے۔

اسلام کے پلیٹ فارم پر جمع ہونے والوں کی جماعت کا نام سوائے ''جماعت المسلمین'' کے اور کوئی نہیں اور فتنوں کے دور میں اسی جماعت کے ساتھ لزوم کا حکم دیا گیا، اس کے علاوہ ہر گروہ کو فرقہ قرار دیا گیا۔

جہاں تک میں نے تحقیق کی ہے آپ کے گروہ کا نام ''اہلحدیث/ حنفی/ شافعی/ بریلوی/ دیوبندی/ جماعت اسلامی/ جماعت احمدیہ وغیرہ قرآن وسنت میں کہیں نہیں ملا، یہ سب خود ساختہ نام ہیں اور نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں ان کا کوئی وجود نہیں تھا۔

اب آپ سے گزارش ہے کہ مذکور بالا منزل من اللہ قانون کی روشنی میں اگر آپ اپنے گروہ کو ''جماعت'' ثابت کر دکھائیں اور اس کا وجود ''جماعت المسلمین'' کے احیاء سے پہلے کا ہو تو میں ان شاء اللہ اسی وقت ''جماعت المسلمین'' کو ترک کر کے آپ کا ساتھ دوں گا اگر آپ ایسا نہ کر سکے (ان شاء اللہ العزیز آپ ہرگز ایسا نہیں کر سکیں گے) تو میں آپ کو ''جماعت المسلمین'' میں شمولیت کی دعوت دیتا ہوں پھر عرض کرتا ہوں کہ آپ نے صرف اپنے گروہ کو ''جماعت'' ثابت کرنا ہے اس سے ہٹ کر کسی مسئلہ یا موضوع کو زیر بحث نہ لایا جائے اور ثبوت میں صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو پیش کیا جائے، کسی دوسرے شخص کی نظیر یا مثال قابل قبول نہ ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(۱) ﴿اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ☆﴾[1] ۔

(۲) ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ﴾[2] ۔ (۳) مذکورہ بالا حقیقت نمبر ۳ پھر دیکھ لیں۔

پس ان حقائق کی روشنی میں صرف ''منزل من اللہ'' قانون سے دفاع کریں اور اپنی پہلی فرصت میں مجھے مطلع فرمائیں تا کہ اس مسئلہ میں اگر مجھے غلط فہمی ہوگئی ہو تو وہ دور ہو سکے اور سورہ محمد کی آیت نمبر ۲ کے مطابق ہماری اصلاح ہو جائے۔ آمین

خادم الاسلام والمسلمین صدیق حسن احسن امیر جماعت المسلمین صوبہ پنجاب پتو کی ضلع قصور یکم رمضان ۱۴۰۹ھ

ج: از عبدالمنان بن عبدالحق نور پوری بخدمت جناب صدیق حسن احسن عبداللہ امیر جماعت المسلمین صوبہ پنجاب

وعلی من اتبع الہدیٰ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امابعد آپ کی یکم رمضان ۱۴۰۹ھ کو لکھی ہوئی ایک تحریر گزشتہ کل ۱۱ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ مجھے موصول ہوئی

---

[1] الاعراف ـ ۳ [2] محمد ـ ۲

جس میں آپ نے ''جماعت المسلمین'' میں شمولیت کی دعوت دی ہے اس مناسبت سے اس تحریر پر وارد شدہ اشکال جناب کی خدمت میں پیش کر کے ان کے جواب طلب کرنے کا مجھے حق حاصل ہے اشکال تو کئی ہیں سر دست صرف ایک اشکال کا جواب چاہتا ہوں آپ نے لکھا ''اس کے یعنی جماعت المسلمین کے علاوہ ہر گروہ کو فرقہ قرار دیا گیا'' نیز آپ نے لکھا ہے۔ ''فرقوں کے پاس اسلام نہیں'' آپ کے ان بیانوں سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کے نزدیک آپ کی جماعت المسلمین کے علاوہ کسی گروہ کے پاس اسلام نہیں آپ کی تحریر میں کافی غور وفکر کے باوجود مجھے اس کی دلیل نہیں ملی لہٰذا آپ اس کی دلیل کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ ﷺ سے پیش فرمائیں۔ ١٤١٢/٤/١٢ھ

س: قرآن مجید میں ہمارا نام ''مسلمین'' رکھا گیا ہے تو ہم اپنا نام اہل حدیث بھی رکھ سکتے ہیں ﴿هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ [1] محمد نواز شاہد گوجرانوالہ

ج: قرآن مجید میں ہمارا نام مسلمین رکھا گیا ہے تو ہم اپنا نام جماعۃ المسلمین بھی رکھ سکتے ہیں؟ جو اس کا جواب ہو دیسا ہی اپنے سوال کا جواب سمجھیں؟ ٢٣ رمضان المبارك ١٤٠٨ھ

س: کیا آدمی اپنے آپ کو اہلحدیث کہلائے اس میں گناہ تو نہیں اپنے آپ کو کیا کہلانا چاہیے؟ عثمان غنی لاہور

ج: نہیں کوئی گناہ نہیں نام تو صرف تعارف کی خاطر ہیں۔ ١٤١٧/٨/١ھ

س: (۱) کیا اہلحدیث نام بدعت ہے؟؟؟ (۲) کیا رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل میں تضاد ہے؟؟؟ (۳) کیا ہمارے نزدیک رسول اللہ ﷺ کا ہر حکم واجب التعمیل نہیں ہے؟؟؟ (۴) کیا ہم (اہلحدیث) مقلد ہیں؟؟؟ (تقلید شخصی) (۵) ''مسلک'' ہونا غلط ہے اور کیا ہم ''مسلک اہلحدیث'' سے تعلق رکھتے ہیں؟؟؟ (۶) کیا ہمارے دین چار ہیں۔ (i) قرآن (ii) حدیث (iii) اجماع صحابہ وتابعین (iv) قیاس؟؟؟ ۷۔ جماعت المسلمین کی دعوت صحیح ہے یا غلط؟؟؟ حافظ امتیاز الحق کراچی 13/9/86

ج: (۱) لفظ ''اہل حدیث'' بحیثیت نام ویسا ہی ہے جیسا لفظ ''جماعت المسلمین'' کیونکہ بحیثیت نام دونوں لفظ کتاب وسنت میں وارد نہیں ہوئے بعض احادیث میں ''جماعت المسلمین'' کا لفظ وارد ہوا ہے مگر وہ بحیثیت نام نہیں ہے جیسا کہ اس حدیث کے سیاق وسباق ومتن سے واضح ہے۔ لہٰذا ایک نام کو بدعت کہنا اور قرار دینا اور دوسرے کو بدعت نہ کہنا اور نہ قرار دینا قرین انصاف نہیں۔ یاد رہے لفظ ''اہلحدیث'' کا اسی صورت میں کسی صحیح حدیث میں وارد ہونا معلوم

---

[1] الحج آیت ٧٨

نہیں۔

(۲) رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل میں کسی قسم کا کوئی تضاد وتناقض نہیں ہے۔

(۳) ہمارے نزدیک رسول اللہ ﷺ کا ہر حکم واجب التعمیل ہے ماسوائے اس حکم کے جس کے متعلق کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ ﷺ میں کوئی قرینہ صارفہ موجود ہو۔

(۴) ہم عقیدہ رکھتے ہیں کہ تقلید ناجائز ہے خواہ شخصی ہو یا مطلق کوئی اہلحدیث یا جماعت المسلمین کا فرد تقلید کرتا ہے تو یہ اس کی کوتاہی ہے جس سے باز آنا ضروری ہے۔

(۵) مسلک یا مذہب کی حیثیت وہی ہے جو قول یا فتویٰ کی ہے اسلام کے منافی جس طرح قول وفتویٰ ناجائز ہے اسی طرح اسلام کے منافی مسلک یا مذہب بھی ناجائز۔

(۶) دین صرف اسلام ہے جو کتاب وسنت میں محفوظ ہے اور ابدالآباد تک محفوظ رہے گا حجت صرف کتاب وسنت ہے اجماع اور قیاس کا حجت ہونا قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کی سنت اور حدیث سے ثابت نہیں۔ (۷) جماعت المسلمین کی دعوت چند چیزوں کو چھوڑ کر صحیح ہے۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم ۱۴۰۷/۱/۱۲ھ

س: جماعت المسلمین والے کہتے ہیں کہ آپ اہلحدیث کیوں کہلواتے ہیں یہ ایک فرقہ ہے۔ اور ایسا نام رکھوانا قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔ [1] ﴿تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِیْنَ وَإِمَامَهُمْ﴾ تم جماعت المسلمین اور جماعت المسلمین کے امیر سے چمٹے رہنا۔ حفیظ اللہ تحصیل دیپالپور ضلع اوکاڑہ

ج: اہل حدیث نام کی حیثیت وہی ہے جو جماعت المسلمین نام کی حیثیت ہے صحیحین کی حدیث میں لفظ ''جماعۃ المسلمین'' نام کی حیثیت میں ذکر نہیں ہوا اس کی دلیل یہ ہے کہ اسی حدیث میں ''وامامہم'' کے لفظ بھی موجود ہیں جب کہ یہ لوگ بھی اس کو نام نہیں سمجھتے ورنہ اپنا نام وہ یوں لکھیں ''جماعۃ المسلمین وامامہم'' نیز اسی حدیث میں ہے صحابی نے پوچھا اگر مسلمانوں کی جماعت نہ ہو اور نہ ہی ان کا امام ہو ﴿إِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّهُمْ جَمَاعَةٌ وَّلاَ إِمَامٌ﴾ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام گروہوں سے الگ رہو ﴿فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ کُلَّهَا﴾ [ان تمام فرقوں سے علیحدہ رہنا] تو آپ خود غور فرمائیں اگر جماعت المسلمین مسلمین کا نام ہو تو جب جماعت المسلمین نہ رہی تو مسلمین نہ رہے تو پھر مسلمین کے فرقے اور گروہ کہاں سے آ گئے جن سے علیحدہ رہنے کا رسول اللہ ﷺ حکم فرما رہے ہیں۔ تو ان دو دلیلوں سے ثابت ہوا

[1] حوالہ حدیث صحیح بخاری کتاب الفتن باب کیف الامر اذا لم تکن جماعة ....

کہ حدیث میں ''جماعۃ المسلمین'' کا لفظ نام کی حیثیت سے وارد نہیں ہوا۔

پھر حکومت پاکستان لفظ ''مسلم'' یا ''مسلمین'' یا ''مسلمان'' کے ساتھ کسی جماعت کو رجسٹرڈ نہیں بناتی جبکہ ''جماعت المسلمین'' کے لفظ کے ساتھ حکومت پاکستان نے ان کی جماعت کو رجسٹرڈ بنایا ہوا ہے اور یہ خود بعض رسالوں اور مقاموں میں جماعت المسلمین لفظ کے ساتھ رجسٹرڈ کا لفظ بھی لکھتے ہیں تو پتہ چلا کہ المسلمین اور جماعت المسلمین میں فرق ہے جماعت المسلمین نہ ہو تو پھر بھی مسلمین ہوتے ہیں جیسا کہ صحابی نے پوچھا کہ مسلمین کی جماعت نہ ہو یہ نہیں پوچھا مسلمین نہ ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا ان فرقوں اور گروہوں سے علیحدہ رہنا یہ نہیں فرمایا جب مسلمین کی جماعت نہ ہوگی اور مسلمین کا امام نہ ہوگا تو سب کافر ہو جائیں گے اس مقام پر رسول اللہ ﷺ کا حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمان ﴿إِنَّ ابْنِيْ هٰذَا سَيِّدٌ وَسَيُصْلِحُ اللّٰهُ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ [1] [بے شک یہ میرا بیٹا سردار ہے اور عنقریب اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں میں صلح کروائے گا] کو بھی ملحوظ رکھیں۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم

۱۴۱۳/۸/۱۱ھ

س: قرآن کی رو سے ہمارا نام صرف مسلم ہے پھر کیوں اہلحدیث، سلفی یا اثری رکھتے ہیں؟

رانا رؤف ارشاد ایڈووکیٹ ملتان 25/7/98

ج: قرآن مجید میں ہے ﴿هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ [2] [اس نے نام رکھا ہے تمہارا مسلمان] اور قرآن مجید میں ہے: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصَارٰى وَالصَّابِئِيْنَ﴾ [3] [تحقیق جو لوگ کہ ایمان لائے اور وہ لوگ کہ یہودی ہوئے اور عیسائی اور بے دین] ﴿وَتُوْبُوْآ إِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ [4] [اور توبہ کرو اللہ کی طرف تمام اے ایمان والو] ﴿وَالسَّابِقُوْنَ الْأَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ﴾ [5] [اور مہاجرین اور انصار میں سے جن لوگوں نے اول ہجرت کی اور پہلے اسلام لائے] تو اہل اسلام کے لیے قرآن مجید میں مسلم کے علاوہ مومن، مہاجر اور انصار بھی آئے ہیں پھر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا﴾ [6] الآیۃ [اور کیا ہم نے تم کو کنبے اور قبیلے تاکہ ایک دوسرے کو پہچانو] اہلحدیث، سلفی اور اثری صرف تعارف کے لیے ہیں مسلم اور مومن کا بدل نہیں اور نہ ہی ان کے مقابل ہیں۔

۱۴۱۹/۵/۱۸ھ
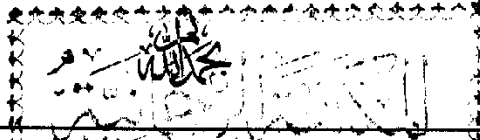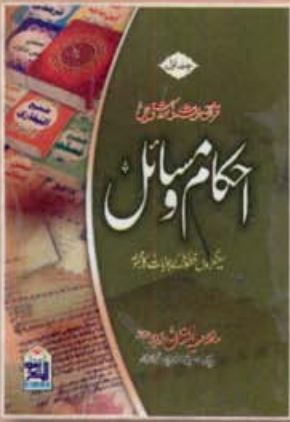
بحمد اللہ

---

[1] [صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۵۳ کتاب الفتن] [2] [الحج ـ ۷۸] [3] [البقرۃ ـ ۶۲] [4] [النور ۳۱ پ ۱۸]
[5] [التوبۃ ۱۰۰] [6] [الحجرات ۱۳]

فضیلۃ الشیخ حافظ عبدالمنان صاحب نورپوری حفظہ اللہ تعالیٰ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ آپ زہد و ورع اور علم وفضل کی جامعیت کے اعتبار سے اپنے اقران و اماثل میں ممتاز ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں آپ کو علم وفضل کے ذروہ علیا پر فائز کیا ہے، وہاں آپ کو عمل و تقویٰ کی خوبیوں اور اخلاق و کردار کی رفعتوں سے بھی نوازا ہے۔ علاوہ ازیں اوائل عمر ہی سے مسندِ تدریس پر جلوہ افروز ہونے کی وجہ سے آپ کو علوم وفنون میں بھی جامعیت یعنی معقول اور منقول دونوں علوم میں یکساں عبور اور دسترس حاصل ہے۔ زادہ اللہ علماً وشرفاً و بارک فی حیاتہ وجهوده وكثر الله امثاله فينا.

تدریسی و تحقیقی ذوق، خلوص و للّٰہیت اور مطالعہ کی وسعت گہرائی کی وجہ سے آپ کے اندر جو علمی رسوخ، محدثانہ فقاہت اور استدلال و استنباط کی قوت پائی جاتی ہے اس نے آپ کو مرجع خلائق بنایا ہوا ہے۔ چنانچہ عوام ہی نہیں خواص بھی، اَن پڑھ ہی نہیں علماء فضلاء بھی، اصحاب منبر و محراب ہی نہیں اہل تحقیق و اہل فتویٰ بھی مسائل کی تحقیق کے لیے آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور آپ تدریسی و تصنیفی مصروفیات کے باوصف سب کو اپنے علم کے چشمۂ صافی سے سیراب فرماتے ہیں۔ جزاه الله عن الاسلام والمسلمين خير الجزاء۔

زیر نظر کتاب انہی سینکڑوں سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے جو ملک کے اطراف و جوانب سے بذریعہ خطوط آپ سے کیے گئے۔ اس میں عقائد سے لے کر زندگی کے تمام معاملات تک کے مسائل شامل ہیں۔ ہر سوال کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں دیا گیا ہے جس سے فاضل مؤلف کے قرآن وحدیث پر عبور، نصوص کے استحضار، تفقہ و استنباط کے ملکہ اور قوتِ استدلال کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

یوں شرعی احکام ومسائل پر مشتمل یہ کتاب رہنمائے زندگی بھی ہے اور علوم ومعارف کا خزینہ بھی، حکمت و دانش کا مرقع بھی ہے اور اسرار و حِکَم کا گنجینہ بھی، فکر و نظر کا گلدستہ بھی ہے اور قدیم و جدید کا حسین امتزاج بھی۔ اس میں مفسرانہ نکتے بھی ہیں اور محدثانہ شان بھی، فقیہانہ استنباط و طرزِ استدلال بھی ہے اور متکلمانہ انداز بھی۔ عوام کے لیے بھی ایک نہایت مفید کتاب اور علماء و طلبائے علوم دینیہ کے لیے بھی ایک گوہر نایاب۔ معیاری کتابت وطباعت اور خوبصورت جلد ان سب پر مستزاد۔ گویا پیکرِ حسن کو لباسِ جمیل سے آراستہ کر کے اس کے قامت کی زیبائی کو اور روئے بدار کی رعنائی کو خوب سے خوب تر کر دیا گیا ہے۔ جس پر اصحاب المکتبۃ الکریمیۃ بھی مبارک باد کے مستحق اور تحسین و آفرین کے سزاوار ہیں۔ ؎

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

حافظ صلاح الدین یوسف لاہور

المکتبۃ الکریمیۃ
قرآن وسنت کی اشاعت کا عظیم ادارہ
E-mail: alkarimiaa@hotmail.com
Web address: www.alkarimia.com